۱

معارفِ نبوی

احادیثِ نبویہ کا آسان اور عام فہم ترجمہ و تشریح

ترجمہ و تشریح

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّر اللہ مرقدہٗ



ترتیب و تحقیق

مولانا محمد زبیر طاہر

نواسہ حضرت لدھیانوی شہیدؒ

مکتبہ لدھیانوی

www.shaheedeislam.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

نام کتاب	**مَعارفِ نبوی** صلی اللہ علیہ وسلم
ترجمہ وتشریح	شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّر اللہ مرقدہٗ
ترتیب وتحقیق	مولانا محمد زبیر طاہر
طبع اوّل	جون ۲۰۱۲ء
ناشر	مکتبہ لدھیانوی

خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے۔ یومِ ولادت سے لے کر روزِ وصال تک ہر ہر لمحہ خالقِ ارض وسما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالوں کے ذریعہ محفوظ کرادیا ہے۔ دنیائے انسانیت کسی بھی عظیم المرتبت ہستی کے حالاتِ زندگی، انداز واطوار، مزاج ورجحان، حرکات وسکنات، نشست وبرخاست اور عمل وکردار اتنے تحقیقی اور سند کے ساتھ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کو امت کی رہنمائی کے لیے مرتب فرمادیا ہے۔

ہمارے جدِّ امجد شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ نے اس کتاب ''معارف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، اسوۂ حسنہ اور ارشادات کی روشنی میں زندگی گزارنے کا طریقہ، عقائد ونظریات، زہد وتقویٰ، اخلاقیات، حسنِ سلوک، طہارت وپاکیزگی، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وعمرہ، آدابِ معاشرت، کھانے پینے کے آداب، لباس اور زیب وزینت، علاج معالجہ، نکاح وطلاق، خرید وفروخت، فضائلِ جہاد وشہادت اور دیگر موضوعات سے متعلق احادیث مبارکہ کی سادہ اور دل نشیں انداز میں ترجمہ وتشریح کی ہے جو علماء طلباء اور عوام الناس میں بے حد پسند کی گئی ہے۔ بقیہ صفحہ نمبر ۱۱ے پر ملاحظہ فرمائیں۔۔۔

فہرست مضامین

عرضِ مرتّب

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ
اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی!

میرے نانا جان شہیدِ اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّر اللہ مرقدہٗ سے اللہ تعالیٰ نے اِشاعتِ دِین و دِفاعِ اِسلام کا خصوصی کام لیا، آپؒ نے تقریر، تحریر، تدریس، مناظرہ، مباہلہ، ہر میدان میں قائدانہ کردار اَدا فرمایا، یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے ہر باطل اور فتنہ پرور کے خلاف جہاد بالقلم کیا، صرف یہی نہیں، بلکہ اُمّتِ مسلمہ کو قرآنِ کریم سے جوڑنے اور قریب کرنے کے لئے عام فہم اور سادہ انداز میں درسِ قرآن کا اِہتمام کیا، جو مکمّل کیسٹوں میں محفوظ ہے اور اسے منظرِ عام پر لانے کے لئے الحمدللہ! کام جاری ہے۔

اسی طرح حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ اسلامنے جامع مسجد فلاح کے منبر و محراب میں ''مشکوٰۃ المصابیح'' اور ''مشارق الانوار'' سے جو دُروسِ حدیث دیئے، علاوہ ازیں ''سننِ ترمذی'' کے منتخب ابواب کی توضیح وتشریح جو ''معارفِ نبوی'' کے عنوان سے ماہنامہ ''بینات'' کے صفحات کی زینت بنتی رہی، اور بعد میں ''دُنیا کی حقیقت'' کے نام سے الگ کتابی شکل میں چھپی ہے، یا منکرینِ حدیث کے اِفہام کے لئے جو کچھ لکھا، ان میں سے کچھ طبع شدہ اور کچھ کیسٹوں میں محفوظ تھا، ان منتشر اور بکھرے موتیوں کو یکجا کرکے ''معارفِ نبوی'' کے نام سے احادیث کے موتیوں کی مالا تیار کی گئی ہے، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی چند خصوصیات یہ ہیں:

۱:... اس ''معارفِ نبوی'' میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ حضرت شہیدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث کے عنوان پر چاہے کوئی تقریر ہے یا کوئی تحریر، اُسے من وعن رکھا جائے، تاکہ قاری حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر اور تحریر دونوں کی چاشنی محسوس کرے، اور اس کو پڑھ کر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تقریری اور تحریری دونوں انداز سے مستفیض ہو۔

۲:... احادیث کی تشریح اور تفہیم میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا انداز طوالت اور اِختصار سے ہٹ کر عام فہم اور ایسا دِلنشین ہے کہ حدیث کا معنی اور مفہوم خود بخود دِل و دِماغ میں اُترتا چلا جاتا ہے۔

۳:... حالاتِ حاضرہ اور معاشرے کی ضرورت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے احادیث کی تشریح ایسے پیرایہ میں کی گئی ہے کہ قاری یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ میرے تمام مسائل اور پریشانیوں کا حل احادیث میں موجود ہے، گویا حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے عصرِ حاضر کا مکمّل نقشہ احادیث کی روشنی میں کھینچ کر رکھ دیا ہے۔

۴:... قرآنِ کریم کی آیات پر اِعراب اور حوالہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۵:... احادیث پر اعراب اور ان کی تخریج اصل مأخذ سے کی گئی ہے۔

''معارفِ نبوی'' کی چار جلدوں کے مضامین درج ذیل ترتیب پر ہیں:

جلد اوّل:... مقدّمہ: مقدّمہ میں حضرت شہید کا حدیث کی اہمیت وحجیت پر مفید رسالہ ''انکارِ حدیث کیوں؟'' مکمّل شامل کیا گیا ہے۔ عقائد و نظریات، تقدیر و علاماتِ قیامت، موت اور مابعد الموت، کتاب الرقاق، زُہد و تقویٰ، اخلاقیات، صلہ رحمی اور حسنِ سلوک وغیرہ۔

جلد دوم:... طہارت و پاکیزگی، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وعمرہ سے متعلق احادیث۔

جلد سوم:... ذِکر واَذکار، اورادو وظائف، آدابِ معاشرت، کھانے پینے کے آداب، لباس اور زیب وزینت، علاج ومعالجہ، نکاح وطلاق اور خرید وفروخت سے متعلق احادیث کی تشریح وتوضیح۔

جلد چہارم:... علم کے فضائل، جہاد اور شہید کے فضائل، غزوات، فتن وملاحم، فضائل ومناقب حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

''معارفِ نبوی'' کی ترتیب وتدوین میں اس ناکارہ کو اپنے ماموں جان حضرت مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی مدّظلہٗ، حضرت مولانا محمد اِعجاز مصطفیٰ مدّظلہٗ، اور حضرت مولانا شیخ ولی خان المظفر مدّظلہٗ کی سرپرستی حاصل رہی، جنھوں نے محبّت وشفقت سے حوصلہ افزائی فرمائی اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ علاوہ ازیں مفتی ذیشان انور، مولانا رحیم بخش اور بھائی عامر صدیقی کے تعاون ومعاونت کا بھی مشکور ہوں، جنھوں نے کتاب کی تیاری میں نمایاں حصہ لیا۔

اللہ تعالیٰ میرے نانا جان نوّر اللہ مرقدہٗ کے علوم وفیوض کو قبول ومنظور فرماکر عام فرمائے، قارئین کے لئے مفید، راقم الحروف کے لئے نجاتِ آخرت، اور آنے والی نسلوں کے لئے ذریعۂ راہنمائی بنائے، تاکہ وہ ان احادیث کے آئینے میں اپنے اعمال واخلاق اور سیرت وکردار کو سنوار سکیں، آمین!

محمد زُبیر طاہر
نواسۂ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
۱۰؍رجب ۱۴۳۳ھ

حضرت شہیدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ
کا مختصر تعارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّابَعْدُ:

اللہ تعالیٰ اس جہان کے خالق ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مبارک ذات کی طاقت وقوّت ظاہر کرنے کے لئے مخلوقات پیدا فرمائیں، ان مخلوقات میں سے کچھ عقل وادراک کی حامل ہیں، بقیہ بظاہر غیر مدرک وغیر عاقل ہیں، لیکن درحقیقت وہ بھی اپنے خالق ومالک کی تسبیح وتہلیل کرنے میں عقل وشعور کا ایک درجے تک اِدراک رکھتی ہیں۔

ان مخلوقاتِ مدرکہ وعاقلہ کی مشہور ومعروف تین اَقسام ہیں:

①: ناری، ②: نوری اور ③: خاکی۔

ناری یعنی شیاطین، ان میں خیر کا کوئی ذرّہ نہیں ہے، ان کی سرشت اور طبیعتوں میں شر ہی شر ہے، تا اَبد راندۂ درگاہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب ہے۔

نوری یعنی فرشتے وملائک، یہ اللہ تعالیٰ کی وہ مخلوق ہیں، جن میں خیر ہی خیر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی کر ہی نہیں سکتے، یہ اِطاعت وفرماں برداری کے پیکر ہیں۔

خاکی یعنی بنی نوعِ انسان، ان میں خیر بھی ہے اور شر بھی ہے، یہ اِطاعت ومعصیت دونوں کے متحمل ہیں، اگر یہ شر کی طرف مائل ہوجائیں، تو شیطان سے بھی بدتر ہوجاتے ہیں، اور اگر خیر کی طرف ان کا میلان ہوجائے، تو فرشتوں سے بھی فضیلت وجلالتِ شان میں سبقت لے جاتے ہیں۔ اس لئے مشرکین ومنافقین جہنّم کے نچلے درجے میں ہوں گے، اور انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام جنّت کے اعلیٰ مراتب اور نعمتوں میں ہوں گے،

جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا منصب و مرتبہ اسی لئے خدائے بزرگ و برتر کے بعد سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔

باری تعالیٰ کی یہ مخلوق خیر و شر دونوں ہی کی راہوں کو اختیار کر سکتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ نہ کرنے کی بنا پر شیطان کو مردود قرار دیا، شیطان نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کو گمراہ کرنے، ورغلانے اور زیغ و ضلال کی راہوں پر ڈالنے کا اعلان کر دیا، ربِّ حکیم و علیم نے اس کے اس نارسا چیلنج پر نوعِ انسانی میں اپنے قاصدین اور پیغام رساؤں کا بندوبست فرمایا، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی یعنی تقدیر و حکمت کا تقاضا تھا۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ تک سب ہی رسول اور نبی فرشتوں کے توسط اور اِلہامات و القاءاتِ الٰہیہ کے ذریعے اپنے خالق و مالک کی مرضیات کا پتا دیتے رہے، خیر کا پیغام پہنچاتے رہے، اِنسانیت و مخلوق کی بھلائی اور مالک کی اِطاعت و فرماں برداری کی تعلیم دیتے رہے، شیاطین اپنا کام کرتے رہے، وہ انسانوں کو خالق سے برگشتہ کرنے اور ارتکابِ معاصی پر لگاتے رہے۔ علامہ اقبال نے اسی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

چنانچہ سیّدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر جناب خاتم النّبیین ﷺ تک اِنسانی تعلیمات کے یہ کورسز و مراحل یا درجات، تکمیل پذیر ہوئے، اور ختمِ نبوّت یعنی تعلیماتِ الٰہیہ کے اِختتام کا تاجِ اقدس سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک پر سجا دیا گیا۔ آپ ﷺ کو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے ماڈل، نمونہ، قدوہ اور اُسوۂ حسنہ بنایا گیا، دِین کا اِکمال ہو گیا، خالق کی نعمتوں کا اِتمام ہوا، اور ''اسلام'' کو بطور دِین و مذہب کے تا قیامت چُنا اور منتخب کیا گیا۔ اب اس باڈی اور ڈھانچے میں کوئی کمی بیشی کسی طور پر قبول نہیں کی جا سکتی، نہ ہی یہ آخری ایڈیشن اس کا متحمل ہے، اور نہ ہی اس کی کسی کو اِجازت، یا اس میں چشم پوشی ہو سکتی ہے۔ اس سب کے باوجود اگر کوئی دجل، کذب، اِفترا اور فریب کاری کی کوشش کرے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عالم درہم برہم ہو جائے گا، جس کی تعبیر ''قیامت'' سے کی گئی ہے۔

لیکن شیاطین اور اس کے حواری تو اس قسم کے حربوں سے تا قیامت باز نہیں آئیں گے، وہ اپنے تئیں ضلالت و گمراہی کی ترغیب دیتے رہیں گے، اور پہاڑوں جیسی سازشیں اور چیرہ دستیاں کر کے اِنسانیت کو بے راہ روی، باطل، زَندقہ، اِلحاد اور کفر و نفاق کی طرف بلاتے رہیں گے۔ ادھر نبوّت کا سلسلۃ الذہب اِختتام پذیر ہو گیا، اب اِنسانیت کو صحیح اور حق کی نشاندہی کون کرے گا، چنانچہ علمائے اسلام کی صورت میں وارثانِ انبیاء کی ذمہ داری لگائی گئی کہ اب یہ حضرات گرامی قدر تجدید و احیائے دِین کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے،

اور شیاطین، دجاجلہ اور کذّابین ومفترین کا اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر، سر پر کفن باندھ کر ہر میدان میں مقابلہ ومقاومت کریں گے۔ ان مجدّدین ومجاہدین اور اہلِ حق وعلمبردارانِ تعلیماتِ نبوی کے اوصاف واِمتیازات بھی اللہ ورسول نے قرآن وسنّت میں بتلا دیئے۔ چنانچہ:

قرآنِ کریم ان کے کچھ خواص اس طرح بیان کرتا ہے:

①: خشیتِ اِلٰہی اور خوفِ خدا:

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط﴾ (فاطر:۲۸)

ترجمہ: ’’اللہ سے ڈرتے وہی ہیں، اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے۔‘‘

②: نافہمیدہ مسائل میں لوگ ان ہی ذاکرین کی طرف رُجوع کریں گے:

﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل)

ترجمہ: ’’سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں۔‘‘

③: ان کی پڑھائی اِعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہوگی، اور ان کو تعلیم قلم کے ذریعے دی گئی ہوگی:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ③
الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ط⑤﴾ (العلق)

ترجمہ: ’’پڑھ اپنے رَبّ کے نام سے جو سب کا بنانے والا، بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے، پڑھ اور تیرا رَبّ بڑا کریم ہے، جس نے علم سکھایا قلم سے، سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔‘‘

④: یہ ذاکرین وشاغلین طالبانِ آخرت اُسوۂ نبوی کے مکمل پابند ہوں گے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ
وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ط㉑﴾ (الاحزاب)

ترجمہ: ’’تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال، اس کے لئے جو کوئی اُمید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا۔‘‘

⑤: تفقہ فی الدّین اور اِنذارِ اَقوام ان کا خاصہ ہوگا:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ
اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ ۠﴾ (التوبۃ)

ترجمہ: ’’سو کیوں نہ نکلا ہر فرقے میں سے ان کا ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دِین میں اور تاکہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جبکہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ بچتے رہیں۔‘‘

⑥: اِرتدادی فتنوں کے سامنے اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل میں انہیں کبھی خوف لاحق نہ ہوگا:

﴿يَاۤيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۚ يُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۝۵۴﴾

(المائدۃ)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دِین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتی ہیں، نرم دِل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں، اور ڈرتے نہیں کسی کے اِلزام سے، یہ فضل ہے اللہ کا، دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار۔''

⑦: یہ حضرات وسطیت اور اِعتدال کے مالک ہوں گے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

ترجمہ: ''اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو اُمّتِ معتدل۔''

احادیثِ نبوی میں اُمّت کو اِن کی نشاندہی یوں کی گئی ہے:

①: سنّتِ نبوی کی تعلیم وترویج ان کی زندگی کا نچوڑ ہوگا:

۱:... ''ان اللہ یقیض للناس فی کل رأس مأۃ سنۃ من یعلّمھم السنن وینفی عن رسول اللہ الکذب۔'' (رواہ الترمذی والخطیب والعسقلانی ۹۴۹/۹۸)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ہر صدی میں لوگوں کے لئے کچھ حضرات کو پابند کریں گے جو انہیں سنتوں کی تعلیم دیں گے اور حضور کی طرف منسوب جھوٹ اور من گھڑت باتوں کی نفی کریں گے۔''

۲:... ''ان الدین بدأ غریباً وسیعود غریباً کما بدأ، فطوبی للغرباء، قیل: یا رسول اللہ من الغرباء؟ قال: الذین یحیون سنتی ویعلمونھا عباد اللہ۔''

(رواہ البیھقی ۱۱۷/۲)

ترجمہ: ''دِینِ اسلام شروع میں اجنبی تھا اور پھر سے اپنی ابتداء کی طرح اجنبی ہوجائے گا، پس خوشخبری ہے اجنبیوں کے لئے، پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ اجنبی کون ہوں گے؟ فرمایا: جو میری سنتوں سے محبّت کرتے ہوئے انہیں زندہ کریں گے، اور اللہ کے بندوں کو ان کی تعلیم دیں گے۔''

۲: وہ اہلِ باطل، جہالت اور غلوّ کرنے والوں کا تعاقب کرتے رہیں گے:

"یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین، و انتحال المبطلین، و تأویل الجاهلین۔"

(و قد روی هذا الحدیث من طرق کثیرة، مشکل الآثار للطحاوی۔ ۳۲۸۷)

ترجمہ: "اس علم کو یکے بعد دیگرے ایک ایک عادل جماعت حاصل کرتی رہے گی، جو اس سے غلوّ کرنے والوں کی کمی بیشی، اہلِ باطل کی جھوٹی باتوں اور جاہلوں کی غلط سلط تاویلات کو مٹاتے رہیں گے۔"

۳: وہ تجدید و اِحیائے دِین کا فریضہ انجام دیں گے:

"ان الله عز و جل یبعث لهذه الأمة علی رأس کل مأة سنة من یجدد لها دینها۔"

(رواہ ابو داود، والحاکم والطبرانی ۶/ ۲۳۰)

ترجمہ: "یقیناً اللہ تعالیٰ اس اُمّت کے لئے ہر نئی صدی میں ایسے لوگ مبعوث فرمائیں گے جو اُن کے سامنے دِینِ اسلام کی تجدید و اِحیاء کا فریضہ انجام دیں گے۔"

۴: انبیاء کے بعد وہ (مجدّدین) تنِ تنہا اور وقتاً فوقتاً جماعتوں کی شکل میں قرآن وسنّت کی تعلیمات کو اپنی اصلی شکل میں بیان کرتے ہوئے مبتدعین، ضالین، زَنادقہ اور ملحدین کا مقابلہ کریں گے، وہ اللہ تعالیٰ کے اس دِین میں نئے پودے ہوں گے، ان کے مشن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہ طائفۂ منصورہ ہوگا، ان کا تسلسل قیامت تک جاری رہے گا:

"من تعلم علماً یحیی به الاسلام لم یکن بینه و بین الانبیاء الا درجة۔"

(رواہ ابن عبدالبر ۱/ ۶۴)

ترجمہ: "جو آدمی علم سیکھے اِحیائے اسلام کے لئے اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا جو کہ نبوّت ہے۔"

"لا یزال الله یغرس فی هٰذا الدین غرساً یستعملهم فی طاعته۔"

(مسند احمد: ۱۷۴۴۱)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ اس دِین میں (مجدّدین کے) پودے لگاتے رہیں گے، جنہیں وہ اپنی طاعت کے لئے استعمال فرمائیں گے۔"

"لا یزال من أمتی أمة قائمة بأمر الله، لا یضرهم من خذلهم، و لا من خالفهم، حتی یأتی أمر الله و هم علی ذلک۔" (البخاری، ۳۶۴۱)

ترجمہ: ''میری اُمّت میں ایک جماعت ہمیشہ حکمِ خاوندی پر قائم ہوگی، انہیں کسی کی تائید یا مخالفت سے آخر دَم تک کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

⑤: وہ اتنے سیدھے سادے ہوں گے کہ ہر کسی کو ان کے ربّانی اور مجدّد ہونے کا پتا بھی نہ چلے گا:

''ان ادنی الرباء شرک، واحب العبید الی اللّٰہ تبارک و تعالیٰ الاتقیاء الاخفیاء، الذین اذا غابو الم یفتقدوا، و اذا شھدوا لم یعرفوا، اولئک أئمۃ الھدی، و مصابیح العلم۔'' (رواہ الحاکم فی المستدرک: ۳۰۳/۳)

ترجمہ: ''کم سے کم سود بھی شرک کے برابر ہے، اور اللہ کے نیک بندے وہ چھپے ہوئے تقویٰ دار ہیں، کہ کہیں وہ غائب ہوجائیں تو کوئی تلاش نہ کرے، اور اگر کہیں مجمع میں موجود بھی ہوں تو ان کا پتا نہ چلے، وہی ہدایت و رہنمائی کے سرچشمے اور علم کے چراغ ہیں۔''

⑥: منکر اور ناجائز کی تردید میں یہ حضرات ہچکچائیں گے نہیں:

''من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہ، و ذلک اضعف الایمان۔'' (مسلم: ۴۹)

ترجمہ: ''تم میں سے جو بھی کوئی برائی (خلافِ شریعت) دیکھے تو اس کو بزورِ بازو روکے، ورنہ زبان سے روکے، ورنہ کم از کم دِل میں اسے بُرا سمجھے، اور یہ آخری درجہ ایمان کا کمزورترین حصہ ہے۔''

⑦: یہ مجدّد اپنے مقام ومرتبے کے لحاظ سے ہزاروں عابدوں کے برابر ہوں گے:

''فقیہ واحد اشدّ علی الشیطان من الف عابد۔'' (البخاری فی التاریخ ۳۰۸-۳)

ترجمہ: ''تفقُّہ فی الدین کا ایک ماہر عالم ہزاروں عام عبادت گزاروں سے شیطان پر بھاری ہوتا ہے۔''

⑧: اللہ تعالیٰ خود ان کا اِنتخاب فرما کر انہیں تفقُّہ فی الدین کی نعمت سے نوازیں گے:

''من یرد اللّٰہ بہ خیر أیفقھہ فی الدین۔'' (متفق علیہ)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتے ہیں اسے دِین کی سمجھ (فقہ) نصیب کرتے ہیں۔''

مذکورہ قرآنی آیات اور اَحادیثِ نبویّہ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لے جانے، بالخصوص حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمّت میں انسانیت کی رہبری و رہنمائی کے

لئے ایسے نائبین اور جانشینوں کا اِنتخاب کیا جائے گا، جو نبوّت کے مرتبے و درجے سے کم لیکن نبوّت والا کام پوری تندہی سے انجام دیں گے۔

ان نصوص سے یہ بھی اچھی طرح معلوم ہوا کہ یہ حضرات بنی نوع بشری میں قیامت تک موجود رہیں گے اور جب بھی اسلامی تعلیمات میں ابتداع یا غلوّ، کمی بیشی یا جوڑ توڑ کا عمل ہوگا، یہ ان تعلیمات کی حقیقی رُوح اور اصلی شکل پیش کرتے رہیں گے، اس طرح یہ اِحیاء وتجدیدِ دِین کے فریضے سے عہدہ برآ ہوں گے۔

یہ مجدّدین علماء، حکام، مفکرین اور اُمّت کے دیگر مختلف طبقات میں سے ہوں گے، بعض ان میں کلی اور جامع ہوں گے، یعنی زمان ومکان اور میدانِ کار کے اعتبار سے، بعض امکنہ، ازمنہ اور ماحول کے اعتبار سے جزئی ہوں گے۔

جناب رسالت مآب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد باجماعِ اُمّت خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین مجدّدیت کے مقام پر فائز ہیں، ان کے بعد مختلف محققین نے مختلف فہرستیں مرتب کی ہیں، جن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ، عمر بن عبدالعزیز، اِمام احمد بن حنبل، اِمام شافعی، اِمام ابوالحسن اشعری، اِمام غزالی، اِبن حزم الظاہری، علّامہ ابنِ رُشد، حافظ ابنِ تیمیہ، حافظ ابن القیم، صلاح الدین ایوبی، سلطان محمود غزنوی، مجدّد الف ثانی، اِمام الہند شاہ ولی اللہ، شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، سیّد جمال الدین افغانی، شیخ محمد عبدہ، قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا محمد اِلیاس بانیٔ تبلیغی جماعت، مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی، حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی، ترکی کے شیخ بیرم اور سعودی عرب کے شیخ ابن باز... رحمۃ اللہ علیہم... شامل ہیں۔

آخر الذکر چند اَسماء میں بعض دیگر کا اضافہ اور موجودہ پر بعض حضرات کا انتقاد ممکن ہے، البتہ شاہ ولی اللہ اور جمال الدین افغانی کا تذکرہ مجدّدیت کے عنوان پر سب لکھنے والوں نے کیا ہے، گویا یہ عرب وعجم اور تمام فِرَق ومکاتب کے یہاں بالاتفاق اس مقام پر فائز تھے۔

تجدید واِحیائے دِین کے اس زُمرے میں عصرِ حاضر کی بھی بعض نامور شخصیات خاص میادین اور بعض علیٰ طریق الکلیہ اس فہرست میں شامل ہونے کے لائق ہیں۔

بہر حال چونکہ شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت و کردار ہمارے پیشِ نظر ہے، لہٰذا ہم ان کی چیدہ چیدہ صفات اور کارنامے ذکر کرکے یہ ثابت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بھی تجدید واِحیائے دِین کا کام لیا ہے، ان کی حیاتِ مبارکہ، کارنامے اور بچپن سے پیرانہ سالی اور شہادت تک جدوجہد بعد میں آنے والوں کے لئے صحیح معنوں میں ایک نمونہ، اُسوہ، ماڈل اور سنگِ میل کی

حیثیت رکھتے ہیں۔

ان کی طالب علمی کا دور، تدریس، اِمامت خطابت، تحریر وتقریر، قیادت ومشیخیت، فتنوں کا تعاقب، جرح وتعدیل، تصوّف وسلوک، فکرونظر، تصنیف وتالیف، جہاد وقتال، اِتباعِ سنّت وشریعت، گھریلو اور عوامی تگ وتاز، غرض ہر میدان میں بنظرِ عمیق جائزہ لینے والوں کو ان کی ایک ایک اَدا قابلِ دید اور قابلِ تقلید نظر آئے گی۔

زمانۂ طالب علمی:

اپنی انتہائی مختصر خودنوشت میں فرماتے ہیں:

''مشرقی پنجاب کے ضلع لدھیانہ اور ضلع جالندھر کے درمیان دریائے ستلج حد فاصل کا کام دیتا تھا، ضلع لدھیانہ کے شمال مشرقی کونے میں دریائے ستلج کے درمیان ایک چھوٹی سی جزیرہ نما بستی ''عیسیٰ پور'' کے نام سے آباد تھی، جو ہر برسات میں گرنے اور بننے کی خوگر تھی، یہ مصنّف کا آبائی وطن تھا۔ تاریخِ ولادت محفوظ نہیں، اندازہ یہ ہے کہ سنِ ولادت ۱۳۵۱ھ، ۱۹۳۲ء ہوگا، والدہ ماجدہ کا اِنتقال شیرخوارگی کے زمانے میں ہوگیا تھا، والد ماجد چوہدری اللہ بخش مرحوم ومغفور حضرتِ اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرّہٗ سے بیعت، ذاکروشاغل اور زیرک وعاقل بزرگ تھے، دیہات میں پنچایتی فیصلے نمٹانے میں ان کا شہرہ تھا۔ قریب کی بستی موضع جسووال میں ان کے پیر بھائی حضرت قاری ولی محمد صاحب ایک خضر صفت بزرگ تھے، قرآنِ کریم کی تعلیم انہی سے ہوئی، پرائمری کے بعد ۱۳ برس کی عمر ہوگی کہ لدھیانہ کے مدرسہ محمودیہ اللہ والا میں داخل ہوئے، یہاں حضرت مولانا اِمداداللہ حصاروی صاحب سے فارسی پڑھی، اگلے سال مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے مدرسہ انوریہ میں داخلہ لیا، دوسال یہاں مولانا انیس الرحمٰن، مولانا لطف اللہ اور دیگر اساتذہ سے ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں، ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا، اور مشرقی پنجاب سے مسلم آبادی کے اِنخلا کا ہنگامۂ رستاخیز پیش آیا، مہینوں کی خانہ بدوشی کے بعد چک ۳۳۵ ڈبلیو بی ضلع ملتان میں قیام ہوا، وہاں سے قریب منڈی جہانیاں میں چوہدری اللہ داد خان مرحوم کی تعمیر کردہ جامع مسجد میں مدرسہ رحمانیہ تھا، وہاں حضرت مولانا غلام محمد لدھیانوی اور دیگر اساتذہ سے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا، ایک سال مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاولنگر میں حضرت مولانا عبداللہ رائے پوری، ان کے برادرِ خورد حضرت مولانا لطف

اللہ رائے پوری شہید اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مدظلہ العالی سے متوسطات کی تعلیم ہوئی، اس کے بعد چار سال جامعہ خیرالمدارس ملتان میں تعلیم ہوئی، ۷۲-۱۳۷۳ھ میں مشکوٰۃ شریف ہوئی، ۷۳-۱۳۷۴ھ میں دورۂ حدیث، اور ۷۴-۱۳۷۵ھ میں تکمیل کی، خیرالمدارس میں درج ذیل اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے: حضرت اقدس اُستاذُالعلماء مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ، بانیٔ خیر المدارس وخلیفۂ مجاز حضرتِ اقدس حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالشکور کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد نور صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا علاّمہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔ دورۂ حدیث کے سال حضرتِ اقدس مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ اشرفیہ اِمدادیہ صابریہ میں بیعت کی، اور علومِ ظاہری کے ساتھ تعمیرِ باطن میں ان کے انوار وخیرات سے استفادہ کیا۔'' (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۱،ص:۱۲)

دورانِ تعلیم درجہ سابعہ کے سال شہرۂ آفاق اور کلیدی حیثیت کی حامل حدیث کی کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی شرح لکھی ''التقریر النجیح'' کے نام سے، کمال کی بات یہ ہے کہ یہ شرح کسی اُستاذ کی آمالی نہیں بلکہ طبع زاد تھی، میرے ناقص مطالعے کے مطابق شاید ہی آج تک کسی طالبِ علم نے دورانِ تعلیم اتنی بڑی عظیم الشان اور مہتم بالشان کتاب کی اس طرح شرح لکھنے کی ہمت کی ہو۔ آپ کے ہم سبق نیز مولانا عبدالرشید ارشد رحمۃ اللہ علیہ (بانی و مدیر ماہنامہ ''الرشید'' لاہور) نے یہ بھی لکھا ہے کہ شہیدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے دورے کے سال بخاری وترمذی کے تمام دُروس بھی لکھے، اور سالانہ امتحان میں پہلی پوزیشن بھی لی۔ راولپنڈی کے مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب مرحوم حضرت شہیدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق تھے۔ انہوں نے بہت سی باتوں کے علاوہ خود حضرت کی اپنی ایک بات نقل کی ہے: ''رفیقِ درس ہونے کی وجہ سے بڑی بے تکلفی کا سلوک رہا، افغانستان کے سفر میں فرمایا ''وہ واقعہ یاد ہے کہ ایک بار ہم دونوں خیرالمدارس میں امتحان دے رہے تھے کہ کسی نے امتحان گاہ میں پرچی پھینکی اور ہم دونوں نے اس کو ہاتھ بھی نہ لگایا، اور فرمایا کہ میں نے تو ان کو کہا: یہ خیانت اور بددیانتی ہے'' (ماہنامہ ''بینات'' شہیدِ اسلام نمبر، ص:۱۸۵)۔

مثالِ زیست سرِ راہ جلا دی ہم نے
ایسی دُنیا تو نہ تھی جیسی بنا دی ہم نے

چنانچہ یہی امانت ودیانت اور زُہد وتقویٰ انہیں حضرتِ اقدس اُستاذُالعلماء مولانا خیر محمد جالندھری

نوّر اللہ مرقدہٗ کے دست مبارک پر بیعت کے لئے آمادہ کرتا ہے۔

درس وتدریس کا انداز:

تعلیم سے فراغت پر حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے روشن والا ضلع لائلپور کے مدرسے میں تدریس کے لئے تقرر ہوا، اور دو سال میں وہاں ابتدائی عربی کتب سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک تمام کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی، دو سال بعد حضرت مرشد نے ماموں کانجن بھیج دیا، وہاں حضرت مولانا محمد شفیع ہوشیارپوری کی معیت میں قریباً دس سال قیام رہا۔ ماموں کانجن کے بعد ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۴ء تک جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں بھرپور تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد دفترِ ختمِ نبوّت ملتان کے رُوحِ رواں رہے۔ ۱۹۷۷ء میں جامعہ علومِ اسلامیہ علّامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے منسلک ہوئے اور تادمِ شہادت یہاں اکناف واَطرافِ عالم سے آئے ہوئے تشنگانِ علومِ نبوّت کی آبیاری فرماتے رہے۔

اِبتدائی دو سالوں میں مشکوٰۃ تک تدریس، اور شاید وہاں دورہ نہ ہوتا ہو، ورنہ اس تک رسائی، درسِ نظامی کے میدان میں تدریس سے وابستہ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ کوئی آسان کام نہیں۔ اس سے حضرت شہیدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ کی مدرّسانہ عبقریت اظہر من الشّمس ہے۔ ان کی تدریس کتنی جامع مانع اور تیر بہدف تھی، اس کا اندازہ آپ ان کے حدیث کے متعلق درسی مجموعے "معارفِ نبوی" سے بخوبی لگا سکتے ہیں، متعلقاتِ درس کا کس قدر اِحاطہ اور حشو وزوائد سے کتنا اِجتناب وکنارہ کشی، اہلِ علم اس کتاب کو پڑھ کر بڑی آسانی سے حقیقت تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔ تقریرِ درس میں تاثیر وافادیت کا اندازہ چہار دانگِ عالم میں پھیلے ہوئے ان کے تلامذہ سے لگا سکتے ہیں، جو ہمہ وقت صرف آپ کی تدریس کے حوالے سے مدح سرائی میں رطب اللسان رہتے ہیں۔

۱۹۸۸ء میں جامعہ علوم اسلامیہ علّامہ بنوری ٹاؤن میں یکے بعد دیگرے ایسے حادثات پیش آئے کہ آپ کو ایک دفعہ پھر تدریس کے میدان میں آنا پڑا۔ اس لئے کہ حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی مفتیٔ اعظم پاکستان فالج کی وجہ سے پڑھانے سے معذور ہوگئے۔ حضرت مولانا محمد اِدریس میرٹھی صاحب رحلت فرماگئے۔ حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتی، حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے ہی میں بیماری کی وجہ سے سوات تشریف لے گئے اور وہیں تدریس میں مشغول تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا بدیع الزمان بھی بیمار اور معذور ہوگئے، ان نازک لمحات میں جانشینِ بنوری اِمامِ اہلِ سنّت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا، اور وہ عجیب دور تھا، کیونکہ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شہید رحمہ اللہ کے درمیان بےتکلفی تھی۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر تشریف لاتے اور آپ کے دست مبارک سے قلم چھین کر فرماتے، کبھی ہم سے بھی باتیں کیا کریں۔ حضرتؒ اپنی نشست سے باہر تشریف لاتے اور پھر ایک عجیب رُوحانی محفل کا آغاز

ہو جاتا۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: ''یہ شخص ولی ہے، مگر اس نے اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے۔'' بہرحال مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے بے تکلفی سے فرمایا: ''آپ نے ابوداوٗد شریف پڑھانی ہے!'' حضرت نے فرمایا: ''مجھ سے اب محنت کا کام نہیں ہوتا، میں پڑھانا چھوڑ چکا ہوں۔'' حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: ''نہیں جی ہم نے فیصلہ کرلیا ہے آپ نے ضرور پڑھانا ہے، ہمیں اور طلبہ کو اس کی ضرورت ہے۔'' معمولی سی ردّ و قدح کے بعد حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''آپ کے حکم کو کون ٹال سکتا ہے، جیسا آپ کا حکم!'' اسی طرح کافی عرصے بعد حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد اور مربی محدّث العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی مسندِ حدیث پر تشریف فرما ہوئے تو اس مسند کی رونق دوبالا ہوگئی۔ ایسا محسوس ہونے لگا کہ حضرت اقدس مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا درس دوبارہ شروع ہو گیا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسندِ بنوری کو جو زینت بخشی تو شہادت سے ایک دن قبل تک آپ اس منصب کا حق نبھاتے رہے اور اگر شہادت پر فائز نہ ہوتے تو یہ سلسلہ اب بھی چل رہا ہوتا۔ مفتی محمد جمیل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اِبتدائی تدریس! یہ دور آپ کی جوانی بلکہ نوجوانی کا دور تھا۔ اس میں آپ نے جو تدریس کی اس میں تربیت اور طلبہ میں علم کو راسخ کرنے کا جذبہ کارفرما تھا۔ اس لئے حضرت نہ صرف خود بہت زیادہ محنت فرماتے بلکہ طلبہ پر بھی تعلیم کے سلسلے میں بہت زیادہ سختی فرماتے۔ اس دور کے شاگرد مولانا محمد اسلم گوجرہ، مولانا ضیاء الدین آزاد ماموں کانجن، مولانا محمد حسین حسین پوری، مولانا عبدالشکور مرحوم، مولانا محمد شفیع وغیرہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ سبق پر بہت زیادہ گرفت فرماتے، اگر سبق یاد نہ ہوتا تو بعض اوقات سخت سزائیں بھی دیتے، بعض دفعہ پٹائی بھی کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے ابتدائی دور میں پڑھنے والے طلبہ باوجود بڑے بڑے عالمِ دِین اور بڑے منصب پر پہنچنے کے آپ سے بہت زیادہ رُعب میں رہتے اور آخری وقت تک آپ سے کھل کر گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ اکثر یہ حضرات کہتے کہ تم لوگ تو حضرت کے ساتھ اس طرح گفتگو کر لیتے ہو، ہم لوگ تو نظر اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بارہا یہ حضرات اپنے مافی الضمیر سے حضرت کو آگاہ کرنے کے لئے آج کل کے شاگردوں کی مدد لیتے۔ اس دور میں آپ نے ایک دن میں کئی کئی کتابیں پڑھائیں۔ بہت تحقیق کے ساتھ کتاب کے پورے مفہوم سے طلبہ کو آگاہ کرتے، ان کو کتاب ذہن نشین کراتے اور دُوسرے دن سنتے۔ طلبہ کو مطالعے کے ذوق و شوق کی رغبت دلاتے۔ کام کرنے کی طرف متوجہ کرتے۔ جو طلبہ درس سے بے رغبتی کرتے آپ کو اس پر بہت زیادہ افسوس ہوتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ: ''طالبِ علم کو تعلیم کا شوق نہ ہو؟ اس کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا!'' طلبہ کو پڑھنے کے ساتھ لکھنے کی بھی ترغیب دیتے، فارغ ہونے والے حضرات کو تدریس پر لگاتے۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس کا دُوسرا دور بڑی کتب کی تدریس کا تھا جس کا زیادہ حصہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال یا جامعہ علومِ اسلامیہ علّامہ بنوری ٹاؤن میں گزرا۔ یہ دور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف و تالیف کا تھا۔ آپ فجر کے بعد سے لے کر رات بارہ بجے تک تصنیف میں لگے رہتے۔ اس دوران آپ احادیث شریف کے دو یا تین سبق پڑھاتے۔ جامعہ بنوری ٹاؤن میں حدیث کی صرف ایک کتاب ابوداؤد شریف یا طحاوی شریف کا آپؒ درس دیا کرتے تھے۔ اکثر رات بارہ بجے تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کتاب کا مطالعہ فرماتے۔ سبق کے گھنٹے سے پانچ یا دس منٹ بعد درس گاہ میں تشریف فرما ہو جاتے۔ طلبہ میں سے کسی کو عبارت پڑھواتے، پھر بہت ہی دھیمے انداز میں عقیدت و محبّت میں ڈُوب کر آپ احادیث شریف کا ترجمہ اور تشریح فرماتے۔ وقفے وقفے سے آپ طلبہ کی طرف نگاہ اُٹھا کر ایک خاص اِلتفات سے مسکراہٹ بکھیرتے تو پوری درسگاہ رُوحانیت سے منوّر ہو جاتی۔ آپ کی نگاہ میں ایسی تاثیر ہوتی کہ ہر طالبِ علم آپ کی محبّت کا اسیر ہو کر رہ جاتا۔ اطمینان سے روزانہ اتنا سبق پڑھاتے کہ وقتِ مقرر پر کتاب ختم فرما دیتے۔ اعمال والی احادیث پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے۔ طلبہ کو مسنون ہیئت کے ساتھ رہنے کی ترغیب دیتے۔ آخری دنوں میں طلبہ میں ایک ایک پگڑی تقسیم کرتے، اس طرح عمامہ کی متروک سنّت آپ عملی طور پر جاری فرماتے۔ احادیث کی تطبیق اس انداز میں فرماتے کہ سننے والے کو آسانی سے ذہن نشین ہو جاتی۔

اکابر علمائے کرام کے مسلک کی وضاحت فرماتے ہوئے اکابر کی تشریح پر اِعتماد کرنے کا حکم دیتے۔ ہمیشہ فرماتے کہ: اکابر علماء کے مقابلے میں اپنی تحقیق کو ایک طرف پھینک دو۔ مثالوں سے واضح فرماتے کہ اکابر کے طریق سے ہٹنے والے اکثر گمراہ ہو گئے۔ اکثر طلبہ آپ سے بیعت بھی فرماتے۔ ایسے طلبہ کو اَذکار و اعمال کی تلقین بھی فرماتے۔ طلبہ کو مولوی فاضل یا عصری علوم پڑھنے سے بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے اور طلبہ میں مولویت کوٹ کوٹ کر بھرنے کی کوشش کرتے۔ آپ کا تدریسی دور بلاشبہ اکابر اسلاف کے طرز کے مطابق مثالی تھا، جس میں ہزاروں طلبہ نے آپؒ سے فیض حاصل کیا اور اس وقت پوری دُنیا میں علومِ دِینیہ کی اِشاعت میں مصروف ہیں۔ پاکستان اور بیرونِ پاکستان یہ طلبہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں، بلاشبہ یہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔" (شہیدِ اسلام نمبر، ص:۴۳۸)

اِمامت و خطابت:

ایسے ائمہ و خطباء پر نکیر وارِد ہوئی ہے جن سے ان کے مقتدی نالاں ہوں، حدیث کے اس مفہوم کے تناظر میں اگر حضرت شہیدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے اس گوشے پر نگاہ ڈالی جائے، تو حیرت و اِستعجاب کی اِنتہا نہیں رہے گی، دُور دراز سے عوام الناس، محبین و معتقدین ان کے دُروس، بیانات اور جمعہ و عیدین کی خطابت سننے کے لئے کتنے بے تابانہ حاضر ہوتے تھے، "فلاح مسجد" فیڈرل بی ایریا کو ایک عظیم اِصلاحی، دِینی راہنمائی اور

رُشد وہدایت کی وہ مرکزیت حاصل ہوگئی تھی، جو شہر بھر میں خال خال مساجد کو حاصل ہوتی ہے۔

حضرت شہیدِ اسلام نوّر اللہ مرقدہٗ نے مسجد، منبر و محراب، اِمامت و خطابت اور محلے میں ایک مصلح کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ چنانچہ ''فلاح مسجد'' میں ان کے زمانے میں حاضری دینے والوں اور محلے پر حضرتؒ کی شخصیت کے گہرے اور اَنمٹ نقوش ہیں۔ پانچوں نمازوں بشمول نمازِ فجر میں مسجد کھچا کھچ بھری رہتی، جمعہ، عیدین اور اَیامِ اِعتکاف میں تل دھرنے کی جگہ نہ ہوتی، سینکڑوں معتکفین حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ملک بھر سے آتے اور صرف دس روز کے اِعتکاف یا جمعہ بہ جمعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ''از دل خیزد بر دل ریزد'' خطاب سن کر لوگوں کی کایا پلٹ جاتی، اس کی ایسی کیا وجوہات تھیں کہ ہزاروں اَئمہ مساجد بھی اس رُشد و صلاح کے چشمے سے فیضیاب ہوتے، حقیقت یہ ہے کہ وہ **''شابٌ نشأ فی عبادۃ اللہ''** تھے، صغرسنی سے لے کر بڑھاپے تک اپنے معمولات، بزرگوں سے مصاحبت و ارادت اور قرآن و سنّت کے متبحر عالم و عاشق تھے، خدا و رسول سے انہیں بہت عشق تھا، ماہنامہ ''بینات'' کے ''شہیدِ اسلام نمبر'' میں مفتی محمد نعیم حیدرآبادی اور صاحبزادہ مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی نے تہجد، صلوٰۃ التسبیح، ذِکر و اَذکار، تلاوت، تکبیرِ اُولیٰ اور دورانِ نماز ان کی انابت اِلی اللہ، خشیت اور دھیان فی الصلوٰۃ کے جو خاکے کھینچے ہیں، وہ پڑھنے اور عمل کرنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے اِمامت و خطابت کو اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر اس نمونے کی مکمّل پاسداری کی، تو خود بھی ایک نمونہ بن گئے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''تہجد میں جب اُٹھتا ہوں، تو روزانہ صلوۃ التسبیح اسی وقت پڑھ لیتا ہوں، پھر ذِکر کا معمول پورا کرتا ہوں، پھر اگر وقت ہوتا ہے تو مناجاتِ مقبول اور ذریعۃ الوصول کی منزل بھی پڑھ لیتا ہوں، اتنی دیر میں اَذانِ فجر ہوجاتی ہے، تو دو رکعت فجر کی سنّت پڑھ کر مسجد میں آجاتا ہوں اور جماعت ہونے تک تلاوت کرتا رہتا ہوں۔''
>
> (ماہنامہ ''بینات'' شہیدِ اسلام نمبر، ص:۳۳۰)

خطبات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان و بیان کا اندازہ ان کے اِصلاحی مواعظ سے لگایا جاسکتا ہے، مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

> ''جس طرح آپ کی تحریر میں بلا کی روانی، شائستگی، شستگی اور حد درجہ خیرخواہی اور دِل سوزی کا جذبہ ہے، اسی طرح آپ کے وعظ و بیان میں اس سے کہیں زیادہ خلقِ خدا کی نفع رسانی کا عنصر ہے، اس لئے آپ کے مواعظ حد درجہ مفید، نافع اور اِصلاحی ہوتے ہیں۔''
>
> (ماہنامہ ''بینات'' شہیدِ اسلام نمبر، ص:۲۶۵)

آٹھ جلدوں میں اِصلاحی مواعظ شہیدِ اسلام ہمارے آج کے اَئمۂ کرام کے لئے ایک عظیم اور

گرانقدر سوغات ہے۔

تصوّف وسلوک:

زمانۂ طالب علمی ہی میں درجہ تکمیل کے ساتھ حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ اشرفیہ امدادیہ صابریہ میں بیعت کی، اور علومِ ظاہری کے ساتھ تعمیرِ باطن میں ان کے انوار وخیرات سے اِستفادہ کیا۔ حضرت جالندھری نوّر اللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوّراللہ مرقدہٗ سے رُجوع کیا، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت واِجازت کی خلعت سے سرفراز فرمایا، ساتھ ساتھ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرّہٗ نے بھی اَزخود خلافت واِجازت کی سندِ عالی عطا فرمائی۔ آپ کی مشیخیت کس قدر کامیاب رہی جناب نثار احمد خان فتحی کو ذرا پڑھئے:

''ایک کامل شیخِ طریقت میں جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے، اس کی فہرست تو بہت طویل ہے، لیکن جن چند بنیادی اوصاف کا ہونا لازمی شرائط میں سے ہے، ان میں سب سے پہلا وصف یہ ہے کہ وہ کسی صاحبِ سلسلہ بزرگ کی صحبت میں رہ کر اِجازتِ بیعت حاصل کر چکا ہو۔ دُوسری بنیادی بات یہ کہ شریعت وطریقت کے علم کا جامع ہو۔ اور تیسری بنیادی بات یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی چنگاری اس کے دِل میں سلگ چکی ہو۔

مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے یہ کافی ہے، کیونکہ اصل فیضِ ہدایت تو خدا کی طرف سے آتا ہے، شیخ تو صرف وسیلہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مرید کی عقیدت وخدمت اور شیخ کی اِتباع کی بدولت ہدایت اور اپنی معرفت کے دروازے کھول دیتا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے اکابرین مشائخ کی صحبت میں رہے اور بہت تھوڑے عرصے میں اپنی ثقاہت، للّٰہیت، اِخلاص اور تفقُّہ فی الدین کی وجہ سے ان کے منظورِ نظر ہوگئے، اور شیخ الحدیث قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ صاحب اور ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز بیعت ہوگئے۔

زندگی کے آخری پانچ برسوں میں ایک خلقتِ کثیر کا آپ کی طرف رُجوع ہوا، کیا عوام اور کیا خواص! سب کے قلوب آپ کی طرف اس طرح کھنچے گئے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے، یہاں تک کہ آپ کی شہادت سے کچھ عرصے پہلے اکابر علماء آپ سے بیعت کا شرف حاصل کر چکے تھے، اور کسی عالم کا کسی بزرگ سے بیعت کرنا، اس کے شیخِ طریقت ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

طریقت کے راستے میں سب سے بڑی چیز اپنی ذات، اپنے اوصاف اور اپنے کمالات کی نفی ہوتی ہے، تواضع، کسرِ نفسی اور اپنے کچھ نہ ہونے کا احساس، سلوک کے بڑے بڑے مقامات طے کرا دیتا ہے: ''من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ'' حضرت مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ میں یہ وصف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔'' (شہیدِ اسلام نمبر، ص:۵۰۰)

تصنیف وتألیف اور صحافتی زندگی:

"التقریر النجیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح" آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی کاوش ہے، جو درجہ سابعہ کے سال طبع زاد تحریر فرمائی تھی، صحیح بخاری اور جامع ترمذی پر اساتذہ کرام کی آمالی بھی زیبِ قرطاس کیں۔

فراغت کے بعد وہ میدانِ قلم میں کس شان سے اُترے ان کا بقلمِ خود اِظہار ملاحظہ ہو:

''سب سے پہلا مضمون مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے ردّ میں لکھا، موصوف نے ''صدقِ جدید'' میں ایک شذرہ قادیانیوں کی حمایت میں لکھا تھا، اس کے جواب میں ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں ایک مضمون شائع ہوا تھا، لیکن اس سے تشفی نہیں ہوئی، اس لئے برادرم مستری ذکراللہ کے ایماء پر مرحوم کی تردید میں مضمون لکھا جو ''دارالعلوم'' ہی کی دو قسطوں میں شائع ہوا۔ ماہنامہ ''دارالعلوم'' کے ایڈیٹر مولانا ازہر شاہ قیصر کی فرمائش پر ''فتنۂ اِنکارِ حدیث'' پر ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند کے علاوہ ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' میں بھی شائع ہوا، جمعیت علماء اسلام سرگودھا کے احباب نے اس کو کتاب کی شکل میں بھی شائع کیا۔

فیلڈ مارشل ایوب خان ۱۹۶۲ء میں بی ڈی نظام کے تحت ملک کے صدر بنے تو پاکستان کے ''اکبرِ اعظم'' بننے کے خواب دیکھنے لگے، ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کے رُفقاء کو ابوالفضل اور فیضی کا کردار ادا کرنے کے لئے بلایا گیا، ڈاکٹر صاحب نے آتے ہی اسلام پر تابڑتوڑ حملے شروع کردیئے، ان کے مضامین اخبارات کے علاوہ ''ادارہ تحقیقات اسلامی'' کے ماہنامہ ''فکرونظر'' میں شائع ہورہے تھے۔ حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ کی تمام تر توجہ ''فضل الرحمانی فتنہ'' کے کچلنے میں لگی ہوئی تھی، اور ماہنامہ ''بینات'' کراچی میں اس فتنے کے خلاف جنگ کا بگل بجایا جاچکا تھا۔ ''بینات'' میں ڈاکٹر صاحب کے جو اِقتباسات شائع ہورہے تھے ان کی روشنی میں ایک مفصل مضمون لکھا، جس کا عنوان تھا: ''ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا تحقیقاتی فلسفہ اور اس کے بنیادی اُصول'' یہ مضمون ''بینات'' کو تصحیح کے لئے بھیجا تو حضرتِ اقدس بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے کراچی طلب فرمایا اور حکم فرمایا کہ: ماموں کانجن سے ایک سال کی رُخصت لے کر کراچی آجاؤ۔ یہ ۱۹۶۶ء کا واقعہ ہے، چنانچہ حکم کی تعمیل کی، سال ختم ہوا تو حکم فرمایا کہ: یہاں مستقل قیام کرو۔ بعض وجوہ سے ان دنوں کراچی میں مستقل قیام مشکل تھا، جب معذرت پیش کی تو فرمایا کہ کم سے کم ہر مہینے دس دن ''بینات'' کے لئے دیا کرو۔ ہر مہینے دس دن کا ناغہ ماموں کانجن کے حضرات نے قبول نہ کیا، اور جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ناظمِ اعلیٰ حضرت مولانا حبیب اللہ رشیدی مرحوم ومغفور نے اس کو قبول فرمالیا۔ چنانچہ تدریس کے لئے ماموں کانجن سے ساہیوال جامعہ رشیدیہ میں تقرر ہوگیا، یہ سلسلہ ۱۹۷۴ء تک رہا، ۱۹۷۴ء میں حضرت اقدس بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی اِمارت وصدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی تو جامعہ رشیدیہ کے بزرگوں سے

فرمایا کہ: اس کو جامعہ رشیدیہ سے ختمِ نبوّت کے مرکزی دفتر ملتان آنے کی اجازت دی جائے۔ ان حضرات نے بادِلِ نخواستہ اس کی اجازت دے دی، اس طرح جامعہ رشیدیہ سے تدریسی تعلق ختم ہوا۔ بیس دن مجلس کے مرکزی دفتر ملتان میں اور دس دن کراچی میں گزارنے کا سلسلہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات... ۳/ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ، ۱۷/اکتوبر ۱۹۷۷ء... تک جاری رہا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہمیشہ اِصرار رہا کہ مستقل قیام کراچی میں رکھیں، ان کی وفات کے بعد ان کی خواہش کی تکمیل ہوئی۔ اس طرح ۱۹۶۶ء سے آج تک ''بینات'' کی خدمت جاری ہے اور ربِّ کریم کے فضل و اِحسان سے توقع ہے کہ مرتے دَم تک جاری رہے گی۔

مئی ۱۹۷۸ء میں جناب میر شکیل الرحمٰن صاحب نے ''جنگ'' کا اسلامی صفحہ ''اقرأ'' جاری فرمایا تو ان کے اِصرار اور مولانا مفتی احمد الرحمٰن کی تاکید و فرمائش پر اس سے منسلک ہوئے اور دیگر مضامین کے علاوہ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کا مستقل سلسلہ شروع کیا۔ جس کے ذریعے بلا مبالغہ لاکھوں مسائل کے جوابات، کچھ اخبارات کے ذریعے اور کچھ نجی طور پر لکھنے کی نوبت آئی، الحمدللہ! یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔''

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱، ص:۱۳)

ماہنامہ ''بینات'' ترجمان جامعہ علوم اسلامیہ علّامہ بنوری ٹاؤن، ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ترجمان عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّۃ، ماہنامہ ''اقرأ ڈائجسٹ'' کے علاوہ ملک کے مشہور علمی رسائل و جرائد میں شائع شدہ سیکڑوں مضامین و مقالات آپ کی قلمی کاوشوں اور اعلیٰ صحافتی معیار کے شاہدِ عدل ہیں، یہ مضامین و مقالات مختلف ناموں سے خوبصورت اور دیدہ زیب کتابوں کی صورت میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

حضرت شہیدِ اسلامؒ کی تصنیفات و تألیفات پر ان کے خادمِ خاص، علمی جانشین اور دست راست مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جو تعارف کروایا ہے، ہم اسے مختصراً ذکر کرتے ہیں:

۱:... تحفۂ قادیانیت (مکمّل چھ جلد):

''مرزا قادیانی کے دجل و تلبیس کو نمایاں کرنے کے لئے جہاں بہت سے اکابرینِ اُمّت نے کتب، رسائل و مقالات تحریر فرمائے، وہاں حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ کے قلمِ حق رقم نے تردیدِ قادیانیت میں نہایت تجدیدی کارنامہ انجام دیا، چنانچہ مرزائے قادیان کے دجل و فریب کو آشکارا کرنے کے لئے آپ نے جہاں بے شمار مناظرے اور مباحثے فرمائے، وہاں آپ نے اِتمامِ حجت کے لئے مختلف اوقات اور ضرورتوں کے پیشِ نظر بیسیوں مقالات و مضامین اور رسائل و کتب بھی تصنیف فرمائیں۔

حضرت اقدس حکیم العصر رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ بیان اور طرزِ اِستدلال اس قدر مؤثّر و مسکت ہوتا کہ کٹر سے کٹر

قادیانی مانے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ دلوں کا پھیرنا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، مگر وقتی طور پر بڑے سے بڑا قادیانی مربی بھی قادیانی مذہب کی تغلیط وتکذیب کے سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا، حضرت اقدس حکیم العصرؒ کے اس عنوان پر لکھے گئے تمام رسائل وکتب کو یکجا کر کے انہیں ''تحفۂ قادیانیت'' کے نام سے شائع کرنے کا عزم کرلیا گیا، چنانچہ اس سلسلہ کی چھ جلدیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، جبکہ اس سلسلے کی پہلی جلد کا انگریزی ترجمہ ''گفٹ فار قادیانیز'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۲:... اِختلافِ اُمّت اور صراطِ مستقیم (حصہ اوّل):

مختلف فرقوں کے عقائد ونظریات پر لکھی گئی یہ کتاب ابتدائی طور پر ماہنامہ ''بینات'' کراچی کی اشاعتِ خاص کی شکل میں شائع ہوئی تھی، جسے بارگاہِ الٰہی سے اس قدر مقبولیت سے نوازا گیا کہ اسے معاصر واکابر کے علاوہ عام انصاف پسند حلقوں میں بھی بے حد پسند کیا گیا۔

۳:... اِختلافِ اُمّت اور صراطِ مستقیم (حصہ دوم):

اس حصے میں فروعی مسائل میں مسلکِ اِعتدال کی نشاندہی کرتے ہوئے مشہور فروعی مسائل ''فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین، اَذان، اِفرادِ اِقامت، تکبیراتِ عیدین، سجدہ سہو، مسائلِ وتر، نمازِ جنازہ، جمعہ فی القریٰ'' وغیرہ مسائل کو نہایت شاندار اَنداز سے بیان کیا گیا ہے۔

۴:... دُنیا کی حقیقت (جلد اوّل):

حضرت اقدس محدّث العصر حضرت بنوری قدس سرہٗ کی خواہش اور چاہت تھی کہ ماہنامہ ''بینات'' میں چار مستقل سلسلے شروع کئے جائیں: ایک قرآنِ کریم کی تفسیر کا، اور دُوسرا حدیثِ پاک کے ترجمہ وتشریح کا، اور تیسرا فقہی مسائل کا، اور چوتھا سلف صالحین کے حالات وواقعات کا۔ پیشِ نظر کتاب اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے جس کے مضامین کا ''بینات'' کی فائلوں سے جمع کر کے کتابی شکل میں مرتّب کیا گیا ہے، یہ جلد ترمذی شریف کے چار اَبواب: اَبوابُ الزہد، اَبواب احوال القیامۃ، اَبواب صفۃ الجنۃ اور اَبواب صفۃ جہنّم، یعنی دُنیا کی حقیقت، قیامت کے احوال اور جنّت وجہنّم کے مناظر کے ترجمہ وتشریح پر مشتمل ہے۔

اِمام ترمذی کا اِرشاد ہے کہ:

> ''جس شخص کے گھر میں میری کتاب ترمذی شریف ہو وہ یوں سمجھے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں موجود ہیں اور میں براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِستفادہ کر رہا ہوں۔''

ٹھیک یہی تصوّر یہاں بھی ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو، وہ مندرجہ مسائل میں جب چاہے براہِ راست ارشاداتِ نبوّت سے راہِ نمائی حاصل کرسکتا ہے۔ کتاب ۵۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

۵:... دُنیا کی حقیقت (جلد دوم):

پیشِ نظر کتاب ترمذی شریف کے ترجمہ وتشریح کے سلسلے کی دُوسری جلد ہے، جس میں کھانے پینے، صلہ رحمی اور علاج ومعالجہ کے آداب واَحکام کو نہایت عمدہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ حصہ ۴۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، یہ سلسلہ ابھی جاری تھا کہ حضرتِ اقدس جامِ شہادت نوش فرماکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے رُخصت ہوگئے اور ہمیں یتیم کرگئے۔ (اب یہ دونوں جلدیں ''معارفِ نبوی'' میں ضم کردی گئی ہیں ...ناقل)۔

۶:... آپ کے مسائل اور اُن کا حل:

۵رمئی ۱۹۷۸ء کو وحی کے پہلے لفظ ''اقرأ'' کے نام سے روزنامہ ''جنگ'' کراچی میں اسلامی صفحہ اقرأ کا آغاز کیا گیا تو روزِ اوّل سے ہی اس کی سرپرستی حکیم العصر مرشد العلماء حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ نے قبول فرمائی، اور اس میں دُوسرے سلسلوں کے ساتھ ساتھ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے عنوان سے عوام کے دِینی مسائل میں رہنمائی کا مبارک سلسلہ بھی شروع کیا۔

حضرت اقدس کے خلوص واِخلاص، تقویٰ وطہارت، علم وفضل، فقاہت وحذاقت اور جذبہ نصح وخیرخواہی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت نے خوب رنگ دکھلایا، اور یہ سلسلہ بہت جلدی مقبول ومحبوبِ خلائق قرار پایا، بلامبالغہ ''جنگ'' کے اسلامی صفحہ اور خصوصاً ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی وجہ سے روزنامہ ''جنگ'' کے جمعہ کے دن کی اشاعت میں خوب اضافہ ہوا اور اس کے ذریعے ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح ہوئی، بدعت ورُسومات سے جان چھوٹی اور اس سے کہیں زیادہ لوگوں میں دِینی انقلاب آیا، بے پردگی، بے دِینی، بے غیرتی، ٹی وی، وی سی آر سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، عوام کو اپنی دہلیز پر دِین مہیا ہونے لگا، وہ لوگ جو روایتی شرم وحیاء کی وجہ سے کسی دارالافتاء کا رُخ نہیں کرسکتے تھے یا ایسی بے سہارا خواتین اور مظلوم اَفراد جو ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے اور دِینی حکم معلوم کرکے ظالم کو ظلم سے روکنے کا یارا نہیں رکھتے تھے، وہ اس صفحے کے ذریعے اپنی مظلومیت کی داستان سنانے کی پوزیشن میں آگئے اور انہیں ظالم کے ظلم کو طشت ازبام کرنے کا موقع میسّر آگیا۔

قارئین کا شدید اِصرار تھا کہ اس علمی اور فقہی ذخیرے کو جو نہایت سہل اور عام فہم زبان میں ہے، جس سے ہزاروں اور لاکھوں زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا ہے، مستقبل میں آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کردیا جائے تاکہ اس خزانۂ عامرہ سے رہتی دُنیا تک کے مسلمان مستفید ہوسکیں۔ چنانچہ رفتہ رفتہ قارئین کے ساتھ ساتھ معاصرین واکابرین نے بھی اس پر زور دیا اور توجہ دلائی، بلکہ تقاضا کیا کہ اس انوکھے اور نئے انداز کے فقہی ذخیرے کو کتابی شکل میں مدوّن کیا جائے، بحمداللہ اب تک اس سلسلے کی نو جلدیں شائع ہوچکی

ہیں اور دسویں جلد زیرِ ترتیب ہے، جبکہ ان جلدوں کی اشاعت کے بعد شائع ہونے والے مسائل اس سے علاوہ ہیں۔ مزید وہ مسائل جو ان شائع شدہ نو جلدوں میں سے کسی ایک جلد کے ابواب کی مناسبت سے اس میں درج ہونے کے منتظر ہیں وہ اس کے سوا ہیں، (الحمدللہ! اب دس جلدوں کی تخریج و اِضافے کے بعد فتاویٰ سائز میں آٹھ جلدوں میں یہ سیٹ شائع ہوچکا ہے ...ناقل) چار ہزار صفحات پر مشتمل اس فقہی انسائیکلوپیڈیا میں مہد سے لے کر لحد تک پیش آنے والے انسانی زندگی کے ہر مسئلے کا شرعی حل موجود ہے۔ اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ جتنا مسئلہ معلوم کیا گیا ہے، جچے تلے الفاظ میں اس کا شافی جواب دیا گیا ہے، اگر کہیں ضرورت محسوس کی گئی ہے کہ سائل کو صرف مسئلہ بتانے سے اس کی اُلجھن دُور نہیں ہوگی تو اسے نہایت مفید مشورے سے بھی نوازا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' حضرت حکیم العصر رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر کارناموں کی طرح ایک عظیم تجدیدی کارنامہ ہے۔

۷:... سیرتِ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ:

مصنّف اِمام ابن عبدالحکم رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تمام حالات، جو انہوں نے اپنے قابلِ اِعتماد اساتذہ سے سنے تھے ان کو ''سیرتِ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ'' کے نام سے مرتّب کیا۔ اس کتاب کی جلالتِ قدر کا اَندازہ اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ سے کیا جاسکتا ہے:

> ''ابن عبدالحکم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں ایک کتاب لکھی ہے، جو آپ کی سیرتِ جمیلہ اور حسن طریقت پر مشتمل ہے، اور اس کتاب میں وہ نفائس ہیں جن کے علم و عمل سے کوئی آدمی مستغنی نہیں ہوسکتا۔'' (تہذیب الاسماء واللغات ص۲۱۷ ج۲)

الغرض ابن عبدالحکم کی یہ جلیل القدر کتاب نادر مخطوطوں کی شکل میں دُنیا کے خال خال کتب خانوں کی زینت تھی۔ مشرقِ وسطیٰ کے محقق شیخ احمد عبید رحمۃ اللہ علیہ کی عرق ریزی اور جانفشانی سے پہلی بار ۱۳۴۶ھ میں شائع ہوئی۔ متعدّد اکابر اور معاصر علماء نے حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّر اللہ مرقدہٗ سے فرمائش کی کہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کو اُردو کے قالب میں ڈھالا جائے، تاکہ عوام و خواص اس سے استفادہ کرکے حضرت امیرالمؤمنین خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات کے آئینۂ صافی کو سامنے رکھ کر اپنے کاکل و گیسو کو سنوار سکیں۔ اور حکام کو معلوم ہوجائے کہ ایک خلیفہ اور حاکمِ وقت کی کیا خصوصیات ہونی چاہئیں؟ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا اور اس شان سے کیا کہ ترجمے کا حق اَدا کردیا۔

عربی سے اُردو میں منتقل کی گئی اس کتاب کو پڑھنے سے ذرّہ برابر بھی یہ شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ ہے یا مستقل تصنیف ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ بیان اور تحریر کی سلاست و شستگی نے اس میں ایسا رس گھولا ہے کہ قاری اسے پڑھتا ہے تو پڑھتا چلا جاتا ہے۔ اسے شروع کرتا ہے تو ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی

نہیں کرتا۔ ایک سو بانوے صفحات کی اس کتاب میں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی حیات کے ہزاروں کمالات ایک سو بانوے عنوانات پر تقسیم کر کے بیان کئے گئے ہیں۔

۸:... رسائلِ یوسفی:

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کو تکوینی طور پر علمائے دیوبند اور مسلکِ حق کا ترجمان اور مناد، نامزد فرمایا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ ہر فتنے کے مقابلے میں سینہ سپر نظر آتے ہیں، فتنۂ قادیانیت ہو یا اِنکارِ حدیث، تجدّد پسندی کا فتنہ ہو یا اِلحاد کا، آپ ہر ایک کے دانت کھٹے کرتے نظر آتے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعہ بھی تردیدِ باطل کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

۹:... ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر:

اس رسالہ میں شیعہ مصنّف حافظ فرمان علی کے ترجمۂ قرآن میں کی گئی تحریف کا جائزہ لیا گیا ہے اور نشاندہی کی گئی ہے کہ شیعہ موجودہ قرآن کو تحریف شدہ سمجھتے ہیں اور ان کی تحریفات کی مثالیں دے کر اُمّت کو اس منکرِ قرآن فرقے کی حیثیت سے آگاہ کیا گیا ہے۔

۱۰:... اِنکارِ حدیث کیوں؟

غلام احمد پرویز کے فلسفۂ اِنکارِ حدیث کے خلاف قرآن وحدیث اور اِجماعِ اُمّت کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ اِنکارِ حدیث دراصل اِنکارِ قرآن ہے، اور واضح کیا گیا ہے کہ جو لوگ اِنکارِ حدیث کرتے ہیں، ان کا دِین واِیمان سے کوئی واسطہ نہیں، اس لئے کہ اِنکارِ حدیث درحقیقت اِنکارِ دِین ہے، اگر حدیث ناقابلِ اِعتماد ہے تو قرآن کیونکر قابلِ اِعتماد ہوسکتا ہے؟

۱۱:... اِنتباہ المؤمنین (ایک شیعی مغالطے کا حل):

''اِنتباہ المؤمنین'' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کا فارسی رسالہ ہے، جس میں ایک شیعہ نے مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کے حوالے سے جناب مولانا اِلٰہی بخش صاحب پر اِعترض کیا، اور اس حدیث کا مصداق معلوم کرنا چاہا، غالباً اِعتراض یہ تھا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ ان کو خلیفہ بنائیں گے، مولانا اِلٰہی بخش صاحب نے یہ سوال حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیج دیا۔ پیشِ نظر رسالہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اس سوال کا جواب ہے، جس میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت مسکت وشافی دندان شکن جواب دے کر حدیث کی وضاحت فرمائی۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس عجیب وغریب علمی رسالے کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا، اور اس کا نام رکھا ''ایک شیعی مغالطے کا حل'' یہ رسالہ حسنِ ظاہری کے ساتھ حسنِ معنوی سے معمور ہے، اور عوام وخواص دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔

۱۲:... عورت کی سربراہی:

بے نظیر کے دور میں جناب کوثر نیازی صاحب نے عورت کی حکمرانی کے جواز اور پارٹی سربراہ کی نمک خواری کے بدلے میں اپنی تمام ''علمی'' توانائیاں صَرف کیں تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کا بھرپور تعاقب کیا، اور ثابت کیا کہ عورت کی حکمرانی ناجائز ہے۔ اس کے ضمیمے کے طور پر عورت و مرد کا رُتبہ کے عنوان سے حضرت ہی کا ایک نفیس مقالہ بھی شامل ہے۔

۱۳:... کیا ذِکری مسلمان ہیں؟

ذکری فرقہ جس کے افراد بلوچستان اور کراچی میں پائے جاتے ہیں اور مُلّا محمد اٹکی کو نبی مانتے ہیں، مگر بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو مسلمان باور کراتے ہیں۔ چونکہ سیدھے سادے مسلمانوں کو ان کے عقائد کے بارے میں کوئی خاص آگاہی نہیں تھی اور انہیں مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالے میں اس فرقے کے عقائد کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ رسالہ اس فتنے کی سرکوبی کے لئے بہترین راہ نما اور نفیس ہتھیار ہے۔

۱۴:... تنقید اور حقِ تنقید:

مودودی صاحب اپنے علاوہ کسی کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے، اس رسالے میں حضرت حکیم العصر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ''تنقید اور حقِ تنقید'' کے عنوان سے ان کے اس غلط عقیدے کی دلائل سے تشریح کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ تنقید کی کیا حدود ہیں؟ یہ رسالہ ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۵:... شیعہ سنی اِختلافات اور صراطِ مستقیم (بولتے حقائق):

حضرت اقدسؒ نے ''اِختلافِ اُمّت اور صراطِ مستقیم'' تصنیف فرمائی تو اس میں شیعہ سُنّی اختلاف کے عنوان کے تحت بعض شیعہ عقائد کی نشاندہی فرمائی، جو غالباً شیعہ برادری کے لئے خفت کا باعث ہو سکتے تھے، اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کو منظرِ عام پر لایا جائے، اس کتاب کے مندرجات سے اِختلاف کرتے ہوئے ایک شیعہ عالم جناب سیّد محمد محسن اِجتہادی صاحب نے حضرت حکیم العصر رحمۃ اللہ علیہ کو ایک طویل ترین مکتوب لکھ کر اس پر اِحتجاج کیا کہ آپ نے اپنی کتاب میں جو جو عقائد ہماری طرف منسوب کئے ہیں، وہ آپ کے خود ساختہ ہیں، شیعہ مکتبۂ فکر کے یہ عقائد نہیں۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت متانت وسنجیدگی سے جناب سیّد اِجتہادی کا خط پڑھا، اور اس کا جواب لکھا کہ: ''آنجناب تو ان عقائد سے اِنکار فرماتے ہیں، مگر یہ عقائد آپ کے اکابر کی کتابوں میں موجود ہیں، آپ خود ہی یہ فیصلہ فرماویں کہ آپ سچ فرماتے ہیں یا آپ کے اکابر کی تصنیفات کو سچا سمجھا جائے؟''

اس کے بعد اِجتہادی صاحب کے اُٹھائے گئے نکات کا تفصیلی جواب دیا جو کتاب کی شکل میں

آپ کے سامنے ہے۔

۱۶:... اِصلاحی مواعظ (آٹھ جلدوں میں):

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مقبولِ عام سلسلہ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے فقہی ترتیب پر مدوّن ہوجانے کے بعد عوام کا مطالبہ تھا کہ آپ کے مواعظ وخطبات کو بھی کتابی شکل میں مرتّب کیا جائے، کیونکہ جس طرح آپ کی تحریر میں بلا کی روانی، شائستگی، شستگی اور حد درجہ خیرخواہی اور دِل سوزی کا جذبہ ہے، اسی طرح آپ کے وعظ وبیان میں اس سے کہیں زیادہ خلقِ خدا کی نفع رسانی کا عنصر ہے، اس لئے آپ کے مواعظ حد درجہ مفید، نافع اور اِصلاحی ہوتے ہیں، انہیں ضرور شائع ہونا چاہئے، لہٰذا ان خطبات کے جمع وترتیب کا کام ہوا، جو کہ اب آٹھ جلدوں میں منظرِ عام پر ہے۔

۱۷:... شخصیات وتأثرات (جلد اوّل):

ماہنامہ ''بینات'' حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سیّد محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کا جاری فرمودہ ہے، اس کا اِداریہ ''بصائر وعبر'' کے عنوان سے تاحیات محدّث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے قلم فیض رساں سے نکلتا رہا، حضرت بنوری قدس سرہٗ کی وفات کے بعد یہ بھاری ذمہ داری حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ پر ڈالی گئی، بلکہ خود حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات کے آخری سفر پر جاتے ہوئے یہ کہہ کر کہ ''آئندہ آپ خود اِداریہ لکھ لیا کریں'' یہ امانت حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ فرمادی تھی، حضرت نے اسے نہ صرف نبھایا بلکہ نبھانے کا حق ادا فرمایا۔

پیشِ نظر کتاب میں شامل اکابر علمائے اُمّت اور شخصیات کے بارے میں تأثرات دراصل حضرت لدھیانوی قدس سرہٗ کے قلم سے نکلے ہوئے بصائر وعبر ہیں جنہیں کتابی شکل میں مرتّب کرکے شائع کیا گیا۔

۱۸:... شخصیات وتأثرات (جلد دوم):

یہ جلد چار صد صفحات پر مشتمل ہے، جس میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ، اور ان کی تصنیفات کے علاوہ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جی مولانا اِنعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد اَیوب جان بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے (۴۴) اکابر، علماء، صلحاء اور شخصیات کا تذکرہ ہے۔

۱۹:... اطیب النغم فی مدح سیّد العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر علمی خدمات کے علاوہ آپ کے قصیدہ

''اطیب النغم'' کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی جو اُنہوں نے ''قصیدہ بائیہ'' حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ اور ''قصیدہ ہمزیہ'' حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے تتبع میں تحریر فرمایا، اور پھر فارسی میں اس کی تشریح بھی فرمائی۔ فارسی میں ہونے کی وجہ سے عوام اس کے اِستفادے سے محروم تھے، اس لئے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان قصیدوں اور ان کی فارسی شرح کا ترجمہ وتشریح فرمائی، نیز حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کا قصیدہ بھی شامل کرکے اس کا بھی ترجمہ فرماکر اُردو میں ایک بہترین ذخیرہ پیش کیا۔

۲۰:... رجم کی شرعی حیثیت:

مرشد العلماء حضرت لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ماہنامہ ''بینات'' میں ان بے دِین عناصر اور منکرِ حدیث ججوں کا تعاقب کرتے ہوئے قرآن وحدیث کے حوالے سے نہایت زوردار اَنداز سے یہ ثابت کیا کہ رجم شرعی حد ہے۔ پیشِ نظر کتاب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلے کے تمام مضامین کو یکجا کرکے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

۲۱:... حسنِ یوسف:

پیشِ نظر کتاب آپ کے ان مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں نفاذِ شریعت، شعائرِ اسلام کا تحفظ اور دِینی مدارس ومساجد کے عنوان پر لکھے گئے تمام مضامین کو یکجا کیا گیا ہے، پانچ سو صفحات کی یہ کتاب حکام، عدلیہ اور اِنتظامیہ کے لئے تازیانۂ عبرت اور اُمّتِ مسلمہ کے لئے بہترین راہنما ہے، (اب یہ کتاب ''اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں'' میں ضم کردی گئی ہے)۔

۲۲:... خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم:

عقیدۂ ختمِ نبوّت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کا باغی اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دُشمن ہے۔ مرزا قادیانی نے اُمّتِ مسلمہ کو گمراہ کرنے اور ان کو دامنِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ کر اپنے پیچھے لگانے کے لئے دعویٔ نبوّت کیا تو اِمام العصر حضرت مولانا سیّد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تڑپ کر رہ گئے۔ انہوں نے آخری دنوں میں بسترِ مرگ پر ''خاتم النّبیین'' فارسی زبان میں لکھی، ان کی خواہش تھی کہ اسے اپنے خاص مصارف سے طبع کراکر کشمیر اور ان ممالک میں تقسیم کریں جن میں فارسی زبان مروّج ہے، مگر چونکہ ہمارے ملک کی زبان اُردو ہے، فارسی کا ذوق عوام میں کیا، علماء میں بھی قریب قریب ناپید ہے، اس لئے اس کے ترجمے کی ضرورت تقریباً نصف صدی سے محسوس کی جارہی تھی، مگر یہ مشکل وکٹھن کام ہر ایک کے بس کا نہیں تھا۔ حضرت بنوری قدس سرہٗ نے حضرت حکیم العصر قدس سرہٗ کو اس کا حکم فرمایا تو آپ نے اس کی ذمہ داری قبول فرمائی اور ترجمہ کرنا شروع کردیا، اور بلاشبہ آپ نے ترجمے کا حق ادا فرمادیا۔ فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی

کے لئے یہ کتاب کسی صاعقۂ آسمانی سے کم نہیں۔

۲۳:... عصرِ حاضر حدیثِ نبوی کے آئینے میں:

قربِ قیامت میں لوگوں کی دِینی، دُنیاوی، مالی اور اَخلاقی حالت کیا ہوگی؟ اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ایک ایک چیز کی نشاندہی فرمائی ہے، اس وقت لوگوں کی کیا رَوِش ہوگی؟ کیسے کیسے فتنے رُونما ہوں گے؟ بے حیائی اور بے دِینی کا کیا عالم ہوگا؟ عورتوں اور مال کے فتنوں سے بچنے کی کیا صورت ہوگی؟ یہ تمام تفصیلات احادیثِ مبارکہ سے اس کتاب میں جمع کردی گئی ہیں، گویا یہ احادیثِ مبارکہ کا آئینۂ صافی ہے جس میں ہر آدمی اپنے اور دورِ حاضر کے حالات و معاملات کا بغور جائزہ لے سکتا ہے۔

۲۴:... عہدِ نبوّت کے ماہ و سال:

شیخ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہٗ، شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نوّر اللہ مرقدہٗ کے معاصر اور ان کے ہم پلہ عظیم بزرگ تھے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوّت کے سال سے لے کر آپ ﷺ کے وصال تک ۲۳ سالہ دورِ نبوّت قبل اَز ہجرت اور بعد اَز ہجرت کے تمام حالات و واقعات کو سن وار عربی میں مرتّب فرمایا، اور اس کا نام رکھا ''بذل القوّۃ فی حوادث سنی النبوۃ''۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت ﷺ کے سن وسال کے حالات وحوادث کے تذکرے کو سعادت سمجھتے ہوئے اس کا نہایت شستہ اور سلیس ترجمہ فرمایا ہے، اور اس کا نام رکھا: ''عہدِ نبوّت کے ماہ وسال'' یہ کتاب بلا مبالغہ ہر وقت سینے سے لگائے رکھنے کے قابل ہے۔ یہ حسین دستاویز ۳۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۵:... دورِ حاضر کے تجدّد پسندوں کے اَفکار:

پیشِ نظر کتاب میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہی حضرات کا تعاقب فرمایا ہے جو اُصولِ دِین کے بارے میں اِفراط و تفریط کے مرتکب ہوئے، ان میں سے بعض اَفراد تو واقعی مخلص ہوں گے، لیکن بعض تو خالص بد دِین اور اِسلام دُشمن تھے۔

۲۶:... دعوت و تبلیغ کے چھ بنیادی اُصول:

حضرت جی مولانا محمد یوسف دہلوی قدس سرہٗ نے تبلیغ کے چھ بنیادی اُصول کے بارے میں محنت ولگن سے احادیثِ مبارکہ جمع فرمائیں، مگر وہ مسوّدہ گوشۂ گمنامی میں چلا گیا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مولانا سعد صاحب کو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی کتابوں میں سے وہ مسوّدہ دستیاب ہوا، اور حضرت شہیدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے ترجمے کی فرمائش کی گئی۔ چنانچہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں درج نامکمل احادیث کی تکمیل فرمائی، ہر حدیث کا حوالہ دیا، جہاں متعدّد اَحادیث کے متن خلط ملط تھے، ان کو الگ الگ کیا، قدیم

مراجع کو جدید مراجع کے ساتھ ملاکر، جدید کتابوں کے حوالے دیئے، جہاں ضرورت تھی وہاں اِضافے فرمائے، جن کتبِ احادیث میں حدیث کے نمبرات تھے، ان احادیث کے حدیث نمبر لکھوائے، یوں یہ ایک لاجواب تحقیقی دستاویز تیار ہوگئی۔

۲۷:... ذریعۃ الوصول اِلٰی جناب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم:

شیخ مخدوم مولانا محمد ہاشم سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا دُرود وسلام کے بارے میں فارسی میں رسالہ ہے، جسے حضرت شہیدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اُردو میں منتقل کیا ہے۔ حضرت مصنّف رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالے میں دُرودشریف کے وہ الفاظ جمع کئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے، صحابہ رضی اللہ عنہم سے، تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے اور دیگر اکابر رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہیں۔

۲۸:... قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب خلیفہ حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب کی فرمائش پر آپ رحمۃ اللہ علیہ برطانیہ تشریف لے گئے اور اپنے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وسوانح مرتّب فرمائی۔ کتاب کیا ہے، حضرت شیخ کی سوانح پر ایک لاجواب انسائیکلوپیڈیا ہے، کتاب کی تعریف کرنا ’’مادحِ خورشید، مداح خود است‘‘ کا مصداق ہے۔

۲۹:... حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمروں کے بارے میں ایک کتاب مستطاب تالیف فرمائی، کتاب چونکہ عربی میں تھی، اس لئے اُردودان طبقہ اس کے نفحات سے مستفید نہیں ہوسکتا تھا، اس ضرورت کے پیشِ نظر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اُردو کے نہایت حسین وجمیل قالب میں ڈھالا۔

تین سو پینتیس (۳۳۵) صفحات کے اس حسین گلدستے میں حجۃ الوداع کی تفصیلات کے علاوہ عمرۂ حدیبیہ، عمرۃ القضاء، عمرۂ جعرانہ اور دُوسرے بیشتر متفرق اُمور کا بسط وتفصیل سے بیان ہے۔

(’’بینات‘‘ شہیدِ اسلام نمبر، از ص:۲۵۲ تا ۲۸۶، باضافات واِختصارات)

۳۰:... اسلام کا قانونِ زکوٰۃ وعشر۔

۳۱:... معاشرتی بگاڑ کا سدِّباب۔

۳۲:... مقالات وشذرات۔

۳۳:... اَربابِ اِقتدار سے کھری کھری باتیں (تین جلدیں)۔

۳۴:... علّامہ تورپشتی کی کتاب "المعتمد فی المعتقد" کا اُردو میں آسان اور دِلنشین ترجمہ جو زیرِ طبع ہے۔

۳۵:... معارفِ نبوی (چار جلدیں، احادیثِ مبارکہ کا آسان، دِلچسپ اور عام فہم ترجمہ وتشریح)۔

صاحبِ طرز ادیب:

حضرت شہیدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے قلم میں بلا کی روانی تھی، طوفان کی تیزی تھی اور تلوار کی کاٹ تھی، انہوں نے جس موضوع پر بھی قلم اُٹھایا، لکھنے کا حق ادا کردیا، وہ نہایت انوکھے اور اچھوتے انداز میں لکھتے اور دلائل وبراہین کے انبار لگادیتے، فریقِ مخالف کو چاروں شانے چت کرکے فتح وکامرانی کا جھنڈا لہرادیتے۔

لیکن آپ کے قلم میں غضب کی گرفت بھی تھی، چنانچہ آپ کے قلم میں جہاں اعدائے اسلام، دِین بیزاروں اور باطل پرستوں کے لئے فولاد کی سی سختی اور ضرب یداللّٰہی کا اثر تھا، وہاں احباب واکابر کے حق میں وہ ابریشم سے زیادہ نرم وگداز تھا، شاید اقبال نے ایسے ہی مواقع کے لئے کہا تھا:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

اس عنوان کے تحت شہیدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے اِقتباسات بے تحاشا پیش کئے جاسکتے ہیں، لیکن طوالت کے خوف سے ہم صرف یہاں تین شہ پارے ہی پیش کریں گے۔

مقالہ نگاری کی دُنیا میں ان کے سب سے پہلے مضمون کو لیجئے، مولانا عبدالماجد دریاآبادی جو علم ومعرفت اور فہم ودانش کے ایک دریا ہیں، ان کی کس غضب سے گرفت فرمارہے ہیں:

"مولوی عبدالماجد صاحب دریاآبادی پاک وہند کی ایک ممتاز شخصیت ہیں، اور اپنے گوناگوں اوصاف کی وجہ سے مشہور ہیں۔ لیکن "طائفۂ ملعونہ قادیانیہ" اور اس کے سربراہ مرزا آنجہانی کے حق میں مدّت سے ان کی رائے بے جا حمایت کی حد تک نرم ہے۔ اس باب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تفقُّہ، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا علم وفضل، مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اِخلاص، حافظ العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا تبحرِ علمی، شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع، اور حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی معاملہ فہمی، ان کے لئے قطعاً بے سود ہیں۔ وہ ان تمام حضرات کو اپنے وقت کا مقتدا اور اکابر ضرور تسلیم کریں گے، لیکن جہاں تک ان حضرات کی تحقیق، اِستدلال یا اِستنباط کا تعلق ہے، مولانا موصوف جب تک اس کو خود اپنی تحقیق

کی کسوٹی پر پرکھ نہیں لیں گے، ہرگز تسلیم نہ کریں گے۔ اب اسے ان کی بلند نظری کہئے یا کمزوری! ان کا اصل مرض جو اُن کے تمام کمالات پر غالب آگیا ہے، یہی ہے کہ ان کے نزدیک تقلید کا لفظ بے معنی ہے، ان کے ملاحظہ سے بیسیوں نصوص گزار دیجئے، پچاسوں اقوال پیش کر دیجئے، لیکن ان کے ماننے کے لئے ان کا اپنا ''شرحِ صدر'' ضروری ہے۔ کسی مسئلے میں ان سے ایک دفعہ اِنکار ہوجائے تو آئندہ ''شرحِ صدر'' کی توقع بے کار ہوگی۔'' (شہیدِ اسلام نمبر، ص:۵۰۱)

اب ذرا السید الامام العلامۃ البنوری نوّر اللہ مرقدہٗ کی وفات پر ان کا تعزیتی شذرہ ملاحظہ ہو:

''آج کا دِن پاکستان کی علمی اور دِینی تاریخ میں ایک المناک سانحہ اور جاں گداز المیے کی حیثیت سے یادگار رہے گا، آج اِقلیمِ علم کا تاجدار، مسندِ ولایت کا صدر نشیں، گلشنِ دِین کا حامی، حریمِ نبوّت کا پاسبان، ولی اللّٰہی سلسلے کا امین، قاسمی علوم کا راز داں، انوری معارف وحقائق کا وارث، علم ومعرفت کا بحرِ ذخار، اسرارِ شریعت کا نکتہ رَس، شجرِ سیادت کا گل سرسبد، زکریا کا لختِ جگر، شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ کا تارا، حسینی خانوادے کا چشم وچراغ، دودمانِ نبوّت کا چاند اور سیادت وقیادت کا آفتاب دُنیا کے اُفق سے غائب ہوگیا، ہمارے شیخ السید الامام محمد یوسف البنوری الحسینی رحلت فرماگئے، **إنّا للہ وإنّا إلیہ راجعون۔**'' (شہیدِ اسلام نمبر، ص ۳۲۴)

امام الادب العربی حضرت مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر حضرت شہیدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ کا ادبی شہ پارہ، جو اُن کی کتب اور کارناموں پر مشتمل صنعتِ تلمیح کا بہترین نمونہ ہے:

''حضرت مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشرق ومغرب اور عرب وعجم میں مسلسل اسلام کی دعوت کا صور پھونکا ہے، وہ ہمیں کبھی امریکا ولندن پہنچ کر ''مغرب سے صاف صاف باتیں'' کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، کبھی قاہرہ میں **''اسمعی یا مصر!''** کی اَذان دیتے ہیں، اور کبھی **''اسمعوها منی صریحة ایها العرب!''** کے ذریعے عرب کے نمائندوں کو جھنجوڑتے ہیں، کبھی ''دریائے کابل سے دریائے یرموک تک'' پہنچ کر عالمِ اسلام کے رہنماؤں کو بیدار کرتے ہیں، کبھی انہیں ''انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' کی کہانی سناتے ہیں، کبھی ان کے سامنے ''دعوت وعزیمت کی تاریخ'' کھول کر رکھتے ہیں، کبھی ''اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' کے ہولناک پہلوؤں سے آگاہ کرتے ہیں اور کبھی انہیں آج کے باطل نظریاتی قافلوں سے ہٹ کر ''کاروانِ

مدینہ‘‘ میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں، الغرض مولانا کی دعوت شرق وغرب، عرب وعجم اورافریقہ وایشیا کی سرحدوں سے بالاتر ہے۔‘‘ (شہیدِاسلام نمبر،ص:۳۲۶)

موصوف کی قلمی روانی پر مولانا محمد ازہر کا آنے والا اِقتباس شاہد عیاں ہی:

’’ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے ایک ہی نشست میں فل اسکیپ کے اَسّی صفحات قلم برداشتہ تحریر فرمائے، ایک صاحب نے مولانا مرحوم کی علمی اِستعداد ومقام کا اِمتحان لینے کے لئے ایک مسئلے پر پانچ سوالات تحریر کئے، جواباً مولانا نے ہر سوال کے جواب میں سو صفحات لکھے اور یوں پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک علمی خزینہ منظرِ عام پر آ گیا۔‘‘

(شہیدِاسلام نمبر،ص:۲۴۰)

جرح وتعدیل:

جناب مودودی صاحب پر جرح کرتے ہوئے ان کے مقام ومنصب کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ مودودی صاحب کے کمالات واوصاف میں سب سے نمایاں وصف ان کی تحریری قابلیت سمجھی جاتی ہے، مولانا مرحوم،مودودی صاحب کے اس وصف کے متعلق لکھتے ہیں:

’’مولانا مودودی صاحب کی تمام ذاتی خوبیوں اور صلاحیتوں کا کھلے دِل سے اِعتراف کرتے ہوئے مجھے موصوف سے بہت سی باتوں میں اختلاف ہے......اوّل مولانا کے قلم کی کاٹ اور شوخی ان کی سب سے بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے، مگر اس ناکارہ کے نزدیک ان کی سب سے بڑی خامی شاید یہی ہے۔ ان کا قلم مؤمن وکافر دونوں کے خلاف یکساں کاٹ کرتا ہے......جب وہ تہذیبِ جدید اور اِلحاد وزَندقہ کے خلاف قلم اُٹھاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا شیخ الحدیث گفتگو کر رہا ہے، اور دُوسرے ہی لمحے جب وہ اہلِ حق کے خلاف خامہ فرسائی کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نے مسٹر پرویز یا غلام احمد قادیانی کا قلم چھین لیا ہے۔‘‘

(اِختلافِ اُمّت اور صراطِ مستقیم،ص:۱۰۸،ج:۱)

دارالعلوم دیوبند پر تجدید واِحیائے دِین کے حوالے سے کتنا حسین تبصرہ فرما رہے ہیں:

’’دارالعلوم دیوبند نے مسلمانوں کو کیا دیا؟ اس پر بہت سے حضرات بہت کچھ لکھیں گے، مجھے صرف اس قدر کہنا ہے کہ تجدید واِحیائے دِین کی جو تحریک گیارہویں صدی سے ہندوستان کو منتقل ہوئی تھی اور اپنے اپنے دور میں مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شہید بالاکوٹ رحمۃ اللہ علیہ جس امانت کے حامل تھے، دارالعلوم اس وراثت وامانت کا

حامل تھا، لوگ ''مدرسہ عربی دیوبند'' کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں، کوئی اسے علومِ اسلامیہ کی یونیورسٹی سمجھتا ہے، کوئی جہادِ حریت کی تربیت گاہ اسے قرار دیتا ہے، کوئی اسے دعوت وعزیمت اور سلوک وتصوّف کا مرکز سمجھتا ہے، لیکن میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (حاجی اِمدادُاللہ صاحب) کے لفظوں میں اسے بقائے اِسلام اور تحفظِ دِین کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

دُوسرے لفظوں میں آپ چاہیں تو کہہ سکتے ہیں، مجدّدینِ اُمّت کا جو سلسلہ چلا آرہا تھا دارالعلوم دیوبند اپنے دور کے لئے مجدّدینِ اُمّت کی تربیت گاہ تھی، یہیں سے مجدّدِ اسلام حکیم الاُمّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نکلے، اسی سے دعوت وتبلیغ کی تجدید کی تحریک اُبھری، جس کی شاخیں چاردانگِ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں، یہیں سے تحریکِ حریت کے داعی تیار ہوئے، یہیں سے فِرَقِ باطلہ کا توڑ کیا گیا، یہیں سے محدّثین، مفسرین، فقہاء اور متکلمین کی کھیپ تیار ہوئی، مختصر یہ کہ دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف یہ کہ نابغہ شخصیتیں تیار کیں، بلکہ اسلام کی ہمہ پہلو تجدید واِحیاء کے لئے عظیم الشان اِداروں کو جنم دیا۔ اس لئے دارالعلوم کو اگر تجدید اور اِحیائے دِین کی یونیورسٹی کا نام دیا جائے تو شاید یہ اس کی خدمات کا صحیح عنوان ہوگا۔'' (ماہنامہ ''الرشید'' دارالعلوم نمبر ۶۶۷)

رفاہی خدمات:

ان کے والد ماجد اور دادا جان سے لے کر ان کے برادر بزرگوار جناب عبدالستار صاحب تک ہر ایک اپنے اپنے دور میں غریبوں، مسکینوں، بے کسوں، بیواؤں اور یتیموں کے ماویٰ وملجا رہے ہیں، اپنے گھر میں، اپنی اولاد کے لئے کچھ ہے یا نہیں، مگر ان بے سہارا لوگوں کے لئے ان کے دونوں ہاتھ ہر وقت فیاض وسیال ہوتے تھے، والد گرامی کی وفات پر خاندان کو تسلّی دینے کے بجائے خود خاندان والے ان بے چاروں کی تعزیت کرتے جو ان کے وصال پر دھاڑے مار مار کر روتے رہے کہ تنگی اور مشکل اوقات میں اب ہم کس سے رُجوع کریں گے۔

محترم طلحہ طاہر صاحب نواسۂ حضرت اقدس نے مجھے بتایا کہ ایک بار ایک صاحب نے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا دروازہ کھٹکھٹایا، حضرت خود ہی باہر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ خیرات مانگنے والا ہے، آپ اندر تشریف لائے اور پانچ روپے لے کر ان کو پکڑاتے ہوئے فرمانے لگی: دو روپے اس میں سے واپس کردو! اس نے واپس کردیئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک اور صاحب نے دروازہ کھٹکھٹایا، آپ تشریف لے گئے، دیکھا کہ کوئی سوالی ہے، آپ نے اسے اندر بلایا، بٹھایا، کھانا کھلایا اور اس کی ضرورت کے مطابق اس کی مدد کی، گھر

والوں نے پوچھا کہ پہلے والے سے تو آپ نے پانچ میں سے بھی دو روپے واپس کرنے کو فرمایا اور دُوسرے کو اتنی خطیر رقم عطا کی، فرمایا: ”پہلے کا پیشہ ہی مانگنا تھا، دو تین سے اس کا کام چل جائے گا، دُوسرا بھکاری نہیں ہے، وہ صرف میرے ہی پاس آئے تھے، یہاں پہنچتے پہنچتے معلوم نہیں کتنی بار ان کی پیشانی عرق آلود ہوئی ہوگی، اس لئے اسے زیادہ دیئے۔“ یہ خیرات میں بھی فرقِ مراتب اور حیثیت شناسی کا حسین نمونہ اور مثال ہے۔

جمعہ، عیدین، رمضان، اور بالخصوص اَیامِ اِعتکاف میں ان کی مسجد ٹھاٹھیں مارتی، آپ فرائض سے فارغ ہوکر گیٹ پر جو چالیس پچاس مختلف مدارس کے سفیر چندہ جمع کرنے والے بیٹھے ہوتے، ان کے پاس آکر کھڑے ہوجاتے، اور نمازیوں کو ترغیب دیتے رہتے کہ بھائی! ان کی مدد فرمائیں۔ بعض اوقات کسی کے پاس چندہ کم ہوجاتا تو ان ہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے کہ ارے بھائی! ان کی چادر میں تو نہ ہونے کے برابر ہے، انہیں دے دو! کیا عجب تواضع، انکساری، ہمدردی، اور مکارمِ اخلاق کی جیتی جاگتی مثال ہے۔

عشقِ رسول اور دفاعِ ختمِ نبوّۃ:

اس حوالے سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، ایک تو اس لئے کہ ان کی خدمات و مواقف کا یہ باب بہت طویل ہے، دوم اس لئے کہ یہ اظہر من الشّمس فی رابعۃ النہار ہے، اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اس بارے میں ان کا نام ہی کافی ہے، وہ اس میدان میں ”من تو شدم تو من شدی“ کا مصداق تھے۔

قیادت، سیادت اور سیاست:

وہ جس محفل یا کارواں میں ہوتے آقا، قائد، اور میرِ کارواں ہی ہوتے، لیکن اپنے آپ کو ہمیشہ تواضع اور عجز و اِنکساری میں چھپائے رکھتے، گویا وہ فرماتے:

ہم سا کوئی گمنام زمانے میں نہ ہوگا
گم ہو وہ نگیں جس پر کھدے نام ہمارا

پھر بھی اہلِ حق واہلِ سنّت کی ہر جمعیت کے ماتھے کے جھومر ہوتے، بڑوں کی اطاعت وخدمت کا جس حسن وعمدگی سے انہیں سلیقہ تھا، اس سے کہیں زیادہ چھوٹوں کی سرپرستی وحوصلہ افزائی کا ڈھنگ۔ وہ جانتے تھے، علمائے دیوبند سے منسلک تمام تنظیموں اور عالم عربی کے تمام حق پرستوں، اہلِ اِعتدال و وسطیت کے وہ حامی، معاون اور مدافع تھے، چنانچہ آخر کار ان سب کے زُعماء بشمول قائدِ جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم ان کے خلفاء ومسترشدین ٹھہرے۔ عہدوں ومناصب اور جاہ ومراتب سے وہ متنفر تھے، ایک عام صف شکن سپاہی کی طرح کام کرنے کا ان کا مزاج تھا، لیکن ”من تواضع للہ رفعه اللہ“ کے قانونِ فطرت کے مطابق باری تعالیٰ نے انہیں وہ رفعتِ شان نصیب فرمائی کہ وہی سب کے سرخیل بنے۔

ادب وعربیت:

سابعہ کے سال مشکوٰۃ کی شرح ''التقریر النجیح'' دورۂ حدیث کے سال پہلی پوزیشن اور بعد میں دسیوں عربی مشکل ترین کتب کے اُردو تراجم وحوالے، ان کے رُسوخ فی العلم جس کا تعلق ہی عربی زبان وادب سے ہے، پر دال ہیں۔ حرمین شریفین کے علماء سے تفصیلی فی البدیہہ عربی زبان میں انتہائی پیچیدہ موضوعات پر مکالمے اور مباحثے ان کی عبقریت فی الأدب العربی کی روشن مثالیں ہیں۔ حرمین شریفین میں علوی مالکی اور ان کے متوسلین کے بریلویت وابتداع کی طرف میلان کی وجہ سے سخت مخالف اور ناقد تھے، بقیہ تمام شیوخ، ائمہ دِین اور سعودی حکمرانوں کی جوار بیت اللہ، خدمتِ ضیوف الرحمٰن اور خدمتِ حرمین کی وجہ سے بے اِنتہا معترف اور قدرداں تھے، انہوں نے جن کتابوں کے تراجم لکھے ہیں، ان میں بعض عبارتیں ایسی ہیں کہ بڑے بڑے ماہرینِ عربیت وہاں ترجمے کی تعبیر کے لئے حیران و پریشان ہوتے اور حضرت اقدس نے جس ''سہل ممتنع'' انداز میں انہیں پیش کیا، یہ انہی کا طرّۂ امتیاز تھا۔

دعوت وتبلیغ اور اِشاعتِ دِین:

ان کی پوری حیاتِ مبارکہ اس عنوان سے تعبیر ہے، ویسے تو انہوں نے جن جن گوشہ ہائے دِین میں کام کیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے گویا اپنی پوری زندگی اسی پر تج دی ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ دِین کے ہر شعبے میں اپنا بھرپور اور توانا حصہ ڈالنے کی کوشش نے انہیں جامعیت کے مقام پر فائز فرمایا ہے، البتہ ''دعوت وتبلیغ اور اِشاعتِ دِین'' کا کام ان کی تمام جدوجہد اور مساعی کا کریم ہے، اسی مقصدِ اعلیٰ کے لئے انہوں نے دامے، درمے، سخنے، اپنا تن، من، جان، وقت، مال، اولاد، اور تلامذہ ومتوسلین کو وار دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد اِلیاس رحمۃ اللہ علیہ کے کام اور مشن سے انہیں عشق اور والہانہ لگاؤ تھا، مسترشدین ومریدین اور عامۃ المسلمین کو اس کی طرف اپنے مواعظ وبیانات اور خاص مجالس میں متوجہ فرماتے، تبلیغی اِجتماعات، جوڑوں اور شب ہائے جمعہ میں بنفسِ نفیس شرکت فرماتے، فلاح مسجد میں اگر کوئی جماعت آتی تو خادمانہ اور مشفقانہ انداز میں ان کی خدمت، حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے، دعوت کے کام پر اِعتراض کرنے والوں کو دندان شکن جواب دیتے، مشائخ تبلیغ کے ہر فیصلے کو اِستحسان کی نظر سے دیکھتے، شروع شروع میں جب مستورات کی جماعتیں نکلیں، کئی اطراف سے جماعت والوں پر تنقید کی تیر اَندازی کی گئی، حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا بھی لسانی وقلمی ایسا دفاع کیا کہ ان معترضین کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔

قرآن مجید سے عشق:

مولانا نعیم امجد سلیمی صاحب کہتے ہیں: ''خانقاہ زکریا عارفیہ یوسفیہ (ڈالمیا کراچی) کی افتتاحی تقریب میں دوران وعظ فرمایا:

''میں بڑی عمر میں اپنے بیٹے کا قرآن مجید سنتے سنتے حافظ ہوا ہوں، اور الحمد للہ! کئی بار تراویح میں بھی سنایا ہے، اور اس وقت میری اولاد میں بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں اکثر حافظ ہیں۔ حاضرینِ مجمع سے فرمایا کہ میری ایک بات مانو! وہ یہ کہ اپنے بچّوں میں سے ایک بچّے کو ضرور حافظ بنالو، تاکہ تمہاری نجات کا ذریعہ ہوجائے۔''

درسِ قرآن کا اَنداز:

صلاح الدین ثانی لکھتے ہیں: ''مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں عوام کی اصلاح کے لئے صحافتی زندگی سے وابستگی اختیار کی، وہیں اِمامت وخطابت کے ساتھ درسِ قرآن کا سلسلہ بھی جاری رکھا، مولانا اپنی مسجد میں تقریباً ۲۲ سال سے درسِ قرآن دے رہے تھے، مولانا کے بعض معتقدین اس درسِ قرآن کو آڈیو کیسٹ پر ریکارڈ کرتے رہے، اس ریکارڈ کا کچھ حصہ دفترِ ختمِ نبوّت میں مولانا سعید جلال پوری صاحب کے پاس محفوظ ہے، اور کچھ حصہ ایک معتقد کے پاس محفوظ ہے، یہ مکمّل درسِ قرآن تین سو سے زائد آڈیو کیسٹ میں محفوظ ہے، اسی آڈیو سے مولانا کے بیان کردہ ''چھ اُصولِ تفسیر'' کی روشنی میں اس درسِ قرآن کا تجزیہ پیشِ خدمت ہے۔

درسِ قرآن میں تفسیر سے پہلے ترجمہ قرآن پیش کیا جاتا ہے، اس لئے پہلے ترجمے کے بارے میں اپنا تجزیہ پیش کررہا ہوں۔ درسِ قرآن میں مولانا کا اُصول یہ تھا کہ پہلے چند آیات کی تجوید کے ساتھ تلاوت فرماتے، پھر سلیس اور بامحاورہ ترجمہ قرآن پیش کرتے۔ مولانا کے ترجمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی خاص مترجم کا ترجمہ پیشِ نظر نہیں ہوتا، بلکہ یہ مولانا کا اپنا ترجمہ ہوتا ہے۔ مولانا کے ترجمے میں دُوسری بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ کے مترادف معانی بھی بیان کرتے ہیں۔ ترجمے کے بعد آیات کے ایک ایک حصے کی تفسیر بیان کرتے ہوئے دوبارہ ترجمہ سرسری انداز میں کرتے ہیں، لیکن لغات القرآن کی طرف سامعین کو مکرّر متوجہ کرتے ہیں اور مادّہ کی وضاحت کے ساتھ مترادف معانی بھی بیان کرتے ہیں۔

مولانا درسِ قرآن دیتے ہوئے نہ مشکل علمی مباحث کو چھیڑتے ہیں، اور نہ ہی ان کے درس میں غیرضروری طوالت ہوتی ہے، بلکہ اِعتدال پایا جاتا ہے۔ جو خصوصیات سامنے آئی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

①: درسِ قرآن میں آسمانی مذاہب اور آسمانی کتب کے ساتھ تقابلی مطالعہ نظر آتا ہے۔

②: پیش آنے والے اِعتراضات کے جوابات دیتے ہیں: مثلاً ﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ (المائدہ:۴۶) پر اِعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن خود تورات کی تصدیق کرتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ تورات کے اَحکامات کی اِطاعت کریں؟ مولانا نے اس موقع پر اِیجابی اور سلبی انداز میں بہت عمدہ جوابات دیتے

ہوئے فرمایا ہے کہ مصدقہ توراۃ، زَبور، اِنجیل وہ تھی جو اس وقت نازل ہوئی تھی، جبکہ موجودہ توراۃ تو تحریف شدہ ہے، دُوسرے یہ کہ تصدیق کرنے کا مطلب اِطاعت کو لازم نہیں کرتا۔

③: ایک خصوصیت ان کا تمثیلی انداز ہے مثلاً ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ﴾ (المائدۃ:۴۸) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شریعتوں کی منسوخی اور ناسخ و منسوخ پر عمدہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ تبدیلی ایسی ہی ہے جیسے ایک طبیبِ حاذق مریض کی حالت کے پیشِ نظر ایک دوا تجویز کرتا ہے، جب اس دوا کا اثر نمایاں ہوجاتا ہے، تو دُوسری دوا دیتا ہے، کبھی طبیب مریض کی حالت بدلنے پر دَوا تبدیل کرتا ہے، انسان کا مزاج ہے وہ جس چیز کا عادی ہوجاتا ہے اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا، مولانا عہدِ حاضر کی مثال دیتے ہیں جیسے آباءواجداد کی رُسومات ہیں، لوگ انہیں چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے ہیں۔

④: کتبِ سماوی سے بھی اِستشہاد پیش کرتے ہیں، تمام آسمانی کتب میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آمد اور قرآن کے نزول کا ذِکر موجود ہے۔

⑤: عہدِ حاضر کے فکری اِنحرافات کا بھی رَدّ فرماتے ہیں مثلاً ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ (المائدۃ:۴۸) کی تفسیر میں ”ھویٰ و ھدیٰ“ کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آج اِجتہاد نام ہے خواہشِ نفس کے مطابق شریعت کو ڈھالنے کا۔“ (شہیدِ اسلام نمبر، ص:۴۶۱)

فتنوں کا تعاقب:

یوں تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ہر میدان میں قائدانہ کردار اَدا فرمایا، مگر دورِ حاضر کے فتنوں کے تعاقب اور مسلکِ اِعتدال کی نشاندہی میں انہوں نے جس طرح سے بے نظیر خدمات سرانجام دی ہیں، وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ ذیل میں اس صدی کے جن فتنوں کے تعاقب اور مسلکِ اِعتدال سے اِنحراف کرنے والوں کے خلاف حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے قلمی جہاد کیا ہے، ان کی فہرست پیشِ خدمت ہے:

رافضیت، غیر مقلدیت، بریلویت، مودودیت، اِنکارِ حدیث، دِین دارانجمن، فتنۂ گوہرشاہی، آغاخانیت، فرقہ مہدویہ، ذکری فرقہ، فتنۂ محمد شیخ، فتنۂ ڈاکٹر مسعود عثمانی، فتنۂ بہائیت، فتنۂ خارجیت، فتنۂ علوی مالکی، فتنۂ جماعت المسلمین، فتنۂ تنظیم اسلامی۔

مناظرہ و مباحثہ:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کی جامعیت کا اندازہ آپ اس جواب سے لگا سکتے ہیں جو انہوں نے ”صراطِ مستقیم“ کے محرک کے جواب میں لکھا تھا، میرے خیال میں پیشِ نظر تحریر کا یہ حصہ سائل کے پورے خط کا جواب ہے، اور پوری اُمّت کے لئے اس میں اِصلاحی پہلو بھی ہے، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

”بحث و مباحثہ سے انسان کی قوّتِ عمل مفلوج ہوجاتی ہے، اس میں عام طور سے سمجھنے

سمجھانے کا جذبہ مغلوب ہوجاتا ہے، اپنی اپنی بات منوانے کا جذبہ غالب آجاتا ہے، خصوصاً جبکہ آدمی علومِ شرعیہ سے پورے طور پر واقف نہ ہو، وہ حدودِ شرعیہ کی رعایت کرنے سے قاصر رہتا ہے، بسا اوقات ایسا ہوگا کہ ایک چیز غلط اور ناحق ہوگی، مگر اسے حق ثابت کرنے کی کوشش کرے گا، بسا اوقات اس بحث ومباحثے میں وہ اللہ کے مقبول بندوں کی عیب جوئی کرے گا، اور ان پر زبانِ طعن دراز کرکے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرے گا، یہ ساری چیزیں مل کر اسے نہ صرف جذبۂ عمل سے محروم کریں گی، بلکہ اس کی ذہنی ساخت میں قبولِ حق کی اِستعداد کم سے کم ہوجائے گی، اس لئے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ صاحبان میں سے جس کو جس عالمِ دین پر اِعتماد ہے اور وہ جس عالمِ دِین کے بارے میں دیانت داری سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ خداترس، محقق، عالمِ دِین ہے اور محض رضائے الٰہی کی خاطر خدا تعالیٰ کا پیغام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادات لوگوں تک پہنچاتا ہے، اس کے اِرشادات کے مطابق عمل کرتے ہوئے کام میں لگا رہے، اور ان بحث ومباحثہ میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ذِکر وتسبیح، دُرود شریف، تلاوتِ قرآن مجید اور دیگر خیر کے کاموں سے اپنے اوقات کو معمور رکھے۔‘‘

(شہیدِ اسلام نمبر، ص:۴۰۲)

میں سمجھتا ہوں کہ اگر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ’’اِختلافِ اُمّت اور صراطِ مستقیم‘‘ نہ بھی لکھتے تو اُمّت کی راہنمائی اور اِختلاف واِنشقاق سے بچنے کے لئے یہی ایک اِقتباس کافی ووافی تھا۔

تبحرِ علمی کا اِعتراف:

محدّث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ جن کی علمیت کے اہلِ عجم ہی نہیں عرب بھی قائل تھے، وہ اس نابغۂ روزگار شخصیت کے علوم ومعارف اور تبحرِ علمی کا اِعتراف کرتے ہوئے اُردو ترجمہ ’’خاتم النّبیین‘‘ کے مقدمہ میں انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں خراجِ تحسین پیش فرماتے ہیں:

’’حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا دِل ودِماغ جس طرح علوم سے بھرا ہوا تھا، ظاہر ہے کہ قلم سے اسی انداز کے علوم وحقائق نکلیں گے۔ ہر شخص نہ اس کی تہ تک پہنچ سکتا تھا اور نہ یہ علوم اس کے قبضے میں آسکتے تھے، اس کے لئے حسبِ ذیل اُمور کی ضرورت تھی ....‘‘

یہاں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے دس صفات کا تذکرہ کیا ہے:

’’الحمدللہ! کہ یہ سعادت میرے ہم نام اور میرے ہم کام، میرے مخلص رفیقِ کار مولانا

محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے حصے میں آئی جو اس عشرۃ کاملہ سے متصف تھے، با کمال تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اس ترجمے وتشریح کے فرض سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔'' (شہیدِ اسلام نمبر، ص: ۴۴۳)

صحافتی خدمات:

حضرت مفتی محمد جمیل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ کیا کہتے ہیں، ذرا دیکھئے:

''مئی ۱۹۷۸ء میں ادارہ ''جنگ'' کے مالک میر شکیل الرحمٰن، مولانا مفتی احمد الرحمٰن، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی سے درخواست کرتے ہیں کہ میں ''جنگ'' میں اسلامی صفحہ شروع کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت کو اس کی اِدارت کے لئے اجازت دے دیجئے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ اخبارات کو ایک فضول، لایعنی چیز اور جھوٹ کا پلندا قرار دیتے ہوئے انکار فرماتے ہیں مگر اِمام اہلِ سنّت مولانا مفتی احمد الرحمٰن مستقبل پر نگاہ کئے ہوئے ہیں اور ذرائع ابلاغ کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے ہیں: ''آپ نے اس کام کو سنبھالنا ہے!'' حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ مفتی احمد الرحمٰن کے اِصرار پر گھٹنے ٹیک دیتے ہیں اور راضی برضائے اکابر کے تحت اس منصب کو ایک معاون کی شرط کے ساتھ قبول کرتے ہیں (اور مولانا مفتی احمد الرحمٰن کی شفقت کہ معاونت کے لئے راقم الحروف کا انتخاب فرماتے ہیں)۔ شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اخباری صنعت میں جدّت فرماتے ہیں اور مضامین کے ساتھ دِینی رہنمائی کے لئے ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے عنوان سے ایک کالم کا آغاز فرماتے ہیں۔ یہ کالم آپ کی دِینی خدمات کو عالمی وسعت دینے کا تیسرا مرحلہ ہے۔ کالم کا آغاز ہوتا ہے تو اَطرافِ عالم سے دِینی رہنمائی حاصل کرنے والوں کے خطوط کا تانتا بندھ جاتا ہے، اور یہ سلسلہ اتنی مقبولیت حاصل کرتا ہے کہ روزانہ سیکڑوں خطوط موصول ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ اور حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بلا مبالغہ لاکھوں خطوط کے جواب ان چند سالوں میں مرحمت فرمائے۔ اخبار ''جنگ'' میں آپ کے کالم کی اِشاعت کے بعد پوری دُنیا سے جو مسائل آنا شروع ہوئے، ان میں بعض ایسے مسائل بھی تھے جن پر آپ نے تحقیقاتی جواب تحریر فرمائے، جو خود ایک کتاب کی حیثیت رکھتے تھے، اسی سلسلے میں آپ کو ایک خط دُبئی کے بعض نوجوان دوستوں کی طرف سے ملا، جس میں مسلکی اِختلافات کو بنیاد بناکر ایک دُوسرے سے لڑائی جھگڑے کا سبب قرار دے کر اس کے بارے میں واضح جواب مانگا گیا تھا۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں تمام مسالک کے بارے میں ایک تفصیلی تصنیف ''اِختلافِ اُمّت اور صراطِ مستقیم'' تحریر فرمائی جس میں مسلکِ حق مسلکِ دِیوبند کو ترجیح دے کر مسئلے کو اس انداز میں بیان کرکے حق واضح کیا کہ بڑے بڑے علمائے کرام نے آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ لاکھوں افراد کے ذہنوں کے شکوک وشبہات دُور ہوئے۔'' (شہیدِ اسلام نمبر، ص: ۷۵۵)

جذبہ جہاد:

مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ سفرنامہ افغانستان کی رُوئیداد میں رقم طراز ہیں:

''۹رمئی کو بعد نمازِ ظہر ملاقات کا اہتمام کیا گیا ہے، بعد نمازِ ظہر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا قافلہ امیر المؤمنین مُلّا عمر سے ملاقات کے لئے پہنچا تو سادہ سے گھر میں قرونِ اُولیٰ کے حکمرانوں کی سادگی کا منظر پیش کرتے ہوئے امیر المؤمنین نے گھر کے دروازے پر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے کرام کا اِستقبال کیا، ایک طرف حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہوئے، جبکہ دُوسری طرف قاری سعید الرحمٰن اور حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں ڈاکٹر عبدالرزّاق سکندر تشریف فرما تھے، جبکہ اراکینِ وفد حلقے کی شکل میں چاروں طرف بیٹھ گئے۔ اب وہ تاریخی ملاقات شروع ہوئی جس کا اُمّتِ مسلمہ کو سالوں سے اِنتظار تھا۔ امیر المؤمنین مُلّا عمر نے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رُفقاء کی افغانستان میں آمد کو اِسلام کی سربلندی اور افغان مسلمانوں کی کامیابی کے لئے نیک شگون قرار دیتے ہوئے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا۔ جناب قاری سعید الرحمٰن صاحب نے وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے امیر المؤمنین اور طالبان کی اسلامی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی خصوصی محبّت بھری مسکراہٹ کے ساتھ امیر المؤمنین کی طرف متوجہ تھے، ایک طویل ملاقات کے بعد حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت چاہی۔ امیر المؤمنین نے بادل نخواستہ اجازت دی...... سفرِ افغانستان سے واپسی ۱۵ رمئی کو ہوئی۔ کراچی میں بھی آپ پر یہ رُوحانی کیفیت طاری تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ اس دُنیا سے اپنا رِشتہ توڑ چکے ہیں، طالبان کی فکرمندی آپ پر بہت زیادہ غالب تھی، کراچی میں بھی آپ نے اپنی شہادت کا تذکرہ اور دُعا کا سلسلہ جاری رکھا تاآنکہ ۱۸ رمئی بروز جمعرات کی صبح ظالموں نے آپ کو شہید کرکے حیاتِ جاودانی کے منصب پر فائز کردیا۔''

(شہیدِ اسلام نمبر، ص:۷۹۹)

محبوبِ خلائق:

''حضرت قدس سرہٗ علم کا خزانہ تھے، عمل کا نمونہ تھے، عاقل وفہیم تھے، ذکی ولبیب تھے، عابد وزاہد تھے، متقی وپرہیزگار تھے، جری وبہادر تھے، نڈر وحق گو تھے، فیاض اور سخی تھے۔ انہیں جو کچھ ملا تھا موہبت خداوندی سے ملا تھا اور ان کے تنہا وجود میں اس قدر فوق العادت اوصاف وکمالات قدرت نے جمع کردیئے تھے کہ ایک بڑی جماعت پر تقسیم کردیئے جائیں تو محاسن سے مالامال ہوجائے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے عبدیت کا بلند ترین مقام عطا فرمایا تھا، اور صحیح بخاری شریف کی حدیث: ''ثم یوضع له القبول فی الأرض'' کے مطابق ان کی یہ محبوبیت عطیۂ آسمانی تھا۔ وہ جس محفل میں ہوتے، خواہ یہ بادشاہوں کی ہوتی یا درویشوں کی، طلبہ کی یا دانشوروں کی، عربوں کی یا عجمیوں کی، احباب

کی یا اغیار کی، وہ سب پر بھاری نظر آتے۔

انہیں بڑے قد آور بادشاہوں اور سربراہانِ مملکت سے لے کر ادنیٰ ادنیٰ لوگوں اور چھوٹے چھوٹے بچّوں تک سے باتیں کرتے دیکھا، مگر ان کی صورت وشوکت، ان کی زیبائی ورعنائی، ان کے حسن وجمال، ان کے جاہ وجلال، ان کے حلم ووقار کا رنگ ہر جگہ یکساں نظر آیا۔ ان کی محبوبیت ہر جگہ نمایاں جھلکتی نظر آئی۔ انہیں اپنے اللہ پر بڑا اِعتماد تھا، بڑا ناز تھا۔ یقین وتوکّل ایسا تھا گویا وہ لوحِ محفوظ سے ابھی ابھی پروانہ لے کر آئے ہیں۔ انہیں اسباب ووسائل کی پروا نہیں تھی، وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے لئے اور خدا کے بھروسے پر کرتے تھے۔

حضرت قدس سرہٗ کا یہ فقرہ آج بھی بہت سے لوگوں کے کانوں میں گونج رہا ہوگا کہ ''زمین وآسمان کے خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں، اگر ہم اِخلاص کے ساتھ اس کے دِین کا کام کریں تو اس کے خزانوں میں کیا کمی ہے؟'' (شہیدِ اسلام نمبر، ص:۷۲۶)

مسندِ رُشد وہدایت کے شہ نشین:

''سلوک کی منازل طے کرانے میں آپ کا انداز مشفقانہ تھا، سختی نہیں فرماتے تھے، بلکہ ترغیب کا زیادہ استعمال فرماتے، بیعت کرتے ہی مریدین میں سنّت کا رنگ غالب آنے لگتا، آپ باجماعت نماز اور تکبیرِ تحریمہ کا وعدہ لازمی طور پر لیتے اور باجماعت نماز سے غفلت اور تکبیرِ تحریمہ کے تارک کو سخت تنبیہ فرماتے، شفقت کے انداز میں آپ کسی بے داڑھی والے کے چہرے پر ہاتھ پھیر لیتے تو حضرت کی کرامت یا ہاتھ کی برکت کا ایسا اثر ہوتا کہ وہ چہرہ کچھ دن بعد داڑھی سے مزین ہوجاتا۔ مفتی خالد محمود نائب مدیر اقرأ روضۃ الاطفال کے مطابق اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ لاہور کے ایک اجلاس میں حضرت شہید شریک ہوئے تو ایک یا دو فرد داڑھی والے تھے، مگر جب کچھ عرصہ بعد دوبارہ اجلاس ہوا تو ایک دو کے علاوہ باقی تمام ٹرسٹی داڑھی کی نعمت سے مزین ہوچکے تھے۔ باجماعت نماز کا اہتمام اور تلاوت کلام پاک اور مختصر تسبیحات کے ذریعے آپ اِصلاح فرماتے۔ عام طور پر معمولات میں صبح وشام ایک تسبیح تیسرا کلمہ، دُرود شریف، اِستغفار اور ایک پارہ تلاوت کلام پاک، حفاظ کے لئے تین پارے، مناجاتِ مقبول کی ایک منزل اور حضرت مخدوم ہاشم کی مرتّب کردہ دُرود شریف کی کتاب ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک منزل پڑھنے کی تلقین فرماتے۔ حالات سے اِطلاع کی صورت میں مزید وظائف بتاتے، عام طور پر مختصر ذِکر کرنے کا حکم دیتے جو آٹھ تسبیحات پر مشتمل ہوتا۔ تین سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ اور پانچ مرتبہ اسمِ ذات، اس سے زیادہ کام کرنے والوں کو دوازدہ تسبیح کی بھی تلقین فرماتے۔ ہر مرید کے حسبِ حال وظائف اور معمولات بھی تجویز فرماتے۔ ہر جمعرات کی مجلس میں اِصلاحی بیان فرماتے، جمعۃ المبارک کا بیان بھی اِصلاحی عنوانات پر مشتمل ہوتا، بیس سال میں لاکھوں افراد نے آپ سے اِصلاح حاصل کی۔ زندگی کے آخری دور پیرانہ سالی اور بیماری کے باوجود آپ

نے گلگت کی دُشوار گزار وادیوں میں سفر کیا، اور اِصلاحی مجالس کے ذریعے ہزاروں افراد نے ایک ہفتے میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرکے بیعت کی اور اپنی زندگی کا رُخ تبدیل کیا۔ لندن، افریقہ اور دیگر ممالک میں آپ کے مریدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ تصوّف و طریقت میں آپ کا انداز بہت زیادہ سہل تھا، اس لئے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ رہی اور اسی طرح آپ پر حسنِ ظن بہت زیادہ غالب ہوگیا تھا، خاص کر عمر کے آخری حصے میں شفقت ومحبّت کے غلبے اور دِین کی اِشاعت کا جذبہ آپ پر بہت زیادہ غالب آگیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر اور مولانا فضل الرحمٰن کو خلافت دیتے ہوئے فرمایا: ''آپ دونوں حضرات جس منصب پر فائز ہیں یعنی جمعیت علماء اسلام کی امارت اور جامعہ بنوری ٹاؤن کا اہتمام، یہ اتنا عظیم منصب ہے کہ اس پر ہمیشہ ہمارے اکابر علماء نے صاحبِ نسبت افراد کا تقرر کیا ہے۔ میرے دِل میں آیا کہ آپ حضرات کو جب اللہ تعالیٰ نے یہ منصب علمائے کرام کے ذریعے دلوایا تو آپ صاحبِ نسبت ہوں، اس لئے میں آپ کو اپنے سلسلے کی خلافت دیتا ہوں۔'' مولانا اعظم طارق نے جیل سے خط کے ذریعے بیعت کی اور منازلِ سلوک طے کرنے کے لئے خطوط تحریر فرمائے، جیل میں آپ نے محسوس کیا کہ اب نفس تصوّف کی طرف متوجہ ہوگیا ہے تو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ گلگت میں ایک جگہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت عطا فرمائی تو اپنے احباب کو فرمایا: ہم نے پنچھی کے پر کاٹ دیئے ہیں، دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے مولانا فضل الرحمٰن، مولانا اعظم طارق، مفتی نظام الدین شامزی، مولانا طارق جمیل کو نسبت کے ذریعے قابو کرلیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے کام لے گا۔

بلا مبالغہ حضرت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت شیخ الحدیث... نوّر اللہ مرقدہم... کے بعد مسندِ رُشد وہدایت سے اتنا زیادہ اِصلاح کا کام حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ہی نظر آتا ہے۔ خدا کرے اکابرین کا یہ سلسلہ جاری رہے۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل خلفائے کرام ہیں:

۱:... حضرت مولانا فضل الرحمن مدظلہ (امیر جمعیت علماء اسلام)
۲:... حضرت مولانا عزیز الرحمن جالندھری مدظلہ (ملتان)
۳:... حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی (کراچی)
۴:... حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر (کراچی)
۵:... حضرت مولانا محمد اعظم طارق (صدر سپاہ صحابہ)
۶:... حضرت مولانا احمد میاں حمادی (ٹنڈو آدم)
۷:... حضرت مولانا مفتی منیر احمد اخون (امریکہ)
۸:... حضرت مولانا مسعود اظہر مدظلہ (امیر جیش محمد)
۹:... حضرت مولانا محمد حسین، حسین پوی مدظلہ (ملتان)
۱۰:... حضرت مولانا منظور احمد الحسینی (لندن)
۱۱:... حضرت مولانا محمد سلیم دھورات مدظلہ (برطانیہ)
۱۲:... حضرت مولانا اسماعیل صاحب مدظلہ (برطانیہ)
۱۳:... حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی مدظلہ (مدینہ منورہ)
۱۴:... حضرت مولانا قاری محمد یٰسین یوسفی مدظلہ (کراچی)

۱۵:... حضرت مولانا قاری محمد صدیق رحیمی مدظلہ (ملتان)
۱۶:... حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ رحیمی (مرحوم)
۱۷:... حضرت مولانا محمد سلیمان ہوشیارپوری (مرحوم)
۱۸:... حضرت مولانا رب نواز صاحب (حیدآباد)
۱۹:... حضرت حافظ فیروز الدین صاحب مدظلہ (کراچی)
۲۰:... حضرت مولانا قاری عطاء اللہ صاحب مدظلہ (ملتان)
۲۱:... حضرت مولانا قاری نثار احمد مدظلہ (جامع مسجد گلگت)
۲۲:... حضرت مولانا حافظ عبدالقیوم نعمانی مدظلہ (کراچی)
۲۳:... حضرت مولانا مفتی اسلم مدظلہ (برطانیہ)
۲۴:... حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری مدظلہ (کراچی)
۲۵:... حضرت مولانا مفتی فضل الحق مدظلہ (بنگلہ دیش)
۲۶:... حضرت مولانا حافظ عبداللطیف مدظلہ (اورکزئی ایجنسی)
۲۷:... حضرت مولانا نعیم امجد سلیمی صاحب مدظلہ (کراچی)
۲۸:... حضرت مولانا ڈاکٹر وسیم احمد صاحب مدظلہ (کراچی)
۲۹:... حضرت مولانا ابوالاشرف احمد صاحب مدظلہ (ٹھٹھہ)
۳۰:... حضرت قاضی قائم الدین مدظلہ (ٹھٹھہ)
۳۱:... حضرت مولانا محمد ایوب الرحمن انوری صاحب مدظلہ
۳۲:... حضرت مولانا عبیداللہ صاحب مدظلہ (کامرہ)
۳۳:... حضرت مولانا غلام مصطفی صاحب مدظلہ (کراچی)
۳۴:... حضرت مولانا عبدالقیوم سندھی مدظلہ (مکہ مکرمہ)
۳۵:... حضرت مولانا ابرہیم ہاشمی امریکی مدظلہ (ویسٹ انڈیز)
۳۶:... حضرت مولانا مفتی نعیم میمن مدظلہ (حیدرآباد)
۳۷:... حضرت مولانا خواجہ متین الدین مدظلہ، ٹورنٹو (کینیڈا)
۳۸:... حضرت مولانا اقبال اللہ مدظلہ (کراچی)
۳۹:... حضرت مولانا احسان اللہ ہزاروی (کراچی)
۴۰:... مفتی محمد جمیل خان (کراچی)
۴۱:... حضرت مولانا طارق جمیل مدظلہ (تبلیغی مرکز رائیونڈ)
۴۲:... حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ (ملتان)
۴۳:... حضرت مولانا محمد انور فاروقی مرحوم (کراچی)
۴۴:... حضرت مولانا الشیخ عبدالسمیع فقیر مدظلہ (کراچی)
۴۵:... حضرت مولانا قاری عبدالرشید مدظلہ (حیدرآباد)
۴۶:... حضرت مولانا امیر عبداللہ مدظلہ (افغانستان)
۴۷:... شیخ القرآن حضرت مولانا محمد افضل خان مدظلہ (شانگلہ)
۴۸:... حضرت مولانا قاری محمد طیب نقشبندی مدظلہ
۴۹:... حضرت مولانا سیّد اطہر عظیم مدظلہ (مجاز صحبت)، (کراچی)

’’آپ ماہ مبارک کے آخری عشرے میں اِعتکاف کا خصوصی اِہتمام فرماتے، اور گویا پورے سال میں دس دن کے لئے آپ ایک خصوصی خانقاہ کے طرز پر متوسلین کی تربیت فرماتے۔ کراچی کے علاوہ مختلف علاقوں سے آپ کے مریدین سینکڑوں کی تعداد میں اِعتکاف کے لئے پہنچتے۔ اس میں بھی حضرت کی شرائط بہت سخت ہوتیں کہ کسی بغیر داڑھی والے شخص کو اِعتکاف کی اجازت نہیں دی جاتی، کم عمر نوجوانوں کو اِعتکاف میں بیٹھنے نہیں دیا جاتا، اس پورے دس دن کے دوران حضرت خصوصی طور پر اس کا اِہتمام فرماتے کہ زیادہ تر لوگ خاموش رہ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگائیں اور ایک دُوسرے سے تعلقات پیدا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع رکھیں۔ تہجد سے رات گئے تک کے معمولات میں ایک لمحے کی فرصت نہیں دی جاتی۔ رات تین بجے تہجد کی نماز ادا کی جاتی، خصوصی طور پر اِہتمام کرکے معتکفین کو جگایا جاتا۔ سحری ساڑھے چار بجے آخری

وقت میں کرائی جاتی، اس کے بعد فجر کی نماز کے بعد یٰسین شریف کا ختم کیا جاتا، اور کچھ دیر وظائف اور اِشراق کی ادائیگی کے بعد معتکفین آرام کرتے اور حضرت بھی آرام فرماتے، دس بجے تمام معتکفین کو جگا دیا جاتا، تمام ساتھی تبلیغی احباب کی نگرانی میں سورتوں کی اصلاح اور دُعائیں وغیرہ یاد کرتے، بعد نمازِ ظہر ختمِ خواجگان ہوتا اور مجلسِ ذِکر منعقد ہوتی۔ اس کے بعد اِنفرادی اعمال اور تلاوتِ کلام پاک میں احباب مشغول ہوجاتے، بعد نمازِ عصر حدیث شریف کا درس ہوتا، اس کے بعد اِفطاری اور وقتِ اِفطار کی اِنفرادی دُعا کی تیاری میں ساتھی مشغول ہوجاتے، زیادہ تر اَحباب دُعائیں یا تلاوت میں مصروف رہتے۔ اِفطار کے بعد کھانا اور وضو کے بعد عشاء کی نماز اور تراویح ادا کی جاتی ہے۔ تراویح کے بعد دُرود شریف کی چہل حدیث پڑھی جاتیں اور ''حیاۃ الصحابہ'' سے تعلیم ہوتی، کچھ دیر معتکفین آرام کرتے یا اِنفرادی تقاضے پورے کرتے۔ طاق راتوں کو تراویح کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک گھنٹہ اِصلاحی بیان فرماتے اور پھر طویل دُعا فرماتے۔ تراویح کے بعد یا اِصلاحی بیان کے بعد حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ابتدا میں قاری محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادہ حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سے تین تین پارے قرآن مجید نفلوں میں سنتے، ان کے انتقال کے بعد قاری محمد عثمان اور صاحبزادہ مولوی محمد یحییٰ لدھیانوی سے قرآن مجید سنتے رہے۔

اس طرح چوبیس گھنٹے میں بمشکل تین چار گھنٹہ آرام فرماتے، اس اعتکاف میں آخری سال سات سو کے قریب، ستائیس رمضان کے بعد ڈیڑھ ہزار کے قریب متوسلین شریکِ اِعتکاف ہوئے تھے، طاق راتوں کے بیان میں مسجد کے اطراف کی تمام سڑکوں اور میدان کی طرف سامعین کا ایک اژدحام ہوتا تھا۔ چالیس اور پچاس ہزار سے زائد افراد شرکت کرتے، حضرت اگرچہ باآوازِ بلند دُعا نہیں فرماتے تھے، لیکن آپ کی آہ وزاری کی وجہ سے پوری مسجد دُعا کے دوران آہوں اور سسکیوں کے ساتھ آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر کے اپنے خدا تعالیٰ کو راضی کرتی نظر آتی۔'' (شہیدِ اسلام نمبر، ص:۷۸۲)

اِتحادِ اُمّت کی فکر:

''اکابر علمائے حق نے کبھی دِین کے چھوٹے اور بڑے کام میں تعرض نہیں کیا بلکہ سرپرستی ہی فرمائی، اور یہی شان حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بھی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اِتحادِ اُمّت کی بڑی فکر تھی اور علمائے اُمّت کے اِتحاد کو اس کا نکتۂ آغاز سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ختمِ نبوّت کے مشن سے خصوصی قلبی لگاؤ کے باوجود علمائے حق کے ہر نمایاں کام میں اپنا بھرپور اور مؤثر حصہ ڈالا۔ تبلیغی جماعت کی بھرپور تائید ونصرت فرمائی اور حضرت مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ سپاہ صحابہ کی مظلومیت کے دور میں کارکنوں کے سروں پر دستِ شفقت رکھا اور حضرت مولانا اعظم طارق مدظلہ کو جیل میں خلافت عطا فرما کر بزبانِ حال اعلان فرمایا کہ آپ کی شفقتیں، محبتیں اور دُعائیں ان کے ساتھ ہیں، اور اگر بالفرض ان کے

طریقۂ کار میں کوئی خامی ہے تو اس کی اِصلاح کی صورت بھی اِختیار کرلی گئی ہے۔

عملی سیاست سے تو آپ ہمیشہ کنارہ کش رہے، لیکن نظریاتی طور پر جمعیت علماء اسلام سے خاص تعلق تھا اور اسی تعلقِ خاطر کا اِظہار تھا کہ آپ نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کو خلافت عطا فرمائی، اور اس طرح جمعیت علماء اسلام کی سرپرستی بھی فرمائی۔

آپ تمام عمر قلمی و لسانی جہاد میں مصروف رہے، مگر عمرِ عزیز کے آخری حصے میں عملی جہاد کے میدان میں بھی اُترے، مجاہدین کو شفقتوں سے اور دُعاؤں سے نوازا، حضرت مولانا مسعود اظہر صاحب مدظلہ کو خلافت سے نوازا۔ آپ نے مختلف جہادی تنظیموں کو متحد کرنے کے لئے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت اِتحادِ اُمّت کے لئے کس طرح بے چین رہتے تھے اور آپ نے کس طرح علماء کو ایک لڑی میں پرو رکھا تھا، آپ کی جامعیت، اثر اَندازی اور مرکزیت سے منافقین و مشرکین خوف محسوس کرنے لگے تھے اور شاید حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت بھی ان کے اس خوف کا نتیجہ ہو۔''

(شہیدِ اسلام نمبر ص:۳۹۲)

تزکیۂ نفس و تربیتِ باطن کا انداز:

حضرت مولانا محمد نعیم میمن لکھتے ہیں: ''۱۴۱۳ھ میں میری ہمشیرہ کی شادی ہوئی، اس موقع پر راقم نے ہمشیرہ کے لئے خصوصی نصیحت کی درخواست کی تو فرمایا:

''السلام علیکم! اِعتکاف میں تفصیلی خط لکھنے کا موقع نہیں، بس اتنا لکھتا ہوں کہ:

۱:... فرائضِ شرعیہ کی پابندی کرو، اس میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔

۲:... جس گھر میں جارہی ہو، اس کو اپنا گھر سمجھو، شوہر سے اور اس کے متعلقین سے ہمیشہ اِحترام سے پیش آؤ۔

۳:... دو عادتوں سے ہمیشہ بچو، ایک تکبّر، دُوسرے زبان کی تیزی، یہ دونوں مہلک ہیں اور خانگی زندگی کو برباد کردیتی ہیں۔

۴:... اگر کسی کی جانب سے ظلم و زیادتی ہو تو اس کو رضائے الٰہی کے لئے برداشت کرو، اِن شاء اللہ! اس کا انجام بہت ہی اچھا ہوگا۔

۵:... بہشتی زیور کا ہمیشہ مطالعہ کرو اور ان ہدایات کو حرزِ جان بناؤ، قرآنِ کریم کی تلاوت اور مناجاتِ مقبول کی ایک منزل اور تسبیحات کو اپنے اُوپر لازم کرلو، سوائے عذر کے ان چیزوں میں ناغہ نہ ہو، حق تعالیٰ شانہٗ ہمیشہ حفظ و امان میں رکھیں۔ والسلام۔''

(شہیدِ اسلام نمبر، ص:۳۳۱)

دیکھئے یہ خط کس قدر اِختصار و جامعیت کا مرقع ہے۔

ذاتی صفات و کمالات:

''۱:... آپ ہر نماز میں اَذان سے قبل ورنہ اَذان کے فوراً بعد مسجد میں تشریف لے آتے اور محراب میں مصلیٰ پر تلاوتِ کلام میں مصروف رہتے، یہ آپ کا عام معمول تھا، آپ کا یہ معمول مبارک ائمہ مساجد اور تکبیرِ اُولیٰ کی پابندی کرنے کے خواہش مند حضرات کے لئے بہترین لائحۂ عمل ہے۔

۲:... آپ جمعہ کے دن کی نماز کے لئے ۱۲ بجے سے پہلے مسجد میں آجاتے، اور ۱۲ بجے بیان شروع فرمادیتے، تقریباً ایک بجے تک بیان ہوتا، اس کے بعد سوالات کے جواب دیئے جاتے، سوا ایک بجے پہلی اَذان ہوتی، دس منٹ سنتوں کی ادائیگی کا وقفہ، پھر دُوسری اَذان و خطبہ اور نماز ہوتی، اس میں جمعہ کے دن مسلمانوں کو پہلی اَذان سے بھی پہلے مسجد بلانے کا حضراتِ علماء کے لئے آسان نسخہ اور جمعہ کی جلد ادائیگی کا سبق ہے۔

۳:... آپ دِین کا کام کرنے والے ہر اِنسان کو گلے لگاتے، اس سے خوش ہوتے، اور اس کو اپنا سمجھتے، اس کی سرپرستی کرتے، اس میں اہلِ دِین اور علماء کے لئے بہتریں لائحۂ عمل اور وسعتِ قلبی کا بہترین سبق ہے۔

۴:... نکاح پڑھانے کے لئے دولہا کے شرعی لباس، وضع قطع، صورت و سیرت کو دیکھ کر نکاح پڑھاتے، ورنہ اِنکار فرمادیتے۔ اس میں نکاح خواں حضرات کے لئے سبق ہے کہ شریعت کی پاسداری کیسے کی جاتی ہے؟

۵:... مہرِ فاطمی سے کم یا زیادہ پر نکاح نہ پڑھاتے، یعنی مہرِ فاطمی پر اِصرار فرماکر اُمّت کو مہرِ فاطمی کی سنّت پر لاتے۔

۶:... ہر مسلمان و معتقد کو بڑے پیارے انداز میں داڑھی پر آمادہ کرتے۔

۷:... انگریزی محاورات اور جملوں سے سخت نفرت کا اِظہار فرماتے تھے۔

۸:... اپنے کام سے اتنی لگن و شغف کہ ''جنگ'' اخبار میں ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے لئے شہادت باسعادت کے بعد تک کے کئی سال آگے کا کام کرگئے۔

۹:... شفقت واُلفت اور محبّت ایسی فرماتے کہ آپ کی شفقت دیکھ کر ماں، باپ اور اُستاذ کی محبّت بھول جاتی۔

۱۰:... سفر و حضر میں تہجد کے وقت صلوٰۃ التسبیح کا اِہتمام واِلتزام فرماتے۔

۱۱:... فضول مجلس آرائی سے مکمّل اِجتناب فرماتے۔

۱۲:... آپ کی مجلس میں بولنے سے زیادہ خاموش رہ کر آپ کے چہرے کو دیکھنے میں ایک عجیب حظ اور سرور ملتا تھا۔" (شہیدِ اسلام نمبر، ص:۴۳۷)

شہادت اور سفرِ آخرت:

۱۸ رمئی ۲۰۰۰ء کو صبح کے وقت گھر سے دفترِ ختم نبوّت جاتے ہوئے سفاک قاتلوں نے آپ کو ڈرائیور سمیت فائرنگ کرکے شہید کردیا تھا، جبکہ آپ کے صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی شدید زخمی ہوگئے تھے۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کی خبر سنتے ہی پورا کراچی بلکہ پورا پاکستان غم واندوہ میں ڈوب گیا، اور آناً فاناً بازار بند ہوگئے، لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، اندرون و بیرون ملک سے لوگ دیوانہ وار اپنے محبوب قائد اور مشفق و مربی شیخ کے آخری دیدار اور ان کے جنازے میں شرکت کے لئے آنا شروع ہوگئے، دیکھتے ہی دیکھتے مسجد فلاح اور اس کے آس پاس کا علاقہ لوگوں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے بھر گیا۔ ہر شخص اشک بار تھا اور ہر دِل رنجیدہ تھا، اپنے بھی غم واندوہ کی تصویر تھے اور پرائے بھی اس سے متأثر تھے۔ صبح گیارہ بجے ہی سے حضرات رحمۃ اللہ علیہ کے جسدِ خاکی کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ دارالعلوم زکریا الخیریہ میں رکھ دیا گیا۔ عشاء تک عشاق نے لائن لگا کر اپنے اس محبوب قائد کے رُخِ زیبا کی زیارت کی۔ حسبِ پروگرام عشاء کی نماز کے بعد اس بے تاج بادشاہ اور دِلوں پر حکمرانی کرنے والے شہید اور اُمّتِ مسلمہ کے عظیم محسن و مربی کے جسدِ خاکی کو ایک کھلے ٹرک میں رکھ کر جلوس کی شکل میں بنوری ٹاؤن لایا گیا۔ جنازے کے ساتھ چلنے والے جلوس میں بلا مبالغہ ہزاروں کاریں، بسیں اور لاکھوں موٹر سائیکلیں تھیں، اخباری رپوٹ کے مطابق سات لاکھ پروانوں پر مشتمل دس میل لمبا یہ جلوس عائشہ منزل، کریم آباد، لالوکھیت اور تین ہٹی کے راستے سے ہوتا ہوا تقریباً ایک گھنٹہ میں بنوری ٹاؤن پہنچا، یہاں پہنچ کر منظر اور بھی حیران کن تھا کہ مسجد و مدرسہ اور ان کی چھتوں، دُکانوں، مکانوں، سڑکوں اور گلیوں میں بنائی گئی صفوں کے علاوہ مسجد کی مغربی جانب بلا مبالغہ لاکھوں کا مجمع تھا جو اپنے محبوب کے جسدِ خاکی کو ایک بار کندھا دینے کے لئے بے تاب تھے۔ ان میں سے ہزاروں افراد ایسے تھے جو آخری دیدار سے باریاب نہیں ہوسکے تھے، ان کا مطالبہ تھا کہ انہیں زیارت کرائی جائے، دُوسری جانب اندیشہ تھا کہ اگر یہ سلسلہ شروع کردیا گیا تو نہ صرف یہ کہ جنازہ اور تدفین میں تأخیر ہوجائے گی، بلکہ اس کے لئے ایک رات کیا، کئی راتیں بھی ناکافی ہوں گی۔ مسجد کے گیٹ تک جنازہ لانے کے لئے جس قدر مشقّت اُٹھانا پڑی وہ ایک طویل داستان ہے۔ بالآخر ٹرک گیٹ کے سامنے کھڑا کرکے حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے جسدِ خاکی کو اُتارا گیا اور خواجۂ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحب زید مجدہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر اسی طرح دوبارہ آپ کے جسدِ مبارک کو ٹرک پر رکھا گیا اور فوراً آخری قیام گاہ کی طرف جلوس جنازہ روانہ ہوگیا۔

بہر حال عشاق کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جلوسِ جنازہ کی شکل میں تقریباً رات ساڑھے بارہ بجے مسجد خاتم النّبیین پہنچا، بے حد اِصرار پر وہاں موجود پروانوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا آخری دیدار کرایا گیا، یوں بالآخر تقریباً رات ایک بجے علم وفضل کے اس تاجدار کو جامع مسجد خاتم النّبیین کے پہلو میں سپردِ خاک کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے عشاق کی نظروں سے اوجھل کر دیا گیا۔'' (شہیدِ اسلام نمبر، ص:۱۷۷)

شیخ الادب مولانا اِعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شاید ایسے ہی موقع پر کہا تھا:

ہلچل زمیں پہ مچ گئی افلاک ہل گئے
یا ربّ کسی کی آہ تھی یا نفخِ صور تھا

(الشیخ) ولی خان المظفّر

مقدّمہ

مقامِ سُنّت اور حُجّیتِ حدیث
نیز منکرینِ حدیث کے اِعتراضات اور ان کے جوابات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى!

مذہبِ اسلام کے لئے موجودہ دور میں جو سوالات خاص اہمیت کے حامل ہیں، ان میں حدیثِ نبوی (علیٰ صاحبہا الف الف سلام) کے متعلق مندرجہ ذیل سوالات بالخصوص توجہ طلب ہیں:

۱:... حدیث کا مرتبہ اسلام میں کیا ہے؟

۲:... حدیث سے شریعتِ اِسلامیہ کو کیا فوائد حاصل ہوئے؟

۳:... حدیث پر اِعتماد نہ کیا جائے تو اس سے دِین کو کیا نقصان ہوگا؟ دورِ حاضر میں اِنکارِ حدیث کی جو وَبا پھوٹ پڑی ہے، یہ کن جراثیم کا نتیجہ ہے؟

سطورِ ذیل میں ہم ان سوالات پر غور کرنا چاہتے ہیں، واللہ الموفق والمعین!

لیکن اصل سوالات پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم چند اُصولی اُمور ناظرین کی خدمت میں پیش کردیں، جن سے نظر وفکر کی مزید راہیں کھل سکیں۔

۱:... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اُمّت کی عدالت میں...!!!

اِنکارِ حدیث کا فتنہ ظہور میں آچکا ہے، بحث کرنے والے پوری قوت کے ساتھ اس بحث میں مصروف ہیں کہ حدیث حجّت ہے یا نہیں؟ جن لوگوں کی طرف سے یہ بحث اُٹھائی گئی ہے ان کا حال تو انہی کو معلوم ہوگا، لیکن جہاں تک میرے ایمان کا احساس ہے، یہ سوال ہی غیرتِ اِیمانی کے خلاف چیلنج ہے، جس

سے اہلِ اِیمان کی گردن ندامت کی وجہ سے جھک جانی چاہئے۔

اس فتنے کے اُٹھانے والے ظالموں نے نہیں سوچا کہ وہ اس سوال کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کی ذات کو اِعتماد یا عدمِ اعتماد کا فیصلہ طلب کرنے کے لئے اُمّت کی عدالت میں لے آئیں گے۔ اُمّت اگر یہ فیصلہ کردے گی کہ نبی کریم ﷺ کی بات (حدیث) قابلِ اعتماد ہے، تو اس کے مرتبہ کا سوال ہوگا، اور اگر نالائق اُمتی یہ فیصلہ صادر کردیں کہ: ''نبی کریم ﷺ کی کوئی بات (حدیث) آپ کے زمانہ والوں کے لئے لائق اعتماد ہوتو ہو، لیکن موجودہ دور کے متمدّن اور ترقّی پسند افراد کو نبی ﷺ کی کسی حدیث پر ایمان لانے کے لئے مجبور کرنا مُلّا ئیت ہے۔'' تو نبی اکرم ﷺ کے خلاف عدمِ اعتماد کا فیصلہ ہوجائے گا (معاذ اللہ! استغفر اللہ!)۔ اگر دل کے کسی گوشے میں ایمان کی کوئی رمق بھی موجود ہے تو کیا یہ سوال ہی موجبِ ندامت نہیں کہ نبی ﷺ کی بات لائق اعتماد ہے یا نہیں؟

تف ہے اس مہذّب دُنیا پر! کہ جس ملک کی قومی اسمبلی میں صدرِ مملکت کی ذات کو تو زیرِ بحث نہیں لایا جاسکتا،... پاکستان کی قومی اسمبلی کے اسپیکر نے متعدّد دفعہ یہ رولنگ دی ہے کہ معزّز ارکانِ اسمبلی، صدرِ مملکت کی ذاتِ گرامی کو زیرِ بحث نہیں لاسکتے... لیکن اسی ملک میں چند ننگِ اُمّت، آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس کو نہ صرف یہ کہ زیرِ بحث لاتے ہیں، بلکہ زبان و قلم کی تمام تر طاقت اس پر صَرف کرتے ہیں کہ اُمّت، رسول اللہ ﷺ کے خلاف عدمِ اعتماد کا ووٹ دے ڈالے۔ اگر اِیمان اسی کا نام ہے تو مجھے کہنا ہوگا: ﴿بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (البقرۃ)۔

بہرحال مریض دِلوں کے لئے اِنکارِ حدیث کی خوراک لذیذ ہوتو ہو... غلبہ صفراء کی وجہ سے ان مسکینوں کو اس کی تلخی کا اِحساس بھی نہیں ہوتا... لیکن میرے جیسے گناہگار اور ناکارہ اُمتی کے لئے یہ موضوع خوشگوار نہیں، بلکہ یہ بحث ہی تلخ ہے، نہایت تلخ...!! مجھے کل ان کے دربار میں جانا ہے اور ان کی شفاعت کی اُمید ہی سرمایۂ زندگی ہے، سوچتا ہوں اور خدا کی قسم! کانپتا ہوں کہ اگر ان کی طرف سے دریافت کرلیا گیا کہ: ''او نالائق! کیا میری حدیث کا اِعتماد بھی محلِ بحث ہوسکتا ہے؟'' تو میرے پاس کیا جواب ہوگا...؟ اسلام کے ان فرزندانِ ناخلف نے خود رِسالت مآب ﷺ پر جرح و تعدیل کا جو راستہ اِختیار کیا ہے، واللہ! اس میں کفر و نفاق کے کانٹوں کے سوا کچھ نہیں: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکہف:٢٩) (اب جس کا جی چاہے نبی کی بات پر اِیمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اِختیار کرے!)۔

٢:... فتنے کی شدّت:

فتنے کی کجی ملاحظہ کیجئے! دِینِ قیم کے وہ صاف، واضح، روشن اور قطعی مسائل جن میں کل تک شک

وتردّد کا اَدنیٰ تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، کل تک ملّتِ اسلامیہ جن کو یقینی مانتی چلی آئی تھی، شکّی مزاج طبیعتیں آج ان ہی مسائل کو غلط اور نا قابلِ قبول ٹھہراتی ہیں۔

ایک رسول اکرم ﷺ کی ذات اب تک محفوظ تھی، تمام اُمّت کا مرجع تھی، ہر اُمتی آنحضرت ﷺ کے فرمان کے سامنے سرِتسلیم خم کردیا کرتا تھا۔ اُمّت میں کوئی اختلاف رُونما ہو، اس کے فیصلے کے لئے آپ ﷺ کی ذات آخری عدالت تھی، اور آپ ﷺ کا ہر فیصلہ حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن افسوس! آج کس کے پاس یہ شکایت لے جائیں کہ فتنے کے سیلاب کی موجیں علماء، صلحاء، صوفیاء، متکلمین، محدّثین، مجتہدین، تابعین اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) سب کو روندتی ہوئی دِین و شریعت کی آخری فصیل ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے ٹکرارہی ہیں، اور چاہا جاتا ہے کہ انسانیت کی سب سے بڑی اور سب سے آخری عدالت کو بھی مجروح کردیا جائے، **فإلى الله المشتكى!**

اُف! مبتلائے فتنہ اُمّت میں یہ بحث موضوعِ سخن ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی ''حدیث'' حجّت ہے یا نہیں؟ دِینی حیثیت سے قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ کیا یہ صاف اور موٹی بات بھی کسی کی عقل میں نہیں آسکتی کہ کسی ذات کو نبی اور رسول ماننا یا نہ ماننا تو ایک الگ بحث ہے، لیکن جس ذات کو رسول مان لیا جائے، ماننے والے کے ذمہ اس کی ہر بات کا مان لینا بھی ضروری ہے، جس کام کا وہ حکم کرے اس کی تعمیل بھی ماننے والے کے لئے لازم ہے اور جس فعل سے وہ منع کرے اس سے رُک جانا ضروری ہے۔

رسول کو رسول مان کر اس کے اَحکام میں تفتیش کرنا کہ: ''یہ حکم آپ اپنی طرف سے دے رہے ہیں؟ یا خدا کی طرف سے؟ اور اگر آپ اپنی طرف سے کوئی اِرشاد فرماتے ہیں تو اس کی تعمیل سے معاف رکھا جائے!'' نری حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ کتنی صاف اور سیدھی بات تھی؟ لیکن نہیں معلوم لوگ عقل کو کہاں استعمال کیا کرتے ہیں کہ ایسے بدیہی اُمور میں بھی شک اور تردّد کا مرض ان کو اِیمان ویقین سے محروم کئے رکھتا ہے۔

''شرح تحریر'' میں ہے:

''حجية السنة سواءٌ كانت مفيدة للفرض او الواجب او غيرهما (ضرورةٌ دينيةٌ) كل من له عقل و تميز حتى النساء و الصبيان يعرف ان من ثبت نبوته صادق فيما يخبر عن الله تعالىٰ و يجب اتباعه۔'' (تيسير التحرير ج: ۱ ص: ۲۲)

ترجمہ: ''سنّت خواہ مفیدِ فرض ہو یا واجب یا ان کے علاوہ کے لئے، اس کا حجّت ہونا دِین کا ایسا واضح مسئلہ ہے، جس میں طلبِ دلیل کی ضرورت نہیں، جس کو ذرا بھی عقل وتمیز ہو، عورتوں اور بچّوں تک بھی، وہ جانتا ہے کہ جس کی نبوّت ثابت ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

جو کچھ بتلائے گا اس میں قطعاً سچا ہوگا، اور اس کی بات کی پیروی واجب ہوگی۔‘‘

منکرینِ حدیث کی کورچشمی ملاحظہ کریں! اس پر اِتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ، رسولِ برحق ہیں، اس پر بھی اتفاق ہے کہ علم و عرفان کے سرچشمہ ہیں، الغرض آفتاب طلوع ہوچکنے کے بعد، بحث اس پر ہو رہی ہے کہ سورج نکلنے کے بعد دِن ہوتا ہے یا رات ہوتی ہے؟ زبان و قلم، عقل و فہم اور دِل و دِماغ کی قوتیں اس پر صَرف کی جارہی ہیں کہ رسول کو رسول ماننے کے بعد اس کی کسی بات ... حدیث ... پر اِعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو خیرہ چشم طلوعِ آفتاب کا اِقرار کرنے کے باوجود ’’دِن نہیں، رات ہے!‘‘ کی رَٹ لگارہا ہو، اور چاہتا ہو کہ تمام دُنیا اسی کی طرح آنکھیں موند لے، بتلایا جائے کہ آپ ایسے سوفسطائی کو کس دلیل سے سمجھا سکتے ہیں؟

اسی طرح ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ (ﷺ) کا زبانی اِقرار کرنے والوں سے جب سنا جاتا ہے کہ: ’’جس ذات کو ہم رسول مانتے ہیں، اسی کا کوئی قول اور فعل ہمارے لئے حجت نہیں‘‘ تو بتلایئے! ایسے محرومانِ بصیرت کے لئے کون سا سامانِ ہدایت سودمند ہوسکتا ہے؟ کاش! ان کو چشمِ بصیرت نصیب ہوجاتی: ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝۴۶﴾ (الحج) (کیونکہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں، بلکہ وہ دل اندھے ہوچکے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں)۔

۳:... منکرینِ حدیث کی بے اُصولی:

حدیث کا جو ذخیرہ اس وقت اُمت کے پاس محفوظ ہے، اس کے دو جزو ہیں: ۱:... متن۔ ۲:... سند۔ یعنی ایک تو حدیث کے وہ جملے ہیں جو قولاً، فعلاً یا تقریراً صاحبِ حدیث ﷺ کی طرف منسوب ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا، یا آپ ﷺ نے فلاں عمل کرکے دکھایا، یا آپ ﷺ نے فلاں کام کی ــــ جو آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا ــــ تصویب فرمائی۔ دوم اساتذۂ حدیث کا وہ سلسلہ ہے جو اُمت اور اُمت کے نبی ﷺ کے درمیان واسطہ ہیں۔ مثلاً: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جس حدیث کو روایت کریں گے وہ ساتھ ہی یہ بھی بتلاتے جائیں گے کہ آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث کن کن واسطوں سے ہم تک پہنچی؟

پوری اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی حدیث جن لوگوں نے خود آپ ﷺ کی زبانِ فیض ترجمان سے سنی وہ سننے والوں کے حق میں اسی طرح قطعی تھی جس طرح قرآن کریم قطعی ہے۔ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے جو حکم بھی صادر ہوا بالمشافہہ سننے والوں کے لئے اس کا درجہ وحیٔ خداوندی کا ہے، اگر آپ ﷺ نے اس کو قرآن میں لکھنے کا حکم دیا تو وہ وحی جلی کہلائے گا، ورنہ وحی خفی۔

قسمِ اوّل: (وحیٔ جلی) کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ تھے۔

قسمِ دوم: (وحیٔ خفی) کا مضمون منجانب اللہ ہوتا تھا، الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے تھے۔

بہرحال وحی کی یہ دونوں قسمیں چونکہ منجانب اللہ ہیں، اس لئے دونوں پر ایمان لانا اور دونوں کا قبول کرنا اہلِ ایمان کے ذمہ ضروری ہوا۔ البتہ روایتِ حدیث کے اعتبار سے حدیث کی مختلف قسمیں ہوجاتی ہیں، جن کی تفصیل کو مع ان کے احکام کے اپنی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

اب منکرینِ حدیث کی بے اُصولی دیکھئے کہ وہ ان دونوں اجزاء... متنِ حدیث اور سندِ حدیث... کے متعلق مخلوط بحث کریں گے۔ حالانکہ بے اِعتمادی کا زہر پھیلانے سے پہلے اِنصاف و دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ محلِ بحث کو طے کرلیا جاتا کہ کیا ان کو نفسِ حدیث ہی پر اِعتماد نہیں، خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو؟ یا نفسِ حدیث پر ان کو اِعتماد ہے اور وہ اسے دِینی سند بھی تسلیم کرتے ہیں، لیکن موجودہ ذخیرۂ حدیث کے متعلق ان کی بے اِعتمادی کا سبب یہ ہے کہ پوری اُمّت میں ان کو ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امانت اُمّت تک صحیح پہنچادی ہو، اس لئے اس کو موجودہ ذخیرۂ حدیث سے ضد ہے؟ مثلاً: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایات جو مالک، عن نافع، عن ابن عمر، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے مروی ہیں، جو شخص ان روایات پر بے اِعتمادی کا اظہار کرتا ہے، کیا اس کا فرض نہ ہوگا کہ وہ اپنی بد اِعتمادی کی وجہ بتلائے کہ آیا اسے حدیث کے ان تین ناقلین: مالک، نافع، ابن عمر رضی اللہ عنہم پر ہی اعتماد نہیں، معاذ اللہ! یا خود ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد نہیں؟ استغفر اللہ!

بہرحال جب تک موضوع کی تنقیح اور تعیین نہ کرلی جائے، اس وقت تک کسی بھی مسئلے پر بحث لغو اور لایعنی مشغلہ ہے۔ لیکن آپ منکرینِ حدیث کو پائیں گے کہ وہ کبھی نفسِ حدیث پر بحث کریں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دِین میں حدیث کا کوئی مقام نہیں، اور کبھی بے چارے ناقلینِ حدیث پر تبرّا شروع کردیں گے کہ ان لوگوں نے اُمّت کی یہ امانت بعد میں آنے والی اُمّت تک کیوں پہنچائی؟ لیکن اِنکارِ حدیث کا منشا متعین کرنے سے وہ گریز کریں گے۔ اس لئے میں کہوں گا کہ حدیث پر سے اِعتماد اُٹھانے کا اصل حل تلاش کرو اور محلِ بحث تلاش کرنے کے بعد اِفہام و تفہیم کریں۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ قصوروار ناقلینِ روایت ہوں اور فردِ جرم خود حدیث پر عائد کردی جائے! یا اِعتماد نفسِ حدیث پر نہ ہو، اور اس کی سزا حدیث روایت کرنے والی پوری اُمّت کو دی جانے لگے!

۴:... اِنکارِ حدیث کا عبرتناک انجام!

حدیث پر اِعتماد نہ کرنے والوں کو... معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!... ذاتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) یا پوری اُمّت

میں سے ایک کو نا قابلِ اِعتماد قرار دینا ہوگا، استغفراللہ! آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ زید کا کلام عَمرو نقل کرے، سننے والے کو زید کے صدق کا یقین ہو اور عَمرو پر اِعتماد ہو کہ وہ نقل میں جھوٹا نہیں، لیکن اس کے باوجود کہے کہ: یہ کلام جھوٹا ہے! بہرحال یہاں یہ سوال کسی خاص حدیث کا نہیں بلکہ مطلق حدیث کا ہے۔ جب اس کا انکار کیا جائے گا اور اسے نا قابلِ اِعتماد قرار دیا جائے گا تو اس صورت میں یا خود صاحبِ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اعتماد اُٹھانا ہوگا یا پوری اُمّت کو غلط کار اور دروغ گو کہنا ہوگا۔ اِنکارِ حدیث کی تیسری کوئی صورت نہیں۔ اور ان دونوں کا نتیجہ سب کے سامنے ہے، اگر... معاذ اللہ!... خود صاحبِ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم یا چودہ سو سالہ اُمّت سے اِعتماد اُٹھالیا جائے تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ اسلام اور قرآن پر بھی ان کا اِعتماد نہیں، اور دِین و ایمان کے ساتھ بھی ان کا کچھ واسطہ نہیں؟ ان احادیثِ رسول کے متعلق بے اِعتمادی کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال دِل میں نہ لانا چاہئے کہ اس تمام ترسعیٔ مذموم کے باوجود وہ اسلام اور قرآن کو بے اِعتمادی کے جھگڑے سے محفوظ رکھ سکیں گے...!!

۵:... تنقیحِ بحث:

اب تمام تر بحث جو آپ کے سامنے آئے گی، وہ نفسِ حدیث سے متعلق ہوگی، ''سندِ حدیث'' اور ''رِجالِ سند'' کی بحث کو ہمارے موضوع سے خارج سمجھنا چاہئے۔

ان ابتدائی اشارات کے بعد ہم پہلے سوال پر غور کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئیس (۲۳) سالہ دورِ نبوّت کے اِرشادات، کلماتِ طیبات، قضایا اور فیصلے، افعال و احوال، سیر و اخلاق، الغرض اس طویل مدّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو جو زبانی حکم دیا، یا جو کچھ عملاً کر دِکھلایا، یا کسی عمل کی تصویب قولاً یا سکوتاً فرمائی ... ان ہی اُمور کے مجموعہ کا نام حدیث ہے... اب سوال یہ ہے کہ:

①:... ان سب کو قرآن مجید کیا مرتبہ دیتا ہے؟

②:... خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کی حیثیت کیا تھی؟

③:... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے تقریباً صد سالہ دور میں ان کے ساتھ کیا تعلق رکھا؟

④:... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کی اُمّت کی نظر میں ان کا کیا مرتبہ رہا؟

⑤:... عقلِ صحیح کی روشنی میں ان کا کیا مقام ہے؟

یہ پانچ نکات ہیں، جن پر غور کرنا ضروری ہے۔ ایک مضمون میں جس قدر شرح و بسط کی گنجائش ہوسکتی ہے، حتّی الوسع اِختصار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی، حق تعالیٰ سوءِ فہم اور قصورِ تعبیر سے حفاظت فرمائے، آمین!

①:... مقامِ حدیث قرآن کی روشنی میں

ا:... فرمودۂ رسول کو بلا چون و چرا قبول کرو:

قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو کچھ دیا جائے، اس کو بلا چون و چرا قبول کرلیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کردہ اُمور سے باز رہیں، اگر انہوں نے ایسا نہ کیا، تو ان کے حق میں شدید عذاب کا اندیشہ ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷﴾ (الحشر)

ترجمہ: ''اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو کچھ بھی دے دیں، اس کو لے لو، اور جس چیز سے روک دیں، اس سے رُک جاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں۔''

۲:... حکمِ نبوی سے روگردانی باعثِ فتنہ وعذاب ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَمر کی مخالفت کرنے والے لوگوں کو ڈرایا گیا ہے کہ ان کی یہ رَوِش بدترین فتنہ اور دردناک عذاب میں انہیں دھکیل کر رہے گی۔ چنانچہ اِرشادِ خداوندی ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۳﴾ (النور)

ترجمہ: ''اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان کو کوئی عظیم فتنہ پیش نہ آجائے یا کہیں ان کو عذابِ الیم کا سامنا نہ کرنا پڑے۔''

چنانچہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

''یعنی اللہ اور رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان کے دِلوں میں کفر ونفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لئے جڑ پکڑ نہ جائے۔ اور اس طرح دُنیا کی کسی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہوجائیں، العیاذ باللہ!''

(تفسیر عثمانی ص:٤٦٦)

۳:... اِطاعتِ نبوی باعث رحمتِ خداوندی ہے:

رحمتِ خداوندی کے نزول کو آپ ﷺ کی اطاعتِ کاملہ کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے، فرمانِ ربّانی ہے:

﴿وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ۝۵۶﴾

(النور)

ترجمہ: ''اور (اے مسلمانو!) نماز کی پابندی رکھو، اور زکوٰۃ دیا کرو، اور (باقی احکام میں بھی) رسول (ﷺ) کی اطاعت کیا کرو، تاکہ تم پر کامل رحم کیا جائے۔''

(ترجمہ حضرت حکیم الاُمّت رحمۃ اللہ علیہ)

۴:... فوز وفلاح کا راز:

ہر قسم کی فوز وفلاح، رُشد وہدایت اور بہبودیٔ دُنیا وآخرت کو آپ ﷺ کی اِطاعت میں منحصر قرار دیا گیا، جیسا کہ اِرشادِ اِلٰہی ہے:

﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا۝۶۹ ذٰلِكَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيۡمًا۝۷۰﴾ (النساء)

ترجمہ: ''اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا، تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاؑ اور صدیقین اور شہداؑ اور صلحاؑ اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں، یہ فضل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے، اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والے ہیں۔''

۵:... اتباعِ رسول، محبّت ومحبوبیتِ اِلٰہی کا معیار!

دعوائے محبّتِ خداوندی کے صدق وکذب کا اِمتحان کرنے کے لئے اتباعِ محبوبِ خدا ﷺ کو معیار قرار دیا گیا، اسی کے ساتھ آپ ﷺ کی ہراَدا کی نقل اُتارنے والوں کو مقامِ محبوبیت پر فائز ہونے کی بشارت اور مغفرت سے ہمکنار ہونے کی خوشخبری سے نوازا گیا ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ۝۳۱﴾ (آل عمران:۳۱)

ترجمہ: ''آپ (ﷺ) فرما دیجئے: اگر تم اللہ سے محبّت رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبّت کریں گے، تمہارے گناہ بخش دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بہت رحم والے ہیں۔''

علّامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''دُشمنانِ خدا کی موالات و محبّت سے منع کرنے کے بعد خدا تعالیٰ سے محبّت کرنے کا معیار بتلاتے ہیں۔ یعنی اگر دُنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالکِ حقیقی کی محبّت کا دعویٰ یا خیال ہو، تو لازم ہے کہ اس کو اتباعِ محمدی کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا، جو شخص جس قدر حبیبِ خدا محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ چلتا اور آپ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بناتا ہے، اسی قدر سمجھنا چاہئے کہ خدا کی محبّت کے دعوے میں سچا اور کھرا ہے، اور جتنا اس دعوے میں سچا ہوگا، اتنا ہی حضور ﷺ کی پیروی میں مضبوط و مستعد پایا جائے گا۔ جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبّت کرنے لگے گا، اور اللہ کی محبّت اور حضور ﷺ کے اِتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے، اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری، باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی، (مختصراً ان آیات میں) پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی اطاعت کی (پُرزور طریقے سے) دعوت دی گئی (ہے)۔''

(تفسیر عثمانی ص:۶۹)

۶...آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی تصفیہ طلب اُمور میں بحیثیت آخری عدالت!

اعلان کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت کو جب تک شعارِ زندگی نہ بنایا جائے گا اور ہر قسم کے تصفیہ طلب اُمور کے لئے آپ ﷺ کی ذاتِ پاک کو آخری عدالت کی حیثیت نہیں دی جائے گی، اہلِ ایمان کو نہ ذرّہ خیر و برکت میسر آسکتا ہے، نہ اس کے بغیر کسی اچھے انجام کی توقع رکھی جاسکتی ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۵۹﴾ (النساء)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو، اور رسول کا کہنا مانو، اور تم میں جو لوگ اہلِ

حکومت ہیں، ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالے کرلیا کرو، اگر تم اللہ پر اور یومِ قیامت پر اِیمان رکھتے ہو، یہ اُمور سب بہتر ہیں، اوران کا انجام خوش تر ہے۔'' (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ باہمی اختلافات کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ کے مطابق حل کریں اور اگر کوئی اپنے اختلافات ختم کرنے کے لئے قرآن وسنّت سے پہلو تہی کرتا ہے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج تصوّر ہوگا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر دو مسلمان آپس میں جھگڑیں، ایک نے کہا کہ: چلو شرع کی طرف رُجوع کریں۔ دوسرے نے کہا کہ: میں شرع کو نہیں سمجھتا، یا: مجھ کو شرع سے کیا ہے؟ تو اس کے یہ کلمات دائرۂ اسلام سے خارج کرنے والے ہیں (خلاصہ تفسیر عثمانی ص:۱۱۲)۔

۷:... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم واجب العمل ہے:

آگاہ کیا گیا ہے کہ نہ صرف دینی اُمور بلکہ خالص دُنیوی اُمور میں بھی کسی مؤمن مرد اور عورت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد کسی قسم کی گنجائش نہیں کہ فیصلۂ نبوّت کے بعد وہ اپنے لئے ادنیٰ اِختیار کا تصوّر بھی ذہن میں لائے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ﴾ (الاحزاب:۳۶)

ترجمہ: ''اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں ہے، جبکہ اللہ اور اس کے رسول کسی کام کا وجوباً حکم دے دیں کہ (پھر) ان مؤمنین کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے (یعنی اس اختیار کی گنجائش نہیں رہتی کہ خواہ کریں یا نہ کریں، بلکہ عمل کرنا ہی واجب ہے)۔'' (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

۸:... فیصلۂ نبوی سے اِنحراف باعثِ ہلاکت ہے:

بات یہیں پوری نہیں ہوجاتی، بلکہ پُرجلال انداز میں ہر سننے والے کے کان کھول دیئے گئے کہ فیصلۂ نبوی کے بعد جن لوگوں کو اپنے لئے کسی قسم کی اِختیاری گنجائش پیدا کرنے کی فکر رہتی ہے، ایسے نافرمان صریح بھٹکے ہوئے ہیں، اسی لئے فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶﴾ (الاحزاب)

ترجمہ: ''اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا، وہ صریح گمراہی میں پڑا۔''

۹:... ہدایت صرف اِطاعتِ نبوی میں منحصر ہے:

یہ بھی واضح کردیا گیا کہ ہدایت صرف اِطاعتِ نبوی میں منحصر ہے، اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے علاوہ ہدایت کے تمام راستے بند ہیں۔ اس کے ساتھ بتلادیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَوامر سے سرتابی کرنے والے کوتاہ اندیش لوگوں کو اس کے ہولناک نتائج کے لئے تیار رہنا چاہئے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴿۵۴﴾﴾

(النور)

ترجمہ: ”آپ کہئے کہ اللہ تعالیٰ کی اِطاعت کرو، اور رسول کی اِطاعت کرو، پھر اگر تم (اِطاعت سے) روگردانی کروگے تو سمجھ رکھو کہ رسول کے ذمہ وہی (تبلیغ) ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا، اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے، اور اگر تم نے ان کی اِطاعت کرلی تو راہ پر جالگو، اور بہرحال رسول کے ذمہ صاف صاف طور پر پہنچادینا ہے۔“

۱۰:... مؤمن اور جذبۂ سمع وطاعت:

واضح کردیا گیا کہ ایمان کا سب سے بڑا نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم پر سمع وطاعت بجالانا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلے پر سرِ تسلیم خم کردینا ہے، اور یہ کہ کامرانی اور کامیابی انہیں لوگوں کے قدم چومے گی جو اپنے اندر یہ ایمانی صفات رکھتے ہوں گے، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۵۱﴾﴾ (النور)

ترجمہ: ”مسلمانوں کا قول تو جبکہ ان کو (کسی مقدمے میں) اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کردیں، یہ ہے کہ وہ (بطِیبِ خاطر) کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، اور ایسے لوگ آخرت میں فلاح پائیں گے۔“

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہئے کہ جب کسی معاملے میں ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے، خواہ اس میں بظاہر ان کا نفع ہو یا نقصان، ایک منٹ کا توقف نہ کریں، فی الفور سمعاً وطاعۃً کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہوجائیں، اسی میں ان کی

اصلی بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمر ہے۔‘‘ (تفسیر عثمانی ص: ۴۶۳)

۱۱:... گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

بتلایا گیا کہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و عمل وحی الٰہی کا تابع اور منشائے خداوندی کا ترجمان ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ اپنی ذاتی خواہش سے نہیں، بلکہ وحیٔ الٰہی سے فرماتے ہیں، چنانچہ اِرشادِ الٰہی ہے:

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۞ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۞ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۞﴾ (النجم)

ترجمہ: ’’قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے، یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نہ راہ سے بھٹکے اور نہ غلط رستے ہوئے اور نہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں، اور ان کا ارشاد نری وحی ہے جو اُن پر بھیجی جاتی ہے۔‘‘

(ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

پس جس ذاتِ گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں حق تعالیٰ شانہٗ یہ ضمانت دیتے ہوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک لمحہ کے لئے بھی نہ غلط رَوِی کا احتمال ہے اور نہ وحیٔ الٰہی کے خلاف کسی لفظ کے زبانِ مبارک پر آنے کا اندیشہ ہے، ایسی ذاتِ گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کے ہر قول و فعل پر ہمہ دم وحیٔ الٰہی کا پہرا رہتا ہو، انصاف کیا جائے...!!

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو دلائل و براہین سے محقق کرنے کے بعد خدا تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ حکم سناتا ہے کہ جو ہمارے رسول کی فرمانبرداری کرے گا وہ بے شک ہمارا تابعدار ہے، اور جو اس سے روگردانی کرے گا تو ہم نے تجھ کو اے رسول! ان لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ ان کو گناہ نہ کرنے دے، ہم ان کو دیکھ لیں گے، تیرا کام صرف پیغام پہنچانا ہے، آگے ثواب یا عتاب یہ ہمارا کام ہے۔‘‘

۱۲:... اِطاعتِ نبوی کی حقیقت:

یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اِطاعت ہے، اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت کو عین اِطاعتِ خداوندی نہیں سمجھتے وہ اپنی بدفہمی کی وجہ سے کفر کے مرتکب ہیں، جیسا کہ

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ وَ مَنۡ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ﴿ؕ۸۰﴾﴾ (النساء)

ترجمہ: ”جس شخص نے رسول (اللہ ﷺ) کی اِطاعت کی، اس نے خدا تعالیٰ کی اِطاعت کی، اور جو شخص (آپ ﷺ کی اِطاعت سے) روگردانی کرے، سو (آپ کچھ غم نہ کیجئے، کیونکہ) ہم نے آپ کو نگران کر کے نہیں بھیجا (کہ آپ ان کو کفر نہ کرنے دیں)۔“ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

۱۳:... ایک مثالی نمونہ:

آپ ﷺ کا ہر قول، علم و عمل، گفتار و کردار، نشست و برخاست، غرضیکہ آپ ﷺ کی ذات سے صادر ہونے والی ہر چیز سراپا ہدایت ہے، اس لئے آپ ﷺ کی ذاتِ عالی کو اُمّت کے لئے بہترین مثالی نمونہ قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا ﴿ؕ۲۱﴾﴾ (الاحزاب)

ترجمہ: ”تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذِکرِ الٰہی کرتا ہو، رسول اللہ (ﷺ) کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔“

اس آیتِ شریفہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی ہر ایسے شخص کے لئے معیاری نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر اِیمان رکھتا ہے اور جس کا دِل ذِکرِ اِلٰہی کی کثرت سے منوّر ہو، برعکس اس کے جو شخص آنحضرت ﷺ کو مثالی نمونہ نہیں سمجھتا، اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو واجب الاطاعت اور لائقِ اِقتدا نہیں سمجھتا، اسے نہ اللہ تعالیٰ پر اِیمان ہے، نہ آخرت پر۔ اس کا دِل ذِکرِ اِلٰہی کے نور سے محروم ہونے کی وجہ سے ظلمت کدہ ہے۔ آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کا مطلب یہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو دیکھو! سختیوں اور جاں گداز حالات میں کیا اِستقلال رکھتے ہیں، حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر ان ہی پر ہے، مگر مجال ہے کہ پائے اِستقامت ذرا جنبش کھا جائے، جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی اُمید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں، ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات منبع البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہئے کہ ہر معاملے، ہر ایک حرکت و سکون اور نشست و برخاست میں ان کے نقشِ قدم پر چلیں اور ہمت و استقلال وغیرہ میں ان کی چال سیکھیں۔

۱۴:... ایک نکتہ:

آپ ﷺ کی اِطاعت سے اِعتقاداً پہلو تہی کرنے والوں پر صاف صاف کفر کا فتویٰ صادر کیا گیا ہے، سورۂ آل عمران میں ہے:

﴿قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ۝۳۲﴾

(آل عمران)

ترجمہ: ''آپ فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ اور اس کے رسول کی، پھر اگر وہ لوگ اِعراض کریں تو سن رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبّت نہیں کرتے۔''

۱۵:... فیصلۂ نبوی سے منحرف ظالم ہے:

آپ ﷺ کے فیصلوں سے اِعراض کرنے والوں کو شک وتردّد اور نفاق کے مریض، غلط اندیش اور ظالم قرار دیا گیا، جیسا کہ سورۂ نور میں ہے:

﴿وَاِذَا دُعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ۝۴۸
وَاِنۡ يَّكُنۡ لَّهُمُ الۡحَـقُّ يَاۡتُوۡۤا اِلَيۡهِ مُذۡعِنِيۡنَ۝۴۹ؕ اَفِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ اَمِ ارۡتَابُوۡۤا اَمۡ يَخَافُوۡنَ
اَنۡ يَّحِيۡفَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ؕ بَلۡ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۝۵۰ؒ﴾ (النور)

ترجمہ: ''اور یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف اس غرض کے لئے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو ان میں ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے، اور اگر ان کا حق ہو تو سرِ تسلیم خم کئے ہوئے آپ کے پاس آتے ہیں، آیا ان کے دِلوں میں مرض ہے یا یہ شک میں پڑے ہیں یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں؟ نہیں! بلکہ یہ لوگ سراسر ظالم ہیں۔''

(ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

۱۶:... اتباعِ رسول سے پہلو تہی منافقانہ عمل ہے:

آپ ﷺ کی اِتباع سے اِنحراف کرنے والوں کو صاف صاف منافق اور اِیمان سے عاری قرار دیا گیا، جیسا کہ اِرشادِ اِلٰہی ہے:

﴿وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا۝۶۱ۚ﴾ (النساء)

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف، تو آپ منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں۔''

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یعنی جب کسی جھگڑے میں منافقوں سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم نازل فرمایا ہے اس کی طرف آؤ، ظاہر میں چونکہ مدعی اسلام ہیں، اس لئے صاف طور پر تو اِنکار نہیں کر سکتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے اور حکمِ اِلٰہی پر چلنے سے بچتے ہیں اور رُکتے ہیں کہ کسی ترکیب سے جان بچ جائے، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جہاں ہمارا جی چاہے اپنا جھگڑا لے جائیں۔'' (ص:۱۱۳)

۱۷:... ارشاداتِ نبوی سے بے اعتنائی برتنے والے کا حکم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات کے ساتھ بے اعتنائی برتنے والوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوالِ شریفہ کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کے متعلق اعلان کیا گیا کہ ان کے قلوب پر ضلالت و گمراہی کی خدائی مہر لگ چکی ہے، جس کی وجہ سے وہ ایمان و یقین اور رُشد و ہدایت کی اِستعداد گم کرچکے ہیں، اور ان لوگوں کی ساری تگ و دو خواہشِ نفس کی پیروی تک محدود ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ﴿١٦﴾﴾ (محمد)

ترجمہ: ''اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے اُٹھ کر باہر جاتے ہیں تو دُوسرے اہلِ علم سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تحقیر کے طور پر) کہتے ہیں کہ ''حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی؟'' یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دِلوں پر مہر کردی اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔'' (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بتصرف یسیر)

۱۸:... اسلامی دستور کا دُوسرا مأخذ اَحادیثِ نبوی ہیں:

قرآنِ کریم نے صاف صاف یہ اعلان بھی کردیا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو صرف اسی مقصد کے لئے بھیجا جاتا ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت سے اِنکار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

اِرشادات سے سرتابی کرنا گویا اِنکارِ رسالت کے ہم معنی ہے۔ اس طرح آپ ﷺ کی اِطاعت کے منکرین، اِنکارِ رسالت کے مرتکب ہیں، کیونکہ اِرشادِ باری ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ (النساء)

ترجمہ: ''اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکمِ خداوندی ان کی اِطاعت کی جائے۔''

قرآنِ کریم کی وہ آیات جن میں آنحضرت ﷺ کی اِطاعت کو اہلِ اِیمان کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے، بے شمار ہیں۔ ان میں سے یہ چند آیات آپ کے سامنے ہیں۔ کتابُ اللہ کے ان واضح اعلانات کی روشنی میں یہ فیصلہ بالکل آسان ہے کہ اسلام میں ذاتِ اقدس رسالت مآب ﷺ کے اِرشادات کا مرتبہ کیا ہے؟ جب نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال کی اِطاعت اور پیروی کا حکم خود قرآن ہی میں موجود ہے، اور جب قرآنِ کریم ہی آپ ﷺ کی اِطاعت کو عین اِطاعتِ خداوندی قرار دیتا ہے، اور آپ ﷺ کے اقوال کو جب قرآن ہی وحیٔ خداوندی بتلاتا ہے ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (النجم)، اور آپ ﷺ کے کلماتِ طیبات کو جب قرآن ہی ''گفتہ او گفتہ اللہ بوَد'' کا مرتبہ دیتا ہے، تو بتلایا جائے کہ حدیثِ نبوی کے حجّتِ دینیہ ہونے میں کیا کسی شک وشبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے...؟ اور کیا حدیثِ نبوی کا اِنکار کرنے سے، خود قرآن ہی کا اِنکار لازم نہیں آئے گا؟ اور کیا فیصلۂ نبوّت میں تبدیلی کے معنی خود قرآن کو بدل ڈالنا نہیں ہوں گے؟ اور اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ قرآنِ کریم بھی تو اُمّت نے آنحضرت ﷺ ہی کی زبانِ مبارک سے سنا، اور سن کر اس پر اِیمان لائے، آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ: ''یہ قرآن ہے'' یہ اِرشاد بھی تو حدیثِ نبوی ہے۔ اگر حدیثِ نبوی حجّت نہیں تو قرآنِ کریم کا ''قرآن'' ہونا کس طرح ثابت ہوگا؟ آخر یہ کون سی عقل و دانش کی بات ہے کہ اس مقدس و معصوم زبان سے صادر ہونے والی ایک بات تو واجب التسلیم ہو اور دُوسری نہ ہو...؟

اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

''یہ تو میرے آقا (ﷺ) کا کمال تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور یہ میرا کلام ہے'' ورنہ ہم نے تو دونوں کو ایک ہی زبان سے صادر ہوتے ہوئے سنا تھا۔''

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ: ''قرآن تو حجّت ہے، مگر حدیث حجّت نہیں ہے۔'' ان ظالموں کو کون بتلائے کہ جس طرح ایمان کے معاملے میں خدا اور رسول کے درمیان تفریق نہیں ہوسکتی کہ ایک کو مانا جائے اور دُوسرے کو نہ مانا جائے، ٹھیک اسی طرح کلام اللہ اور کلامِ رسول کے درمیان بھی اس تفریق کی گنجائش نہیں کہ ایک کو واجب الاطاعت مانا جائے اور دُوسرے کو نہ مانا جائے، ایک کو تسلیم کرلیجئے تو دُوسرے کو

بہرصورت تسلیم کرنا ہوگا۔ اور ان میں سے ایک کا اِنکار کردینے سے دُوسرے کا اِنکار آپ سے آپ ہوجائے گا۔ خدائی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اس کے کلام کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کیا جائے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو ٹھکرادیا جائے۔

۱۹:... خلاصۂ بحث: حدیث کا اِنکار قرآن کا اِنکار ہے:

اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کے خلاف صاف اعلان کرتا ہے:

﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝٣٣﴾ (الانعام)

ترجمہ: ''پس اے نبی! یہ لوگ آپ کے کلام کو نہیں ٹھکراتے، بلکہ یہ ظالم، اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں۔''

لہٰذا جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اِیمان رکھنے اور کلام اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، انہیں لامحالہ رسول اور کلامِ رسول پر بھی اِیمان لانا ہوگا، ورنہ ان کا دعوئ ایمان حرفِ باطل ہے۔

۲: مرتبۂ حدیث خود صاحبِ حدیث کی نظر میں

''حدیثِ نبوی ... حجت ہے یا نہیں؟'' اس نزاع کا جو فیصلہ قرآنِ کریم نے فرمایا ہے وہ مختلف عنوانات کے تحت آپ کے سامنے آچکا ہے، آیئے اب یہ دیکھیں کہ خود صاحبِ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیثِ مبارکہ اور اِرشاداتِ طیبہ کے حجت ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا ہے؟

یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اُمت کے تمام نزاعی اُمور کا فیصلہ کرنے کے لئے آخری عدالت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلے پر دِل و جان سے راضی ہوجانا معیارِ اِیمان ہے، اور قرآنِ کریم کا حلفیہ بیان ہے کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ ہوں اور اس کے لئے سرِ تسلیم خم نہ کریں، وہ ایمان سے محروم ہیں، چنانچہ اِرشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝٦٥﴾ (النساء)

ترجمہ: ''سو قسم ہے تیرے ربّ کی! وہ مؤمن نہ ہوں گے، یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں، اس جھگڑے میں جو اُن میں اُٹھے، پھر نہ پاویں اپنے دل میں تنگی تیرے فیصلے سے اور قبول کریں خوشی سے۔''

جب قرآنِ کریم نے اُمت کے تمام جھگڑوں کو نمٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منصف قرار دیا

ہے تو لازم ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی سے اس کا فیصلہ لے لیا جائے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دِین میں آپ ﷺ کی احادیث کا کیا مرتبہ ہے؟ آپ ﷺ کے فیصلے کے بعد کسی قسم کی کٹ حجتی کی ضرورت نہ رہے گی، آیاتِ بینات کے بعد اب فیصلۂ نبوّت سنئے...!

۱:... پوری اُمّت کو مخاطب کرکے فرمایا جاتا ہے کہ ایسا شخص ایمان سے محروم ہے جس کی خواہشات نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی ہر چیز سے ہم آہنگ نہیں ہوجاتیں:

”عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنهما قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ”لا یؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به۔“ رواه فی شرح السنة وقال النووی فی اربعینه: هٰذا حدیث صحیح رویناه فی کتاب الحجة باسناد صحیح۔“ (مشکوٰة ص:۳۰)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس (شریعت) کے تابع نہیں ہوجاتیں جس کو میں لے کر آیا ہوں۔“

۲:... نبی کریم ﷺ کی سنّت کے تارک اور آپ ﷺ کے اوامر کی اقتدا نہ کرنے والے ناخلف، دروغ گو اور غلط کار ہیں، اور جو شخص ان کے ساتھ، ہاتھ، زبان یا دِل کے ساتھ جہاد نہیں کرتا وہ بھی ذرّۂ ایمان سے محروم ہے:

”عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ما من نبی بعثه الله فی امته قبلی الا کان له فی امته حواریون واصحاب یأخذون بسنته ویقتدون بأمره، ثم انها تخلف من بعدهم خلوف یقولون ما لا یفعلون، ویفعلون ما لا یؤمرون، فمن جاهدهم بیده فهو مؤمن، ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن، ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن، ولیس وراء ذالک من الایمان حبة خردل۔ رواه مسلم۔“ (مشکوٰة ص:۲۹)

ترجمہ: ”عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مجھ سے پہلے جس نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے بھیجا اس کی اُمّت میں ضرور ایسے خاص لوگ اس کے دِین کے مددگار رہا کئے جو اس کی سنّت پر عمل پیرا ہوتے اور اس کے حکم کی اقتدا کرتے، پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جو ایسی باتیں کہتے جن پر عمل نہ کرتے اور ایسے افعال کرتے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا، (یہی اس اُمّت میں ہوگا) پس جو شخص ان لوگوں کے

ساتھ ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، اور جو اُن کے ساتھ زبان سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، اور جو اُن کے ساتھ دِل سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے، اس کے علاوہ ایمان کا ذرہ نہیں۔“

۳:... سنّتِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) سے اِعراض کرنے والوں کا ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں:

”عن انس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم (فی حدیث فیه قصة): فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ متفق علیه۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۷)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے میری سنّت سے بے رغبتی کی وہ مجھ سے نہیں۔“

۴:... اِنکارِ حدیث کا نعرہ لگانے والے دجال اور کذّاب ہیں:

”عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یأتونکم من الأحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آبائکم فإیاکم وإیّاهم! لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔ رواه مسلم۔“

(مشکوٰۃ ص:۲۸)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخری زمانے میں ایسے ایسے دجال اور کذّاب ہوں گے جو تمہیں ایسی ایسی باتیں سنائیں گے جو نہ تم نے کبھی سنی ہوں گی، نہ تمہارے باپ دادا نے، پس ان سے بچو! ایسا نہ ہو کہ تمہیں گمراہ کردیں یا فتنے میں ڈال دیں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایسے نظریات پیش کرتے ہیں جو اُمّت کی گزشتہ صدیوں میں کبھی نہیں سنے گئے، وہ دجال و کذّاب ہیں، اِنکارِ حدیث کا نظریہ بھی اسی قسم کا ہے۔

۵:... اِنکارِ حدیث کا منشا شکم سیری، ہویٰ پرستی اور گندم خوری کے سوا کچھ نہیں:

”عن المقدام بن معدی کرب رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اَلَا! انی اوتیت القرآن ومثله معه، اَلَا! یوشک رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا القرآن: فما وجدتم فیه من حلال فأحلّوه وما وجدتم فیه من حرام فحرّموه، وإن ما حرّم رسول الله کما حرّم الله......... رواه ابوداؤد وروی الدارمی نحوه وکذا ابن ماجة۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۹)

ترجمہ: ’’مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سن رکھو! مجھے قرآن بھی دیا گیا اور قرآن کے ساتھ اس کے مثل بھی۔ سن رکھو! قریب ہے کہ کوئی پیٹ بھرا، تکیہ لگائے ہوئے یہ کہنے لگے کہ: لوگو! تمہیں یہ قرآن کافی ہے، بس جو چیز اس میں حلال ملے اسی کو حلال سمجھو، اور جو چیز اس میں حرام ملے اسی کو حرام سمجھو۔ حالانکہ اللہ کے رسول کی حرام بتلائی ہوئی چیزیں بھی ویسی ہی ہیں جیسی اللہ تعالیٰ کی حرام بتلائی ہوئی۔‘‘

۶:... جب اُمّت میں اِختلاف رُونما ہوجائے اور ہر فرقہ اپنی تائید قرآن سے ثابت کرنے لگے، اس وقت سنّتِ نبوی کو لازم پکڑنا اور قرآنی مطالب کے افہام و تفہیم میں اُسوۂ نبوّت کو فیصل قرار دینا ہی اصل منشائے دِین ہے۔ ایسے نازک وقت حدیثِ نبوی سے دست کشی، گمراہی کا پہلا زینہ ہے، اور نئے نظریات اور اعمال کا اِختراع کج روی کا سنگِ بنیاد ہے:

”عن العرباض بن سارية رضی الله عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم ثم اقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظة بليغة زرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب۔ فقال رجل: يا رسول الله! كأنّ هذه موعظة مودع فاوصنا! فقال: اوصكيم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن كان عبدًا حبشيًّا........ رواه احمد وابوداؤد والترمذی۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۹)

ترجمہ: ’’حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے، پس ہمیں بہت ہی موٴثر وعظ فرمایا، جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دِل کانپ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی رُخصت کرنے والے کی نصیحت ہو، پس ہمیں وصیت فرمائیے! فرمایا کہ: میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور اپنے حکام کی بات سننا اور ماننا، خواہ حاکم حبشی غلام ہو۔‘‘

۷:... حدیث جیسے بدیہی اور اِجماعی مسائل میں نزاع اور جدال پیدا کرنے والے ہدایت چھوڑ کر راہِ ضلالت اختیار کئے ہوئے ہیں:

”عن ابی امامة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما ضل قوم بعد هدًى كانوا عليه الا اوتوا الجدل۔ ثم قرأ رسول الله صلى الله عليه

وسلم هٰذه الآية: ﴿مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾ (الزخرف)۔ رواه احمد والترمذی وابن ماجة۔" (مشکوٰۃ ص:۳۱)

ترجمہ: "حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے: جب بھی کوئی قوم ہدایت کھوکر گمراہ ہوجاتی ہے، اُنہیں جھگڑا دے دیا جاتا ہے (پھر وہ ایسے واضح مسائل میں بھی جھگڑتے ہیں، جن میں نہ کبھی نزاع کی نوبت آئی اور نہ عقلِ سلیم ایسے اُمور میں بحثا بحثی کا تصوّر کرسکتی ہے۔"

۸:... زہرِ ضلالت کے لئے اُسوۂ نبوّت تریاقِ اعظم ہے، جب تک کتابُ اللہ کے ساتھ سنّتِ رسول کو دِینی سند کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا رہے گا، اُمّت گمراہی سے محفوظ رہے گی، لیکن جونہی کتاب وسنّت میں تفریق کی جانے لگے گی اور اُمّت کی آوارہ مزاجی کتابُ اللہ کے ساتھ سنّتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اِتباع کو بارِ دوش تصوّر کرنے لگے گی، اس وقت اُمّت قعرِ ضلالت میں جاگرے گی:

"عن مالک بن انس مرسلًا قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما، كتاب الله وسنة رسوله۔ رواه فى المؤطا۔" (مشکوٰۃ ص:۳۱)

ترجمہ: "اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، جب تک ان دونوں کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو گے، ہرگز گمراہ نہ ہوگے: کتابُ اللہ، سنّتِ رسول اللہ۔"

۹:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد کسی شخص کے لئے بھی یہ گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِتباع سے اِنحراف کرے، حتّٰی کہ اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع کے بغیر چارۂ کار نہ ہوتا:

"عن جابر رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم: .... لو كان موسىٰ حيا ما وسعه الا اتباعى۔ رواه احمد والبيهقى۔" (مشکوٰۃ ص:۳۰)

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: .... اگر موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اِتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

"وفى رواية: والذى نفس محمد بيده! لو بدا لكم موسىٰ فاتبعتموه وتركتمونى لضللتم عن سواء السبيل، ولو كان حيا وادرك نبوتى لاتبعنى۔ رواه الدارمى۔" (مشکوٰۃ ص:۳۲)

ترجمہ: ''اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! اگر وہ (یعنی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) تمہارے سامنے ظاہر ہوجائے، پس تم ان کی اِتباع کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم راہِ راست سے قطعاً بھٹک جاؤ گے، اگر وہ (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) زندہ ہوتے اور میری نبوّت کا زمانہ پالیتے تو بالضرور وہ میری ہی پیروی کرتے۔''

۱۰:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پوری طرح محفوظ کرنے اور امانتِ نبوّت دُوسروں تک پہنچانے والے بارگاہِ نبوّت سے تازہ روئی کی دُعاؤں کے مستحق ہیں:

''عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: نضّر الله عبدًا سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها .... رواه احمد والترمذی، وابوداؤد وابن ماجة۔'' (مشکوٰۃ ص:۳۵)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش و خرّم رکھے جس نے میری حدیث سُنی اور اسے یاد کیا اور محفوظ کیا، پھر جیسی سُنی تھی، ٹھیک ادا کردی.........''

اِمام احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے یہ حدیث حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ یہ تمام احادیث مشکوٰۃ شریف میں ہیں۔

خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت آپ کے سامنے ہے، ان دو شاہدوں کی شہادت کے بعد اہلِ ایمان کے لئے شک اور تردّد کی گنجائش، ظاہر ہے کہ باقی نہیں رہ جاتی۔ البتہ جن سے ایمان کی دولت ہی کو سلب کرلیا گیا ہو، کس کے اِختیار میں ہے کہ ان کو تشکیک کے روگ سے نجات دلا سکے؟ اور کون سا سامانِ ہدایت ہے جو ان کے لئے سودمند ہوسکے؟ ﴿وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ﴾ (یونس) (جن کو اِیمان نہیں لانا ہے، ان کے لئے نہ کوئی آیت سودمند ہوسکتی ہے نہ کوئی ڈرسنانے والا)۔

سلامتِ طبع کے ساتھ قرآن پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ اسی قرآن کا حوالہ دے کر بتلانے والے لوگوں کو یہ بتلاتے ہیں کہ:

''یہ تصوّر قرآن کی بنیادی تعلیم کے منافی ہے کہ اِطاعت، اللہ کے سوا کسی اور کی بھی ہوسکتی ہے، حتیٰ کہ خود رسول (بغیر صلوٰۃ وسلام) کے متعلق واضح اور غیرمبہم الفاظ میں بتلادیا کہ اسے بھی قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنی اِطاعت کرائے۔''

(مفہوم القرآن از پرویز)

مسلمانوں کے ہاتھ میں جو قرآن ہے اس کی بنیادی تعلیم اُوپر معلوم ہوچکی ہے، جس میں بار بار اِطاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر زور دیا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ آخر وہ کون سا قرآن ہے جس کی بنیادی تعلیم، اِطاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منافی ہے؟ اور قرآن کے وہ کون سے واضح اور غیر مبہم الفاظ ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اِطاعت کا حق سلب کیا گیا ہے؟ قرآن کی جو آیات اُوپر نقل کی گئی ہیں، ایک دفعہ انہیں پھر سے پڑھ لیجئے اور ان کے ساتھ مسٹر پرویز کی مندرجہ بالا عبارت کو ملایئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ اس سے بڑھ کر اِفترا علی اللہ کبھی کیا گیا...؟

قرآنِ حکیم بتلاتا ہے کہ نبی کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اِطاعت کی جائے، قرآن کا نام چرانے والے مفتری اعلان کرتے ہیں کہ:

''رسول.... کو بھی قطعاً حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنی اِطاعت کرائے۔''

قرآنِ کریم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت کو عین اِطاعتِ خداوندی قرار دیتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اِعراض کرنے والوں کو منافق قرار دیتا ہے، لیکن قرآن کا نام بدنام کرنے والے منافق، لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ:

''اسے (نبی کو) بھی کوئی حق حاصل نہیں کہ کسی سے اپنی اِطاعت کرائے۔''

بہرکیف! قرآن کی آیات آپ کے سامنے ہیں، ان کو پڑھ کر فیصلہ کیجئے کہ کیا یہی قرآن، رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اِطاعت کا حق چھین رہا ہے، جس کی صدہا آیات میں بار بار حلفی تاکیدات کے ساتھ اِطاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطالبہ کیا گیا ہے...؟

دُنیا کی جس گمراہی پر غور کروگے، اس کا آخری نقطہ اس قدر کج در کج اور پیچ در پیچ ہوگا جس سے عقلِ سلیم نفرت کرے گی، اور جسے ثابت کرنے کے لئے زمین و آسمان کے ہزاروں قلابے ملائے جائیں گے، تاہم عقلِ صحیح اسے ہدایت کی اَدنیٰ ٹھوکر سے ٹھکرادے گی۔

فتنۂ انکارِ حدیث نے کس قسم کے ہذیانات اور خرافات کو جنم دیا؟ اس کی تفصیل تو شاید کسی دُوسری جگہ آئے گی، لیکن ایک خرافاتی معمے کا تذکرہ یہاں بھی کرہی دینا چاہئے۔

ایک طرف آپ ان کج طبع اور خام عقل لوگوں سے سنیں گے کہ وہ صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کا بیان کردہ ''حقِ اِطاعت'' چھین لیتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ اِطاعت کا یہی حق وہ ''مرکزِ ملّت'' کے نام سے حکومتِ وقت کو دے ڈالتے ہیں۔ ایک طرف یہ چاہا جاتا ہے کہ پوری اُمّت کا رِشتۂ اِطاعت اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ دیا جائے، دُوسری طرف ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے کہ ہر سکندر و دارا کو ''اللہ'' اور ''رسول'' مان کر اس کے سامنے سرِ نیاز خم کردو۔ ایک جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام رسانی کے بعد منصبِ رِسالت سے

معزول کر دیا جاتا ہے، دُوسری جانب بتلایا جاتا ہے... اور قلم کو تاب نہیں کہ اسے آسانی سے نقل کرنے پر آمادہ ہو... کہ:

''قرآنِ حکیم میں جہاں اللہ و رسول کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد مرکزِ نظامِ حکومت ہے۔''

(مفہوم القرآن از پرویز)

استغفر اللہ! ایک طرف اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے عداوت و دشمنی کا یہ عالم کہ آنحضرت ﷺ کی ایک بات ماننا بھی گوارا نہیں کیا جاتا، دُوسری طرف طاغوت کے ساتھ دوستی کا یہ حال کہ ہر ڈکٹیٹر کو اُلوہیت اور رِسالت کا منصب تفویض کیا جاتا ہے، اور اِصرار کیا جاتا ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں کہیں ''اللہ و رسول'' کا لفظ دیکھو، اس سے مراد ''صدرِ مملکت'' سمجھو، اور سچے خدا اور سچے رسول ﷺ کو چھوڑ کر ہر چڑھتے سورج کی پوجا کرو۔ اسکندر مرزا ہو یا غلام محمد، ناظم الدین ہو یا ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو ہو یا صدر ضیاء الحق، جونیجو ہو یا بینظیر، جو بھی کرسی نشینِ اقتدار ہو، اسی کو اللہ اور رسول سمجھو! اسی کے سامنے ڈنڈوت بجالاؤ، اور چند ٹکے سیدھے کرنے کے لئے اللہ و رسول سے اِطاعت چھین کر برسرِ اِقتدار قوت کو دے ڈالو، **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ!** ستم یہ کہ اگر ایسا نہ کروگے تو نہ ''اسلام'' طلوع ہوگا، نہ قرآنی رُبوبیت منظرِ عام پر آئے گی، بلکہ اسلام عجمی سازش کا شکار رہے گا:

تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو!

کیا اس سے زیادہ کجی اور زیغ پن کی مثال دُنیا کی تاریخ پیش کرسکتی ہے...؟

اِنکارِ حدیث کوئی علمی تحریک نہیں، یہ جہالت کا پلندہ ہے۔ اس کا اصل منشا صرف یہی ہے کہ اب تک ایک ہی خدا کی عبادت اور ایک رسول ﷺ کی اطاعت کی جاتی تھی، لیکن اس نام نہاد ترقی یافتہ دور کی تعلیم یافتہ آرزوؤں کو ہر روز نیا خدا چاہئے، جس کی وہ پوجا کیا کریں۔ اور ہر بار نیا رسول ہونا چاہئے جو ان کے لئے نظامِ رُبوبیت کی قانون سازی کیا کرے! خدا کا غضب ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اللہ و رسول سے مراد ''مرکزِ ملّت'' ہے، لیکن ان میں کسی کو بھی اس کے سننے سے قے نہیں آتی...!

کیا کوئی ذی شعور تسلیم کرے گا کہ ''اللہ'' ذاتِ پاک کا نام نہیں بلکہ اس سے مراد ''مرکزِ ملّت'' ہے، اور ''الرسول'' کا لفظ جو قرآن میں بار بار آتا ہے اس سے مراد ''محمد رسول اللہ ﷺ'' نہیں بلکہ اس سے مراد حکمرانوں کی وہ ٹولی ہے جو اپنے پاس سے قانون گھڑ گھڑ کر قرآن کے نام چسپاں کیا کرے؟ **فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ!**

اب تک دُنیا کے عقلاء یہی بتلاتے رہے کہ اعلام شخصیہ میں شرکت جائز نہیں، یعنی ''زید'' جس خاص شخص کا نام رکھا گیا ہے، لفظ ''زید'' جس وقت کان میں پڑے گا تو ذہن صرف اسی شخص کی طرف منتقل ہوگا جس کا

یہ نام رکھا گیا، لیکن دُوسروں کو ''مُلاّ ئیت اور دقیانوسیت'' کا طعنہ دینے والے پیرانِ نابالغ آج بتلاتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' یا ''الرسول'' (معرّف باللام) جس ذاتِ خاص کا نام ہے، اس سے وہ ذاتِ خاص مراد نہیں، بلکہ قرآن میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اس سے مراد ''صدرِ مملکت'' ہے، جسے ہر پانچ سال بعد تبدیل کیا جا سکتا ہے، کیا اس منطق کو سمجھنے کے لئے کچھ زیادہ عقل وفہم کی ضرورت ہے...؟

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است!

ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، بچوں کے مفہوم میں یہ تمام کج روی اختیار نہیں کی جاتی، لیکن اللہ ورسول کے مفہوم میں عقل وفہم کے علی الرغم یہ کجی ''مرکزِ ملّت'' کی تائید کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اور ماننے والے پوری ''دانائی'' کے ساتھ اسی کو مانتے چلے جارہے ہیں، جن مسکینوں کا اللہ ورسول ہی ''صنمِ اقتدار'' ہو، جس کو ''مرکزِ ملّت'' کہتے ہیں، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے دین وایمان، علم وعقل اور فہم ودانش کا حدودِ اَربعہ کیا ہے؟ نیز بے چارے ''قرآن'' کے ساتھ ان کو کیا علاقہ ہے؟ جس کی آیتیں پڑھ پڑھ کر چودہ صد سالہ اُمّت کو عجمی سازش کا شکار قرار دیا جاتا ہے۔

''فکر ونظر'' کی کجی سے خدا کی پناہ! اتنی صاف، سادہ اور ستھری حقیقت کو ان فتنہ گروں کا ذہن قبول نہیں کرتا کہ چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن کے نازل کرنے والے کی جانب سے اس کی توضیح وتشریح کا حق بھی عطا کیا گیا ہے: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل:۴۴) اور جو لوگ محمد ﷺ کے اُمتی کہلاتے ہیں ان کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ قرآنِ کریم کو اپنے نبی (ﷺ) کی شرح وبیان کے ساتھ سمجھیں، پڑھیں اور عمل کریں۔ اس لئے قرآن کے ماننے والوں کو لازم ہے کہ قرآن کی وہ علمی اور عملی تشریحات جو قرآن لانے والے کی جانب سے پیش کی گئی ہیں ان کو بھی قبول کریں، اور قرآن کی کوئی ایسی تشریح اِیجاد نہ کریں جو صاحبِ قرآن کی پیش کردہ تعلیمات سے ٹکرا جائے۔ یہ بات کتنی صاف اور سیدھی ہے لیکن ان کے لئے ناقابلِ قبول ہے۔ اور اس کے برعکس بالکل ٹیڑھی، ترش اور کج در کج بات کہ:

''قرآن میں جہاں کہیں اللہ ورسول کا نام آیا ہے اس سے مراد ''مرکزِ نظامِ حکومت'' ہے۔''

اسی کو ان کے کج دماغ اور مبتلائے فتنہ ذہن قبول کئے جارہے ہیں، نعوذ باللہ من فتنة الصدور!

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ (الشعراء) (ان ظالموں کو بہت جلد معلوم ہوجائے گا کہ وہ لوٹنے کے لئے کس جگہ لوٹ کر جاتے ہیں)۔

۳: عہدِ صحابہ میں حدیث کا مقام

قرآن وحدیث کے بعد ہمارے سامنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعامل ہے۔ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کے حالات پر صحیح غور و فکر کا جن لوگوں کو موقع ملا ہے، ان کو معلوم ہے کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کا ایک ایک باب اِخلاص و اِنقیاد اور اِتباع و اِمتثال کا حسین مرقع ہے، ان کی ہر اَدا سے اِتباعِ نبوی کی شان ٹپکتی ہے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے مشرّف ہی اس لئے کیا گیا تھا تاکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات، عبادات و معاملات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کو اپنی ذات میں جذب کرکے حسبِ اِستعداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگین ہوجائیں اور بعد میں آنے والی اُمّت کو اس رنگ میں رنگین کرتے چلے جائیں۔

معلّمِ اِنسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان بلاواسطہ شاگردوں کے متعلّق یہ تصوّر کرنا کتنا گندا اور مکروہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اَحادیث کو کوئی مرتبہ نہ دیتے تھے، العیاذ باللہ! کج ذہنی اور خام عقلی کی حد ہے کہ تلاش کرنے والے اسی ذخیرۂ حدیث سے جو سب کا سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، آج ایسی روایات تلاش کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں، جن سے ثابت کیا جائے کہ معاذ اللہ! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیثِ نبوی کے دُشمن، تعلیمِ نبوّت کے مخالف اور سنّتِ رسول کے مٹانے والے تھے، تعجب عقل و فہم کے ان مریضوں پر نہیں، بلکہ حیف ان نادانوں پر ہے جو ان دیوانوں کی ہذیانات پر ''وحیٔ اِلٰہی'' کی طرح ایمان لاتے چلے جاتے ہیں:

دیوانہ گفت آبلہ باور کرد!

کیا کسی کی عقل باور کرسکتی ہے کہ جس اُمّی قوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ''الرسول'' کی حیثیت سے کھڑا کیا گیا تھا، اسی قوم میں سے جن حضرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی توفیق دی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے جن کو چن لیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور نصرت کے لئے جن کو اُٹھایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مر مٹنے ہی کے لئے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا کیا گیا، کیا وہ دُنیا میں لائے ہی اس لئے گئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنّت کو مٹا ڈالیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک ایک ورق دھوڈالیں؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل، علم و عمل، سیرت و کردار، اخلاق و عادات اور قضایا و اَحکام میں سے ایک ایک کو بدل ڈالیں؟ کتابیں پڑھنے اور پڑھ پڑھ کر خدا کی مخلوق کو گمراہ کردیں؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں اِنکارِ حدیث کی روایات تلاش کرنے سے پہلے کیا اتنی عقل سے کام لینا ضروری نہیں تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ''صحابہ'' بنایا کس مقصد کے لئے گیا تھا اور بعد میں آنے والے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو پیدا نہیں کیا گیا، اس میں کیا حکمت ہے؟

جن نفوسِ قدسیہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے منتخب کیا گیا، مسلسل تیئس سال تک امتحان اور آزمائش کی بھٹی میں جن کو نکھارا گیا، جن کو تعلیم و تربیت، تزکیہ و تطہیر، اِصلاح و تکمیل کے لئے عالمِ انسانیت کے سب سے بڑے معلّم، سب سے بڑے مصلح صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا، خداوندِ قدوس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی

ہوئی آخری شریعت کا سب سے پہلا امین اور محافظ جن کو بنایا گیا، اور طویل مدّت تک اُسوۂ حسنہ کا رنگ جن کی زندگی کے ہر خاکے میں بھرا گیا، مسجدِ نبوی کے علاوہ بدر کے میدانوں، اُحد کی پہاڑیوں، حدیبیہ کی وادیوں، حنین کی گھاٹیوں اور تبوک کے کھنڈرات کو جن کے لئے تعلیم گاہ قرار دیا گیا، کیا انہی کے متعلّق عقلِ تسلیم کرسکتی ہے کہ نبی ﷺ کے رُخصت ہو جانے کے بعد قرآن کے سوا وہ اپنے نبی ﷺ کی ہر تعلیم سے بیگانہ، آپ ﷺ کی ہر سنّت سے نا آشنا ہو گئے ہوں گے؟ اور ان کے نزدیک آپ ﷺ کی احادیث کا مرتبہ محض بے سروپا داستان سرائی ہوگا؟... استغفر اللہ!... پیش کرنے والے... حکام وقت کی رضا جوئی کے لئے... اسی نظریے کو جو پیش کر رہے ہیں، بتلایا جائے کہ فسادِ ذہن اور خللِ دماغ کے سوا، عقل اس کی کیا توجیہ کرسکتی ہے؟ نعوذ باللہ من فتنۃ الأفکار!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے ایک ہی ذاتِ اقدس ﷺ کی رفاقت کے لئے بیوی بچّوں سے جدا ہو جانا گوارا کیا، خویش و اقربا کو چھوڑا، قبیلہ اور قوم سے منہ موڑا، ملک بدر ہوئے، جاہ وجلال اور مال وزر کو بھی خیر باد کہا، الغرض جو پوری کائنات سے کٹ کر ایک ہی ذات کے قدموں میں آپڑے تھے، جو جلوہ ہائے رنگارنگ سے ہٹ کر ایک ہی جلوہ جہاں آرا پر نظریں جما چکے تھے، جو ایک ہی مطاع کے سامنے مٹ کر اپنی زندگی کو ایک ہی زندگی میں فنا کر دینے کا عزم کر چکے تھے، جو ایک ہی مقتدا کی اِتباع میں اپنی تمام خواہشات سے دست کش ہو جانے کا فیصلہ کر چکے تھے، جن کی وارفتگی کو دیکھ کر حقیقت ناشناس ان کے بے عقل و ناداں اور رفتارِ زمانہ سے ناواقف ہونے کا طعنہ دیا کرتے، جیسا کہ قرآن میں ہے کہ کافر اور منافق لوگ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کو دیکھ کر کہتے تھے: ﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ﴾ (الانفال:۴۹) (ان لوگوں کو ان کے دِین نے دھوکے میں ڈال دیا)۔ ﴿اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۳) (کیا ہم نبی اور نبی کی ہر بات کو ایسا مان لیں جیسا یہ کم عقل مان بیٹھے ہیں)۔ جن صحابہ رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری کا تماشا وقت کے سب سے بڑے دُشمن سے بھی خراجِ عقیدت وصول کرلیا کرتا تھا۔

زید بن وثنہ کو جب برسرِ دار کھینچنے کے لئے میدان میں لایا گیا تو ابوسفیان نے... جو بعد میں ''رضی اللہ عنہ'' کا مصداق بنے... کہا: صرف اتنا لفظ زبان سے کہہ دو کہ: ''کاش! میری جگہ محمد رسول اللہ ہوتے'' تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن کسی کی محبّت میں تختۂ دار جس کے لئے تیار کیا گیا تھا، جانتے ہو اس کی زبان سے کیا لفظ نکلا؟:

''واللہ! ما احب ان محمدا الآن فی مکانہ الذی ھو فیہ تصیبہ شوکۃ وانا جالس فی اھلی۔'' (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: قاضی عیاض)

ترجمہ: ''بخدا! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ آنحضرت ﷺ جس جگہ اب تشریف فرما ہیں،

اس جگہ آپ ﷺ کو کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں۔‘‘

اس جاں گداز فقرے کو سن کر پتھر دِل مجمع تڑپ گیا، ابوسفیان کو اِقرار کرنا پڑا، اور اِقرار صرف اس کے متعلّق نہیں جس سے یہ فقرہ سنا گیا، بلکہ پوری ایمانی برادری کے متعلق ابوسفیان کا اقرار ہے:

’’مَا رَأَيْتُ مِنَ النَّاسِ يُحِبُّ أَحَدًا كَحُبِّ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)۔‘‘

ترجمہ: ’’محمد (ﷺ) کے صحابہ، محمد (ﷺ) کے ساتھ جس قدر محبّت کرتے ہیں، میں نے ایسی محبّت کسی کو کسی کے ساتھ کرتے نہیں دیکھا۔‘‘

جو حضرات اپنے باپ کا سر کاٹ لانے کے لئے محض آپ ﷺ کے اِشارۂ چشم کے منتظر رہا کرتے تھے، جو عمر بھر گریبان کھلا رکھنے کے اس وجہ سے عادی ہوگئے تھے کہ کسی کو انہوں نے ایک دفعہ کھلے گریبان دیکھ لیا تھا، جو سَر کے بال اس لئے نہیں کٹواتے تھے کہ کسی کا ہاتھ ان کے بالوں پر پھر گیا تھا، جو خاص قسم کی سبزی کے اس لئے گرویدہ ہوگئے تھے کہ اس کی رغبت ان کو کسی میں محسوس ہوگئی تھی۔

سوچنا چاہئے کہ ان کا حال اس محبوب ﷺ کے ساتھ کیا ہوگا؟ اور اس محبوب ﷺ کے ارشادات کی ان کے نزدیک کیا قدر و قیمت ہوگی؟ سچ تو یہ ہے اور اس کا صحیح اندازہ بھی بے چارے بعد میں آنے والوں کو کب ہوسکتا ہے؟ اور ان جذبات و اِحساسات کی پوری تصویر کشی بھی کب ممکن ہے؟ بالخصوص جب اس پر بھی نظر کرلی جائے کہ جس جلوۂ جہاں آرا کی زیارت سے دِیدہ و دِل کی روشنی کا سامان ان کو میسر ہوا کرتا تھا، اب وہی ان کی نظروں سے پردے میں جاچکا تھا، جس شمع عالم افروز پر پروانہ وار جاں نثاری کا منظر وہ رات دن پیش کیا کرتے تھے، وہی شمع عالم تاب اب محفل سے اُٹھائی جاچکی تھی، ان کے ہر درد کا درماں جس چہرۂ انور کی زیارت تھی، وہی ان کے سامنے سے اوجھل ہوگیا تھا، ان حالات میں ان کے زخمِ دِل کا مرہم اور داغِ جگر کا مداوا بجز تکرارِ حدیثِ یار، ہو بھی کیا سکتا تھا؟

ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
اِلّا حدیثِ یار کہ تکرار مے کنیم

راقم الحروف کو چند گھنٹوں کے لئے ایک معمر خاتون کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا، ان کے والدِ ماجد ایک پختہ عالم اور درویش طبع انسان تھے، والدِ ماجد کی تعلیم سے زیادہ تربیت کا ان پر گہرا اثر تھا، اسی خاتون کو میں نے دیکھا کہ بار بار ان کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتا: ’’ابّا جی اسی طرح کیا کرتے تھے، ابّا جی یہ مسئلہ اس طرح بیان کیا کرتے تھے۔‘‘

میں تنہائیوں میں بار بار سوچتا ہوں کہ یا اللہ! جو خوش قسمت، آنحضرت ﷺ کے بلاواسطہ تربیت

یافتہ تھے، بلکہ مجھے اجازت دی جائے تو میں کہوں گا کہ جن حضرات کی تعلیم و تربیت کا سامان خود ربّ العزّت جل مجدہٗ کی جانب سے کیا جارہا تھا، اور قدم قدم پر جن کی تربیت کے لئے آنحضرت ﷺ کو بار بار ہدایات فرمائی جارہی تھیں، جیسا کہ قرآنِ حکیم کی آیات شاہد ہیں، ملائکۃ اللہ کو جن کی تثبیت (ثابت قدم رکھنے) کے لئے بھیجا گیا تھا، الغرض وحی اور صاحبِ وحی جن کی تربیت کے نگران تھے، ان کی تربیت کا رنگ کتنا گہرا، کتنا پختہ، کتنا پائیدار اور کتنا اَنمٹ ہوگا...؟ ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ (البقرۃ:۱۳۸)۔

سوچا نہیں جاتا جس آفتابِ نبوّت... ﷺ... کی کرنیں، آج چودہ صدیوں کے فاصلے پر بھی کروڑوں قلوب کو روشن اور تابناک کررہی ہیں، وہی آفتاب خوش قسمتی سے جن کے گھر طلوع رہا، ان کے آئینۂ قلب کی روشنی کا کیا عالم ہوگا...؟ لمبی لمبی راتوں میں تڑپنے والے قلب کی حرارت جب ہزار سال بعد بھی بے شمار دِلوں کو گرما اور تڑپا رہی ہے، جن کے سامنے وہ تڑپا یا جاتا تھا اور اس کے سینے سے ہنڈیا پکنے کی آواز، جن کو ان ناسوتی کانوں سے سنائی دِیا کرتی تھی، ان کی گرمیٔ باطن اور سوزِ دروں کا کیا حال ہوگا؟ ان باتوں کو کہاں تک بیان کیا جائے:

حسن ایں قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد

بہرکیف! عقلیں اگر ماؤف نہیں ہوگئیں، دِماغوں سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں اگر بالکلیہ رُخصت نہیں ہوگئیں تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان حالات میں جن کا ایک نمونہ نقل کرچکا ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کیا یہ تصوّر کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے محبوب رسول اکرم ﷺ کی تمام ادائیں یکسر بھول گئے ہوں گے؟ یا وہ ان کو قصہ کہانی سے زیادہ کوئی وقعت نہ دیتے ہوں گے؟: ﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿٨٩﴾﴾ (مریم)۔

لوگوں کو آج تعجب ہوتا ہے کہ وہ ایک ایک جملۂ حدیث کی تصدیق و تائید کے لئے ایک ایک ماہ کی طویل مسافت کیسے طے کیا کرتے تھے؟ وہ طلبِ حدیث کے نشے میں گرما و سرما کی شدّتوں سے بے پروا کیسے ہوگئے تھے؟ صاحبِ حدیث ﷺ کا نام زبان پر جب آجاتا، ان کا رنگ کیونکر بدل جاتا تھا؟ ان کے بدن پر لرزہ کیونکر طاری ہوجاتا تھا؟ ان پر گریہ و زاری اور رقت و بے قراری کی کیفیت کس لئے طاری ہوجاتی تھی...؟

ہائے! تعجب سے سر پیٹنے والے ان نادانوں کو کس طرح سمجھایا جائے کہ عشقِ نبوی کی جو آگ ان کے دِلوں میں لگادی گئی تھی، اس کا نتیجہ اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا تھا...؟

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور حدیثِ رسول:

یہاں تک جو بیان کیا جاچکا ہے اس سے ہر ذِی شعور، عقلِ سلیم کی روشنی میں فیصلہ کرسکتا ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق حدیث اور صاحب حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسا تھا؟ اب اس طرف توجہ منعطف اور مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حدیثِ رسول ... صلی اللہ علیہ وسلم ... کا کیا مقام تھا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ،قرآن حکیم کے بعد حدیثِ نبوی کو دِینی حجّت قرار دیتے تھے۔یعنی جس طرح قرآنِ کریم کا ہر فیصلہ ناطق، ہر حکم واجب العمل اور ہر فرمان واجب الاطاعت ہے...بشرطیکہ منسوخ نہ ہو...، کتابُ اللہ کے بعد ٹھیک یہی حیثیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حدیثِ رسول کی تھی۔ان کا ایمان اور عقیدہ یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فیصلہ، ہر حکم، ہر اِرشاد اور ہر فرمان ''وحی ٔخداوندی'' ہے۔ان کے نزدیک قرآنی بینات سے اِعراض کرنے والوں کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، حدیث اور سیرت کی کتابوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ انہوں نے کسی حدیث کو صرف اس وجہ سے ردّ کردیا ہو کہ ...معاذ اللہ!... چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادات کا ان کے لائے ہوئے دِین میں کوئی مقام نہیں، اس لئے نہ ہمارا حدیث پر اِیمان ہے، نہ وہ ہمارے لئے دِینی سند ہے۔اس قسم کے نظریات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کرنے والے افترا پرداز جس ملحدانہ نجاست سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دامن کو آلودہ دیکھنا چاہتے ہیں، ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اپنی تدبیروں کے باوجود ناکام رہیں گے،﴿وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾(ابراہیم)۔

واقعہ ٔجیشِ اُسامہ (رضی اللہ عنہ):

نظرِ صحیح سے اگر کام لیا جاتا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیش آنے والا صرف ایک واقعہ ہی حدیث سے متعلقہ تمام شکوک وشبہات کو دفع کرنے کے لئے کافی ثابت ہوتا۔میرے نزدیک خلافت کی ذمہ داری قبول کرلینے کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلا کارنامہ مرتبۂ حدیث کی تعیین اور مقامِ سنّت کی تشخیص تھا، میرا اِشارہ جیشِ اُسامہ کے واقعے کی طرف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری ایام میں سرحدِ شام کی طرف بھیجنے کے لئے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اِمارت میں لشکر تیار فرمایا، مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلے پر مقامِ جرف میں یہ لشکر ابھی جمع ہورہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا سانحۂ کبریٰ پیش آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پُرملال کی خبرسن کر یہ سارا لشکر مدینہ طیبہ واپس آگیا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ تیاری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

''انفذ فی وجھک الذی وجھک فیہ رسول اللہ۔''

ترجمہ: ”جس مہم کے لئے آنحضرت ﷺ نے آپ کو روانگی کا حکم دیا تھا، اس کے لئے روانہ ہو جاؤ۔“

چنانچہ لشکر دوبارہ اسی جگہ جمع ہونا شروع ہوا، آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حالات کس قدر نازک ہو چکے تھے؟ اس کا کچھ اندازہ آج بھی تاریخی وثائق سے کیا جا سکتا ہے۔ حالات کی اسی نزاکت کے پیشِ نظر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو لشکرِ اُسامہ کا بھیجا جانا شاق گزرا۔ حضرت عمر، عثمان، ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم جیسے اہلِ حل وعقد صحابہ کا وفد بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

”اے خلیفہ رسول اللہ! عرب آپ پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑے ہیں، اس مٹھی بھر لشکر کو منتشر کر دینا خلافِ مصلحت ہے، براہِ کرم اس لشکر کو مرتدین کے مقابلے میں بھیجئے اور لشکر کا کچھ حصہ مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لئے یہاں رکھئے، دُشمن کی طرف سے براہِ راست مدینہ طیبہ پر اگر حملہ کر دیا جائے، جس کا ہر وقت اندیشہ ہے تو آپ عورتوں اور بچّوں کی حفاظت کا کیا اِنتظام کریں گے؟ رُوم سے سرِدست ایسا کوئی خطرہ نہیں کہ ان کی طرف پیش قدمی ضروری ہو، اس لئے بمقابلہ رُوم لشکر کشی میں اگر توقف کر لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ پہلے مرتدین سے نمٹ لیا جائے پھر آپ بصد خوشی اُسامہ کو بھیج سکتے ہیں۔“

نہیں کہا جا سکتا کہ اراکینِ وفد نے حالات کی اُلجھن کو کس بے چینی کے ساتھ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا ہوگا؟ کس قدر مبسوط تقریریں ان کی جانب سے اس موضوع پر کی گئی ہوں گی؟ اور کس قسم کے دلائل سے اپنا موقف سمجھانے کے لئے انہوں نے اِستدلال کیا ہوگا؟ البتہ روایت کے الفاظ سے اتنا پتا چلتا ہے کہ ارکانِ وفد کے پاس ترکشِ سخن کا کوئی تیر باقی نہیں رہ گیا تھا، جس کو انہوں نے اِستعمال نہ کر لیا، ان کی پوری تقریر سن کر خلیفۂ اِسلام نے اِستفسار فرمایا:

”هل منكم أحد يريد أن يقول شيئًا؟“

ترجمہ: ”آپ حضرات میں سے کوئی صاحب کچھ اور تو نہیں کہنا چاہتے؟“

وفد کے تمام ارکان نے بیک زبان کہا: ”نہیں! ہمیں جو کچھ کہنا تھا وہ آپ سن چکے ہیں۔“

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب سننے سے پہلے اس پر غور کر لیجئے کہ اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بھیجنے یا نہ بھیجنے کا مسئلہ بظاہر ایک وقتی اور ہنگامی قسم کا مسئلہ تھا، پھر جن حالات میں یہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم لشکرِ اُسامہ کو روک لینے کا مشورہ دے رہے تھے ان حالات میں ان کا مشورہ اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا تھا؟ لیکن رسول اللہ ﷺ کا پہلا جانشین جس کو بنایا گیا تھا، اس کے نزدیک یہاں بحث کسی خاص لشکر کی نہیں، بلکہ فیصلۂ نبوّت کی تھی! عوام نہیں، بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا اکابر صحابہ اور مہاجرینِ اوّلین (رضی اللہ عنہم) کے نزدیک بھی صرف ایک لشکر کے نہ بھیجنے کا

سوال تھا، اور جن حالات میں یہ مشورہ ان کی طرف سے پیش کیا جارہا تھا، بعد کے نتائج کو اگر سامنے نہ رکھا جائے تو ہر دیکھنے اور سننے والا ان کے اس مشورے کو مبنی برصواب قرار دینے پر مجبور ہوگا، لیکن نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد یتیم اُمّت کا سربراہ اور متولّی جس کو بنایا گیا تھا، اس کے نزدیک یہاں کسی لشکر کے بھیجنے یا نہ بھیجنے کا سوال ہی نہیں تھا، اس کے نزدیک اصل سوال صرف یہ تھا کہ لشکرِ اُسامہ کو رُوم بھیجنے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ فرماچکے ہیں اور حالات کچھ ہوجائیں، آسمان ٹوٹ پڑے، زمین شق ہوجائے، پہاڑ ہل جائیں اور دُنیا تہ و بالا ہوجائے، لیکن پوری اُمّت کے مقتدا اور پوری اُمّت کے اِمام کے لئے کیا یہ گنجائش ہوسکتی ہے کہ فیصلۂ نبوّت کو بدل دے...؟ نہیں! ہرگز نہیں! یہی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جو نازک ترین حالات کا حوالہ دے کر لشکرِ اُسامہ کے روک لینے کا مشورہ دے رہے تھے، وہ وہی سن رہے تھے... خدا اُن پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے کہ اُن کے طفیل آج ہم اور آپ بھی سن رہے ہیں... کہ خلیفۂ اِسلام ان کے جواب میں فرمارہے ہیں:

”وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ! لَوْ ظَنَنْتُ اَنَّ السِّبَاعَ تَأْکُلُنِیْ بِالْمَدِیْنَۃِ لَأَنْفَذْتُ ھٰذَا الْبَعْثَ، وَلَا بُدَّ اَنْ یَؤُبَ مِنْہُ، کَیْفَ وَرَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْزِلُ عَلَیْہِ الْوَحْیُ مِنَ السَّمَاءِ یَقُوْلُ: اَنْفِذُوْا جَیْشَ اُسَامَۃَ۔“ (حیاۃ الصحابہ ج:۱ ص:۴۱۰)

ترجمہ: ”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر مجھے اندیشہ بھی ہو کہ اس لشکر کو بھیج دینے کی صورت میں مجھے درندے کھاجائیں گے، تب بھی میں اس لشکر کو بھیج کر رہوں گا اور اسے وہاں سے ہوکر ہی آنا ہوگا، میں اس لشکر کو بھیجنے سے کیسے رُک جاؤں؟ جبکہ رسول اللہ ﷺ پر آسمان سے وحی نازل ہورہی تھی اور آپ فرماتے تھے: اُسامہ کے لشکر کو بھیجو!“

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ:

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اس پُرحکمت اِرشاد میں اسلام کے کتنے بڑے اُصول کو بیان کردیا گیا، تفصیل تو اس کی شاید کسی دُوسرے موقع پر کرسکوں گا، لیکن اِجمالاً اتنا تو یہاں بھی سمجھ ہی لینا چاہئے کہ نبی کی پوری اُمّت اور علمائے اُمّت کا عقیدہ ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ”وحیٔ جلی“ جسے ”قرآن“ کہا جاتا ہے۔ دوم: ”وحیٔ خفی“ جسے ”حدیثِ رسول اللہ“ (ﷺ) کہا جاتا ہے، یعنی آنحضرت ﷺ کا ہر قول و فعل بھی وحیٔ اِلٰہی میں مندرج ہے۔ آپ ﷺ جو کچھ کہتے تھے اپنی خواہش اور رائے سے نہیں کہتے تھے، بلکہ وحیٔ اِلٰہی اور مرضیٔ خداوندی کی روشنی میں کہتے تھے۔ اسی طرح جو فعل بھی آپ ﷺ سے صادر ہوتا تھا، وہ بھی ہوائے نفس اور تقاضائے ہوس سے نہیں بلکہ وحیٔ خداوندی کے تحت ہوتا تھا، یہ ناممکن تھا کہ ...معاذ اللہ!...

آپ ﷺ کا کوئی فعل یا اِرشاد رضائے خداوندی کے خلاف ہو اور وحیٔ اِلٰہی خاموش رہے، اس لئے آپ ﷺ کے جملہ اقوال وافعال جسے ''حدیث'' کہا جاتا ہے، کی حیثیت بھی وحیٔ اِلٰہی کی ہے۔ بہرحال علمائے اسلام کا یہ عقیدہ کہ: ''حدیثِ نبوی، وحیٔ اِلٰہی وحیٔ خفی ہے۔'' کیا یہ عقیدہ کسی عجمی سازش کی پیداوار ہے؟ **معاذ اللہ!**

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے الفاظ: **''کیف و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل علیہ الوحی من السماء یقول: انفذوا جیش اسامۃ۔''**... ''میں اس لشکر کو کیسے روک لوں؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ پر آسمان سے وحی نازل ہورہی تھی اور آپ فرمارہے تھے کہ: اُسامہ کا لشکر بھیجو!''... میں کیا اس عقیدے کا اِظہار نہیں کیا جارہا، **''انفذوا جیش اسامۃ''** کا جملہ جو لسانِ نبوّت سے صادر ہوا، ظاہر ہے کہ قرآن کی کسی آیت کا جزو نہیں، لیکن اُمّت کے سب سے پہلے خلیفہ سے آپ سن رہے ہیں کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں وہ اس کے **''وحی من السماء''**... آسمانی وحی... ہونے کا اعلان پوری قوت کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ خلیفۂ اسلام کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا ہر حکم اور ہر فیصلہ **''وحی من السماء''** میں داخل ہے، اور جس طرح قرآنِ حکیم وحیٔ اِلٰہی ہونے کے سبب ملّتِ اسلامیہ کے لئے دِینی حجّت ہے، اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ہر فیصلہ دِینی سند ہے، جس طرح قرآنِ حکیم کا متبع وحیٔ اِلٰہی کا متبع ہے، اسی طرح حدیثِ نبوی کا منکر **''وحی من السماء''**... آسمانی وحی... کا منکر ہے۔ خلیفۂ اوّل کے بیان کئے ہوئے اس عقیدے کو ''عجمی سازش'' قرار دے کر پوری اُمّت کو گمراہ قرار دینے والوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ خود ہی کسی ''شیطانی سازش'' کا شکار تو نہیں...؟

صدّیقی عقیدہ: اَحکامِ نبویہ ناقابلِ تغیّر ہیں:

بہرحال حضرت صدّیق رضی اللہ عنہ کے اس صدّیقانہ جملے سے ایک اُصول تو یہی ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث **''وحی من السماء''** ہیں، اس لئے اُمّت کے لئے ان کا درجہ وہی ہوگا جو ''وحیٔ اِلٰہی'' کا ہونا چاہئے۔ دُوسرا قاعدہ جو اسی پہلے عقیدے پر مرتّب ہوتا ہے، اس صدّیقی ارشاد سے یہ ثابت ہوا کہ دِین کی جن جزئیات کو **''وحی من السماء''**... آسمانی وحی... نے متعین کردیا ہے، ان جزئیات میں تغیّر وتبدّل اگر ہوسکتا ہے تو وحی کے ذریعے ہوسکتا ہے، ورنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اگر کوئی نام نہاد ''مرکزِ ملّت'' بصیرتِ قرآنی کے دعوے کے ساتھ، ان جزئیات میں تغیّر وتبدّل کی جرأت کرے تو اسے ''وحیٔ اِلٰہی'' میں تحریف کا مجرم قرار دے کر بیک بینی و بدوگوش ملّتِ اسلامیہ سے خارج قرار دیا جائے گا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر خلیفۂ راشد کون ہوگا؟ اور جن اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع آپ رضی اللہ عنہ کے گرد جمع تھا، ان سے بڑھ کر قرآنی بصیرت کسے حاصل ہوسکتی ہے؟ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ لشکرِ اُسامہ کو روک لینے پر محض اس لئے راضی نہیں

کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم: "انفذوا جیش اسامة" کی تحریف اس سے لازم آتی ہے۔

پس جبکہ ایک فوجی نوعیت کے جزوی حکم کو نہیں بدلا جاسکتا تو کون عقل مند کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جو اَحکام عبادات، معاملات، خصومات اور اخلاق سے متعلّق ہیں، ان کے کسی ایک شوشے کو دُنیا کی کوئی طاقت بدل سکتی ہے۔

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے موافق جب آنحضرت ﷺ کے جملہ اقوال وارشادات "وحی من السماء" ہیں تو اس وحیٔ آسمانی کی متعین کردہ جزئیات میں تبدیلی کی جرأت کسی شیطان کو ہو تو ہو، کسی مسلمان کو کب ہوسکتی ہے؟ اس جملے سے ایک اور مطلب کی بات نکل آئی، وہ یہ کہ جب حدیثِ رسول اللہ "وحیٔ آسمانی" ہے اور اس کے متعین کردہ جزئیات اسی طرح ناقابلِ تبدیلی ہیں جس طرح قرآنی جزئیات تو اس سے ثابت ہوا کہ حالات کی تبدیلی کا سہارا لے کر اگر کوئی شخص احادیثِ رسول اللہ ﷺ سے پہلوتہی کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ کس قدر اِیمان و یقین میں ڈُوبا ہوا ہے کہ: "اگر مجھے درندے بھی مدینہ میں کھاجائیں تب بھی میں اس لشکر کو بھیج کر رہوں گا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحیٔ آسمانی سے یہ حکم فرمایا ہے کہ اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بھیجو!" اور یہ قصہ کیا یہیں ختم ہوگیا؟ جیسا کہ میں نے کہا کہ ایک طرف اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم حالات کی نزاکت سے بے چین تھے، ان کے لئے یہ تصوّر بھی ناقابلِ برداشت تھا کہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہلِ اسلام کی عظیم جمعیت اگر مدینہ سے باہر دُور دراز سفر کے لئے نکل گئی تو مدینۃ الرسول کی حفاظت کس طرح ہوگی؟ مدینہ طیبہ میں رہ جانے والے بے چاروں پر دُشمن اگر حملہ کردے تو ان کی مدافعت کا کیا سامان ہوگا؟ اور مسلمانوں کے بیوی بچّوں کے علاوہ خود اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی حرمت کو خدانخواستہ خطرہ اگر لاحق ہو تو اس کے لئے کیا صورت کی جائے گی؟ حالات کی یہی پیچیدگی عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ خود اَمیرِ جیش حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو بھی بے چین کئے جارہی تھی، چنانچہ اَمیرِ لشکر نے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ خلیفۂ رسول کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی طرف سے واپسی کی اجازت طلب کریں، پیغام میں اسی بے چینی کا اظہار تھا:

"فان معی وجوھھم واعیانھم ولا آمن علی خلیفة رسول الله وثقل رسول الله واثقال المسلمین ان یتخطفھم المشرکون۔" (حیاۃ الصحابۃ ج:۱ ص:۴۱۱)

ترجمہ: "مدینہ کی تمام قوت میرے ساتھ ہے، اس صورت میں خلیفہ رسول اللہ اور ازواجِ مطہرات اور مسلمانوں کے بیوی بچّوں کے معاملے میں مجھے بے اطمینانی ہے کہ دُشمن ان کو اُچک نہ لیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اَمیرِ لشکر کا یہ پیغام لے کر چلے تو آتے ہوئے انصار نے ان سے کہا کہ: اگر خلیفۂ رسول اس لشکر کے بھیجے بغیر راضی نہ ہوں تو ان کی خدمت میں ہماری یہ درخواست پیش کردیں کہ:

"ان یولی امرنا رجلاً اقدم سنا من اسامۃ۔" (حیاۃ الصحابۃ ج:۱ص:۴۱۱)

ترجمہ: "اُسامہ کے بجائے کسی بڑی عمر کے آدمی کو ہم پر اَمیر مقرر کردیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اَمیرِ لشکر کا پیغام لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے، عام اندازہ یہی تھا کہ خلیفۂ رسول اللہ، سپہ سالار کے پیغام کو سن کر شاید نرم ہوجائیں گے۔ عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ سالارِ جیش کے نزدیک بھی یہ لشکرکشی تقاضائے وقت سے چونکہ ہم آہنگ نہیں تھی، اس لئے قوی اُمید کی جاسکتی تھی کہ خلیفۂ اعظم اپنے حکم پر نظرِ ثانی فرمائیں گے اور لشکر کو واپسی کا حکم ہوجائے گا۔ اس موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر ایک طرف تقاضائے حالات پر تھی تو دُوسری طرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اِصرارِ لشکرکشی ان کے لئے اچھا خاصا معما تھا، لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بصیرتِ ایمانی کا فیصلہ یہ تھا کہ اسلام یا مسلمانوں کی حفاظت کا راز کسی لشکر کے بھیج دینے یا روک لینے میں نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فیصلے کی حفاظت میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی حفاظت اگر کرلی گئی تو اسلام زندہ رہے گا اور مسلمان بھی محفوظ رہیں گے۔ خدانخواستہ جس دن فیصلۂ نبوّت مسلمانوں کے ہاتھوں میں محفوظ نہ رہا اس دن نہ مسلمانوں کو کوئی "لشکر" دُشمن سے بچاسکے گا، نہ غریب "اسلام" ہی کی حفاظت ہوسکے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ رسول اللہ کی خدمت میں اَمیرِ لشکر کا پیغام جب نقل کیا، تو سن کر فرمایا:

"ولو اختطفتنی الکلاب والذئاب لم ارد قضاءً قضاہُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔" (حیاۃ الصحابۃ ج:۱ص:۴۱۱)

ترجمہ: "مجھے اگر کتّے اور بھیڑیے بھی گھسیٹ کر لے جائیں تب بھی میں اس بات کو تبدیل نہیں کرسکتا، جس کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماچکے ہیں۔"

یہاں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکر بھیجنے کے لفظ ہی کو حذف فرمادیا، اصل بات نکھر کر سامنے آگئی کہ فیصلۂ نبوّت ناقابلِ تبدیل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یقین ہوگیا کہ اب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ، لشکرِ اُسامہ کے روک لینے پر کبھی رضامند نہ ہوں گے، اس لئے انہوں نے انصار کی درخواست پیش کی، یعنی اُسامہ رضی اللہ عنہ کم عمر ہیں، ان کے بجائے کسی بڑی عمر کے آدمی کو لشکر کا اَمیر مقرر کردیا جائے۔

وہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن کے حلم و بُردباری، متانت اور وقار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقع پر حلم خلیل اللّٰہی کے ہمرنگ قرار دیا تھا، اس درخواست کو سن کر ان ہی پر دیکھا گیا کہ یکایک جلالِ موسوی طاری ہوگیا:

”فوثب ابوبکر، وکان جالسًا فأخذ بلحیة عمر وقال: ثکلتک اُمّک وعدمتک یا ابن الخطّاب! استعمله رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وتأمرنی ان انزعه؟“ (حیاۃ الصحابۃ ج:۱ص:۴۱۱)

ترجمہ: ”ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے، اچانک اپنی جگہ سے اُچھلے اور لپک کر عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی اور فرمانے لگے: اے خطاب کے بیٹے! تیری ماں تجھے گم پائے اور تیری ماں تجھے مردہ پائے، اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَمیر بنایا ہے اور تُو مشورہ دیتا ہے کہ میں اُسے معزول کردوں؟“

آج خلیفۂ رسول کی جانب سے خلیفۃ اللہ... موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام... کی سنّتِ جوش و جلال کا مظاہرہ کیا جارہا ہے، غور کرو کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل قرآن کے ان الفاظ کی کیسی عمدہ تصویر ہے:

﴿وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ؕ﴾

”موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بھائی ہارون کی داڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔“

سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پُرجلال انداز اس وجہ سے تھا کہ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام قوم کو گاؤسالہ پرستی کی گمراہی میں مبتلا دیکھ کر پھر بھی اسی قوم میں رہنا کیسے برداشت کرسکے؟ چنانچہ قرآنِ حکیم نے اطلاع دی کہ:

﴿قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝۹۲ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝۹۳﴾

(طٰہٰ:۹۲)

ترجمہ: ”موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہارون سے فرمایا: اے ہارون! جب تو نے قوم کو دیکھا لیا تھا کہ وہ گمراہ ہوگئے ہیں تو تجھے کیا مانع پیش آیا کہ تم قوم کو چھوڑ کر میرے پیچھے نہ آئے۔“

اِدھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ غیظ و غضب اس لئے تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی فاروقی بصیرت نے ایسے پیغام کو کیوں گوارا کیا جس سے فیصلۂ نبوّت میں ادنیٰ تبدیلی کا وہم پیدا ہوسکتا تھا؟

جاننے والے جانتے ہیں کہ نہ پیغام بھیجنے والوں کے وہم و گمان میں تھا کہ اُسامہ رضی اللہ عنہ کی معزولی سے فیصلۂ نبوّت میں تبدیلی ہوجائے گی، نہ پیغام لانے والے کے خواب و خیال میں تھا کہ اس مشورے پر عمل کرنے سے نبوّت کے فیصلوں کو پسِ پشت ڈالنے کا دروازہ کھل سکتا ہے، لیکن ”صدیقی فراست“ اس نکتے کو پارہی تھی، اس لئے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ کر اس فتنے کا ہمیشہ کے لئے سدِّباب کردیا، تاکہ آئندہ کسی شکم سیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین کردہ جزئیات میں ترمیم و تنسیخ کی جرأت نہ ہو۔ اگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے فیصلۂ نبوّت کی حفاظت کے لئے اتنی شدّت کا اِظہار نہ کیا جاتا اور اُسامہ رضی اللہ عنہ کی جگہ کوئی دُوسرا اَمیر مقرر کردیا جاتا تو کہنے والوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے مقرر کردہ اَمیر کو معزول کر دیا تھا، اسی راستے سے دِین میں تراش وخراش اور فیصلۂ نبوّت میں کتر بیونت (کاٹ پیٹ) کا موقع لوگوں کو مل جاتا۔ لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر خدا کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں، پوری اُمّت کی جانب سے ان کو جزائے خیر دی جائے کہ انہوں نے ہر شدّت کو گوارا کیا، مگر حدیثِ نبوی کے حصار میں شگاف نہ آنے دیا۔ ہر آزمائش کا مقابلہ کیا، مگر فیصلۂ نبوّت میں اَدنیٰ تغیّر کو برداشت نہ کیا، **فجزاہ اللہ عنّا خیر الجزاء!**

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اس موسوی طرزِ عمل کو سامنے رکھ کر اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی قرآنی بصیرت میں حدیثِ نبوی سے اِعراض اور فیصلۂ نبوّت سے اِنحراف، گاؤسالہ پرستی کے ہمسنگ تھا، تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ دعویٰ بے جا ہوگا...؟

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے بھائی عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ کر کپکپاتے ہوئے جسم اور لرزتی ہوئی آواز میں جب کہا جا رہا تھا:

"استعمله رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وتأمرنی ان انزعه؟"

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اَمیر مقرر کیا ہے، تُو مجھے کہتا ہے کہ میں اُسے معزول کر دوں؟"

اس وقت کسے معلوم تھا کہ کچھ زمانے بعد ایسے "سامری صفت" بھی پیدا ہوں گے جو حکامِ وقت پر "اللہ ورسول" کا نام چسپاں کرتے ہوئے:

﴿هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ؕ﴾ (طٰہٰ:۸۸)

... یہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے، موسیٰ تو بھول کر طور پر چلا گیا... کا "سامریانہ" نعرہ لگائیں گے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دِین کے تمام بینات میں قطع وبرید کر ڈالنا ہی ان کے نزدیک "قرآنی بصیرت، سنّتِ جاریہ اور ملکۂ اِجتہاد" قرار پائے گا اور اِرشادِ نبوی کے مصداق:

"ویقرؤن القرآن ولا یجاوز تراقیھم۔"

ترجمہ: "وہ قرآن پڑھیں گے، لیکن کیا مجال کہ ان کے حلق سے نیچے اُتر جائے۔"

اور لطف یہ کہ انہیں سامری صفت دجالوں کو ایسے سادہ لوح پرستار بھی مل جائیں گے جو اپنی عبادت کی وجہ سے اس نئے گاؤسالہ سامری "مرکزِ ملّت" کو سچ مچ اللہ ورسول مان لیں گے اور چودہ صدیوں کے ہارون صفت علمائے ربّانی کی ہارونی نصیحت:

﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝﴾ (طٰہٰ:۹۰)

ترجمہ: "لوگو! تم فتنے میں مبتلا ہو گئے ہو، تمہارا رَبّ (یہ گاؤسالۂ سامری نہیں بلکہ) وہ

رحمٰن ہے جس کی رحمت زمین و آسمان کو محیط ہے، اس لئے خدارا! تم میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اِطاعت کرو۔"

ان کے لئے بے اثر ثابت ہوگی، اور یہ شاگردانِ سامری، ہارون صفت علمائے ربّانییّن کی اِتباع کو اِنسان پرستی اور مذہبی اِجارہ داری کا نام دیں گے...!

بہرحال دورِ خلافت میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلا کارنامہ میرے نزدیک یہی تھا کہ انہوں نے پوری قوّت اور شدّت سے "مرتبۂ حدیث" کو اُجاگر کیا، اور "مقامِ سنّت" کو واضح فرمایا اور حکمتِ اِلٰہی ان کے لئے ایسے اسباب بروئے کار لاتی رہی جن سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو مختلف عنوانات میں مرتبۂ حدیثِ نبوی کی وضاحت کا موقع بار بار ملتا رہا۔

جیشِ اُسامہ کے واقعے میں تو ایسا نظر آتا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر وَجد اور حال کی سی رقّت طاری تھی اور وہ اس واقعے میں جرأت و ہمت کے پیکر تھے، اسی واقعے کا رُوح پرور اور اِیمان افروز جُز اور سنئے!

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر جب رُخصت ہونے لگا تو خلیفۂ رسول اللہ بنفسِ نفیس اُسامہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ہمراہیوں کو رُخصت کرنے کے لئے مقامِ "جرف" میں تشریف لائے، واقعے کے عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ اُسامہ رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار تھے اور خلیفۂ اِسلام رضی اللہ عنہ ان کے پہلو میں سواری موجود ہونے کے باوجود پیدل چل رہے تھے، اُسامہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہرچند اِصرار بھی کیا گیا:

"یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ! لَتَرْکَبَنَّ اَوْ لَاَنْزِلَنَّ!"

ترجمہ: "خلیفۂ رسول! یا آپ سوار ہوجائیں یا میں اُتر جاؤں!"

لیکن جواب میں خلیفۂ اِسلام فرما رہے تھے:

"وَاللّٰہِ لَا تَنْزِلُ! وَوَاللّٰہِ لَا اَرْکَبُ! وَمَا عَلَیَّ اَنْ اغْبَرَّ قَدَمِیَ سَاعَۃً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، فَاِنَّ لِلْغَازِیْ بِکُلِّ خَطْوَۃٍ یَخْطُوْھَا سَبْعُ مِائَۃِ حَسَنَۃٍ تُکْتَبُ لَہٗ وَسَبْعُ مِائَۃِ دَرَجَۃٍ تُرْفَعُ لَہٗ، وَتُمْحٰی عَنْہُ سَبْعُ مِائَۃِ خَطِیْئَۃٍ۔" (حیاۃ الصحابۃ ج:۱ ص:۴۱۲)

ترجمہ: "خدا کی قسم! نہ تم اُترو گے، اور خدا کی قسم! نہ میں سوار ہوں گا، میں اگر راہِ خدا میں ایک ساعت کے لئے اپنے قدم غبار آلود کرلوں تو کیا مضائقہ ہے؟ کیونکہ غازی کے لئے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، سات سو درجے اس کے بلند کئے جاتے ہیں اور سات سو خطائیں اس کی مٹادی جاتی ہیں۔"

جو کہنا چاہتا ہوں وہ آگے آتا ہے، یعنی حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو رُخصت کرکے جب واپس آنے لگتے ہیں تو اِسلام کا الوداعی جملہ "استودع اللہ دینک وامانتک وخواتیم اعمالک" ... تیرا دِین، امانت اور خاتمۂ عمل، اللہ کے سپرد کرتا ہوں... اَدا کرنے کے بعد خلیفۂ رسول، اَمیرِ لشکر سے

خطاب کرتے ہوئے فرمارہے تھے:

”اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ اَوْصَاکَ فَانْفِذْ لِأَمْرِ رَسُوْلِ اللہِ فَاِنِّیْ لَسْتُ آمُرُکَ وَلَا اَنْھَاکَ عَنْہُ اِنَّمَا اَنَا مُنْفِذٌ لِاَمْرٍ اَمَرَ بِہٖ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔“

(حیاۃ الصحابۃ ج:۱ ص:۴۱۰)

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو وصیت فرماچکے ہیں، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم گرامی بجالاؤ، بندہ نہ کسی بات کا آپ کو حکم کرتا ہے، نہ کسی چیز سے منع کرتا ہے، میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نافذ کرنے والا ہوں اور بس!“

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس فقرے کا مطلب میں یہی سمجھا ہوں اور شاید اس کے سوا دُوسرا مطلب ہو بھی نہیں سکتا کہ حضرت صدیق ایک طرف ”مرتبۂ فیصلۂ نبوّت“ بیان فرمارہے ہیں کہ اس میں ترمیم و تنسیخ صدیقی مسلک میں غیرصحیح ہے، دُوسری طرف وہ خلیفۂ رسول یا بلفظ دیگر خلیفۂ اِسلام کی حیثیت متعین کر رہے ہیں کہ اس کی حیثیت صرف اَحکامِ نبوی کے نافذ کرنے والے کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قضایا اور فیصلوں میں تبدیلی کردینا، اس کا نہ منصب ہے، نہ وہ اس کا مجاز ہے۔ کیوں نہ ہو جب خلیفۃ اللہ کو یہ منصب تفویض نہ کیا گیا کہ وہ اپنی رائے اور اَحکام اور فرامین میں ردّ و بدل کرڈالے، چنانچہ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرکے فرمایا جاتا ہے:

﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللہِ ط﴾ (ص:۲۶)

ترجمہ: ”اے داؤد! ہم نے تمہیں اپنی زمین میں خلیفہ بنایا ہے، اس لئے لوگوں کے درمیان حق کے موافق فیصلہ کیا کرو، اور خواہش کی پیروی نہ کیجیو، ورنہ تمہیں اللہ کی راہ سے بہکادے گی۔“

پس سوچنا چاہئے کہ اس بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ”خلیفۂ راشد“ کے لئے کب گنجائش ہوسکتی ہے کہ وہ صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور اِرشادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَحکام اور قضایا میں ردّ و بدل شروع کردے، ایسی صورت میں وہ جانشینِ رسول اور خلیفۂ نبی کہلانے کا کب مستحق ہوگا؟

اِمامُ الہند مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ضروریاتِ خلافت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”واجب است بر خلیفہ نگاہ داشتن دِینِ محمدی بر صفتیکہ بہ سنّتِ مستفیضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت شدہ و اِجماعِ سلف صالح بر آں منعقد گشتہ و اِنکار بر مخالف۔“

(ازالۃ الخفاء ج:۱ ص:۷ طبع سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ: ”خلیفہ پر دِینِ محمدی کی حفاظت اور نگہداشت اسی شکل میں لازم ہے، جس

طرح آنحضرت ﷺ کی سنّتِ مستفیضہ سے ثابت ہے اور سلف صالحین کا اِجماع اس پر منعقد ہو چکا ہے۔ اسی کے ساتھ خلیفہ کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ سنّتِ مستفیضہ اور اِجماع کی خلاف ورزی کرنے والوں پر گرفت کرے۔“

اسی مضمون کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں بیان فرمارہے ہیں، جو اُوپر نقل کر چکا ہوں، یعنی:

”انما انا منفذ لامرٍ امر به رسول الله صلی الله علیه وسلم۔“

ترجمہ: ”میں تو صرف آنحضرت ﷺ کے حکم کو نافذ کرنے والا ہوں۔“

یہ الفاظ تو خیر اُسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمائے گئے، جس سے ایک گونہ اپنے اِصرار کی وجہ بیان کرنا اور دُوسرے لوگوں کا مشورہ قبول کرنے سے معذوری پیش کرنا بھی مقصود تھا۔

پہلا صدیقی خطبہ: ”دستورِ خلافت کتاب وسنّت ہوں گے“:

لیکن کیا مرتبۂ حدیث اور منصبِ خلافت کی ذمہ داریوں کا بیان صرف اسی موقع پر کیا گیا؟ جہاں تک صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات لوگوں کو مل سکتے ہیں، ان کی روشنی میں ہر شخص یہی سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ نہ صرف حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بلکہ تمام اکابر واصاغر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ”خلیفۂ رسول اللہ“ کی حیثیت اَحکامِ نبوّت کی تنفیذ ہی کی تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ان کے نزدیک بدیہیات میں داخل تھا، لیکن اس ”بدیہی“ مسئلے کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بار بار کیوں بیان کر رہے تھے؟

مثلاً: حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ جو منبرِ رسول سے مہاجرین وانصار (رضی اللہ عنہم) کے کثیر مجمع کے سامنے پیش کیا گیا، جس کو آج کی اِصطلاح میں حلفِ وفاداری کہئے تو بجا ہے، اس میں بھی قرآنِ حکیم کے ساتھ ”سنّت“ کو دِین کی بنیاد کے طور پر انہوں نے پیش کیا، اور اِسلام میں ”خلیفہ“ کا منصب کیا ہے؟ اور ”کتاب و سنّت“ کے ساتھ خلیفہ کے تعلق کی نوعیت کیا ہوگی؟ اسی نکتے کی وضاحت انہوں نے فرمائی، طبقات ابنِ سعد وغیرہ میں اس خطبے کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

”ایها الناس! قد ولّیت امرکم ولست بخیرکم، ولکن نزل القرأن وسن النبی صلی الله علیه وسلم السنن، فعلمنا وتعلمنا .... ایها الناس! انما انا متبع ولست بمبتدع فان احسنتُ فأعینونی وان زِغتُ فقوّمونی۔“

(بحوالہ اعجازِ قرآنی للباقلانی، حیات الصحابہ ج:۳ ص:۴۳۱)

ترجمہ: ”لوگو! مجھے تمہارے اُمور کا متولّی بنادیا گیا، مجھے تم سے بہتر ہونے کا دعویٰ نہیں، لیکن قرآن نازل ہوا اور آنحضرت ﷺ نے سنتیں جاری فرمائیں۔ پس آپ ﷺ نے تعلیم دی اور ہم نے تعلیم حاصل کی۔ لوگو! میں محض پیروی کرنے والا

ہوں، نئی بات کو ایجاد نہ کروں گا، پس اگر میں صحیح راستے پر گامزن رہوں تو میری مدد کرنا اور اگر (بالفرض) کتاب وسنّت سے کجی اختیار کی تو مجھے سیدھا کر دینا۔‘‘

یہ اسلام کے پہلے خلیفہ کا پہلا خطبہ ہے، جس میں کتاب اور سنّت کو دستورِ خلافت قرار دے کر دونوں سے وفاداری کا عہد واقرار خلیفہ کی طرف سے کیا گیا اور تمام مہاجرین وانصار سے وہ اپیل کرتے ہیں کہ اگر خلیفہ اس حلفِ وفاداری پر قائم رہے تو ہر ممکن طریق پر اس کی مدد کی جائے، اگر خدانخواستہ خلیفہ میں کتاب وسنّت میں کجی نظر آئے تو پوری قوّت سے اُسے راہِ راست پر لائیں۔ بلاشبہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ اسلامی تاریخ میں دستورِ خلافت کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

صدیقی اعلانات میں مضمر ایک اہم نکتہ:

بہرحال سوال یہاں یہی ہے کہ جن اُمور کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اپنے خطبات، مجالس اور خطوط میں باصرار وتکرار جہاں ان کو موقع ملتا تھا، اور بتلاچکا ہوں کہ حکمتِ الٰہیہ ان کے لئے یہ مواقع فراہم کر رہی تھی، بیان کرتے رہتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک جب ان اُمور کی حیثیت ’’بدیہیاتِ اولیہ‘‘ اور ’’ضروریاتِ دین‘‘ کی تھی، یعنی قرآن کے بینات سے انحراف جس طرح خلیفہ کے لئے صحیح نہیں، ٹھیک اسی طرح سنّتِ نبویہ سے اِعراض کی گنجائش بھی اس کے لئے نہیں، اور اُمّت کے لئے قرآن جس طرح حجّت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے علاوہ جو اَحکام وفرامین چھوڑے ہیں اور دینِ محمدی میں ان کا ثبوت قطعی ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لانے والوں کے لئے ان کا تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ اُمور جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ’’ضروریات‘‘ میں داخل ہیں تو اُمّت کے پہلے خلیفہ کے لئے یہی ’’بدیہی مسئلہ‘‘ اس قدر اہمیت کیوں اختیار کر گیا تھا کہ کبھی منبرِ رسول کا پایہ پکڑ کر، کبھی اپنے بھائی (عمر رضی اللہ عنہ) کی داڑھی پکڑ کر، کبھی اَمیرِ جیش (اُسامہ رضی اللہ عنہ) کی رکاب تھام کر وہ اسی کی تکرار، اسی کا اعلان، اسی کی منادی کیوں کئے جارہے تھے کہ:

۱:... دستورِ خلافت کے لئے کتاب اللہ وسنّتِ رسول بنیادی پتھر ہیں۔

۲:... خلیفۂ اِسلام کی حیثیت متبع کی ہوگی، مبتدع کی نہ ہوگی۔

۳:... میں اس لشکر کو روک لینے کا مجاز نہیں جس کے بھیجنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحیٔ اِلٰہی سے فرماچکے ہیں۔

۴:... میرا منصب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر فرمودہ اَمیر کو معزول کردوں۔

۵:... مجھ پر کیسے ہی حالات گزر جائیں، لیکن مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں فیصلۂ نبوّت کو تبدیل کردوں۔

۶:... حد یہ کہ میں اس جھنڈے کو کھول دینے کی ہمت نہیں رکھتا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باندھ چکے ہیں:

”ولا حللت لواء عقده رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

(بدایہ ج:٦ ص:٣٠٥ بحوالہ حیات الصحابہ)

۷:... اس سے بڑھ کر یہ کہ:

”ان لا یتخلف عن اسامة من بعثه من کان انتدب معه فی حیاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“ (حیاۃ الصحابہ ج:۱ ص:۴۱۰)

ترجمہ: ”جو شخص لشکرِ اُسامہ میں حیاتِ نبوی میں شریک ہوچکے تھے، میں ان میں سے کسی کو عدمِ شرکت کی اجازت دینے کا بھی اِختیار نہیں رکھتا۔“

یہ اعلانات عام لوگوں کے نزدیک ممکن ہے کہ کسی اہمیت کے حامل نہ ہوں، اور وہ صرف اتنا کہہ کر آگے گزر جانے کی کوشش کریں کہ کوئی وقتی ضرورت اس اعلان کی پیش آئی ہوگی، اس لئے جس طرح اور اَحکام خلافت کی طرف سے دیئے جاتے ہیں، یا بہت سے اعلان کئے جاتے ہیں، کسی ضرورت کے تحت یہ اعلان بھی کردیا گیا ہوگا۔ لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ان پے در پے اعلانات میں ایمان و یقین کا نور، عزم و اِحتیاط کی نزاکت اور درد و بے چینی کا سوز جو پایا جاتا ہے، وہ کم از کم مجھے تو اجازت نہیں دیتا کہ نظرِ عمیق اور فہمِ صحیح سے کام لئے بغیر گزرنے والے سرسری طور پر اس مقام سے گزر جائیں اور ان ”صدیقی بیانات“ کو معمولی چیز قرار دے کر پہلوتہی کی کوشش کریں۔

منشائے صدیق رضی اللہ عنہ کی توضیح:

ان ”صدیقی کلمات“ کا اصل منشا کیا ہے؟ اس کو معلوم کرنے کے لئے ہمیں اس پر غور کرنا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس عالم میں رونق افروز تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہی دِین و شریعت تھی۔ لسانِ نبوّت سے جو کچھ صادر ہوتا تھا، سننے والوں کے لئے وہی دِین اور اِسلام تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا تسلیم کرلینا ایمانی علامت، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے پہلوتہی کرنا علامتِ نفاق تھی، اہلِ ایمان کے لئے رضائے خداوندی، ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں منحصر تھی، اہلِ ایمان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل ”وحیٔ الٰہی“ کا تابع اور منشائے خداوندی کا ترجمان تھا۔ اس لئے اہلِ اسلام کے لئے آخری مرجع ذاتِ قدسی صفات تھی (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اِمام الہند شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں:

”اما چوں اَیامِ نبوّت بود، وحی متفرض الطاعت در قلب پیغمبر مے رسید و شک و شبہ را آنجا ہیچ گنجائش نہ، در اوّل و نہ در آخر۔“ (ازالۃ الخفاء ج:۱ ص:۲۵، سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ: ”جب تک نبوّت کا زمانہ تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اَطہر پر وحی نازل ہوتی تھی، جس کی اِطاعت فرض ہے اور شک و شبہ کے لئے وہاں قطعاً گنجائش نہ تھی، اوّل میں نہ آخر میں۔“

کیا وصالِ نبوی کے بعد اُمّت نظر و فکر کے دوراہے پر؟؟؟

لیکن وصالِ نبوی سے دورِ نبوّت ختم اور دورِ خلافت شروع ہوگیا، اور اُمّت اس حادثے میں یکا یک ایک دور سے دُوسرے دور میں منتقل ہوگئی، اس وقت اُمّت ایک طرف اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے سانحۂ کبریٰ پر ماتم کناں دیوانہ وار تڑپ رہی تھی، خدا کے سوا کون تھا جو ان کی تعزیت کرے؟ دُوسری طرف یہ فطری سوال کھڑا ہوگیا کہ آج کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمّت کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا ہوگی؟ کیا اُمّت کا رِشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کٹ گیا یا بدستور باقی ہے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادات کی پیروی اُمّت کے لئے لازم ہوگی یا یہ قصہ وصالِ نبوی پر ختم ہوگیا؟ کیا آپ کی زبانِ ناطق بالوحی سے صادر شدہ ہر کلمہ اب بھی دینِ اسلام کا جزو سمجھنا ہوگا، جیسا کہ آپ کی زندگی میں تھا، یا ''اَمیرِ جماعت'' اور ''مرکزِ ملّت'' اسلام کے جدید کل پُرزے تیار کیا کرے گا؟ کیا رِضائے خداوندی، اِتباعِ نبوی میں اب منحصر رہے گی، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں تھی، یا یہ سعادت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات تک تھی؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو تسلیم کرنے والا مؤمن، اور تسلیم نہ کرنے والا منافق اب بھی قرار دیا جائے گا، یا اِیمان و کفر اور اخلاق و نفاق کا یہ معیاری فرق صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک تھا...؟

قرآنِ مبین کی سیکڑوں آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت، فرمانبرداری اور اِمتثالِ اَمر کا حکم جو دِیا گیا ہے، کیا قرآن کا یہ مطالبہ اب بھی موجود ہے یا یہ قرآنی مطالبہ وصالِ نبوی کے بعد مسلمانوں سے اُٹھ گیا؟

کیا مسلمانوں کا خلیفہ ہدایاتِ نبوی کا پوری طرح پابند ہوگا، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ٹھیک وہی منصب حاصل کرے گا جو زمانۂ حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا؟ **معاذ اللہ!**

خلیفۂ اسلام کی صحیح پوزیشن کیا ہوگی؟ اسے خلافت کی بنیادوں کو کن خطوط پر اُستوار کرنا ہوگا؟ قرآنِ حکیم کے علاوہ سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا برتاؤ کیا ہوگا؟

وحیٔ اِلٰہی کی نگرانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ''دِینِ قیّم'' کے جن نقوش کو چھوڑ گئے ہیں، جن جزئیات کی تعیین فرماگئے ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، خصومات اور اخلاق کا جو نظام، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرتّب فرماگئے ہیں، ان تمام چیزوں کو علیٰ حالہٖ باقی رکھنا خلیفہ کا فرض ہوگا یا یہ فیصلۂ نبوّت سے ہٹ کر ''دِینِ قیّم'' کے نئے نقشے مرتّب کرنے کی بھی اسے اجازت ہوگی؟

آسمانی پیغام کی حفاظت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال و حرام، صحیح اور غلط، جائز و ناجائز کی جو فہرست اُمّت کے سامنے پیش کی تھی، ان کو بلاتغیّر و تبدّل بدستور قائم رکھ کر نافذ کرنا خلیفۂ اِسلام کا منصب ہوگا یا ان میں ردّ و بدل بھی اس کے لئے جائز ہوگا؟

الغرض دورِ نبوّت اور دورِ خلافت کے وسطی نقطے میں جو اہم سوال پیدا ہونا چاہئے تھا، وہ یہی تھا کہ

دورِ نبوّت کے ختم اور دورِ خلافت کے شروع ہوجانے کے بعد اُمّت میں رسول اللہ ﷺ اور سنّتِ رسول اللہ کا کیا مقام ہوگا؟ اور جانشینِ رسول کی حیثیت کیا ہوگی؟ عقلاً یہاں دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔

اوّل:... یہ کہ جس طرح ایک ''سربراہِ مملکت'' کے فیصلے صرف اس کی حیات تک نافذ رہتے ہیں، اس کی موت سے جیسے وہ خود بخود معزول ہوجاتا ہے، اسی طرح اس کے اوامر کی اطاعت بھی نہیں رہتی، بلکہ اس کی جگہ اس کا جانشین لے لیتا ہے۔ ٹھیک یہی حال نبی ﷺ اور خلیفۂ نبی کا ہو کہ... معاذ اللہ!... وصالِ نبوی سے ذاتِ رسالت مآب ﷺ اُمّت کی اِمامت سے معزول ہوگئی۔ اب نہ آپ ﷺ کو اُمّت کے ساتھ اَمر و نہی کا تعلق رہا، نہ اُمّت کو آپ ﷺ کے ساتھ سمع و طاعت کا، بلکہ اَمر و نہی کے تمام اِختیارات آپ ﷺ کے بعد آنے والے خلفاء کی طرف منتقل ہوگئے۔ اب قرآن کا جو مفہوم یہ خلیفہ متعین کرے، پوری اُمّت کے لئے اسی کا ماننا لازم ہوگا، خواہ یہ مفہوم آنحضرت ﷺ کے بیان کردہ مفہوم کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو، اور اِسلام کی جو تصویر خلیفہ پیش کرے گا اب وہی صحیح اسلامی تصویر کہلائے گی، خواہ یہ تصویر آنحضرت ﷺ کے بیان کردہ نقشے سے کیسی ہی اُلٹ ہو؟... یہی آج کل کے مغرب زدہ طبقے کا موقف ہے، جس کا منشا مقامِ نبوّت سے ناآشنائی ہے، بلکہ یہ تصوّر اِنکارِ نبوّت ہی کی ماڈرن شکل ہے...!

دوم:... یہ کہ آنحضرت ﷺ بدستور صاحبِ اَمر و نہی رہیں گے، اُمّت کو بدستور آپ ﷺ کے ساتھ سمع و طاعت کا تعلق باقی رہے گا، آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کا خلیفہ آپ ﷺ کے اِرشاد فرمودہ اَمر و نہی، حلال و حرام، جائز و ناجائز، اَحکام و قضایا نافذ کرے گا۔ آپ ﷺ کے کسی فیصلے کی خلاف ورزی نہ اس کے لئے جائز ہوگی اور نہ ملّت کے لئے خلیفہ کے ایسے اَحکام کی تعمیل جائز ہوگی، جن میں آپ ﷺ کی ''سنّتِ مستفیضہ'' سے اِنحراف کیا گیا ہو، قرآن کے مفہوم و معانی اور اِسلام کے نقوش بدستور وہی باقی رہیں گے جو زمانۂ نبوی میں تھے۔

حاصل یہ کہ خلیفہ مُطاع و لائقِ اِطاعت مستقل نہیں ہوگا، بلکہ اس کی اِطاعت صرف اسی لئے ہوگی اور اسی وقت تک ہوگی جب تک وہ نبی ﷺ کی نیابت میں اَحکامِ نبویہ کو نافذ کرتا رہے، اس کی حیثیت صرف یہ ہوگی کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے اَحکام اور اَوامر و نواہی کی تنفیذ کرے۔

بہرحال وصالِ نبوی کے بعد ''رسول'' اور ''جانشینِ رسول'' کا مرتبہ اسلام میں کیا ہوگا؟ اس کی یہی دو صورتیں ہوسکتی تھیں، جو میں نے ذِکر کیں۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت اُمّت اور قیامت تک آنے والی اُمّت، ذہن و فکر کے اسی دوراہے پر کھڑی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو وقت کا سب سے پیچیدہ مسئلہ اور اُمّت کے لئے سب سے اہم اُصولی سوال یہی تھا، جس کو بیان کرتا چلا آرہا ہوں۔ اس کی پیچیدگی کی وجہ یہ نہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے یہ ''علم'' نیا تھا، یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک ''بدیہیات''

میں سے تھا۔ اصل وجہ اس سوال کی اہمیت کی یہ تھی کہ منشائے خداوندی جسے ''خلیفۂ اوّل اور بلا واسطہ جانشینِ رسول'' بنا رہی تھی: ''یَأْبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَابَكْرٍ'' آنے والی پوری اُمّت کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ آنے والے تمام خلفاء کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل قانونی اِصطلاح میں ''نظیر'' اور شرعی اِصطلاح میں ''سنّتِ خلیفۂ راشد'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافتِ راشدہ، اس کی ماہیت، اس کے حل وعقد، اس کے اِنتظام واِنصرام اور اس کے طرزِ عمل کا پہلا تجربہ زمین والوں کو ہو رہا تھا، گویا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفۂ اوّل بنائے جانے کا مطلب یہ تھا کہ ''صدیقی خلافت'' جن نقوش پر اُستوار کی جائے گی، آئندہ خلافتِ صحیحہ کے لئے وہی پتھر کی لکیریں بن جائیں گی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جو چیز دستورِ خلافت قرار پائے گی، ہمیشہ کے لئے خلافتِ شرعیہ کا دستور وہی رہے گا۔ گویا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ملّت کے صرف موجودہ دور اور موجودہ افراد کا بوجھ نہیں تھا بلکہ خلافت کے ''نقاشِ اوّل'' کی حیثیت سے قیامت تک آنے والی تمام اُمّت اور خلفاء کے لئے خلافت کے صحیح خطوط متعین کرنا اور غلط نقوش کو جو کبھی پیدا کئے جاسکتے تھے، ایک ایک کر کے مٹانا بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرائض میں شامل تھا۔

غرضیکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عقیدے کو کہ ''دستورِ خلافت'' کتاب وسنّت ہیں، ہدایات کی آہنی زنجیر بنادیا، جسے کبھی توڑا نہیں جاسکتا۔

دُوسری طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نزاکتوں پر غور کریں تو صحیح اندازہ ہوگا کہ ان ''صدیقی اعلانات'' میں کتنا زور ہے؟ بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک ''سنّتِ رسول اللہ'' کا مقام اور ''خلیفۂ اِسلام'' کا منصب یہ دونوں چیزیں اپنے اندر کوئی خفا نہیں رکھتی تھیں۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی آواز انہی تک محدود نہ رکھنا چاہتے تھے، جو ان کے سامنے موجود تھے، بلکہ وہ اپنی گرجتی ہوئی آواز کو قیامت کی دیواروں سے ٹکرا کر پوری اُمّت کے خلفاء کو آگاہ کردینا چاہتے تھے کہ ''خلیفۂ اِسلام'' کی صحیح پوزیشن کیا ہے؟

بسا اوقات ایک مسئلہ، ایک زمانے میں بدیہیات میں شمار ہوتا ہے، لیکن دُوسرے زمانے کے لوگ اپنی غباوت کی وجہ سے اسے نظری بلکہ ناممکن بناڈالتے ہیں، کیا آج ''دِینِ قیّم'' کے واضح اور بدیہی مسائل ''نظر وفکر'' کی آماجگاہ بنانے کا تماشا ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے ہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ ان کی یہ آواز جو حلفِ وفاداری کی شکل میں منبرِ رسول سے نشر کی جارہی ہے، قیامت تک کے لئے ہر آنے والے کے گوش زد ہوجائے، یعنی:

''یَا أَیُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا أَنَا مُتَّبِعٌ وَلَسْتُ بِمُبْتَدِعٍ۔''

ترجمہ: ''اے لوگو! میں صرف قرآن وسنّت کی پیروی کرنے والا ہوں، نئی بات اِیجاد کرنے والا نہیں ہوں۔''

تا کہ ''مرتبۂ حدیث'' کے ساتھ ساتھ ''منصبِ خلافت'' کا مسئلہ جس طرح آج والوں کے لئے بدیہی ہے، کل والوں کے لئے بھی بدیہی بن جائے۔ اور یوں اس مسئلے کی ''بداہت'' ایسی آہنی زنجیر میں تبدیل ہو جائے کہ آنے والی کوئی بھی طاغوتی قوّت اس کے توڑ ڈالنے پر قادر نہ ہو۔ الغرض یہ مسئلہ جیسے آج شک وشبہ سے بالاتر ہے، آئندہ ہر دور میں بھی اسے شک وتردّد سے بالاتر سمجھا جائے۔ یہ ذمہ داری جس قدر اہم تھی، اسی قدر فکران کو اس سے عہدہ برآ ہونے کی تھی، اس کے لئے انہوں نے کتنی محنت فرمائی؟ اس کی کچھ داستان آپ کے سامنے آچکی ہے، یعنی قرآن کے ساتھ سنّت کو بنیادِ خلافت قرار دے کر مختلف مجالس میں مختلف عنوانات سے اس کا بار بار اعلان کر دیا، اور عملی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو اس قدر مضبوطی سے تھاما، گویا جس قدر کارنامے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ظہور پذیر ہوئے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ظاہر ہو رہے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ آلہ اور جارحہ کی طرح اَحکامِ نبویّہ کی تنفیذ فرما رہے ہیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اَیامِ خلافت بقیہ اَیامِ نبوّت بودہ است گویا در اَیامِ نبوّت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبان مے فرمود، ودر اَیامِ خلافت ساکت نشتہ بدست وسر اشارہ مے فرماید۔''

(ازالۃ الخفاء ج:۱ ص:۲۵، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ: ''خلافتِ راشدہ کا دور، دورِ نبوّت ہی کا بقیہ تھا، کہنا چاہئے کہ زمانۂ نبوّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے تصریحاً فرماتے تھے، اور اَیامِ خلافت میں ہاتھ اور سر کے ساتھ اِشارہ فرما رہے تھے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اَحکامِ تصریحیہ اور اِشاریہ کی تنفیذ میں خلیفۂ اوّل نے جس بیداری اور نزاکتِ اِحساس سے کام لیا، بلاشبہ یہ انہیں کا حصہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسی طرزِ عمل کا نتیجہ ہے کہ عملی کمزوریوں کے باوجود خلافتِ راشدہ کے بعد آنے والے کسی حکمران کو بھی یہ جرأت نہ ہوسکی کہ قانونی طور پر حدیثِ نبوی اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''دِینی سند'' کی حیثیت سے تسلیم نہ کرے، اور نہ قیامت تک اِن شاء اللہ! کسی کو یہ جرأت ہوسکے گی۔ اسلام میں سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہے؟ اور خلیفہ کا کیا منصب ہے؟ یہ مسئلہ صدیقی محنت سے آفتابِ نیم روز کی طرح واضح ہوگیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ: ''میں نے تمہیں ایک ایسے واضح راستے پر چھوڑا ہے کہ جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح واضح ہے'' وہی روشن راستہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُمّت کی قیادت کرتے ہوئے اپنے قول وعمل سے قیامت تک کے لئے بتادیا، فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّ آخِرًا!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی!

کتابُ الإیمان

حدیثِ جبرئیل اور اس کی تشریح

[حدیث: ۱] ”عَنۡ عُمَرَ بۡنِ الۡخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡهُ قَالَ بَیۡنَمَا نَحۡنُ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوۡمٍ إِذۡ طَلَعَ عَلَیۡنَا رَجُلٌ شَدِیۡدُ بَیَاضِ الثِّیَابِ شَدِیۡدِ سَوَادِ الشَّعۡرِ لَا یُرٰی عَلَیۡهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا یَعۡرِفُهٗ مِنَّا أَحَدٌ حَتّٰی جَلَسَ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ فَأَسۡنَدَ رُکۡبَتَیۡهِ إِلٰی رُکۡبَتَیۡهِ وَوَضَعَ کَفَّیۡهِ عَلٰی فَخِذَیۡهِ وَقَالَ یَا مُحَمَّدُ! أَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ الۡإِسۡلَامِ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ اَلۡاِسۡلَامُ أَنۡ تَشۡهَدَ أَنۡ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ وَتُقِیۡمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤۡتِیَ الزَّکٰوةَ وَتَصُوۡمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الۡبَیۡتَ إِنِ اسۡتَطَعۡتَ إِلَیۡهِ سَبِیۡلًا قَالَ صَدَقۡتَ قَالَ فَعَجِبۡنَا لَهٗ یَسۡئَلُهٗ وَیُصَدِّقُهٗ قَالَ فَأَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ الۡإِیۡمَانِ قَالَ أَنۡ تُؤۡمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَتُؤۡمِنَ بِالۡقَدۡرِ خَیۡرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقۡتَ قَالَ فَأَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ الۡاِحۡسَانِ قَالَ أَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰہَ کَأَنَّکَ تَرَاهُ فَإِنۡ لَّمۡ تَکُنۡ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ یَرَاکَ قَالَ فَأَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الۡمَسۡئُوۡلُ عَنۡهَا بِأَعۡلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَأَخۡبِرۡنِیۡ عَنۡ أَمَارَاتِهَا قَالَ أَنۡ تَلِدَ الۡأَمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنۡ تَرَی الۡحُفَاةَ الۡعُرَاةَ الۡعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ یَتَطَاوَلُوۡنَ فِی الۡبُنۡیَانِ قَالَ ثُمَّ انۡطَلَقَ فَلَبِثۡتُ مَلِیًّا ثُمَّ قَالَ لِیۡ یَا عُمَرُ أَتَدۡرِیۡ مَنِ السَّائِلُ قُلۡتُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُهٗ أَعۡلَمُ قَالَ فَإِنَّهٗ جِبۡرِیۡلُ أَتَاکُمۡ

یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ۔“

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام، حدیث: ۹۳)

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، اچانک ایک شخص نمودار ہوا، نہایت سفید کپڑے، بہت سیاہ بال، سفر کا کوئی اثر (یعنی گرد وغبار وغیرہ) اس پر نمایاں نہ تھا اور ہم میں سے کوئی اس کو جانتا بھی نہ تھا۔ بالآخر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا، اپنے دونوں ہاتھ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیئے اور عرض کیا: یا محمد! اسلام کی کیفیت بتایئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم کلمہ توحید یعنی اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں کا اقرار کرو، نماز پابندی سے بتعدیل ارکان ادا کرو، زکوۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر اِستطاعتِ زادِراہ ہو تو حج بھی کرو، آنے والے نے عرض کیا کہ آپ نے سچ فرمایا، ہم کو تعجب ہوا کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی تصدیق کرتا ہے، اس کے بعد اُس شخص نے عرض کیا کہ ایمان کی حقیقت بتایئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے معنی یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کا اور اُس کے فرشتوں کا، اُس کی کتابوں کا، اُس کے رسولوں کا اور قیامت کا یقین رکھو، تقدیر الٰہی کو یعنی ہر خیر وشر کے مقدر ہونے کو سچا جانو، آنے والے نے عرض کیا: آپ نے سچ فرمایا۔ پھر کہنے لگا احسان کی حقیقت بتایئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احسان کی حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو (کم از کم) اتنا یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے۔ آنے والے نے عرض کیا کہ قیامت کے بارے میں بتایئے؟ آپ نے فرمایا: جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ اس بات سے واقف نہیں ہے۔ اس نے عرض کیا اچھا تو قیامت کی علامات بتایئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی علامات میں سے یہ بات ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور تُو دیکھے گا کہ ننگے پاؤں، ننگے جسم، تنگ دست چرواہے بڑی بڑی عمارتوں پر اِترائیں گے۔ اس کے بعد وہ آدمی چلا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کچھ دیر تک ٹھہرا رہا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے! آپ نے فرمایا: یہ حضرت جبریل

تھے، جو تمہیں تمہارا دِین سکھانے کے لئے آئے تھے۔“

تشریح: حدیث جبرئیل میں حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا سوال یہ تھا کہ اسلام کیا ہے؟ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے پانچ ارکان ذکر فرمائے۔ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا سوال یہ تھا کہ: ایمان کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور ایمان لاؤ اچھی بری تقدیر پر۔“

ایمان ایک نور ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے دل میں آجاتا ہے، اور جب یہ نور دل میں آتا ہے تو کفر و عناد اور رُسومِ جاہلیت کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور آدمی ان تمام چیزوں کو جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، نورِ بصیرت سے قطعی سچّی سمجھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ”تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا ہے یہاں تک کہ اس کی خواہش اس دِین کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دِین میں سب سے اہم تر یہ چھ باتیں ہیں جن کا ذِکر اس حدیثِ پاک میں فرمایا ہے، پورے دِین کا خلاصہ انہی چھ باتوں میں آجاتا ہے:

۱:... اللہ تعالیٰ پر اِیمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات میں یکتا سمجھے، وہ اپنے وجود اور اپنی ذات و صفات میں ہر نقص اور عیب سے پاک اور تمام کمالات سے متصف ہے، کائنات کی ہر چیز اسی کے ارادہ و مشیت کی تابع ہے، سب اسی کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، کائنات کے سارے تصرفات اسی کے قبضے میں ہیں، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔

۲:... فرشتوں پر ایمان یہ کہ فرشتے، اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل نورانی مخلوق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم ہو، بجالاتے ہیں، اور جس کو جس کام پر اللہ تعالیٰ نے مقرر کردیا ہے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔

۳:... رسولوں پر ایمان یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت اور انہیں اپنی رضامندی اور ناراضی کے کاموں سے آگاہ کرنے کے لئے کچھ برگزیدہ انسانوں کو چن لیا، انہیں رسول اور نبی کہتے ہیں۔ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی خبریں رسولوں کے ذریعے ہی پہنچتی ہیں، سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، اور سب سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کسی کو کسی قسم کی نبوت نہیں ملے گی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا لایا ہوا دین قیامت تک رہے گا۔

۴:... کتابوں پر ایمان یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی معرفت بندوں کی ہدایت کے لئے بہت سے آسمانی ہدایت نامے عطا کئے، ان میں چار زیادہ مشہور ہیں: تورات، جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اُتاری گئی، زبور جو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کی گئی، انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کی گئی اور قرآن مجید جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پر نازل کیا گیا۔ یہ آخری ہدایت نامہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے پاس بھیجا گیا، اب اس کی پیروی سارے انسانوں پر لازم ہے اور اس میں ساری انسانیت کی نجات ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب سے روگردانی کرے گا وہ ناکام اور نامراد ہوگا۔

۵:... قیامت پر ایمان یہ کہ ایک وقت آئے گا کہ ساری دنیا ختم ہوجائے گی زمین و آسمان فنا ہوجائیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کرے گا اور اس دنیا میں لوگوں نے جو نیک یا برے عمل کئے ہیں، سب کا حساب و کتاب ہوگا۔ میزانِ عدالت قائم ہوگی اور ہر شخص کی نیکیاں اور بدیاں اس میں تولی جائیں گی، جس شخص کے نیک عملوں کا پلہ بھاری ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا پروانہ ملے گا اور وہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کے مقام میں رہے گا جس کو ''جنّت'' کہتے ہیں، اور جس شخص کی برائیوں کا پلہ بھاری ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا پروانہ ملے گا اور وہ گرفتار ہوکر خدائی قیدخانے میں جس کا نام ''جہنّم'' ہے، سزا پائے گا، اور کافر اور بے ایمان لوگ ہمیشہ کے لئے جہنّم میں رہیں گے۔ دنیا میں جس شخص نے کسی دوسرے پر ظلم کیا ہوگا، اس سے رشوت لی ہوگی، اس کا مال ناحق کھایا ہوگا، اس کے ساتھ بدزبانی کی ہوگی یا اس کی بے آبروئی کی ہوگی، قیامت کے دن اس کا بھی حساب ہوگا، اور مظلوم کو ظالم سے پورا پورا بدلا دلایا جائے گا۔ الغرض خدا تعالیٰ کے انصاف کے دن کا نام ''قیامت'' ہے، جس میں نیک و بد کو چھانٹ دیا جائے گا، ہر شخص کو اپنی پوری زندگی کا حساب چکانا ہوگا اور کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔ ''قیامت'' کا لغوی معنیٰ ہے ''کھڑا ہونا''، چونکہ اس دن سب لوگ اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے اس لئے اسے قیامت کہا جاتا ہے۔

۶:... ''اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان لانے'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ کارخانۂ عالم آپ سے آپ نہیں چل رہا، بلکہ ایک علیم و حکیم ہستی اس کو چلا رہی ہے۔ اس کائنات میں جو خوشگوار یا ناگوار واقعات پیش آتے ہیں وہ سب اس کے ارادہ و مشیت اور قدرت و حکمت سے پیش آتے ہیں۔ کائنات کے ذرہ ذرہ کے تمام حالات اس علیم و خبیر کے علم میں ہیں اور کائنات کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ نے ان تمام حالات کو، جو پیش آنے والے تھے، ''لوحِ محفوظ'' میں لکھ لیا تھا۔ بس اس کائنات میں جو کچھ بھی وقوع میں آرہا ہے وہ اسی علم ازلی کے مطابق پیش آرہا ہے، نیز اسی کی قدرت اور اسی کی مشیت سے پیش آرہا ہے۔ الغرض کائنات کا جو نظام حق تعالیٰ شانہ نے ازل ہی سے تجویز کر رکھا تھا، یہ کائنات اس طے شدہ نظام کے مطابق چل رہی ہے۔

اسلام کے اَرکانِ خمسہ

[حدیث:۲] ''عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ عَلٰی اَنْ یُّوَحَّدَ اللّٰہَ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ

الزَّكٰوةِ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ وَقَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عُمَرَ اَلْحَجُّ وَصِيَامُ رَمَضَانَ قَالَ لَا صِيَامُ رَمَضَانَ وَالْحَجُّ هٰكَذَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُرْوٰى شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔“

(متفق علیہ، مسلم: کتاب الایمان، باب بیان ارکان الاسلام، حدیث: ۱۱۱)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: ① اللہ کو ایک ماننے پر، ② نماز قائم کرنے پر، ③ زکوٰۃ ادا کرنے پر، ④ رمضان کے روزے رکھنے پر، ⑤ بیت اللہ شریف کا حج کرنے پر۔ کسی آدمی نے کہا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے کہ ”حج اور رمضان کے روزے رکھنا؟“ فرمایا: نہیں! رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا، میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ گواہی دینا اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور بیت اللہ شریف کا حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے ایک اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں یعنی کلمہ شریف کی گواہی دینا دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکوٰۃ دینا، چوتھے رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور پانچویں بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کو بیان کر رہے تھے تو کسی صاحب نے کہا کہ حضرت حدیث یوں نہیں ہے بلکہ یوں ہے کہ چوتھے نمبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ذکر فرمایا۔ بیت اللہ کے حج کرنے کا اور پانچویں نمبر پر رمضان کے روزے رکھنے کا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہیں بھائی میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سنا ہے، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا، یہ روایت بھی صحیح ہے، اوران صاحب نے جو لقمہ دیا کہ بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا یہ روایت بھی صحیح ہے، چنانچہ اگلی روایت میں اس کو ذکر فرمایا گیا ہے اور یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے معلوم ہوتا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو محفوظ کیا اور ایک موقع پر دوسری طرح ارشاد فرمایا۔

تو یہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کوئی آدمی سچے دل کے

ساتھ یہ کلمہ پڑھ لے تو (۸۰) اسی سال کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں اور اپنے تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ گویا آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے کلمے کو قبول فرمائے۔

سب سے پہلا فرض جو آدمی پر فرض ہوتا ہے وہ نماز پڑھنا ہے، نماز بھی پڑھے اور نماز کو سیکھ بھی لے، ہمیں جیسے عورتوں نے پڑھا دیا بچپن میں ویسے ہم نے پکا کر لیا، کبھی کسی کو سنایا نہیں کہ میں صحیح پڑھتا ہوں یا غلط پڑھتا ہوں اور شاید ہمیں اس سے کچھ شرم بھی آتی ہوگی۔ کچھ عار بھی آتی ہوگی یہ تبلیغ والے اچھے لوگ ہیں یہ آدمیوں کو گھیر گھار کے لے جاتے ہیں کم سے کم نمازیں تو صحیح کروا دیتے ہیں، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس لئے میں تمام دوستوں سے درخواست کروں گا کہ نماز سیکھنے کے لئے تبلیغ میں نکل جاؤ، بھائی! ہم نے نمازیں پڑھ لی ہیں لیکن بہت سی غلطیاں ہونگی اس میں، رمضان المبارک میں ہم اعتکاف میں یہاں مذاکرہ کرتے تھے، بہت سے ساتھی ایسے ہیں جن کے تلفظ صحیح نہیں، ان کے الفاظ صحیح نہیں۔ اب کہنا تو مشکل ہے کہ تمہاری نماز غلط ہے ایسا تو نہیں ہم کہیں گے لیکن یہ کہیں گے کہ زیادہ سے زیادہ صحیح کرنے کی کوشش کریں، میں جب تبلیغ میں جایا کرتا تھا تو تبلیغ والے مذاکرہ کرتے تھے نماز وغیرہ کا، سب سے پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ بھائی! اصل نماز تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے اور ہم لوگ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرتے ہیں لیکن ضروری ہے کہ بھائی یہ نقل بھی کچھ صحیح ہو، تو بہر حال نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے، کلمہ شہادت کے بعد دوسرا رکن نماز ہے۔

ہمارے شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب ''فضائل اعمال'' میں فضائل نماز کا ذکر ہے، کبھی توفیق ہو تو وہ کتاب لے کر پڑھیں، اس کے کتنے فضائل ہیں اور کتنی قیمتی چیز ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ کتنی وعید ہے نہ پڑھنے پر، صحیح نہ پڑھنے پر، نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا اس کی کتنی فضیلت ہے اور ویسے ہی ٹرخا دینا بغیر جماعت کے اس پر کتنی وعید ہے؟ ہاں کبھی مجبوری ہو جائے، جماعت نہ مل سکے تو وہ دوسری بات ہے ورنہ حتی الوسع نماز جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہئے۔

اور تیسرا نمبر ہے زکوٰۃ ادا کرنا، یہ مالی حق ہے، مالداروں پر فرض ہے جن کے پاس مال نہ ہو ان پر نہیں ہے۔

چوتھے نمبر پر رمضان شریف کے روزے رکھنا، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اگر صحیح طور پر آدمی رمضان المبارک کے روزے رکھے تو ایک سال کے گناہ پچھلے اور ایک سال کے گناہ اگلے دو سالوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

پانچویں نمبر پر ذکر فرمایا بیت اللہ شریف کے حج کا، حج کے بارے میں اتنی بات کہہ دینا کافی ہے کہ

جو شخص صحیح طور پر حج کرے، کوئی گڑبڑ نہ کرے، کسی حکم کے خلاف نہ کرے، کوئی گالی گلوچ نہ کرے یعنی صحیح طور پر حج کرے تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے گویا کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آج پیدا ہوا ہے اور بہت سے فضائل ہیں۔

اسلام کیا ہے؟

[حدیث:۳] ”عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ خَمْسُ صَلٰوةٍ فِي الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ قَالَهُ لِرَجُلٍ سَئَلَهُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهٗ فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ وَ ذَكَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ زَكٰوةً فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَ هُوَ يَقُوْلُ وَ اللّٰهِ لَا أَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَ لَا أَنْقُصُ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ وَ يُرْوٰى أَفْلَحَ وَ أَبِيْهِ إِنْ صَدَقَ أَوْ قَالَ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ أَبِيْهِ إِنْ صَدَقَ۔“

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب بیان الصلوات التی هی احد، حدیث:۱۰۰)

ترجمہ: ”حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی آیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے بارے میں سوالات کر رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں دن اور رات میں بس، اس نے کہا کہ کیا میرے ذمہ ان کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟ یعنی کوئی نماز ہے؟ فرمایا: نہیں، الا یہ کہ تو اپنی خوشی سے نفل پڑھے، آپ نے فرمایا اور رمضان کے مہینے کے روزے، اس نے کہا کیا ان کے علاوہ بھی میرے ذمے کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، الّا یہ کہ تو نفلی روزہ رکھے اور تذکرہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے سامنے زکوٰۃ کا، اس نے کہا کہ کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ تو نفلی صدقہ دے، پس پشت پھیر کر وہ آدمی چلا گیا اور وہ جاتے ہوئے کہہ رہا تھا اللہ کی قسم! نہ اس سے زیادہ کروں گا نہ اس سے کم کروں گا، پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کامیاب ہوگیا اگر سچا رہا اس میں اور یوں بھی روایت کیا گیا ہے کہ اس کے باپ کی قسم اگر اس نے سچ کہا، یا یہ فرمایا کہ وہ جنّت میں داخل ہوگیا اس کے باپ کی قسم اگر اس نے سچ کہا۔“

تشریح: اس حدیث میں مضمون واضح ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے بارے میں

کچھ پوچھنا چاہتا تھا، ہر ایک کو کلمہ شریف تو آتا ہی ہے، کلمہ شریف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اسلام میں داخل ہونے کی شرط ہے، اسلام میں داخل ہونے کے بعد جو فرائض تھے چار، ان میں سے آنحضرت ﷺ نے نماز کو ذکر فرمایا، تیسرے نمبر پر زکوٰۃ ذکر فرمائی اور زکوٰۃ کا نصاب بیان فرمایا کہ کتنی زکوٰۃ دی جائے گی، حج اس وقت فرض نہیں ہوا تھا اس لئے اس کا تذکرہ نہیں فرمایا۔ غرضیکہ یہ تین چیزیں آنحضرت ﷺ نے ذکر فرمائیں پانچ نمازیں، رمضان کے روزے اور زکوٰۃ، وہ ہر ایک چیز کے بارے میں پوچھتا رہا کہ میرے ذمے اس کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟ پانچ نمازوں کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں نفل پڑھ لو تو تمہاری مرضی، رمضان کے روزے کے بارے میں فرمایا کہ تمہارے ذمے کوئی اور چیز نہیں، زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد تمہارے ذمے کوئی چیز نہیں الاّ یہ کہ تم نفلی صدقہ دے دو، اتنی بات سنی، سن کر وہ شخص چلا گیا اور جاتے ہوئے کہنے لگا:

”وَاللهِ لَا أَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا أَنْقُصُ“ ”اللہ کی قسم نہ اس سے زیادہ کروں گا نہ کم کروں گا“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ“ یا: ”أَفْلَحَ وَأَبِيْهِ إِنْ صَدَقَ“ یا فرمایا: ”دَخَلَ الْجَنَّةَ وَأَبِيْهِ إِنْ صَدَقَ“۔

یہ اگر سچ کہتا ہے تو جنّت میں داخل ہو جائے گا یعنی جنتی ہے۔ اس پر یہ اِشکال ہوتا ہے کہ وہ تو قسم کھا کر کہتا ہے میں اس سے زیادہ نہیں کروں گا، یعنی نہ زیادہ کروں گا نہ کم کروں گا، جواب یہ ہے کہ جتنا آپ ﷺ نے فرمایا اس میں اضافہ نہیں کروں گا، اپنی طرف سے اضافہ نہیں کروں گا، باقی الا ان تطوع مگر یہ کہ نفل پڑھے، یہ تو خود حضور ﷺ بیان فرما چکے تھے اس لئے اس کے خلاف قسم نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا نہ اس پر اضافہ کروں گا نہ کمی کروں گا۔

اِسلام دِینِ فطرت ہے

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران:۱۹)

ترجمہ: ”بیشک دِینِ برحق اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔“

تشریح: اسلام خالق کائنات کا آخری پیغام ہدایت ہے جو انسانیت کی رہنمائی، اس کی کامیابی اور اس کی دُنیوی واُخروی سعادت کے لئے نازل کیا گیا ہے اس لازوال نعمت کا جتنا شکر بجالائیں کم ہے کہ آج دین اسلام کے سوا سطح زمین پر کوئی ایسا نظام زندگی موجود نہیں جس کا کوئی بدل ہو، جسے خود خالق کائنات نے انسانی فطرت کے لئے ناپ تول کر تجویز کیا ہو، اور جس کا ایک ایک حکم عقل وفطرت کے پیمانوں پر ٹھیک ٹھیک

پورا اُترتا ہو۔

آج کا دور تہذیب وتمدن اور عروج وترقی کا دور سمجھا جاتا ہے، ترقی نے انسان کے لئے وہ سہولتیں فراہم کردی ہیں جن کا ایک ڈیڑھ صدی پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا،لیکن اس ترقی نے بہت سی قوموں کو برخود غلط فہمی میں مبتلا کردیا ہے، انہوں نے اپنی کوتاہ نظری سے اسی مادی ترقی کو انسانیت کے لئے معراج سمجھ لیا، اور وحی الٰہی اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی راہنمائی کے بغیر اپنی عقل وفہم کی کمزور بنیادوں پر تہذیب وتمدن کی فلک بوس عمارتیں اٹھانا شروع کردیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کا ترقی یافتہ انسان باوجود سب کچھ ہونے کے بے چین اور بے قرار ہے، وہ آرام کی نیند سونے کے لئے مصنوعی ذرائع کا محتاج ہے، دل بہلانے کے لئے مختلف تفریحی مشاغل ڈھونڈتا ہے، اعصاب کو معطل کرنے کے لئے منشیات کی طرف دوڑتا ہے، جدید تمدن کے بوجھ تلے دب کر وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، وہ کس لئے پیدا ہوا؟ اس لئے کہ خالق فطرت نے انسانی فطرت کیلئے جو نظام تجویز کیا تھا، انسانیت کے ناخداؤں نے اس فطری نظام کو پس پشت ڈال دیا۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے وحی الٰہی کی روشنی میں انسانی قافلے کے لئے جو شاہراہ متعین کی تھی، دورِ جدید کا انسان اس شاہراہ سے بھٹک گیا، آج انسان تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں مگر فلاح وسعادت کی بلندیوں کی طرف نہیں بلکہ تباہی وہلاکت کے گڑھے کی جانب۔ آج انسانیت کی سب سے بڑی خیرخواہی یہی ہے کہ انسانیت کے بھٹکے ہوئے قافلے کو نشانِ منزل دیا جائے، سسکتی ہوئی جاں بہ لب انسانیت کا مداوا وحی الٰہی اور تعلیمات اسلامیہ سے کیا جائے۔ انسانیت کی خدمت کا یہ فریضہ عالم اسلام کے قائدین پر عائد ہوتا ہے اور اسلام کا مکمل طور پر عملی نفاذ ہی تہذیب کے خلاؤں میں بھٹکی ہوئی انسانیت کو فرحت و مسرت کا پیام جانفزا دے سکتا ہے۔

اس فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مسلمانوں کو چار چیزوں کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ انہیں اسلام کی افادیت پر غیر متزلزل ایمان ویقین ہونا چاہئے جس طرح سورج ہزاروں برس سے ہر صبح نکلتا ہے اور ہر شام کو غروب ہوتا ہے، اور آج تک کسی ذی ہوش کو اس کی روشنی کی افادیت میں شک نہیں ہوا اور نہ کوئی شخص اس میں کسی جدّت کا خواستگار ہے، نہ اس کی کہنگی سے کوئی اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح اسلام کا آفتابِ ہدایت آج سے چودہ سو برس پہلے چمکا تھا آج بھی تابندہ ودرخشاں ہے، اور اس کی روشنی جس طرح اس وقت حیات بخش تھی آج بھی روح افزا ہے، اور جس طرح کل کامل ومکمل تھا آج بھی اس کا ہر ایک حکم کامل و مکمل ہے، زمانہ لاکھ بدلے مگر وہ سورج کی روشنی سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، اس طرح تہذیب وتمدن کے قافلے عروج وترقی کی خواہ کتنی ہی منزلیں طے کرلیں مگر وہ نور اسلام سے بے نیاز نہیں ہوسکتے۔ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں ایمان نہ ہو وہ شاہراہ حیات میں کوئی پیش قدمی نہیں کرسکتے اور نہ وہ دنیا کی رہنمائی

کے اہل ہو سکتے ہیں۔ ماضی قریب میں مسلمانوں پر جو کفر کے سائے محیط ہوئے اور انہیں دنیا کی امامت کا منصب چھوڑ کر غلامی اختیار کرنا پڑی اس کا بڑا سبب ان کی ایمانی کمزوری تھی، اب پھر ان کو قیادت و امامت کا علم ہاتھ میں لینا ہے تو انہیں غیر متزلزل ایمان و یقین پیدا کرنا ہوگا۔

دوسری چیز عمل کی غیر معمولی قوت ہے، آپ کے پاس اگر اچھی دوائی موجود ہو، جب تک آپ اسے استعمال نہیں کرتے اس سے صحت و شفا بخشی کی توقع نہیں کر سکتے۔ اسی طرح صرف ہماری نہیں، بلکہ پوری انسانیت کی تمام مشکلات اور بیماریوں کا حل اسلام ہے۔ لیکن کب؟ جب کہ ہم اسے استعمال بھی کریں، یہ کہ اسلام میں تفریق نہ روا رکھی جائے کہ اس کے بعض پر عمل کر لیا اور بعض کو معطل چھوڑ دیا بلکہ حق تعالیٰ شانہ نے ہماری زندگی سے متعلق جو احکام دیئے ہیں انہیں مکمل طور پر اپنایا جائے اور عبادات نیز اخلاق، معاشرت، معاملات، تعزیرات اور سیاست کے تمام شعبوں میں ترویج دی جائے۔

اور چوتھی اور آخری چیز یہ کہ صرف اسلام کو خود اپنانے اور اس سے خود مستفیض ہونے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ تمام احکام پر عمل اور قول و فعل سے اس کی دعوت دی جائے۔

دراصل یقین اور دعوت یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ اگر یہ کسی کو میسر آجائیں تو اسے بھی چمکا دیتی ہیں اور پورا معاشرہ بھی اس سے ترقی کرتا ہے، اور اگر صحیح چیز سے کوئی محروم ہو جائے تو اس کی افادیت مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ایک پانچویں چیز بھی ضروری ہے جس کی بہت افادیت ہے اور وہ یہ کہ ان تمام غیر اسلامی رکاوٹوں کو صاف کیا جائے جو اس کے راستے میں حائل ہیں، ان تمام غیر اسلامی بنیادوں کو اکھاڑ دیا جائے جو معاشروں نے استوار کی ہیں، ان ساری غلطیوں کی اصلاح کی جائے جو جہالت کی بدولت ہمارے معاشرے میں رچ بس گئی ہیں۔

صراطِ مستقیم کی نشاندہی

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝۵﴾ (الفاتحہ)

ترجمہ: ”اے اللہ! دکھا ہم کو سیدھی راہ“

تشریح: صراطِ مستقیم نام ہے آنحضرت ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین کے راستہ کا، اسی صراطِ مستقیم کا مختصر عنوان اسلام ہے اور قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے پاک ارشادات اسی کی تشریح کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے پا کر جتنے اعمال اُمّت کو بتائے ہیں اور جس جس وقت کے لئے جو جو عمل بتایا، اپنے اپنے درجہ کے مطابق ان سب کا بجالانا ضروری ہے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی معمولی اور حقیر سمجھنا درست نہیں، اگر ایک ہی وقت میں کئی عمل جمع ہو جائیں تو ہمیں یہ اصول بھی بتا دیا گیا ہے کہ کس کو

مقدم کیا جائے گا اور کس کو مؤخر؟ مثلاً: ایک شخص ڈوب رہا ہے تو اس وقت اس کو بچانا پہلا فرض ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے کوئی نابینا آدمی کنویں یا کسی گڑھے میں گرنے لگے تو نماز کو توڑ کر اس کی جان بچانا فرض ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم مسجد تک محدود نہیں اور وہ شخص احمق ہے جو اسلام کو مسجد تک محدود سمجھتا ہے، لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ مسجد والے اعمال ایک زائد اور فالتو چیز ہیں، بلاشبہ اسلام صرف نماز، روزے اور حج وزکوٰۃ کا نام نہیں، لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ یہ چیزیں غیر ضروری ہیں، نہیں! بلکہ یہ اسلام کے اعلیٰ ترین شعائر اور اس کی سب سے نمایاں علامتیں ہیں، جو شخص دعوائے مسلمانی کے ساتھ نماز اور روزے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اس کے قدم ''صراطِ مستقیم'' کی ابتدائی سیڑھیوں پر بھی نہیں، کجا کہ اسے صراطِ مستقیم پر قرار و ثبات نصیب ہوتا۔

رہی یہ بات کہ جب ہم صراطِ مستقیم پر قائم ہیں تو پھر اس کی دعا کیوں کی جاتی ہے کہ: ''دکھا ہم کو سیدھی راہ''، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ ایک ہے صراطِ مستقیم پر قائم ہوجانا اور دوسری چیز ہے صراطِ مستقیم پر قائم رہنا۔ یہ دونوں باتیں بالکل جدا جدا ہیں، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص آج صراطِ مستقیم پر ہے لیکن خدانخواستہ کل اس کا قدم صراطِ مستقیم سے پھسل جاتا ہے اور وہ گمراہی کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کی تلقین کردہ دُعا ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ حال اور مستقبل دونوں کو جامع ہے اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ آئندہ کا کوئی بھروسہ نہیں، اس لئے آئندہ کے لئے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی دعا کی جاتی ہے کہ: ''اے اللہ! جس طرح آپ نے محض اپنے لطف و کرم سے ہمیں اپنے مقبول بندوں کے راستہ صراطِ مستقیم پر ڈال دیا ہے، آئندہ بھی ہمیں مرتے دم تک اسی پر قائم رکھئے۔''

ایمان ضروریاتِ دین کو ماننے کا نام ہے

[حدیث:۴] ''عَنْ أَبِي مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللهِ حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ۔''

(رواہ مسلم: بَابُ الْأَمْرِ بِقِتَالِ النَّاسِ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، حدیث: ۳۴)

ترجمہ: ''حضرت ابو مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور جو چیز کہ اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے اس کا انکار کیا، تو اس کا مال اور خون حرام ہے، اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔''

تشریح: یہ حدیث کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے کی فضیلت میں ہے، جو شخص ’’لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ‘‘ پڑھے وہ مسلمان ہوجاتا ہے، جو بھی سچے دل سے یہ پڑھ لے وہ مسلمان ہوگیا، اس کا ایک دنیا کا حکم ہے، ایک آخرت کا۔ دنیا کا حکم یہ ہے کہ اس کا خون، اس کا مال مسلمانوں کے لئے حرام ہے، اب نہ اس کا مال لے سکتے ہیں، نہ اس کا خون بہا سکتے ہیں۔ اور آخرت کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں دوزخ کی آگ اس پر حرام کردیتے ہیں، اب رہی یہ بات کہ یہ کلمہ سچے دل سے پڑھتا ہے یا جان بچانے کے لئے؟ تو اس کے لئے فرمایا: ’’وَ حِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ‘‘ اس کا حساب اللہ پر ہے، اللہ تعالیٰ خود نمٹ لیں گے، بہر حال جو شخص ’’لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ‘‘ کا اقرار کرتا ہو، ہم اس کو مسلمان سمجھیں گے۔

یہاں پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ’’لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ‘‘ کا اقرار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تمام ضروریاتِ دین کا اقرار کرنا، اور ضروریاتِ دین سے مراد ہے دین اسلام کی وہ باتیں جن کو ہر شخص جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بیان کیا ہے، عام اور خاص سب جانتے ہیں، حتیٰ کہ کافر تک جانتے ہیں کہ یہ بات دین اسلام کی ہے، اور پوری کی پوری اُمّت ہمیشہ سے اس کی قائل چلی آتی ہے، ایسی چیزوں کو ’’ضروریات دین‘‘ کہا جاتا ہے، جو شخص ’’لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ‘‘ کا اقرار کرے گا اس کے معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کی ایک ایک بات کو مانے گا۔

فرض کرلیجئے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایک شخص ’’لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ‘‘ کا اقرار کرتا ہے لیکن یہ بھی کہتا ہے کہ: ’’یہ جو آپ نماز پڑھتے ہیں، اس کو میں نہیں مانتا‘‘ تو ایسا شخص مسلمان نہیں کہلائے گا، ’’یہ جو رمضان میں روزے کا اور سال بعد زکوٰۃ ادا کرنے کا یا حج کرنے کا یا قربانی کا حکم دیتے ہیں، یہ نہیں مانتا، یہ تو ایسی ہی بات ہے‘‘ ایسا کہنے والا شخص مسلمان نہیں کہلائے گا، کیونکہ دین کی کسی ایک بات میں بھی رسول اللہ ﷺ کی بات کو نہ ماننا، یہ کفر ہے۔ اور یہ ’’لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ‘‘ کے خلاف ہے۔

اسی طرح ہمارے زمانے میں فرض کرلو ایک شخص ’’لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ‘‘ کا اقرار کرتا ہے لیکن کہتا ہے کہ: ’’یہ پانچ نمازیں مولویوں کی بنائی ہوئی ہیں‘‘ ایسے لوگ ہیں، یہ فرضی مثالیں نہیں ہیں، یہ جتنے بھنگ پینے والے ہیں بے دین مزاروں پر بیٹھے ہیں ان میں ایسے بھی ہیں جو نماز روزے کے قائل نہیں، زکوٰۃ کے قائل نہیں، یہ سارے کے سارے اسماعیلی، باطنی ہیں، نماز روزے کے قائل نہیں، ایک ملنگ سے میں نے پوچھا تھا کہ: ہمارے نبی کا اسمِ گرامی کیا تھا؟ اس نے کہا: ’’مجھے تو پتا نہیں!‘‘ ان کی ساری معرفت بھنگ پینے پر ہے۔ یہ شخص باوجود ’’لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ‘‘ کے اقرار کے مسلمان نہیں کہلائے گا، ’’الاشباہ والنظائر‘‘ کتاب میں لکھا ہے:

’’إِذَا لَمْ يَعْرِفْ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ فَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ‘‘

جو شخص نبی ﷺ کو آخری نبی نہ جانے، نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہے، چاہے ہزار مرتبہ روزانہ کلمہ کیوں نہ پڑھا کرے، اس لئے کہ ''خاتم النّبیین'' قرآن کا ارشاد ہے، مرزائی کہتے ہیں کہ: ''ہم بھی عیسیٰ کو مانتے ہیں، تم بھی عیسیٰ کو مانتے ہو، ہم کہتے ہیں عیسیٰ آ گیا، تم کہتے ہو عیسیٰ آنے والا ہے'' اس کی مثال ایسی ہے کہ نعوذ باللہ! کوئی شخص کتاب تصنیف کر لے اور بعد میں کہے کہ یہ قرآن ہے، اور پھر لوگوں سے کہے کہ: ''تم بھی قرآن کو مانتے ہو، ہم بھی قرآن کو مانتے ہیں، اس میں اشکال ہے کہ قرآن کون سا ہے؟ یہ قرآن ہے یا وہ جو تم پڑھتے ہو؟ قرآن کو ماننے پر تو اتفاق ہے'' اگر کہا جائے کہ یہ شخص قرآن کو مانتا ہے تو کیا ہم مان لیں گے؟ ہرگز نہیں! تو ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کا اقرار کرنے کا معنی ہے آنحضرت ﷺ کے دین کو کامل طور پر ماننا، آپ کے لائے ہوئے دین کی کسی قطعی یقینی بات کو اگر کوئی شخص نہیں مانتا، ایک بات کو نہیں مانتا، وہ مسلمان نہیں، وہ پکّا کافر ہے، بے ایمان ہے، لوگ دھوکا دیتے ہیں اور کھاتے ہیں کہ بھئی کلمہ گو کو کافر نہیں کہنا چاہئے۔

ہمارے حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ہم کسی کو کافر بناتے نہیں، بتاتے ہیں، ایک نقطے کا فرق ہے، ہم کسی کو کافر نہیں بناتے، بتاتے ہیں کہ یہ بات جو تم کہہ رہے ہو یہ کفر ہے، یہ کفر کی بات کہہ رہا ہے۔

علّامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ردّ المحتار میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص عیسائی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانتا ہے، ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' بھی کہتا ہے، ان عیسائیوں میں بھی موحد ہوتے ہیں اور نبی ﷺ کو نبی بھی مانتے ہیں، لیکن وہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ صرف عربوں کے لئے نبی ہیں، نبی ہیں لیکن صرف عربوں کے ہیں۔ وہ ہمارا لڑکا رحمت اللہ بتایا کرتا ہے کہ سکھوں کے چولے پر یعنی بابا نانک کے چولے پر لکھا ہے ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' وہ کہتے ہیں ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' ہمارے لئے ہے، اور ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' مسلمانوں کے لئے ہے۔ اس کلمے کو مانتے ہیں اس لئے کہ ان کے گرونانک کے گرنتھ (یہ ان کی مقدّس کتاب کا نام ہے) میں لکھا ہوا ہے، لیکن وہ مسلمان نہیں۔ تو علّامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عیسائیوں کے لئے چونکہ ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا اقرار بھی کرنا ہے صرف کلمہ پڑھ لینا مسلمان ہونے کے لئے کافی نہ ہوگا، بلکہ ''التَّبَرِّي عَنْ كُلِّ دِيْنٍ سِوَاهُ'' اسلام کے علاوہ تمام دینوں سے بیزاری کا اعلان کرنا بھی شرط ہوگا، اب یہ مسلمان ہوگا۔ اسی طرح مرزائیوں کے بارے میں سمجھ لو کہ یہ ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پڑھتے ہیں اُوپر لکھ کر منافقت کے لئے لگاتے بھی ہیں، ہمارے دل میں ہوتا ہے، ان کے سینے پر ہوتا ہے، اندر نہیں، تو صرف یہ پڑھنے سے وہ مسلمان نہیں ہوں گے جب تک کہ دینِ مرزائیت سے بیزاری کا اعلان نہ کریں اور غلام احمد کو ملعون، بے ایمان اور کافر نہ سمجھیں۔

ایمان لانا جنّت میں داخلے کا سبب ہے

[حدیث:۵] ”عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُولُ، مَنْ لَقِیَ اللّٰہَ لَا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئاً دَخَلَ الْجَنَّۃَ، وَمَنْ لَقِیَہٗ یُشْرِکُ بِہٖ دَخَلَ النَّارَ۔“

(رواہ مسلم: بَاب مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، حدیث: ۱۳۵)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اللہ سے ملاقات کی اس حال میں کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو، وہ ضرور جنّت میں داخل ہوگا، اور جو شخص اللہ سے ملا کہ وہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا تھا وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔“

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملے اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا، وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ اور جو شخص کہ اللہ کے سامنے جائے اس حالت میں کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا تھا، وہ جہنّم میں داخل ہوگا۔ مشرک، شرک کرنے والا جنّت میں داخل نہ ہوگا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:۴۸)

ترجمہ: ”اللہ بخشیں گے نہیں اس گناہ کو کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے، اور بخش دیں گے اس سے نیچے کے گناہوں کو جس کو چاہیں گی۔“

تو شرک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ناقابلِ معافی جرم ہے، اس کی معافی نہیں اور اسی طرح کفر بھی، اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو نہ ماننا کفر ہے، کسی حکم کا مذاق اڑانا، اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا، یہ نہ ماننے کی علامت ہے، تو ایسا شخص کافر ہے اور کافر اور مشرک ان دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ ان کی بخشش نہیں ہوگی، اور جو شخص کہ کفر و شرک کا مرتکب نہ ہو، مسلمان ہو، خواہ کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، کسی نہ کسی وقت میں اس کی بخشش ہو جائے گی۔

اِیمان لانا نجات کا سبب ہے

[حدیث:۶] ”عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَا

يَسْمَعُ بِيْ أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُوْدِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ وَّلَا يُؤْمِنُ بِالَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهٖ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ۔'' (رواہ مسلم: بَاب وُجُوبِ الْإِيمَانِ بِرِسَالَةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حدیث: ۲۱۸)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اس کے قبضے میں ہے ''نہیں سنے گا مجھے کوئی شخص اس اُمّت میں سے یہودی، نصرانی اور مجھ پر ایمان نہیں لائے گا جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں مگر وہ دوزخیوں میں سے ہوگا۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ اس ذات کی قسم کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان جس کے قبضے میں ہے، میرے بارے میں کوئی آدمی اس اُمّت میں سے نہیں سنے خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو اور پھر مجھ پر ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کریں گے، اُمّت دو قسم کی ہے ایک اُمّت دعوت ہے اور ایک اُمّت اجابت ہے۔ اُمّت دعوت کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد تمام کے تمام انسان وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں داخل ہو گئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کی دعوت کے لئے بھیجا گیا ہے، یہودی ہو نصرانی ہو، مجوسی ہو کوئی اور ہو وہ سارے کے سارے اُمّت دعوت ہیں اور دوسری ہے اُمّت اجابت یعنی وہ لوگ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر لبیک کہا اور آپ کی دعوت کو قبول کر لیا۔

کلمہ پڑھنے والے کے لئے جنّت کی بشارت

[حدیث:۷] ''حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ: كُنَّا قُعُودًا حَوْلَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَنَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فِي نَفَرٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا وَخَشِينَا أَنْ يُقْتَطَعَ دُونَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا، فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ أَبْتَغِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَتَيْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ لِبَنِي النَّجَّارِ، فَدُرْتُ بِهٖ هَلْ أَجِدُ لَهٗ بَابًا؟ فَلَمْ أَجِدْ، فَإِذَا رَبِيعٌ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ، وَالرَّبِيعُ الْجَدْوَلُ، فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ، فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَبُو هُرَيْرَةَ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ مَا شَأْنُكَ؟ قُلْتُ: كُنْتَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَأَبْطَأْتَ عَلَيْنَا فَخَشِينَا أَنْ تُقْتَطَعَ دُونَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ، فَأَتَيْتُ هٰذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَهٰؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِي، فَقَالَ: يَا أَبَا

هُرَيْرَةَ! وَأَعْطَانِي نَعْلَيْهِ قَالَ: اذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ......" (صحیح مسلم: بَابُ الدَّلِيلِ عَلٰى أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى التَّوْحِيدِ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَطْعًا، حدیث نمبر: ۴۶)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم بیٹھے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمارے ساتھ ابوبکر و عمر بھی تھے ایک جماعت صحابہ کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں سے اُٹھ کر باہر تشریف لے گئے جنگل کی طرف واپسی میں تاخیر فرمادی تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے ورے ورے کوئی نقصان نہ پہنچایا گیا ہو کسی نے کوئی ایذا نہ پہنچائی ہو اتنی دیر کیوں ہوگئی، ہم گھبرا گئے اور گھبرا کر اُٹھے، میں سب سے پہلا شخص تھا جو گھبرایا اور گھبرا کر اُٹھا، چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا اور تلاش کرتا کرتا انصار کے ایک باغ کے قریب پہنچ گیا جس کے اردگرد دیوار بنی ہوئی تھی لیکن مجھے کوئی اندر جانے کا راستہ نہیں ملا کہ کیسے اندر جائیں؟ کوئی دروازہ مجھے نظر نہیں آیا، دوسری طرف ہوگا، تو میں نے دیکھا کہ پانی کی ایک نالی (کھالہ) وہ باغ کے اندر جارہی ہے باہر سے اس دیوار کے نیچے سے ہوکر، کہتے ہیں کہ میں اس طرح سمٹا جس طرح لومڑی سمٹتی ہے اور اس میں سے گھس گیا آگے اس نالی میں سے گھس کر کے آگے چلا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما تھے، مجھے دیکھتے ہی فرمایا: ابوہریرہ! میں نے کہا: جی، فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں سے اُٹھ کر تشریف لے آئے اور واپسی میں تاخیر فرمادی بہت! ہم تو سب لوگ پریشان ہوگئے تھے کہ خدانخواستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی صدمہ پہنچا ہے ہم سب گھبرا کر کے اُٹھے پریشان ہوکر کے اور مختلف علاقوں میں تلاش کے لئے نکل گئے، میں اس طرف آگیا، حضور مجھے مل گئے، فرمایا: ابوہریرہ! یہ میرے دونوں جوتے لے لو جو شخص تمہیں ملے **لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ** کی گواہی دیتا ہو اس کو جنّت کی خوش خبری دے دو، دل کے یقین کے ساتھ **لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ** کی گواہی دیتا ہو اس کو جنّت کی خوشخبری سنادو۔''

تشریح: فرماتے ہیں کہ میں نے خوش ہوکر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے اُٹھائے اور چل پڑا، چلتے چلتے راستے میں جو سب سے پہلا آدمی ملا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، مجھے کہا کہ ابوہریرہ! کدھر جارہے ہو؟ میں نے کہا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے ہیں اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی سب سے پہلے تمہیں

ملے اسے جنّت کی خوش خبری دے دو اور آگے بھی جو ملتے جائیں ان کو خوش خبری دیتے جاؤ، فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے سینے میں ایک مکّا مارا اور میں اپنے سُرین کے بل گر گیا اور کہا: ابو ہریرہ! واپس لوٹو جدھر سے آئے ہو۔ کہتے ہیں میں رونے لگا اور روتا روتا آگے جا رہا ہوں، عمر رضی اللہ عنہ میرے پیچھے آرہے ہیں، میں وہیں پہنچ گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور پوچھا کہ ابو ہریرہ! کیا بات ہوئی؟ کہا کہ: حضور! آپ نے مجھے نشانی دے کر بھیجا تھا اور یہ خوشخبری دی تھی کہ جو بھی آدمی ملے تم اس کو جنّت کی خوشخبری دے دینا، میری قسمت کہ سب سے پہلے مجھے عمر رضی اللہ عنہ ملے، انہوں نے مجھے مارا میں پیچھے کی طرف گر گیا، اُٹھا اور روتا ہوا آپ کے پاس پہنچ گیا اور یہ عمر میرے اُوپر چڑھ آرہے ہیں، اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ عمر! کیا قصہ ہوا؟ کہنے لگے کہ: حضور! آپ نے بھیجا ہے ابو ہریرہ کو خوشخبری دینے کے لئے؟ اِرشاد فرمایا: جی ہاں! میں نے بھیجا تھا، عرض کیا: حضور! ایسا نہ کیجئے، لوگ اِعتماد کر کے بیٹھ جائیں گے، عمل چھوڑ دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چلو پھر ان کو چھوڑ و جاؤ اور ابو ہریرہ سے کہتے ہیں کہ ہماری خوشخبری ہمیں واپس کر دو۔

یہ واقعہ صحیح مسلم میں مروی ہے، یہاں بہت مختصر کر کے فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ لمبی حدیث ذکر کی ہے پورا واقعہ ذکر نہیں کیا، یہاں ابتدائی حصہ ذکر کیا تھا اور آخر میں صرف اتنا ذکر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ کو فرمایا تھا کہ: اِذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ جاؤ یہ جوتے لے جاؤ اور اس دیوار سے پیچھے جو آدمی تمہیں ملے يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ دل کے یقین کے ساتھ اور اطمینان کے ساتھ وہ شہادت دیتا ہو اللہ کی توحید اور وحدانیت کی اس کو جنّت کی خوشخبری سنا دو۔

یہی حدیث متعدّد مسائل پر مشتمل ہے، چند کی طرف مختصراً اشارہ کرتا ہوں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اُٹھ کر تشریف لے گئے، بتا کر نہیں گئے اور بظاہر یہی کہ انسانی ضرورت کے لئے آدمی جاتا ہے، جنگل کی طرف گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی میں دیر ہوئی تو صحابہ کرام اس سے بے چین ہو گئے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی سچّی محبّت اور ان کے قلبی تعلق کی علامت تھی جس سے قلبی تعلق ہوتا ہے اس کی غیر حاضری سے آدمی بے چین ہو جاتا ہے اور یہی قلبی تعلق ہے جو برکات کی کنجی بنتا ہے اس کے بغیر کچھ نہیں جب تک کسی اللہ کے نیک بندے سے ایسا تعلق پیدا نہیں ہو گا اس وقت تک کام نہیں چلے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوش قسمتی یہ تھی کہ ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ان کو نصیب ہوئی جو بقول ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب دامت برکاتہم کے کہ عالم کائنات میں اس سے بہتر تصویر اللہ تعالیٰ نے نہیں بنائی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر ہستی اللہ نے نہیں بنائی عالم کائنات میں، اس سے زیادہ محبوب

تر اور پسندیدہ تر ہستی نہیں بنائی اللہ نے جس کی ہر ادا محبوبیت لئے ہوئے تھے ایک تو اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ ہستی نصیب فرمائی۔

دوسرے جیسا محبوب تھا عشق بھی ان کو ویسا ہی عطا کیا، عشق بھی محبوب کے مطابق عطا کیا جیسا محبوب عطا کیا ان کو ویسی ہی محبّت بھی عطا کی ان کو صحابہ کرام کو، ان کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے محبت اور قلبی تعلق بھی وہ نصیب فرمایا کہ لوگ لیلیٰ مجنون کے عشق کے قصے بھول جائیں اگر صحابہ کرام کا رسول اللہ ﷺ سے عشق ان کے سامنے آجائے، حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں بھی رسول اللہ کی محبّت نصیب فرمائیں اور آنحضرت ﷺ کی محبّت کے طفیل رسول اللہ ﷺ کے جو سچے اُمتی اور اللہ کے نیک بندے ہیں ان کی محبّت ہمیں نصیب فرمائے کہ یہی تمام برکات کی کنجی ہے۔

تیسری بات: آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ بھائی کیا بات ہے؟ تو آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تھی صحابہ پریشان ہوگئے، جس طرح آنحضرت ﷺ سے صحابہ کرام کو محبّت تھی اسی طرح آنحضرت ﷺ کی ذاتِ عالی کو صحابہ کرام سے بھی کامل شفقت اور محبّت تھی اور ان کی ادنیٰ پریشانی پر بے چین ہوجاتے تھے ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ (آل عمران:۱۵۹) یہ اللہ کی خاص رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم خو واقع ہوئے ہیں، آنحضرت ﷺ صحابہ کرام کی معمولی بے چینی کو بھی نہیں برداشت کر سکتے تھے اور یہ معمولی بات تھی ایک آدمی چلا جائے واپسی میں تھوڑی دیر ہوجائے تو معمولی بات ہے کہ کوئی ایسی لمبی چوڑی بات نہیں ہے، لیکن آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ صحابہ کرام کو اتنی جو پریشانی ہوئی ہے ان کے اس زخم پر بھی مرہم رکھا جائے اور اس بے چینی کے بدلے میں ان کو یہ خوشخبری عطا کی جائے اور وہ خوشخبری یہ تھی جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے کہ ابوہریرہ! اس دیوار سے پیچھے تمہیں جو شخص ایسا ملے جو **لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ** کی گواہی دیتا ہو جو بھی ملے دل کے اطمینان کے ساتھ اس کو جنّت کی خوش خبری دیں تو جن جن کو خوش خبری مل جائے گی ان کے لئے تو ظاہر بات ہے کہ نعمت عظمیٰ ہے یہ تو آنحضرت ﷺ کا اس خوشخبری کو خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر استعمال کرنا اس کا منشا تھا صحابہ کرام کو جو کلفت اور پریشانی ہوئی اس کا تدارک کرنا اور اس کی ان کو جزا دینا، ایک قسم کا بدلہ دینا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تو اتنی بات تو ثابت ہو ہی گئی کہ **فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ** کا مصداق عمر رضی اللہ عنہ ہی ہوگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہ خوش خبری مل گئی کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو ملے اور **لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ** کی گواہی دیتا ہو اس کو یہ خوشخبری دے دینا، یہ پیغام آنحضرت ﷺ کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک تو پہنچا دیا وہ تو خوشخبری کے مستحق ہوگئے یقیناً لیکن آگے انہوں

نے مکّا مار کے نیچے گرادیا کہ چلو جاؤ تم کہ طبیعتیں دو قسم کی ہوتی ہیں، بعض طبیعتیں وہ ہوتی ہیں جن کو خوشخبری دی جائے تو اور آگے بڑھتی ہیں اور بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر ان کو خوشخبری مل جائے تو چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں جو کر رہے ہیں وہ بھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ صرف اس خوشخبری پر اعتماد کر کے بیٹھ جائیں اور جو مجاہدہ اور ریاضت انہیں کرنا چاہئے وہ نہ کریں، اس لئے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا کہ بھائی! پیغام تم نے دینا تھا وہ تو مل گیا، ایک آدمی کو پیغام پہنچا دیا تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی، اب واپس چلو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ استصواب کرتے ہیں اگر آپ دوبارہ ارشاد فرمائیں گے تو چلے جانا، دوبارہ کوئی دُور تو نہیں مسافت، لیکن اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حکم واپس لے لیا تو پھر وہ پہلا حکم منسوخ۔

یہ میں نے ایک علمی سوال کا یہاں جواب دے دیا ہے بہت آسان لفظوں میں اور یہ آپ حضرات کی برکت ہے، اس سے پہلے میرے ذہن میں یہ بات کبھی نہیں آئی تھی، اسی وقت آئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رَدّ کرنا نہیں تھا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دینے کے لئے جو تمہیں مل جائے، اب ایک آدمی بھی مل گیا تو خوشخبری تو پوری ہوگئی۔

حکم کی تعمیل تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کر چکے، لیکن اب اس کی تبلیغ ہمیشہ چلتی رہے، آئندہ کے لئے اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دوبارہ پوچھ لیا جائے اپنا جو اِشکال ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ دریافت کر لیا جائے اگر آپ کہیں کہ نہیں، خوشخبری پہنچانی ہے ضرور، تو ٹھیک ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہو جائیں گے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی یہ مسئلہ سمجھیں کہ نہیں بھائی ٹھیک ہے رہنے دو بس تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم گویا منسوخ ہو گیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رد نہیں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم۔

رہا یہ کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ گر گئے تھے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میری طرح کمزور ہوں گے اور عمر رضی اللہ عنہ کی مثال موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک تھپڑ مارا تھا قبطی کو وہیں اس کا کام تمام ہو گیا تھا، یہ تو پھر گرے ہی تھے یوں جیسے ایک جاتا ہے اور کسی کو کہتا ہے چل پیچھے، معمولی دھکا دیا ہوگا، وہاں بھی عمری جلال تھا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیچارے صفہ کے طالب علم تھے، کمزور لاغر، پیچھے گر گئے ہوں گے، تو مقصود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم نبوی کو ردّ کرنا نہیں تھا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی توہین بھی مقصود نہیں تھی، ویسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو سب کے مرشد اور مربی تھے، لیکن خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حیثیت بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں مرشد اور مربی کی تھی، مرشد اور مربی کی حیثیت تھی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ راشد تھے، خود ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی جب واقعہ ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں: وَفِينَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ ہم میں جب ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس بیٹھے تھے وَفِينَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ تو اگر تادیب کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی معمولی سختی کا معاملہ بھی حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کیا ہو تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، یہ وہی عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو بڑے بڑے اکابر صحابہ کے سر پر درّہ مارا کرتے تھے، آخر ان کو وہ تربیت بھی تو دینی تھی نا! امیر المؤمنین کی تربیت بھی تو ان کو دی جا رہی تھی، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا، کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

ایک شبہ یہاں اور رہتا ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مصلحت کیوں سمجھ میں نہ آئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھ میں آئی انہوں نے سمجھا اور مشورہ دیا؟ ایک بات یہاں سن لیجئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث آپ پہلے سن چکے ہیں وہاں بھی بالکل یہی مضمون تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے، تین دفعہ فرمایا: **یامعاذ!** انہوں نے عرض کیا: **لَبَّیکَ یَا رَسُولَ اللہِ وَسَعْدَیکَ** پھر فرمایا: **یا معاذ!** پھر عرض کیا: **لَبَّیکَ یَا رَسُولَ اللہِ وَسَعْدَیکَ** اور اس کے بعد بالکل یہی مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ جس شخص نے صدق دل کے ساتھ **لَا إِلٰهَ إِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللہِ** کی شہادت دی اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کو حرام اور جنّت کو واجب کر دیں گے، اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: **أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوا** فرمایا: یارسول اللہ! میں یہ خوشخبری اور لوگوں کو نہ سناؤں؟ فرمایا: **إِذًا يَتَّكِلُوا** انہیں جانے دو ورنہ وہ بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے، **وَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا** حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اپنی وفات کے وقت بیان کی تھی گناہ سے بچنے کے لئے کہ ایسا نہ ہو کہ میں اس علم کو اپنے ساتھ لے جاؤں (صحیح بخاری ج:۸، ص:۴۵۹، حدیث نمبر: ۲۶۴۴، باب اسمِ الْفَرَسِ وَالْحِمَارِ)۔

یہ واقعہ تھا امانتِ نبوت ضروری تھا کہ اُمّت کے سپرد کرتے جائیں جاتے وقت، تو بالکل یہ مضمون جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہے ہیں یہی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمائی تھی، بات تو وہی ہے ایک بات تو یہ، تو چیز بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا حقیقت میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ دہرا رہے تھے۔

دوسری بات یہ یاد رہنی چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب صافیہ پر پاک دلوں پر علوم کا جو فیضان ہوتا تھا یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت تھی، گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک تو اپنے اوپر وحی نازل ہوتی تھی اور ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے صحابہ کرام کو القاء ہوتا تھا گو اس کو ہم وحی نہیں کہہ سکتے مگر جب وحی کی مہر اس پر لگے گی تو وہ بھی وحی بن جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے آ کر کہنے لگے: یارسول اللہ! آج میں نے ایک خواب دیکھا، کہنے لگے کیا مشورہ کر کے اُٹھے تھے کہ بھائی مدینہ طیبہ میں آئے ہیں تو نماز کی اطلاع کا کیا بندوبست کریں؟ کہنے لگے کہ جی میں نے خواب دیکھا ہے، خواب بھی نہیں کہہ سکتا ہوں اور بیدار بھی نہیں تھا، کچھ بیداری اور کچھ خواب کی سی حالت تھی کہ ایک آدمی جا رہا ہے اور اس کے کندھے پر سینگ کی شکل کا ایک بوق

(جس کے پھونکنے سے آواز نکلتی ہے) ہوتا تھا وہ کندھے پر رکھے جارہا ہے، میں نے کہا میاں تم ہمیں یہ بیچ نہیں دیتے؟ کہا تم اس کو کیا کرو گے؟ فرمایا: ہم اس کے ذریعے سے نماز کی اطلاع کیا کریں گے، کہنے لگے تمہیں نماز کے لئے اس سے اچھی چیز نہ بتادوں؟ کہا: کہ تمہاری بڑی مہربانی ہوگی اگر بتادو، عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنا خواب بیان کر رہے ہیں کہ حضور! وہ اُونچی جگہ کھڑا ہوگیا اور منہ قبلے کی طرف کرلیا، اور اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ یہ اُونچی اذان اور الفاظ کہنے لگا اور یہ الفاظ کہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے یہ خواب سچا معلوم ہوتا ہے، جاؤ بلال جھوریّ الصوت ہیں، یعنی ان کی آواز بلند ہے تم تلقین کرو بلال اذان دیں گے، یہ سب سے پہلی اذان تھی اسلام میں۔

عبداللہ بن زید تلقین کرتے جاتے تھے کہ اب یہ لفظ کہنا ہے اور بلال بلند آواز سے کہتے جاتے تھے اور اب اذان کی جو آواز گونجی مدینہ طیبہ میں پہلی دفعہ تو ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ چادر یا چوغہ گھسیٹے ہوئے آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! یہ کلمات تو آج میں نے ایک شخص کو پڑھتے ہوئے سنے ہیں، اور پھر ایک اور صحابی آئے کہنے لگے: یارسول اللہ! یہ الفاظ تو آج مجھے خواب میں آئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قَدْ سَبَقَکَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ زَیْدٍ عبداللہ بن زید تم سے سبقت لے گئے، اس نے پہلے آکر بیان کردیا اور پھر فرمایا کہ امرِ حق پر تمہارے خواب متوافق ہوگئے ہیں، یہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ منجانب اللہ ہے۔

غیر نبی کا خواب تو حجت نہیں ہے، کوئی اس سے دین کا مسئلہ ثابت نہیں ہوتا چاہے کتنا ہی بڑا ولی اللہ دیکھے، اس سے دین کا کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا لیکن جب کسی غیر نبی کے خواب پر یا اس کے اِلہام پر یا اس کے اِلقاء پر یا اس کے کشف پر وحی کی مہر لگ جاتی ہے تو وہ خود وحی بن جاتا ہے تو صحابہ کرام کے ذہنوں پر اور ان کے دِلوں پر جن علوم کا القاء ہوتا تھا وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تھا، ایک تو ان کا فیضان اور دوسری بات یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ خود وحی بن جاتے تھے، بالکل یہی کیفیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے کی تھی، یہ مشورہ تو وہی تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دیا تھا لیکن آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشورہ دے رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مہر تصدیق ثبت فرمارہے تھے، رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف کیوں التفات نہ فرمایا؟ بھائی بات یہ ہے کہ آدمی پر مختلف کیفیتیں طاری ہوتی رہتی ہیں، مختلف حال طاری ہوتے رہتے ہیں، کبھی قبض کا ہوتا ہے، کبھی بسط کا ہوتا ہے، کبھی طبیعت میں انبساط ہوتا ہے، کبھی طبیعت میں انقباض ہوتا ہے، کبھی طبیعت بوجھل ہوتی ہے، کبھی طبیعت خوب حاضر ہوتی ہے، کبھی بڑی غیر حاضر سی ہوتی ہے، کبھی حق تعالیٰ شانہٗ کے لطف وانعام پر نظر ہوتی ہے، تو انسان پر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جس کو جمال کی کیفیت کہنا چاہئے اور کبھی اس کے برعکس حق تعالیٰ شانہٗ کے عظمت وجلال پر نظر ہوتی ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جمالِ الٰہی کا غلبہ تھا، جی چاہا کہ اس جمالِ الٰہی سے کچھ

حصہ ان کو بھی عطا کر دیا جائے اور خوشخبری ان کو بھی دے دی جائے اور جب جمال کی یہ کیفیت ہو تو اس وقت جلال پر نظر نہیں جایا کرتی، اس بات پر بھی نظر نہیں جاتی کہ اُمّت عمل کرے گی یا عمل کو چھوڑ دے گی، ان کی تسلی کے لئے بتانا ضروری ہوتا ہے اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مقام پر نہیں تھے، اس وقت ان کی نظر دوسری طرف تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ جمالِ الٰہی میں مستغرق تھے، مخلوق پر اس وقت نظر نہیں تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مقامِ مشاہدہ حاصل نہیں تھا مخلوق پر نظر تھی، اس لئے انہوں نے وہ مشورہ دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام عالی ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقام سے، ایک تو جو بات ان کو القاء ہوئی وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اور دوسرے مخلوق کی طرف سے ان کا التفات تھا، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا التفات اس وقت مخلوق کی طرف نہیں تھا۔

اللہ کے ذمّے بندوں کا حق اور بندوں کے ذمّے اللہ کا حق

[حدیث:۸] ”عَنْ مَعَاذٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حِمَارٍ يُقَالُ لَهُ عُفَيْرٌ فَقَالَ: يَا مُعَاذُ! هَلْ تَدْرِي حَقَّ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ؟ قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَإِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلَا أُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ؟ قَالَ: لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا۔“ (صحیح بخاری: بَابُ اسْمِ الْفَرَسِ وَالْحِمَارِ، حدیث نمبر: ۲۶۴۴)

ترجمہ: ”حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ آنحضرت کے پیچھے سوار تھا دراز گوش (گدھے) پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ جانتے ہو؟ کیا ہے حق اللہ کا بندوں کے ذمے اور کیا حق ہے بندوں کا اللہ کے ذمے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، فرمایا کہ اللہ کا حق بندوں کے ذمے یہ ہے کہ اس کی عبادت کیا کریں اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ کے ذمے یہ ہے کہ عذاب نہ دے اس شخص کو جو اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اس کی خوشخبری نہ دے دوں لوگوں کو؟ فرمایا: نہ! خوشخبری نہ دو ورنہ بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔“

[حدیث:۹] ”عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ....، قَالَ الْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ {يُثَبِّتُ اللهُ

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ}۔"

(صحیح بخاری: باب {يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ} حدیث نمبر: ۴۳۳۰)

ترجمہ: "حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان سے جب سوال کیا جاتا ہے قبر میں تو وہ گواہی دیتا ہے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ کی پس یہی مطلب ہے حق تعالیٰ شانہٗ کے اس ارشاد کا کہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھتے ہیں ایمان والوں کو مستحکم بات کے ساتھ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔"

تشریح: پہلی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے پوچھا جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں کے ذمے کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ کے ذمے کیا ہے؟ کہنے لگے اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، فرمایا اللہ کا حق بندوں کے ذمے یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کیا کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ کے ذمے یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو بلکہ خدائے پاک کی توحید کا قائل ہو اس کو عذاب نہ دے۔

اس حدیث سے چند مسائل متعلق ہیں:

[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حمار پر سوار ہونا، حمار گدھے کو کہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری دراز گوش بھی تھی، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال تواضع ہے، حمار پر سوار ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تواضع ہے، اور ہم میں سے شاید بہت کم لوگ ہوں گے جو اس کی ہمت کر سکیں، شرم آئے گی اس لئے کہ یوں سمجھیں گے کہ یہ شان کے خلاف ہے، اگر یہ شان کے خلاف ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی شان کے خلاف ہے، معلوم ہوا کہ ہمارا بے جا تکبر ہے اس کو عار سمجھنا بے جا تکبر ہے، اس وقت کی رائج الوقت سواری یہی تھی اسی کو استعمال فرماتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ بھی استعمال فرمائے، گھوڑے پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے، دراز گوش پر بھی سوار ہوئے، تینوں سواریاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائیں، غالباً حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تھا بڑا کمزور قسم کا، ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کے اردگرد معلوم ایسا ہوا کہ کچھ دشمن حملہ کرنا چاہتے ہیں، کچھ گھبراہٹ سی مدینہ طیبہ میں پھیل گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کوئی سواری کسی کے پاس ہے تو لاؤ بھائی؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہی ٹٹو قریب تھا کہا کہ حضور حاضر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو گئے اور باہر کا گشت لگا کے آئے، آ کر فرمایا: لَنْ تُرَاعُوْا کوئی خوف و خطرے کی بات نہیں ہے، گھبراؤ نہیں اور فرمایا: لَقَدْ وَجَدْتُهٗ بَحْرًا میں نے اس گھوڑے کو سمندر پایا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی کہ اس کے بعد واقعی وہ سمندر بن گیا پھر

کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، ناقہ پر بھی سوار ہوئے ہیں آنحضرت ﷺ، دراز گوش پر بھی سوار ہوئے ہیں، بہرحال دراز گوش کی سواری اختیار کرنا، گھوڑے کا بھی انتظام ہوسکتا تھا کوئی ایسی بات نہیں اور بندھے رہتے تھے، یہ آنحضرت ﷺ کی کمال تواضع تھی بے نفسی تھی۔

﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ (النحل:۸) آخر جب قرآن کریم نے گدھوں اور خچروں کو بطور انعام کے ذکر فرمایا ہے اور فرمایا ہے ﴿لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ تاکہ تم ان پر سوار ہو اور تمہارے لئے زینت کا سامان بھی بنیں تو کیوں آنحضرت ﷺ اس پر سواری نہ فرماتے۔

۲ دوسرا مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ دراز گوش پر دو آدمیوں کا سوار ہونا جائز ہے، حضرت معاذ بن جبل آنحضرت ﷺ کے پیچھے سوار تھے، اگر وہ اس کا متحمل ہو طاقتور ہو کہ دو سواریاں اُٹھا سکتا ہو تو سوار ہونا چاہئے۔

۳ اس مضمون کو میں اس سے پہلے عرض کرچکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں کے ذمے کیا ہے؟ اس کا مختصر عنوان ہے: ''اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری'' مگر آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی زیادہ مختصر عنوان اختیار فرمایا، اللہ کا حق بندوں کے ذمے کیا ہے یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، بس صرف اللہ کی عبادت کریں، بندگی کرنا اور اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا یہ جامع ترین عنوان ہے جس میں پورا دین آجاتا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے پانچ حکم دیئے کہ اپنی قوم کو سمجھاؤ اور ساتھ کے ساتھ یہ بھی کہ ہر ایک حکم کی مثال بھی بیان کرو، ساری لمبی بات ہے ان میں سے صرف ایک بات میں عرض کرتا ہوں فرمایا: پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرایا کرو بلکہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کی مثال یہ بیان فرمائی کہ ایک آدمی نے کوئی غلام خریدا اپنے پیسوں سے، یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام شرک کی مثال بیان فرمارہے ہیں، ایک غلام خریدا اپنے پیسوں سے اور اپنی لونڈی کے ساتھ اس کا نکاح کردیا، اب خود بھی غلام، اس کی گھر والی بھی غلام لونڈی، پھر اس کو کچھ مال دے دیا کہ تم اس سے اپنا کاروبار کرو تجارت کرو، جتنا تمہیں ضرورت ہو کھا پی لیا کرو باقی ہمیں دے دیا کرو، اب اس زرخرید غلام نے آقا کے مال سے تجارت شروع کردی جو اپنا کھانے پینے کا ہوتا ہے کھا پی لیتا ہے اور تھوڑا سا اس میں سے آقا کو دے دیتا ہے، باقی سارے کا سارا اس کے دشمنوں کو دے دیتا ہے تو ارشاد فرمایا کہ تم ہی بتاؤ اس غلام کو وفادار غلام کون کہے گا؟

غلام تو بنالیا تھا زرخرید کرکے بلکہ یہاں تو زرخرید کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ آفرینش کا مسئلہ ہے، پیدائش کا مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے: ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ (النساء:۱) بیویاں بھی اسی نے پیدا فرمائیں وہ بھی بندیاں ہیں، تم بندے ہو وہ بندیاں ہیں، تم کو وجود عطا فرمایا ہے دیکھنے کے لئے سننے کے لئے

کھانے کے لئے اور پھر مال بھی عطا فرمایا ہے کاروبار کے لئے، کھاتے ہو خوب مزے اُڑاتے ہو، کبھی خیال آ گیا کہ صدقہ بھی دے دیتے ہو اللہ کے نام کا باقی دشمنوں ہی پر خرچ کرتے ہو تو تمہیں وفادار غلام کون کہے گا بندے کون کہے گا؟

بہر حال یہ اللہ کا حق ہے بندوں کے ذمے کہ اللہ کی عبادت کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، نہ الوہیت میں شریک ٹھہرائیں نہ بندگی میں شریک ٹھہرائیں نہ مالکیت میں شریک ٹھہرائیں اور نہ تصرفات میں شریک ٹھہرائیں، صرف ایک مالک ہے ایک خالق ہے ایک ہی متصرف ہے ایک ہی معبود ہے اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے، یہ جو ہے نا یہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ہم پڑھتے ہیں إِلٰهَ کے معنی معبود کے ہیں، نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا، بزرگ لوگ جب وظیفے اور ذکر بتاتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ یوں تصور کیا کرو، لَا مَقْصُوْدَ إِلَّا اللهُ وَ لَا مَحْبُوْبَ إِلَّا اللهُ وَ لَا مَسْجُوْدَ إِلَّا اللهُ نہ کوئی مقصود ہے اللہ کے سوا نہ کوئی محبوب ہے اللہ کے سوا نہ کوئی مسجود ہے اللہ کے سوا، معبود ہے تو وہ، محبوب ہے تو وہ، مسجود ہے تو وہ، غرضیکہ وہی مطلوب ہے اس کی رضا مطلوب ہے اسی کی رضا مطلوب ہے، اس کے سوا نہ کوئی مطلوب ہے نہ کوئی مقصود ہے نہ کوئی محبوب ہے۔ فرماتے ہیں یہ مطلب ہے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کا۔

۴ اور چوتھا مسئلہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندوں کا حق اللہ کے ذمے یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو اس کو عذاب نہ دے۔

یہاں ایک بات سمجھنے کی تو یہ ہے کہ اللہ کے ذمے کوئی چیز واجب نہیں ہے کیونکہ وہ خالق و مالک علی الاطلاق ہے، اس کی طرف سے جو کچھ ملتا ہے عطا ہی عطا ہے دنیا میں ملے یا آخرت میں ملے، جو مل رہا ہے جو مل چکا ہے جو ملنے والا ہے وہ صرف عطا ہی عطا ہے محض عطا ہے اس کا عطیہ ہے، کوئی یہ نہیں کہ ہمارا کوئی قرضہ تھا اس کے ذمے جو ہم وصول کر رہے ہیں یا اس کے ذمے کوئی ڈیوٹی تھی جس کا ادا کرنا اس کو ضروری ہے ایسا بھی کوئی نہیں، تو اللہ تعالیٰ کے ذمے کوئی چیز واجب نہیں ہے اور حق کہتے ہیں کسی واجب چیز کو لیکن قرآنِ کریم میں اور حدیث شریف میں یہ مضمون بہت کثرت کے ساتھ آیا ہے کہ اللہ کے ذمے یہ حق ہے لیکن اسی حدیث میں فرمایا کہ بندوں کا حق اللہ کے ذمے، بھائی ہمارا کیا حق ہوگا؟

علماء فرماتے ہیں کہ اپنی ذات کے اعتبار سے تو اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں لازم نہیں لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بعض چیزوں کے وعدے فرما لئے ہیں اور وعدہ کر کے خود اپنے ذمے لازم کر لیا ہے تو اس کی اپنی ذات عالی کے اعتبار سے لازم ہے، ہمارے اعتبار سے کوئی لازم نہیں، ہمارا کوئی حق واجب نہیں ہے، انہوں نے فرما دیا ہے کہ تمہیں دیں گے تو ہمیں اس کا یوں یقین رکھنا چاہئے جیسے ہمارا کسی کے ذمے قرضہ ہے تو یقین ہے کہ وہ واجب الوصول ہے اور ضرور وصول ہوگا، وہ نادہندگی نہیں ہے جس کا ہم نے قرضہ دیا ہوا ہے اور یہ بھی

نہیں کہ ہمارا قرضہ کچا ہو، نہیں جب ہم سے قرضہ لیا ہے اور یہ کہا ہے کہ واپس لیں گے اور وہ نادم بھی نہیں ہے تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہمیں ملے گا ضرور، پس حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ انعامات کے وعدے فرمائے ہیں ان کو اپنے ذمے اس طرح لیا ہے گویا کہ وہ اس کے ذمے واجب ہو گیا ہے، یہ نہیں کہ واقعۃً اس کے ذمے واجب ہے یا نہیں، اور یہ حق تعالیٰ شانہ کی غایہ رحمت اور اس کا انتہائی انعام و احسان ہے کہ جو چیز اپنے ذمے واجب نہیں ہے وہ چیز بھی واجب کے ساتھ تعبیر فرمارہے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو اور اس کی عبادت کرتا ہو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہ دیں گے یہ اللہ کے ذمے حق ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بھائی اس کی پھر آگے دو حیثیتیں ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی شخص نے کامل و مکمل عبادت کی ہو اپنی حد استطاعت پر اس کو تو اِن شاء اللہ عذاب ہوگا ہی نہیں، اِن شاء اللہ اس کو عذاب نہیں ہوگا جس نے اپنی بساط بھر خرچ کر دی ہو، سستی سے کام نہ لیا ہو، غفلت سے کام نہ لیا ہو، جیسی بھی ٹوٹی پھوٹی عبادت بن پڑتی ہے اس نے کوتاہی نہیں کی، تو اللہ اس کو عذاب دیں گے ہی نہیں اور اگر اس نے اللہ کی عبادت میں کوتاہی کی ہے وہ اللہ کو معبود برحق وحدہٗ لاشریک جانتا تھا اور حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کی ایک ایک بات کو برحق سمجھتا تھا لیکن عمل میں کوتاہی ہوگئی اور توبہ کئے بغیر مر گیا تو پھر اس کو دائمی عذاب نہیں ہوگا اور یہ لفظ دونوں حیثیتوں کو شامل ہے، مطلق عذاب نہ ہو یا دائمی عذاب نہ ہو، اللہ تعالیٰ دائمی عذاب نہیں فرمائیں گے۔

اور یہاں اہلِ عزیمت نے ایک دوسرا نکتہ ارشاد فرمایا ہے وہ یہ کہ اہل ایمان کو تو عذاب ہوگا ہی نہیں سرے سے، اس لئے کہ ماں جب چھوٹے بچے کو ذرا مل کر کے نہلاتی ہے میل اُتار کر اور وہ روتا ہے چیختا ہے، سزا دینا مقصود نہیں ہوتا صاف کرنا مقصود ہوتا ہے، مقصود تو صفائی ہے، بچے کو رُلانا بھی مقصود نہیں اور اس کو سزا دینا بھی مقصد نہیں، ویسے جب روتا ہے تو کبھی کبھی چپت بھی لگا دیتی ہے، مقصود ہے اس کو شیشے کی طرح صاف کر دینا، بالکل اسی طرح حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اگر کسی مومن بندے کو بظاہر سزا ملے گی تو وہ بھی سزا نہیں ہے تطہیر ہے پاک کرنا مقصود ہے اس کا میل کچیل صاف کرنا مقصود ہے، اس لئے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کہ اللہ تعالیٰ اس کو سزا تو دیں گے ہی نہیں، عذاب تو دشمنوں کو دیا جاتا ہے، گنہگار سے گنہگار مومن اس کی تو اللہ سے دوستی لگ گئی ہے وہ ولی ہے اللہ کا، ادنیٰ درجے کی ولایت اس کو حاصل ہے اور دوستوں کو سزا نہیں دی جایا کرتی البتہ اگر بھائی کوئی سیاہی لگ جائے جسم پر تو اس کو تو اُتارا ہی جاتا ہے۔

دوسری حدیث کا مضمون بھی یہی ہے کہ جب بندے سے سوال کیا جاتا ہے قبر میں تو اگر مؤمن ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے **أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ۔**

تین سوال ہوتے ہیں قبر میں: ایک یہ کہ تیرا رَبّ کون ہے؟ اور دوسرے یہ کہ تیرا دِین کیا ہے؟ اور

تیسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کرکے کہا جاتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو مؤمن اس کے جواب میں صحیح صحیح جواب دیتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے، میرا دِین اسلام ہے اور یہ میرے نبی ﷺ ہیں جو ہمارے پاس اللہ کی جانب سے دِینِ حق اور ہدایت لے کر آئے تھے، اس وقت مؤمن **أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ** کہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو القاء فرماتے ہیں، اس مضمون کو ارشاد فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **فَذٰلِکَ قَوْلُهُ تَعَالٰی** یہ مطلب ہے کہ حق تعالیٰ کے قول ﴿يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ (ابراھیم:۲۷) اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھتا ہے اہلِ ایمان کو پکّی بات کے ساتھ دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، دُنیا میں اور آخرت میں دو لفظ ہیں، یہ تو لفظ ایسا ہے کہ پوری دُنیا کو اور پوری آخرت کو شامل ہوگیا یعنی کوئی لمحہ زمانے کا اس سے خالی نہ رہا، حق تعالیٰ شانہٗ ہر لمحے بندے کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کو ثابت قدم رکھتے ہیں، مطلب یہ کہ توفیق الٰہی اس کی دستگیری کرتی ہے، دستگیری جانتے ہیں، لوگ کہتے ہیں پیر دستگیر ہاتھ پکڑنے والا مراد مدد کرنے والا، اللہ ہمیں اپنے دین پر ثابت قدم رکھیں۔ آمین۔

جنّت کے حصول کی شرط شرک سے باز رہنا ہے

[حدیث:۱۰] ”**عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا الْمُوْجِبَتَانِ؟ فَقَالَ: مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ۔**“

(صحیح مسلم: بَاب مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا...... حدیث نمبر: ۱۳۵)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا کہنے لگا یارسول اللہ! دو واجب کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: جو شخص مرا اس حالت میں کہ نہیں شریک ٹھہراتا تھا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو وہ جنّت میں داخل ہوگا اور جو شخص مرا اس حالت میں کہ شریک ٹھہراتا تھا اس کے ساتھ کسی چیز کو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ ایک دیہاتی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دریافت کیا یارسول اللہ! دو واجب کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟ یعنی وہ کون سی چیز ہے جو جنّت کو واجب کردیتی ہے اور کون سی چیز ہے جو دوزخ کو واجب کردیتی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص کا انتقال اس حالت میں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا اس کے لئے جنّت واجب

ہے وہ جنّت میں ضرور داخل ہوگا اور جو شخص اس حالت میں مرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا تھا اس کے لئے دوزخ واجب ہے اور وہ دوزخ میں داخل ہوگا، گویا جنّت کو واجب کرنے والی اور جہنّم کو واجب کرنے والی دو چیزیں ہیں۔

یہاں ایک دو باتیں سمجھ لینے کی ہیں، ایک یہ کہ یہاں صرف شرک نہ کرنے کو ذکر فرمایا ہے، شرک کرنا یا شرک نہ کرنا ان دونوں باتوں کو ذکر فرمایا ہے، شرک کرنے والا بہرحال دوزخ میں داخل ہوگا اور شرک نہ کرنے والا قطعاً دوزخ میں داخل نہ ہوگا، یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، شرک کے معنی ہیں کفر یعنی جو حکم شرک کا ہے وہی کفر کا ہے اس لئے کافر اور مشرک کی بخشش نہیں ہوگی کسی حالت میں بھی، کل ایک صاحب کا خط آیا انہوں نے لکھا کہ اگر کوئی شخص نادانستہ طور پر شرک کا مرتکب تھا اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہوا اس کا کیا حکم ہے؟ میں نے لکھ دیا کہ بھائی نادانستہ طور پر کا مطلب میں نہیں سمجھا ہوں کہ کیا ہوتا ہے نادانستہ کے معنی جانے بوجھے کے بغیر، حق تعالیٰ کی اولوہیت میں اور اس کی صفات مختصہ میں جو خاص اس کی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہیں ان صفات میں کسی کو شریک کرنا یہ بھی شرک ہے، مستحق عبادت سمجھتا ہے یا اس کے ساتھ عبادت کا سا معاملہ کرتا ہے جو عبادت کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی کی جانی چاہئے وہ معاملہ کسی غیر کے ساتھ کرتا ہے تو وہ شرک ہے اس کو شرک فی الالوہیۃ کہتے ہیں، عبادت میں شرک کرنا، عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنا شرک ہے، مثال کے طور پر نماز پڑھنا یہ عبادت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، خصوصیت کے ساتھ نماز کا عالی ترین رکن ہے سجدہ، سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی نماز پڑھتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرتا ہے بطور تعظیم کے تو یہ شخص مشرک ہوگا۔

علماء نے لکھا ہے کہ دو قسمیں ہیں سجدے کی: ایک سجدہ تحیۃ ہے اور ایک سجدہ تعظیم ہے، تحیۃ کے معنی ہیں سلام جس طرح سلام کرتے ہوئے بعض لوگ جھک جاتے ہیں اس طرح کسی زمانے میں دستور ہوگا بادشاہوں کے سامنے سلام کرتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے، مقصود سلام ہے عظمت اور عبادت نہیں، سجدہ تحیۃ بالاجماع حرام ہے، پوری اُمّت کا اس پر اتفاق ہے کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ کسی کو بطور سلام کے سجدہ کرنا حرام ہے لیکن اس سے مشرک نہیں ہوگا اور اگر تعظیم کی نیت سے سجدہ کرتا ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے سجدہ کیا جاتا ہے تو درّ مختار میں عالمگیری میں اور دوسری فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ شخص مشرک ہوجائے گا یہ شرک ہے، مثال کے طور پر نذر ماننا عبادت ہے نذر صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی مانی جاسکتی ہے یعنی اللہ کو راضی کرنے کے لئے کہ یا اللہ! میں آپ کی بارگاہ میں پیش کروں گا اتنے نفل پڑھوں گا، اتنے روزے رکھوں گا، بیت اللہ شریف کا حج کروں گا یا بکرا ذبح کروں گا یا فلاں چیز خیرات کروں گا، اس کو نذر ماننا

کہتے ہیں، منت ماننا منت صرف اللہ کے نام کی مانی جاسکتی ہے غیر اللہ کے نام کی منت ماننا شرک ہے اور شرک جلی ہے، دُعا عبادت ہے بلکہ عبادت کا مغز ہے: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے دعا مانگنا شرک ہے، بیت اللہ شریف کا طواف کیا جاتا ہے، بیت اللہ اللہ کا گھر ہے، اس کا طواف کیا جاتا ہے، کسی اور مکان کا یا کسی پیر بزرگ کی قبر کا طواف کرنا شرک ہے، اسی لئے علماء نے مسئلہ لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر پر سلام کے لئے داخل ہو، تو واپس پیچھے کو لوٹے جس طرف سے آیا تھا، مطلب یہ ہے کہ اس روضۂ اقدس پر اس طرح داخل نہ ہو کہ طواف کی طرح کا چکر ہوجائے، کیونکہ طواف نبی ﷺ کی قبر اطہر کا اور روضہ مبارک کا بھی حرام ہے شرک ہے چہ جائیکہ کسی اور کی قبر کا۔

بہر حال لوگ محرّم اور ربیع الاوّل میں مزارات اور بیت اللہ شریف کے تعزیئے بناتے ہیں، میں ان کو تعزیہ کہوں گا، بیت اللہ شریف کے تعزیے بنتے ہیں، مسجدِ نبوی کے تعزیئے بنتے ہیں اور میرے سننے میں آیا واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہے کہ جاہل لوگ اس کا طواف بھی کرتے ہیں، یہ سب حرام ہے۔

دیکھئے! شیطان نے حضور ﷺ کے نام پر لوگوں کو شرک کے نام پر کیسے گمراہ کیا؟ اور رسول اللہ ﷺ کی اُمّت کو گمراہ کرنے کا کیسا طریقہ اختیار کیا اگر کسی کو روکا جائے تو تاویلیں کریں گے لیکن خیر ہمارے سامنے تاویلیں کرلو آگے تاویلیں نہیں چلیں گی، مذاق نہیں ہے کہ جس بابا کے جی میں جو آئے کرتا رہے، ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝۲۲۹﴾ (البقرۃ:۲۲۹) یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جو شخص ان حدوں کو توڑے گا وہ ظالم کہلائے گا، رسول اللہ ﷺ کے روضہ اطہر کی شبیہ بنالیتے ہیں اس پر کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھتے ہیں، حماقت کی کوئی حد ہے اور کر کے پھر اسی کو توڑ پھوڑ لیتے ہیں، شیعوں کی طرح بانس الگ کرلیے پھٹیاں الگ کرلیں جھنڈیاں الگ کرلیں کپڑے جدا کرلیے، اگلے سال پھر کام آئیں گے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

اس روضے کی شبیہ بنا کر اس پر سلام پیش کیا جاتا ہے اور اپنے خیال میں بڑی عبادت کرتے ہیں، عبادت نہیں کرتے بلکہ یہ شرک فی الرسالت ہے، تم نے گویا کراچی میں رسول اللہ ﷺ کا روضہ حاضر کرلیا، گویا حضور ﷺ کے روضۂ اطہر پر اب تمہیں جانے کی ضرورت نہیں رہ گئی، یہیں ایک کھلونا بنا کر اس کے سامنے درود شریف پڑھنا شروع کردیا، تو خیر میں عرض کررہا ہوں کہ یہ ہے شرک فی العبادت، جو عبادتیں اللہ کی ذاتِ عالی کے ساتھ مخصوص ہیں ان عبادتوں کو کسی غیر کے سامنے بجالانا یہ شرک ہے اور شرک بھی شرک جلی ہے بالکل کھلا ہوا شرک، یہ نہیں کہ اس میں تاویل ہوسکتی ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی خاص صفات جو صرف اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں ان صفات کو

کسی اور کے لئے ثابت کرنا یہ بھی شرک ہے، عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آئے ہیں اور بزرگ سے بزرگ تر اور ہمارے نبی کریم ﷺ تو سب سے عالی تر ہیں۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا نام ہے، جس طرح خدا صرف اللہ کو کہتے ہیں کوئی دوسرا خدا نہیں ہے، یہ نام اسی کا ہے، بالکل اسی طرح عالم الغیب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے کسی دوسرے کے لئے نہیں بولا جاتا یہ شرک فی الصفات ہے، اللہ کی صفات میں کسی کو شریک بنانا، اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے پاک ہیں یہ نہیں کہ اس جگہ ہے اللہ اور اس جگہ نہیں، یہ کہہ ہی نہیں سکتے اس لئے کہ وہ ہر جگہ ہے لیکن کسی جگہ کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہاں خدا ہے، ہر جگہ ہے یعنی اپنے علم کے اعتبار سے اپنی قدرت کے اعتبار سے ہر جگہ خدا ہے اس کو حاضر ناظر کہتے ہیں۔

اب لوگوں نے اس میں بھی گھپلا شروع کر دیا، رسول اللہ ﷺ روضۂ اطہر میں ہیں، لیکن کہتے ہیں: حاضر ناظر ہیں، اور حاضر ناظر کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جہاں ہم درود شریف پڑھنے لگیں وہاں حضور ﷺ آجاتے ہیں... نعوذ باللہ...۔

چند دِن پہلے مجھے ایک خط موصول ہوا اس میں مجھ سے سوال کیا گیا تھا، اس میں یہ لکھا تھا کہ یہاں میلاد شریف پڑھا جاتا ہے اور ایک کرسی خالی رکھی جاتی ہے رسول اللہ ﷺ کے لئے۔ شرم کرو، کچھ حیا کرو، تمہاری مجلسوں میں حضور ﷺ آتے ہیں کچھ حیا کرو، کتنی اذیت کی بات ہے؟ چہرے صاف ہیں، حضور ﷺ کی سنّت کا مذاق اُڑاتے ہو، اُلٹ پلٹ نظمیں پڑھتے ہو، غلط سلط باتیں کرتے ہو اور نامعلوم کتنی غلط باتیں کرتے ہو، وہاں کہتے ہو حضور ﷺ تشریف لائیں گے؟

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ **لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا** جو شخص اس حالت میں مرا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا نہ کسی نبی کو نہ ولی کو، نہ جن کو نہ فرشتے کو، نہ کسی دیوی کو نہ پری کو، کسی کو بھی اللہ کے ساتھ کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا وہ جنّت میں ضرور داخل ہوگا۔

میں عرض کر رہا تھا شرک کے ہم معنی ہیں کفر بھی، کفر اور شرک لے کر جو شخص دنیا سے جائے گا اس کی بخشش نہیں ہوگی وہ دوزخ میں جائے گا اور جو شخص شرک اور کفر سے پاک گیا خواہ وہ کتنا ہی گناہ گار ہو لیکن بالآخر وہ جنّت میں ضرور داخل ہوگا جنّت اس کے لئے واجب ہے، باقی جو اس نے گناہ کئے میں کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ اس کی دو صورتیں ہیں، اگر وہ توبہ کر کے مرا ہے ان سے تو انشاء اللہ بغیر سزا کے جنّت میں جائے گا اگر سچی توبہ کر کے مرا ہے، علماء سے پوچھ لو سچی توبہ کس کو کہتے ہیں اور اگر بغیر توبہ کے مرا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے **إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَذَّبَ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ** اگر چاہیں بخش دیں اور اگر چاہیں سزا دیں لیکن بالآخر یہ بھی

جنّت میں داخل ہوگا ضرور داخل ہوگا، جس شخص کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو وہ بھی جنّت میں جائے گا، جس کے دل میں رائی کے کسی حصے کے برابر ایمان ہو وہ بھی جنّت میں اِن شاء اللہ ضرور جائے گا اور حتّٰی کہ اگر اتنا کمزور ایمان تھا کسی کے دل میں کہ اس کی خبر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں تھی حتّٰی کہ کراماً کاتبین فرشتوں کو بھی اس کا پتا نہیں تھا وہ بھی اِن شاء اللہ جنّت میں ضرور داخل ہوگا، بالآخر ضرور داخل ہوگا چاہے کتنی صدیوں کے بعد داخل ہو لیکن جنّت میں داخل ہوگا۔

یہ ہیں دو چیزیں واجب کرنے والی، ایک شرک، یہ واجب کرنے والا ہے دوزخ کو اور ایک توحید کے ساتھ دُنیا سے رُخصت ہونا یہ واجب کرنے والا ہے جنّت کو۔

مؤمن جو شرک سے باز رہا وہ جنتی ہے ہر حال میں

[حدیث:۱۱] ”.....عَنْ أَبَا ذَرٍّ......، أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام فَبَشَّرَنِي أَنَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِکَ لَا يُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ۔“

(صحیح مسلم :بَاب مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَيْ..... حدیث نمبر:۱۳۷)

ترجمہ: ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے پاس جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے مجھے خوشخبری دی، پس جو شخص مرے گا آپ کی اُمّت میں سے اس حالت میں کہ وہ شریک نہیں ٹھہراتا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو تو وہ جنّت میں داخل ہوگا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا چاہے اس نے زنا کیا ہو چاہے چوری کی ہو فرمایا چاہے زنا کیا ہو چاہے چوری کی ہو۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور مجھے یہ بشارت دی کہ میری اُمّت میں سے جو شخص اس حالت میں مرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو مشرک نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جنّت میں داخل کر دیں گے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تو فرمایا کہ یا رسول اللہ! وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ“ چاہے چوری کی ہو زنا کیا ہو اس نے دوبارہ پھر کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا دوبارہ کہا: وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ زنا کیا ہو چوری کی ہو تب بھی، آخری مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ أَنْفِ أَبِیْ ذَرٍّ“ چاہے اس نے زنا کیا ہو چاہے چوری کی ہو اور چاہے ابوذر کی ناک خاک آلود ہو جائے۔

وہ اس حدیث کو نقل کیا کرتے تھے تو بڑے مزے سے آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ بھی نقل کیا کرتے تھے وَإِنْ رَغِمَ أَنفُ أَبِىْ ذَرٍّ باقی علماء نے یہ فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ گناہوں سے پاک کرنے کے لئے اس کو دوسری طرف بھیج دیا جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، محض اس کو اپنے فضل سے معاف فرمادے۔

ایمان کی مثال کھجور کے درخت کی مانند ہے

[حدیث: ۱۲] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُمَا، إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرٌ لَّا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ۔“

(صحیح مسلم: كِتَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ، بَابُ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ مَثَلُ النَّخْلَةِ، حديث: ۵۰۲۷)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کے پتّے نہیں جھڑتے اور وہ درخت مسلمان کی مثال ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ذکر فرمایا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر (حضرت عمر کے صاحبزادے رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے فرمایا کہ: درختوں میں ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ مثال ہے مسلمان آدمی کی، بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سن کر جنگل میں گھومنے لگے یعنی اپنا خیال دوڑانے لگے کہ یہ کون سا درخت ہوسکتا ہے؟ لیکن بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی، میں بھی حاضر خدمت تھا (اور یہ اس وقت نوعمر بچے تھے، جنگِ اُحد میں حاضری کی اجازت چاہی تھی چونکہ پندرہ سال کے نہیں تھے اس لئے آپ نے اجازت نہیں دی، جنگِ احزاب میں شرکت کی اجازت دی، تو یہ نوعمر تھے) فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کے بارے میں فرمارہے ہیں، لیکن میرے والد ماجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر صحابہ حاضر خدمت تھے تو میرا ایک بچے کا اُٹھ کر یہ کہنا کہ یہ فلاں درخت ہے، ایک درجے میں گستاخی شمار ہوتا، ادب کی وجہ سے میں بولا نہیں، بعد میں حضور ﷺ نے جب دیکھا کہ صحابہ کرام نہیں سمجھ پائے تو فرمایا کہ: وہ کھجور کا درخت ہے، تو میں نے گھر آکر والد ماجد سے کہا کہ: میرے جی میں آئی تھی کہ میں کہہ دوں لیکن خیال ہوا کہ گستاخی ہوگی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: بیٹا اگر تم بتادیتے تو میرے لئے باعثِ فخر ہوتا، گستاخی نہ ہوتی، کیونکہ اولاد کے کمالات بھی والدین کی طرف منسوب ہوتے ہیں، والدین کو اپنی اولاد پر حسد نہیں ہوتا، بھائی کو بھائی پر ہوجاتا ہے، ایک اُونچا نکل جائے تو بھائی کو حسد ہوجاتا ہے، لیکن

ماں باپ کو اپنی اولاد پر کبھی حسد نہیں ہوتا، باپ کتنا ہی بے وقوف ہو بیٹا عقل مند ہو تو باپ کے لئے فخر کی چیز ہے، باپ کیسا ہی جاہل ہو اور بیٹا عالم بن جائے تو باپ کے لئے لائق فخر سمجھا جاتا ہے۔

میں نے بتایا تھا کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں، اور یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت کو "مجدد الف ثانی" کا خطاب دیا، یہ اتنے بڑے عالم ہیں کہ علماء کے لئے انکی بات سمجھنا بھی مشکل ہے، دو کتابوں کا انہوں نے حاشیہ لکھا ہے، ایک کتاب ہے بہت آسان قطبی، اس پر حاشیہ لکھا تو اس کو پتھر بنا دیا، اور ایک کتاب "شرح عقائد" کا حاشیہ جو خیالی نے لکھا تھا اس پر حاشیہ لکھا، اور اس کو موم بنا دیا، پانی بنا دیا، ایسی ہلکی کتاب کہ عقل حیران! تو کسی نے کہا: "موم را سنگ ساختن وسنگ را موم ساختن کار خیر دمند نیست،" "موم کو پتھر بنا دیا اور پتھر کو موم بنا دیا یہ کوئی عقل مندوں کا کام نہیں ہے،" قطبی ایسی ہی آسان کتاب تھی اس کو پتھر بنا دیا اس پر حاشیہ لکھ کر، اور خیالی مشکل کتاب تھی پتھر، اس پر حاشیہ لکھ کر اس کو موم بنا دیا، یہ عقل مندوں کا کام نہیں ہے۔ یہ بے وقوفی کی بات کہی ہے کسی نے، یہ مولانا کا کمال تھا۔

میں کبھی کبھی اپنے دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ انعام فرمایا ہے کہ بڑے سے بڑے مضمون کو چند فقروں میں ادا کر سکتا ہوں، لوگ شکایت کرتے رہتے ہیں کہ آپ بہت مختصر جواب لکھتے ہیں، لیکن جب اس کی شرح کرنے بیٹھتا ہوں تو کئی قسطیں بن جاتی ہیں، بات اتنی ہی ہوتی ہے اس سے زیادہ نہیں ہوتی، یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایت ہے۔ حضرت مولانا پر یہ خاص عنایت تھی کہ مشکل سے مشکل مضمون کو آسان کر سکتے تھے اور آسان سے آسان مضمون کو مشکل بنا سکتے تھے۔

ان کے والد ماجد بالکل اَن پڑھ تھے مولانا عبدالحکیم صاحب کے، لیکن حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میرا باپ جاہل نہیں ہے کیونکہ میرا علم باپ کا علم ہے، اگر میرا باپ عالم نہ ہوتا تو مجھے عالم نہ بناتا، البتہ میرا دادا جاہل تھا جس نے میرے باپ کو عالم نہیں بنایا۔

جس کے دِل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کی بخشش ہو جائے گی

[حدیث: ۱۳] "عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيْرَةً ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِن ذَرَّةً، زَادَ الْبُخَارِيُّ فِيْ رِوَايَةِ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ مِنْ إِيْمَانٍ

مَكَانَ خَيْرٍ۔"

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، بَاب أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً فِيهَا، حدیث: ٢٨٥)

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نکل آئیں گے دوزخ سے وہ لوگ جنہوں نے کہا لا الہ الا اللہ اور اس کے دل میں اتنی خیر تھی کہ جو برابر ہو، جَو کے وزن کے، پھر نکل آئیں گے دوزخ سے وہ لوگ جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور ان کے دل میں اتنی خیر ہو گیہوں (گندم) کے دانے کے برابر ہو، پھر نکل آئیں گے دوزخ سے وہ لوگ جنہوں نے کہا لا الہ الا اللہ اور ان کے دل میں اتنی خیر ہو جو ذرے کے برابر ہو۔"

تشریح: اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ سب سے آخر میں دوزخ سے نکلنے والوں کی تعداد بے شمار ہوگی لیکن ان کا ایمان اتنا ہوگا جتنا کہ جو کا دانہ، اس کے دوسرے نمبر پر نکلنے والی جماعت ان کا ایمان اتنا ہوگا جتنا کہ گیہوں کا دانہ اور ان کے بعد دوزخ سے نکلنے والی جماعت ان کا ایمان اتنا ہوگا جتنا کہ ایک ذرہ، گویا ایک ذرے سے کم ایمان والا پھر وہ رہے گا ہی نہیں، دنیا میں ہوگا ہی کون؟ اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو حق تعالیٰ نکالیں گے اور تین لپیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ تین چلّو بھر کر کے لپیں بھر کے ان کو دوزخ سے نکالیں گے اور یہ فرمائیں گے کہ نبیوں نے شفاعت کر لی، صدیقین نے شفاعت کر لی، صالحین نے شفاعت کر لی، فرشتوں نے شفاعت کر لی، اب صرف ارحم الراحمین باقی رہ گیا ہے، جہاں کسی کی نظر نہیں پہنچے گی وہاں اللہ تعالیٰ کی نظر پہنچے گی اور دوزخ سے ان تمام لوگوں کو نکال لیں گے جن میں ایک جَو کے برابر ایمان ہوگا ایک گیہوں کے برابر ایمان ہوگا۔ ایک تِل کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔

جو اِیمان لایا، اس پر جہنّم کی آگ حرام ہے

[حدیث: ١٤] "عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ۔"

(رواہ مسلم: کتاب الایمان، بَاب الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى التَّوْحِيدِ، حدیث: ٣٤)

ترجمہ: "حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص گواہی دے اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کو حرام کر دیا۔"

[حدیث: ١٥] "عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّيْ

رَسُوْلُ اللّٰہِ لَا یَلْقَی اللّٰہَ بِھِمَا عَبْدٌ غَیْرَ شَاکٍّ فِیْھِمَا إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔"

(رواہ مسلم: کتاب الایمان، بَابُ الدَّلِیلِ عَلَی أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَی التَّوْحِیدِ، حدیث: ۳۹)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، نہیں ملے گا اللہ تعالی کے ساتھ اس کلمہ شہادت کو لے کر کوئی بندہ وہ اس میں شک نہ کرتا ہو وہ ضرور جنّت میں داخل ہوگا۔"

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ دو شہادتیں ہیں، ایک اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، دوسرے اس بات کی گواہی دینا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، جو شخص ان دو شہادتوں کو لیکر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا بشرطیکہ ان میں کسی میں شک نہ ہو تو اللہ تعالی اس کو جنّت میں داخل کریں گے، چھوٹی سی بات ہے لیکن بڑی بات ہے، بات چھوٹی ہے لیکن بڑی ہے حق تعالی شانہ اپنے بندوں کو معاف فرمانے والے ہیں معاف فرمادیں گے بشرطیکہ کوئی شخص توحید اور رسالت کی صحیح گواہی دیتا ہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، ان دو باتوں کی گواہی دیتا ہو، ان میں کسی قسم کا شک اور تردد نہ ہو تو انشاء اللہ اللہ تعالی اس کی بخشش فرمادیں گے۔

ایمان کی فضیلت

[حدیث: ۱۶] "عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ أَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ لَا شَرِیْکَ لَہُ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہُ وَرَسُوْلُہُ وَأَنَّ عِیْسٰی عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ وَابْنُ أَمَتِہِ وَکَلِمَتُہُ أَلْقَاھَا إِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ، وَأَنَّ الْجَنَّۃَ حَقٌّ وَأَنَّ النَّارَ حَقٌّ أَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ عَلٰی مَا کَانَ مِنْ عَمَلٍ۔"

(رواہ مسلم: کتاب الایمان، بَابُ الدَّلِیلِ عَلَی أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَی التَّوْحِیدِ، حدیث: ۴۱)

ترجمہ: "حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص گواہی دے اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اللہ تعالی نے مریم کی طرف ڈالا اور اللہ تعالی کی جانب سے آئی ہوئی رُوح ہیں،

اور جنّت برحق ہے، دوزخ برحق ہے، تو داخل کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ جنّت میں خواہ اس کے کام کیسے ہی ہوں۔''

تشریح: اس حدیث میں ایمان کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جس نے توحیدِ الٰہی کی گواہی دی کہ وہ وحدہ لاشریک ہے، اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت وعبدیت کی گواہی دی کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس بات کی گواہی دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں جو اللہ تعالی نے مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا تھا اور اللہ تعالی کی جانب سے آئی ہوئی روح ہیں، کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، تو گویا یہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لقب ہوئے، ''عبداللہ'' یعنی اللہ کا بندہ، ''رسول اللہ'' اللہ کے رسول، ''کلمۃ اللہ'' اللہ کا کلمہ، اور ''روح اللہ'' اللہ کی جانب سے آئی ہوئی خاص روح، اور اس بات کی گواہی دی کہ جنّت برحق، دوزخ برحق، یعنی قیامت اور اس کے بعد کی تمام چیزیں، یہ چار گواہیاں ہوگئیں، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو جنّت میں داخل فرمائیں گے خواہ کیسا ہی عمل کیوں نہ ہو۔

یہاں پر چند باتیں سمجھ لینا ضروری ہیں، ایک یہ کہ یہ ایمان کی فضیلت ہے، جیسے نماز کی فضیلت، وضو کی فضیلت، روزوں کی فضیلت، تو ایمان تو اُم العبادات ہے، تمام عبادتوں کی ماں ہے اس کے بغیر کوئی عبادت ہی مقبول نہیں، تمام عبادتیں اسی سے جنم لیتی ہیں، سوچا جاسکتا ہے کہ جب نماز کی، روزے کی، زکوٰۃ کی، حج کی اور دوسرے نیک کاموں کی اتنی بڑی بڑی فضیلتیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں تو ایمان کی فضیلت کتنی بڑی ہوگی، نفسِ ایمان، پس اس کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالی اس پر دوزخ کی آگ کو حرام فرمادیتے ہیں، جس دن بھی وہ مسلمان ہوا، اسی دن سے دوزخ کی آگ اس پر حرام، اب اپنے لئے اگر خود ہی دوزخ کی آگ لینے لگے تو یہ دوسری بات۔

علماء نے اس حدیث کی تاویلیں کی ہیں، لیکن میں نے حدیث کی صحیح توجیہ بتادی کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کی فضیلت یہ ہے، جس دن ایمان حاصل ہوا اس کی برکت سے دوزخ کی آگ حرام ہوگئی، اب اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد ایمان کے منافی کام بھی کرتا ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد، چاہے معاف کردے، چاہے سزا دے، اور یہی عقیدہ ہے اہل سنّت والجماعت کا کہ تمام اہلِ ایمان ایک نہ ایک وقت جنّت میں چلے جائیں گے بشرطیکہ ایمان صحیح سلامت چلا جائے۔

اللہ تعالی ہم سب کا ایمان قبر تک صحیح سلامت لے جائے! تو خواہ کیسا ہی گناہگار ہو، کسی نہ کسی وقت میں جنّت میں ضرور جائے گا، دوزخ اس پر حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ رہنے کے لئے دوزخ حرام ہوگئی، دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا، اب رہا گناہوں کا مسئلہ کہ اس نے جو گناہ کئے ہیں، اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ اپنی رحمت سے، اپنے فضل سے بغیر کسی حساب وکتاب کے بغیر کسی پکڑ دھکڑ کے معاف

فرمادیں کہ: ”جاؤ معاف کردیا!“ وہ آدمی خواہ کتنا ہی گناہگار ہو، اگر اللہ تعالی اپنے قصوروار کو معاف کردیں تو کسی کو کیا اعتراض؟ یا کسی کو کوئی اشکال؟ وہ مالک ہے، جیسے چاہے کرے، تمہیں کیا اعتراض؟ اگر اللہ تعالی چاہے تو بغیر سزا کے معاف فرمادیں اور اگر اللہ تعالی چاہیں تو کسی کا مرتبہ ظاہر کرنے کے لئے یوں کہہ دیں کہ تم سفارش کرو اس کی، ہم معاف کریں گے۔ اور اگر اللہ تعالی چاہیں تو دوزخ میں ڈال کر اس کو تھوڑا سا پاک کردیں۔ بھائی! بات یہ ہے کہ دھوبی کپڑوں کو ان کا میل اُتارنے کے لئے بھٹی میں ڈالتا ہے، تو گناہگاروں کا میل اُتارنے کے لئے ان کو بھٹی میں ڈال دیں گے، وہاں سے نکال کر پھر ایک نہر ہے جنّت کے سامنے، جس کا نام ہے ”نہرِ حیات“ آبِ حیات وہاں غوطہ دیں گے، جہنّم سے اس حالت میں نکلیں گے کہ جل کر کوئلہ ہوگئے ہوں گے، کالے رنگ کے، وہاں جب اس نہر میں غوطہ دے کر نکالیں گے تو چودھویں رات کے چاند سے زیادہ چہرے چمکتے ہوں گے، باقی اہلِ ایمان کو دوزخ میں ڈالا جانا، سزا دینے کے لئے نہیں، بلکہ پاک کرنے کے لئے ہے، اسی لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ یہیں پاک ہوکر چلے جاؤ، وہاں پاک کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے، گندے جاؤ گے تو پھر وہاں پاک کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، توبہ کا صابن لگا کر رگڑ رگڑ کر ذرا مانجھو اس کو، ایمان کے دامن کو خوب مانجھو، خوب رگڑو، اور مجاہدے کے پاؤڈر سے بھی دھلواس کو، جیسے دھوبی دیا کرتا ہے، تاکہ سارا میل کچیل دور ہوجائے، پاک صاف ہوکر جاؤ، ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔

تو یہ ہے اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ ایمان والوں کے بارے میں، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی جزا یہ ہے کہ اس کو جنّت میں داخل کیا جائے اور اس پر دوزخ حرام کردی جائے، باقی شرط یہ ہے کہ بعد میں ایمان کے منافی کوئی کام نہ کرے، اگر ایمان کے منافی کوئی کام کرتا ہے تو ایمان کی برکت سے کسی نہ کسی وقت میں نجات ضرور ہوگی، لیکن یہ جو میل کچیل اور گندگیاں اس نے اپنے اردگرد لپیٹ لی ہیں، ان کو یا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ویسے ہی پاک کردیں گے یا کسی کی شفاعت کروادیں گے یا اگر چاہیں ان کی حکمت مقتضی ہو تو دوزخ میں غوطہ دے دیں، پاک کرنے کے لئے۔

دوسری بات حق تعالی شانہٗ کی توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا قائل ہونا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دینِ اسلام سب کا سب قبول کرلیا دل سے، جان سے، زبان سے، پورے دِین کو اور دِین کی ایک ایک بات کو قبول کرلیا، یہ ہے ”**لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ**“ لیکن اس حدیث میں تین باتیں اور آگئیں، ایک حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اور ایک جنّت ودوزخ کا مسئلہ، یہ خصوصیت کے اعتبار سے ذکر کیا کہ اگر کسی عیسائی کو مسلمان ہونا ہو تو اس کے لئے صرف کلمہ کہنا کافی نہیں، اس لئے کہ بہت سے عیسائی مانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے رسول ہیں، جیسا کہ سکھ مانتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، منکر نہیں ہیں، اس لئے کہ ان کے بابا گرونانک ان کو مانتا تھا، لیکن وہ کہتے ہیں کہ ”**لا الٰہ الا اللہ**“ ہمارے لئے ہے اور ”**محمد**

رسول اللہ" مسلمانوں کے لئے ہے، گویا یہ ہے تو برحق لیکن ہمارے لئے نہیں، تو کوئی عیسائی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوگا جب تک کہ موجودہ عیسائیت کے عقائد کو چھوڑ کر اسلام کے عقائد عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں قبول نہ کرے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا نہیں، خدا کے بیٹے نہیں، بلکہ اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے رسول ہیں، ہاں کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، "کلمۃ اللہ" کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو اور کائنات کی ہر چیز کو کلمہ "کن" سے پیدا فرمایا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بغیر باپ کے کلمہ "کن" سے پیدا فرمایا، چونکہ عام طور سے انسان ماں اور باپ دونوں سے پیدا ہوتے ہیں، تنہا ماں سے پیدا نہیں ہوتے، اس لئے ان کا لقب ہی کلمۃ اللہ بنادیا تا کہ کوئی شخص غلط ذہن اختیار نہ کرے، ان کا لقب ہی اللہ تعالیٰ نے بنادیا "کلمۃ اللہ" اللہ کا کلمہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے کلمے سے پیدا ہونے والے، اور اسی طرح ان کی روح چونکہ براہِ راست اللہ کی جانب سے آئی بغیر واسطہ باپ کے، اسی واسطے ان کا لقب رکھا "روح اللہ"، اللہ کی جانب سے آئی ہوئی روح، اور ان کو "روح اللہ" کا لقب دیئے جانے کا ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ان کے بدن پر روح کے احکام طاری ہیں، آدمی مرجاتا ہے تو روح آسمان پر چلی جاتی ہے، علّیین میں چلی جائے یا سجین میں چلی جائے، اور وہ کھائے پیئے بغیر زندہ ہیں، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح بھی وہیں پر ہے اور بغیر کھائے پیئے اب تک زندہ ہے اور جتنے بزرگ بھی پہلے چلے گئے سب زندہ ہیں، تو جس طرح کہ ارواح آسمانوں پر زندہ ہیں اور کوئی شخص یہ سوال نہیں کرتا کہ کھاتی کہاں سے ہیں؟ اسی طرح عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمانوں پر چلے گئے اور زندہ ہیں، اور ان کے بارے میں یہ سوال غلط ہے کہ وہ کھاتے کہاں سے ہیں؟ اس لئے کہ ان پر احکام روح کے طاری ہیں، اسی لئے شروع سے ان کا لقب ہی "روح اللہ" رکھ دیا گیا تا کہ یہ سوال ہی پیدا نہ ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آسمان پر جانے ان کے وہاں رہنے اور ان کے زمین کی غذا کھائے پیئے بغیر زندہ رہنے اور زمین میں جو انسان کے تقاضے ہیں، ان کے بغیر زندہ رہنے پر کسی کو اشکال نہ ہو۔

تو غرضیکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ اسلام کے عقائد ہیں، اور یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی مرزائی مسلمان ہوجائے تو "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہنا کافی نہیں، کیونکہ "محمد رسول اللہ" کو تو وہ بھی مانتا ہے، بلکہ یوں گواہی دینا ضروری ہوگی:

"اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنَّهٗ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ، وَاَنَّ مِيْرْزَا غُلَامَ اَحْمَدَ الْقَادْيَانِيْ دَجَّالٌ لَعِيْنٌ كَذَّابٌ، وَاَنَّ عِيْسٰى قَدْ رُفِعَ اِلَى السَّمَاءِ وَسَيَنْزِلُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ وَهُوَ حَيٌّ فِي السَّمَاءِ۔"

ترجمہ: "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور خاتم النّبیین ہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی دجال، لعین اور کذّاب

ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمانوں پر اُٹھالئے گئے ہیں، وہ عنقریب قربِ قیامت میں نازل ہوں گے، اور وہ زندہ ہیں آسمان پر۔"

یہ عقیدے رکھے گا تو وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگا، ورنہ نہیں۔

جس نے اپنے ایمان کو سنوارا اس کی نیکی دس گنا بڑھادی جاتی ہے

[حدیث: ۱۷] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِمِثْلِهَا حَتَّى يَلْقَى اللهَ۔"

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، بَاب إِذَا هَمَّ الْعَبْدُ بِحَسَنَةٍ كُتِبَتْ، حدیث: ۱۸۵)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی نے اپنے اسلام کو سنوار لیا اور اپنا دین ستھرا بنالیا تو جو نیکی کا کام وہ کرے گا وہ دس گنا لکھی جائے گی سات سو گنا تک، اور جو برائی کرے گا وہ اس کی مثل لکھی جائے گی یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جاملے۔"

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص مسلمان ہوجائے اور اپنے اسلام کو صحیح کرلے سنوار لے تو مسلمان ہونے کے بعد تو ہر نیکی دس گنا لکھی جائے گی، دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک اور اگر کوئی بُرائی کرے گا تو وہ ایک ہی برائی لکھی جائے گی، زیادہ نہیں لکھی جائے گی۔

یہاں چند چیزیں سمجھنے کی ہیں:

①: ایک یہ کہ اپنا اسلام صحیح کرلے، اس کا کیا مطلب؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر عقیدے میں کھوٹ نہ ہو، تذبذب نہ ہو، اور کسی قسم کا شک نہ ہو، خلاصہ یہ کہ اس کا عقیدہ کھرا اور صاف ہو کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات صحیح ہے، عقیدہ ہو "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اور اس معاملے میں اگر کوئی کسی قسم کا شبہ پیدا کرے، کوئی گڑبڑ پیدا کرے تو اس کی پروا نہ کرے، اس کو قابل اعتبار ہی نہ سمجھے، اور اگر یہ چیز نہیں تو پھر اسلام ٹھیک نہیں، کیونکہ تذبذب اور شک وشبہ کے ساتھ اسلام نہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات پر ایمان نہ ہو، دل میں بات نہیں اُترتی تو یہ بھی ایمان نہیں ہے، اور دوسری بات یہ کہ اسلام میں بدعات اور غلط نظریات کی آمیزش نہ کرے، ملاوٹ نہ کرے، گیہوں میں جو نہ ملائے، ملاوٹ ہے نا! تو کھرا سودا وہی ہوگا جس میں ملاوٹ نہیں ہوتی، اپنے عقیدے میں غلط نظریات کی ملاوٹ نہ کرے۔

②: اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ کسی مسلمان سے کوئی غلطی ہوجانا یا کسی گناہ کا سرزد

ہوجانا اسلام کے خلاف نہیں، اس سے کسی کی مسلمانی نہیں جاتی، کمال اسلام تو نہیں رہتا، لیکن کسی گناہ کی وجہ سے ہم اس کو اسلام سے خارج قرار نہیں دے سکتے۔ لیکن اگر عقیدے میں گڑبڑ ہو تو پھر ہم اس کو مسلمان نہیں سمجھیں گے، کسی قطعی حکم کا انکار کرتا ہے، ایک قطعی اور یقینی بات ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے یہ بات فرمائی، اب کسی عقلی شبہ یا کسی اور بات کی بناء پر کہتا ہے کہ: ''میں تو نہیں مانتا'' نہ مان، جہنّم میں جا! تیرے نہ ماننے سے اللہ اور اس کے رسول کا کیا بگڑتا ہے؟ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی کسی بات کا انکار کر دینا چاہے تہجد اور پنج وقتہ نمازیں پڑھتا ہو، اور ایک ہزار مرتبہ روزانہ کلمہ پڑھتا ہو، تب بھی یہ شخص مسلمان نہیں رہتا، کافر ہوجاتا ہے۔ اگر حضور ﷺ کی کسی بات کا انکار کر دیتا ہے کہ میں نہیں مانتا، یا اس کا مذاق اُڑاتا ہے یا اس میں شک وشبہ اور تذبذب کا اظہار کرتا ہے تو مسلمان نہیں رہتا، معلوم ہوا کہ گناہ سے تو اسلام اور ایمان ضائع نہیں ہوتا لیکن حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کی ایک بات کا انکار کر دینا اس سے ایمان ضائع ہوجاتا ہے۔

③: یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اپنے اسلام کے اندر غلط نظریات یا بدعات کو ملا دینا یہ حسن اسلام نہیں، بلکہ یہ اسلام میں ملاوٹ ہے۔

④: اس حدیث شریف سے حق تعالیٰ شانہ' کی رحمت بھی معلوم ہوئی کہ جو نیکی کا کام کرو کم سے کم دس گنا دیا جاتا ہے، باقی اپنے اخلاص پر ہے، کسی کو ستر گنا ملتا ہے، کسی کو سات سو گنا ملتا ہے اور تعداد آگے بھی بڑھ سکتی ہے، سات ہزار تک پہنچ سکتی ہے، سات لاکھ تک پہنچ سکتی ہے، ستر لاکھ تک پہنچ سکتی ہے، اور وہاں تک پہنچ سکتی ہے جہاں ہماری گنتی ختم ہوجائے، صرف ایک نیکی کا بدلہ، بخلاف اس کے اگر کوئی بُرائی کرے تو وہ ایک ہی لکھی جاتی ہے دو نہیں لکھی جاتی۔

ایک حدیث شریف میں یوں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۝۱۶۰﴾ (الانعام:۱۶۰)

ترجمہ: ''جو لے کر آئے ایک نیکی اس کو ملے گا دس مثل، دس نیکیاں، اور جو کوئی بُرائی لے کر آئے اس کو اتنی ہی ملے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔''

(طبرانی، الاسماء والصفات للبیھقی، مستدرک الحاکم)

مطلب یہ ہے کہ ایک بُرائی کی جگہ سو برائی لکھ دیں، سو تو دور کی بات سوا بھی نہیں لکھیں گے، اگر دو چھٹانک کی برائی کی تھی تو اتنا ہی لکھیں گے، اس سے زیادہ نہیں لکھیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے اس آیت شریفہ کو تلاوت فرمایا اور فرمایا کہ: ایک دس پر بھاری نہیں ہوسکتا، کیا مطلب؟ دس گناہ کرو گے اور ایک نیکی کرو گے تو برابر ہوجائیں گے، ایک اور دس کا مقابلہ تو نہیں ہوسکتا، اور حدیث شریف میں فرمایا کہ: مزید رحمت یہ

ہے کہ دائیں جانب کا فرشتہ نیکی لکھنے پر اور بائیں جانب کا فرشتہ برائی لکھنے پر مقرر ہے، جب آدمی نیکی کرتا ہے تو دائیں والا فرشتہ تو فوراً لکھ لیتا ہے، وہ دائیں والا افسر ہے اور بائیں والا اس کا ماتحت ہے، جب بندہ برائی کرتا ہے تو وہ بائیں والا اپنے افسر سے کہتا ہے کہ: لکھ دوں؟ وہ کہتا ہے ذرا ٹھہر جاؤ! ابھی نہیں لکھو ہوسکتا ہے کہ توبہ کرلے اور تمہیں لکھنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے۔ نیکی فوراً لکھتے ہیں اور فوراً محفوظ کر لیتے ہیں اور برائی فوراً نہیں لکھتے بلکہ بندے کو مہلت دیتے ہیں شاید اب بھی توبہ کرلے، ہمیں لکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے (طبرانی، الاسماء والصفات للبیہقی، مستدرک الحاکم)۔

اسلام گزشتہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے

[حدیث:١٨] ”أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صِلَةٍ وَعَتَاقَةٍ وَصَدَقَةٍ هَلْ لِي فِيهَا مِنْ أَجْرٍ قَالَ حَكِيمٌ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْلَمْتَ عَلَى مَا سَلَفَ مِنْ خَيْرٍ“

(صحیح بخاری: کتاب الآداب، بَاب مَنْ وَصَلَ رَحِمَهُ فِي الشِّرْكِ، حدیث: ۵۵۳۳)

ترجمہ: ”حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمانے لگے یا رسول اللہ! جاہلیت کے زمانے میں اسلام لانے سے قبل ہم نے کچھ نیک عمل بھی کئے تھے صلہ رحمی، غلام آزاد کرنا، صدقہ وغیرہ تو ان کا کیا بنے گا؟ ان سے فرمایا کہ تو اسلام لایا ان نیکیوں پر جو تیرے پہلے ہو چکی ہیں۔“

تشریح: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ (نام بھی حکیم ہے، تھے بھی حکیم، اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے) ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ! جاہلیت کے زمانے میں اسلام لانے سے قبل ہم نے کچھ نیک عمل بھی کئے تھے تو ان کا کیا بنے گا؟ گناہ تو خیر معاف ہو جائیں گے،

”إِنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَإِنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا“

ترجمہ: ”اسلام لانے کے بعد تمام گناہ منہدم ہو جاتے ہیں، اور ہجرت کے بعد تمام گناہ ساقط ہو جاتے ہیں جو ہجرت سے پہلے کئے تھے۔“

لیکن گناہ ساقط ہو جاتے ہیں نیکیاں تو ساقط نہیں ہوتیں تو کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان ہونے سے پہلے جو ہم نے نیکیاں کی ہیں وہ نیکیاں ہمیں ملیں گی یا نہیں؟ آپ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اسلمت علی ما سلف لک من خیر** جو خیر اور بھلائی کے کام تو پہلے کر چکا ہے وہ تیرے ضائع نہیں جائیں گے تو انہی نیکیوں پر اسلام

لا یا خیر کے کاموں پر اسلام لایا یعنی انکا اجر وثواب تجھے با قاعدہ ملے گا۔

[حدیث:۱۹] ”عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَإِنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، قَالَهُ حِيْنَ قَبَضَ يَدَهُ عَنِ الْبَيْعِ فَقَالَ مَالَكَ يَا عَمْرُو قَالَ قُلْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ بِمَاذَا قُلْتُ أَنْ يُغْفَرَ لِي۔“

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، بَاب كَوْنِ الْإِسْلَامِ يَهْدِمُ مَا قَبْلَهُ، حدیث:۱۷۳)

ترجمہ: ”حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نہیں جانتا کہ اسلام اگلے پچھلے تمام گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت پہلے کے گناہوں کو ڈھا دیتی ہے اور حج پہلے کے گناہوں کو ڈھا دیتا ہے یہ بات حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمائی تھی جبکہ انہوں نے بیعت سے اپنا ہاتھ روک لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عمرو کیا بات ہوئی عرض کیا کہ میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں فرمایا کیا شرط لگانا چاہتے ہو کہا کہ میری بخشش ہو جائے۔“

تشریح: یہ حدیث ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما دو عظیم صحابی ہیں، یہ اسلام کے بہت بڑے جرنیل ہیں، صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے یہ اکھٹے آ کر مسلمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گویا ان کے منتظر تھے انہوں نے آپس میں صلاح کی چھپ کر کہ یار جنگیں بھی بہتری کر لیں، لڑائیاں بہتری کر لیں لیکن بنا بنایا کچھ نہیں، اسلام پھیلتا جا رہا ہے، کہیں ہم دھوکے میں تو نہیں آ گئے، خالد بن ولید اور عمرو بن العاص نے کہا کہ واقعی ہم لوگ دھوکے میں آ گئے اب بھی ہمیں تلافی کر لینی چاہیئے، آہستہ سے چپ چاپ کر کے جا کر مسلمان ہو جانا چاہیئے۔

چنانچہ راتوں رات یہ پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں اور صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی یہ دیکھو میری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھائے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ انہوں نے ہاتھ بڑھائے تو انہوں نے پیچھے ہٹا لئے، کہنے لگے جی! ایک شرط لگانا چاہتا ہوں، فرمایا: کیا شرط لگاؤ گے؟ فرمانے لگے: شرط یہ لگانا چاہتا ہوں آج تک جو کچھ ہو چکا وہ معاف کر دیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور مسکرا کر فرمایا، **او ما تعلم یا عمرو**، عمرو تو نہیں جانتا؟ **ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ** اسلام لانے کے بعد پہلے کے تمام گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔

و ان الھجرۃ تھدم ما کان قبلھا اور ہجرت پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے **و ان الحج یھدم ما کان قبلہ**، اور حج پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: جس

دن سے میں مسلمان ہوا اس دن سے آنحضرت ﷺ مجھے سپہ سالار بناتے تھے، ایک دن میرے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ تو سب سے افضل ہے، ابوبکر و عمر تمہارے ماتحت ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے نزدیک سب سے افضل آدمی کون ہے؟ فرمایا: ابوبکر! کہنے لگے: اور کون ہے؟ کہنے لگے اس کی بیٹی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ فرمانے لگے کہ آج مجھے اپنی غلط فہمی معلوم ہوئی۔

اس حدیث کے بارے میں ایک نکتہ یاد رکھو! کہ اسلام لانے سے تو تمام گناہ صغیرہ اور کبیرہ معاف ہوجاتے ہیں لیکن حقوق العباد نہیں معاف ہوتے۔ اور یہ جہاں تک دُوسرے عمل ہیں، یعنی ہجرت اور حج، بعض علماء کے نزدیک اس سے صغیرہ اور کبیرہ تمام قسم کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، لیکن اکابر کا ارشاد یہ ہے کہ صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اتنی بات یاد رکھو کہ حقوق العباد کسی حال میں معاف نہیں ہوتے، جب تک کہ اربابِ حقوق سے معافی نہ مانگی جائے۔

اسلام لانا گزشتہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے

[حدیث:۲۰] ”عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ مَنْ أَحْسَنَ فِي الْإِسْلَامِ لَمْ يُؤَاخَذْ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَمَنْ أَسَاءَ فِي الْإِسْلَامِ أُخِذَ بِالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ“

(صحیح بخاری: کتاب الایمان، بَاب هَلْ يُؤَاخَذُ بِأَعْمَالِ الْجَاهِلِيَّةِ، حدیث: ۱۷۲)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اچھی طرح اسلام لایا تو جو عمل کفر میں کیا اس پر مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا، اور جس نے اسلام میں بُرائی کی تو اگلے پچھلے دونوں گناہوں پر اس کی پکڑ ہوگی۔“

تشریح: اس حدیث شریف کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص اسلام لایا اور اسلام لانے کے بعد اس کی حالت اچھی ہوگئی یعنی خوب طرح اسلام لایا، تو جاہلیت کے زمانے میں اس نے جو کام کئے تھے اس سے ان پر مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔

”اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ“ (السنن الکبری للبیہقی و درمنثور:۱)

اس لئے کہ اسلام لانے کے بعد اسلام لانے سے پہلے کے جتنے گناہ ہوتے ہیں سب معاف ہوجاتے ہیں۔ اور جو شخص اسلام لانے میں ٹھیک طرح نہیں چلا، مطلب یہ کہ ٹھیک طرح اسلام نہیں لایا بلکہ ویسا ہی منافق، فاسق، فاجر رہا جیسا کہ پہلے تھا، اسلام اس کے دل میں نہیں اُترا، تو اس سے پہلے اور پچھلے سارے گناہوں پر مؤاخذہ ہوگا، اسلام سے پہلے کے اور اسلام لانے کے بعد کے گناہوں پر بھی مؤاخذہ ہوگا، پکڑ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام لایا ہی نہیں، منافقت کی وجہ سے صرف ظاہری طور پر اسلام لایا، یا یہ کہ مسلمان

تو ہوا تھا، نعوذ باللہ پھر مرتد ہوگیا، تو اب اس کا اسلام لانا قابل اعتبار نہیں رہا، لیکن اگر کوئی شخص سچے دل سے اسلام لایا ہو اور پھر اس سے کوئی غلطی ہوگئی اسلام لانے کے بعد جبکہ ظاہر اور باطن کے اعتبار سے وہ مسلمان ہے، تو اس سے جاہلیت کے کاموں پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

جس شخص میں تین باتیں ہوں اس نے ایمان کی حلاوت پالی

[حدیث: ۲۱] ''عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ''

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، بَاب بَيَانِ خِصَالٍ مَنْ اتَّصَفَ بِهِنَّ وَجَدَ، حدیث: ۶۰)

[حدیث: ۲۱] **ترجمہ:** ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تین باتیں جس شخص میں موجود ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حلاوت پائے گا، نمبر ۱: اس شخص کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم باقی سب سے محبوب ہوں۔ نمبر ۲: یہ کہ آدمی کسی آدمی سے محبّت کرے تو محض اللہ کی خاطر اور نمبر ۳: یہ کہ ایک آدمی ناپسند کرے اس بات کو کہ وہ لوٹے کفر کی طرف بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نجات دے دی اس سے، (اسے ناپسند کرے) جیسا کہ وہ ناگوار سمجھتا ہے آگ میں پھینکے جانے کو۔''

[حدیث: ۲۱] **تشریح:** اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس شخص میں تین باتیں پائی جائیں وہ شخص ان باتوں کی وجہ سے ایمان کی حلاوت یعنی شیرینی محسوس کرے گا، معلوم ہوا کہ ایمان میں بھی شیرینی ہوتی ہے، یہ بھی میٹھا ہوتا ہے ایمان صحیح طور پر رَچ جائے اور اس کی واقعی مٹھاس آنے لگے تو ایمان کامل ہوجائے گا۔

وہ تین باتیں کیا ہیں؟ فرمایا:

ایک بات تو یہ ہے کہ ایک شخص مؤمن اللہ اور اللہ تعالیٰ کے رسول سے محبّت رکھتا ہے جتنی محبّت اس کو اللہ اور اللہ کے رسول سے ہے اتنی محبّت کسی سے بھی نہیں ہے۔

یہ حدیث تو مشہور ہے:

''لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ۔''

ترجمہ: ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں، اس کے باپ سے بھی اس کے بیٹوں سے بھی اور تمام انسانوں سے۔''

جب رسول اللہ کی محبّت سب سے زیادہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی محبّت تو اور زیادہ ہوگی جتنی محبّت اللہ اور اللہ کے رسول سے ہے اتنی محبّت کسی سے نہیں۔

دُوسری بات یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے محبّت رکھتا ہے محض اللہ کی خاطر اور کوئی رشتہ کوئی قرابت کوئی اور تعلق نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے نجات عطا فرمادی۔ مسلمان ہوگیا، مسلمان ہونے کے بعد اب کفر کی طرف لوٹنا اس کے نزدیک ایسا ہی برا اور ناگوار ہو جیسا کہ آگ میں پھینکا جانا ناگوار ہے۔ جس شخص میں یہ تین باتیں پائی جائیں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حلاوت اور شیرینی محسوس کرے گا، دُعا کرو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی عطا فرمادے۔ آمین۔

ایمان کا ذائقہ

[حدیث: ۲۲] ''عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا۔''

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، بَاب الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا، حدیث: ۴۹)

ترجمہ: ''حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چکھا اس شخص نے ایمان کا ذائق جو راضی ہوا اللہ کو ربّ مان کر اور اِسلام کو اپنا دِین مان کر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول مان کر۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (اور یہ حضرت عباس بن عبد المطلب کی روایت ہے) کہ جو شخص اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین مان کر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول مان کر راضی ہوگیا اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا، اگر اللہ کے رب ہونے پر یقین نہیں، ایک تو دل کا یقین ہے، اللہ ہم سب کو نصیب فرمائے اور ایک سر سے پاؤں تک آدمی کے دل میں بس جائے کہ میرا رب میرا اللہ ہے، اسی طرح اسلام کو اپنا دین مان کر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی مان کر جو شخص راضی ہوگیا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

ایمان کی توفیق اللہ کی طرف سے ہی ہوتی ہے

[حدیث:۲۳] ”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا، يَقُولُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ۔“

(صحیح مسلم: کتاب القدر، بَاب تَصْرِيفِ اللهِ تَعَالَى الْقُلُوبَ، حدیث: ۴۷۹۸)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک بنی آدم کے تمام قلوب رحمٰن کی اُنگلیوں میں سے دو اُنگلیوں کے درمیان ہیں مثل ایک دل کے، اس کو پھیر دے جیسا چاہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ: بنی آدم کے تمام دل حق تعالیٰ جل شانہٗ کی دو اُنگلیوں کے درمیان ہیں، جیسا کہ ایک دِل، اس کو جس طرف چاہے پھیر دے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنی دُعا میں فرمایا کرتے تھے کہ: ”يَا مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ، ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى طَاعَتِكَ وَدِينِكَ“ اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی طاعت اور دین پر ثابت رکھیئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا سن کر جو آپ کثرت سے فرماتے تھے ہم نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی صحبت میں بیٹھنے کی سعادت اللہ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، کیا آپ ہمارے بارے میں بھی اندیشہ رکھتے ہیں کہ ہم گمراہ ہوجائیں گے؟ بدل جائیں گے؟ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی: کہ تمام دِل اللہ کے قبضے میں ہیں، وہ بے نیاز ذات ہے جس طرف چاہے بدل دے۔

رحمٰن کی اُنگلیوں میں سے دو اُنگلیوں کے درمیان ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی چیز کسی کی چٹکی میں ہوتی ہے اور اس کو پورا تصرف حاصل ہوتا ہے، وہ جس طرح چاہے اس کو بدل دے، اسی طرح تمام کے تمام قلوب حق تعالیٰ شانہٗ کے قبضے میں ہیں، جس کو جس طرف چاہے بدل دے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ﴿أَنَّ اللهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ﴾ (الانفال: ۲۴) بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آڑ (پردہ) واقع کردیتے ہیں آدمی اور اس کے دِل کے درمیان، یعنی اس کے دِل کی مراد پوری نہیں ہوتی۔

رحمٰن کی دونوں انگلیوں کے درمیان ہونا کنایہ ہے قدرت سے، باقی اللہ تعالیٰ کی جتنی صفات ہیں جیسے اس کے ہاتھ، اس کا چہرہ، اور جیسے ایک حدیث میں آتا ہے ”اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک رکھیں گے“ تو یہ ساری کی ساری چیزیں متشابہات میں سے ہیں، ہم اس پر جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ایمان رکھتے

ہیں اور اس کی کیفیت کے درپے نہیں ہوتے، اس کے ہاتھ کیسے ہیں؟ اس کی انگلیاں کیسی ہیں؟ وہاں ''کیسے'' کا گزر نہیں ہے۔

اور یہ فرمایا کہ: رحمٰن کے قبضے میں ہیں، اس میں لطیف اشارہ فرمادیا کہ ہیں تو اس کے قبضے میں لیکن اس کی رحمانیت تقاضا کرتی ہے کہ ان کو ہدایت پر رکھا جائے۔

حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، شیخ القراء بلکہ مجدد القراءۃ تھے، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کہنے لگے کہ: حضرت! بہت ہی بے چینی اور پریشانی ہے، کہیں خدانخواستہ خاتمہ خراب نہ ہوجائے، اس کی بڑی بے چینی رہتی ہے، ساری عمر اللہ تعالیٰ نے قرآن پڑھانے کی توفیق عطا فرمائی ہے لیکن خاتمہ کی طرف سے بڑی پریشانی لگی رہتی ہے۔ ہمارے ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ بڑی حکیمانہ باتیں کہا کرتے تھے، مختصر بات فرماتے تھے، فرمانے لگے: مطمئن رہو! سخی چیز دے کر واپس نہیں لیا کرتا، اس کریم نے تمہیں جب ایمان عطا فرمادیا ہے تو کیوں چھینے گا؟ سخی دے کر واپس نہیں لیا کرتا۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمارہے ہیں: ''اصبعین من اصابع الرحمٰن'' اس میں اسی بات کا لطیف اشارہ ہے کہ وہ رحمٰن ہے اس کی رحمانیت پر اعتماد کرو، لیکن ڈرتے بھی رہو کہ کہیں ہم سے کوئی گستاخی ایسی نہ ہوجائے کہ خدانخواستہ ایمان سلب نہ ہوجائے، اللہ کی غیرت سے ڈرتے بھی رہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ رحمٰن ہے، محض اپنے لطف، عنایت اور فضل کے بغیر ہمارے مانگے اور توجہ کے اس نے ہمیں یہ دولت عطا فرمادی اور اُمید رکھو کہ دے کر واپس نہیں لے گا، ان شاءاللہ۔

ایمانِ کامل کی علامت

[حدیث: ۲۴] ''عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی أَکُونَ أَحَبَّ إِلَیْہِ مِنْ وَلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِینَ۔''

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، بَاب وُجُوبِ مَحَبَّةِ رَسُولِ اللّٰہ، حدیث: ۶۳)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں ایمان دار ہوگا تم میں سے کوئی شخص یہاں تک کہ میں اس کے لئے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں اس کے والد سے بھی، اس کی اولاد سے بھی اور تمام انسانوں سے بھی۔''

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص

مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک میں اس کے لئے اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں، یعنی جب تک کہ آنحضرت ﷺ کی محبت سے بڑھ کر نہ ہوجائے اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا، اس حدیث کی تقریر تو پہلے گزر چکی ہے لیکن یہاں اتنی بات اور سمجھ لی جائے کہ محبّت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک عقلی اور ایک طبعی، طبعی محبّت سے مراد ہے طبیعت کی کشش کسی شخص کی طرف ہو، اور عقلی محبّت سے مراد ہے کہ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس کے بجائے فلانا آدمی میرے لئے زیادہ لائق قدر ہے، تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبّت اگر کسی کو طبعی نصیب ہوجائے تو زہے قسمت! ورنہ آدمی اس کا مکلف نہیں ہے، آدمی عقلی محبّت کا مکلف ہے، یعنی از رُوئے عقل یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آنحضرت ﷺ سب سے بڑھ کر محبوب ہیں اور معیار اس کا یہ ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں کوئی شخص حکم دے تو آنحضرت ﷺ کے حکم کو ترجیح ہو۔ اور نعوذ باللہ! اگر کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کی بے ادبی کرے تو اس کو برداشت نہ کرسکے اور الحمدللہ ہر مسلمان کی شان یہی ہے، اگرچہ اپنے بیوی بچوں سے بھی محبّت ہو، دوسرے لوگوں سے محبّت ہو، لیکن وہی لوگ جن سے وہ محبّت رکھتا ہے اگر خدانخواستہ آنحضرت ﷺ کی شان میں نازیبا لفظ بول دیں تو ان کو مارنے کے لئے تیار ہوجائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ عقلی محبّت ہر مسلمان کو آنحضرت ﷺ سے زیادہ ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ بعض اوقات آنحضرت ﷺ کی محبّت اس راکھ کے ڈھیر میں دبی ہوئی ہوتی ہے، دوسری محبتیں اتنی ہجوم کرلیتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی محبّت اس میں چھپ جاتی ہے، نظر نہیں آتی، اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں دوسرے لوگوں کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں یا اپنے نفس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں، تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ان کے اندر رسول اللہ ﷺ کی محبّت نہیں ہے، بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ دوسروں کی محبّت نے اتنا دباؤ اور غلبہ ڈال لیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی محبّت چھپ گئی ہے۔

[حدیث: ۲۵] ”عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ ھِشَامٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ، لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ! حَتّٰی أَکُوْنَ أَحَبَّ إِلَیْکَ مِنْ نَفْسِکَ، قَالَہٗ لِعُمَرَ، فَقَالَ عُمَرُ: فَإِنَّہُ الْاٰنَ وَاللہِ! لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ، فَقَالَ: اَلْاٰنَ یَا عُمَرُ!“ (صحیح بخاری: کتاب الأیمان والنذور، باب کَیْفَ کَانَتْ یَمِیْنُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث: ۶۱۴۲)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ جب تک میں ہوجاؤں تمہارے نزدیک زیادہ محبوب اپنی جان سے بھی، یہ بات فرمائی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: بات یہ ہے کہ اب تو اللہ کی قسم! آپ میرے لئے زیادہ محبوب ہیں میری جان سے بھی۔ فرمایا: ہاں! اب ہوئے اے عمر!“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے، حضور اکرم ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، چل رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”والذی نفسی بیدہ!“ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا، ”لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین“ یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں اس کے باپ، اس کے بیٹے، اس کی جان اور سب لوگوں سے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: یارسول اللہ! اور تو سب سے زیادہ آپ کی محبّت ہے، لیکن اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں، یعنی اپنی جان کی محبّت آپ سے زیادہ معلوم ہوتی ہے، تو اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تم مومن نہیں ہوگے جب تک کہ میں اس کی جان سے بھی زیادہ اسے محبوب نہ ہوجاؤں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یارسول اللہ! اب تو آپ کی محبّت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ معلوم ہوتی ہے، فرمایا: ہاں! اب ہوئی بات۔

اس حدیث شریف کے سلسلے میں چند باتیں سمجھنے کی ہیں، آنحضرت ﷺ کی محبّت کا اپنے باپ سے، اپنی اولاد سے، اپنی جان سے زیادہ محبوب ہونا یہ شرط ہے اس کے بغیر ایمان کامل نہیں اور وجہ اس کی بالکل ظاہر ہے، کسی شخص کا دُنیا کے کسی آدمی سے بھی اتنا قوی تعلق نہیں جتنا کہ رسول اللہ ﷺ سے قوی ہے، اور محبّت کی بنیاد تعلق پر ہے، تو جتنا تعلق قوی ہوگا اسی قدر محبّت زیادہ ہوگی اور آنحضرت ﷺ کا تعلق ہر مسلمان کے ساتھ اس کی جان سے بھی زیادہ ہے، اور یہ بات قرآنِ کریم نے ارشاد فرمائی ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗۤ اُمَّھٰتُھُمْ ط﴾ (الاحزاب:۶)

ترجمہ: ”نبی کو زیادہ قرب حاصل ہے اہلِ ایمان کے ساتھ ان کی جان سے بھی اور نبی کی بیویاں اہلِ ایمان کی مائیں ہیں۔“

تو اللہ تعالیٰ کی شہادت یہ ہے کہ نبی ﷺ کو اہلِ ایمان کے ساتھ ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ تعلق اور قرب ہے، اس تعلق اور قرب کا نتیجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی اُمّت کے حق میں اتنے شفیق اور رؤف رحیم ہیں کہ آدمی خود اپنا بھلا اتنا نہیں سوچ سکتا، چنانچہ اس کو بھی قرآنِ کریم نے ذکر فرمایا:

﴿لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ﴾

(التوبۃ:۱۲۸)

ترجمہ: ”آئے ہیں تمہارے پاس ایک رسول تمہاری ہی جنس میں سے، جو تمہارے نفع کے حق میں بہت ہی حریص ہیں، نہایت شاق اور گراں گزرتی ہے آپ کو وہ بات جو تم کو مشقت میں ڈالے۔“

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حریص کہا اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ تم پر حریص ہیں، تم میں سے کسی کو تکلیف پہنچے آنحضرت ﷺ کو نہایت گراں گزرتی ہے، ﴿حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ﴾ تمہارے نفع کے حق میں بہت ہی زیادہ حریص ہیں، اور یہ تو تم سب کے لئے ہے، مؤمنوں کے ساتھ نہایت شفیق ہیں اور بے حد رحم کرنے والے ہیں۔

تو تعلق کی بنیاد پر آدمی کسی کی نفع رسانی پر حریص ہوتا ہے اور اس کی مشقت اس کو گراں گزرا کرتی ہے، قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ تم اپنے نفع کے لئے اتنے حریص نہیں ہو جتنا کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے نفع کے لئے حریص ہیں، اور تمہیں اپنی مشقت کی باتیں اتنی دشوار نہیں گزرتیں تکلیف دہ نہیں ہیں جتنی کہ رسول اللہ ﷺ کو ہیں۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ہر اُمتی کے ساتھ اتنا قوی تعلق ہے کہ کسی اُمتی کو اپنی جان سے بھی نہیں، تو ایسی صورت حال میں تو آنحضرت ﷺ کی محبّت بھی سب سے زیادہ ہونی چاہئے، حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ ہونی چاہئے، اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خاطر آدمی اپنی جان بھی نثار کر دیتا ہے، ایک مومن اپنی جان کی بھی بازی لگا دیتا ہے حضور ﷺ کی عزّت و ناموس کے لئے۔

میں نے ایک صاحب کی تحریر پڑھی تھی، جگر مراد آبادی مرحوم، آخر میں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت ہی کرم فرما دیا تھا، داڑھی بھی بڑھالی تھی اور صوفی بن گئے تھے، سب چیزوں سے تائب ہو گئے تھے، لیکن پہلے زمانے میں آزاد قسم کے شاعر تھے، مئے نوش (شرابی) تھے، نشے میں دُھت رہتے تھے، کسی مشاعرے میں غیر مسلم بھی جمع تھے، کسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے، محفل میں باتیں ہونے لگیں، کسی غیر مسلم نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں کوئی ایسا (گستاخی کا) کلمہ کہہ دیا اور یہ اس وقت جب پی ہوئی تھی آنکھیں سرخ تھیں، مدہوش تھے، جگر مرحوم ان صاحب سے کہنے لگے کہ: بات یہ ہے کہ گناہگار تو ہوں لیکن کافر نہیں ہوں، تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں یہ بات برداشت نہیں کر سکتا، اب خدانخواستہ تم نے دوبارہ یہ بات کہہ دی تو دوبارہ یہ حادثہ پیش آ سکتا ہے، اس نے فوراً معافی مانگی وہ بھی مدہوش تھا۔ یہ سب رندوں کی محفل تھی، اس واقعے کو نقل کرتے ہوئے وہ صاحب تبصرہ کرتے ہیں کہ ایک مسلمان اس گناہگاری کی حالت میں یہ تعلق رکھتا ہے، اگر ہوش میں ہو تو کیا عالم ہوگا...؟ ایک رند شرابی اور وہ بھی ایک آزاد منش شاعر، جن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، آنحضرت ﷺ کی محبّت ہر شخص کے دل میں پیوست ہے، یہ الگ بات ہے کہ یہ چنگاری دبی ہوئی ہو اور راکھ کے اندر، ورنہ ایک لوہار کا لڑکا غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ، اس نے عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات سنی تھی وہیں سے چھرا لے کر آیا اور راج پال کو قتل کر دیا اور چھرے سمیت تھانے چلا گیا۔

آنحضرت ﷺ کی ناموس پر حرف آجائے مسلمان یہ برداشت نہیں کرسکتا، اپنی جان سے کھیل سکتا ہے، لیکن اس کو برداشت نہیں کرسکتا، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ آنحضرت ﷺ کی محبّت اپنی جان سے بھی زیادہ ہے۔

دوسری بات سمجھنے کی یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں کہا کہ: مجھے اپنی ذات اور جان سے محبّت زیادہ معلوم ہوتی ہے؟ بات یہ ہے کہ انہوں نے پہلے غور نہیں فرمایا تھا، یوں سمجھا تھا کہ جب آدمی کی جان پر بن آتی ہے تو سب کچھ بھول جاتا ہے، یہ ایک فطری بات ہے، جب آدمی خود پھنسا ہوا ہو تو کوئی یاد نہیں رہتا، اس لئے انہوں نے سمجھا انہوں نے کہ اپنی جان کی محبّت ہر ایک سے زیادہ ہے تو رسول اللہ ﷺ سے بھی زیادہ ہوگی، لیکن یہ بات نہیں تھی، جیسا کہ میں نے بتایا جب آدمی کی اپنی جان پر بن آئے تو سب کو بھول سکتا ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول کو نہیں بھول سکتا۔

حضرت زید بن دثنہ اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہما، مشہور واقعہ ہے بئر معونہ کا، وہاں کافروں نے دھوکے سے ان کے ساتھیوں کو شہید کردیا تھا اور ان دونوں کو پکڑ کر مکہ میں بیچ دیا اور مکہ کے جو کافر جنگ بدر میں مارے گئے تھے ان کے وارثوں نے ان دونوں سے بدلہ لینا چاہے، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ بخاری شریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ جس دن ان کو سولی پر لٹکایا گیا، پکڑ کر لے گئے تو اس سے پہلے فرمانے لگے کہ: اگر اجازت دو تو میں دو رکعت پڑھ لوں، کہا: شوق سے پڑھو! دو رکعتیں پڑھیں اور پڑھ کر فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ احصِھِمْ عَدَداً، وَاقتُلھُمْ بَدَداً وَلَا تُبقِ مِنھُمْ أَحَداً"

ترجمہ: "یا اللہ! یہ جتنے لوگ جمع ہیں ان کو گن لیجئے اور ایک ایک کرکے ان کو قتل کیجئے اور ان میں سے کسی ایک کو نہیں چھوڑ یئے۔"

یہ ان کے حق میں بددُعا کی پھر اِرشاد فرمایا کہ: تم لوگ کہو گے کہ یہ موت کے ڈر سے نماز پڑھ رہا ہے، ورنہ جی چاہتا تھا کہ زندگی کی آخری نماز طویل پڑھتا۔ چنانچہ جب ان کو لٹایا گیا تو اس وقت فرمایا:

وَلَسْتُ أُبَالِیْ حِیْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰی أَیِّ جَنْبٍ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ

ترجمہ: "مجھے کوئی پروا نہیں ہے اس بات کی جبکہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جارہا ہوں کہ مرکر میں اپنے کس پہلو پر گروں گا۔"

وَذَاکَ فِیْ ذَاتِ الْإِلٰہِ وَإِنْ یَّشَأْ
یُبَارِکْ عَلٰی أَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٖ

ترجمہ: "اور یہ سب کچھ اللہ کے لئے کررہا ہوں، اور اگر وہ چاہے تو گوشت کی ریزہ

ریزہ بوٹیوں میں بھی برکت ڈال دے۔‘‘

بہرحال وہ شہید ہوگئے اور لکھا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قتل ہونے سے پہلے دو رکعت نماز کی سنّت جاری کی، حضرت زید بن دشنہ رضی اللہ عنہ کو قتل کے لئے لے گئے تو ابوسفیان اور باقی لوگ کہنے لگے کہ: تم سے ایک بات کہتے ہیں زبان سے اتنی بات کہہ دو کہ اے کاش! میری جگہ محمد کو قتل کیا جاتا۔ نعوذ باللہ! فرمایا: میرے ایمان کی آزمائش کرنا چاہتے ہو؟ اللہ کی قسم! میں یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جہاں تشریف فرما ہیں وہاں ان کے کانٹا بھی چبھ جائے، میں ان کو کانٹا چبھنا بھی پسند نہیں کرونگا۔ چنانچہ ان کو شہید کردیا گیا، اگر کوئی چاہتا تو جان بچانے کے لئے جھوٹ بول سکتا تھا، لیکن نہیں کیا، اپنے دل کی بات کہہ دی، کسی مسلمان پر خواہ کتنی ہی قیامت گزر جائے لیکن یہ نہیں چاہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا سی خراش بھی آجائے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں اپنی جان سے زیادہ مجھ سے محبّت نہیں تو پھر تم مومن نہیں، حالاں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، اس پر فرمایا: اب تو آپ میری جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہیں۔ فرمایا: ہاں اب ٹھیک ہے! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبّت نصیب فرمائے۔ اور اگر سچ پوچھو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کا نام ہی ایمان ہے۔ ہم نے تو ساری عمر پاپڑ بیل کر یہی سیکھا ہے، اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت اور عظمت قلب میں نہیں ہے تو پھر کچھ بھی نہیں ہے۔

جو چیز اپنے لئے پسند کرو اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرو

[حدیث: ۲۶] ’’عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِجَارِهِ أَوْ قَالَ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔‘‘

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ مِنْ خِصَالِ الْإِيمَانِ، حدیث: ۶۵)

ترجمہ: ’’حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندہ ایمان دار نہیں ہوگا یہاں تک کہ پسند کرے اپنے بھائی کے لئے وہی چیز جو پسند کرتا ہے اپنی ذات کے لئے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے اسی چیز کو پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ یہ بھی کمالِ ایمان کی بات ہے، اپنے بھائی سے مراد ہے مسلمان بھائی، دوسروں کے لئے وہی بات پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے ہو، اگر تم نہیں چاہتے ہو کہ لوگ تمہاری برائی کریں تو تم بھی کسی کی برائی نہ کرو، اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہاری غیبت

نہ کریں تو تم کیوں کرتے ہو؟ اگر تم نہیں چاہتے کہ دوسرے لوگ تمہیں دھوکا دیں تو تم دوسروں کو کیوں دھوکا دیتے ہو؟ غرضیکہ ہر وہ معاملہ جو اپنے اوپر پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے حق میں بھی پسند نہ کرو، فارسی میں ضرب المثل ہے: ''ہر آنچہ برخود نہ پسندی، بدیگراں پسند'' جو چیز اپنے حق میں پسند نہیں کرتے ہو دوسروں کے حق میں بھی پسند نہیں کرو، یہ کمال ایمان ہے اور اگر ہمارا طرز عمل اس کے خلاف ہے تو اس کا معنیٰ ہے کہ ایمان کے کمال میں نقص ہے، یہاں یہ بات یاد رکھو کہ اچھا بیج ڈال دیا زمین میں اور زمین بھی بہت طاقت ور ہے، زرخیز اور بیج بھی بہت عمدہ ڈالا، اس کا پودا اُگ آیا، اُوپر سے بکریوں نے کھالیا تو ویسے کا ویسا ہی رہ جائے گا، اور اگر اس کی نگہداشت صحیح طور پر کی جائے تو تناور درخت بن جائے گا، یہی مثال ایمان کی سمجھو، ایمان نہایت طاقت ور بیج ہے لیکن بعض لوگوں کے دل اتنے کمزور واقع ہوئے ہیں کہ ان میں پوری طرح جڑ ہی نہیں پکڑتا، ریتیلی زمین میں کیا درخت اُگے گا، اور بعض لوگوں کے دلوں میں صلاحیت موجود ہے لیکن اس ایمان کے پودے کی نگہداشت نہیں ہوئی، صحیح پرورش نہیں ہوئی خواہشات کی بکریاں انکو چر جاتی ہیں، اس لئے وہ ایمان برگ و بار نہیں لاتا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے میں وہ کوتاہی کرتے ہیں، علماء فرماتے ہیں کہ ایک یہ حدیث تمام کے تمام معاملات کو درست کرنے کے لئے کافی ہے، صرف ایک حدیث:

''لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ''

ترجمہ: ''تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی اس چیز کو پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ مبارک میں دو مسواکیں تھیں، ایک صحابی سے فرمایا: ان میں سے جو چاہو لے لو! کہنے لگے کہ: یارسول اللہ! آپ ہی انتخاب فرمادیں، فرمانے لگے: یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس لئے تم یہی لے لو! مسواک میں بھی آنحضرت ﷺ اس کی رعایت فرماتے تھے کہ دوسرے کو وہ دی جائے جو اپنے کو پسند ہے۔

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران: ۹۲)

ترجمہ: ''تم نیکی کے کمال کو نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ اس میں سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔''

ردّی قسم کا مال چھانٹ چھانٹ کر صدقہ کرتے ہو، یہ نیکی نہیں ہے، غرضیکہ اُمّت صرف ایک اُصول اپنالے تو میرے خیال میں پچاس فیصد تو دُنیا سے فساد ختم ہوجائے گا، یہ مقدموں کی نوبت نہ آئے اور دوسرے شر فساد اور فتنے جو پیدا ہو رہے ہیں ان سے نجات مل جائے کہ تمہارا معاملہ دوسروں کے ساتھ وہ ہو جو

معاملہ کہ تم اپنے ساتھ پسند کرتے ہو۔

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، نوجوان تھا، کہنے لگا: یا رسول اللہ! زنا کی اجازت دیجئے، بیوی کر نہیں سکتا اور جوانی کا تقاضا مجبور کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قریب آؤ! قریب آیا، فرمایا: برخوردار! تم برداشت کرو گے کہ کوئی تمہاری ماں بہن کے ساتھ ایسا کرے؟ کہا: نہیں! فرمایا: جس سے تم کرو گے وہ بھی کسی کی ماں یا بہن ہوگی، کسی کی بیٹی ہوگی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

''اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبَہٗ وَحَصِّنْ فَرْجَہٗ'' (المغنی للعراقی، اتحافات السنیة)

ترجمہ: ''یا اللہ اس کے دل کو پاک کر دیجئے اور اس کو پاک دامنی عطا فرما۔''

وہ نوجوان کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس ہاتھ پھیرنے کے بعد میرے لئے دیوار اور عورت برابر ہوگئے۔ یہ تو آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا، مجھے تو یہاں یہ بیان کرنا تھا کہ کسی غیر کی طرف نظر کرتے ہو تو کوئی تمہاری کی طرف بھی نظر کرتا ہوگا۔

مؤمنِ کامل کی شناخت

[حدیث: ۲۷] ''عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔''

(سنن الترمذی: کتاب صفة القیامة والرقائق، باب منه، حدیث: ۲۴۳۹)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

تشریح: حدیث میں مؤمن سے مراد مؤمنِ کامل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مؤمنِ کامل وہی ہے جو اپنے دُوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور جو چیز اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو دُوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ مثلاً: کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ دُوسرے لوگ اس کی عزّت وحرمت پامال کریں، اس کی غیبت کریں، اس کے خلاف کوئی سازش کریں، اس کی جان و مال اور عزّت و آبرو کو کوئی نقصان پہنچائیں، تو جس طرح اپنے حق میں ان چیزوں کو پسند نہیں کرتا، ٹھیک اسی طرح دُوسروں کے حق میں بھی ان چیزوں کو پسند نہ کرے، کسی کی غیبت نہ کرے، کسی کو نقصان نہ پہنچائے، کسی کی عزّت وحرمت پامال نہ کرے۔ الغرض! کمالِ ایمان کا معیار یہ ہے کہ آدمی دُوسروں کے لئے بھی وہی بات

پسند کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔

مؤمن کا گناہوں سے پریشان ہونا اور توبہ کرنا ایمان کی علامت ہے

[حدیث: ۲۸] ”اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَرٰی ذُنُوْبَهٗ کَاَنَّهٗ فِیْ اَصْلِ جَبَلٍ یَخَافُ اَنْ یَّقَعَ عَلَیْهِ، وَاِنَّ الْفَاجِرَ یَرٰی ذُنُوْبَهٗ کَذُبَابٍ وَقَعَ عَلٰی اَنْفِهٖ۔“

(سنن الترمذی: کتاب صفة القیامة والرقائق، باب منه، حدیث: ۲۴۳۷)

ترجمہ وتشریح: یعنی مؤمن بندے سے اگر غلطی یا گناہ ہو جائے تو اس پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ گویا وہ پہاڑ کے نیچے آ گیا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو راضی نہ کرلے اور اپنے قصور کی معافی نہ مانگ لے اور اس کو اطمینان نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کر دیا ہوگا، کسی طریقہ سے بھی اس کو چین نہیں آتا۔ اور فرمایا کہ: منافق کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ناک پر مکھی بیٹھی تھی وہ اُڑا دی، فرق کیا پڑا؟ کسی مؤمن کا اپنے گناہوں کو یاد کر کے پریشان ہونا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا یہ علامت ہے ایمان کی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے پہلے ایمان سیکھتے تھے

[حدیث: ۲۹] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَقَدْ عِشْتُ بُرْهَةً مِنْ دَهْرِیْ وَاِنَّ اَحَدَنَا یُؤْتَی الْاِیْمَانَ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ وَتَنْزِلُ السُّوْرَةُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا وَمَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّقِفَ عِنْدَهٗ مِنْهَا کَمَا تَعْلَمُوْنَ اَنْتُمُ الْقُرْاٰنَ، ثُمَّ لَقَدْ رَأَیْتُ رِجَالًا یُؤْتٰی اَحَدُهُمُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ الْاِیْمَانِ فَیَقْرَأُ مَا بَیْنَ فَاتِحَةِ الْکِتَابِ اِلٰی خَاتِمَتِهٖ، مَا یَدْرِیْ مَا اٰمِرُهٗ وَلَا زَاجِرُهٗ، وَمَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّقِفَ عِنْدَهٗ مِنْهُ وَیَنْثُرُهٗ نَثْرَ الدَّقْلِ۔“

(مجمع الزوائد: الجزء الاول، کتاب العلم، باب السؤال عن الفقه)

ترجمہ: ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ: مجھ پر ایک طویل زمانہ گزرا، ہم لوگ پہلے ایمان سیکھتے تھے پھر قرآن سیکھتے تھے، پہلے ایمان سیکھا اور اس کے بعد قرآن سیکھا، قرآن کریم کی سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھیں تو ہم ان کے حلال و حرام کو بھی جانتے تھے، اور ہم یہ بھی جانتے تھے کہ اس آیت پر یہاں وقف کرنا چاہئے، لیکن اس کے بعد کچھ لوگ آئے ہیں جنھوں نے ایمان تو سیکھا نہیں، قرآن سیکھ لیا اور وہ سورۂ فاتحہ سے لے کر آخر تک پڑھتے ہیں، اور پڑھتے بھی دھڑادھڑ ہیں، ان کو یہ معلوم نہیں کہ اس آیت میں کہاں وقف کرنا ہے؟ کہاں ٹھہرنا ہے؟ کیا اس کے احکام

ہیں؟ سورۂ فاتحہ میں کیا احکام ہیں؟ اور اسی طرح دوسری سورتوں میں کیا احکام ہیں؟ بس جس طرح کہ ردّی کھجوروں کو چن کر آدمی الگ کر لیتا ہے، اسی طرح ہم قرآن پڑھ رہے ہیں۔''

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ کی بات کر رہے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ہم پہلے ایمان سیکھتے تھے، اور ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھ کر دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتا تھا۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ: ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔'' یہ تو اپنے زمانے کی بات ہے کہ ہم نے سب سے پہلے ایمان سیکھا، اور اس کے بعد قرآن سیکھا، پھر جب قرآن نازل ہوتا تھا، یعنی کبھی ایک چھوٹی سورت، کبھی ایک آیت، کبھی دو آیتیں، کبھی چند آیتیں، تو ایمان کو سیکھنے کے بعد پھر ہم قرآن کو سیکھتے تھے اور قرآن اس طرح سیکھتے تھے کہ اس کے حلال کو، حرام کو، جائز کو، ناجائز کو، ہر چیز کو جانتے تھے، اور اب کچھ لوگ آئے ہیں یا آئیں گے کہ وہ دھڑا دھڑ قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیں گے، ان کو یہ تک معلوم نہیں کہ قرآن مجید ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے؟

ابن ماجہ کی روایت میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

''كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِتْيَانٌ حَزَاوِرَةٌ فَتَعَلَّمْنَا الْاِيْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ فَازْدَدْنَا بِهٖ اِيْمَانًا۔'' (سنن ابن ماجه: كتاب الايمان، حديث: ٦٠)

ترجمہ: ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے، اور ہم ابھی لڑکے سے تھے، کہنا چاہئے کہ جوان بھی نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم فرماتے تھے تو ہم نے سب سے پہلے ایمان سیکھا، اس کے بعد قرآن مجید سیکھا، اور پھر قرآن مجید کے سیکھنے کی برکت یہ ہوئی کہ قرآن مجید کے سیکھنے کے بعد ہمارے ایمان میں اضافہ ہو گیا۔'

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''قَالَ: كَانَتِ السُّوْرَةُ اِذَا نَزَلَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوِ الْاٰيَةُ اَوْ اَكْثَرُ زَادَتِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا وَّخُشُوْعًا وَنَهَتْهُمْ فَانْتَهَوْا۔''

(کنز العمال ج:۱ ص:۲۳۲)

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک سورہ نازل ہوتی یا ایک آیت یا زیادہ تو مسلمانوں کے ایمان اور خشوع میں اضافہ ہو جاتا، جس آیت نے جس چیز سے روکا ہوتا اس سے وہ رُک جاتے اور جس چیز کا حکم فرمایا ہوتا اس پر وہ جم جاتے۔'

کامل ایمان کی تین نشانیاں

[حدیث:۳۰] ”وعن معاذ بن جبل رضی الله عنه أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَفْضَلِ الْإِيمَانِ قَالَ أَفْضَلُ الْإِيمَانِ أَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ فِي اللهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللهِ قَالَ وَمَاذَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ وَأَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهَ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ۔“ (رواه أحمد: فی مسند الانصار، حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حدیث: ۲۱۱۱۵)

ترجمہ: ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ایمان کا کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے لئے محبّت کرو، اللہ کے لئے بغض رکھو، اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں استعمال کرو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے بعد؟ فرمایا: ”اور اس کے بعد یہ کہ تم دوسروں کے لئے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، اور دوسروں کے لئے بھی وہی چیز ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔“

تشریح: ایمان کا نور جب دل میں سما جائے تو آدمی کی زندگی میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبّت کا ایک ایسا تعلق پیدا ہو جاتا ہے کہ محبوبِ حقیقی کی رضا کا حصول اس کی زندگی کا نصب العین بن جاتا ہے۔ اس حدیث پاک میں اس ”ایمانی انقلاب“ کی بڑی بڑی علامتیں بیان فرمائی گئی ہیں، پہلی علامت یہ ہے کہ آدمی کی محبّت اور بغض کا پیمانہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بن جائے، وہ کسی سے محبّت کرے تو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر، اور کسی سے بغض رکھے تو وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

”مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطَى لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ۔“ (الترغیب والترہیب ج:۴ ص:۲۴)

ترجمہ: ”جس نے محبّت کی تو اللہ تعالیٰ کے لئے، کسی سے بغض رکھا تو اللہ تعالیٰ کے لئے، کسی کو کچھ دیا تو اللہ تعالیٰ کے لئے، اور نہ دیا تو اللہ تعالیٰ کے لئے، ایسے شخص نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی اعلان کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبّت کرتے تھے؟

یہ اعلان سن کر کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے، اور ان کے لئے جنّت میں جانے کا حکم ہوگا، اور باقی لوگوں کا حساب و کتاب شروع ہو جائے گا۔

دوسری علامت یہ بیان فرمائی کہ مومن کی زبان صرف ذکرِ الٰہی میں استعمال ہو، اور اس کی زبان سے کبھی کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جو محبوبِ حقیقی کی ناراضی کا موجب ہو، اللہ تعالیٰ کا ذکر ایمان کا زیور اور روح کی غذا ہے، دنیا میں ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اور ذکرِ الٰہی سے محرومی سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں، جو شخص ذکرِ الٰہی کی لذت سے ناآشنا ہے اس کی روح ہمیشہ مضطرب اور اس کا دل ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔

''ایمانی انقلاب'' کی تیسری علامت اس حدیث پاک میں یہ بیان فرمائی کہ مومن، دوسروں کے لئے بھی اسی چیز کو پسند کرتا ہے جسے اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور جس چیز کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا، اسے دوسروں کے لئے بھی پسند نہیں کرتا۔

پہلی دو علامتیں ''حقوق اللہ'' سے متعلق تھیں اور اس تیسری علامت کا تعلق ''حقوق العباد'' سے ہے، مطلب یہ کہ مومن، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے سراپا خیر بن جاتا ہے اس کی زبان سے، اس کے ہاتھ پاؤں سے، اس کے طور وطریق سے، اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو ایذا نہیں پہنچتی، جس طرح وہ یہ نہیں چاہتا کہ دوسرے لوگ اس پر زیادتی کریں اس کی عزت وآبرو پر ہاتھ ڈالیں، اسے ذلیل کریں، اسی طرح وہ خود بھی کسی پر ظلم و زیادتی اور کسی سے بے انصافی کا برتاؤ نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''مومن سراپا الفت ہے، اور اس شخص میں کچھ بھی خیر نہیں جو نہ کسی سے الفت کرے اور نہ کوئی اس سے الفت کرے۔''

اس حدیث پاک میں جو تین علامتیں بیان فرمائی گئی ہیں یہ ہمارے ایمان کو جانچنے، پرکھنے کے لئے صحیح پیمانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پیمانے پر پورا اترنے کی توفیق بخشیں۔

ایمان والے آپس میں مودّت ومحبّت رکھنے والے ہوتے ہیں

[حدیث: ۳۱] ''عَنِ النُّعمَانِ بنِ بَشِيرٍ....، مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔''

(صحیح مسلم ج: ۱۲، ص: ۴۶۸، حدیث نمبر: ۴۶۸۵، بَاب تَرَاحُمِ الْمُؤْمِنِينَ)

ترجمہ: ''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مثال ایمان والوں کی ان کے آپس میں دوستی کرنے میں اور ایک دوسرے پر شفقت کرنے میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کہ اگر جسم کا ایک حصہ بیمار پڑتا ہے تو جسم کا

باقی حصہ بھی بے آرامی اور بخار کے ساتھ اس کے ساتھ موافقت کرتا ہے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و محبّت اور ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرنے میں ایسی ہے جیسے ایک وجود، جسم کا ایک حصہ بیمار پڑتا ہے تو باقی جسم بھی بے چین رہتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی شخص کی آنکھ میں تکلیف ہے تو تکلیف تو آنکھ میں ہے دوسرا جسم اللہ کے حکم سے درست ہے لیکن ساری رات نیند نہیں آئے گی اس کو بخار ہو جائے گا، اسی طرح کسی شخص کے ایک دانت میں درد ہے باقی وجود اللہ کے فضل سے بالکل صحیح سالم ہے لیکن اس میں ایک دانت کے درد کی وجہ سے نہ اس کو رات بھر نیند آئے گی اور نہ بے چینی جائے گی بلکہ پورے جسم میں بخار کی کیفیت ہو گی۔

ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آیا اِدھر اُدھر کی شکایتیں کیں مجھے یہ بھی تکلیف ہے یہ بھی تکلیف ہے یہ بھی تکلیف ہے۔ حضرت سنتے رہے، سن کر فرمایا: تمہاری دونوں آنکھیں تو درست ہیں ان میں تو کوئی تکلیف نہیں؟ کہنے لگا: ہاں، آنکھوں میں کوئی تکلیف نہیں ہے، فرمایا: سو اُونٹ دونوں آنکھوں کی قیمت ہے۔ تمہارے دانت بھی صحیح ہیں، سو اُونٹ ان کی قیمت ہے۔ اسی طرح چند چیزیں گنوائیں اور فرمایا تم بہت سیٹھ آدمی ہو، یہ چیزیں دے دو میں اس کی قیمت دے دیتا ہوں، آنکھیں چھوڑ دو میں سو اُونٹ دے دیتا ہوں، اس کے بدلے میں پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی دولت تمہیں دے رکھی ہے تم معمولی سی چیز کی شکایت کر رہے ہو، اللہ کا شکر نہیں کرتے، شکایت کرتے ہو؟

اِیمان کا تقاضا

[حدیث: ۳۲] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَفِی الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأَنَسٍ وَأَبِیْ شُرَيْحٍ الْكَعْبِیِّ وَهُوَ الْعَدَوِیُّ وَاسْمُهٗ خُوَيْلِدُ بْنُ عَمْرٍو۔‘‘

(سنن الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق، باب منہ، حدیث: ۲۴۲۴)

ترجمہ: ’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اِیمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اِکرام کرے، اور جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اِیمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ یا تو بھلی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔‘‘

تشریح: مطلب یہ کہ یہ دونوں باتیں تقاضائے ایمان ہیں، اور دونوں کے ساتھ الگ الگ یہ

الفاظ فرمانا کہ: ''جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اِیمان رکھتا ہو'' تاکیدِ مزید کے لئے ہے، آنحضرت ﷺ کے بہت سے ارشادات میں زبان کی حفاظت کی تاکید آئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان دِل کی ترجمان ہے، دِل میں جو خیالات واحساسات اُبھرتے ہیں، زبان ہی ان کو الفاظ کی شکل میں ڈھالتی ہے، اس لئے زبان کی حفاظت، دِل کی حفاظت کا بڑا ذریعہ ہے۔ پھر زبان حق تعالیٰ شانہٗ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ حیوانات میں انسان ہی کو اس سے مشرّف وممتاز فرمایا ہے، لغوگوئی میں اس نعمتِ عظمیٰ کی بےقدری ہے۔ پھر زبان کی ذراسی بے احتیاطی بسااوقات دُنیا وآخرت کی ذِلت وندامت کی موجب ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں قریباً بیس گناہِ کبیرہ صرف زبان سے سرزد ہوتے ہیں، اس لئے زبان کی حفاظت بہت سے گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

[حدیث:۳۳] ''عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا۔''

(سنن الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق، باب منہ، حدیث:۲۴۲۵)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص خاموش رہا، اس نے نجات پالی۔''

تشریح: یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے، صرف تین الفاظ کے مختصر سے فقرے میں دریائے معانی بند فرمادیا، اور نجات کا نسخہ تجویز فرمادیا ہے۔ انسان کے گناہوں کا سب سے بڑا ذریعہ زبان ہے، جو کثیر الاستعمال بھی ہے، اور کثیر الخطا بھی، اس لئے زبان کے استعمال میں احتیاط ضروری ہے۔

[حدیث:۳۴] ''عَنْ أَبِیْ مُوسٰی قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَیُّ الْمُسْلِمِینَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ مِنْ حَدِیْثِ أَبِیْ مُوسٰی۔''

(سنن الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق، باب منہ، حدیث:۲۴۲۴)

ترجمہ: ''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ: کون سا مسلمان سب سے افضل ہے؟ فرمایا: وہ شخص کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں۔''

تشریح: یعنی سب سے افضل اور بہتر مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ مضمون متعدّد اَحادیث میں آیا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[حدیث:۳۵] ”اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ۔“

(سنن الترمذی: کتاب الایمان، بَاب مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْمُسْلِمَ مَنْ سَلِمَ، حدیث: ۲۵۵۱)

ترجمہ: ”مسلمان تو وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں، اور مؤمن تو وہ ہے کہ لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں اسے امین سمجھتے ہوں (اس کی جانب سے مطمئن ہوں اور انہیں اس کی جانب سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو)۔“

یہی حدیث اِمام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شعب الایمان“ میں حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے، اور اس میں یہ اضافہ ہے:

”وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِيْ طَاعَةِ اللهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوْبَ۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۵)

ترجمہ: ”اور مجاہد تو وہ ہے جو اللہ کی طاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے، اور مہاجر تو وہ ہے جو غلطیوں اور گناہوں کو چھوڑ دے۔“

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[حدیث:۳۶] ”اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللهُ عَنْهُ۔“

(صحیح بخاری: کتاب الایمان، بَاب الْمُسْلِمَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ، حدیث: ۹)

ترجمہ: ”مسلمان تو وہ ہے کہ مسلمان جس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ ہوں، اور مہاجر تو وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔“

اور مسلم شریف میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے:

[حدیث:۳۷] ”أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔“

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، بَاب بَيَانِ تَفَاضُلِ الْإِسْلَامِ، حدیث: ۵۷)

ترجمہ: ”ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ: کونسا مسلمان سب سے بہتر ہے؟ فرمایا: وہ شخص کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ ہوں۔“

اور حضرت عمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں ہے:

[حدیث:۳۸] ”قُلْتُ: أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ

مِنۡ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔“

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، بَاب بَيَانِ تَفَاضُلِ الْإِسْلَامِ، حدیث: ۵۷)

ترجمہ: ”میں نے پوچھا کہ: کونسا اسلام افضل ہے؟ فرمایا: وہ شخص جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔“

ان احادیثِ مبارکہ میں زبان کی حفاظت کی تاکید ہے، اور آدمی کا اپنی زبان اور ہاتھ کو کسی کی ایذا رسانی سے بچانا، اس کو کمالِ اسلام کی علت قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو ایذا پہنچاتا ہو اور ان کے حقوق پامال کرتا ہو اس کو اچھا مسلمان نہیں کہہ سکتے۔

چونکہ زبان کا میدان ہاتھ سے زیادہ وسیع ہے، اس لئے زبان کو پہلے ذکر فرمایا، کیونکہ ہاتھ سے تو صرف اسی شخص کو تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے جو سامنے موجود ہو، لیکن زبان سے ماضی، حال اور مستقبل، حاضر و غائب سب لوگوں کو ایذا پہنچائی جاسکتی ہے۔ نیز زبان ہلانے میں کوئی مشقت نہیں، اس لئے زبان کے گناہ بہت ہی عام ہیں، اور ان میں سے بیشتر کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اس لئے زبان کی حفاظت کی بہت ضرورت ہے، کسی کی زبان سے لوگوں کے محفوظ رہنے کی بس ایک ہی صورت ہے کہ زبان سے جو بات بھی کہے سوچ سمجھ کر کہے، اور آخرت کے عذاب و وبال کو پیشِ نظر رکھے، حضرت حکیم الاُمّت تھانوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

> ”ہر قول اور ہر فعل اِختیاری کسی نہ کسی غایت کے لئے مطلب ہوتا ہے، پس ہر کام اور ہر بات میں یہ سوچنا چاہئے کہ اس کی غایت کیا ہے؟ جس کام اور جس بات کی کچھ غایت نہ ہو، وہ فضول ہے، اور غایت معلوم ہو، مگر مفید نہ ہو، وہ بھی فضول ہے، اور اگر وہ غایت کوئی ضرر ہو لازم یا متعدی تو وہ کلام یا بات مضر ہے۔“ (انفاس عیسیٰ ص: ۱۸۳)

[حدیث: ۳۹] ”عَنۡ مُعَاذِ بۡنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: مَنۡ عَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنۡبٍ، لَمۡ يَمُتۡ حَتّٰى يَعۡمَلَهٗ۔ قَالَ أَحۡمَدُ: مِنۡ ذَنۡبٍ قَدۡ تَابَ مِنۡهُ۔ هٰذَا حَدِيۡثٌ حَسَنٌ غَرِيۡبٌ وَلَيۡسَ إِسۡنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ وَخَالِدُ بۡنُ مَعۡدَانَ لَمۡ يُدۡرِكۡ مُعَاذَ بۡنَ جَبَلٍ، وَرُوِيَ عَنۡ خَالِدِ بۡنِ مَعۡدَانَ أَنَّهٗ أَدۡرَكَ سَبۡعِيۡنَ مِنۡ أَصۡحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ۔“

(سنن الترمذی: کتاب الصفة القیامة، باب منه، حدیث: ۲۴۲۹)

ترجمہ: ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی گناہ پر عار دِلائی، وہ مرنے سے پہلے اس

گناہ میں مبتلا ہوگا۔ اِمام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں وہ گناہ مراد ہے جس سے اس شخص نے توبہ کرلی ہو۔"

تشریح: زبان سے جو بے شمار گناہ سرزد ہوتے ہیں، ان میں سے ایک گناہ کسی مسلمان کو اس کے گناہ پر عار دِلانا ہے، اس حدیث میں اس گناہ کا وبال ذکر فرمایا ہے کہ ایسا شخص مرنے سے پہلے اس گناہ میں خود مبتلا ہوکر مرے گا، نعوذ باللہ!

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہنا ضروری ہے کہ کسی گنہگار کو گناہ چھوڑنے کی نصیحت اور تلقین کرنا دُوسری بات ہے، اور کسی مبتلائے گناہ کو اس کے گناہ پر عار دِلانا دُوسری چیز ہے۔ پہلی چیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک شعبہ ہے، جو بعض صورتوں میں واجب اور بعض میں مندوب ہے، اور دُوسری چیز کبر کا شعبہ ہے، جو حرام ہے، ان دونوں کے درمیان امتیاز کرنا محقق کا کام ہے۔

کسی گناہگار کو نصیحت کرنے میں جذبۂ خیرخواہی کارفرما ہوتا ہے، اور نصیحت کرنے والا خیرخواہی و دِل سوزی سے یہ چاہتا ہے کہ اس کا بھائی اس گناہ کے وبال سے بچ جائے، نصیحت کرتے ہوئے نہ تو اس کے دِل میں اس گناہگار کی حقارت ہوتی ہے، اور نہ یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ میں اس سے افضل ہوں۔

اس کے برعکس عار دِلانے والے کا مقصود گناہگار کو اس کے گناہ سے بچانا نہیں ہوتا، بلکہ اسے شرمندہ کرنا اور اس کی تحقیر و تذلیل مقصود ہوتی ہے، اور عار دِلانے والا گویا اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھتا ہے، اس لئے یہ فعل جس کا منشا کبر ہے، مسلمان بھائی کی تحقیر و تذلیل کے ساتھ ساتھ اپنی برتری کے اظہار کو متضمن ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک گناہ سے تائب ہوچکا ہے، لیکن عار دِلانے والا اس کو شرمندہ اور ذلیل کرنے کے لئے اس کے پُرانے گناہ کا حوالہ دیتا ہے، جیسا کہ عورتیں آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے ایک دُوسرے کے عیوب اور غلطیوں کا بھی تذکرہ کیا کرتی ہیں، جن کی صفائی ہوچکی ہے، عار دِلانے کی یہ صورت سب سے بدتر ہے، حق تعالیٰ اس گناہ سے محفوظ رکھیں۔

مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا

[حدیث:۴۰] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَیْنِ۔" (صحیح مسلم: کتاب الزهد والرقاق، بَاب لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ، حدیث: ۵۳۱۷)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان دار نہیں ڈسا جاتا ایک سوراخ سے دو مرتبہ۔"

تشریح: اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا یعنی آدمی ایک دفعہ دھوکہ کھالیتا ہے لیکن دوبارہ دھوکہ نہیں کھاتا، جس سوراخ سے ایک دفعہ ڈنگ کھا چکا ہے دوبارہ اس سوراخ میں انگلی نہیں دے گا، جس شخص سے ایک مرتبہ دھوکہ کھا چکا ہے دوبارہ اس پر اعتماد نہیں کرے گا اور اس سے دھوکہ نہیں کھائے گا، مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو صرف بے وقوف نہیں ہونا چاہئے بلکہ دانش مند اور عقلمند ہونا چاہئے محتاط ہونا چاہئے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

نگاہ دارد آں شوخ در کیسہ دُرّ
کہ داند ہمہ خلق راکیسہ بُر

وہی ہوشیار آدمی اپنی جیب میں موتی کو محفوظ رکھے گا جو ساری مخلوق کو جیب کترا سمجھتا ہو یعنی جو بھی اس کے پاس آکر بیٹھے سمجھے کہ جیب کاٹ لے گا میری، ویسے تو کسی کے بارے میں بدگمانی نہیں کرنی چاہئے لیکن محتاط ہر ایک سے رہنا چاہئے کہ دھوکہ نہ آدمی کبھی کھائے اور اگر کبھی کسی پر اعتماد کرلیا دھوکہ کھالیا تو دوبارہ نہیں۔

جو اِیمان لایا، وہ اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں آگیا

[حدیث: ۴۱] ”عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَ اسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَ أَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِکَ مُسْلِمُ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَ ذِمَّۃُ رَسُوْلِہٖ فَلَا تُخْفِرُوْا اللّٰہَ فِیْ ذِمَّتِہٖ۔“

(صحیح البخاری: کتاب الصلوٰۃ، باب فَضْلِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَۃِ، حدیث: ۳۷۸)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے اور نماز کے وقت ہمارے قبلے کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھائے، سو وہ ایسا مسلمان ہے کہ جس کے واسطے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی پناہ ہے، سو اللہ کا قول وقرار نہ توڑو۔“

تشریح: اس حدیث شریف کا مضمون اس سے پہلے بھی آچکا ہے کہ مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کی طرف سے پناہ ہے، یعنی امن ہے، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امن اور پناہ دیئے ہوئے شخص کو قتل کرکے یا اس کے جان و مال سے تعارض کرکے اللہ اور اللہ کے رسول کے عہد کو نہ توڑو۔

اس حدیث شریف میں مسلمان کی تین علامتیں بیان فرمائیں، اس وقت یہ مسلمان کی امتیازی علامتیں تھیں، ایک ہماری نماز پڑھے، دوسرے نماز پڑھتے وقت بیت اللہ کی طرف چہرہ کرے، استقبال قبلہ

کرے، تیسرے ہمارے ذبیحے کو کھائے، اس وقت یہودونصاریٰ کی نماز ہم سے الگ تھی اور وہ اپنی نماز میں بیت اللہ کی طرف منہ نہیں کرتے تھے، مشرکین اور مجوسی لوگ مسلمانوں کا ذبح کیا ہوا نہیں کھاتے تھے، تو اس وقت کے لحاظ سے یہ مسلمانوں کی تین علامتیں تھیں۔ مقصود یہ ہے کہ جس شخص میں مسلمان ہونے کی علامت پائی جائے اس کو مسلمان سمجھا جائے۔ اور مسلمان کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کا عہد ہے، اسی طرح **"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"** کی گواہی دینا یہ بھی مسلمان ہونے کی علامت ہے، اس وقت جو شخص بھی یہ کلمہ طیبہ پڑھتا تھا مسلمان ہوجاتا تھا، لیکن یہ بات واضح ہوجانی چاہئے کہ اگر کسی شخص میں مسلمان ہونے کی علامتیں پائی جاتی ہیں لیکن ساتھ ساتھ اس میں کفر بھی پایا جاتا ہے، کفر کی باتیں بھی پائی جاتی ہیں تو وہ ان علامتوں کے پائے جانے سے مسلمان نہیں کہلائے گا۔ جس شخص کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ اس کا مذہب کیا ہے؟ ہم اس کو اپنی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں، بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، یا اس کو کلمہ شریف پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہم یہ سمجھیں گے کہ یہ مسلمان ہے تو یہی مطلب ہے اس حدیث شریف کا، باقی یہ مطلب اس کا نہیں کہ خواہ کتنے ہی کفر کسی میں پائے جاتے ہوں اور ہمیں معلوم بھی ہوں، صرف کلمہ پڑھ لینے سے یا نماز پڑھنے سے اور بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرنے سے وہ مسلمان کہلائے گا، یہ نہیں ہے، یہ قادیانی لوگ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں، اس قسم کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں، یہ تو علامت ذکر فرمائی ہے ان لوگوں کے لئے جن کے بارے میں ہمیں معلوم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی شکر بجالاتا ہوں کہ ہماری عقل یہاں تک نہیں پہنچ سکتی، سیاست اور رحمت دونوں کی جامع ہے۔

تو جو مسلمان ہوگیا وہ اللہ کی پناہ میں آگیا، اب اس کو قتل کرنا جائز نہیں، یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ مسلمان کو قتل صرف تین صورتوں میں کیا جاسکتا ہے۔ ۱: ارتداد کی وجہ سے، ۲: قتل کی وجہ سے، ۳: رجم میں۔

قتل کے بارے میں قرآن کریم نے ارشاد فرمایا فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى﴾ (البقرۃ:۱۷۸)

ترجمہ: "مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص یعنی برابر کا بدلہ لینا لکھ دیا گیا۔"

مطلب یہ ہے کہ مقتول کے وارث کو اس کے خون کا بدلہ دلاؤ، اور آگے چل کر فرمایا:

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرۃ:۱۷۸)

اگر کسی شخص کو اس کے بھائی کی جانب سے معافی مل جائے کہ ہم اس کی جان نہیں لیتے لیکن اس کا مالی معاوضہ ادا کرے تو پھر اس کو چاہئے کہ ڈھنگ سے ادا کرے اور انکو چاہئے کہ طریقے سے مطالبہ کریں۔

اور ایک صورت ہے **"اَلتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ"** جو شخص اپنے دین کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوجائے، کوئی کفر بک دے اور نعوذ باللہ مرتد ہوجائے جب مرتد ہوگیا تو

مسلمانوں کی جماعت سے نکل گیا، کیونکہ مسلمانوں کی جماعت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہر بات کو ماننے والا ہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی کسی ایک بات کے بارے میں یہ کہہ دے کہ: ”میں نہیں مانتا“ نعوذ باللہ وہ مرتد، ایک بات کا انکار کرنے کی وجہ سے مرتد، چاہے نام اسلامی ہی کیوں نہ ہو اور مرتد ہو کر وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو گیا، نعوذ باللہ! اور اسی حکم میں ہے وہ شخص جو آنحضرت ﷺ کی سنّت کا مذاق اُڑاتا ہو، اسی حکم میں ہے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا یا اس کے فرشتوں کا، اس کے انبیائے کرام کا، یا اس کی کتابوں کا مذاق اُڑاتا ہو، کوئی کلمہ تحقیر، اہانت آمیز فقرہ کو مذاق کے طور پر صحیح جوان کے بارے میں کہے وہ مرتد ہو جائے گا، دائرہ اسلام سے خارج اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جاتا ہے اور وہ واجب القتل ہے۔

تو یہ تین آدمی ہیں جن کے لئے قتل کا حکم ہے، ایک زانی بدکار شادی شدہ ہونے کے باوجود، دوسرا قاتل کہ اس کو قصاص میں قتل کیا جائے، اور تیسرا مرتد جو کلمہ کفر بک کر اسلام سے خارج ہو جائے، مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے اور اپنے دین سے مرتد ہو جائے۔ تو یہ تین آدمیوں کا قتل جائز ہے، تین کے علاوہ کسی کا قتل جائز نہیں۔

غیر مسلموں کو سلام جائز نہیں

[حدیث: ۴۲] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَى بِالسَّلَامِ فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ۔“

(صحیح مسلم: کتاب السلام، باب النَّهْيِ عَنِ ابْتِدَاءِ أَهْلِ الْكِتَابِ بِالسَّلَامِ، حدیث: ۴۰۳۰)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہود و نصاریٰ کو سلام کہنے میں ابتداء نہ کرو، جب تم ان میں سے کسی کو راستے میں پاؤ تو اس کو تنگ راستے پر چلنے پر مجبور کر دو۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، اگر وہ سلام کریں تو ”وعلیکم“ کہو بس، اور جب راستے میں چلو تو ان کو تنگ راستے پر چلنے پر مجبور کرو۔

یہ ایک بہت طویل بحث ہے جو ہماری فقہ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے کہ ذمیوں کے کیا احکام ہیں؟ یہاں پاکستان کے قانون میں سیّد اور چوہڑے کا خون برابر ہے، دونوں کا ووٹ بھی برابر اور خون بھی برابر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قوم سے صلح کی تھی اور اس صلح نامے کی شرائط، ”کنز العمال“ میں مذکور ہیں اور بہت

سے محدثین نے اس کو نقل کیا ہے اور فقہ کی تمام کتابوں میں اس کو نقل کیا ہے کہ: تم مسلمانوں جیسی سواری اختیار نہیں کرو گے، مسلمانوں جیسا لباس نہیں پہنو گے اور مسلمانوں کے مکان سے اُونچا مکان نہیں بناؤ گے، بارہ شرائط تھیں اس صلح نامے میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طے فرمائی تھیں۔

کیا زمانہ تھا کہ ذمیوں کو مسلمانوں کی شکل و شباہت اختیار کرنے کی اجازت نہیں تھی، اور اب کیا زمانہ آ گیا کہ مسلمان ان کافروں کی شکل و شباہت اختیار کر رہے ہیں۔

مسلمانوں پر ہتھیار اُٹھانا جائز نہیں ہے

[حدیث: ۴۳] ”عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا۔“ (صحيح مسلم : كتاب الايمان، بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ، حديث : ۱۴۴)

ترجمہ: ”حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہم پر یعنی مسلمانوں پر تلوار کھینچے (اٹھائے) تو وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جو شخص ہمارے خلاف ہتھیار کھینچے، ہمارے خلاف سے مراد ہے مسلمانوں کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف ہتھیار کھینچنا، اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص بغاوت اختیار کرے خلیفۃ المسلمین سے اور باغی ہو کر لڑائی کے درپے ہو، تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا اس سے مقابلہ ہوگا، گویا کہ اس نے مسلمانوں کے خلاف تلوار کھینچی۔ اسی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی شخص راہزنی کرے، ڈاکے ڈالے، وہ بھی تلوار کی نوک پر لُوٹ کر لے جانا چاہتا ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ ویسے ہی مسلمان آپس میں لڑ پڑیں، جیسے قومیت پر لڑا کرتے ہیں، کسی بات میں طیش آ گیا، اِدھر سے بھی اسلحہ نکال لیا، اُدھر سے بھی اور سب سے ہلکی صورت اس کی یہ ہے کہ ویسے ہی مذاق مذاق میں کسی پر تلوار اُٹھالی کہ ماروں! ایسے ہی ہنسی مذاق میں کہتا ہے، یہ جو آخری درجے کا آدمی ہے اس کے بارے میں فرمایا کہ: اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر۔ اب اندازہ فرمائیے کہ اس سے اُوپر کے لوگ کس چیز کے مستحق ہیں، اپنے بھائی، دوست، عزیز کو ایسے ہی مذاق میں کہتا ہے کہ ماروں! تلوار یا کوئی اور ہتھیار اُٹھاتا ہے یا کوئی دھاری والی چیز اُٹھاتا ہے، اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملعون فرماتے ہیں۔

اور ”وہ ہم میں سے نہیں“ ظاہری مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری اُمّت میں شامل نہیں، گو علماء نے اس کی تاویل کی ہے اور ان کو کرنی چاہئے، لیکن ظاہری الفاظ حدیث شریف کے یہ ہیں کہ: ”جو شخص مسلمانوں کے خلاف تلوار سونتتا ہے، وہ ہماری جماعت میں شامل نہیں۔“ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایسا کام نہیں کرنا

چاہیئے اور جو اپنے آپ کو آپ ﷺ کی اُمّت اور جماعت میں شامل کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ قیامت کے دن حضور ﷺ کی اُمّت میں اُٹھایا جاوے، اسے ان چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیئے، یہاں صرف تلوار کا ذکر فرمایا، مراد اس سے اسلحہ ہے، جس سے بھی کسی کو زخمی کیا جا سکے یا نقصان پہنچایا جا سکے۔

مسلمان بھائی کو کافر کہنے کا گناہ

[حدیث:۴۴] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.....، إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۹، ص: ۵۸، حدیث نمبر: ۵۶۳۸، بَابُ مَنْ كَفَّرَ أَخَاهُ بِغَيْرِ تَأْوِيلٍ فَهُوَ كَمَا قَالَ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو کافر کہے پس تحقیق لوٹ گیا اس کے ساتھ ان میں سے ایک آدمی۔“

تشریح: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، صحیح بخاری میں کہ جب کسی نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو اس کے وبال کو دو میں سے ایک آدمی لے کر جاتا ہے، (یہ الفاظ) خالی نہیں جاتے۔ مطلب یہ کہ اگر کہنے والا واقعتاً کافر ہوگا تو پھر یہ اس پر پڑی لیکن اگر وہ کافر نہیں تو پھر کہنے والا اس کے وبال کو نہیں لے کر جا سکتا، اس لئے کسی پکے سچے مسلمان کو کافر کہنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس پر اتنا وبال پڑتا ہے، لیکن اس سے کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

میں کہتا ہوں صحیح ہے کسی سچّے مسلمان کو کافر کہنا بہت بڑا گناہ ہے، لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ کافر کو بھی کافر نہ کہا جائے، کافر کو اگر کافر نہیں کہیں گے تو کیا مسلمان کہیں گے؟ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا کافر کہیں یا مسلمان کہیں، جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا گناہ ہے اسی طرح ایک کافر کو مسلمان کہنا بھی گناہ ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کفریہ عقیدہ کو تم اسلام کہتے ہو، ظاہر بات ہے کہ کافر کو تو کافر ہی کہا جائے گا۔

لوگوں نے ایک غلط مسئلہ بنا لیا ہے کہ کافر کو بھی کافر نہ کہو' مجھے معلوم نہیں کہ کس کتاب میں یہ مسئلہ لکھا ہے، کسی کو کافر کہنے میں احتیاط کرو، یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے کفر کی تاویل ہو سکتی ہے تو تاویل کرنے کی کوشش کرو، لیکن اگر کوئی شخص ہٹ دھرمی کے ساتھ اس پر اِصرار کرتا ہے اور ندامت نہیں کرتا، بلکہ ٹوکنے والوں کو بے ایمان کہتا ہے تو پھر اس کو کافر نہیں کہا جائے گا تو کیا کہا جائے گا؟ جو لوگ اس طرح کی بات میرے سامنے کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ قرآن نے تو کہا ہے: کافر۔ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ﴾ (المائدۃ:۷۲) کافر کہا کہ نہیں کہا؟ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ﴾ (المائدۃ:۷۳) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ﴾ (التحریم:۷) اے کافرو! بہانے اور عذر نہ کرو۔

﴿قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ (التوبہ:٦٦) تم کافر ہو گئے ہو دعویٰ ایمان کے بعد۔ قرآن تو فتویٰ دیتا ہے کفر کا، یہ کہاں لکھا ہے کہ کافر کو کافر نہ کہو، قرآن کی کونسی آیت میں لکھا ہے؟

ابوداؤد شریف میں ہے: ثَلَاثٌ مِنْ أَصْلِ الْإِيمَانِ.... تین چیزیں اصل ایمان میں سے ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ وَلَا نُكَفِّرُهُ بِذَنْبٍ اپنے مسلمان بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہو، گناہ کی وجہ سے اہلِ سنّت کسی کو کافر نہیں کہتے خواہ کوئی کتنا ہی گناہ گار ہو اس کو کافر نہیں کہتے، لیکن کفریہ عقیدہ کا جو شخص اظہار کرے اقرار کرے اور اس پر اصرار کرے تو اس کو تو کافر کہے بغیر گزارہ نہیں۔

اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ کہو: ﴿قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللهِ﴾

[حدیث:۴۵] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَا تُصَدِّقُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا۔ الاية“ (صحيح بخارى: كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ، حديث: ٦٨١٤)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ تو اہل کتاب کی تصدیق کرو، اور نہ ان کی تکذیب کرو، اور کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل کیا گیا ہماری طرف۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ: اگر اہل کتاب یہود و نصاریٰ اپنی کتاب سے کوئی بات کریں یا تمہیں ان کی کوئی کتاب ملے تو نہ اسکی تصدیق کرو نہ اسکی تکذیب کرو، بلکہ یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور جو نازل کیا گیا ہم پر۔ بات یہ ہے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں جو باتیں پائی جاتی ہیں وہ تین قسم کی ہیں۔

①: بعض باتیں وہ ہیں جن کی ہمارا دین کھلے عام تردید کرتا ہے، اگر وہ ایسی بات کہیں تو ہم کہیں گے جھوٹ بکتے ہیں، جیسے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کشتی لڑنا، بائبل میں لکھا ہے کہ اللہ نے کشتی لڑی دو پہلوان تھے، ایک طرف اللہ میاں ایک طرف یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ایسی ایسی لغوبات ان کی کتابوں میں پائی جاتی ہے کہ ہمارے لئے اس کی تکذیب کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ سبحانک ھٰذا بھتان عظیم!

②: بعض ان کی کتابوں میں ایسے مضامین ہیں جو صحیح ہیں، اللہ اور اللہ کے رسول اس کی تائید کرتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ سر آنکھوں پر، لیکن اس لئے نہیں کہ ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں بلکہ اس لئے کہ

ہمارے نبی اور ہماری کتاب نے یہ بات بیان فرمائی ہے۔

۳: تیسری قسم وہ ہے کہ ہماری کتاب اور ہمارے نبی اس معاملے میں خاموش ہیں، ان کے بارے میں فرمایا کہ نہ اس کی تصدیق کرو نہ ان کی تکذیب کرو، نہ کہو کہ صحیح ہے، نہ کہو کہ غلط ہے، بلکہ یوں کہو کہ ہمارا ایمان ہے اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس نازل کیا گیا، مطلب یہ ہے کہ جو واقع ہوا ہوگا ہمارا اس پر ایمان ہے، باقی ہم ان کی روایت پر اعتبار نہیں کرتے نہ ہم اس کی تکذیب کریں اور نہ اس کی تصدیق کریں۔

مؤمن خیر کی بات کرتا ہے یا چپ رہتا ہے

[حدیث: ۴۶] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَصْمُتْ۔“

(صحیح بخاری: کتاب الآداب، بَاب إِكْرَامِ الضَّيْفِ، حدیث: ۵۶۷۳)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ خیر کی بات کہے یا چپ رہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہو یا کسی سے مشاورت ہو تو مشورے میں بھلی بات کہے، قصداً غلط مشورہ دینا جائز نہیں، یہ حرام ہے۔ اور اس کو اس عنوان سے ذکر فرمایا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو غلط مشورہ دیتا ہے تو اس کا ایمان صحیح نہیں، گڑبڑ ہے اس میں، جب کسی معاملے میں مشورہ کیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَن“ (سنن ابوداود، بیہقی، مسند احمد بن حنبل) جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے، یعنی امین سمجھ کر اس سے مشورہ طلب کیا گیا ہے لہٰذا اس کو مشورہ امانت داری سے دینا چاہیے، اگر وہ جان بوجھ کر غلط مشورہ دے رہا ہے تو وہ امانت میں خیانت کرنے والا ہے۔

منافقوں کا بیان

[حدیث: ۴۷] ”عَنْ عَمَّارٍ أَوْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، شَكَّ الشُّعْبَةُ، إِقَالَ فِي أُمَّتِي اثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا { لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ } وَلَا يَجِدُونَ رِيحَهَا { حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ } ثَمَانِيَةٌ مِنْهُمْ تَكْفِيكَهُمُ الدُّبَيْلَةُ سِرَاجٌ مِنَ النَّارِ

يَظْهَرُ فِي أَكْتَافِهِمْ حَتَّى يَنْجُمَ مِنْ صُدُورِهِمْ۔"

(رواہ مسلم: کتاب صفة المنافقين، باب منه، حديث: ۴۹۸۴)

ترجمہ: "حضرت عمار یا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے، شعبہ کو اس میں شک ہے، روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک میری اُمّت میں بارہ منافق ہوں گے، یا بارہ منافق ہیں، جو جنّت میں داخل نہیں ہوں گے اور نہ اس کی خوشبو پائیں گے، یہاں تک کہ اُونٹ سوئی کے ناکے سے نکل جائے، ان میں سے آٹھ آدمی وہ ہیں جن کے لئے کافی ہوجائے گا ایک پھوڑا، یعنی آگ کا چراغ جو ان کے مونڈھوں کے درمیان پیدا ہوگا یہاں تک کہ اس کی سوزش ان کے سینوں میں ظاہر ہوگی۔"

تشریح: یہ حدیث منافقوں کے بارے میں ہے، یعنی دل کے کافر زبان کے مسلمان، جو زبان سے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے تھے لیکن ان کے دل میں ایمان نہیں تھا، ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: میری اُمّت میں بارہ منافق ایسے ہیں کہ زبان سے وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں گے لیکن دل سے وہ مسلمان نہیں ہوں گے، ایمان اندر نہیں ہوگا اور وہ جنّت میں داخل نہیں ہوں گے، جنّت میں داخل ہونے کا معنی اس کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے، ان کو جنّت کی ہوا بھی نہیں لگے گی، یہاں تک کہ اُونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ گزر جائے یعنی کبھی بھی جنّت میں داخل نہیں ہوسکیں گے۔

ان میں سے آٹھ ایسے ہوں گے کہ ایک پھوڑا ان کا قصہ پورا کردے گا ان کے شانوں کے درمیان ایک پھوڑا نکلے گا اور پھوڑا ایسا ہوگا جیسا کہ کسی نے آگ کا چراغ جلا دیا ہو، یعنی بدن میں نعوذ باللہ آگ لگی ہوئی ہوگی اور اس کی سوزش اور تپش سینے کو توڑ کر سینے میں ظاہر ہوگی، جس سے وہ مریں گے، نعوذ باللہ! جنّت میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ ان کو جنّت کی ہوا بھی نہیں لگے گی۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ جنّت کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا جائے گا، اور یہاں تک کہ اُونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے، یہ کسی چیز کو محال چیز سے معلق کرنے کے لئے آتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ اُونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذرنا ناممکن ہے ایسا ہی ان لوگوں کا جنّت میں جانا ناممکن ہے۔

اب ان منافقین کے نام کی تعیین نہیں کی گئی، اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں کہ یہ بارہ منافق کون تھے؟ یا کون ہوں گے؟ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے کے بارہ منافق مراد ہیں یا یہ کہ قیامت تک وقتاً فوقتاً ایسے بارہ منافق پیدا ہوں گے کیونکہ بس یہ فرمایا کہ میری اُمّت میں بارہ منافق ہیں۔

منافقین کے ساتھ سلوک

[حدیث:۴۸] ’’عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، إِنِّي خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ لَوْ أَعْلَمُ أَنِّي إِنْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ يُغْفَرُ لَهُ لَزِدْتُ عَلَيْهَا۔‘‘

(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، بَاب مَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ، حدیث:۱۲۷۷)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مجھے اختیار دیا گیا، تو میں نے ایک صورت کو اِختیار کرلیا، اور اگر مجھے اس کا علم ہو کہ اگر میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں تو اس کی بخشش ہوجائے گی تو میں ستر بار سے زیادہ استغفار کردیتا۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبیّ منافق کا جنازہ پڑھا تھا، پیچھے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور فرمایا: آپ کو یاد نہیں اس نے فلاں فلاں وقت میں فلاں فلاں کفریہ باتیں کہی تھیں؟ یہ دُشمنِ خدا، دُشمنِ رسول، رئیس المنافقین ہے، آپ اس کا نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی جلال میں فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے جنازہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا؟ فرمایا: اللہ نے مجھے منع نہیں کیا بلکہ یوں فرمایا ہے:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ﴾ (التوبۃ:۸۰)

ترجمہ: ’’آپ ان کے لئے اِستغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی اِستغفار کریں گے تو اللہ ان کی بخشش نہیں کرے گا۔‘‘

فرمایا کہ: مجھے منع تو نہیں کیا، مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ بخشش مانگو یا نہ مانگو، میں مانگ رہا ہوں۔ اور یوں فرمایا کہ ستر بار مانگو تو بخشش نہ ہوگی اور اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ستر بار سے زیادہ کرنے سے بخشش ہوجائے گی تو ستر سے زیادہ کرلیتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا۔

منافقانہ خصلتیں اور عادتیں

[حدیث:۴۹] ’’عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ

غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔‘‘

(صحیح بخاری: کتاب الایمان، بَاب عَلَامَةِ الْمُنَافِقِ، حدیث: ۳۴)

ترجمہ: ’’حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار باتیں ہیں جس شخص میں یہ ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس شخص میں ان باتوں میں سے ایک بات پائی جائے گی اس شخص میں ایک بات نفاق کی پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے: ① جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ ② جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ ③ جب معاہدہ کرے تو معاہدے کی خلاف ورزی کرے۔ ④ جب وہ کسی سے جھگڑا کرے تو بدگوئی سے کام لے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں ارشاد ہے کہ: چار باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص کے اندر یہ چار باتیں پائی جائیں وہ پکّا منافق ہوگا، خالص منافق اور اگر ان چار چیزوں میں سے ایک چیز اس میں پائی جاتی ہے تو گویا اس میں ایک چیز نفاق کی پائی جاتی ہے، اِلَّا یہ کہ وہ اس کو چھوڑ دے۔ تو چار باتوں کے ساتھ نفاق یعنی منافقت کا نصاب مکمل ہوجاتا ہے اور پھر اس آدمی کے منافق ہونے کے لئے کسی اور چیز کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

وہ چار باتیں یہ ہیں:

① اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

② دوسری بات یہ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

③ تیسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی معاہدہ کرلے تو اس معاہدے کی خلاف ورزی کرے عہد شکنی کرے۔

④ چوتھی بات یہ کہ اگر کسی کے ساتھ لڑائی جھگڑا، بحث ہوجائے تو بدگوئی کرے اور بدزبانی سے کام لے۔

معلوم ہوا کہ چار باتیں مسلمان کے شایانِ شان نہیں ہیں، امانت رکھی جائے اور اس میں خیانت کرے۔ یہ قصہ میں نے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سنا ہے اور حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کی ’’آپ بیتی‘‘ میں بھی ہے کہ ایک بادشاہ کی ایک ملّاح کے ساتھ دوستی تھی، ملّاح کشتی چلاتا دریا میں، بادشاہ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا، بادشاہ کا انتقال ہوگیا تو اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا، وہ اس کے پاس بھی بدستور جاتا رہا، ایک صاحبزادہ شہزادہ جو بادشاہ بن گیا اب وہ اس سے کہنے لگا: تم نے میرے باپ کا زمانہ بھی پایا ہے میرا زمانہ بھی پایا ہے، اُس وقت کی رعایا کو بھی تم نے دیکھا، اب کی رعایا کو بھی دیکھا، اُس وقت کے بھی حالات تمہارے سامنے

ہیں، اور اِس وقت کے بھی حالات تمہارے سامنے ہیں، سچ سچ بتاؤ کہ میرے باپ کا زمانہ اچھا تھا یا میرا زمانہ اچھا ہے؟ وہ کہنے لگا: بادشاہ سلامت! آپ کو ایک قصہ سنا دیتا ہوں، اس سے آپ خود سمجھ جائیں گے کہ وہ زمانہ اچھا تھا یا یہ زمانہ اچھا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ میں ملّاح ہوں، کشتی چلانے کا کام کرتا ہوں اور عام طور سے مسافروں کی چیزیں رہ جاتی ہیں کشتی میں، ریل میں بھی رہ جاتی ہیں، تو ایک دفعہ ایک کشتی میں ایک آدمی دراہم کا، یا اشرفیوں کا توڑا، یعنی ہمیانی بھول کر چلا گیا، میں نے اس کو اُٹھایا، جب کوئی مسافر نہ رہا اُٹھا کر گھر لے آیا اور اسے اُٹھا کر (وہ ہمارے دیہات میں کوٹھیاں ہوتی ہیں چھوٹی سی سامان رکھنے کے لئے تو) کوٹھی کے پیچھے رکھ دیا، ویسے ڈال دیا، میں نے اس کو دیکھا بھی نہیں گِنا بھی نہیں کہ کتنے پیسے ہیں؟ خدا جانے وہ کہاں سے آیا تھا کہاں چلا گیا، ایک سال کے بعد وہ آیا اور کہنے لگا کہ کشتی میں ایک تھیلی رہ گئی تھی تم نے دیکھی ہو تو؟ میں نے کہا کہ کوٹھی کے پیچھے پڑی ہے، اسی طرح اس کو نکالا اس پر مٹی جمی ہوئی تھی، ایک سال کے عرصے میں دیہات کا ماحول، وہ میں نے نکالی اور نکال کر دے دی کہ تمہاری ہے تو لے لو وہ اس کی ہی تھی، اس میں سے کچھ اس نے مجھے پیسے دینے چاہے، اشرفیاں دینی چاہیں لیکن میں نے اِنکار کر دیا کہ یہ میرے پاس امانت تھی، اور اس طرح میں وصول کرنے لگوں لوگوں سے تو یہ بڑی بات غلط ہے، یہ تو میرا فرض ہے کہ مسافروں کی رہی ہوئی چیز کی حفاظت کروں، اس نے ہر چند کوشش کی مگر میں تیار نہیں ہوا، وہ چلا گیا۔ میں نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ اس تھیلی میں کتنی اشرفیاں تھیں کتنی نہیں تھیں، نہ گنی تھیں نہ مجھے پتا تھا۔ یہ تمہارے باپ کے زمانے کا قصہ ہے۔ اور اَب تمہارا زمانہ آیا تو مجھے کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ: میں بڑا بے وقوف نکلا، مجھ سے زیادہ احمق کون آدمی ہوگا کہ وہ ایک سال کے بعد آیا اور میں نے اُٹھا کر ہمیانی دے دی؟ وہ مجھ سے پوچھتا تو میں کہتا کہ میرے پاس نہیں ہے، کوئی اس کے پاس گواہ نہیں تھا، میرے خلاف کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا تھا، وہ تمہارے باپ کا زمانہ تھا، یہ تمہارا زمانہ ہے، اب تم سوچ لو کہ وہ زمانہ اچھا تھا، یا یہ زمانہ اچھا ہے؟

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا نوّر اللہ مرقدہٗ نے ''آپ بیتی'' میں ایک اور قصہ لکھا ہے کہ: ایک آدمی نے ایک لڑکی کے کانوں سے بالیاں چھین لیں اور چھین بھی اس طرح لیں ظالم نے کہ اس کو کھینچ لیا، مقدمہ چلا گیا جج کے پاس، جج نے دیکھا کہ یہ ملزم ہے تو جج نے اس کو پہچان لیا، یہ جج ایک وقت میں نہر کھد رہی تھی اس پر اَفسر لگا ہوا تھا، اور یہ ملزم وہ جو مزدور کام کرنے والے ہوتے ہیں، ان پر گویا جمعدار تھا، نمبردار کہہ دو، ایک دن نہر کی کھدائی میں ایک سونے کی سِل نکلی، سِل کیا بلکہ ایک لمبی پائپ کی شکل کی سمجھ لو، وہ سونے کی تھی، اس نمبردار نے وہ چیز مزدوروں سے اُٹھوائی اور اُٹھا کر صاحب کے دفتر میں پہنچا دی، وہی افسر آج یہاں جج لگا ہوا تھا، اس نے اس کو پہچان لیا، وہ اس سے پوچھتا ہے کہ: مجھے خیال پڑتا ہے تم وہی آدمی تو نہیں ہو؟ کہنے لگا: جی! میں وہی ہوں، جج کہنے لگا: وہ کتنی بڑی دولت تھی سونے کا ایک پائپ تھا جو تم نے کئی

مزدوروں کے کندھے پر اُٹھا کر مجھے پہنچایا تھا، وہ تو اتنی بڑی چیز تھی، اور آج ایک معمولی بالیاں، چھوٹی بچّی کی وہ تم نے چھینیں، اور بچّی پر بھی ظلم کیا۔ تو وہ ملزم جواب دینے لگا کہ: وہ اُس وقت کی بات ہے، یہ اِس وقت کی بات ہے! یہ تمہارا دور آنے سے پہلے کی بات ہے، انگریزوں کا وقت آنے سے پہلے کی بات ہے، اس وقت میرے اندر دیانت تھی، جب انگریزوں کا دور آیا اور تمہارا اِقتدار آیا تو دیانت اُٹھ گئی۔

شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ اس نے مقدمہ خارج کردیا اور اس کو بَری کردیا۔ اور یہ واقعہ پورا لکھا اور پھر لکھا کہ قصور اس کا نہیں ہے، بلکہ ہماری گورنمنٹ کا ہے، ہمیں حکومت نہیں کرنا آئی، ورنہ یہ لوگ بے ایمان نہیں تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امانت میں خیانت کرنا مسلمان کا کام نہیں ہے، ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ کسی کی سونے کی چیز موجود ہو، اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے، یہ دیانت دار آدمی کا کام ہے، اسی طرح بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا، یہ منافقوں کا کام ہے، مسلمانوں کا نہیں۔ معاہدہ کرکے عہد شکنی کرنا، مسلمان زبان کا پکّا ہوتا ہے، وہ اپنی زبان سے نہیں پھرتا، زیادہ سے زیادہ نقصان ہوجائے گا، کیا ہے...!

اور چوتھی بات یہ ہے کہ جب کسی سے بحث مباحثے کی ضرورت پیش آئے تو بدگوئی سے کام نہ لے، آدمی کا جھگڑا بھی ہوجاتا ہے کبھی کسی کے ساتھ، لیکن بدگوئی نہیں کرنی چاہئے، ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کی کتاب ہے ''فضائلِ تبلیغ'' اس میں ایک حدیث نقل کی ہے، اس کا ایک ٹکڑا ہے کہ: ''جب میری اُمّت آپس میں گالم گلوچ کرنے لگے گی تو اللہ کی نظر سے گرجائے گی۔''

مؤمن اور کافر کی مثال

[حدیث:۵۰] ''عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفِيئُهَا الرِّيحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَتَعْدِلُهَا أُخْرَى حَتَّى تَهِيجَ وَمَثَلُ الْكَافِرِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ عَلَى أَصْلِهَا لَا يُفِيئُهَا شَيْءٌ حَتَّى يَكُونَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً۔''

(صحیح مسلم: کتاب صفة القیامة، باب مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَالزَّرْعِ، حدیث:۵۰۲۶)

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مؤمن کی مثال تو اس بال کی ہے یعنی خوشے کی ہے کہ ہوا اس کو ہلاتی ہے، کبھی وہ اُٹھتا ہے، کبھی گرتا ہے، اور مثال کافر کی جیسے صنوبر کا درخت کہ وہ ہمیشہ کھڑا رہتا ہے، لیکن جب اُکھڑتا ہے تو جڑ سے اُکھڑ جاتا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں مؤمن اور کافر کی ایک مثال دی ہے کہ ایک خوشہ ہوتا ہے مثلاً گندم کا، ابھی نرم ہے سوکھا بھی نہیں، ہوا چلتی ہے اس کو کبھی اِدھر لٹاتی ہے کبھی اُدھر لٹاتی ہے، لیٹتا ہے لیکن الحمدللہ پھر کھڑا ہو جاتا ہے، یہ تو مثال ہے مؤمن کی۔ اور منافق و کافر کی مثال جیسے صنوبر کا درخت، بڑا زبردست ہے، آندھی بھی چلتی رہے تو کوئی پروا نہیں، لیکن جس دن اُکھڑے گا، وہ جڑ سے اُکھڑے گا، اسی طرح منافق جس دن اُکھڑے گا جان سے جائے گا، مسلمان بیچارہ کبھی بیمار ہوتا ہے، کبھی کچھ ہوتا ہے کبھی کچھ، میری طرح کمزور ہی رہتا ہے، لیکن اللہ کے فضل سے کام چلتا رہتا ہے۔

اس حدیث میں ایک مسلمان کی جو تعریف کی گئی ہے اور مصائب و تکالیف میں اس کی جو کیفیات بتائی گئی ہیں وہ نہایت ہی معنیٰ خیز ہیں، اور ہر حال میں اطمینان بخش ہیں۔

منافق کی مثال

[حدیث: ۵۱] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ.....، مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَإِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً۔" (صحیح مسلم ج:۱۳، ص:۲۶۶، حدیث نمبر: ۴۹۹۰، كِتَابُ صِفَاتِ الْمُنَافِقِينَ.....)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منافق کی مثال اس بکری کی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ماری ماری پھرتی ہو، کبھی اس طرف جاتی ہے کبھی اس طرف جاتی ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ منافق کی مثال اس بکری کی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ماری ماری پھرتی ہے، کبھی ادھر جاتی ہے کبھی اُدھر جاتی ہے، اسی طرح منافق آدمی کو اگر مسلمانوں کی کوئی بات اچھی لگتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ مسلمان ہو جاؤں اور اگر کافروں کی کوئی بات اچھی لگتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ کافر ہی رہوں، نعوذباللہ۔ یعنی منافق کو یکسوئی نہیں ہوتی، کبھی اس طرف کبھی اس طرف، جیسا کہ قادیانیوں کو بھی یکسوئی نہیں ہے، ایک سو سال سے مار کھا رہے ہیں، لیکن پھر بھی کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں، تم مسلمان کدھر سے ہوئے بھائی؟

(ویسے "شاۃ عائرۃ" اس بکری کو کہتے ہیں جس کو مذکّر کی ضرورت پڑ گئی ہو حاملہ ہونے کے لئے، تو وہ دم مارتے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگتی پھرتی ہے۔)

اعمال کا اِعتبار خاتمہ پر ہے

[حدیث: ۵۲] "عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، اِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ الزَّمَنَ

الطَّوِيْلَ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، ثُمَّ يُخْتَمُ لَهُ عَمَلُهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ الزَّمَنَ الطَّوِيْلَ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، ثُمَّ يُخْتَمُ لَهُ عَمَلُهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔"

(صحیح مسلم: کتاب القدر، باب كَيْفِيَّةِ خَلْقِ الْآدَمِيِّ فِي بَطْنِ أُمِّهِ، حدیث: ۴۷۹۱)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ایک آدمی طویل مدّت تک اہلِ جنّت سے کام کرتا رہتا ہے، پھر اس کا خاتمہ دوزخیوں کے سے کام پر ہوتا ہے، اور ایک آدمی طویل مدّت تک دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے، پھر اس کا خاتمہ بہشتیوں کے سے کام پر ہوتا ہے۔"

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی طویل مدّت تک جنتیوں والے عمل کرتا رہتا ہے، پھر نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! خاتمہ دوزخیوں والے عمل پر ہوتا ہے، اور ایک آدمی طویل زمانے تک دوزخیوں والے اعمال کرتا ہے اور خاتمہ اہلِ جنّت والے اعمال پر ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے:

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ" (صحیح البخاری، مسند احمد بن حنبل)

اعمال کا مدار خاتمے پر ہے۔ خاتمہ کس کا کیسا ہے؟ اکابرین ہمیشہ حسنِ خاتمہ کی دُعا کرتے رہتے ہیں، اور اسی بنا پر اکابر فرماتے ہیں کہ کبھی آدمی کو اپنے اچھے اعمال، بشرطیکہ اچھے ہوں، ان اعمال پر مغرور نہ ہونا چاہئے، ان سے فریب نہ کھانا چاہئے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ خاتمہ کیسا ہونے والا ہے؟ اور کسی کے بُرے اعمال کو دیکھ کر اس کو نظرِ حقارت سے نہیں دیکھنا چاہئے، معلوم نہیں کہ اس کا خاتمہ کیسا ہونے والا ہے:

مرا پیر دانائے روشن شہاب
دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش
دیگر آنکہ بر غیر بدبیں مباش

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیر روشن شہاب، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ جو پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں، یہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی پیر تھے، فرماتے ہیں: وہ وہاں دریا میں سفر کر رہے تھے، مجھے وہاں دو نصیحتیں فرمائیں، ایک یہ کہ کبھی اپنے بارے میں اچھا گمان نہ رکھنا، اور کبھی دُوسرے کے بارے میں بُرا گمان نہ رکھنا۔

ہمارے حکیم الاُمّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ: حضرت! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں دُوسرے کو اپنے سے اچھا سمجھوں، اس لئے کہ ایک طالبِ علم ہے، میں اس کا اُستاذ ہوں، اپنے کو بڑا نہ سمجھوں تو کیا سمجھوں؟ اور اللہ کا شکر ہے کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں، ٹوٹی پھوٹی عبادت بھی کرتا

ہوں، دُوسرا آدمی فاسق وفاجر ہے، اب میں اپنے آپ کو اس سے اچھا نہ سمجھوں تو کیا کروں؟ یہ بات میری عقل میں نہیں آتی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ: حال کے اعتبار سے لکھتے ہو یا مآل کے اعتبار سے؟ بس اسی دوحرفوں میں جواب ہوگیا، اگر حال کے اعتبار سے لکھتے ہو کہ اس وقت میری حالت اس سے اچھی ہے، تمہاری بات ٹھیک ہے، لیکن اس کا اعتبار نہیں، اور مآل یعنی انجام کے لحاظ سے لکھتے ہو تو اس کا علم نہیں۔ حال کے اعتبار سے اپنے آپ کو اچھا سمجھتے ہو تو اس کا اعتبار نہیں، اور مآل یعنی انجام کے اعتبار سے کہتے ہو تو اس کا علم نہیں، اس اچھائی بُرائی کا، تو معلوم ہوا کہ جب تک مآل یعنی انجام کا پتا نہ چل جائے کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

ایک بزرگ سے بادشاہ نے پوچھا کہ: تم اچھے ہو کہ ہمارا کتّا اچھا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ: بادشاہ سلامت! میرے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے درمیان ایک گھاٹی ہے، جس کو موت کہتے ہیں، اگر میں اس گھاٹی کو اِیمان کے ساتھ عبور کرگیا تو میں کتّے سے اچھا، اور اگر خدانخواستہ اس گھاٹی کو اِیمان کے ساتھ عبور نہ کرسکا تو کتّا اچھا۔

کفّار کو ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دُنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے

[حدیث:۵۳] ”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِنَّهُ حَدَّثَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْكَافِرَ إِذَا عَمِلَ حَسَنَةً أُطْعِمَ بِهَا طُعْمَةً مِنَ الدُّنْيَا وَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَإِنَّ اللهَ يَدَّخِرُ لَهُ حَسَنَاتِهِ فِي الْآخِرَةِ وَيُعْقِبُهُ رِزْقًا فِي الدُّنْيَا عَلَى طَاعَتِهِ۔“

(صحيح مسلم: كتاب صفة القيامة، باب جَزَاءِ الْمُؤْمِنِ بِحَسَنَاتِهِ فِي الدُّنْيَا، حديث:۵۰۲۳)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کافر جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اس کے سبب سے اس کی دُنیا کی کچھ کشائش ہوجاتی ہے، اور اِیمان والے کی نیکیوں کو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کی آخرت کے واسطے جمع کرکے رکھتا ہے، اور اس کے واسطے دُنیا میں بھی روزی دیتا ہے اس کی بندگی پر۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا: کافر اگر کوئی بھلا کام کرتا ہے جس کو لوگ ”نیکی کا کام“ کہتے ہیں، تو آخرت میں تو اس کو کچھ ملتا نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اس کا کچھ روزینہ دُنیا میں ہی دے دیتے ہیں، ”روزینہ“ کہتے ہیں روزی کو، مطلب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اس کی روزی میں کچھ کشائش کردیتے ہیں، بخلاف اہلِ ایمان کے، مؤمن کے، اس کے لئے سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ یہ کرتے ہیں کہ جتنا بھی وہ نیک کام کرے اس

کے نیک کام کو اس کی آخرت کے لئے ذخیرہ بنا دیتے ہیں، یہاں نہیں دیتے، وہاں کے لئے ذخیرہ بنا دیتے ہیں، لیکن پھر بھی ذخیرہ بنانے کے بعد اس کی اس طاعت کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو دُنیا میں بھی رزق عطا فرما دیتے ہیں۔

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوگئیں:

① ایک یہ کہ کافر کو تو اس کا پورا اَجر یہاں ملتا ہے تو لامحالہ اس کی حالت یہاں اچھی ہونی چاہئے، کیونکہ اس کو کمائی کا بدلہ مل رہا ہے، تمہیں مل نہیں رہا، دو مزدور ایک ہی کارخانے میں کام کرتے ہیں، ایک کو مزدوری ملتی ہے، دُوسرے کو نہیں ملتی، تو جس کو مزدوری ملتی ہے اس کے گھر کی حالت اچھی ہوگی، اور جس کو مزدوری نہیں ملتی، صاحب کہتے ہیں کہ دے دیں گے، کئی مہینے گزر گئے اس کو مزدوری نہیں مل رہی، ظاہر ہے کہ کچھ پتلا ہی حال ہوگا، کچھ پریشان بھی ہوگا، تو بالکل یہی مثال ہے مؤمن اور کافر کی کہ کافر کو تو نقد ملتا ہے، روز کے روز، اور مؤمن کو کچھ نہیں دیتے، تو کافر کی تو حالت اچھی ہونی چاہئے۔

② دُوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مؤمن کو اس کے بدلے کا نہ دیا جانا، اس کے عمل کا بدلہ دُنیا میں نہ دیا جانا، اس کے حق میں رحمت ہے، بات یہ ہے کہ ہم تو بہت کمزور ہیں، ہمارے سامنے یہ مشاہدے والی زندگی ہے، اور جو آگے آنے والی ہے وہ ہمارے سامنے نہیں، اس کا ہمیں اتنا اہتمام نہیں تو یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایت، اس کا فضل اور اس کا لطف و کرم ہے کہ باوجود اس کے کہ ہمیں اس کا اہتمام اتنا نہیں لیکن ہمارے لئے بچا بچا کے رکھ لیتے ہیں، اور اس کی مثال بالکل ایسی ہی سمجھ لیجئے کہ بچّوں کو اپنے نفع نقصان کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا، جتنا والدین کو ہوتا ہے، ان کے مستقبل کی فکر جتنی ان کے والدین کو ہوتی ہے، بچّوں کو نہیں ہوتی، وہ تو کہتے ہیں کہ کھیل کود میں وقت گزار لیں، حالانکہ والدین کو کیا نفع؟ ان کو تو معلوم ہے کہ ہم مر جائیں گے، کبھی ان کو اپنے سامنے دیکھنا ہوتا ہے، کبھی نہیں ہوتا۔

ایک خاتون نے اپنے بیٹے کے بارے میں مجھے خط لکھا تھا، بڑی فکرمند تھی اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ میں قطعاً نہیں چاہتی کہ ایک پیسہ بھی ہمیں کما کر کھلائے، لیکن یہ خود قابل ہوجائے۔ اسی لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ بغیر کسی غرض کے بندوں پر اِنعامات فرماتے ہیں، اس کا ایک ہلکا سا نمونہ والدین میں پایا جاتا ہے، والدین چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد صاحبِ کمال ہوجائے اور ان کو اللہ تعالیٰ بہت بہت نعمتیں عطا فرمائے، چاہے ایک پیسہ بھی ہمیں نہ دیں، ایسی بے لوث اور بے غرض محبّت اور ایسی بے لوث اور بے غرض شفقت سوائے والدین کے کسی کے یہاں نہیں پاؤ گے، خیر یہ تو درمیان میں ایک جملہ معترضہ تھا، کہنا یہ چاہتا ہوں کہ بچّوں کو اپنے مستقبل کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی کہ والدین اس کا اہتمام کرتے ہیں، والدین کی شفقت اور محبّت اللہ کی شفقت اور محبّت کے مقابلے میں کیا چیز ہے؟ تو تم تو اپنے کھیل کود میں یہاں اُڑا دینا چاہتے ہو،

لیکن اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ نادان ہے، اس کو اپنے مستقبل کی فکر نہیں، وہ ہمارے مستقبل کا اہتمام فرماتے ہیں، تو حق تعالیٰ شانہٗ کا بندۂ مؤمن کو اس کے نیک اعمال کا بدلہ یہاں نہ دینا، یہ شفقت وعنایت ورحمت ہے۔

③ تیسرا یہ کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ڈبل اَجر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تو ذخیرہ بنادیا اور فرمایا کہ: دُنیا میں بھی اس کی اطاعت پر اس کو روزی عطا فرماتے ہیں، یہ اس لئے کردیا کہ اگر یہ نہ کریں تو تم سب کافر ہو جاؤ، تم سے برداشت نہ ہوسکے گا کہ کافروں کو تو مل رہا ہے، ہمیں نہیں مل رہا، قرآنِ کریم نے اس کو بہت نفیس انداز سے بیان فرمایا:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿٣٤﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٥﴾﴾ (الزخرف)

اس آیت شریفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی مذہب کے یعنی کافر ہو جائیں گے تو جو لوگ کہ رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں تو ان کے مکانوں کی چھتیں، ان کی دیواریں، ان کی سیڑھیاں سونے اور چاندی کی بنا دیتے۔

مطلب یہ ہے کہ وہ کر رہا ہے کفر اور اس کو دے رہے ہیں سونا چاندی، وہ بھی اتنا کہ مکان کی سیڑھیاں تک سونے اور چاندی کی ہیں۔ اور آخر میں فرمایا کہ: یہ ساری کی ساری چیزیں دُنیا کی زندگی میں برتنے کی ہیں، اور آپ کے رَبّ کی طرف سے جو ثواب متقی لوگوں کو ملنے والا ہے وہ بہت ہی زیادہ بہتر ہے اس کے مقابلے میں۔

معلوم ہوا کہ یہ آزمائش خدانخواستہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر ڈال دیتے تو بڑا مشکل ہو جاتا، ورنہ حق یہ تھا کہ ہمیں یہاں کچھ نہ ملتا، بھئی! ایک عمل کی مزدوری ایک جگہ ملتی ہے یا دو جگہ ملتی ہے؟ تم نے کوئی مزدوری کی تو اس کی مزدوری ایک جگہ ملے گی یا دو جگہ ملے گی؟ اب بتاؤ! آخرت میں لینا چاہتے ہو یا دُنیا میں لینا چاہتے ہے؟ ہم تو کہیں گے کہ دُنیا میں ہی دے دیں جی، آخرت میں چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نہیں! تمہیں آخرت میں دیں گے، اس وقت تمہیں زیادہ ضرورت ہوگی، اس وقت تو بچّہ ماں باپ کے دسترخوان پر روٹی کھا رہا ہے، اس کو اپنا پیسہ خرچ کرنے کی کیا ضرورت؟ جب ماں باپ کا دسترخوان نہیں رہے گا اور اس کو اپنا گھر بسانا ہوگا اس وقت اس کو پیسے کی ضرورت ہوگی، ابھی اس کو کیا ضرورت؟ ابھی اگر اُڑا دے گا تو اس وقت کیا کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ابھی تو تم رحمٰن کے دسترخوان پر کھانا کھا رہے ہو لیکن تمہیں اپنے عمل کی کمائی کی ضرورت بعد میں پیش آئے گی، غرضیکہ یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایت ہے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہ

ہمیں یہاں بھی محروم نہ فرمایا، یہ عنایت در عنایت ہے۔ (مثلاً کوئی سفر پر جارہا ہو، اور اس کا سرپرست اسے کہے کہ: میں تمہیں یہاں پیسے نہیں دوں گا، بلکہ وہاں تمہیں ضرورت پڑے گی پردیس میں، جہاں کوئی مددگار بھی نہ ہوگا، تو عقل مندی یہی کہلائے گی کہ وہ یہاں اِصرار نہ کرے پیسے لینے کے لئے، بلکہ وہاں کے لئے اسے باقی رہنے دے)۔

کافر کے نیک عمل کا اَجر اِیمان پر موقوف ہے

[حدیث:۵۴] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيُطْعِمُ الْمِسْكِينَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ؟ قَالَ: لَا يَنْفَعُهُ، إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا: رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ۔“ (صحيح مسلم ج:۱، ص:۴۸۴، حديث نمبر:۳۱۵، بَابُ الدَّلِيلِ عَلٰى أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ: یا رسول اللہ! ابنِ جدعان جاہلیت کے زمانے میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا تو کیا یہ چیز اس کو نفع دے گی؟ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو یہ چیز نفع نہیں دے گی، اس لئے کہ ایک دن کبھی نہیں کہا: اے میرے رَبّ! مجھے بخش دے میری خطائیں قیامت کے دن۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ: ابنِ جدعان ایک شخص تھا جو جاہلیت کے زمانے میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا، مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا، یعنی رفاہِ عام کے کام کرتا تھا تو کیا یہ چیزیں اس کو قیامت کے دن نفع دیں گی؟ فرمایا: اس کو یہ چیزیں نفع نہیں دیں گی، اس لئے کہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ: اے میرے پروردگار! میرے گناہوں کو معاف فرما۔ مطلب یہ کہ وہ کافر تھا، قیامت کا قائل ہی نہیں تھا اور کافر کا کوئی عمل ایسا نہیں جو اس کو نفع دے کیونکہ اس نے جو بھی کیا ہے دُنیا کے لئے کیا ہے۔

ایدھی صاحب اور دیگر جو رفاہِ عامہ کے کام کرنے والے لوگ ہیں اس حدیث پر غور فرمالیں! مجوسیوں کے یہاں بھی خیراتی کام ہی عبادت ہے، لیکن اگر وہ یہ کام آخرت کے لئے اور مغفرت کے لئے نہ کرتے ہوں تو مسئلہ صاف ظاہر ہے۔

یہاں سے ایک مسئلہ تو یہ معلوم ہوگیا کہ قیامت کے دن کسی کافر کی کوئی نیکی کام نہیں آئے گی، اس لئے کہ نیکی کے نیکی بننے کے لئے شرط ہے اسلام لانا، مؤمن ہونا، جو شخص کہ غیر مسلم ہے، جو شخص کہ آخرت کو نہیں

مانتا، جو شخص کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو نہیں مانتا وہ دُنیا میں بظاہر جو کام اچھے کر رہا ہے، وہ چونکہ دُنیا کے لئے کرتا ہے آخرت کے لئے نہیں کرتا، اس لئے آخرت میں اس کو اس کے اعمال نفع نہیں دیں گے۔

اور یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اچھے کام اور بُرے کام دو قسم کے ہیں۔

ایک تو وہ اچھے کام اور بُرے کام ہیں جن کا اچھا ہونا اور بُرا ہونا ساری دُنیا کے ہاں مُسلّم ہے، جیسے کسی کی خدمت کرنا، مسکینوں کو کھانا کھلانا، مسکینوں کی ضرورتیں پوری کرنا، بیماروں کی تیمارداری کرنا، یہ اچھے کام ہیں۔ اور جھوٹ بولنا، ٹھگی کرنا، فریب کرنا، جھوٹ بولنا، کسی کو دھوکا دینا، خیانت کرنا بُرے کام ہیں اور ان کا بُرا ہونا تمام اقوام عالم کے ہاں مُسلّم ہے، سب جانتے ہیں۔

اور دُوسرے نیک کام اور بُرے کام وہ ہیں جو ہمیں شریعت کے ذریعے سے معلوم ہیں، ورنہ عام لوگ ان کے اچھے کو اچھا اور بُرے کا بُرا نہیں سمجھ سکتے۔ بہرکیف! یہ دوسرے قسم کے جو کام ہیں ان کو تو چھوڑ لیجئے۔

پہلی قسم کے جو کام ہیں، اچھے کام جو سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اس وقت اچھے ہیں جس وقت اللہ کے لئے اور آخرت کے لئے کئے جائیں، ورنہ ان کے اندر کوئی اچھائی نہیں، غریبوں کو کھانا کھلانا، محتاجوں کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ، یہ اچھے کام سمجھے جاتے ہیں لیکن یہ اچھے اسی وقت شمار کئے جائیں گے جب وہ اللہ کے لئے کئے گئے ہوں اور آخرت کی نیت سے کئے گئے ہوں، اگر دُنیا کی نام آوری کے لئے کئے گئے ہوں یا انسانی ہمدردی کے لئے کئے گئے ہوں آخرت کا ثواب اور اللہ تعالیٰ پیش نظر نہیں تو لایعنیہ ہیں ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۝۲۳﴾ (الفرقان) قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: انہوں نے کوئی اعمال کئے تھے، ہم ان کی طرف آئیں گے، ان کو اُڑتا ہوا غبار ابنا دیں گے، بے وزن، ان کے اندر کوئی وزن ہی نہیں ہوگا۔

ایک آدمی جیتا جاگتا ہے، ایک آدمی سویا ہوا ہے اور ایک آدمی مرا ہوا ہے، وہی آدمی ہے شکل وصورت ہے اس کی وہی لیکن جیتا جاگتا آدمی تو آدمی کہلاتا ہے اور اس کے افعال ان پر احکام جاری ہوتے ہیں اور اگر وہی آدمی سویا ہوا ہو اور اس حالت میں کوئی لفظ کہے یا کوئی کام کرے تو وہ مرفوع القلم ہے اور جب وہ مر جائے تو وہ آدمی نہیں کہلاتا، لاش کہلاتی ہے، میّت کہلاتی ہے، کیوں فرق کیا ہے؟ پہلے آدمی کے اندر جاگتی ہوئی روح تھی، دوسرا آدمی جو سویا ہوا ہے اس کی روح سوئی ہوئی ہے یا کہیں باہر گئی ہوئی ہے، سیر کرنے کے لئے اور تیسرا آدمی اس کی روح نکل چکی ہے حالانکہ دھڑ وہی ہے تینوں حالت میں۔

بالکل یہی مثال ہے ایک نیک عمل کی جس کو ایک آدمی جاگتے ہوئے کرتا ہے یعنی عارف اللہ تعالیٰ کے استحضار کے ساتھ کرتا ہے اور وہی عمل ہے کہ ایک مسلمان کرتا ہے لیکن غفلت کے ساتھ ایسے ہی عادت

کے طور پر کرلیا لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور آخرت کی کامیابی کو مقصد بنا کر نہیں کیا اور وہی عمل کرتا ہے کافر جس کا اللہ پر ایمان نہیں آخرت پر ایمان نہیں، عارف جب یہ نیک کام کرے گا تو اس کے اندر چونکہ اس کی روح بیدار رہوتی ہے، اس کی مثال جیتے جاگتے آدمی کی ہے اور غافل مسلمان جو عمل کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ سویا ہوا آدمی، اور ایک وہ شخص جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتا آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو اس کی مثال ہے ایسی جیسا کہ میّت، اس کے اندر نہ حس و حرکت ہے، نہ بینائی ہے، کچھ بھی نہیں، صرف ظاہری ڈھانچہ ہے، انسان نہیں ہے انسان کی لاش ہے۔

اس مسئلے کو صحیح سمجھ لیا جائے اور سمجھ کر کے پھر اس پر غور کیا جائے کہ! آج انسانی ہمدردی کا بڑا غلغلہ ہے، دُنیا میں بڑی تنظیمیں بنی ہوئی ہیں، لیکن آپ یہ جانتے ہو کہ جتنی تنظیمیں بنی ہوئی ہیں اتنا ہی فساد زیادہ پھیل رہا ہے اور ان لوگوں کا کوئی مقصد و مدعا نہیں سوائے نام آوری کے یا واقعةً خدمت خلق بھی ہوسکتی ہے لیکن اللہ کو راضی کرنا اور آخرت کو حاصل کرنا ان کو اس کی فکر نہیں ہے، اس لئے ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ان اعمال کی کوئی اہمیت نہیں ہے اللہ کے ہاں۔

اہلِ کتاب کو اِسلام کی دعوت دینے کا طریقہ

[حدیث: ۵۵] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِينَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ فَإِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ إِلَى أَنْ يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔“

(صحیح بخاری: کتاب الزکوٰۃ، باب أَخْذِ الصَّدَقَةِ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ، ۱۴۰۱)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے ارشاد فرمایا کہ: تم ایک قوم کے پاس جاؤ گے جو اہل کتاب ہیں، یعنی یہود و نصاریٰ، جب تم ان کے پاس جاؤ تو ان کو اس بات کی دعوت دو کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ تمہارے کہنے پر اس بات کو مان لیں تو ان کو بتاؤ

کہ اللہ تعالیٰ نے ہر رات دن میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ تمہارے کہنے پر اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے، یعنی زکوٰۃ جو ان کے مال داروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کو واپس کر دی جائے گی، فقراء کو تقسیم کر دی جائے گی، اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو تم ان کے عمدہ مالوں سے بچنا اور مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا اس لئے کہ اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وصیتیں فرمائی تھیں اس کا ایک حصہ ذکر کیا گیا ہے۔

۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا اور بڑے اکرام کے ساتھ ان کو رُخصت فرمایا تھا، اور یہ بھی فرمایا تھا کہ: معاذ! ہوسکتا ہے کہ تم آج کے بعد پھر مجھے نہ دیکھو۔ اور بہت سی نصیحتیں فرمائیں جن میں سے ایک یہ تھی: تم کچھ ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے جو اہل کتاب کہلاتے ہیں، یعنی یہود و نصاریٰ، تو ان کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دینا، یعنی اس بات کی دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، کلمہ شہادت کی طرف بلاؤ، اگر وہ اس کو مان لیں تو پھر ان کو بتاؤ کہ: اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو پھر ان کو بتاؤ کہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے جو ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان ہی کے فقراء کو لوٹا دی جائے گی، اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو پھر ان کے مال کو چن چن کر لینے سے پرہیز کرنا، اور مظلوم کی بددعا سے بچنا اس لئے کہ اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا، وہ سیدھی عرش پر پہنچتی ہے۔

اب یہاں چند مسائل ہیں:

① ایک یہ کہ اس حدیث شریف میں دعوت کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے کہ: غیر مسلموں کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے گی اور اسلام کی دعوت میں بہت سی چیزیں آتی ہیں، لیکن بنیادی باتیں دو ہیں، ایک توحید اور دوسری رسالت، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کو تسلیم کر لیں، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مان لیا اور یہ کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت اور لائق پرستش نہیں اور جب انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مان لیا تو سارا دین اس میں داخل ہوگیا، گویا سارے دین اسلام کو انہوں نے مان لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے لے کر جو کچھ اُمّت تک پہنچائیں گے وہ برحق ہے، اس لئے دینِ اسلام کو قبول کرنے کا عنوان ”لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ ہے، اس کلمے کی جو شخص سچے دل سے شہادت دے، **اقرار باللسان و تصدیق بالقلب**، زبان سے اقرار

کرتے ہوئے اور دل کے ساتھ اس کی تصدیق کرتے ہوئے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہہ لے وہ آدمی مسلمان ہوجاتا ہے۔

② دُوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اگر وہ دین اسلام کو قبول کرلیں یعنی کلمہ شہادت پڑھ لیں تو ان کو بتاؤ کہ ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جب تک کوئی شخص دِینِ اسلام کو قبول نہیں کرلیتا اس وقت تک اَحکام کے بارے میں اس سے گفتگو کرنا فضول ہے۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کلمہ شریف پڑھ لینے کے بعد مسلمان پر جو سب سے پہلا فرض عائد ہوتا ہے وہ پانچ وقت کی نماز ہے، یہ اول الفرائض ہے، یعنی سب فرضوں سے پہلا فرض اور افضل العبادات ہے، تمام عبادتوں سے افضل ترین عبادت، اس سے اونچی کوئی عبادت نہیں اور حق تعالیٰ جل شانہٗ کے قرب کا سب سے قوی ترین ذریعہ ہے، اور نماز کا ترک کرنا یہ تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بدتر گناہ ہے، زنا، چوری، ڈاکا، جتنے بھی گناہ ہیں سب اس سے نیچے ہیں، نماز کا چھوڑنا ان سب سے بڑا گناہ ہے، گویا بے نمازی زانی سے بدتر ہے، چور ڈاکو سے بدتر ہے، قبیلہ ثقیف کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ: ہم مسلمان ہوتے ہیں لیکن ایک شرط کے ساتھ نہ ان کو جہاد کے لئے کہا جائے، نہ ان سے زکوٰۃ لی جائے گی، نہ روزہ رکھیں گے، نہ نماز پڑھیں گے، اس شرط پر ہم مسلمان ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم مسلمان ہوجاؤ تمہیں جہاد کے لئے نہیں کہیں گے، تم سے زکوٰۃ کا مطالبہ نہیں کریں گے، تم سے یہ بھی نہیں کہیں گے کہ روزے رکھو، گویا ساری شرطیں منظور مگر نماز نہ پڑھو یہ شرط منظور نہیں، اس لئے کہ اس دین میں کوئی بھی خیر نہیں جس میں نماز نہیں (مجمع الزوائد) نماز ہی نہیں رہی تو پھر کیا دین رہا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعد میں عرض کیا کہ: یارسول اللہ! آپ نے ان کو جہاد سے بھی چھٹی دے دی، زکوٰۃ سے بھی، روزے سے بھی چھٹی دے دی، فرمایا: مسلمان ہوجاتے، نماز پڑھنے لگ جاتے تو روزے بھی رکھتے، زکوٰۃ بھی دیتے، جہاد میں بھی جاتے، چنانچہ وہ بعد میں مسلمان ہوگئے تھے اور یہ سارے کام کرتے تھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث شریف میں فرمایا کہ: دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں، اور تمام اُمّت کا اس پر اجماع ہے اور حدیث متواترہ اس پر وارد ہیں کہ نماز پنج گانہ کا جو شخص منکر ہو وہ مسلمان نہیں ہے۔ البتہ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: وتر کی نماز واجب ہے، وتر کی نماز نماز عشاء کے تابع ہے، بہرحال حدیث شریف میں فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ اَمَدَّکُمْ بِصَلٰوۃٍ ھِیَ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ حُمْرِ النِّعَمِ"

(ترمذی، مشکوٰۃ، السنن الکبریٰ للبیہقی)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی ہے ایک نماز کے ساتھ جو تمہارے لئے سرخ اُونٹوں سے بہتر ہے اور وہ وتر کی نماز ہے۔''

تم جانتے ہو ایک لشکر لڑ رہا ہو اور پیچھے سے کمک پہنچ جائے تو وہ بھی اس لشکر میں شامل ہو جاتا ہے، اور جب مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا وقت آئے تو اس بعد میں آنے والے دستے کو بھی برابر کا حصہ دیا جاتا ہے، جو اصل لشکر کو دیا جاتا ہے وہی اس کو بھی دیا جاتا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی نماز کو پنج گانہ نماز کے لئے مدد فرمایا ہے، بطور مدد کے اللہ تعالیٰ نے بھیجی ہے۔

③ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر وہ پنج گانہ نماز کی بات کو مان لیں تو پھر ان کو بتاؤ زکوٰۃ کا مسئلہ۔ علماء فرماتے ہیں کہ مقصود اس سے ''تدریج فی التعلیم'' ہے، یعنی تعلیم میں درجہ بدرجہ چلنا چاہئے، ''الأهم فالأهم'' چلنا چاہئے، جو سب سے زیادہ اہم ہے پہلے وہ سمجھاؤ اور جب وہ اچھی طرح سمجھ جائیں تو پھر اگلی بات کرو، ورنہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی زکوٰۃ فرض ہے۔

④ چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ یوں فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں پر صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء کو لوٹا دیا جائے گا، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ زکوٰۃ ٹیکس نہیں ہے جو گورنمنٹ وصول کرتی ہے، بلکہ فقراء تک ان کا حق پہنچانے کے لئے ایک تدبیر ہے، تقسیم کرنے کے لئے حکومت کو اختیار دیا گیا ہے۔

ایک لطیفہ لکھا ہے، کسی خلیفہ کے زمانے میں کسی صحابی کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا کہ فلاں علاقے کے لوگوں کی زکوٰۃ وصول کر کے لاؤ، وہ گئے جتنا بھی عرصہ وہاں رہے لیکن پھر خالی ہاتھ واپس آ گئے، خلیفہ نے کہا کہ: مال کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ: آپ نے مجھے مال کے لئے بھیجا تھا آپ نے تو کہا تھا کہ ان سے زکوٰۃ وصول کرو اور زکوٰۃ کا اُصول یہ ہے کہ جس قوم سے لی جائے اسی قوم کے فقراء کو دے دی جائے، میں دے آیا، ادھر لیتا گیا اُدھر دیتا گیا، ایک پیسہ بھی نہیں لائے، آپ نے مجھے زکوٰۃ لینے بھیجا تھا اور زکوٰۃ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُصول بیان کیا ہے کہ:

''تؤخذ من أغنيائهم وترد الى فقرائهم'' (صحیح مسلم)

جس قوم سے زکوٰۃ وصول کرو، اسی کے فقراء کو دے دو، البتہ زکوٰۃ کا ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل کرنے کی علماء نے اجازت دی ہے، جبکہ مصلحت اس کا تقاضا کرتی ہو، مثلاً ایک شہر کے لوگ زیادہ حاجت مند ہیں، اور اس شہر کے لوگ کم حاجت مند ہیں تو وہاں بھیج سکتے ہیں، یا اس کے عزیز و اقارب سب وہاں رہتے ہیں تو عزیز و اقارب کو دینا زیادہ بہتر ہے۔ عمومی حکم وہی ہے جو اوپر صحابی کے عمل میں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ظاہر ہے۔

⑤ پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جب وہ اس بات کو بھی مان لیں تو پھر ان کے عمدہ مال سے بچنا، یعنی چھانٹ چھانٹ کر ان کا مال نہ لینا، بکریوں میں جب چالیس ہوں تو ایک بکری لی جاتی ہے ایک سو بیس تک، اور ایک سو بیس سے دو سو تک دو بکریاں لی جاتی ہیں، اور جب دو سو سے اُوپر ہو جائیں تو ہر سینکڑے پر ایک بکری، تین سو پر تین، چار سو پر چار، اسی طرح دوسرے مالوں کا بھی ایک حکم، لیکن اس میں یہ حکم ہے کہ نہ تو چھانٹ چھانٹ کر اچھا مال لو اور نہ گھٹیا قسم کا ردی مال لو، بلکہ درمیانہ مال لو، چھانٹ کر لو گے تو مالک کا نقصان اور عیب دار مال لو گے تو فقراء کا اور بیت المال کا نقصان۔

ابوداؤد شریف میں ایک قصہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی علاقے میں سفر میں گئے ہوئے تھے، ایک صاحب کو بھیجا کہ ان لوگوں سے زکوٰۃ لے کر آؤ، تو وہ صحابی بکریوں کے باڑوں میں چلے گئے اور کہنے لگے کہ: میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں اور آپ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ زکوٰۃ وصول کروں۔ وہ صاحب یہ سن کر بہت ہی خوش ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ کا قاصد آیا، سبحان اللہ قربان جایئے، ایک بہت ہی عمدہ قسم کا جانور وہ زکوٰۃ میں دینے کے لئے لے کر آئے کہ لیجئے! یہ صحابی کہنے لگے کہ: مجھے اس کا حکم نہیں، مجھے تو حکم ہے کہ درمیانہ مال لوں، نہ بڑھیا نہ گھٹیا، باقی رسول اللہ ﷺ یہاں قریب میں تشریف فرما ہیں تم چاہو تو جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خود پیش کر دو۔ چنانچہ انہوں نے وہ بکری، اُونٹنی پر رکھی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ: یا رسول اللہ! یہ پہلا موقع تھا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کا قاصد زکوٰۃ لینے کے لئے آیا اور میں نے چھانٹ کر بہت عمدہ قسم کی بکری اس کو پیش کی لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا، اور اس نے مجھے کہا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر خود پیش کروں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اس نے ٹھیک کہا! تمہارے ذمہ درمیانی قسم کی بکری واجب ہے، لیکن ان کا دل رکھنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہاں! اگر تم اپنی خوشی سے اللہ کی راہ میں کچھ دینا چاہو تو ہم انکار نہیں کریں گے۔ اس نے کہا: میں اپنی خوشی سے دینا چاہتا ہوں! آپ ﷺ نے اس کے لئے دُعائیں فرمائیں۔

⑥ آخری بات اس حدیث میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ بیان فرمائی کہ: مظلوم کی بددُعا سے بچو! یعنی کبھی ایسا نہ ہو کہ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کرو، اور وہ تمہارے حق میں بددُعا کرے، ایسی نوبت نہیں آنی چاہئے۔ خبردار! کسی کے ساتھ ایک پیسے کا بھی ظلم اور ایک جو برابر بھی زیادتی نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ اگر مظلوم کے منہ سے آہ نکلے گی تو عرشِ الٰہی کو چیرتی ہوئی سیدھی اللہ تعالیٰ تک پہنچے گی، ’’فانھا لیست بینه و بین اللہ حجاب‘‘ اور اسی لئے اس کا مال کھانا یہ صریح حرام کھانے سے بھی بدتر ہے۔ ہمارے یہاں دیہاتوں میں مشرقی پنجاب میں رواج تھا اور دیہاتوں میں اب بھی ہوگا، میں تو بہت عرصہ ہوا دیہات کو چھوڑ چکا ہوں، کسی کی گائے پکڑ کر ذبح کر لیتے تھے، کسی کا سانڈ پکڑ کر ذبح کر کے کھا لیا اور کسی کی بکری یا مرغی ہاتھ آ جائے ذبح

کر کے کھالیتے تھے، میں کہا کرتا ہوں: اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، ویسے ہی کھالیا کرو! اس لئے کہ جیسے مُردار کھانا حرام ہے ویسے ہی کسی کا مال کھانا حرام ہے، اس کو ذبح کرنے کا کیا فائدہ؟ پرائی بکری ذبح کر کے کھالی تو وہ حلال نہیں، وہ ذبح کر کے حلال نہیں ہوگی، وہ تو حرام ہی رہے گی تمہارے لئے ایسی ہی ہے جیسے کہ تم مُردار کھاؤ۔ اگرچہ فقہی اعتبار سے وہ مُردار نہیں ہوگی، ذبیحہ ہوگی لیکن حلال نہیں ہوگی، حرام ہوگی۔

تو کسی کا مال کھانا، مال کے معاملے میں کسی پر ظلم کرنا یہ بھی زیادتی ہے، اور کسی کی آبروریزی کرنا یہ بھی ظلم اور زیادتی ہے، کسی کی جان کو نقصان پہنچانا، کسی کو مار پیٹ کرنا یہ ساری کی ساری ظلم اور زیادتی کی شکلیں ہیں، اگر اس شخص کے منہ سے آہ نکلی بدد ُعا نکلی تو تمہارا بیڑا غرق ہوجائے گا، تم کسی ٹھکانے کے نہیں رہو گے۔

اِسلام میں توہم پرستی نہیں ہے

[حدیث: ۵۶] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيْرَةَ۔“

(صحیح مسلم: کتاب الاضاحی، بَاب الْفَرَعِ وَالْعَتِيرَةِ، حدیث: ۳۶۵۲)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرع اور عتیرہ کوئی چیز نہیں۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا: فرع اور عتیرہ کوئی چیز نہیں، فرع کہتے ہیں شاخ کو یا نتیجے کو یا بچے کو، عربوں کے یہاں ایک یہ بات بھی تھی کہ جب کسی اُونٹنی کا بچہ پیدا ہوتا، سب سے پہلے بچے کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے۔ ہمارے بچپن میں تو ہمارے والدین الحمدللہ دینی اعتبار سے کافی سمجھ دار تھے، باقی ان کے جو پُرانے بزرگ تھے ان کے یہاں توہم پرستیاں تھیں، گائے، بھینس کا دُودھ شروع کرتے تھے تو یہ ان کا عقیدہ تھا کہ پہلی دفعہ کا مکھن وہ گوگے کے یہاں چڑھائے جو ہندوؤں کا ایک بت تھا، اس کے بعد کھانا پینا شروع کرتے۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے تھے کہ: میری بہن اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے، وہ کہتی تھی کہ فلاں مکھن کھانا فلاں مکھن نہیں کھانا، بہن ہی نے والد صاحب کو پالا تھا، اور فرماتے تھے کہ: وہ جس کو کہتی کہ نہیں کھانا میں اسی کو کھاتا، میں نے کہا کہ کیا ہوجائے گا، جیسا کہ بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ گیارہویں نہ دی جائے تو یہ ہوجائے گا وہ ہوجائے گا، یہ لوگ اللہ واسطے نہیں دیتے بلکہ شرک کا ایک شعبہ ہے جو بتوں کے نام چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں، نماز نہیں، زکوٰۃ نہیں، امانت داری نہیں، حلال کھانا نہیں، نہ حقوق اللہ کا اہتمام، نہ حقوق العباد کا اہتمام، گیارہویں دے دو تم پکے مسلمان ہو، انا للہ وانا الیہ راجعون!

ہمارے یہاں ایک لوہار ہوتے تھے گیارہویں شریف والے، ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا کہ: مستری جی! وہابی کس کو کہتے ہیں؟ کہنے لگا کہ: جو پیرانِ پیر کی گیارہویں نہ دے! میں نے کہا کہ: تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں نے کہا: آپ کو معلوم ہے کہ پیرانِ پیر کب پیدا ہوئے ہیں؟ کہنے لگا کہ: یہ تو نہیں معلوم! میں نے کہا کہ: میں بتادیتا ہوں پانچویں صدی کے آخر میں پیدا ہوئے، نوّے سال کے قریب ان کی عمر ہوئی ہے، اور چھٹی صدی کے آخر میں فوت ہوئے۔ کہنے لگا: اچھا! میں نے کہا: پیرانِ پیر شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ پیدا ہوئے، بڑے ہوئے پھر انہوں نے پڑھا ہوگا، پھر کسی بزرگ کی خدمت میں جاکے اللہ اللہ سیکھی ہوگی، اس کے بعد ان کا انتقال ہوا ہوگا، اس کے بعد پھر لوگوں نے ان کی گیارہویں دینی شروع کی، زندگی میں گیارہویں کون دیتا ہے؟ کہنے لگے کہ: ہاں! یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ میں نے کہا کہ: ان سے پہلے کی پانچ صدیوں کے مسلمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین، علمائے دین، بزرگانِ دین، چاروں اِمام وہ تو گیارہویں نہیں دیتے تھے نا؟ کہنے لگا: یہ بات تو ٹھیک ہے! میں نے کہا: اور جو گیارہویں نہ دے وہ وہابی ہے، تو یہ سارے کے سارے وہابی ہیں! اور حضرت پیرانِ پیر خود اپنی زندگی میں اپنی گیارہویں تو نہیں دیتے ہوں گے؟ کہنے لگا کہ: یہ بات بھی ٹھیک ہے! پھر میں نے کہا کہ: اور جو گیارہویں نہ دے وہ وہابی ہے، اس کا مطلب ہے کہ پھر پیرانِ پیر بھی وہابی تھے...!

کیسی کیسی توہم پرستیاں شیطان نے ڈال دی ہیں، اللہ کے بندو! ایصالِ ثواب کرنے کو کوئی منع نہیں کرتا، ہمیں غلط کہتے ہو، غلط سمجھتے ہو، امامِ ربّانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ: ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت شریف ہوئی، تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے کچھ کھنچے کھنچے ہیں، ناراض معلوم ہو رہے ہیں، میں نے کہا کہ: یارسول اللہ! اگر معلوم ہوجائے کہ حضور کے مزاج کے خلاف کونسی بات ہوئی ہے تو میں کم از کم اپنی اصلاح تو کرلوں، مجھے تو معلوم نہیں۔ فرمانے لگے کہ: ''تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرا کھانا عائشہ کے گھر ہوتا تھا!'' بس اتنا فرمایا، اِمامِ ربّانی فرماتے ہیں: میں سمجھ گیا کہ جب میں ایصالِ ثواب کرتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شریک نہیں کرتا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارا نہیں تھا کہ آپ کو تو ہدیہ بھیجا جائے اور اس ہدیے میں آپ کے عزیزوں اور گھر والوں کو شامل نہ کیا جائے۔ میں بتاتا رہتا ہوں کہ تین مرتبہ قل ھو اللہ پڑھ کے، تین مرتبہ درود شریف پڑھ کے ایصالِ ثواب کردیا کرو، اس پر تو کوئی خرچ نہیں ہوتا، قل ھو اللہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے تین مرتبہ پڑھو گے گویا کہ ایک قرآن تم نے پڑھ لیا، تین دفعہ دُرود شریف بھی ساتھ پڑھ لو، ہر نماز کے بعد کرلو اور الحمدللہ میں کرتا ہوں، اور فوقتاً فوقتاً کچھ صدقہ بھی کردیا کرو، ضرورت مندوں کو دیکھ کر، جتنی بھی توفیق ہے روپیہ دو روپیہ دے دیا کرو، اور کسی کو پتا بھی نہ چلے کہ یہ دے رہا ہے، اور اس میں بزرگوں کی، والدین کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کرلیا کرو، ان کی طرف صدقے کی

نیت کرلیا کرو، ہم اور ہمارے بزرگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں، منع کون کرتا ہے؟ لیکن صدقہ جو فرض ہے وہ نہیں دیتے، گیارہویں دیتے ہیں، روزہ نہیں، نماز نہیں، بس گیارہویں رہ گئی۔

تو میں نے کہا کہ یہ عربوں کی توہم پرستیاں تھیں کہ اُونٹنی کا جو سب سے پہلا بچہ پیدا ہوتا تھا اس کو وہ اپنے بتوں کے نام سے ذبح کرتے تھے اور اس کو استعمال کرنا حلال نہیں سمجھتے تھے، یا ویسے ہی اس کو بتوں کے نام پر سالم چھوڑ دیتے تھے۔

اور دُوسرا تھا عتیرہ، اسے رجبیہ بھی کہتے تھے، یہ رجب کے مہینے میں ہوتا تھا، وہ تو اپنے بتوں کے لئے دیتے ہوں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی یکسر روک دیا کہ یہ قربانی ہی جائز نہیں اللہ کے نام پر کرو تو بھی جائز نہیں، کیونکہ کفار کی مشابہت پائی جاتی ہے، اس کی نفی کردی، ویسے تم اللہ کے واسطے جانور ذبح کرو کون روکتا ہے؟ کسی وقت بھی کردو، لیکن ٹک کر رجب کے مہینے میں کرنا اور مویشی کا خاص پہلا بچہ اسی کو ذبح کرنا یہ صحیح نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ پوری اُمّت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کیسی صاف ستھری شریعت ہمیں دے کر گئے۔ **والحمدللہ علیٰ ذٰلک!**

عرب میں بُت پرستی کیسے شروع ہوئی

[حدیث:۵۷] ”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي إِبْرَاهِيمَ {رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ} الْآيَةَ وَقَالَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَام {اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾} فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ: اللّٰهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي وَبَكٰى، فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا جِبْرِيلُ! اذْهَبْ إِلٰى مُحَمَّدٍ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ فَسَلْهُ مَا يُبْكِيكَ، فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ وَهُوَ أَعْلَمُ، فَقَالَ اللهُ: يَا جِبْرِيلُ! اذْهَبْ إِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوءُكَ۔“ (صحیح مسلم ج:۱، ص:۴۶۵، حدیث نمبر:۳۰۱، بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُمَّتِهٖ وَبُكَائِهٖ شَفَقَةً عَلَيْهِمْ)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار تلاوت کیا اللہ تعالیٰ کے ارشاد جو حضرت ابراہیم کے بارے میں ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دُعا ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ﴾

اے میرے پروردگار! ان بتوں نے گمراہ کردیا ہے بہت سے لوگوں کو، ﴿فَمَنۡ تَبِعَنِیۡ فَاِنَّہٗ مِنِّیۡ ۚ﴾ پس جو لوگ میری پیروی کریں وہ تو مجھ سے ہیں ﴿وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۶﴾﴾ اور جو میری نافرمانی کریں تو آپ غفور رحیم ہیں، آپ بخشنا چاہیں تو بخش سکتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے تلاوت فرمایا: ﴿وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۱۱۸﴾﴾ اگر ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو بے شک آپ عزیز وحکیم ہیں، پس آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اُٹھائے اور کہا: اے اللہ! میری اُمّت! میری اُمّت! اور آپ ﷺ رُو پڑے، اللہ عزوجل نے جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: کہ جبرئیل جاؤ محمد ﷺ کے پاس اور تمہارا ربّ خوب جانتا ہے، ان سے پوچھو کہ کیوں روتے ہیں؟ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو خبر دی جو آپ نے کہا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں، حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ واقعہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے جبرئیل! جاؤ محمد ﷺ کے پاس، ان سے کہو کہ بے شک ہم آپ کو عنقریب راضی کردیں گے، آپ کی اُمّت کے بارے میں اور آپ کے لئے غم نہیں چھوڑیں گے۔"

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی دعائیں حق تعالیٰ شانہ نے نقل کی ہیں، انہیں دعاؤں میں سے ایک یہ بھی ہے ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ﴾ کہ اے میرے پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے اور بڑے عجیب طریقے سے، بات یہ ہے کہ ایک ہوتا ہے صریح فسق وفجور، بدکاری اور بے حیائی، اس کو کرتے ہوئے تو آدمی شرماتا ہے اس کو عار آتی ہے، اس لئے شیطان خاص خاص لوگوں کو اس میں مبتلا کرتا ہے اور پھر یہ فسق وفجور خدانخواستہ کوئی شخص اس میں مبتلا ہوجائے تو اس کے لئے توبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے، جیسے ایک حدیث میں آتا ہے: شیطان یوں کہتا ہے کہ میں نے اولادِ آدم کی کمر توڑ دی اس سے گناہ کروا کروا کر اور انہوں نے میری کمر توڑ دی استغفار کرکر کے، بڑی محنت کرتا ہوں لیکن ایک مرتبہ استغفار کرنے سے ساری میری محنت کا ستیاناس کردیتے ہیں، تو فسق وفجور یا بدکاریوں اور بے حیائیوں میں مبتلا کرنے کا حربہ تو صرف فساق اور بدکار پر چل سکتا تھا اور وہ بھی کارگر نہیں لیکن نیک لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے بھی کوئی صورت چاہئے تھی، شیطان نے تدبیر یہ سوچی کہ نیک لوگوں کو نیک لوگوں کے ذریعے گمراہ کیا جاسکتا ہے، ان کے جو معتقد یعنی جن سے ان کو عقیدت ہے بزرگوں سے ان بزرگوں کے راستے سے ان کو گمراہ کرو۔

روایات میں آتا ہے بت پرستی اس طرح شروع ہوئی کہ جب کسی قوم میں کوئی بزرگ فوت ہوجاتا ہے تو لوگوں کو صدمہ تو ہوتا ہی ہے، شیطان ان کے پاس آیا کہنے لگا کہ تم لوگ بہت غمگین سے معلوم ہوتے ہو، کہنے لگے ہاں، کہا دیکھو میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں تمہیں وہ اپنے بزرگ یادرہا کریں گے، تم ان کی تصویریں بنالو، مورتیا بنالو، ان کو رکھ لو، کہنے لگے بات تو بہت ٹھیک ہے۔

چنانچہ تصویری یادگار رہنے لگی، اب جو پہلی نسل تھی وہ تو جانتے تھے کہ ہم نے یہ بت تراشے ہیں یہ وہ حقیقت نہیں، بزرگوں کی یادتازہ کرنے کے لئے ہیں صرف لیکن وہ بہرحال ان کا احترام کرتے تھے جیسے کہ ہم قائداعظم کی تصویر کا احترام کرتے ہیں، عدالت میں جج بیٹھا ہے اوپر قائداعظم کی تصویر لگی ہے، صدر مملکت بیٹھا ہے اُوپر قائداعظم کی تصویر آویزاں ہے اور اردگرد قرآن مجید کی آیتیں بھی لگی ہوئی ہیں تو وہ لوگ عقیدت کے ساتھ سلام کرتے جاتے، وہ نسل ختم ہوئی دوسری نسل آئی، کہنے لگے: ہمارے آباؤ اجداد ان کی بڑی تعظیم کرتے آئے ہیں، رفتہ رفتہ جب یہ بدعت شروع ہوتی ہے تو اس میں یہ غلو بڑھتا رہتا ہے اور نوبت سجدے تک پہنچ گئی تو پہلے تو سجدہ بھی تعظیم کے لئے ہوتا تھا، تعظیم کا مطلب سلام کے طور پر لیکن رفتہ رفتہ ان کو شیطان نے یہ بھی سمجھا دیا کہ یہ بزرگ نفع نقصان کے بھی مالک ہیں، خدائی میں شریک ہیں، ان کی روحیں جب اس دنیا سے نکل جاتی ہیں، اگلے جہاں کو چلی جاتی ہیں، پورا تصرف تو ان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے، دیکھو اپنی زندگی میں یہ کیسی کرامتیں دکھاتے تھے اور جب ناسوتی جسم کے ساتھ ان کی یہ کرامتیں تھیں تو مرنے کے بعد پھر ان کے تصرفات کا کیا پوچھنا؟ ملاءِ اعلیٰ انہی کے قبضے میں ہوتا ہے۔

یہ تھے وہ طریقے جن کے ذریعے سے شیطان نے بت پرستی کا رواج ڈالا اور کسی بندہ خدا کی عقل میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ بتوں کا حکم اور ہے اور جن بزرگوں کی یہ مورتیاں اور تصویریں بنائی گئی ہیں ان کا حکم اور ہے، وہ سمجھتے یہ تھے کہ وہ مورتیاں بعینہٖ ان بزرگوں کا حکم رکھتی ہیں، جتنی قوموں میں بت پرستی ہے مشرکین مکہ سے لے کر آج کے مشرکوں تک سب کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ تو اللہ کے نیک بندے ہیں، ہم تو ان کو قبلہ سمجھ کر کے پوجتے ہیں، مقصود تو اللہ کی عبادت ہے۔

اس کی شکایت فرمارہے ہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ‌ۚ﴾ اے اللہ ان بتوں نے بہت ہی خلق خدا کو گمراہ کیا، بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے، میں ان کو سمجھاتا ہوں اپنی ہمت کے ساتھ، اپنی قوت قدسیہ جتنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے عطا فرمائی تھی، پوری توجہ کے ساتھ، پوری دل سوزی کے ساتھ سمجھاتا ہوں لیکن پھر بھی مان کے نہیں چلتے، بہرحال کچھ ماننے والے بھی ہیں ﴿فَمَنۡ تَبِعَنِىۡ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡ‌ۚ﴾ جنہوں نے پیروی کرلی وہ تو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں ﴿وَمَنۡ عَصَانِىۡ﴾ اور جنہوں نے میری پیروی نہیں کی میری نافرمانی کی ﴿فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۳۶﴾ (ابراہیم) تو آپ غفور رحیم

ہیں، آپ چاہیں تو بخش دیں، میرا تو یہی جی چاہتا ہے کہ بخش دو باقی آپ کی مرضی۔

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ﴾ (التوبہ:۱۱۴)

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بہت ہی زیادہ نرمی کا غلبہ تھا، والد گالیاں نکال رہا ہے حتی کہ یہ کہہ رہا ہے کہ میرا گھر چھوڑ کر نکل جاؤ یہاں سے ﴿وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝۴۶﴾ (مریم) میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا لیکن ان سے بھی فرماتے ہیں ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝۴۷﴾ (مریم) سلام ہوں آپ پر، بہت اچھا جی میں اپنے ربّ سے تمہارے لئے استغفار کروں گا، بخشش کی درخواست کروں گا، وہ ہے مجھ پر بڑا شفیق اور مجھے ان کی شفقت سے اُمید ہے کہ وہ میری دعا کو ضرور قبول فرمالیں گے، اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ﴾ (التوبہ:۱۱۴)۔

بہرحال یہاں اِستغفار کرنا ایک وعدے کی بناء پر تھا جو انہوں نے ان سے کرلیا تھا، ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ﴾ جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر واضح ہوگیا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے ﴿تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ﴾ (التوبہ ۱۱۴) اس سے بَری ہوگئے، اس لئے مشرکین کے لئے اِستغفار نہیں کیا جاتا، بہرحال یہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تھوڑا سا شفاعت کا پہلو نکال ہی لیا کہ جو لوگ میرے پیروکار ہیں وہ تو میرے ہیں مجھ سے تعلق ہے، ان کے لئے تو میں آپ کی بارگاہ میں درخواست کروں گا ہی، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نہ کروں ان کے لئے، تو بہرحال جیسا بھی ہے شفاعت کا دامن پھیلاؤں گا لیکن جن لوگوں نے میری نافرمانی کی ہے ان کے لئے مجھے تو لب کشائی کی اجازت نہیں ہے لیکن آپ غفور رحیم ہیں آپ بخش سکتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے وہ سورۃ مائدۃ کا آخری رکوع ہے، اس سے پہلے رکوع میں حق تعالیٰ شانہٗ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو انعامات فرمائے ہیں ان کو قیامت کے دن یاد دلائیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ہم عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ انعامات یاد دلائیں گے ﴿اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ﴾ (المائدۃ:۱۱۰) تجھ پر اور تیری والدہ پر جو اِنعامات ہم نے کیے تھے ان کو یاد کرو، آگے ان کی تفصیل ذکر کی ہے پورے رکوع میں اور اس مضمون کو ختم کرنے کے بعد انعامات یاد دلانے کے بعد ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ (المائدۃ:۱۱۶) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے عیسیٰ! تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنالینا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد سن کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لرز جائیں گے اور رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے، تم نے کہا تھا: صاحب کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنالینا؟

اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں کہا، مقصود تو اس سے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پرستش کرنے والوں کی تہدید تھی کہ آج تمہارا خدا بھی کٹہرے میں کھڑا ہے بولو کیا بولتے ہو؟ ''خداوند یسوع مسیح'' کی رَٹ

لگائی ہوئی تھی تم نے دُنیا میں ﴿ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَاُمِّیَ اِلٰـهَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ﴾ تم نے ان سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنالینا اللہ کو چھوڑ کر ﴿قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَـيۡسَ لِىۡ بِحَقٍّ ؕ﴾ وہ کہیں گے توبہ توبہ میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق نہیں ﴿اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ ؕ﴾ اگر میں نے کوئی بات کہی ہوگی تو آپ کے علم میں ہی ہوگی ﴿تَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِىۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِكَ ؕ﴾ آپ میرے دِل کی جانتے ہو مگر میں آپ کے دِل کی نہیں جانتا۔ یہ قیامت کے دن فرمارہے ہیں! یہاں اولیاء، انبیاء اور اہلِ بیت کی کچھ برگزیدہ شخصیات کو علمِ غیب تقسیم کیا جارہا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرمارہے ہیں: آپ میرے دِل کی جانتے ہیں، میں آپ کے دِل کی نہیں جانتا، ﴿اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ۝۱۱۶﴾ عالم الغیب صرف آپ ہیں (یعنی اللہ) آگے فرمائیں گے ﴿مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِىۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبَّكُمۡ ۚ﴾ میں نے نہیں کہی مگر وہی بات جو آپ نے مجھ سے فرمائی تھی کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا ربّ ہے اور تمہارا ربّ ہے۔

علماء فرماتے ہیں یہاں بلاغت دیکھئے، جب بھی یہ پوچھا جائے کہ یہ بات تم نے کہی ہے؟ یہ کام تم نے کیا ہے؟ یہ چیز تم نے کھائی ہے؟ کوئی بھی فقرہ سوالیہ بنالو اس کا جواب ایک لفظ میں ہوتا ہے یا نہیں یا ایک لفظ ہوتا ہے صرف تم نے یہ بات کہی تھی کہتا ہے ''ہاں'' ہاں کہی تھی یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں اور نہیں کہی تھی یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے ''نہیں''، جواب اتنا ہی ہوتا ہے صرف۔

جب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا تھا کہ آپ نے ان کو حکم دیا تھا، آپ نے ان سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنالینا؟ ضابطے کا جواب صرف اتنا تھا ''لا'' نہیں لیکن نہیں یہاں ضابطہ نہیں بیان ہورہا، بارگاہِ خداوندی میں کھڑے ہیں، یہاں کارروائی ضابطے کی چل رہی ہے، دیکھئے کتنی تمہیدیں پہلے بیان کیں، سب سے پہلے یہاں سے انہوں نے اپنا جواب پیش کیا ﴿سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَـيۡسَ لِىۡ بِحَقٍّ ؕ﴾ توبہ توبہ تو پاک ہے، میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا جس کا مجھے حق نہیں اور پھر اپنی صفائی اور برأت ظاہر کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ اگر میں نے یہ بات کہی ہو تو یقیناً آپ کے علم میں ہوگی مگر آپ کے علم میں تو ہے نہیں، تو میں نے کہی بھی نہیں اور پھر ﴿مَا قُلۡتُ لَهُمۡ .....﴾ جو کہا تھا، آگے پھر اس کی تقریر کررہے ہیں، یعنی پہلے اپنی صفائی بیان کررہے ہیں کہ میں نے نہیں کی اور اس کے لئے پھر لمبی تقریر فرمارہے ہیں، اور پھر کہا کیا تھا؟ حالانکہ یہ نہیں پوچھا تھا، پوچھی تو صرف اتنی بات جارہی ہے، پہلے تو اپنی صفائی بیان کررہے ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ﴿مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِىۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبَّكُمۡ ۚ﴾ میں نے تو یہ بات کہی تھی ان سے، اور پھر اس پر ختم نہیں ہوئی بات ﴿وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ﴾ صرف کہنے کی حد تک نہیں تھا معاملہ، بلکہ میں نے خوب نگرانی کی تھی جب تک میں ان میں موجود رہا، ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ﴾

تفسیر جلالین میں لکھا ہے: أَيْ قَبَضْتَنِيْ بِالدَّفْعِ اِلَى السَّمَاءِ جب آپ نے مجھے اُٹھالیا آسمان پر ﴿كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ﴾ پھر آپ ہی ان پر نگہبان تھے، پھر میری ذمہ داری ختم، بعد میں انہوں نے کوئی کام کیا ہو مجھ پر کوئی ذمہ داری اس کی عائد نہیں ہوتی، ﴿وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۱۱۷﴾ اور آپ ہر چیز پر گواہ ہیں ہر چیز پر حاضر ہیں، ابھی عرضداشت ختم نہیں ہوئی، آگے فرماتے ہیں ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱۱۸﴾ اگر ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف کردیں تو آپ بہت زبردست اور بڑی حکمت والے ہیں۔

یہاں بلاغت کے نکتے تو اور بہت سے ہیں مگر میں صرف ایک بات عرض کروں گا وہ یہ کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی باوجودیکہ اپنی صفائی وغیرہ کرچکے ہیں لیکن آخر نبی کا تعلق اُمّت کے ساتھ ہوتا ہے، اُمّت خواہ جتنی کتنی بری ہو یہاں وہ بھی شفاعت کرنے سے نہیں چوکے ہیں، عرض معروض کا موقع ان کو بھی مل گیا ہے، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو دُنیا میں دُعا کررہے تھے کہ ﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۶﴾ (ابراھیم) لیکن عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شفاعت کا موقع عین عدالتِ خداوندی میں قیامت کے دن ملا ہے۔

اِشکال یہ ہوتا ہے کہ یہاں کہ کافروں کے لئے نہ اِستغفار ہوسکتا ہے نہ شفاعت ہوسکتی ہے، کافر کے لئے شفاعت کیسی؟ تو انہوں نے کیسے کہہ دیا کہ اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ عزیز و حکیم ہیں؟

تفسیر درِّ منثور میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوشیخ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے، ابوشیخ ابن ہلجان مشہور محدث ہیں، انہوں نے تفسیر بھی لکھی تھی، ان کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ﴾ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں، اس کے بعد حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وَمُدَّ فِيْ عُمْرِهٖ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر میں اضافہ کردیا گیا ہے، عمر اُن کی لمبی کردی گئی، یہاں تک کہ ان کو آسمان پر اُٹھالیا گیا اور قربِ قیامت میں وہ نازل ہوں گے، اس وقت اہل کتاب نصاریٰ کچھ مسلمان ہوجائیں گے یعنی جتنے موجود ہوں گے اس وقت ان کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ ﴿وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ کہ پہلے پہلے جو ان سے غلطیاں ہوگئیں ان کو معاف کردیں کیونکہ اب انہوں نے آپ کی توحید کا اقرار کرلیا ہے تو آپ عزیز و حکیم ہیں بخش سکتے ہیں، تو یہ کسی کافر کے لئے نہیں کی گئی ہے بلکہ آلِ ایمان ہی کے لئے استغفار کیا گیا ہے، شفاعت کی گئی ہے۔

ایک قادیانی سے میری گفتگو چلی تھی اس میں اور اس قسم کی اُلٹی پھلٹی باتیں لکھتے رہتے ہیں یہ لوگ، اسی ضمن میں یہ مسئلہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی آگیا تھا شاید میرے خطوط میں محفوظ ہوگی یہ بات، بہت اچھی تقریر اس میں آگئی تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ مقام مقامِ شفاعت نہیں تھا، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام شفاعت

کے مقام پر نہیں کھڑے ہیں، بلکہ اپنی برأت کے مقام پر کھڑے ہیں، ان پر الزام عائد ہوگیا تھا، ہوا یوں تھا نصاریٰ سے جب پوچھا گیا تھا یہاں تو یہ مسکین ''خداوند یسوع مسیح'' کہتے ہیں اور وہاں کہہ دیں گے جی انہوں نے کہا تھا، ہم تو بری ہیں، وہاں ان پر ٹال کر الگ ہوجائیں گے، سمجھیں گے کہ شاید چھٹکارا یوں ہی ہوجائے گا، اس لئے جواب طلبی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوجائے گی تو بہرحال عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی براءت کا اظہار فرمائیں گے، لیکن نبی کی شان یہ ہے کہ جب بھی اس کو شفاعت کا موقع ملے وہ اس موقعے کو جانے نہ دے، ضائع نہ کردے۔

آج عین عتاب کی حالت میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو موقع ملا ہے حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں پیشی کا، اپنی صفائی بیان کریں گے اور یہ تو اللہ تعالیٰ کو ویسے بھی معلوم ہے کہ یہ پاک ہے لیکن چونکہ حق تعالیٰ شانہٗ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوچکا تھا اور وہ بارگاہ خداوندی میں براہ راست حاضر کردیئے گئے تھے اس لئے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقعے کو غنیمت جانا کہ کسی نہ کسی طریقے سے ایک شفاعت کا لفظ بھی کہہ دیا جائے تاکہ ان کی شفقت جو تھی اپنی اُمّت کے ساتھ اس کا حق ادا ہوجائے لیکن اللہ تعالیٰ صاف فرمادیں گے ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ﴾ (المائدۃ:۱۱۹) اللہ نے فرمایا: آج کا دن وہ دن ہے کہ صرف سچوں کو ان کی سچائی کام دے گی یعنی جو عقیدے کے اعتبار سے سچے تھے، جو عقیدے کے اعتبار سے جھوٹے تھے، جھوٹے خداؤں کو مانتے تھے ان کو کچھ نہیں کام دے گا۔

اور یہاں سے ایک بات اور بھی معلوم ہوگئی، خدائی کے اختیارات اگر یہ لوگ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کردیں تو اس سے بھی کچھ نہیں ہوتا، فقیروں ولیوں درویشوں کی بات نہیں ہے نہ پیرانِ پیر غوث اعظم کی بات ہے اور نہ کسی اور چھوٹے موٹے کی بات ہے، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جلیل القدر خدا کے رسول ہیں، ان کو اگر خدائی کے اختیارات تجویز کردیئے جائیں تو نہ صرف یہ کہ قوم سے بلکہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی جواب طلبی ہوجاتی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات فرمائی تھی، فرمایا: کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کامل عبد مانتے ہیں اور یہ لوگ ناقص خدا مانتے ہیں، کامل خدائی تو دے نہیں سکو گے، عیسائی مسکینوں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدائی دی، لیکن خدائی کا تیسرا حصہ، ہم نے کہا کہ تم نے تہائی خدائی دی ہے، اس سے زیادہ تو نہیں دے سکے، خدائی دی تو تھی لیکن ناقص دی، تہائی حصہ دیا تو خدائے ناقص ہوئے، اور ہم ان کو عبدِ کامل مانتے ہیں، تو اب تم بتاؤ تم زیادہ احترام کرتے ہو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یا ہم زیادہ احترام کرتے ہیں، ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدِ کامل مانتے ہیں ناقص خدائی دینے کے لئے تیار نہیں۔ یہی انداز ہمارا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے۔

خیر ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آیا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی

اُمّت کے فاسقوں، بدکاروں، گنہگاروں اور نافرمانوں کافروں کے لئے بھی ﴿فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ فرمارہے ہیں اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اُمّت کے لوگوں کے لئے یہ فرمارہے ہیں، اپنی اُمّت یاد آگئی اور شفاعت کے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھ گئے: يَارَبِّ أُمَّتِیْ! يَارَبِّ أُمَّتِیْ! يَارَبِّ أُمَّتِیْ! بار بار اس طرح کہتے رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ پوری رات اسی میں گذر گئی۔

یہاں اس روایت میں تذکرہ نہیں ہے، دوسری روایت میں تذکرہ ہے پوری رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی میں گزر گئی، رو رہے تھے اور ہچکی اس طرح بندھی ہوئی تھی تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل سے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کے آؤ کہ رو کیوں رہے ہو؟ عرض کیا کہ مجھے یہ بات یاد آگئی جبرئیل! اپنی اُمّت کا معاملہ مجھے یاد آگیا، تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو وعدہ ہوگیا ہے کہ تمہیں تمہاری اُمّت کے معاملے میں راضی کر کے چھوڑ دیں گے، جب تم کہو گے کہ ہم راضی ہو گئے ہیں اس وقت چھوڑ دیں گے، جب تم کہہ دو گے کہ بس ہم راضی ہیں، بس اب اس کی کیا مزید تشریح کی جاسکتی ہے؟ جنّت کی کنجی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دی ہے اور یہ فرمادیا ہے کہ جس کو آپ لے جانا چاہتے ہیں لے جاؤ، اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

نماند بعصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سید پیش رو

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: گناہوں کی وجہ سے کوئی شخص جہنّم میں گروی نہیں رہے گا جو اس قسم کا سیّد اور سردار پیشوا رکھتا ہو۔

دُعا اس کی کرنی چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دِین پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمے پر خاتمہ ہو جائے، گناہ گار ہم ضرور ہیں گناہوں سے بھی اِستغفار کرنا چاہئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دُرود شریف کا اتنا فائدہ نہیں ہے جتنا ہمیں فائدہ ہے، جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی اور کیوں نہیں مجھ جیسے نالائق آدمی پر بھی کوئی شخص احسان کر دیتا ہے تو میں احسان مانتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو شان ہی اور ہے، اس لئے جتنا کسی مومن کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا تو انشاء اللہ وہ اتنا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق ہوگا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے دامن کے نیچے جو آئے گا وہ اِن شاء اللہ! اللہ کی رحمت کے نیچے بھی آجائے گا۔

موت، برزخ اور قیامت کے حالات

موت کی حقیقت اور تیاری

موت کو یاد رکھنا

[حدیث:۵۸] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ يَعْنِى الْمَوْتَ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ حَسَنٌ وَفِى الْبَابِ عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ۔“

(سنن الترمذی: کتاب الزھد ”بَابُ مَا جَاءَ فِیْ ذِكْرِ الْمَوْتِ“، حدیث: ۲۲۲۹)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: لذتوں کو ختم کرنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔“

تشریح: دُنیا کی ساری لذتیں اور ساری خوشیاں اس ناپائیدار زندگی تک محدود ہیں، جب رُوح وبدن کا رِشتہ ٹوٹ جائے گا تو یہ عیش وعشرت اور مسرّت وشادمانی کے سارے اسباب دھرے رہ جائیں گے، انسان کی غفلت اور جھوٹی لذتوں پر قناعت کا سبب یہی ہے کہ موت کا بھیانک چہرہ اس کی نظر سے اوجھل ہے، اگر غفلت کا غبار چھٹ جائے، موت اور موت کے بعد کا منظر اس کے سامنے رہے تو اسے دُنیا کی کسی چیز سے دِل بستگی نہ رہے، مرتے ہی یہ ساری چیزیں اس سے چھن جائیں گی اور وہ بیک بینی ودوگوش خالی ہاتھ گھر سے نکال دیا جائے گا۔ جس چہیتی بیوی کے لئے اپنے دِین کو بگاڑا تھا، جس پیاری اولاد کے لئے اپنی آخرت برباد کی تھی، جن عزیز واقارب کی خاطر اپنی عاقبت سے بے پروا تھا، ان میں سے کوئی بھی تو ساتھ نہیں دے گا، نہ

کوٹھی بنگلہ اور مال و دولت ساتھ جائے گی، قبر کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں اس کو تنِ تنہا جانا ہوگا، چند دن بعد اس کا جسم، جس کے بنانے سنوارنے پر گھنٹے لگاتا تھا، گل سڑ جائے گا اور کیڑوں کی خوراک بنے گا، یہ ہے موت کا ظاہری نقشہ۔

باقی رہیں اس کی رُوحانی سختیاں، جان کنی کا عذاب، فرشتوں کا سامنا، قبر کے عذاب کی کیفیت، اس کا اندازہ تو چشمِ تصوّر سے بھی نہیں کیا جاسکتا۔ موت کو یاد رکھنا بہت ضروری بھی ہے اور بڑی عبادت بھی، یہ مرضِ غفلت کا تریاق بھی ہے اور دُنیوی پریشانیوں سے نجات کا علاج بھی، یہ آدمی کے لئے تازیانۂ عبرت بھی ہے اور کلیدِ سعادت بھی۔ اس شخص سے بڑا بدنصیب کون ہوگا جو اپنی موت کو بھول جائے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح بصیرت عطا کریں۔

حق تعالیٰ سے ملاقات کا اِشتیاق

[حدیث: ۵۹] ''عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ لِقَآءَ اللهِ، أَحَبَّ اللهُ لِقَآئَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَآءَ اللهِ، كَرِهَ اللهُ لِقَآئَهُ۔ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ وَأَبِيْ مُوْسٰى وَأَنَسٍ، حَدِيْثُ عُبَادَةَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔'' (سنن الترمذی: کتاب الزهد، باب مَا جَاءَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ''، حدیث: ۲۹۳۱)

ترجمہ: ''حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہی کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا اِشتیاق رکھے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرے، اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں۔''

تشریح: اس حدیثِ پاک کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ارشاد فرمادی ہے، صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! موت کو تو ہم میں سے ہر شخص ناگوار سمجھتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ حق تعالیٰ سے ملاقات کا ذریعہ تو موت ہے، اور موت ہر شخص کو طبعاً ناگوار ہے، تو گویا بالواسطہ حق تعالیٰ سے ملاقات بھی ناگوار ہوئی۔

اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عائشہ! یہ مطلب نہیں، بلکہ جب مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے حق تعالیٰ کی رضامندی اور کرامت کی بشارت دی جاتی ہے، تب اس کے لئے اس

سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں رہتی، اور وہ حق تعالیٰ سے ملاقات کا مشتاق ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند فرماتے ہیں۔ اور جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب و سزا کی خبر دی جاتی ہے، اس وقت موت اور موت کے بعد کی حالت سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی چیز ناپسندیدہ اور مکروہ نہیں ہوتی، تب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند نہیں فرماتے ہیں (صحیح بخاری ج:۲ص:۹۶۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیثِ پاک میں جس اِشتیاق کا ذکر ہے وہ نزع کے وقت ہوتا ہے کیونکہ اس وقت عالمِ غیب سے پردہ اُٹھادیا جاتا ہے اور عالمِ آخرت کی چیزیں منکشف ہوجاتی ہیں، اس وقت مؤمن حق تعالیٰ کی رضا و رحمت اور آخرت کی نعمتوں کو دیکھ کر اس دُنیا کو چھوڑنے کے لئے بے تاب ہوجاتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا اِشتیاق غالب آجاتا ہے۔ اس کے برعکس کافر پر جب عالمِ غیب منکشف ہوجاتا ہے اور وہ آخرت کے عذاب و سزا کا بچشمِ خود مشاہدہ کرتا ہے تو اس دُنیا کو چھوڑنا اس کے لئے بے حد ناگوار ہوتا ہے اور وہ کسی طرح بھی بارگاہِ خداوندی میں پیشی کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

یہاں چند چیزوں کا تذکرہ ضروری ہے:

ایک یہ کہ موت اگرچہ ہر شخص کے لئے طبعاً ناگوار ہے، مگر چونکہ محبوبِ حقیقی سے ملاقات کا وہی ایک ذریعہ ہے اس لئے مؤمن شرعاً و عقلاً موت کو بھی بالواسطہ محبوب رکھتا ہے، اسی بنا پر صوفیہ کا ارشاد ہے:

”موت ایک پُل ہے جس سے گزر کر آدمی اپنے محبوب تک پہنچتا ہے۔“

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کا کیا پیارا شعر ہے:

صد شکر کہ آپہنچا لبِ گور جنازہ
لو بحرِ محبّت کا کنارہ نظر آیا

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ تلخ دوا مریض کو طبعاً ناگوار ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ جانتا ہے کہ دوا پینے سے شفا حاصل ہوگی، اس لئے وہ نہ صرف خوشی خوشی دوا پیتا ہے بلکہ اس کی قیمت بھی ادا کرتا ہے۔

دُوسری بات یہ کہ حدیثِ پاک میں موت کی تمنا سے ممانعت فرمائی گئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

”لَا یَتَمَنَّیَنَّ أَحَدُکُمُ الْمَوْتَ، اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّہٗ یَزْدَادُ، وَاِمَّا مُسِیْئًا فَلَعَلَّہٗ یَسْتَعْتِبُ۔“ (صحیح بخاری ج:۲ص:۱۰۷۴)

ترجمہ: ”تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنّا نہ کرے، کیونکہ اگر وہ نیکوکار ہے تو شاید وہ اپنی نیکیوں میں اضافہ کرسکے اور بدکار ہے تو ممکن ہے اسے توبہ اور معافی کی توفیق ہوجائے۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے موت نہ مانگا کرو، اور اگر سوال کرنا ہی ہو تو یوں دُعا کیا کرو:

”اَللّٰھُمَّ أَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیٰوۃُ خَیْرًا لِّیْ، وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِّیْ۔“

(ترمذی ج:۱ص:۱۱۶)

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے زندہ رکھیئے جب تک آپ کے علم میں میرے لئے زندگی بہتر ہو، اور مجھے وفات دیجئے جب آپ کے علم میں میرے لئے وفات بہتر ہو۔“

اس لئے مؤمن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ ہر دَم موت کے لئے تیار اور حق تعالیٰ شانہٗ سے ملاقات کا مشتاق رہے، لیکن موت کی درخواست نہ کرے، بلکہ زندگی کی جو مہلت اسے میسر ہے اسے غنیمت سمجھے، اپنی نیکیوں میں اضافہ کرے، اور جو گناہ سرزد ہوگئے ان سے توبہ اِستغفار کرتا رہے، اور جو حقوق اس کے ذمے واجب الادا ہیں ان سے سبکدوش ہونے کی فکر کرے، اور جو حقوق اب تک ضائع کرچکا ہے ان کی تلافی کی کوشش کرے، تاکہ جب بھی بلاوا آئے تو جانے کے لئے بالکل تیار بیٹھا ہو، حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

قبر کا منظر

[حدیث:۲۰] ”عَنْ عَبْدُاللهِ بْنُ بَحِیْرٍ أَنَّهٗ سَمِعَ هَانِئًا مَوْلٰی عُثْمَانَ قَالَ: کَانَ عُثْمَانُ اِذَا وَقَفَ عَلٰی قَبْرٍ بَکٰی حَتّٰی یَبُلَّ لِحْیَتَهٗ، فَقِیْلَ لَهٗ: تَذْکُرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْکِیْ وَتَبْکِیْ مِنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِّنْ مَّنَازِلَ الْاٰخِرَةِ، فَاِنْ نَّجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ أَیْسَرُ مِنْهُ، وَاِنْ لَّمْ یَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ أَشَدُّ مِنْهُ۔ قَالَ: وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَا رَأَیْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا الْقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ لَّا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ هِشَامِ بْنِ یُوْسُفَ۔“

(سنن الترمذی: کتاب الزھد، بَاب مَا جَاءَ فی ذکر الموت، حدیث ۲۲۳۰)

ترجمہ: ”حضرت ہانی فرماتے ہیں کہ: امیر المؤمنین حضرت عثمان ذُوالنورین رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی رِیش مبارک تر ہوجاتی، عرض کیا گیا: آپ جنّت و دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں تب نہیں روتے، مگر اس سے روتے ہیں؟ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، اگر آدمی کو اس سے نجات مل گئی تو بعد کی منزلیں آسان ہوں گی، اور اگر اسی سے نجات

نہ ہوئی تو بعد کا معاملہ اس سے سخت ہوگا۔ فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: میں نے جو منظر بھی دیکھا، قبر اس سے بھی زیادہ بھیانک ہے۔‘‘

تشریح: امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اُمّت کے افضل ترین حضرات میں سے ہیں، کئی بار آنحضرت ﷺ نے ان کو جنّت کی بشارت دی، اس کے باوجود ان پر آخرت کا خوف اس قدر غالب ہے کہ کسی قبر کو دیکھتے ہیں تو قبر کے سوال و جواب، وہاں کی تاریکی اور وحشت و تنہائی کو یاد کرکے بے اختیار رونے لگتے ہیں۔

مرنے کے بعد آدمی کو جن منزلوں سے گزرنا ہے اگر خواب میں بھی کسی کو نظر آجائیں تو دہشت سے کلیجہ پھٹ جائے، مگر ایک تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پردۂ غیب میں رکھا ہے اور پھر دُنیا کی فضا نے انسانوں کی بصیرت پر غفلت کے پردے ڈال دیئے ہیں، ورنہ اگر قبر ہی کے مناظر انسان کے سامنے آجاتے تو زندگی اجیرن ہوجاتی۔ آنحضرت ﷺ نے قبر کے عذاب کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اگر وہ حالت تم پر کھل جاتی تو تم لوگ مُردوں کو دفن کرنے کی ہمت نہ کرتے۔ کتنے خوش نصیب ہیں جو اس اندھیری کوٹھڑی میں روشنی کے لئے سامان کرتے ہیں، اور کتنے بدنصیب ہیں وہ جو قبر کے لئے سانپ اور بچھو اپنے ہاتھوں سے پالتے ہیں۔ یہی بدعملیاں، یہی ظلم و ستم، یہی حرام کاری و حرام خوری جو لوگ دُنیا میں کرتے ہیں، قبر کے سانپ اور بچھو ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اُمّت کو دُعا سکھائی ہے: ’’اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ‘‘ اے اللہ! میں قبر کے عذاب اور قبر کے امتحان و آزمائش سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

آدمی یہاں تو یوں سمجھتا ہے کہ میں یہاں ہمیشہ رہنے کے لئے آیا ہوں، کوئی تیاری کرنے کی فکر ہی نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اگلے جہان کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے، بعض حضرات اور بعض بندے تو ایسے ہوں گے، جن کو اپنی آخرت کی تیاری کی، اپنی اگلی منزل کی تیاری کی فکر ہوگی کہ مجھے جانا ہے، اور جاکر حساب و کتاب دینا ہے، ایک تو بڑا حساب کتاب ہے، جو قیامت کے دن ہوگا، وہ تو بعد کی چیز ہے، یہ جو پہلا حساب ہے اور مرنے کے بعد کا مرحلہ ہے، اس کی فکر ہوگی کہ اتنی سی جگہ ہوتی ہے، جس میں آدمی کو لٹا دیتے ہیں، اور گویا کہتے ہیں لیٹ جا شاباش: کیونکہ مردہ بدست زندہ ہوتا ہے، اس کو جیسے بھی لٹا دو، وہ بیچارہ لیٹ جائے گا، کیونکہ وہ تو کچھ کہہ بھی نہیں سکتا، پھر اوپر سے اس کو بند کردیتے ہیں اور منوں مٹی ڈال دی، تاکہ بھاگ کر نہ آجائے حالانکہ وہ بے جان محض نہیں ہوتا بلکہ اس میں روح ڈالی جاتی ہے اور وہ اپنے دفن کرنے والوں کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے، جیسا کہ اگلی حدیث میں ہے۔

مردہ دفنانے والوں کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے

[حدیث: ۲۱] ”عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ اَتَاہُ مَلَکَانِ......الخ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ: یُقَالُ لِاَحَدِھِمَا الْمُنْکَرُ وَلِلْاٰخَرِ النَّکِیْرُ۔“ (صحیح مسلم: کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمھا، بَاب عَرْضِ مَقْعَدِ الْمَیِّتِ، حدیث:۵۱۱۵)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مردہ کو ابھی دفنانے والے کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی ہوتی ہے، یعنی جب وہ دفنا کر واپس ہوتے ہیں ان کے قدموں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ دو فرشتے آجاتے ہیں جن کو منکر نکیر کہتے ہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ان کو مبشر بشیر کہتے ہیں۔“

خلاصہ یہ کہ وہ اس سے بہت آسان سے تین سوال کرتے ہیں۔

قبر میں تین سوالات کئے جاتے ہیں

[حدیث: ۲۲] ”وَعَنْ بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَأْتِیْہِ مَلَکَانِ فَیُجْلِسَانِہٖ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَنْ رَّبُّکَ؟ فَیَقُوْلُ رَبِّیَ اللّٰہُ۔ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَادِیْنُکَ؟ فَیَقُوْلُ دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ۔ فَیَقُوْلَانِ مَا ھٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ؟ فَیَقُوْلُ ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ وَمَا یُدْرِیْکَ؟ فَیَقُوْلُ قَرَأْتُ کِتَابَ اللّٰہِ فَاٰمَنْتُ بِہٖ وَصَدَّقْتُ......فَیَقُوْلَانِ مَنْ رَّبُّکَ؟ فَیَقُوْلُ ھَاہْ ھَاہْ لَا اَدْرِیْ۔ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَادِیْنُکَ؟ فَیَقُوْلُ ھَاہْ ھَاہْ لَا اَدْرِیْ۔ فَیَقُوْلَانِ مَاھٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ...الخ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۵)

ترجمہ: ”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آدمی کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اس کو قبر میں بٹھاتے ہیں، پھر وہ دونوں فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ: تیرا رب کون ہے؟ (اگر تو وہ نیک آدمی ہوتا ہے تو) کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ دونوں فرشتے اس نیک آدمی سے سوال کرتے ہیں کہ: تیرا دین کیا ہے؟ وہ نیک آدمی جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ فرشتے اس

سے سوال کرتے ہیں کہ اس آدمی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ آدمی کہتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر وہ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ آدمی کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تھی، اس پر میں نے یقین کیا تھا اور میں نے تصدیق کی تھی...... (اگر کوئی بدکار آدمی ہوتا ہے تو) اس سے فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تیرا ربّ کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں، مجھے معلوم نہیں۔ پھر وہ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں، مجھے معلوم نہیں۔ پھر وہ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ اس آدمی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ آدمی کہتا ہے کہ ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں، مجھے معلوم نہیں۔''

تشریح: ایک سوال یہ کہ تیرا ربّ کون ہے؟ دوسرا یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیسرا یہ کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ تو ان کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ آنحضرت ﷺ نے جب اس کو بیان فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس وقت ہمارے ہوش وحواس ہوں گے؟ فرمایا کہ ہوش حواس ہوں گے، اور ایسے ہی ہوں گے جیسے اب ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: پھر ہم نمٹ لیں گے اِن شاءاللہ۔ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حوصلہ تھا، اور کہہ سکتے ہیں کہ ہم نمٹ لیں گے، مگر سوچئے تو، کہ جہاں کوئی غم خوار، کوئی مددگار نہیں ہوگا، نہ کوئی تلقین کرنے والا ہوگا، اور نہ کوئی سمجھانے والا ہوگا، وہاں وہ ان سوالوں کا جواب کیسے دے گا؟ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق بندے کی دستگیری کرے، تو پھر وہ ان کا صحیح صحیح جواب دے گا، اور کہے گا کہ میرا ربّ اللہ ہے، اس لئے کہ اس کا دنیا میں یقین بنا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرا ربّ ہے، وہاں جھوٹ تو چلے گا نہیں، سچ پر وہاں نجات ہوگی، جھوٹ پر نجات نہیں ہوگی۔

دوسرا سوال ہوگا کہ تیرا دِین کیا ہے؟ وہ جواب میں کہے گا: اسلام! کیا ہم نے دِینِ اسلام کو مانا تھا؟ کیا ہم نے دِینِ اسلام کو مان کر داڑھی منڈوائی ہوئی ہے؟ یہ یہود ونصاریٰ کی جو وضع قطع ہم نے اِختیار کی ہوئی ہے کیا یہ بھی دِینِ اسلام کو سمجھ کر کیا ہے؟ غرض جتنی تعلیمات رسول اللہ ﷺ نے دی تھیں، ہم نے ان پر عمل کیا تھا؟ اسلام کے معنی ہیں جھک جانے کے، کیا ہم اللہ تعالیٰ کے اور رسول اللہ ﷺ کے حکموں کے سامنے جھکے تھے؟

اور تیسرا سوال ہوگا کہ ان صاحب (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ کا نام نہیں بتایا جائے گا، ویسے ہی فرشتے

پوچھیں گے کہ ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ مردے کے درمیان اور آنحضرت ﷺ کے درمیان کے سارے پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی زیارت کروائی جاتی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسا ہو تو یہ بہت ہی بڑی سعادت ہے، لیکن ایسی روایت مجھے کہیں نہیں ملی، بہرحال رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا جاتا ہے کہ ان کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ ان کو رسول مان کر اپنے آپ کو اُمتی سمجھتے تھے؟ رسول اور اُمتی کا تعلق تم نے صحیح طور پر نبھایا تھا؟ بندہ مؤمن ہو، تو ان تین سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے دیتا ہے، زیادہ مشکل سوال نہیں ہیں، اور ان ہی تین سوالوں میں پوری زندگی آ گئی ہے، اگر مؤمن ہوگا تو ان تین سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے دے گا۔

تو جو لوگ صحیح صحیح جواب دے دیتے ہیں، تو حکم ہوتا ہے کہ ان کے لئے جنّت کا لباس لاؤ، جنّت کا بستر بچھاؤ، اور حدیث میں فرمایا کہ قبر اس کے لئے اتنی وسیع کر دی جاتی ہے، جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے۔

اور دوسرا آدمی جس نے دنیا میں ایمان ویقین نہیں بنایا تھا، وہ ہر سوال کے جواب میں کہے گا: ”ھَاھَا لَا اَدْرِیْ“ مجھے نہیں معلوم، مجھے نہیں معلوم: چنانچہ فرشتے پوچھیں گے، تیرا رب کون ہے؟ کہے گا: ”ھَاھَا لَا اَدْرِیْ“ پھر وہ کہیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: ”ھَاھَا لَا اَدْرِیْ، ھَاھَا لَا اَدْرِیْ“ مجھے معلوم نہیں، مجھے معلوم نہیں، پھر فرشتے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں پوچھیں گے کہ ان کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟ تو کہے گا: ”ھَاھَا لَا اَدْرِیْ، ھَاھَا لَا اَدْرِیْ“ إنّا للہ وإنا إلیہ راجعون۔!

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کو پہچانو، اور اپنے دین کو پہچانو، اپنے رسول ﷺ کو پہچانو، اور ان کی تعلیمات کو پہچانو، اور تعلیمات کو پہچاننے کے بعد ان پر عمل کرو، مگر ہم نے ساری عمر یہ کام کیا ہی نہیں، بہرحال میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ جو آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے، جو ہمارے بزرگ آگے چلے گئے ہیں، ان کو تو یہ پیش آ گئی ہے، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ اور ادھر ہمارے سر پر یہ منزل کھڑی ہے، مگر ہم یہاں اس سے غافل اپنے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، خوشیاں ہو رہی ہیں، گپیں ہانکی جا رہی ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ آدمی کھلکھلاتا ہے، یعنی ہنستا ہے حالانکہ اس کا کفن دھوبی سے دھل کر آ چکا ہے، سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ ہم اس بات کو جانیں اور پہچانیں کہ ہماری منزل کون سی ہے؟

ہمیں تو رات کو کبھی لیٹتے ہوئے بھی خیال نہیں آیا کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اسی طرح صبح کو اٹھتے وقت بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا، بھائیو! سب باتیں غلط ہیں، مگر موت برحق ہے، دنیا کی سب باتیں غلط ہو سکتی ہیں، موت غلط نہیں ہو سکتی، موت برحق ہے، تو ہم لوگوں کو اپنی موت کی فکر کرنی چاہئے، اور اس کی تیاری کرنی چاہئے۔

قبر کی ہولناکیاں

[حدیث:۶۳] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَلَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ...الخ“ (صحیح مسلم: کتاب الاَیمان، بَاب کَیْفَ کَانَتْ یَمِیْنُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، حدیث: ۶۱۴۶)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم جان لو وہ چیز جس کو میں جانتا ہوں، تو تم کم ہنسا کرو اور زیادہ رویا کرو اور دھاڑیں مارتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاؤ۔“

تشریح: حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی رحمت فرمائی ہے، وہ جو اگلا جہاں ہے جسے عالم برزخ کہتے ہیں اور جو مرنے کے بعد مجھ کو اور آپ کو پیش آنے والا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ منظر ہمارے سامنے آجائے تو وہ اتنا ہولناک ہے کہ ہم اپنے مردے دفنانا چھوڑ دیں، کسی کی ہمت ہی نہ پڑے کہ قبروں میں مردہ کو دفن کر سکے، یہ تو حق تعالیٰ شانہ کا احسان ہے کہ ہم پر غفلت کا پردہ ڈال دیا ہے، کہ استحضار نہیں اور خیال ہی نہیں کہ ہمیں یہ مرحلہ پیش آنے والا ہے۔

موت کو کثرت سے یاد رکھنا

[حدیث:۶۴] ”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَنْ اَکْثَرَ ذِکْرَ الْمَوْتِ قَلَّ فَرْحُهٗ وَقَلَّ حَسَدُهٗ۔“ (حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۲۲۰)

ترجمہ: ”حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جو شخص کثرت سے موت کو یاد کیا کرے، اس کی خوشی اور اس کا حسد کم ہو جاتا ہے۔“

تشریح: اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ اہل ایمان کو خوش ہونا چاہئے، ایک صاحب ایمان کی خوشی کی چیز یہ ہے کہ اسے اللہ کا فضل نصیب ہو جائے، اور اللہ کی رحمت نصیب ہو جائے، دُنیا میں اللہ کے دِین پر چلنے کی توفیق ہو جانا، نیکی کی توفیق ہو جانا، طاعت و خیر کی توفیق ہو جانا اور مرنے کے بعد اللہ کی رضا حاصل ہو جانا، اللہ کی ناراضگی سے بچ جانا، قبر کی سختیوں سے اندھیروں سے بچ جانا، حشر کی فتنہ سامانیوں سے بچ جانا، اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی معیت نصیب ہو جانا، حساب و کتاب کا آسان ہو جانا اور جنّت میں داخلہ ہو جانا، یہ ہے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت۔

مؤمن کو تو اس بات سے خوش ہونا چاہئے، لیکن اس کے برخلاف ہماری خوشی ہوتی ہے دُنیا کی چیزوں سے، مال سے، دولت سے دوسری چیزوں سے، لیکن اگر موت سامنے ہو تو یہ خوشی خوشی نہ رہے، بلکہ یہ خوشی غمی میں تبدیل ہوجائے، اس لئے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کثرت سے موت کو یاد کرے، اس کی خوشی کم ہوجاتی ہے۔

اس دُنیا کی خاطر لڑائیاں ہوتی ہیں، تنازعات ہوتے ہیں، رسّہ کشی ہوتی ہے، کھینچا تانی ہوتی ہے، ایک دوسرے پر حسد ہوتا ہے، حاصل یہی ہے کہ ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہتا ہے کہ اس کو اچھی چیز کیوں مل گئی؟ یہ نہیں ملنی چاہئے تھی، تو جس شخص کو موت یاد ہو، اس کی ذات سے برائی ختم، جھگڑا ختم، تنازع ختم، حسد بھی ختم:

بلبل نے آشیانہ چمن سے اُٹھالیا
اس کی بلا سے بُوم رہے یا ہما بسے

جب اس گھر میں ہمیں رہنا نہیں تو ہماری بلا سے کالا چور رہے ہمیں کیا؟ جب یہ چیز مجھے لینی نہیں، تو میری بلا سے وہ چیز کسی بھنگی کو دے دیں، کسی یہودی کو دے دیں، سکھ کو دے دیں، مسلمان کو دے دیں، فاسق وفاجر کو دے دیں، اچھے یا برے کو دے دیں، مجھے اس پر کیا حسد؟ مجھے تو یہ لینی نہیں اور جس شخص نے مرنا ہو اس شخص کو وہ چیز لینی نہیں، تو سارے جھگڑے ہی ختم اور یہ منافست اور رسہ کشی ہی ختم، حسد بھی ختم، جو لوگ دنیا کے مال ودولت کے لئے یا حکومت ووجاہت کے لئے لڑ رہے تھے، قبروں میں پڑے ہوئے ہیں، ان کو کیا حسد ہو ان پر، ان کے تو کام کی چیز نہیں ہے۔ تو اگر موت کا آنا آدمی کو یاد رہے تو وہ دنیا کی چیزوں سے خوش نہ ہوگا۔

ہاں! خوشی ومسرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت میں استعمال فرمالے، بندے کو اپنے حکم میں استعمال فرمالے۔

''ابن ماجہ'' حدیث کی کتاب ہے، اس کا پہلا باب ہے: ''باب اتباع سنة النبی صلی اللہ علیه وسلم'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی پیروی، اس میں ایک حدیث کو نقل کیا ہے جو پہلے ہی صفحہ سے شروع ہوتی ہے:

''لَا يَزَالُ اللّٰهُ يَغْرِسُ فِيْ هٰذَا الدِّيْنِ غَرْسًا يَسْتَعْمِلُهُمْ فِيْ طَاعَتِهٖ۔''

(ابن ماجہ ص:۳)

''اللہ تعالیٰ اس دِین میں پودے لگاتے رہیں گے، ان کو اِستعمال فرماتے رہیں گے اپنی بندگی میں۔''

پُرانے پودے اکھاڑ کے نئے لگادیئے، باغ تو تروتازہ ہے اور سدا بہار ہے، لیکن نئے پودے مالی لگارہا ہے۔

یا یوں کہو کہ باغ کا مالک لگارہا ہے، تو خوشی کی چیز اگر ہے تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں بھی اس باغ کا پودا بنادے اور ہمیں اپنی طاعت میں استعمال فرمالے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے، آمین!

اس کے علاوہ کوئی چیز خوشی کی نہیں، خوشی زندوں کو ہوتی ہے، مردوں کو ان چیزوں سے کیا خوشی ہوگی، ہم تو مرنے والے ہیں، ہمیں کیا خوشی ہے اور اگر ہے تو جھوٹی خوشی ہے، بہت جلدی خوشی کا یہ نشہ اترنے والا ہے، اسی طرح اگر موت کا دھیان رہے تو لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے بھی ختم ہوجائیں گے، جس کا زیادہ تر منشا حسد ہوتا ہے، ہمارا سینہ صاف ہوجائے گا سب جھگڑے ختم ہوجائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”مَنْ تَرَکَ الْکَذِبَ وَھُوَ بَاطِلٌ بُنِیَ لَہٗ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّۃِ وَمَنْ تَرَکَ الْمِرَاءَ وَھُوَ مُحِقٌّ بُنِیَ لَہٗ فِیْ وَسطِ الْجَنَّۃِ...الخ۔“ (ترمذی ج:۲ص:۲۰)

ترجمہ: ”دوآدمیوں کا جھگڑا ہو، ایک حق پر ہے اور دوسرا ناحق پر، تو جو شخص ناحق پر ہوتے ہوئے اپنا جھگڑا چھوڑ دے اللہ تعالیٰ جنّت کے اطراف میں اس کا محل بنائیں گے، اور جو حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اس کو اللہ تعالیٰ محل عطا فرمائے گا جو جنّت کے درمیان میں ہوگا۔“

جب جھگڑا چھوڑ دینے کی یہ فضیلت ہے کہ ناحق پر ہوتے ہوئے اگر کوئی جھگڑا چھوڑ دے تو اس کو بھی اللہ پاک جنّت عطا فرماتے ہیں، اور اگر کوئی حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اور کہہ دے کہ چھوڑو بھائی! لے جاؤ تم، مجھے جھگڑا نہیں کرنا ہے، اس نے صرف اتنا رتی جیسا حق چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے جنّت میں اس کو جگہ عطا فرمادی، ایسی جنّت کہ پوری دُنیا میں بھی اس کی قیمت نہیں۔

آخرت میں صرف اعمالِ صالحہ کام آئیں گے

[حدیث:۶۵] ”عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْھَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا لِاَصْحَابِہٖ: اَتَدْرُوْنَ مَا مَثَلُ اَحَدِکُمْ وَمَثَلُ اَھْلِہٖ وَمَالِہٖ وَعَمَلِہٖ؟ فَقَالُوْا: اَللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ! فَقَالَ: اِنَّمَا مَثَلُ اَحَدِکُمْ وَمَثَلُ مَالِہٖ وَاَھْلِہٖ وَوَلَدِہٖ وَعَمَلِہٖ کَمَثَلِ رَجُلٍ لَہٗ ثَلَاثَۃُ اِخْوَۃٍ فَلَمَّا حَضَرَتْہُ الْوَفَاۃُ دَعَا بَعْضَ اِخْوَتِہٖ فَقَالَ: اِنَّہٗ قَدْ نَزَلَ بِیْ مِنَ الْاَمْرِ مَا تَرٰی، فَمَا لِیْ عِنْدَکَ وَمَا لِیْ لَدَیْکَ؟ فَقَالَ: لَکَ

عِنْدِیْ اَنْ اُمَرِّضَکَ وَلَا اَنْ اُمَلِّکَ وَاَنْ اَقُوْمَ بِشَأْنِکَ، فَاِذَا مِتَّ غَسَلْتُکَ وَکَفَنْتُکَ وَحَمَلْتُکَ مَعَ الْحَامِلِیْنَ، اَحْمِلُکَ طَوْرًا وَاَمِیْطُ عَنْکَ طَوْرًا، فَاِذَا رَجَعْتُ اَثْنَیْتُ عَلَیْکَ بِخَیْرٍ عِنْدَ مَنْ یَّسْأَلُنِیْ عَنْکَ۔ ھٰذَا اَخُوْہُ الَّذِیْ ھُوَ اَھْلُہٗ فَمَا تَرَوْنَہٗ؟ قَالُوْا: لَا نَسْمَعُ طَائِلًا یَا رَسُوْلَ اللہِ! ثُمَّ یَقُوْلُ لِاَخِیْہِ الْاٰخَرِ: اَتَرٰی مَا قَدْ نَزَلَ بِیْ فَمَا لَدَیْکَ وَمَا لِیْ عِنْدَکَ؟ فَیَقُوْلُ: لَیْسَ لَکَ عِنْدِیْ غِنَاءٌ اِلَّا وَاَنْتَ فِی الْاَحْیَاءِ، فَاِذَا مِتَّ ذُھِبَ بِکَ فِیْ مَذْھَبٍ وَذُھِبَ بِیْ فِیْ مَذْھَبٍ! ھٰذَا اَخُوْہُ الَّذِیْ ھُوَ مَالُہٗ کَیْفَ تَرَوْنَہٗ؟ قَالُوْا: لَا نَسْمَعُ طَائِلًا یَا رَسُوْلَ اللہِ! ثُمَّ یَقُوْلُ لِاَخِیْہِ الْاٰخَرِ: اَتَرٰی مَا قَدْ نَزَلَ بِیْ وَمَا رَدَّ عَلَیَّ اَھْلِیْ وَمَالِیْ فَمَا لِیْ عِنْدَکَ وَمَا لِیْ لَدَیْکَ؟ فَیَقُوْلُ: اَنَا صَاحِبُکَ فِیْ لَحْدِکَ وَاَنِیْسُکَ فِیْ وَحْشَتِکَ وَاَقْعُدُ یَوْمَ الْوَزْنِ فِیْ مِیْزَانِکَ فَاُثَقِّلُ مِیْزَانَکَ! ھٰذَا اَخُوْہُ الَّذِیْ ھُوَ عَمَلُہٗ کَیْفَ تَرَوْنَہٗ؟ قَالُوْا: خَیْرُ اَخٍ وَخَیْرُ صَاحِبٍ یَا رَسُوْلَ اللہِ! قَالَ: فَاِنَّ الْاَمْرَ ھٰکَذَا! قَالَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللہُ عَنْھَا: فَقَامَ اِلَیْہِ عَبْدُاللہِ بْنُ کُرْزٍ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللہِ! أَتَأْذَنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ عَلٰی ھٰذَا اَبْیَاتًا؟ فَقَالَ: نَعَمْ! فَذَھَبَ فَمَا بَاتَ اِلَّا لَیْلَۃً حَتّٰی عَادَ اِلٰی رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَقَفَ بَیْنَ یَدَیْہِ وَاجْتَمَعَ النَّاسُ وَاَنْشَأَ یَقُوْلُ:

فَاِنِّیْ وَاَھْلِیْ وَالَّذِیْ قَدَّمَتْ یَدِیْ
کَدَاعٍ اِلَیْہِ صَحْبَہٗ ثُمَّ قَائِلٍ
لِاِخْوَتِہٖ اِذْ ھُمْ ثَلَاثَۃُ اِخْوَۃٍ
اَعِیْنُوْا عَلٰی اَمْرٍ بِیَ الْیَوْمَ نَازِلٍ
فِرَاقٌ طَوِیْلٌ غَیْرَ مُتَّقٍ بِہٖ
فَمَاذَا لَدَیْکُمْ فِی الَّذِیْ ھُوَ غَائِلٍ
فَقَالَ امْرُؤٌ مِنْھُمْ اَنَا الصَّاحِبُ الَّذِیْ
اُطِیْعُکَ فِیْمَا شِئْتَ قَبْلَ التَّزَائُلِ
فَأَمَّا اِذَا جَدَّ الْفِرَاقُ فَاِنَّنِیْ
لِمَا بَیْنَنَا مِنْ خُلَّۃٍ غَیْرُ وَاصِلٍ

فَخُذْ مَا اَرَدْتَّ الْآنَ مِنِّیْ فَاِنَّنِیْ
سَیُسْلَکُ بِیْ فِیْ مَهْیَلٍ مِنْ مَهَائِلٖ
فَاِنْ تُبْقِنِیْ لَا تُبْقِ فَاسْتَنْفِدَنَّنِیْ
وَعَجِّلْ صَلَاحًا قَبْلَ حَتْفٍ مُعَاجِلٖ
وَقَالَ امْرُؤٌ قَدْ کُنْتُ جِدًّا اُحِبُّهٗ
وَأُوْثِرُهٗ مِنْ بَیْنِهِمْ فِی التَّفَاضُلِ
غِنَائِیْ اَنِّیْ جَاهِدٌ لَکَ نَاصِحٌ
اِذَا جَدَّ جِدُّ الْکَرْبِ غَیْرُ مُقَاتِلٖ
وَلٰکِنَّنِیْ بَاکٍ عَلَیْکَ وَمُعْوِلٌ
وَمُثْنٍ بِخَیْرٍ عِنْدَ مَنْ هُوَ سَائِلٖ
وَمُتَّبِعِ الْمَاشِیْنَ اَمْشِیْ مُشَیِّعًا
اُعِیْنُ بِرِفْقٍ عُقْبَةً کُلَّ حَامِلٖ
اِلٰی بَیْتِ مَثْوَاکَ الَّذِیْ اَنْتَ مُدْخَلٌ
اُرَجِّعُ مَقْرُوْنًا بِمَا هُوَ شَاغِلِیْ
کَأَنْ لَمْ یَکُنْ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ خُلَّةٌ
وَلَا حُسْنَ ود مَرَّةً فِی التَّبَاذُلِ
فَذٰلِکَ اَهْلُ الْمَرْئِ ذَاکَ غِنَاؤُهُمْ
وَلَیْسَ وَاِنْ کَانُوْا حِرَاصًا بِطَائِلٖ
وَقَالَ امْرُؤٌ مِنْهُمْ اَنَا الْاَخُ لَا تَرٰی
اَخًا لَکَ مِثْلِیْ عِنْدَ کَرْبِ الزَّلَازِلٖ
لَدَی الْقَبْرِ تَلْقَانِیْ هُنَالِکَ قَاعِدًا
اُجَادِلُ عَنْکَ الْقَوْلَ رَجْعَ التَّجَادُلِ
وَاَقْعُدُ یَوْمَ الْوَزْنِ فِی الْکِفَّةِ الَّتِیْ
تَکُوْنُ عَلَیْهَا جَاهِدًا فِی التَّثَاقُلِ
فَلَا تَنْسَی وَاعْلَمْ مَکَانِیْ فَاِنَّنِیْ
عَلَیْکَ شَفِیْقٌ نَاصِحٌ غَیْرُ خَاذِلٖ

فَذٰلِکَ مَا قَدَّمْتَ مِنْ کُلِّ صَالِحٍ
تُلَاقِیْهِ اِنْ اَحْسَنْتَ یَوْمَ التَّوَاصُلِ

فَبَکٰی رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَبَکَی الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ قَوْلِهٖ، وَکَانَ عَبْدُاللهِ بْنُ کُرْزٍ لَا یَمُرُّ بِطَائِفَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا دَعَوْهُ وَاسْتَنْشَدُوْهُ، فَاِذَا اَنْشَدَهُمْ بَکَوْا!" (کنز العمال ج:۱۵ حدیث:۴۲۹۸۱)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ سے فرمایا: جانتے ہو تمہاری مثال اور تمہارے اہل و مال اور عمل کی مثال کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں! فرمایا: تم میں سے ایک کی مثال اور اس کے مال اور آل و اولاد اور عمل کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی کے تین بھائی تھے، جب اس کی وفات کا وقت آیا تو اس نے ایک بھائی کو بلایا اور کہا کہ: مجھ پر جو حالت طاری ہے، وہ تم دیکھ رہے ہو، بتاؤ! تم میرے لئے کیا کرسکتے ہو؟ اس نے کہا کہ: میں یہ کرسکتا ہوں کہ تیری تیمارداری کروں اور تیری جو حالت ہے اس پر رات کھڑا رہوں، جب تو مرجائے تو تجھے غسل دوں، کفن پہناؤں اور اُٹھانے والوں کے ساتھ تجھے اُٹھاؤں، کبھی اُٹھاؤں اور کبھی کندھا ہٹادوں، اور جب میں تجھے دفن کرکے واپس آجاؤں تو لوگوں کے سامنے تیری تعریف کروں، جو بھی مجھ سے تیرے بارے میں پوچھے (یہ بھائی، اس کے گھر کے لوگ یعنی بیوی اور بچّے ہیں)۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا کہ:) تم اس بھائی کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نہیں سنتے کوئی ایسی چیز جس میں کوئی منفعت ہو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر وہ اپنے دُوسرے بھائی کے بارے میں کہتا ہے کہ: مجھ پر جو حالت آئی ہے، تم دیکھ ہی رہے ہو، بتاؤ! تم میرے لئے کیا کرسکتے ہو؟ وہ کہتا ہے کہ: تمہارے لئے میرے پاس کوئی کام کی چیز نہیں، مگر جب تک تم زندوں میں شمار ہوتے ہو، جب تم مرجاؤ گے تو تمہارا راستہ دُوسرا ہوگا، میرا راستہ دُوسرا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:) یہ اس کا دُوسرا بھائی ہے، جس کو مال کہتے ہیں، بتاؤ! تم اس کو کیسا دیکھتے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کچھ کام کا نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ تیسرے بھائی سے کہتا ہے کہ مجھ پر جو حادثہ نازل ہوا ہے، اور میرے اہلِ خانہ نے اور میرے مال نے جو جواب دیا ہے، وہ تم نے سن لیا ہے، تم بتاؤ کہ تم میرے لئے کیا کرسکتے ہو؟ وہ کہتا

ہے کہ: میں تیرا رفیق رہوں گا تیری لحد میں، تیرا مونس اور تیرا غمخوار رہوں گا تیری وحشت میں، اور میں بیٹھ جاؤں گا قیامت کے دن تیرے ترازو میں (اور تیرے ترازو کو بھاری کردوں گا)۔ (آپ ﷺ نے فرمایا:) یہ اس کا وہ بھائی ہے جس کو عمل کہتے ہیں، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! بہت ہی اچھا بھائی ہے اور بہت ہی اچھا رفیق ہے! فرمایا کہ: پھر معاملہ یوں ہی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت عبداللہ بن کرز رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے، کہنے لگے: یارسول اللہ! کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں اس پر کچھ اشعار بنا کر پیش کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ضرور! وہ چلے گئے، ایک رات رہے، دوبارہ واپس حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے، لوگ بھی جمع ہوگئے، انہوں نے یہ نظم پڑھی کہ:

بے شک میں اور میرے اہلِ خانہ اور وہ عمل جو میں نے آگے بھیجا، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے رُفقا کو بلائے پھر وہ کہے اپنے تین بھائیوں سے کہ آج جو حال مجھ پر پیش آیا ہے، اس میں میری مدد کرو! طویل جدائی ہے اور آئندہ کا کچھ معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا؟ اب جو حوادث میرے سامنے پیش آنے والے ہیں، بتاؤ! کہ تمہارے پاس اس کا کیا علاج ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا کہ: میں تیرا رفیق ہوں، تیری اطاعت کروں گا، اور تُو جو بھی کہے تیرا کہنا مانوں گا، لیکن موت آنے سے پہلے پہلے، جب جدائی واقع ہوجائے تو ہمارے درمیان جو دوستی ہے وہ ختم، جو کچھ لینا چاہتا ہے مجھ سے اس وقت لے سکتا ہے، کیونکہ تیرا جب انتقال ہوجائے گا تو مجھے کسی دوسرے راستے میں لے جائیں گے، اگر تُو مجھے باقی رکھنا چاہتا ہے تو باقی نہ رکھ، بلکہ مجھے خرچ کردے، اور جلدی کر، موت کے آنے سے پہلے پہلے مجھے خرچ کردے۔

ایک نے کہا کہ: میں تم سے بہت محبّت کرتا ہوں، اور لوگوں کے درمیان جب مقابلہ ہوتا ہے میں تمہیں ترجیح دیتا ہوں، میری خدمت یہ ہے کہ میں تیرے لئے دن رات خیر خواہی اور محنت کروں گا، جو بیماری اور پریشانی ہو، لیکن جب تُو مرجائے گا تو تیرے اوپر روؤں گا اور بین کروں گا، کوئی تیرا نام لے گا تو اس کے سامنے تیری تعریف کروں گا، جو تجھے رخصت کرنے جائیں گے میں ان کے ساتھ جاؤں گا، اور کندھا دینے والوں میں کندھا دینے کی مدد کروں گا، اور میری یہ خدمت قبر تک رہے گی جس میں تُو

داخل کیا جائے گا، جب تُو اپنی قبر میں چلا جائے گا تو میں واپس آجاؤں گا، کیونکہ میرے اور بہت سارے مشاغل ہیں، اور میں تجھے ایسا چھوڑ کر آجاؤں گا کہ گویا میرے درمیان اور تیرے درمیان دوستی نہیں تھی اور نہ کوئی حسنِ معاملہ تھا۔ بس! یہ آدمی کے گھر کے لوگ ہیں، بیوی بچے اور یہ ان کی خدمت ہے، اور یہ چیز اگرچہ وہ کتنے ہی حریص ہوں لیکن مفید نہیں ہے۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ: میں تیرا ایسا بھائی ہوں کہ مجھ جیسا بھائی مصائب کے نازل ہونے کے وقت نہیں دیکھا ہوگا، تُو قبر میں جائے گا تو تُو وہاں مجھے بیٹھا ہوا پائے گا، تجھ سے منکر نکیر جھگڑا کریں گے تو میں جواب دوں گا، اور وزن کے دن میں اس پلڑے میں بیٹھ جاؤں گا جس میں تُو ہوگا، اور اس پلڑے کو بوجھل کرنے کی کوشش کروں گا، سو تُو مجھے بھول نہیں اور میرے مرتبے کو پہچان لے، اس لئے کہ میں تجھ پر شفیق ہوں، تیرا خیر خواہ ہوں، کسی وقت تیری مدد چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ بس یہ بھائی ہر وہ نیک عمل ہے جو تُو نے آگے بھیجا تو اس کو پائے گا، اگر تُو نے نیکی کی، ملاقات کے دن کے لئے۔

یہ ارشاد سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور مسلمان بھی روئے۔ حضرت عبداللہ بن کرز رضی اللہ عنہ جب بھی مسلمانوں کے کسی مجمع کے پاس سے گزرتے تھے، وہ حضرات ان کو بلواتے اور ان سے یہ اشعار پڑھواتے، جب یہ شعر پڑھتے تو سب کے سب رو پڑتے۔“

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہیں مختصر اور کہیں لمبی، بہت ساری کتابوں میں موجود ہے، اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کے مال اور اس کے اہل و عیال اور اس کے اعمالِ صالحہ کی مثال بیان فرمائی ہے۔

اس مثال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سمجھائی ہے کہ سب سے زیادہ بے وفا دوست مال ہے کہ تمہاری زندگی میں تو تمہارے کام کا ہے، لیکن جب روح تن سے الگ ہوجائے تو دوسرے کے پاس چلا جاتا ہے، تمہارے پاس رہتا ہی نہیں۔

ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

”یَقُوْلُ الْعَبْدُ: مَالِیْ! مَالِیْ! وَاِنَّ مَالَهٗ مِنْ مَّالِهٖ ثَلَاثٌ: مَا اَكَلَ فَاَفْنٰی، اَوْ لَبِسَ فَاَبْلٰی، اَوْ اَعْطٰی فَاقْتَنٰی وَمَا سِوٰی ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ!“

(مشکوٰۃ ص:۴۴۰)

ترجمہ: ''آدم کا بیٹا کہتا ہے کہ: میرا مال! میرا مال! آدم کے بچے! تیرے مال میں سے صرف تیرا مال وہی ہے جو تو نے کھالیا اور کھا کر ختم کر دیا، یا تو نے پہن لیا اور پہن کر بوسیدہ کر دیا، یا تو نے آگے بھیج کر اپنے لئے جمع کر لیا، اور ان تینوں چیزوں کے علاوہ باقی جتنا تیرا مال ہے تو اس کو دوسروں کے لئے چھوڑ کر چلا جائے گا، وہ تیرا نہیں!''

اور اہل وعیال کے بارے میں یوں فرمایا کہ: قبر کے کنارے تک ساتھ دیتے ہیں۔

آدمی مرنے والا ہو، موت وحیات کی کشمکش میں ہو تو یہ اپنی حد تک اس کی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں، جو خدمت یہ کر سکتے ہیں اس کے کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بھی کسی کو نصیب ہے اور کسی کو نہیں، مر گیا تو غسل اور کفن کا انتظام کر دیا، اور کندھے بدل بدل کر قبر تک پہنچا دیا، قبر میں لٹا کر اوپر ہزاروں من وزن ڈال دیا، تاکہ یہ بھاگ نہ آئے، چند روز رو دھو لئے، کچھ اپنی رسم ورواج کے مطابق تقریبات کر لیں اور کوئی تعزیت کے لئے آیا تو اس کے سامنے تعریفیں کر دیں اور بس! اللہ! اللہ! خیر صلا! قصہ ختم، لیکن قبر میں اس پر کیا گزر رہی ہے؟ اس کا کسی کو کچھ معلوم نہیں! اکبر الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے!
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے!

اس نے تیسرے دوست کو بلایا، تیسرے رفیق کو بلایا، یہ اس کا عمل تھا، اس سے کہا کہ: مجھ پر جو حالت طاری ہے تم دیکھ رہے ہو، نزع کا سامنا ہے، روح اور بدن کی علیحدگی ہو رہی ہے، اور ایک بالکل نیا سفر درپیش ہے، نہایت طویل سفر اور ان دیکھے راستے، بہت ہی پریشانی اور بے چینی ہے کہ میرا کون ساتھ دے گا؟ یہ جو میرے مال نے جواب دیا وہ بھی تم نے سن لیا ہے، اور میرے اہل وعیال نے جو جواب دیا ہے وہ بھی تم نے سن لیا ہے، انہوں نے صاف صاف جواب دے دیا ہے کہ ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے، نہ آپ کے ساتھ رفاقت کریں گے، نہ آپ کے ساتھ جائیں گے، نہ آپ کے ساتھ قبر میں اُتریں گے، تم بتاؤ! کہ تم کیا کرو گے؟ کہنے لگے کہ: تم اگر مجھے ساتھ لے جاؤ تو پہلی بات یہ ہے کہ ہر موقع پر تمہاری مدد کروں گا، نزع سے لے کر میزان تک، قیامت کے دن، حشر کے دن، میزان یعنی ترازو جو اس وقت تک میں تیری مدد کروں گا، تیرے ساتھ رہوں گا اور تیرا مونس وغمخوار بنوں گا، تیری تنہائی پر اکیلے پن کو دور کروں گا، مجھ سے ہو سکا تو روشنی بھی کروں گا، کوئی تجھ پر حملہ آور ہوگا تو جواب بھی دوں گا، مدافعت بھی کروں گا، منکر نکیر سوال کریں گے تو سوال وجواب کی بھی کفایت کروں گا، اور قیامت کے دن اس پلڑے میں بیٹھ جاؤں گا جس پلڑے کو تو بھاری دیکھنا چاہتا ہے، اور جتنی میری ہمت ہوگی، جتنا میرا وزن ہوگا میں اپنا پورا وزن تیرے پلڑے میں ڈال دوں گا، یہاں تک کہ تجھے جنّت میں پہنچا دوں گا۔

آخرت کی تیاری

[حدیث:٦٦] ”عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: خَطَبَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ:

اِبْنَ آدَمَ! اِعْلَمْ اَنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكَ لَمْ يَزَلْ يَخْلُفُكَ وَيَتَخَطّٰى اِلٰى غَيْرِكَ مُنْذُ اَنْتَ فِي الدُّنْيَا، وَكَاَنَّهٗ قَدْ تَخَطّٰى غَيْرَكَ اِلَيْكَ وَقَصَدَكَ، فَخُذْ حِذْرَكَ وَاسْتَعِدَّ لَهٗ، وَلَا تَغْفُلْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفُلُ عَنْكَ، وَاعْلَمْ اِبْنَ آدَمَ! اِنْ غَفَلْتَ عَنْ نَفْسِكَ وَلَمْ تَسْتَعِدَّ لَمْ تَسْتَعِدَّ لَهَا غَيْرُكَ، وَلَا بُدَّ مِنْ لِقَاءِ اللهِ! فَخُذْ لِنَفْسِكَ وَلَا تَكِلْهَا اِلٰى غَيْرِكَ۔ وَالسَّلَامُ!“

(کنز العمال ج:۱۵ حدیث:۴۲۷۹۰)

ترجمہ: ”حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا کہ:

اے ابن آدم! بے شک موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ ہمیشہ تجھ کو چھوڑ کر دوسروں کے پاس جاتا رہا جب سے تو دنیا میں آیا ہے، اور بس یوں سمجھ لے کہ اب وہ دوسروں کو چھوڑ کر تیرے پاس آنے والا ہے، اور وہ تیرے ارادے سے چلا ہے، لہٰذا اپنے بچاؤ کا سامان کرلو، اس کی تیاری کرلو، غفلت نہ کرو، اس لئے کہ تجھ سے غفلت نہیں کی جارہی۔ ابن آدم! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تو اپنی ذات سے غفلت کرے گا اور تیاری نہیں کرے گا تو دوسرا آدمی اس کے لئے تیاری نہیں کرے گا، اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات بہرحال ضروری ہے، سو اپنی ذات کے لئے حصہ لے اور اس کو دوسروں کے سپرد نہ کر۔“

تشریح: یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مواعظ شریفہ ہیں، ان میں ایک بات تو یہ فرمائی کہ جب سے تم پیدا ہوئے ہو تم نے لوگوں کو مرتے دیکھا ہے، موت کا فرشتہ تم پر بھی مقرر کیا گیا ہے، لیکن وہ تجھ کو چھوڑ کر دوسروں کے پاس جاتا رہا، لیکن ایسا لگ رہا ہے کہ اب تمہارا نمبر آگیا، اب دوسروں کو چھوڑ کر تمہارے پاس آئے گا، مطلب یہ کہ فرشتے کا آنا کسی وقت بھی متوقع ہے، جو دوسروں کے پاس جاسکتا ہے، وہ تمہارے پاس بھی آسکتا ہے، اور جب اس کا آنا حتمی اور لازمی ٹھہرا تو تمہیں اپنی تیاری کرنی چاہئے، اپنا بوریا بستر تیار رکھو کہ جب موت کا فرشتہ تمہارے پاس آئے تو چل پڑو، اور اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔

عذابِ قبر برحق ہے

[حدیث:٦٧] ”عن عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا، إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا، يَعْنِيْ يَهُوْدِيَّةً۔“ (سنن الترمذی : کتاب الجنائز، بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْبُكَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ، حدیث:۹۲۷)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بات یہ ہے کہ اس یہودی عورت پر رویا جارہا ہے اور اس کو اس کی قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک یہودی عورت کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ اس کا انتقال ہو گیا تھا، اس کے گھر کے لوگ اس کو رو پیٹ رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یہ لوگ اس پر روتے ہیں حالانکہ اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔

قبر کا عذاب برحق ہے، میّت کو جب اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور لحد بند کر دی جاتی ہے تو دو فرشتے جن کو منکر اور نکیر کہتے ہیں وہ آکر اس سے سوال کرتے ہیں، تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے پوچھا جاتا ہے کہ تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا تھا؟

اگر نیک آدمی ہوگا تو وہ صحیح جواب دے گا، تیرا رب کون ہے؟ اس کے جواب میں کہے گا: ”ربی اللہ“ میرا رب اللہ ہے۔ تیرا دین کیا ہے؟ اس کے جواب میں کہے گا کہ: میرا دین اسلام ہے، میں اسی کے مطابق زندگی گزارتا تھا۔ اور تیسرے سوال کے جواب میں کہے گا کہ: یہ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ہمارے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے، ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے اور پھر اس کے لئے قبر جہاں تک اس کی نگاہ پہنچے اتنی فراخ کر دی جاتی ہے اور اس کو خوشبو پہنچتی رہتی ہے اور فرشتے اس سے کہتے ہیں: ”نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ لَا يُوْقِظُهَا اِلَّا اَحَبَّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ“ تو اس طرح سو جا جیسے دلہن سو جاتی ہے کہ اس کے خاص کمرے میں اس کے خاندان کے محبوب ترین فرد کے سوا اور کوئی دوسرا آدمی نہیں آسکتا۔

اور اگر منافق ہوا تو کہتا ہے: ”ھاہ ھاہ لا ادری“ ہائے میں نہیں جانتا، وہ پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا۔ وہ پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا تھا؟ کہتا ہے ”لا ادری“ میں نہیں جانتا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتے ہیں تو بھی یہی کہتا ہے کہ: ”لا ادری“ میں نہیں جانتا۔ فرشتے اس کو کہتے ہیں: ”لا دریت و لا تلیت“ نہ تو نے خود جانا، نہ کسی جاننے والے کے پیچھے چلا۔ اور پھر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ پسلیاں ایک دوسرے سے نکل جاتی ہیں، اللہ کی پناہ! اور اس پر عذاب کے فرشتے مسلط کر دیئے جاتے ہیں اور اس کی قبر میں دوزخ کی طرف سے کھڑکی کھول دی جاتی ہے، جس سے اس کی گرمی

اور اس کا دھواں اس کو پہنچتا رہتا ہے (مشکوٰۃ)۔

اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے قبر سے، اللہ تعالیٰ ہمیں قبر کے عذاب سے پناہ میں رکھے، اہتمام سے ہر نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگنی چاہئے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال و جواب کو ذکر کر کے ارشاد فرمایا کہ:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ﴾

(ابراہیم: ۲۷)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھیں گے اہلِ ایمان کو قول ثابت کے ساتھ دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو ارشاد فرمایا کہ: جب تم مجھے دفن کردو تو تھوڑی دیر میری قبر پر ٹھہرنا، ''حَتّٰى اَسْتَاْنِسَ بِكُمْ وَاُرَاجِعَ رُسُلَ رَبِّيْ'' تا کہ میں تمہاری موجودگی کی وجہ سے تم سے اُنس حاصل کروں اور اپنے رب کے قاصدوں سے سوال و جواب کروں۔

یہ مرحلہ ہم میں سے ہر ایک کو پیش آنے والا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو ہمارے لئے آسان فرمادے، ان چیزوں میں ایمان لانے کی ضرورت ہے، فضول بحثوں کی ضرورت نہیں، جو باتیں اپنی عقل میں نہیں آتیں لوگ ان کا انکار کردیتے ہیں، فالتو بحث مباحثہ کرتے ہیں، یہ فضول بات ہے، جتنی باتیں ہماری سمجھ میں آسکتی ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کردیں اور پوری بات وہاں چل کر سمجھ میں آئے گی۔ یہ عالم غیب کی چیزیں ہیں یہاں ان کی پوری حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ لوگ جو مرنے والے کی جھوٹی تعریفیں کیا کرتے ہیں اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے، اس پر عورتیں بین کرتی ہیں، کہ فلانے تو ایسا تھا، ویسا تھا، وہ بے چارا پکڑا ہوا ہے، فرشتے اس کو مارتے ہیں، جھوٹی تعریفیں کرنا کیسی لغو بات ہے، نماز وہ نہیں پڑھتا تھا، زکوٰۃ وہ نہیں دیتا تھا، حلال حرام کی تمیز وہ نہیں کرتا تھا، کیا اس کی تعریف کروگے؟ اور یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ قبر کے سوال و جواب کے وقت نفاق کام نہیں دے گا، زبان سے تو کلمہ پڑھتا تھا لیکن یہ کلمہ دل میں اُترا ہوا نہیں تھا، واقعتاً وہ اپنا رب اللہ تعالیٰ کو سمجھتا بھی تھا یا نہیں؟ اور واقعی یہ اسلام کو اپنا دین مانتا تھا اور واقعی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول مان کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا عزم رکھتا تھا، اگر یہ بات دل میں اُتری ہوئی نہیں تھی، محض زبان ہی پر تھی تو پھر اللہ تعالیٰ ہی فضل فرمائے، اللہ تعالیٰ ان حقائق کو ہمارے دل میں اُتاردے۔

میّت پر رونے سے اس کو عذاب ہوتا ہے

[حدیث:۶۸] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْهُمَا إِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَاءِ الْحَیِّ۔“

(صحیح مسلم: کتاب الجنائز، بَاب الْمَیِّتِ یُعَذَّبُ بِبُکَاءِ أَهْلِهِ عَلَیْهِ، حدیث: ۱۵۳۹)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: البتہ مردے پر عذاب ہوتا ہے زندہ کے رونے کی وجہ سے۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون پہلے بھی گذر چکا ہے کہ میّت کو اس کے زندوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، اس حدیث میں حضرت عائشہ اور حضرت عمر اور ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) کا اختلاف تھا۔

حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا بڑی شدّت سے اس کا انکار کیا کرتی تھیں، فرماتی تھیں کہ: رونا تو زندوں کا فعل ہے، میّت کو کیوں عذاب ہونے لگا؟ تم قرآن نہیں پڑھتے ہو کہ: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (فاطر:۱۸) کوئی اُٹھانے والا کسی دُوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا، اور فرمایا کرتی تھیں: ”رَحِمَ اللہُ عَلٰی أَبِی عَبْدِالرَّحْمٰنِ! اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ یَکْذِبْ“ اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر رحم کرے، وہ بات تو غلط نہیں کہتے لیکن سمجھے نہیں، وہ فرماتی ہیں کہ: قصہ یہ ہوا تھا کہ کچھ لوگ یہودیوں میں اپنی میّت پر رو رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: یہ اس کو رو رہے ہیں اور اس کو عذاب ہو رہا ہے۔ تو وہ فرماتی ہیں کہ: یہ حکم عام نہیں تھا۔

بہرحال حدیث بالکل صحیح ہے، علماء فرماتے ہیں کہ: اس کی توجیہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کر کے جائے کہ میرے اُوپر رونا، تو یہ حدیث ایسے شخص کے متعلق ہے، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ وصیت کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد خوب نوحہ کرنا تاکہ لوگ سمجھیں بہت بڑا آدمی رخصت ہوگیا، یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے۔ اسی طرح وہ شخص کہ جس کو معلوم ہے کہ یہاں ماتم کی مجلسیں برپا ہوتی ہیں، اس کے باوجود منع کر کے نہیں گیا، اس کو بھی عذاب ہوتا ہے۔ اور بعض اکابر نے فرمایا کہ: ایک حدیث میں یوں آتا ہے کہ جب رونے والے اس پر روتے ہیں تو اس کے اوصاف بیان کرتے ہیں کہ تو ایسا تھا، تو ایسا تھا، جیسا کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے، تو فرشتہ اس کو چوکا دے کر کہتا ہے کہ: ”أهكذا كنت؟“ (مسند احمد بن حنبل) کیا تو ایسا ہی تھا؟ یہ عذاب اس میّت کو ہوتا ہے جس کی غیر واقعی صفات بیان کرتے ہیں اور اس کو فرشتے مارتے ہیں۔

قبر میں بداعمالیوں کے سانپ کا قصہ

[حدیث: ۶۹] ”اخرجه ابن ابی الدنیا و البیهقی فی شعب الایمان عن عبدالحمید بن محمود المعولی قال: کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ اِبْنَ عَبَّاسٍ فَاَتَاهُ قَوْمٌ فَقَالُوْا: اِنَّا خَرَجْنَا حُجَّاجًا مَعَنَا صَاحِبٌ لَّنَا حَتّٰی اَتَيْنَا ذَاتَ الصِّفَاحِ، فَمَاتَ فَهَيَّأْنَاهُ، ثُمَّ انْطَلَقْنَا، فَحَفَرْنَا لَهُ قَبْرًا لَحِدْنَا لَهُ، فَلَمَّا فَرَغْنَا مِنْ لَحْدِهٖ، فَاِذَا نَحْنُ بِاَسْوَدَ قَدْ مَلَأَ اللَّحْدَ، فَتَرَكْنَاهُ وَحَفَرْنَا لَهُ مَكَانًا آخَرَ، فَلَمَّا فَرَغْنَا مِنْ لَحْدِهٖ اِذَا نَحْنُ بِاَسْوَدَ قَدْ مَلَأَ اللَّحْدَ فَتَرَكْنَاهُ وَاَتَيْنَاكَ، فَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ: ذَاکَ الْغُلُّ الَّذِیْ يَغُلُّ - ولفظ البیهقی -: ذٰلِکَ عَمَلُهُ الَّذِیْ كَانَ يَعْمَلُ، اِنْطَلِقُوْا فَادْفِنُوْهُ فِیْ بَعْضِهَا، فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ! لَوْ حَفَرْتُمُ الْاَرْضَ كُلَّهَا لَوَجَدْتُّمُوْهُ فِيْهَا۔ فَانْطَلَقْنَا فَدَفَنَّاهُ فِیْ بَعْضِهَا، فَلَمَّا رَجَعْنَا سَأَلْنَا اِمْرَأَتَهُ مَا كَانَ يَعْمَلُ زَوْجُکِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَبِيْعُ الطَّعَامَ فَيَأْخُذُ كُلَّ يَوْمٍ عَنْهُ قُوْتَ اَهْلِهٖ، ثم يقرض الفصل فَيُلْقِيْهِ فِيْهِ۔“ (شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ فی القبور ص ۱۷۴، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: ”ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں عبدالحمید بن محمود معولی سے نقل کیا ہے کہ میں ایک دن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا کہ کچھ لوگ آ کر کہنے لگے کہ: ہم حج کرنے آئے تھے، ہمارے ساتھ ایک صاحب تھے جن کا انتقال ہوگیا، ہم نے ان کے غسل وکفن سے فراغت کے بعد ان کے لئے قبر کھودی، ابھی ہم اس کی تدفین کرنا ہی چاہتے تھے کہ دیکھا کہ اس قبر میں ایک بہت بڑا کالا سانپ ہے، جس نے قبر کو بھر رکھا ہے، ہم نے وہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ قبر کھودی، تو وہاں بھی یہی معاملہ تھا، تب ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ اس کا وہ دھوکا اور کھوٹ ہے جو کیا کرتا تھا۔ بیہقی کے الفاظ ہیں کہ: یہ اس کا وہ عمل ہے جو وہ کیا کرتا تھا۔ جاؤ! اس کو ان میں سے کسی قبر میں دفن کردو، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم پوری زمین میں جہاں اس کے لئے قبر کھودوگے اس سانپ کو وہاں پاؤ گے۔ راوی کہتا ہے کہ: ہم نے ان میں سے ایک قبر میں اس کو دفن کردیا، جب ہم حج سے فارغ ہوکر گھر لوٹے تو اس کی بیوی

کے پاس گئے، اور اس سے پوچھا کہ تیرا شوہر کیا عمل کرتا تھا؟ اس نے کہا: گندم کی تجارت کرتا تھا، جتنا روز کا گھر کا خرچہ ہوتا وہ اتنا نکال لیتا تھا اور اس کی جگہ گندم کا ردی حصہ یعنی جو وغیرہ اس میں ملا کر وزن برابر کر دیتا تھا۔''

تشریح: یعنی حاجیوں کا قافلہ جارہا تھا، ایک حاجی کا راستے میں مکہ مکرّمہ کے قریب پہنچ کر انتقال ہوگیا، اس کو کفن دینے کے بعد نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کرنے لگے، قبر کھودی تو ایک بہت بڑا سانپ جس کو اژدہا کہتے ہیں، اس نے پوری لحد گھیری ہوئی ہے، لوگ حیرت زدہ ہوگئے، دوسری جگہ کھودی تو وہاں بھی یہی ہوا، تیسری جگہ کھودی تو وہاں بھی یہی صورتِ حال، تو لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور کہا کہ: حضرت! کیا کریں؟ فرمایا: ساری دنیا کی زمین بھی کھودلو گے تو یہ تمہیں وہاں بھی ملے گا، یہ اس کا عمل ہے، سانپ نہیں ہے!

یہ جو قبر میں ہم سانپ اور بچھو کا سنتے ہیں، یہ حقیقتِ واقعہ ہے، یہ محض ڈرانے کی باتیں نہیں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات ہیں، اور یہ سانپ اور بچھو اور دوسرے کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض اور دوسری بلائیں یہ ساری کی ساری اس کے اپنے اعمال ہیں، اور جو قبر ''رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ'' یعنی جنّت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے، یہ بھی اپنے اعمال ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کو اسی قبر میں دفن کردو! تم ساری روئے زمین بھی کھودلو گے تو یہ وہاں ضرور نکلے گا، کیونکہ یہ اس کا اپنا عمل ہے! پھر کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو وہیں دھکیل کر (ڈر اور خوف تو تھا ہی) جلدی سے اوپر سے بند کردیا۔

واپس آئے تو اس کے گھر گئے، اس کی بیوی سے پہلے تعزیت کی اور پھر پوچھا: یہ کیا بات تھی؟ سارا قصہ اس کو سنایا، کہنے لگی کہ: غلے کا کاروبار کرتا تھا، جتنی آج کی ضرورت ہوتی اتنے گیہوں نکال لیتا اس کی جگہ ''جو'' ڈال دیتا، وزن پورا رکھتا تھا۔

قیامت کے دن مال جمع کرنے والے مفلس ہوں گے

[حدیث:۷۰] ''عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ إِنَّ الْأَكْثَرِيْنَ هُمُ الْأَقَلُّوْنَ، إِلَّا مَنْ قَالَ بِالْمَالِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا۔''

(صحیح بخاری: کتاب المساقاة، بَاب أَدَاءِ الدَّيْنِ، حدیث: ۲۲۱۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک جو زیادہ مال والے ہیں وہی قیامت کے دن مفلس ہوں گے، مگر جس نے مال کو

خرچ کیا اسطرح اور اس طرح اور اس طرح، یعنی دائیں بائیں، آگے پیچھے۔“

تشریح: یہ حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جن لوگوں کے پاس مال سب سے زیادہ ہے وہی قیامت کے دن سب سے زیادہ مفلس ہوں گے، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے مال کو اس طرح، اس طرح اور اس طرح لٹایا۔ دونوں ہاتھوں کو جمع کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طرف اس طرح اشارہ فرمایا، یعنی ہر طرف خرچ کیا، وہ تو قیامت کے دن کی مفلسی سے بچیں گے، ورنہ یہ لوگ سب سے زیادہ مفلس ہوں گے جو آج سب سے زیادہ امیر کبیر کہلاتے ہیں۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ ان مسکینوں نے اپنے مال کو بڑھانے کے لئے وقت دیا، مرے تو مال پیچھے رہ گیا اور خود خالی ہاتھ رہ گئے، اس لئے وہ سب سے زیادہ مفلس ہوں گے۔ اور جو یہاں مفلس ہے، مال ان کا کم ہے، ان کو اِنتظامات بھی کم کرنے پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فراغت بھی ان کے لئے آسان ہے، اس لئے وہ نفع میں رہیں گے، مطلب یہ کہ یہاں کی امارت اور غربت وہ تو مرنے سے پہلے سے تعلق رکھتی ہے اور بس ختم! یہ تو ایک کھیل اور تماشا تھا جو ختم ہو گیا اور آگے جو سکہ چلے گا وہ نیکیوں کا ہوگا، جس کے پاس نیکیاں ہوں گی وہ امیر ہوگا، جس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی وہ غریب ہوگا، اس لئے آج کے بہت سے معزّز لوگ قیامت کے دن ان لوگوں کے محتاج ہوں گے جن کو یہاں محتاج سمجھا جاتا تھا، پانسہ پلٹ جائے گا، یہاں کے بڑے وہاں کے چھوٹے اور یہاں کے چھوٹے وہاں کے بڑے، البتہ جس شخص نے اپنے مال کو بے دریغ اللہ کے لئے خرچ کیا، وجوہِ خیر میں خرچ کیا، کبھی یتیموں، مسکینوں کی خبرداری کرتا ہے، کبھی دِینی مدارس میں خرچ کرتا ہے، کبھی مسجد بنانے میں خرچ کرتا ہے، کبھی اور رفاہی کاموں میں خرچ کرتا ہے، مال کو اللہ کے راستے میں لٹاتا ہے، اپنی عیش وعشرت کے لئے، نفس پرستی کے لئے نہیں بلکہ رضائے الٰہی کے لئے خیر کے کاموں میں خرچ کرتا ہے اس طرح، اس طرح اور اس طرح ڈبے بھر بھر کے دیتا ہے، وہ قیامت کی مفلسی سے ضرور بچ جائے گا، اس لئے کہ اس نے اپنا سرمایہ وہاں کے بینک میں جمع کروا دیا، مرنے سے پہلے پہلے سرمایہ وہاں کے بینک میں منتقل کر دیا، اس کو یہ مل جائے گا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن، انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس تو کچھ ہوتا نہیں سوائے اس کے جو زبیر لاتے ہیں گھر میں، تو کیا میں اس میں سے صدقہ کر لیا کروں؟ میرے پاس اپنا تو مال ہے نہیں زبیر کا مال ہے جو کما کے لاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: صدقہ کر دیا کرو، اجازت ہوگئی، اور صاحب خانہ کی طرف سے اگر گھر والوں کو اِجازت ہو تو ٹھیک ہے، اور بعض ایسے بخیل ہیں کہ ان کی طرف سے اجازت نہیں ہوتی، ایسے بخیلوں کو ان کے بخل پر رہنے دو، ایسی عورتیں خرچ نہ کریں، فرمایا کہ: خرچ کیا کر! حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

”لا توکی فیوکی علیک“ برتن کو بند لگا کر نہ رکھنا ورنہ اللہ بھی بند لگا لے گا، ”ولا تحصی فیحصی علیک“

گن گن کر مت دیا کر، ورنہ اللہ بھی گن گن کر دے گا (صحیح البخاری، کنز العمال: ۱۵۹۵۶)۔

تو جن لوگوں کو حق تعالیٰ شانہٗ نے یہاں مال دیا ہے وہ اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کریں اور فقر سے نہ ڈریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین باتیں قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں، ایک یہ کہ صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا، قسم کھا کر فرمایا، کیونکہ وعدہ ہے دینے کا، تمہارا صدقہ کرنا اللہ کو دینا ہے، بندوں کو نہیں دیتے تم اللہ کو دیتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا قرآن پاک میں:

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ط﴾

(البقرۃ: ۲۴۵)

ترجمہ: ''کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرضِ حسنہ، اور اللہ تعالیٰ اس کو سود در سود لگا کر دیں گے، بڑھا کے دیں گے، دُنیا میں بھی دیں گے، آخرت میں بھی دیں گے۔''

آخرت کا مفلس

[حدیث: ۷۱] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ! فَقَالَ: اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ يَّأْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ، قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ!''

(صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ، حدیث: ۴۶۷۸)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں: جانتے ہو مفلس کون ہے؟ عرض کیا گیا: ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ نہیں ہوتا! فرمایا: نہیں! میری اُمّت کا مفلس آدمی وہ ہے جو نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اور بہت ساری نیکیاں لے کر آئے، لیکن کسی کا مال کھایا تھا، کسی کی بے آبروئی کی تھی، کسی کو گالی دی تھی، اس کا ناحق مال کھایا تھا، اس کا ناحق خون بہایا تھا، اور اس کو مارا تھا، وغیرہ، پس اس کی نیکیوں سے ان اربابِ حقوق کے حقوق ادا کئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ نمازیں وہ لے جائے، روزے یہ لے جائے، زکوٰۃ یہ لے جائے، غرضیکہ ساری اس کی نیکیاں اہل حقوق لے جائیں گے اور یہ خالی کا خالی کھڑا رہ جائے، پھر اس کے حقوق

اگر نیکیوں سے پورے ہو گئے تو ٹھیک! ورنہ پھر اہلِ حقوق کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، اور اس کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا (یہ ہے میری اُمّت کا مفلس!)۔''

تشریح: ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے ذمہ اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں ان سے غفلت، بندوں کے جو حقوق ہمارے ذمہ ہیں ان سے غفلت، غرض غفلت ہی غفلت ہے اور اس کی فکر ہی نہیں، اور آگے کیا کیا منزلیں پیش آنے والی ہیں؟ ہمیں تو مرنے سے پہلے پہلے کی زندگی کی فکر کھائے جاتی ہے اور ستائے جاتی ہے کہ مہنگائی بہت ہوگئی ہے، بچّے کیا کھائیں گے؟ کیا کریں گے؟ کیا نہیں کریں گے؟ زندگی کیسے گزاریں گے؟ ارے بھائی! یہ تو گزر جائے گی، جیسے کیسے گزر ہی جائے گی، اچھی گزر جائے، تنگی سے گزر جائے، گزر ہی جائے گی، لیکن مرنے کے بعد جو زندگی شروع ہونے والی ہے اس کے لئے کیا ہوگا؟ ہمیں اس کی بھی فکر کرنی چاہئے!!

میدانِ محشر کا منظر

[حدیث: ۷۲] ''عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُوْلُ إِنَّكُمْ مُلَاقُوْا اللّٰهِ مُشَاةً حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا۔''

(صحیح مسلم: کتاب الجنة، بَاب فَنَاءِ الدُّنْيَا وَبَيَانِ الْحَشْرِ، حدیث: ۵۱۰۳)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: بے شک تم ملو گے اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں کہ پیدل ہوگے، ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون ہوگے''۔

تشریح: اس حدیث میں فرمایا: جب تمہارا حشر ہوگا، حشر کہتے ہیں قبروں سے اُٹھ کر میدانِ محشر میں جانے کو، تم پیدل ہوں گے، پاؤں سے ننگے، بدن سے بھی ننگے اور ختنے کے بغیر ہوں گے، اس حالت میں تم جاؤ گے۔

﴿كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ط﴾ (الانبیاء: ۱۰۴)

ترجمہ: ''جیسے ہم نے تمہیں پہلے پیدا کیا ویسے ہی ہم تمہیں لوٹائیں گے۔''

جیسے ماں کے پیٹ سے نکلے تھے ننگے پاؤں، ننگے بدن نامختون، ایسے ہی تمہیں لوٹائیں گے۔

دوسری جگہ آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ حدیث سنی تو فرمایا کہ: یا رسول اللہ! مرد اور عورتیں سب اس طرح ننگے اُٹھیں گے کہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ فرمایا کہ: عائشہ! وہاں کس کو دیکھنے کی مہلت ہوگی،

ہوش اُڑے ہوئے ہوں گے، سر اوپر اُٹھائے ہوئے ہوں گے، وہاں کس کو ایک دوسرے کو دیکھنے کا ہوش ہوگا؟ یہ اس وقت ہے جب قبروں سے اُٹھائے جائیں گے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ان کے مراتب کے مطابق سواریاں بھی دی جائیں گی اور اس سے پہلے لباس بھی دیا جائے گا، چنانچہ سب سے پہلے سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لباس پہنایا جائے گا، گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اکرام کے مستحق تھے لیکن وہ ان کے جدِّ امجد ہیں، اور دوسری بات یہ کہ ان کو اللہ کے راستے میں برہنہ کیا گیا، اس کا نعم البدل ان کو دے دیا جائے گا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس پہنایا جائے گا، پھر لوگوں کو سواریوں پر لایا جائے گا، کوئی ایک سواری پر ہوگا، کچھ ایک سواری پر دو، دو ہوں گے، کچھ سواریوں میں ایک ایک پر سات سات ہوں گے، اس طرح کہ باری باری سوار ہوتے ہوں گے، اس طرح ان کو میدان محشر لے جایا جائے گا، بعض پیدل ہوں گے اور بعض کو معاذ اللہ! اُلٹا لٹکا کر چلایا جائے گا، تو اس طرح سب میدان محشر میں جمع ہوں گے۔

میدانِ حشر کی ہولناکی

﴿یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ﴿۳۶﴾ لِکُلِّ امْرِیٍٴ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ﴿۳۷﴾﴾ (عبس)

ترجمہ: ”جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے، اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے، ہر آدمی کے لئے ایک ایسی حالت ہوگی جو اس کو کفایت کرے گی، دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔“

ہم لوگ قبر کے حالات سنتے ہیں، اس سے کوئی عبرت نہیں، قیامت کے دن کے احوال سنتے ہیں، اس کی ہولناکیاں سنتے ہیں، وہاں کا حساب و کتاب، حقوق کا دلایا جانا، لوگوں کا مارے مارے پھرنا وغیرہ، مگر پھر بھی ہم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے، میدانِ حشر کی ہولناکی کا تذکرہ قرآنِ کریم میں جا بجا ہے۔

ایک نیکی کوئی نہیں دے گا

[حدیث:۷۳] ”اِنَّهٗ یُؤْتٰی بِرَجُلٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَمَا یَجِدُ لَهٗ حَسَنَةً تُرَجِّحُ مِیْزَانَهٗ وَقَدِ اعْتَدَلَتْ بِالسَّوِیَّةِ، فَیَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰی لَهٗ رَحْمَةً مِّنْهُ: اِذْهَبْ فِی النَّاسِ فَالْتَمِسْ مَنْ یُّعْطِیْکَ حَسَنَةً اُدْخِلُکَ بِهَا الْجَنَّةَ! فَیَسِیْرُ یَجُوْسُ خِلَالَ الْعَالَمِیْنَ، فَمَا یَجِدُ اَحَدًا یُّکَلِّمُهٗ فِیْ ذٰلِکَ الْاَمْرِ اِلَّا یَقُوْلُ لَهٗ: خِفْتُ اَنْ یَخِفَّ مِیْزَانِیْ، فَاَنَا اَحْوَجُ مِنْکَ اِلَیْهَا! فَیَیْأَسُ فَیَقُوْلُ لَهٗ رَجُلٌ: مَا الَّذِیْ تَطْلُبُ؟ فَیَقُوْلُ: حَسَنَةً وَّاحِدَةً! فَلَقَدْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ مِنْهَا اُلُوْفٌ فَبَخِلُوْا عَلَیَّ، فَیَقُوْلُ

لَهُ الرَّجُلُ: لَقَدْ لَقِيْتُ اللّٰهَ تَعَالٰی فَمَا وَجَدْتُّ فِیْ صَحِيْفَتِیْ اِلَّا حَسَنَةً وَّاحِدَةً وَمَا اَضُنُّهَا تُغْنِیْ عَنِّیْ شَيْئًا خُذْهَا هِبَةً مِّنِّیْ اِلَيْکَ۔ فَيَنْطَلِقُ فَرِحًا مَسْرُوْرًا، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُ: مَا بَالُکَ؟ وَهُوَ اَعْلَمُ، فَيَقُوْلُ: رَبِّ اتفق مِنْ اَمْرِیْ کَيْتَ وَکَيْتَ، ثُمَّ يُنَادِیْ سُبْحَانَهُ بِصَاحِبِهِ الَّذِیْ وَهَبَهُ الْحَسَنَةَ فَيَقُوْلُ لَهُ سُبْحَانَهُ: کَرَمِیْ اَوْسَعُ مِنْ کَرَمِکَ، خُذْ بِيَدِ اَخِيْکَ وَانْطَلِقَا اِلَی الْجَنَّةِ۔" (التذکرہ فی احوال الموتیٰ وامور الاٰخرۃ، علّامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ص:۳۷۱، رسائل غزالی تحت الدرۃ الفاخرۃ فی کشف علوم الآخرۃ، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، ص:۱۳۶، ۱۳۷)

ترجمہ: ’’قیامت کے دن ایک ایسے آدمی کو لایا جائے گا جس کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں گی، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اُسے فرمائیں گے: جاؤ! کسی سے ایک نیکی مانگ لاؤ تاکہ تیری نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوجائے اور تجھے جنّت میں داخل کردیں۔ وہ میدانِ حشر میں نیکی کی تلاش میں چکر لگائے گا، اور ہر ایک سے ایک نیکی کا سوال کرے گا، مگر اس سلسلہ میں اس سے کوئی بات نہیں کرے گا، ہر ایک کو یہ خوف دامن گیر ہوگا کہ کہیں میری نیکیوں کا پلڑا ہلکا نہ ہوجائے اور مجھے ایک نیکی کی ضرورت نہ پڑ جائے، یوں ہر ایک اپنی ضرورت اور احتیاج کے پیشِ نظر اسے ایک نیکی دینے سے انکار کردے گا، وہ مایوس ہوجائے گا کہ اتنے میں اس کی ایک آدمی سے ملاقات ہوگی، جو اُسے کہے گا: کیا تلاش کررہے ہو؟ یہ کہے گا کہ: ایک نیکی تلاش کررہا ہوں! پورے خاندان اور قوم سے ملا ہوں، ہزاروں نیکیاں رکھنے کے باوجود کوئی ایک نیکی دینے کا روادار نہیں، سب نے ایک نیکی دینے سے بخل کا مظاہرہ کیا ہے، وہ شخص اسے کہے گا کہ: میرے نامہ اعمال میں صرف ایک ہی نیکی ہے، اور مجھے یقین ہے کہ ایک نیکی مجھے کوئی نفع نہیں دے گی، لہٰذا یہ نیکی آپ میری طرف سے بطور ہبہ قبول کیجئے! وہ شخص ایک نیکی لے کر خوش وخرم بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوگا، تو اللہ تعالیٰ باوجود عالم الغیب ہونے کے اس سے پوچھیں گے: کہاں سے لائے؟ وہ اپنا پورا قصہ کہہ سنائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس ایک نیکی والے کو بلاکر فرمائیں گے: میرا کرم واحسان تیری سخاوت سے وسیع تر ہے! اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور دونوں جنّت میں جاؤ۔ یوں وہ دونوں جنّت میں چلے جائیں گے۔‘‘

تشریح: یعنی ایک آدمی کا نامۂ اعمال تولا جائے گا، نیکیاں اور بدیاں برابر ہوجائیں گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کہیں سے ایک نیکی لے آؤ تو تمہارے لئے جنّت کا فیصلہ ہوجائے گا!

چاہئے تو یہ تھا کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے کہتا کہ: ایک نیکی کس سے مانگوں؟ آپ ہی سے کیوں نہ مانگ لوں، کہاں مارا مارا پھروں گا؟ آپ احکم الحاکمین ہیں، ایک نیکی انعام کے طور پر اپنے پاس سے عطا کر دیجئے، میرا بیڑا پار ہو جائے گا! لیکن شاید اس سے مجاہدہ کرانا ہوگا جو اس نے دنیا میں نہیں کیا، اب آخرت کی ہولناک تپش میں وہ مارا مارا پھرے گا، بھائی کے پاس جائے گا، بھائی نہیں مانے گا، وہ کہے گا کہ: میرا تو کوئی بھائی نہیں تھا! ماں کے پاس جائے گا تو وہ کہے گی کہ: میں نے تو نکاح ہی نہیں کیا! میری اولاد کہاں سے آ گئی؟ بیوی کے پاس جائے گا تو وہ کہے گی کہ: تو کون ہوتا ہے؟ میں نے تو کبھی شوہر نہیں کیا تھا! اولاد کے پاس جائے گا وہ بھی نہیں مانے گی، کہنے لگے گی کہ: ہم تو بغیر باپ کے ہی پیدا ہوئے تھے! اس نے سارے دروازے کھٹکھٹا کے دیکھ لئے، ساری جگہ پھر کے دیکھ لیا، سب سے مل کر دیکھ لیا، تمام عزیزوں نے صاف صاف جواب دے دیا، سب لوگ ایک نیکی تک نہیں دے رہے۔ بالآخر وہ پریشان حال چلتے چلتے ایک آدمی کے پاس سے گزرے گا، وہ کہے گا کہ: کیا قصہ ہے کہ بہت پریشان نظر آتے ہو؟ وہ اپنا ماجرا بتائے گا کہ جنّت میں جانے کے لئے ایک نیکی کی ضرورت ہے، وہ کہے گا کہ: بھائی! ہمارے نامۂ اعمال میں تو ہے ہی ایک نیکی، باقی سب بدیاں ہی بدیاں ہیں، جب تمہیں ایک نیکی نہ ہونے کی وجہ سے جنّت میں جانے کی اجازت نہیں مل رہی تو ہمارے لئے تو ظاہر ہے کہ جہنّم واجب ہے! ان بدیوں کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ اتنی ساری نیکیاں کہاں سے لائیں گے؟ چلو بھائی! ایک نیکی تم لے جاؤ! تمہارا تو کام بن جائے، ہمارے لئے تو پہلے بھی دوزخ میں جانا تھا، اب بھی دوزخ میں جانا ہے، اس سے زیادہ اور کیا ہوگا؟ ایک نیکی دے کر بھی ہمارا کیا نقصان ہوگا؟ لے جاؤ یہ نیکی تم اپنا کام چلاؤ! اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہی ہے، وہ نیکی لے کر جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: کس نے دی ہے؟ تمہارے ابا نے؟ کہے گا: نہیں! اماں نے؟ کہنے لگے گا کہ: نہیں! بیوی نے؟ کہے گا کہ: نہیں! اولاد نے؟ کہے گا کہ: نہیں! آخر کس نے دی؟ کہے گا کہ: ایک آدمی ملا تھا، اس غریب کے پاس ایک ہی نیکی تھی، اس نے کہا: یہ نیکی تم لے جاؤ! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اس کو جنّت میں پہلے بھیجو! وہ آگے ہوگا اور یہ اس کے پیچھے ہوگا۔

میّت پر رونا اس کے عذاب کا سبب بن جاتا ہے

[حدیث:۷۴] ”عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَنْ نِیحَ عَلَیْہِ یُعَذَّبُ بِمَا نِیحَ عَلَیْہِ۔“ (صحیح بخاری: کتاب الجنائز، بَاب مَا یُکْرَہُ مِنَ النِّیَاحَۃِ عَلَی الْمَیِّتِ، حدیث:۱۲۰۹)

ترجمہ: ”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس مردے پر نوحہ کیا گیا، اس پر عذاب ہوتا ہے نوحے کے سبب سے۔“

تشریح: یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور نوحہ کے متعلق ہے، میّت پر نوحہ کرنا یعنی چہرہ پیٹنا، بال نوچنا، گریبان پھاڑنا، اُونچی اُونچی آواز سے بیان کرکے رونا، جیسے عورتیں زور زور سے کہتی ہیں: فلانے تو ایسا تھا، تو ایسا تھا، اس کو بین اور نوحہ کہتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ جس مردے پر نوحہ کیا جائے تو اس نوحے کی وجہ سے اس کو عذاب ہوتا ہے۔ اس حدیث پر یہ اِشکال ہوتا ہے کہ دُوسروں کے عمل سے میّت کو کیوں عذاب ہوتا ہے؟ یہ نوحہ تو پیچھے والوں کا عمل ہوتا ہے، اسی بنا پر حضرت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ: عمر اور اس کے بیٹے کو وہم ہوا ہے کہ وہ روایت نقل کرتے ہیں کہ میّت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یہ حدیث نقل کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ جل شانہٗ تو ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (فاطر:۱۸) کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دُوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا، یعنی ایک کا بوجھ دُوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا، روتے اور نوحہ کرتے ہیں گھر والے، تو میّت کو کیوں پکڑا جائے گا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: اصل میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی: ایک شخص کا انتقال ہوگیا تھا، (بے ایمان ہوگا) اس کے گھر والے رونے لگے، تو اس پر فرمایا: یہ لوگ رو رہے ہیں اس پر، اور اس کو عذاب ہو رہا ہے۔ یہ اس پر رو رہے ہیں اور اس کو عذاب ہو رہا ہے، اس سے انہوں نے یہ سمجھا ہے اس رونے کی وجہ سے اس کو عذاب ہو رہا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث پر یہ اشکال کرتی تھیں۔ لیکن صحیح حدیث ہے بخاری و مسلم میں، علماء نے اس کی متعدد تاویلیں کی ہیں، جن میں سے دو زیادہ راجح ہیں، ایک یہ کہ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں اس نوحے پر فخر کیا کرتے تھے جتنا جس پر ماتم کیا گیا اور جتنا نوحہ کیا گیا وہ اتنا ہی بڑا آدمی سمجھا جاتا، اس لئے جاہلیت کے زمانے میں لوگ وصیت کرکے جاتے تھے فلانے کی اماں میرے اُوپر نوحہ کرنا، تو یہ ہر ایک کے بارے میں نہیں بلکہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو نوحہ کا حکم کرکے گیا ہو، یا ان کے نوحے پر خوش ہو، یا یہ کہ اس کے زمانے میں اس کے سامنے نوحہ کیا جاتا تھا، لیکن وہ ان کو منع نہیں کرکے گیا، اس کو چاہئے تھا کہ منع کرکے جاتا، میرے اُوپر ایسے نہ رونا خبردار! میرے اُوپر ایسا کام نہ کرنا، ناجائز نوحے کو منع کرکے جاتا، تو اس نے منع نہیں کیا، اس پر خوش ہوا بلکہ اس کا حکم دے کر گیا، لہٰذا اس کو جو عذاب ہوگا نوحہ کرنے والوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے اپنے عمل کی وجہ سے۔

دُوسرا مطلب حدیث کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی بحیثیت مجرم کے پکڑا گیا ہے، حاکم کے پاس بیٹھا ہے، ایک آدمی آتا ہے اس کو پتا نہیں کہ یہ مجرم کی حیثیت سے پکڑا گیا ہے، وہ آکر اس کی تعریف کرتا ہے کہ یہ بہت اچھا آدمی ہے، حالانکہ حاکم نے اس کو جرم کرتے ہوئے پکڑا، تو تم بتاؤ یہ مجرم اس تعریف سے خوش ہوگا یا شرمندہ ہوگا؟ حاکم نے اس کو جرم کرتے اور چوری کرتے ہوئے خود پکڑا اور وہ کہتا ہے اس نے کبھی کسی

کے مال کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا، جھوٹی تعریف کرتا ہے تو مردہ تو پکڑا ہوا ہے اور اس کے سارے عمل مالک کو معلوم ہیں، اس کی نظروں کے سامنے ہیں، جو جو کچھ اس نے کیا ہے اس کو معلوم ہے، وہ گرفتار ہے اور یہ پیچھے والے اس کی تعریف کر رہے ہیں، ہائے تو ایسا تھا! ہائے تو ویسا تھا! اس کو کتنی رُوحانی اذیت اور شرمندگی ہوتی ہوگی کہ میں پکڑا ہوا ہوں یہ میری تعریفیں کر رہے ہیں، کچھ چھڑانے کی تدبیر کرو، تعریف کرنے کا کیا فائدہ ہوگا؟ یہ ہے وہ عذاب جس میں وہ مرنے والا نوحے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب میّت والے اس کی تعریفیں کرتے ہوئے آسمان وزمین کے قلابے ملاتے ہیں تو فرشتہ اس کو چوکے مار کر کہتا ہے: ''أھکذا کنت؟'' (ترمذی، کنز العمال: ۴۲۴۳) کیا تو ایسا ہی تھا؟ ظاہر بات ہے کہ اس بات سے میّت کو ایذا ہوتی ہوگی، اس وجہ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے کہ نوحہ کرنے کی وجہ سے میّت کو تکلیف ہوتی ہے، عذاب ہوتا ہے، عورتوں کو منع کرنا چاہئے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے: ''النِّیَاحَةُ مِنْ أَمْرِ الْجَاھِلِیَّةِ'' (سنن ابن ماجہ) نوحہ کرنا جاہلیت کا دستور ہے، اسلام کا طریقہ نہیں۔

مُردہ جوتوں کی آہٹ سنتا ہے

[حدیث:۷۵] ''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا انْصَرَفُوا۔''

(صحیح مسلم: کتاب الجنة، بَاب عَرْضِ مَقْعَدِ الْمَيِّتِ، حدیث: ۵۱۱۶)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک مردہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو جوتوں کی آہٹ سنتا ہے جب لوگ اس کو دفن کر کے واپس لوٹتے ہیں۔''

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ: میّت کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور دفن کرنے والے دفن کر کے لوٹتے ہیں تو وہ ان کے قدموں کی چاپ سنتا ہے، ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہے، بلکہ اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب باندھا ہے: ''باب ان المیّت یسمع قرع نعالھم'' یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ میّت کو جب دفن کر دیا جاتا ہے تو ایک خاص نوعیت کی رُوح کا تعلق اس کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے، رُوح کا تعلق کیسا ہوتا ہے؟ اس کی تشریح ہمارے لئے ممکن نہیں، لیکن اتنا ہے کہ رُوح کا تعلق میّت کے بدن کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ لوٹنے والوں کے قدموں کی چاپ سنتا ہے۔

''الفقه الأکبر'' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے، اور اس کی بہت سے لوگوں نے شروحات لکھی ہیں، اور اس کی ایک شرح مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھی ہے، اس میں حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''وعذاب القبر وسؤال منکر ونکیر واعادۃ الرُّوح الی المیّت حق۔''

ترجمہ: ''قبر کا عذاب، منکر نکیر کا سوال وجواب کرنا اور رُوح کا میّت کی طرف لوٹایا جانا، یہ سب برحق ہے۔''

لیکن اب کچھ لوگ اس کا انکار کرنے لگے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ وہ عذاب رُوح کو ہوتا ہوگا، اس گڑھے میں تھوڑی ہوتا ہے، اس گڑھے کا نام قبر نہیں ہے، غرضیکہ جس حُفرے میں، جس گڑھے میں ہم میّت کو رکھ کر آتے ہیں اس کا عذاب وثواب سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے اس پر ایک رسالہ لکھنا شروع کیا تھا، مگر وہ بیچ ہی میں رہ گیا، تقریباً گیارہ قسطیں اس کی ''بینات'' میں آئی تھیں اور بات درمیان میں ہی رہ گئی، پھر دُوسرے کاموں میں لگ گیا (یہ رسالہ آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ''عقیدہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے تحت آچکا ہے) میں نے بتایا تھا کہ اسی گڑھے میں عذاب ہوتا ہے اور میّت کے بدن کو عذاب ہوتا ہے، تمام احادیث کو میں نے اس میں جمع کردیا تھا اور اس گڑھے میں میّت کو عذاب کیا جانا متواتر احادیث سے ثابت ہے اور یہ پوری اُمّت کا اجماعی عقیدہ ہے، اب جو بات لوگوں کی عقل میں نہیں آتی اس کا انکار کردیتے ہیں، اس کا کیا علاج ہے؟

بہرکیف صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ ارشاد موجود ہے کہ جب میّت کو دفن کرکے واپس جاتے ہیں تو وہ مردہ ان کے قدموں کی آہٹ سنتا ہے۔ اور سلف وصیت کیا کرتے تھے کہ مجھے دفن کرنے کے بعد وہاں قبر پر تھوڑی دیر ٹھہرنا، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور دُوسرے اکابر نے وصیت کی تھی اور حکم بھی ہے شریعت کا کہ دفن کرکے فوراً نہ بھاگ آؤ بلکہ میّت کے واسطے دُعا اور استغفار کرو، حدیث شریف میں آتا ہے: ''سلوا له بالتثبیت فانه الآن یسأل'' اللہ تعالیٰ سے میّت کے لئے ثابت قدمی کی دُعا کرو، کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جارہا ہے (مشکوٰۃ، ابوداؤد)۔

توحضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد ایسا ایسا کرنا اور جب میرے دفن سے فارغ ہوجاؤ، تو کچھ دیر کہ جتنی دیر میں اُونٹ ذبح کرکے گوشت تقسیم کیا جاتا ہے، اتنی دیر تم میری قبر پر ٹھہرنا، ''حتی استأنس بکم، وانظر ماذا أراجع رسل ربی'' تاکہ میں تمہارے موجود ہونے سے اُنس حاصل کروں کہ بندے ابھی کھڑے ہیں، میں تنہا نہیں ہوں، اور میں دیکھوں کہ میں اپنے رب کے قاصدوں کو کیا جواب دیتا ہوں؟

میّت کی آنکھ بند کر دی جائے

[حدیث:۷۶] ”عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا إِنَّ الرُّوحَ إِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ۔“ (صحیح مسلم: کتاب الجنائز، بَاب فِي إِغْمَاضِ الْمَيِّتِ، حدیث: ۱۵۲۸)

ترجمہ: ”حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب رُوح قبض ہوجاتی ہے تو نظر اس کے پیچھے جاتی ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ذکر کیا گیا ہے اور اس قصے میں آنحضرت ﷺ کا ایک جملہ ذکر کیا گیا ہے، وہ قصہ یہ تھا کہ اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے، آنحضرت ﷺ بیمار پُرسی کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا اور آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے آنکھیں بند کیں اور اس موقع پر فرمایا: جب رُوح قبض ہوجاتی ہے تو نگاہ اس کے پیچھے جاتی ہے، اور اس کو دیکھتی رہتی ہے اس لئے نگاہ کھلی رہ جاتی ہے، میّت کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں، اس لئے حکم ہے کہ ان کو بند کر دیا جائے اور جو آنکھیں بند کرنے والا ہو اس کو چاہئے کہ کہے: ”بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ“ یعنی اللہ کے نام سے بند کرتے ہیں اور رسول اللہ کی ملت پر بند کرتے ہیں۔

رُوح کی حقیقت و کیفیت:

یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ جب رُوح بدن سے نکلتی ہے، اگر نیک رُوح ہو تو اس کو جنّت کے کفن میں لپیٹا جاتا ہے، ریشمی کفن جنّت سے آتا ہے اس کے لئے، اور بتا نہیں سکتے کہ اس کی کیفیت کیا ہوتی ہے، اتنا حسین کفن اور اتنا خوشبودار کہ سبحان اللہ! میں نے مثال دی تھی کہ شیشہ لگا ہوا ہو تو ادھر آواز نہیں آتی، معاملہ برزخ کا ہے ناں! اس لئے وہاں کی خوشبو یہاں نہیں آتی، لیکن کبھی کبھی پھیل بھی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کبھی سوراخ کر دیتے ہیں تاکہ تم بھی ذائقہ چکھ لو، بہت سے حضرات کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہے کہ جب ان کی رُوح قبض ہوئی تو خوشبو پھیل گئی۔ اور خدانخواستہ بُری رُوح ہو تو اس کے لئے جہنّم کا کفن آتا ہے، نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! اللہ کی پناہ! نیک آدمی کی رُوح کو رحمت کے فرشتے فوراً اُچک لیتے ہیں، پھر فوراً اس کو کفن میں لپیٹ لیتے ہیں اور سیدھا آسمانوں سے اُوپر لے جاتے ہیں اور یہ رُوح جا کر عرشِ الٰہی کے نیچے سجدہ کرتی ہے:

صد شکر کہ مفردیم ورسیدیم بدوست
مرحبا صد آفریں بریں چستی وچالاکی ما

حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم مرے نہیں، بلکہ دوست تک پہنچ گئے، کیا کیفیت ہوگی اس رُوح کی جس کو بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کرنے کی اجازت دی گئی ہو! اللہ نصیب فرمائے۔

بارگاہِ الٰہی میں غائبانہ سجدے کیا کرتے تھے آج رُوح کو حاضری کا موقع ملا ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ کی زیارت کا موقع ملا ہے کیا حالت ہوتی ہوگی اس کی اور وہ کہتی ہوگی:

نکل جائے دَم تیرے قدموں کے نیچے
یہی میری حسرت، یہی آرزو ہے!

رُوح سجدہ کرتی ہے تو حکم ہوتا ہے میرے بندے کو لے جاؤ علّیّین میں اس کو ٹھکانا دو، درمیان میں بہت تفصیلات بیان فرمائی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور اگر بُرے آدمی کی رُوح ہوتی ہے تو اس کو آسمان پر نہیں چڑھنے دیا جاتا، وہیں سے حکم ہوتا ہے کہ اس کو سجین میں پٹخ دو، سجین ایک قید خانہ ہے، سجین قید خانہ کو کہتے ہیں۔

اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ رُوح کیا چیز ہے؟ اس کی کیفیت معلوم نہیں:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (الاسراء)

ترجمہ: ”لوگ پوچھتے ہیں کہ رُوح کیا چیز ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اَمرِ ربی ہے، اور نہیں دیا گیا تم کو علم مگر بہت تھوڑا۔“

اتنا علم تمہارے پاس نہیں ہے کہ تم رُوح کی حقیقت معلوم کرسکو۔ چوتھی جماعت کا چھوٹا طالبِ علم الجبرا کے مسائل حل نہیں کرسکتا، اقلیدس کی مشکل شکلوں کو سمجھ نہیں سکتا، کچھ مسائل ایسے بھی ہیں کہ تم نہیں سمجھ سکتے، اس لئے کہا گیا کہ تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

بہرحال اس حدیث میں جو کہا گیا کہ جب رُوح نکلتی ہے تو نظر اس کے پیچھے جاتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوح بھی ایک جوہر ہے نورانی۔

میرے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: میں نے اپنی رُوح کو دیکھا ہے، مجھے زیارت کروائی گئی ہے۔ بس یوں کہہ دیجئے کہ اس وقت آپ کا جو نقشہ ہے، آپ قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہوں تو اس کی تصویر اور عکس آجاتا ہے، یوں کہئے کہ وہ آپ کی رُوح ہے یعنی مجرد رُوح کے ذریعے پورا عکس بن جاتا ہے، بس اس میں مادی تن ہے اور جسمانیت نہیں ہے، اب یہ کیسے بن جاتا ہے اسی کو فرمایا کہ: تم کو اس کا بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ یہ فرشتے بھی تو بغیر جسم کے چل رہے ہیں، یہ جنات بھی تو ہوا میں اُڑ رہے ہیں، تو یہ معلوم ہوا کہ رُوح کو لے جایا جاتا ہے لپیٹ کر، یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ بدن اور رُوح دونوں کا آپس میں تعلق جڑ جانا زندگی ہے، اور دونوں کے تعلق کو قطع کردینا یہ بدن اور رُوح کی موت ہے، اس لئے رُوح کو بھی لپیٹنے کی ضرورت پیش آئی ہے، ورنہ اس کے تمام افعال موجود ہیں جو برزخ کے مناسب ہیں چنانچہ اس رُوح کے ذریعے سے مردہ نہلانے والے کو جانتا ہے کہ یہ کون نہلا رہا ہے مجھے؟ ملاقات کرنے والوں کو دیکھتا ہے لیکن یہ

رُوح کے تصرفات ہوتے ہیں جسم کے نہیں، یہاں کچھ اور باتیں بھی ہیں لیکن وہ ہماری عقل سے ذرا اُوپر ہوجائیں گی۔

جسم سے رُوح نکل جانے کے بعد کا مرحلہ

[حدیث:۷۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: إِذَا خَرَجَتْ رُوحُ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ يُصْعِدَانِهَا قَالَ حَمَّادٌ: فَذَكَرَ مِنْ طِيبِ رِيحِهَا وَذَكَرَ الْمِسْكَ، قَالَ: وَيَقُولُ أَهْلُ السَّمَاءِ: رُوحٌ طَيِّبَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلَى جَسَدٍ كُنْتِ تَعْمُرِينَهُ، فَيُنْطَلَقُ بِهِ إِلٰى رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ يَقُولُ: انْطَلِقُوا بِهِ إِلٰى آخِرِ الْأَجَلِ، قَالَ: وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا خَرَجَتْ رُوحُهُ قَالَ حَمَّادٌ وَذَكَرَ مِنْ نَتْنِهَا وَذَكَرَ لَعْنًا، وَيَقُولُ أَهْلُ السَّمَاءِ: رُوحٌ خَبِيثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ، قَالَ: فَيُقَالُ: انْطَلِقُوا بِهِ إِلٰى آخِرِ الْأَجَلِ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَرَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَيْطَةً كَانَتْ عَلَيْهِ عَلٰى أَنْفِهِ هٰكَذَا۔“ (صحیح مسلم ج:۱۴، ص:۳۰۵، حدیث نمبر:۵۱۱۹، بَابُ عَرْضِ مَقْعَدِ الْمَيِّتِ مِنَ الْجَنَّةِ أَوِ النَّارِ عَلَيْهِ وَإِثْبَاتِ.....)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مؤمن آدمی کی رُوح نکل جاتی ہے تو دو فرشتے اس کو لے لیتے ہیں اور لے کر اس کو چڑھتے ہیں، حماد نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خوشبو کو ذِکر کیا اور کستوری کا تذکرہ کیا اور آسمان والے کہتے ہیں پاک رُوح آئی ہے آسمان کی جانب سے اور پھر اس کے لئے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ کی تجھ پر رحمتیں ہوں اور جس جسم کو تو آباد کرتی تھی اس پر بھی، بس اس کو لے جایا جاتا ہے اس کے رَبّ کے پاس پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کو اس کے ٹھکانے پر لے جاؤ، میعاد کے آخر تک یعنی حشر تک اور ارشاد فرمایا کہ: کافر کی روح جب نکلتی ہے، حماد نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بدبو اور اس کی لعنت کو ذکر فرمایا ہے، تو آسمان والے فرشتے کہتے ہیں کہ خبیث رُوح ہے جو زمین کی جانب سے آئی ہے، پس اس کو کہا جاتا ہے کہ اس کو لے جاؤ اس کے ٹھکانے پر میعاد کے آخر تک یعنی حشر تک، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپڑا تھا اس کو اپنے ناک پر رکھ لیا کافر کا تذکرہ کرتے ہوئے اس طرح (ناک بند کرلی)۔“

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے مرجانے کے بعد اس کا نقشہ بتایا ہے کہ

عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آتے ہیں اور مؤمن آدمی کی رُوح قبض کرتے ہیں، اس کی بھی کیفیت آتی ہے اس حدیث میں ذکر نہیں کی گئی اور اس کے سرہانے بیٹھ کر کے نہایت ہی پیار اور شفقت سے فرماتے ہیں اے ایمان والی رُوح! چل اپنے رَبّ کی طرف وہ تجھے بلاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس بات کو سن کر رُوح نکلنے کے لئے اتنی بے تاب ہوجاتی ہے جیسا کہ پنجرے میں پرندہ ہوتا ہے کہ کسی وقت اس کی کھڑکی کھلے دروازہ کھلے اور فٹ سے اُڑ جاؤں، تو اس طرح شفقت اور محبّت کے ساتھ اس کی رُوح کو قبض کرتا ہے، اور پاؤں کی طرف سے رُوح نکلنا شروع ہوتی ہے اور آخر تک آجاتی ہے، اور اس وقت تک آدمی کے ہوش وحواس ختم ہوجاتے ہیں اور بالآخر جب رُوح نکالی جاتی ہے تو اس کے بعد کا قصہ اس حدیث میں ذکر فرمایا ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت آتی ہے اس کو لینے کے لئے، اور دو فرشتے اس کو خصوصیت کے ساتھ حضرت عزرائیل سے لینے پر مقرر ہیں، جوں ہی وہ رُوح کو قبض کرتے ہیں یہ فوراً اس سے لے لیتے ہیں اس کو اور جنّت سے کفن لے کے آتے ہیں رُوح کے لئے، تم دھڑ کو تو کپڑے میں لپیٹ کر کے دفن کر دیتے ہو لیکن رُوح کے لئے جنّت سے کفن آتا ہے، اور وہ لے کر کے اُوپر کو جاتے ہیں، چڑھتے ہیں۔

حماد کہتے ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اس کی خوشبو کا تذکرہ فرمایا اور کستوری کا تذکرہ فرمایا، وہ لے کر کے چڑھتے ہیں تو خوشبوئیں پھوٹتی ہیں اس سے اور چاروں طرف پھیل جاتی ہیں، جہاں جہاں سے وہ گزرتی ہے فضائیں معطر ہوجاتی ہیں، جنّت کا کفن اور ایمان والی روح سبحان اللہ! یہاں تک کہ آسمان پر لے جاتے ہیں، دروازہ کھل جاتا ہے اس کے لئے، خوشبو کو محسوس کر کے آسمان والے فرشتے کہتے ہیں طَيِّبَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ پاکیزہ روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے اور پھر اس سے کہتے ہیں: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمتیں فرمائے وَعَلٰى جَسَدٍ كُنْتِ تَعْمُرِيْنَهٗ اور جسم پر بھی اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جس کو تم آباد کئے ہوئے تھے۔

پہلے آسمان میں داخل ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ دوسرے تیسرے چوتھے آخر تک اس کو لے جاتے ہیں، یہاں تو نہیں ذکر کیا مجھے یاد پڑتا ہے کہ روح عرش الٰہی کو سجدہ کرتی ہے اور پھر حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں تو صرف اتنا آیا ہے اس کو آخر تک لے جاؤ یعنی اپنے ٹھکانے تک وہاں تک لے جاؤ اور دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرشتوں سے میرے بندے کے لئے جنّت کا فرش (یعنی بستر) بناؤ، اس کا اکرام کیا جاتا ہے، یہ تذکرہ تھا نیک روح کا جو اللہ تعالیٰ کی مطیع اور فرمانبردار تھی۔

اور اس کے مقابلے میں فاسق اور فاجر اور بدکار کی روح کو جب قبض کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعی عزرائیل بن جاتے ہیں، اتنی ڈراؤنی شکل اور اتنی گرجدار اور کرخت آواز کہ خدا کی پناہ اور اس کو کہتے ہیں کہ ''يَا أَيَّتُهَا الْخَبِيْثَةُ!'' اے بدکار اور خبیث روح ''اُخْرُجِيْ إِلٰى رَبٍّ غَضْبَانٍ''

نکل اپنے رب کی طرف جو تجھ پر نہایت غضبناک ہیں، اب نکلے کون؟ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جسم سے روح سرایت کر جاتی ہے بجھ جاتی ہے جیسے کہ آدمی چھپ جاتا ہے یہ سن کر۔

چنانچہ فرشتے اس کو زبردستی نکالتے ہیں اور گندے بدبودار کپڑے میں لپیٹ کر آسمان پر جاتے ہیں تو آسمان والے اس کو لینے سے انکار کرتے ہیں، وہیں سے حکم ہوتا ہے کہ اس کو سجین میں پٹخ دو، سجین ایک قید خانہ ہے، سجین قید خانہ (لاک اپ) کو کہتے ہیں۔ تو قیامت تک کے لئے اس کو قید خانہ میں قید کر دیا جاتا ہے۔ اللھم اعاذنا اللہ منہ۔

مُردوں کو بُرا نہ کہو

[حدیث:۷۸] ”عَنْ عَائِشَةَ..... لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلٰى مَا قَدَّمُوا۔“ (صحیح بخاری ج: ۵، ص: ۱۹۶، حدیث نمبر: ۱۳۰۶، بَاب مَا يُنْهٰى مِنْ سَبِّ الْأَمْوَاتِ)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: برا بھلا نہ کہو مُردوں کو اس لئے کہ وہ لوگ پہنچ چکے ہیں اپنے کئے کی طرف۔“

تشریح: آج سے تقریباً ۴۵ سال پہلے جب میں نے بخاری شریف پڑھی اور اس میں یہ حدیث آئی تو میں نے حضرت اُستاذ صاحب سے پوچھا کہ: کیا کسی کافر مُردے کو بھی بُرا نہیں کہہ سکتے؟ تو حضرت نے فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ مطالعہ نہیں کیا، کیونکہ آگے باب تھا باب شرار الموتی بُرے مُردوں کا بیان، معلوم ہوا کہ بُرے مُردوں کو بُرا کہنا صحیح ہے؟ تو میرے سوال کا جواب تو خود موجود تھا، وہاں موجود تھا۔

شرح اس کی یہ ہے کہ مسلمان مُردہ ہو اس کو تو بُرا کہنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ غیبت ہی ہوگی اور اسی بناء پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: زبان ایسی چیز ہے کہ یہ زندوں پر بھی چلتی ہے اور مُردوں پر بھی چلتی ہے، اب ایک آدمی مر چکا ہے بلاوجہ اس کا تذکرہ کرنے کا کیا فائدہ؟ اِلّا یہ کہ بدعتی ہو اور لوگ اس کی بدعتوں پر عمل کرتے ہوں تو پھر اس کا تذکرہ کرنا ناگزیر ہے اور یہ بات شرار الموتی بُرے مُردوں میں آجائے گی، ویسے کوئی عام گنہگار آدمی ہے تو بس اللہ معاف کرے اس کا تذکرہ نہ کرو۔

باقی رہا کافر اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک عام کافر ہے جو کفر پر مرا ہے اور ایک ایسا کافر ہے کہ لوگ اس کی اقتداء کرتے ہیں غلام احمد قادیانی کی طرح، تو ایسے بدبخت کا تذکرہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے بُرائی کے ساتھ، چنانچہ مرزا غلام احمد کو مرے ہوئے ۹۰ سال ہو گئے، پورے نوّے سال، ۱۳۲۶ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے اور اب ۱۴۱۶ھ ہے، لیکن لعنت ابھی تک اس کے پیچھے سے نہیں گئی، قرآن نے کہا:

﴿وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ (ہود:٦٠) کہ دُنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت اور قیامت میں بھی ان کے پیچھے لعنت ہوگی، یہ اسی قسم کے لوگ ہیں اور لعنت بھی مزے کی بات یہ ہے کہ کوئی دوسرا کرتا ہے تو الگ بات ہے، لیکن غلام احمد نے خود اپنے اوپر لعنت کی ہوئی ہے اور وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی، تو ایک تو کافر وہ ہے جس کی دعوت چل رہی ہے لوگوں کو اس کے نام پر گمراہ کیا جاتا ہے، اس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے، حضرات محدثین راویان حدیث پر جرح کرتے ہیں، کبھی اس کو کہتے ہیں دجال ہے، کذّاب ہے، کبھی سخت لفظ استعمال کرتے ہیں، کبھی نرم لفظ، وہ بھی اسی قبیل سے ہے، ان حضرات نے حدیث کے راوی کو جیسا پایا ویسا اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر دیا اور یہ مقصد تھا رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی حفاظت کا۔

تو ان کافروں کو بُرا کہنا یا ان مسلمانوں کو بُرا کہنا تو کسی مصلحت شرعی کی بناء پر ہوا تھا کہ: اُمّت کو فتنے سے بچایا جائے اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ ان کا باپ بہت بُرا تھا لیکن بیٹا بہت نیک ہے، بُرے باپ کا اچھا بیٹا، کبھی ایسا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی شان تو ﴿یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ﴾ (الروم:١٩) ہے، مردے سے زندے کو نکالتا ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو دنیا کا مشہور ترین جرنیل اور مسلمانوں کا محبوب ترین جرنیل ہے اس کا باپ اتنا بدترین کافر تھا کہ خدا کی پناہ! اور قرآن کی آیتیں اس کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، تو اب فرمائیے کہ اس مسلمان بیٹے کے سامنے اس کے بُرے باپ کا جب تذکرہ کیا جائے گا تو اس کو ایذاء پہنچے گی یا نہیں؟ یہ حدیث شریف لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ ایسے لوگوں کے بارے میں ہے، ابوجہل تو ابوجہل تھا لیکن اس کا بیٹا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سبحان اللہ! اسلام کا جرنیل ہوا ہے۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا: لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ لَا تُؤْذُوا الْأَحْیَاءَ مُردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ دیا کرو، وہ دور ختم ہو گیا جس میں یہ موذی ایذائیں پہنچاتے تھے اب ان کے لڑکے اسلام کے خادم اور جانثار ہیں، اب اگر تم ان کے باپوں کو ان کے سامنے بُرا کہو گے تو ان کو ایذاء ہی ہوگی اس سے منع کر دیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ بغیر کسی مصلحت شرعیہ کے کسی کافر اور کسی مسلمان کو بھی بُرا کہنا جائز نہیں ہے البتہ اگر ایذاء پہنچتی ہو کسی کو تو یہ پھر ناجائز ہو جائے گا اور اگر ایذاء بھی نہیں پہنچتی اور مصلحت شرعیہ بھی کوئی نہیں تو پھر لغو چیز ہوگی، تو تین حالتیں ہو گئیں جبکہ برائی کو کوئی مصلحت شرعی چاہتی ہو پھر تو کرنی چاہیے لازم ہے، دوسرے یہ کہ برائی سے کوئی مصلحت شرعیہ مانع ہے تو اس وقت برائی کے ساتھ یاد کرنا ناجائز اور حرام ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ نہ اِدھر کی مصلحت ہے نہ اُدھر کی مصلحت ہے تو پھر یہ لغو کام ہوگا، لغو کام کیوں کریں تو لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ مردوں کو برا نہ کہو فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلٰی مَا قَدَّمُوا کیونکہ وہ پہنچ چکے ہیں اس چیز کی طرف جو انہوں نے آگے بھیجا، جو انہوں نے بویا تھا وہ کاٹ لیا، ہمارے مسلمان بھائی رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث شریف کی خلاف ورزی کرتے ہیں، دو آدمیوں کی لڑائی ہوتی ہے تو ایک دوسرے کو طعنہ

دیتے ہیں اس کے ماں باپ کا، تیرا باپ ایسا تھا، بھائی لڑائی تو تم اس کے ساتھ کر رہے ہو باپ تو مر گیا ہے ہڈیاں بھی گل گئی ہیں اس کی اب گڑھے مردے کیوں اُکھاڑتے ہو اس کے بُرے باپ کے ساتھ، اس کو عار کیوں دلاتے ہو؟

جنازے کے لئے ادباً کھڑا ہونا چاہئے

[حدیث:۷۹] ”عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ إِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَإِذَا رَأَیْتُمُ الْجَنَازَۃَ فَقُوْمُوْا۔“

(صحیح مسلم: کتاب الجنائز، بَاب الْقِیَامِ لِلْجَنَازَۃِ، حدیث:۱۵۹۳)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: البتہ موت ڈرنے کی چیز ہے، سو جب تم جنازہ دیکھو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ: موت ایک گھبراہٹ اور خوف کی چیز ہے، لہٰذا جب تم جنازے کو دیکھو تو اس کے لئے کھڑے ہو جایا کرو، چاہے غیر مسلم کا ہی جنازہ ہو۔

اس حدیث کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک جنازہ آرہا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے، عرض کیا گیا کہ: یا رسول اللہ! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے، آپ اس کے لئے کھڑے ہو گئے؟ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: موت گھبراہٹ کی ایک شکل ہے، لہٰذا جب تم اس کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، لیکن بعد میں اس حکم کو بدل دیا گیا، منسوخ کر دیا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے جنازے کے لئے کھڑے ہوتے تھے، بعد میں پھر اس کو ترک فرما دیا تھا۔

قبر کے آداب

[حدیث:۸۰] ”عَنْ أَبِیْ مَرْثَدٍ الْغَنَوِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا إِلَیْھَا۔“

(صحیح مسلم: کتاب الجنائز، بَاب النَّھْیِ عَنْ الْجُلُوسِ عَلَی الْقَبْرِ، حدیث:۱۶۱۳)

ترجمہ: ”حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ تو قبروں پر بیٹھا کرو، نہ ان کی طرف نماز پڑھا کرو۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ: نہ تو قبروں پر بیٹھو، نہ ان کی طرف نماز پڑھو، ایک صاحب قبر پر بیٹھے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یا صاحب السبتیین“ انہوں نے صاف رنگے ہوئے جوتے پہنے ہوئے تھے ان کو کہا: ”اے صاف رنگے ہوئے جوتے والے!“ ”لا تؤذی صاحب القبر“

(مسند احمد بن حنبل، کنز العمال، کذا فی النسائی) قبر والے کو ایذا نہ پہنچا، قبروں کو بلا وجہ روندنا، ان کے اُوپر بیٹھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس سے ان کی توہین ہوتی ہے۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ: ”لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ“ (طبرانی، مسند ابوعوانۃ) کنایہ ہے پیشاب پاخانہ کرنے سے، یعنی قبروں پر قضائے حاجت کے لئے نہ بیٹھو، اس سے ان کو بدبو آتی ہے، جیسا کہ قبر پر جاکر قرآنِ کریم پڑھا جائے یا اِستغفار کیا جائے تو اہلِ قبور کو اُنس حاصل ہوتا ہے، اسی طرح وہاں گندی باتیں کی جائیں یا نجاستیں ڈالی جائیں، تو ان کو اس سے ایذا ہوتی ہے، اگربتی نہ جلاؤ، اس کا حکم نہیں ہے، وہاں گلاب چھڑکنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے، ان کو پھول ڈالنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں، تمہارے پھول ڈالنے سے بھی ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، معنوی چیزیں وہاں پہنچتی ہیں (ایصالِ ثواب وغیرہ)، ایذا بھی ہوتی ہے راحت بھی ہوتی ہے۔

اور دوسری بات حدیث شریف میں فرمائی کہ: ان کی طرف نماز نہ پڑھو۔ علماء اس پر متفق ہیں کہ قبر سامنے ہو تو نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں قبروں کی تعظیم پائی جاتی ہے، فتاویٰ عالمگیری میں نقل کیا ہے اور میں نے وہاں سے اپنی کتاب ”اِختلافِ اُمّت اور صراطِ مستقیم“ (ص:۸۴) میں نقل کیا ہے کہ: قبرستان میں جب جاؤ ایصالِ ثواب کرو، اور جب دُعا مانگو تو منہ قبلے کی طرف کرلو اور پشت قبر کی طرف کرلو تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ ہاتھ اُٹھاکر قبر والے سے مانگ رہا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس مطہر ومنور پر سلام پیش کیا جاتا ہے اور سلام پیش کرنے کے بعد جب دُعا کرنی ہوتی ہے تو قبلے کی طرف منہ کرلیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پیچھے رہ جاتی ہے اور منہ قبلے کی طرف ہوجاتا ہے۔ یہ شریعت کے آداب ہیں، تین صفیں بنتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس اور قبلے کی دیوار کے درمیان، بعض اکابر کو وہاں کھڑا ہونے میں بہت اذیت ہوتی ہے، مجھے بھی وہاں مواجہ شریف کے سامنے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا، اِدھر روضہ شریف ہے اُدھر قبلہ شریف ہے، درمیان میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کا موقع ملا، بارہا ایسا ہوا، لیکن طبیعت پر تھوڑی گرانی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہیں اور ہم آگے ہیں، لیکن میں اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لئے ایک تاویل کرلیا کرتا ہوں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب چلتے تھے تو کچھ صحابہ کو آگے کردیتے تھے اور کچھ کو پیچھے رکھتے، درمیان میں خود ہوتے اور صحابہ اس بات سے عار نہیں کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیچھے چل رہے ہیں، اس لئے کہ ایسے ہی چلنے کا حکم ہے، تو میں دل میں سوچ لیتا ہوں کہ آپ نے یہاں سے تشریف لے جانے کے بعد بھی یہی انتظام فرما رکھا ہے کہ کچھ لوگ آگے رہا کرو کچھ لوگ پیچھے رہا کرو، کچھ برابر ہوں کچھ اِدھر کچھ اُدھر ہوں، روضۂ اطہر کے چاروں طرف نماز پڑھی جاتی ہے، روضۂ اطہر مسجد کے عین اندر داخل ہے، تو وہاں چاروں طرف نماز ہوتی ہے، اقدامِ عالیہ کی طرف بھی سرِ مبارک کی طرف بھی جس کو ”ریاض الجنۃ“ کہتے ہیں وہاں تو لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ”مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ

رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ“ (صحیح البخاری، صحیح المسلم، مسند احمد بن حنبل، مشکوٰۃ)، میرے منبر سے لے کر میرے مکان تک درمیان کا جو ٹکڑا ہے یہ جنّت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔

یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنّت کی زمین اُٹھا کر یہاں پیوند لگا دیا، مگر لوگ غلط سمجھتے ہیں کہ اگر ریاض الجنۃ میں نماز پڑھ لی تو جنتی ہو گئے، کچھ بھی نہیں ہوگا، ورنہ کچھ دے کر ہی آؤ گے لے کر نہیں آؤ گے، وہاں بے ادبیاں جو کرتے ہیں، ہاں! ادب رکھو۔ ایک بزرگ فرماتے تھے:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

آسمان کے نیچے ایک ایسی ادب گاہ ہے جو عرش الٰہی سے بھی زیادہ نازک ہے، وہ آنحضرت ﷺ کا روضۂ اطہر ہے، وہاں جنید رحمۃ اللہ علیہ اور بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بھی آتے ہیں تو دم بند کر کے آتے ہیں کہ سانس لینے کی بھی آواز نہ آئے، دم بخود ہو کر آتے ہیں۔

خیر! بات یہاں سے چلی تھی کہ آنحضرت ﷺ کے مواجہ شریف پر صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہیں، آپ ﷺ کی بارگاہ عالی میں عرض معروض کرتے ہیں، لیکن جب اللہ سے مانگنے کا وقت آتا ہے تو منہ قبلے کی طرف کر لیتے ہیں، مواجہ شریف پیچھے رہ جاتا ہے، تاکہ کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ یہ حضور ﷺ سے مانگ رہے ہیں، حضور ﷺ سے نہیں مانگ رہے بلکہ جن سے رسول اللہ ﷺ مانگ رہے ان سے مانگ رہے ہیں، ہاں! ان کے طفیل سے مانگ رہے ہیں، لیکن مانگ رہے ہیں اللہ سے۔

قیامت کی سختی سے بچنے کا نسخہ

[حدیث: ۸۱] ”عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ الْحَارِثِ بْنِ رِبْعِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُّنَجِّيَهُ اللهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ أَوْ يَضَعْ عَنْهُ۔“

(صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ، باب فَضْلِ إِنْظَارِ الْمُعْسِرِ، حدیث: ۲۹۲۳)

ترجمہ: ”حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو خوش کرے یہ بات کہ اللہ تعالیٰ اس کو نجات دے قیامت کی سختیوں سے، اسے چاہیئے کہ تنگ دست محتاج کو مہلت دیدے یا معاف کر دے۔“

تشریح: فرمایا کہ: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیوں اور سختیوں کو دُور کر دیں، اس کو یہ کرنا چاہیئے کہ تمہارا مقروض تنگ دست ہے اور تنگ دستی کی وجہ سے وہ قرضہ ادا نہیں کر پارہا، اس کو چاہیئے کہ اسے مہلت دیدے، میاں! جب ہو جائے تو دے دینا، کوئی بات نہیں۔ یا کچھ چھوڑ ہی

دے، مطلب یہ کہ اس کے ساتھ سختی نہ کرے بلکہ سہولت اور نرمی کا معاملہ کرے، یہ شخص اپنے مقروض اور مدیون سے نرمی اور سہولت کا معاملہ کرے گا تو حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اس کے ساتھ سہولت کا معاملہ فرمائیں گے، اور قیامت کے دن کی سختیوں کو اس سے دُور کر دیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک آدمی بہت مال دار تھا، نوکر چاکر اس کا کام کرتے تھے، اور اس نے اپنے نوکروں سے کہہ رکھا تھا کہ بھائی! دیکھو کسی کے ساتھ سختی نہیں کرنی، قرضہ کوئی دیدے تو ٹھیک، ورنہ سختی کے ساتھ وصول نہ کرنا، اللہ مالک ہے۔ اس کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اس کے ساتھ سختی نہ کرنا، اس لئے کہ یہ محتاج ہو کر اپنے مقروضوں کے ساتھ نرمی کرتا تھا، میں تو غنی ہوں (کنز العمال)۔

میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دُنیا کے مال میں بھی برکت عطا فرماتے ہیں۔ تو نہ صرف یہ کہ آخرت کی سختیاں دُور ہوتی ہیں، بلکہ دُنیا کی بھی، سہولت کا معاملہ کیا جائے، سختی اور دُرشتی کا معاملہ نہ کیا جائے۔

قیامت کے حالات
اَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ

حساب اور بدلے کا دِن

[حدیث: ۸۲] ”عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قال قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْكُمْ مِّنْ رَجُلٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ، ثُمَّ يَنْظُرُ أَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى شَيْئًا اِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ، ثُمَّ يَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى شَيْئًا اِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ، ثُمَّ يَنْظُرُ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَّقِيَ وَجْهَهُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ۔ حَدَّثَنَا أَبُو السَّائِبِ نَا وَكِيْعٌ يَوْمًا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ عَنِ الْأَعْمَشِ، فَلَمَّا فَرَغَ وَكِيْعٌ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ: مَنْ كَانَ هَاهُنَا مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ فَلْيَحْتَسِبْ فِيْ اِظْهَارِ هٰذَا الْحَدِيْثِ بِخُرَاسَانَ قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى: لِأَنَّ الْجَهْمِيَّةَ يُنْكِرُوْنَ هٰذَا۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔“ (رواه الترمذی: کتاب صفة القيامة، بَابُ مَا جَاءَ فِيْ شَأْنِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاصِ، حديث: ۲۳۳۹)

ترجمہ: ”حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص نہیں، مگر اس سے اس کا ربّ قیامت کے دن کلام کرے گا، اور اس کے درمیان اور اس کے درمیان (یعنی بندے کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان) کوئی ترجمان نہیں ہوگا، پھر آدمی اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اس کو سوائے ان اعمال کے جو اس نے آگے بھیجے تھے کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، پھر اپنی بائیں جانب نظر کرے گا تو اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، سوائے ان اعمال کے جو اس نے آگے بھیجے تھے، پھر اپنے چہرے کے سامنے نظر کرے گا تو آگ اس کا استقبال کرے گی۔ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص تم میں سے طاقت رکھتا ہے کہ بچائے اپنے چہرے کو آگ سے، خواہ کھجور کی ایک پھانک کے ساتھ تو اس کو ایسا کرنا چاہیئے۔

ابوالسائب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ایک دن حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے بروایت اعمش رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث بیان کی، جب وکیع رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو بیان کر کے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا: یہاں اہلِ خراسان میں اس حدیث کی اشاعت کر کے ثواب کمائیے۔

اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ اس لئے کہ جہمیہ اس کا انکار کرتے ہیں۔‘‘

تشریح: اہلِ حق کا عقیدہ ہے، اور قرآنِ کریم اور اَحادیثِ نبویہ اس میں بہت کثرت کے ساتھ وارِد ہوئی ہیں کہ قیامت کے دن انسان کے ہر اچھے اور بُرے عمل کا حساب ہوگا، اس حدیثِ پاک میں اس کا ایک نقشہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر بندے کو قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونا ہوگا، کوئی نہ اس کی ترجمانی کرنے والا ہوگا، نہ اس کی طرف سے وکالت کرنے والا ہوگا، اور دُنیا میں جو عمل، اچھے یا بُرے، چھوٹے یا بڑے، ظاہری یا باطنی، چھپ کر کئے یا اعلانیہ کئے، قیامت کے دن سب لاکر حاضر کئے جائیں گے، اور بندے سے ان کے بارے میں سوال ہوگا۔ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے کرم اور اس کی رحمت ہی سے بیڑا پار ہوسکتا ہے، ورنہ ہم جیسے گناہ گاروں کے چھوٹنے کی کوئی صورت نہیں، اللہ تعالیٰ ہم پر رحمت فرمائے، اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا۔

اور یہ جو فرمایا کہ: ’’دوزخ سے بچو! خواہ کھجور کی ایک پھانک دے کر‘‘ اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ صدقہ بکثرت دیا کرو، اور یہ محض رضائے اِلٰہی کے لئے ہو، کیونکہ صدقہ اللہ کے غضب کو بجھاتا ہے۔ دُوسرے یہ کہ اگر کسی کا ایک کھجور کا ایک حصہ تمہارے ذمے ہو، تو وہ بھی اس کو اَدا کردو، کسی کا حق اپنے ذمے لے کر دُنیا سے نہ جاؤ، واللہ اعلم!

یا اللہ! جتنے ہم نے تیرے بندوں کی حق تلفی کی ہے، خواہ عمداً یا سہواً، ہمیں معاف فرمادے، اور ہم فقیر ہیں، فقیروں پر صدقہ کیا جاتا ہے، آپ اپنی رحمت سے ہم پر صدقہ فرمائیں اور ہماری طرف سے ہمارے تمام حقوق کو اَدا فرمادیں۔

اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا رَبّ قیامت کے دن ہم کلام ہوگا، اور بندے کو خود جواب دہی کرنی ہوگی، اس کے اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ اس حدیث سے حق تعالیٰ شانہٗ کی صفتِ کلام ثابت ہوئی، اس لئے اِمام وکیع رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے تھے کہ: اس حدیث کا اعلان خراسان میں ہونا چاہیئے کیونکہ وہاں جہمیہ یعنی جہم ابن صفوان کو ماننے والے بکثرت ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کے منکر ہیں، نعوذ باللہ!

[حدیث:۸۳] ”عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَ أَفْنَاهُ؟ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ أَبْلَاهُ؟ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهٗ؟ وَفِيْمَ أَنْفَقَهٗ؟ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ؟ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ حُسَيْنِ بْنِ قَيْسٍ، وَحُسَيْنُ بْنُ قَيْسٍ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ، وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِيْ بَرْزَةَ وَأَبِيْ سَعِيْدٍ۔“ (رواہ الترمذی: كتاب صفة القيامة، بَابُ مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاصِ، حدیث: ۲۳۴۰)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بندے کے قدم قیامت کے دن اپنے ربّ کے پاس سے نہیں ہلیں گے یہاں تک کہ اس سے سوال کیا جائے پانچ چیزوں کے بارے میں: ۱:...اس کی عمر کے بارے میں کہ اس نے عمر کو کس چیز میں فنا کیا؟ ۲:...اور اس کی جوانی کے بارے میں کہ اس نے اس کو کس چیز میں ہنڈایا؟ (گزاری) ۳:...اور اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے کہاں سے حاصل کیا؟ ۴:...اور یہ کہ مال کس چیز میں خرچ کیا؟ ۵:...اور جو چیزیں اس کو معلوم تھیں ان میں سے کن چیزوں پر عمل کیا؟“

[حدیث:۸۴] ”حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ نَا الْأَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ نَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِيْ بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ؟ وَعَنْ عِلْمِهٖ فِيْمَ فَعَلَ؟ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهٗ؟ وَفِيْمَ أَنْفَقَهٗ؟ وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَ أَبْلَاهُ؟ قَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ، وَسَعِيْدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُرَيْجٍ هُوَ مَوْلٰى أَبِيْ بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، وَأَبُوْ بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ اسْمُهٗ نَضْلَةُ بْنُ عُبَيْدٍ۔“ (رواہ الترمذی: كتاب صفة القيامة، بَابُ مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاصِ، حدیث: ۲۳۴۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بندے کے قدم اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے یہاں تک کہ اس سے (چند چیزوں کے بارے میں) سوال کیا جائے، (اور وہ ان کا معقول جواب دے، اوّل) اس کی عمر کے بارے میں (سوال کیا جائے گا) کہ کس چیز میں ختم کی؟ (دوم) اس کے

علم کے بارے میں کہ اسے کس چیز میں استعمال کیا؟ (سوم) اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا؟ اور کس چیز میں خرچ کیا؟ اور (چہارم) اس کے بدن کے بارے میں کہ اس (کی قوّتوں) کو کس چیز میں کمزور کیا؟''

تشریح: یعنی بندے کو اپنی عمر، اپنے مال، اپنے علم اور اپنی بدنی قوّتوں کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی کہ آیا ان تمام چیزوں کا استعمال صحیح ہوا یا غلط؟ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اَحکام کے مطابق ہوا یا ان کے خلاف؟

حساب و کتاب کا مرحلہ بہت ہی دُشوار ہے، اگر آدمی اپنی زندگی کے ایک دن کا حساب چکانے بیٹھے تو سوچا جاسکتا ہے کہ اس میں کتنی پریشانی ہوگی! اور یہاں تو ایک آدھ دن کا قصہ نہیں بلکہ پوری زندگی کا حساب چکانا ہوگا، یہ ایسی ہولناک حقیقت ہے کہ اس کے تصوّر ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، لیکن ہماری غفلت لائقِ تعجب ہے کہ مسکین انسان کو حساب و کتاب کا یہ مرحلہ پیش آنے والا ہے مگر وہ نشۂ غفلت میں مدہوش اس ہوش رُبا مرحلے سے بالکل غافل اور بے خبر ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو یوم الحساب کے آنے سے پہلے اپنا میزانیہ دُرست کرلیں، اپنے نفع و نقصان کا موازنہ کریں، اور جو لغزشیں اور کوتاہیاں سرزد ہوگئی ہیں، مرنے سے پہلے ان کا کچھ تدارک کرلیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے حال پر نہایت شفقت ہے کہ جو اِمتحانی پرچہ اسے قیامت کے دن حل کرنا ہے، اور جن چیزوں کا حساب بے باق کرنا ہے، اس کی اطلاع پہلے سے کردی، تاکہ ہر شخص فکرمندی کے ساتھ اس کی تیاری کرے اور اسے وقت پر پریشانی کا سامنا نہ ہو، حق تعالیٰ شانہٗ اپنی رحمت و عفو سے اس دن کی پریشانیوں سے محفوظ فرمائیں، اور ہمارے عجز و ضعف پر نظر فرماکر ہمارے عیوب کو اپنی مغفرت سے ڈھانک لیں۔

[حدیث:۸۵] ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا یَا رَسُوْلَ اللهِ مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمُفْلِسُ مِنْ أُمَّتِیْ مَنْ یَّأْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِیَامٍ وَزَكَاةٍ، وَیَأْتِیْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَقَذَفَ هٰذَا، وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَکَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَیَقْعُدُ فَیَقْتَصُّ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، فَإِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ أَنْ یُّقْتَصَّ مَا عَلَیْهِ مِنَ الْخَطَایَا أُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ فَطُرِحَ عَلَیْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔'' (رواہ الترمذی :کتاب صفة القیامة، بَابُ مَا جَاءَ فِیْ شَأْنِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاص، (حدیث:۲۴۴۲)

ترجمہ: ’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں مفلس وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ اور مال ومتاع نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمّت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر ایسی حالت میں آئے گا کہ کسی کو گالی دی تھی، کسی پر تہمت لگائی تھی، کسی کا مال کھایا تھا، کسی کا خون بہایا تھا، کسی کو مارا پیٹا تھا، پس یہ تمام لوگ اپنے حقوق کا بدلہ اس کی نیکیوں سے وصول کریں گے، اس کے ذمے جو لوگوں کے حقوق ہیں، اگر ان کے پورا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو اہلِ حقوق کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔‘‘

[حدیث:۸۶] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: رَحِمَ اللهُ عَبْدًا كَانَتْ لِأَخِیْهِ عِنْدَهٗ مَظْلِمَةٌ فِیْ عِرْضٍ أَوْ مَالٍ، فَجَاءَهٗ فَاسْتَحَلَّهٗ قَبْلَ أَنْ یُّؤْخَذَ وَلَیْسَ ثَمَّ دِیْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ، فَاِنْ كَانَتْ لَهٗ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهٖ، وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ حَمَّلُوْا عَلَیْهِ مِنْ سَیِّئَاتِهِمْ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ، وَقَدْ رَوٰی مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ سَعِیْدِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ۔‘‘ (رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة، بَابُ مَا جَاءَ فِی شَأْنِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاص، حدیث:۲۳۴۳)

ترجمہ: ’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دُوسری حدیث میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس کے ذمے اس کے بھائی کا کوئی غصب کردہ حق ہو، خواہ اس کی عزّت وآبرو کے متعلق، یا اس کے مال کے متعلق، تو وہ اس کے پاس جاکر اس سے معاف کرالے، اس سے قبل کہ وہ (قیامت کے دن ان حقوق کی وجہ سے) پکڑا جائے، اور وہاں کوئی دِرہم و دِینار تو ہوگا نہیں، (صرف نیکی اور بدی کا سکہ چلے گا اور انہی کے ذریعے وہاں حقوق کی ادائیگی ہوگی) پس اس شخص کے پاس اگر کچھ نیکیاں ہوئیں تو اس کی نیکیوں سے معاوضہ لیا جائے گا، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو لوگ (اپنے حقوق کے بدلے میں) اس پر اپنے گناہ ڈال دیں گے۔‘‘

[حدیث:۸۷] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰی أَهْلِهَا حَتّٰی تُقَادَ الشَّاةُ الْجَلْحَاءُ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ۔ وَفِی

الْبَابِ عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ وَعَبْدِاللهِ بْنِ أُنَیْسٍ، حَدِیْثُ أَبِیْ هُرَیْرَةَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔" (رواہ الترمذی : کتاب صفۃ القیامۃ، بَابُ مَا جَاءَ فِی شَأْنِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاص، حدیث:۲۳۴۴)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک تیسری حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت کے دن اہلِ حق کو ان کے حق دِلائے جائیں گے، یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے بے سینگ بکری کا بدلہ دِلایا جائے گا۔"

تشریح: قیامت کا دن عدل وانصاف کا دن ہے، دُنیا میں اگر کسی کا حق کسی کے ذمے رہ گیا تھا تو قیامت کے دن ہر صاحبِ حق کو اس کے حق کا معاوضہ دِلایا جائے گا۔ اور چونکہ وہاں نہ روپیہ پیسہ ہوگا، نہ کوئی اور سامان کسی کے پاس ہوگا، اس لئے حقوق کا معاوضہ نیکیوں اور بدیوں کی شکل میں دِلایا جائے گا، یعنی جس کے ذمے کسی کا کوئی حق باقی ہوگا اس کی قیمت لگا کر اس شخص کی اتنی نیکیاں صاحبِ حق کو دِلائی جائیں گی۔ اور جب اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو اَصحابِ حقوق کے اتنے گناہ اس کے ذمے ڈالے جائیں گے، اس شخص کے مفلس ہونے میں کیا شک ہے جس کی عمر بھر کی کمائی دُوسرے لوگ لے جائیں، اور جب وہ خالی ہاتھ ہوجائے تو لوگ اپنا بوجھ بھی اس کے ذمے ڈال دیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصیت فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا حق کسی کے ذمے واجب ہو تو دُنیا ہی میں اسے ادا کردے یا معاف کرالے تاکہ قیامت کے دن کی رُسوائی اور مطالبے سے بچ جائے۔

ان اَحادیثِ طیبہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم جو دُوسروں کی غیبتیں کرتے ہیں ان کو گالی گلوچ کرتے ہیں، کسی کی تحقیر کرتے ہیں، کسی کو جسمانی یا ذہنی ایذا پہنچاتے ہیں، یا کسی کا مال ہضم کرجاتے ہیں، دراصل یہ اس کا نقصان نہیں بلکہ ہم اپنا نقصان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ہمیں ان کا معاوضہ ادا کرنا ہوگا۔

اکابر فرماتے ہیں کہ حقوق العباد کا معاملہ ایک لحاظ سے حقوق اللہ سے زیادہ سنگین ہے، کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ غنیٔ مطلق ہیں، معاف بھی کردیں گے، لیکن بندے محتاج ہیں، ان سے یہ توقع نہیں کہ وہ معاف کردیں، اِلَّا ماشاء اللہ!

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حقوق العباد کا معاملہ صرف انسانوں تک محدود نہیں، بلکہ حیوانات تک پھیلا ہوا ہے، باوجودیکہ حیوانات اَحکامِ شرعیہ کے مکلف نہیں، لیکن اگر ایک بکری نے دُوسری بکری سے زیادتی کی ہوگی تو اس کا بدلہ بھی دِلایا جائے گا، پس انسان جو اپنی عقل وشعور کی بدولت مکلف ہے، اگر اس نے کسی جانور پر ظلم کیا ہوگا، اس کا بدلہ بھی اسے دِلایا جائے گا۔

فائدہ:... قیامت کے دن حقوق سے عہدہ برا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اوّل تو آدمی کسی کا حق

اپنے ذمے نہ رکھے، بلکہ پوری دیانت و امانت کے ساتھ اپنے معاملات کو صاف رکھے، اور کسی کی غیبت وغیرہ سے پرہیز کرے، اور اگر غفلت و کوتاہی کی وجہ سے اس کے ذمے کچھ حقوق لازم ہوں تو ان کی تلافی و تدارک کی کوشش کرے۔

اور تلافی کی تفصیل یہ ہے کہ حقوق یا مالی ہوں گے یا عزّت و آبرو سے متعلق، اور دونوں صورتوں میں صاحبِ حق معلوم ہوگا یا نہیں؟ پس یہ کل چار صورتیں ہوئیں۔

اوّل:... حق مالی ہو اور صاحبِ حق معلوم ہو، اس صورت میں اس کا حق ادا کردے، اور اگر اَدا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، تو اس سے معاف کرالے۔

دوم:... حق مالی ہو اور صاحبِ حق معلوم نہ ہو، مثلاً: کسی شخص سے کوئی چیز خریدی تھی، اس کے دام ادا نہیں کئے تھے اور وہ شخص کہیں غائب ہوگیا، اب اس کا کچھ اتا پتا نہیں چلتا، یا وہ شخص مرگیا اور اس کا کوئی وارث بھی معلوم نہیں تو اس صورت میں اتنی رقم اس کی طرف سے صدقہ کردے۔

سوم:... اگر حق غیر مالی ہو اور صاحبِ حق معلوم ہو، مثلاً: کسی کو مارا تھا یا اسے گالی دی تھی، یا اس کی غیبت کی تھی یا اس کی تحقیر کی تھی، تو اس سے معافی مانگنا ضروری ہے۔

چہارم:... اگر حق غیر مالی ہو اور اَصحابِ حقوق معلوم نہ ہوں، یعنی یہ یاد نہیں کہ زندگی بھر میں کس کس کو گالی دی؟ کس کس کو ستایا؟ کس کس کی غیبتیں کیں؟ وغیرہ وغیرہ، تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ ان سب کے لئے دُعا و اِستغفار کرتا رہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ و ندامت کے ساتھ یہ دُعا کرتا رہے کہ:

''بارِ اِلٰہ! میرے ذمے تیرے بہت سے بندوں کے حقوق ہیں، اور میں ان کو اَدا کرنے یا اَصحابِ حقوق سے معافی مانگنے پر بھی قادر نہیں ہوں، یا اللہ! ان تمام لوگوں کو آپ اپنے خزانۂ رحمت سے بدلہ عطا فرماکر ان کو مجھ سے راضی کردیجئے۔''

یہی تدبیر اس صورت میں اختیار کی جائے جب صاحبِ حق تو معلوم ہو، مگر اس سے معافی مانگنا ممکن نہ ہو یا دِینی مصلحت کے خلاف ہو، یا کسی کا مالی حق اس کے ذمے ہو، مگر یہ اس کے ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔

الغرض! حقوق کی ادائیگی یا تلافی کا بہت ہی اہتمام ہونا چاہئے، ورنہ قیامت کا معاملہ بہت ہی مشکل ہے۔ حق تعالیٰ اس ناکارہ پر بھی رحم فرمائیں اور جن حضرات کے حقوق اس کی گردن پر ہیں، ان کو اپنی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرماکر اس نابکار کی گلوخلاصی کی صورت پیدا فرمادیں تو ان کی رحمت سے کچھ بعید نہیں!

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَیُّمَا مُؤْمِنٍ اٰذَیْتُہٗ اَوْ شَتَمْتُہٗ اَوْ جَلَدْتُہٗ، اَوْ لَعَنْتُہٗ فَاجْعَلْھَا لَہٗ صَلٰوۃً وَّزَکٰوۃً وَّقُرْبَۃً تُقَرِّبُہٗ بِھَا اِلَیْکَ۔

قیامت کے دن کے پسینے کا بیان

[حدیث:۸۸] ”عن الْمِقْدَادِ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أُدْنِيَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْعِبَادِ حَتّٰى تَكُوْنَ قِيْدَ مِيْلٍ أَوِ اثْنَتَيْنِ۔ قَالَ سُلَيْمُ بْنُ عَامِرٍ: لَا أَدْرِىْ أَىَّ الْمِيْلَيْنِ عَنٰى؟ أَمَسَافَةَ الْأَرْضِ، أَمِ الْمِيْلَ الَّذِىْ يُكْحَلُ بِهِ الْعَيْنُ، قَالَ: فَتَصْهَرُهُمُ الشَّمْسُ، فَيَكُوْنُوْنَ فِى الْعَرَقِ بِقَدْرِ أَعْمَالِهِمْ، فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّأْخُذُهٗ اِلٰى عَقِبَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّأْخُذُهٗ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّأْخُذُهٗ اِلٰى حَقْوَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّلْجِمُهُ اِلْجَامًا، فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيْرُ بِيَدَيْهِ اِلٰى فِيْهِ: أَىْ يُلْجِمُهُ اِلْجَامًا۔ وَفِى الْبَابِ عَنْ أَبِىْ سَعِيْدٍ وَابْنِ عُمَرَ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔“ (رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، بَابُ مَا جَاءَ فِى شَأْنِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاص، حدیث:۲۴۲۵)

ترجمہ: ”حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: جب قیامت کا دن ہوگا، سورج بندوں کے قریب لایا جائے گا، یہاں تک میل یا دو میل کے فاصلے پر ہوگا۔ سلیم بن عامر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس میل کا ارادہ فرمایا، آیا زمین کی مسافت کا؟ یا وہ میل (یعنی سرمہ کی سلائی) جس سے آنکھوں میں سرمہ لگایا جاتا ہے؟ پس آفتاب ان کی چربی پگھلا دے گا، پس لوگ اپنے اعمال کے بقدر پسینے میں نہائے ہوئے ہوں گے، کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا، کسی کا گھٹنوں تک، کسی کا کمر تک، اور کسی کا منہ تک پہنچا ہوا ہوگا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ: بعض کا پسینہ ان کے منہ کو لگام دیئے ہوئے ہوگا۔“

[حدیث:۸۹] ”عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَمَّادٌ وَهُوَ عِنْدَنَا مَرْفُوْعٌ: ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ قَالَ: يَقُوْمُوْنَ فِى الرَّشْحِ اِلٰى أَنْصَافِ أٰذَانِهِمْ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ نَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنِ ابْنِ

عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ۔" (رواہ الترمذی: كتاب صفة القيامة، بَابُ مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاص، حديث:۲۳۴۶)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے یہ آیتِ کریمہ پڑھی: "جس دن کھڑے ہوں گے لوگ ربّ العالمین کے سامنے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ: لوگ پسینے میں کھڑے ہوں گے جو ان کے کانوں کے نصف تک پہنچے گا۔"

تشریح: ان احادیثِ طیبہ میں قیامت کی شدّت کو بیان فرمایا ہے کہ اس دن آفتاب بندوں کے قریب لایا جائے گا، گرمی کی شدّت، قیامت کی ہولناکی اور اِنسانوں کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے لوگ پسینے میں نہائے ہوں گے، اور ہر ایک کا پسینہ اس کے اپنے اعمال و کردار کے مطابق ہوگا، یہ مضمون ان دو حدیثوں کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث میں آیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے: قیامت کے دن لوگوں کو اس قدر پسینہ آئے گا کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر گز تک جائے گا، اور ان کے منہ میں لگام کی طرح ہوگا، یہاں تک کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا (بخاری)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: قیامت کے دن آفتاب زمین کے قریب لایا جائے گا، پس لوگ پسینہ پسینہ ہوجائیں گے، کسی کا پسینہ ایڑیوں تک ہوگا، کسی کا آدھی پنڈلی تک، کسی کا گھٹنوں تک، کسی کا رانوں تک، کسی کا کمر تک، کسی کا کندھوں تک، کسی کا منہ تک پہنچ کر لگام کی طرح ہوگا۔ اور آپ ﷺ نے اس کو ہاتھ کے اشارے سے سمجھایا، اور کسی کا سر سے اُونچا ہوگا، اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک سر کے اُوپر رکھا (مستدرک، حدیث عقبہ بن عامر)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے آیتِ کریمہ: ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پڑھی اور فرمایا کہ: قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا، اور لوگ آدھے دن تک کھڑے رہیں گے، لیکن مؤمن کے لئے یہ دن صرف اتنے وقفے کا ہوگا جیسا کہ سورج کے اُفق کے قریب پہنچنے کے بعد غروب تک کا وقت ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: قیامت کے دن لوگ جمع کئے جائیں گے تو چالیس سال تک اس طرح کھڑے رہیں گے کہ ان کی نظریں آسمان کی طرف پھٹی کی پھٹی رہیں گی، اور پریشانی کی شدّت سے ان کا پسینہ منہ کو آرہا ہوگا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: قیامت کے دن آفتاب کو دس سال کی تپش دی جائے گی، پھر اسے

لوگوں کی کھوپڑیوں کے قریب لایا جائے گا، یہاں تک کہ کمانوں کے درمیان کا فاصلہ رہ جائے گا، پس لوگوں کو پسینہ آئے گا یہاں تک کہ پسینہ زمین میں قدِ آدم تک پھیل جائے گا، پھر بلند ہوگا یہاں تک کہ غرغرہ کی وجہ سے آدمی کا سانس گھٹنے لگے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ: آفتاب کی گرمی اس دن کسی مؤمن مرد اور عورت کو نقصان نہیں دے گی، اِمام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مؤمن سے مراد کامل الایمان ہیں، کیونکہ اُوپر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آچکا ہے کہ لوگ اپنے اعمال کی بقدر پسینے میں ہوں گے (فتح الباری)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: آدمی کے پسینے چھوٹ جائیں گے، یہاں تک کہ قدِ آدم تک پسینہ زمین پر بہنے لگے گا، پھر بلند ہوگا یہاں تک کہ اس کی ناک تک پہنچ جائے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: قیامت کے دن آدمی کا پسینہ اس کے منہ کو آتا ہوگا، یہاں تک کہ وہ کہے گا کہ: یا اللہ! مجھے اس عذاب سے نجات عطا فرما، خواہ دوزخ میں ڈال دے۔

ایک حدیث میں ہے کہ: اس دن کی بے چینی اس قدر شدید ہوگی کہ کافر کا پسینہ اس کے منہ کی لگام بنا ہوا ہوگا۔ عرض کیا گیا کہ: اہلِ ایمان کہاں ہوں گے؟ فرمایا: سونے کی کرسیوں پر ہوں گے، اور بادل ان کو سایہ کئے ہوں گے (بیہقی فی البعث عن عبداللہ بن عمرو)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: قیامت کے دن آفتاب لوگوں کے سروں پر ہوگا، اور ان کے اعمال ان پر سایہ فگن ہوں گے (والروایات کلہا فی فتح الباری)۔

ان احادیث سے قیامت کے ہوش رُبا دن کی ہولناکیوں کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ قیامت کے احوال میں ہر شخص کی حالت اس کے اعمال کے مناسب دُوسروں سے مختلف ہوگی، سب سے زیادہ شدّت کفار پر ہوگی، ان سے دُوسرے مرتبے میں ان لوگوں پر جو کبائر کے مرتکب تھے، ان سے کم ان اہلِ ایمان پر جو کبائر سے اجتناب کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہوں گے جن کو عرشِ اِلٰہی کا سایہ نصیب ہوگا، اور وہ اس دن کے اَہوال سے مأمون ہوں گے۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صدیقین، شہداء اور نیک مؤمنین سے ان کے اپنے اپنے درجات کے مطابق اکرام واحسان کا معاملہ ہوگا۔

جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝٦٢ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ۝٦٣﴾ (یونس)

ترجمہ: ''یاد رکھو! جو لوگ اللہ کے دوست ہیں، نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے، جو لوگ کہ اِیمان لائے اور ڈرتے رہے۔''

ان احادیث سے مدّعا یہ ہے کہ ہم خوابِ غفلت سے بیدار ہوکر اس خوفناک دِن کے لئے جو بہرحال ہر شخص کو پیش آنے والا ہے، تیاری کریں، ان اسباب کو اختیار کریں جن کے ذریعے ان اَہوال سے چھٹکارا نصیب ہو، ہم سے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جتنی کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں، ان سے توبہ کرکے ان کی تلافی وتدارک کا اہتمام کریں اور کریم آقا کی بارگاہ میں ہمیشہ اِلتجا کرتے رہیں کہ محض اپنے لطف واحسان سے ہمیں قیامت کے دن کی ذِلت ورُسوائی سے محفوظ رکھیں، دُنیا کی آلائشوں سے پاک صاف کرکے یہاں سے لے جائیں اور قیامت کے دن اپنے مقبول بندوں کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں۔ جس شخص کو قیامت کا سامنا ہو، اس کا غفلت وبے پروائی میں زندگی گزارنا لائقِ صد افسوس ہے!

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ (یوسف: ۱۰۱)

اَللّٰھُمَّ اِنَّ مَغْفِرَتُکَ أَوْسَعُ لِیْ مِنْ ذَنْبِیْ، وَرَحْمَتُکَ أَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِی، اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ وَّلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ۔

حشر کا بیان

[حدیث: ۹۰] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا كَمَا خُلِقُوْا، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ۝۱۰۴﴾ وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسٰى مِنَ الْخَلَائِقِ اِبْرَاهِيْمُ، وَيُؤْخَذُ مِنْ أَصْحَابِيْ بِرِجَالٍ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ أَصْحَابِيْ! فَيُقَالُ: اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ، اِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ، فَأَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَا: نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ النُّعْمَانِ فَذَكَرَ نَحْوَهُ۔“

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة، بَاب مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الْحَشْرِ، حدیث: ۲۳۴۷)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: لوگوں کو جمع کیا جائے گا قیامت کے دن ایسی حالت میں کہ برہنہ پا، برہنہ بدن اور غیر مختون ہوں گے، جیسا کہ پیدائش کے وقت تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ (الانبیاء) (جیسا کہ سرے سے بنایا تھا ہم نے پہلی بار، پھر اس کو دُہرائیں گے، وعدہ ضرور ہو چکا ہے ہم پر، ہم کو پورا کرنا ہے)۔ اور مخلوق میں سے پہلے شخص جن کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرات ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں گے، اور میرے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو دائیں جانب اور بعض کو بائیں جانب (یعنی دوزخ کی طرف) لے جایا جائے گا، تو میں کہوں گا کہ: یا اللہ! یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ پس کہا جائے گا کہ: آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ آپ جب سے ان سے جدا ہوئے یہ ہمیشہ مرتد رہے۔ پس میں کہوں گا جیسا کہ نیک بندے (حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا: یا اللہ! اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمادیں تو آپ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں۔''

تشریح: حشر کے معنی جمع کرنے کے ہیں، قیامت کے دن تمام لوگوں کو ایک میدان میں اٹھا کر جمع کیا جائے گا، اس لئے قیامت کا دن ''یوم البعث'' اور ''یوم الحشر'' کہلاتا ہے۔

اس حدیثِ پاک میں چند مضامین ارشاد ہوئے ہیں، اوّل یہ کہ پیدائش کے وقت انسان کی جو حالت ہوتی ہے یعنی ننگے پاؤں، برہنہ بدن اور غیر مختون، اسی حالت میں لوگ قبروں سے اُٹھیں گے۔

یہ مضمون بہت سی احادیث میں وارِد ہوا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: لوگ ننگے پاؤں، برہنہ بدن، اور غیر مختون اُٹھائے جائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا مرد اور عورتیں ایک دُوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاملہ اس سے کہیں سخت ہوگا کہ کسی کو اس کا خیال بھی آئے (صحیح بخاری)۔

ایک روایت میں ہے کہ: عائشہ! معاملہ اس سے کہیں سخت ہوگا کہ کوئی کسی کو دیکھے (صحیح مسلم)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں ننگے بدن شرم نہیں آئے گی؟ فرمایا: عائشہ! حالت اس سے زیادہ خوفناک ہوگی کہ ایک دُوسرے کو دیکھیں (ابنِ ابی شیبہ)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! ستر کا کیا ہوگا؟ فرمایا: اس دن ہر شخص کی اپنی حالت فکر کے لئے کافی ہوگی (نسائی، حاکم)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ہائے! ہمارے ستر کھل جائیں گے؟ مرد عورت سب اکٹھے اُٹھائے جائیں گے، اور ایک دُوسرے کے ستر کو دیکھتے ہوں گے؟ فرمایا: ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اس کے لئے کافی ہوگی، نہ مرد عورتوں کو دیکھیں گے، نہ عورتیں مردوں کو دیکھیں گی، ہر شخص

دُوسروں سے ہٹ کر اپنی حالت میں مشغول ہوگا (حاکم)۔

یہ مضمون حضرت عبداللہ بن مسعود اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی مروی ہے کہ: لوگ پاپیادہ، ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیرمختون اُٹھائے جائیں گے۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ: عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا مرد لوگ عورتوں کو (برہنہ) دیکھیں گے؟ فرمایا: اس دن ان میں سے ہر شخص کو اپنی حالت بس ہوگی، (کسی دُوسرے کی طرف دھیان کی کس کو فرصت ہوگی؟)۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مضمون منقول ہے، وہ فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا کہ: قیامت کے دن لوگ برہنہ بدن و برہنہ پا اُٹھائے جائیں گے۔ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہائے ستر کھلنے کی رُسوائی! ہم ایک دُوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔ فرمایا: ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ عرض کیا: کیا مشغولی ہوگی؟ فرمایا: ہر ایک کا نامۂ عمل کھول دیا جائے گا، جس میں ذرّہ برابر اور رائی برابر عمل بھی موجود ہوگا۔

اُمّ المؤمنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی یہی مضمون مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگ ننگے پاؤں، برہنہ بدن اور غیرمختون اُٹھائے جائیں گے، پسینے نے ان کے منہ کو لگام دے رکھی ہوگی اور وہ کانوں کی لو تک پہنچا ہوا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ: ہم ایک دُوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے؟ فرمایا: ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی، ہر شخص اس دن ایسی حالت میں ہوگا کہ اس کو کسی دُوسرے کی طرف اِلتفات ہی نہیں ہوگا۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مضمون مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں، ننگے بدن اُٹھائے جائیں گے۔ ایک خاتون نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے بعض بعض کو کیسے دیکھ سکیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمبارک آسمان کی طرف اُٹھا کر فرمایا کہ: اس طرح نظریں آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی ہوں گی۔ اس خاتون نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لئے تو دُعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے ستر کو ڈھانک دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی: یا اللہ! اس کے ستر کو ڈھانک دیجئے (الروایات کلہا فی فتح الباری)۔

ان احادیثِ طیبہ سے واضح ہے کہ قیامت کے دن لوگ لباسِ عریانی میں اُٹھائے جائیں گے۔

ابوداوٗد (ج:۲ ص:۸۸، باب ما یستحب من تطهیر ثیاب المیّت عند الموت) میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی وفات کا وقت قریب ہوا تو نئے کپڑے منگوا کر پہنے، پھر فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ:

"اِنَّ الْمَیِّتَ یُبْعَثُ فِیْ ثِیَابِہِ الَّتِیْ یَمُوْتُ فِیْھَا"

ترجمہ: ’’مرنے والے کو انہی کپڑوں میں اُٹھایا جائے گا جن میں مرے گا۔‘‘

بعض اہلِ علم کے نزدیک حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ’’ثیاب‘‘ (کپڑوں) سے مراد اعمال ہیں، یعنی جن اعمال میں آدمی کی موت آتی ہے اسی حالت میں قیامت کے دن اُٹھایا جائے گا، یہ مضمون دُوسری احادیث میں بھی وارِد ہوا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس کو شہداء کے ساتھ مخصوص کیا ہے، کیونکہ جن کپڑوں میں وفات ہو، شہید کو انہی کپڑوں میں دفن کیا جاتا ہے۔ جبکہ دُوسرے لوگوں کے وہ کپڑے اُتار لئے جاتے ہیں اور کفن پہنایا جاتا ہے۔ بہرحال قبروں سے اُٹھتے وقت لوگوں کے بدن پر لباس نہیں ہوگا، بلکہ ہر شخص کی حیثیت و مرتبے کے مطابق اسے بعد میں لباس پہنایا جائے گا۔

دُوسرا مضمون اس حدیثِ پاک میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لباس پہنایا جائے گا، یہ اِکرام شاید اس بنا پر ہوگا کہ نمرود نے ان کو برہنہ کرکے آگ میں ڈالا تھا۔ علماء نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیامت کے دن سب سے پہلے لباس پہنائے جانے کے بارے میں دو اِحتمال ذکر کئے ہیں، ایک یہ کہ یہ اوّلیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دُوسروں کے اعتبار سے ہے، یعنی پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس پہنایا جائے گا، اور پھر باقی سب لوگوں سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو۔ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اوّلیت دُوسروں کے اعتبار سے بیان فرمائی ہے، متکلم خود اپنا ذکر نہیں کرتا۔

دُوسرا اِحتمال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جزئی فضیلت ہے، اس احتمال کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

’’أَوَّلُ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ خَلِيلُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قِبْطَتَيْنِ، ثُمَّ يُكْسَى مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُلَّةٌ حِبَرَةٌ عَنْ يَمِينِ الْعَرْشِ۔‘‘ (أخرجه ابن المبارك فی الزهد من طريق عبدالله بن الحارث عن علیّ مختصرًا موقوفًا، وأخرجه أبو يعلی مطولًا، فتح الباری، كتاب الرقاق، باب الحشر، ج: ۱۱ ص: ۳۸۴)

ترجمہ: ’’قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبطی طرز کی دو چادریں پہنائی جائیں گی، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کی داہنی جانب یمنی طرز کا حلہ پہنایا جائے گا۔‘‘

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی زیرِ بحث حدیث میں اِمام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ نقل فرمایا ہے:

’’وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسَى مِنَ الْجَنَّةِ وَيُؤْتَى بِكُرْسِيٍّ فَيُطْرَحُ عَنْ يَمِينِ الْعَرْشِ، ثُمَّ يُؤْتَى بِيْ فَأُكْسَى حُلَّةً مِّنَ الْجَنَّةِ لَا يَقُومُ لَهَا الْبَشَرُ، ثُمَّ يُؤْتَى بِكُرْسِيٍّ فَيُطْرَحُ

عَلٰی سَاقِ الْعَرْشِ وَھُوَ عَنْ یَمِیْنِ الْعَرْشِ۔" (فتح الباری ج:۱۱ ص:۳۸۴)

ترجمہ: "اور سب سے پہلے جسے جنّت کا لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں گے، انہیں جنّت کا حلہ پہنایا جائے گا، پھر ان کے لئے ایک کرسی لائی جائے گی اور عرش کی داہنی جانب بچھائی جائے گی، اس کے بعد مجھے لایا جائے گا، پس مجھے جنّت کا ایسا حلہ پہنایا جائے گا کہ آدمی اس (کے حسن) کی تاب نہیں لاسکتا، پھر میرے لئے ایک کرسی لائی جائے گی جو عرش کی داہنی جانب عرش کے ستون پر بچھائی جائے گی۔"

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف سے انہی کپڑوں میں اُٹھایا جائے جو وصال کے وقت زیبِ بدن تھے، اور جنّت کا یہ حلہ بطور کرامت کے پہنایا جائے، واللہ اعلم!

تیسرا مضمون اس حدیثِ پاک میں یہ بیان ہوا ہے کہ کچھ لوگوں کو بائیں جانب یعنی جہنّم کی طرف لے جایا جائے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ: یہ تو میرے اصحاب ہیں! فرمایا جائے گا کہ: آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ یہ لوگ آپ کے بعد اُلٹے پاؤں پھر گئے تھے۔

یہ گفتگو غالباً حوضِ کوثر پر ہوگی، کیونکہ متعدّد اَحادیث میں وارِد ہوا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت حوضِ کوثر پر حاضر ہوگی تو کچھ لوگوں کو روک دیا جائے گا، اس پر یہ گفتگو ہوگی۔

ان لوگوں سے کون مراد ہیں جن کو روک دیا جائے گا؟ اس میں علماء کے متعدّد اَقوال ہیں۔ صحیح بخاری (ج:۱ ص:۴۹۰) میں اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد فربری رحمۃ اللہ علیہ نے اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ان کے شیخ قبیصہ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتد ہوگئے تھے اور جن سے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے قتال کیا۔ اِمام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بحمداللہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کوئی مرتد نہیں ہوا، مرتدین اکھڑ قسم کے دیہاتی بدوی تھے (جن کے بارے میں قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط﴾ (الحجرات:۱۴) ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی تھی جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا بھی موقع نہیں ملا تھا، اور جو معدودے چند اَفراد حاضرِ خدمت بھی ہوئے انہوں نے بھی محض ظاہری اطاعت قبول کی تھی، حقیقتِ ایمان ان کے دِل میں راسخ نہیں ہوئی تھی)۔ بعض حضرات فرماتے ہیں: اس سے منافقین مراد ہیں۔

اور بعض نے کہا: اس سے اہلِ کبائر یا اہلِ بدعت مراد ہیں۔ صحیح بخاری (ج:۲ ص:۹۷۵) میں ہے کہ حضرت ابنِ ابی ملیکہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ جب اس حدیث کو روایت کرتے تو یہ دُعا کیا کرتے تھے:

”اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ أَنْ نَّرْجِعَ عَلٰی أَعْقَابِنَا أَوْ نُفْتَنَ عَنْ دِیْنِنَا“

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۹۷۵)

ترجمہ: ”اے اللہ! ہم اس بات سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم اُلٹے پاؤں لوٹ جائیں، یا اپنے دِین کے معاملے میں فتنے میں مبتلا ہوجائیں۔“

اور صحیح بخاری کے حاشیہ میں علّامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ: وہ تمام لوگ جو دِین سے پھر گئے یا انہوں نے دِین میں ایسی بات ایجاد کی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ تھی اور جس کی اجازت نہیں تھی، یہ لوگ حوضِ کوثر سے ہٹادیئے جائیں گے اور اس سے دُور رکھے جائیں گے، ان میں سرِفہرست وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی جماعت کے خلاف رہے، جیسے خارجیوں، رافضیوں اور معتزلیوں کے تمام فرقے، کیونکہ یہ سب لوگ دِین کو بدلنے والے ہیں۔ اسی طرح وہ ظالم و مسرف جو جور و ستم کے مرتکب تھے، حق کو مٹاتے اور اہلِ حق کو قتل کرتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔ نیز جو لوگ کبیرہ گناہوں کا علانیہ ارتکاب کرتے اور گناہوں کو ہلکی چیز سمجھتے تھے، یہ لوگ بھی حوضِ کوثر سے محروم رہیں گے۔

”اَللّٰھُمَّ لَا تَمْکُرْ بِنَا عِنْدَ الْخَاتِمَۃِ وَاجْعَلْنَا مِنَ الْفَائِزِیْنَ الَّذِیْنَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ، وَاسْقِنَا مِنْ حَوْضِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِرَحْمَتِکَ یَآ أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ!“

ترجمہ: ”یا اللہ! ہمارا خاتمہ بالخیر فرمایئے، اور ہمیں ان کامیاب لوگوں میں سے بنادیجئے جن پر نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور ہمیں ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوضِ کوثر سے سیراب کیجئے، برحمتک یا ارحم الراحمین!“

[حدیث:۹۱] ”عَنْ بَھْزِ بْنِ حَکِیْمٍ عَنْ أَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّکُمْ تُحْشَرُوْنَ رِجَالًا وَّرُکْبَانًا، وَتُجَرُّوْنَ عَلٰی وُجُوْھِکُمْ۔ وَفِی الْبَابِ عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ، ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔“

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، بَابُ مَا جَاءَ فِیْ شَأْنِ الْحَشْرِ، حدیث:۲۳۴۸)

ترجمہ: ”بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا (حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: تم لوگوں کو جمع کیا جائے گا پیدل اور سوار، اور تم کو گھسیٹا جائے گا چہروں کے بل۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ لوگوں کا حشر تین طرح سے ہوگا، بعض کا پاپیادہ، بعض کا سواریوں پر اور بعض کو چہرے کے بل پر گھسیٹ کر میدانِ محشر میں لایا جائے گا۔ پہلی جماعت عام موٴمنین کی ہوگی، دُوسری

جماعت سابقین ومقرّبین کی ہوگی، اور تیسری جماعت کفار کی۔ یہی مضمون حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةُ أَصْنَافٍ، صِنْفًا مُشَاةً، وَصِنْفًا رُكْبَانًا، وَصِنْفًا عَلٰى وُجُوْهِهِمْ۔ قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! كَيْفَ يَمْشُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ؟ قَالَ: اِنَّ الَّذِىْ أَمْشَاهُمْ عَلٰى أَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يَّمْشِيَهُمْ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ، اِمَّا اِنَّهُمْ يُتَّقُوْنَ بِوُجُوْهِهِمْ كُلَّ حُدْبٍ وَشُوْكٍ۔'' (ترمذی ج:۲ص:۱۴۲)

ترجمہ: ''قیامت کے دن لوگوں کو تین گروہوں کی شکل میں جمع کیا جائے گا، ایک گروہ کو پیدل، دُوسرے کو سواریوں پر اور تیسرے کو منہ کے بل۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ منہ کے بل کیسے چلیں گے؟ فرمایا: جس نے ان کو قدموں پر چلایا، وہ اس پر بھی قادر ہے کہ انہیں منہ کے بل چلائے۔ آگاہ رہو کہ وہ اپنے چہروں کے ذریعے ہر بلندی اور کانٹے سے بچاؤ کریں گے۔''

قیامت کے دن کی پیشی

[حدیث:۹۲] ''عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُعْرَضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَ عَرَضَاتٍ، فَأَمَّا عَرْضَتَانِ فَجِدَالٌ وَّمَعَاذِيْرُ، وَأَمَّا الْعَرْضَةُ الثَّالِثَةُ: فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَطِيْرُ الصُّحُفُ فِى الْأَيْدِىْ، فَاٰخِذٌ بِيَمِيْنِهٖ وَاٰخِذٌ بِشِمَالِهٖ۔ وَلَا يَصِحُّ هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ قِبَلِ أَنَّ الْحَسَنَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَلِيٍّ وَهُوَ الرِّفَاعِيِّ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِىْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔''

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَرْضِ، حدیث:۲۳۴۹)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی، پہلی دو پیشیوں میں تو بحث، جھگڑا اور عذر معذرتیں ہوں گی، اور تیسری پیشی نامۂ اَعمال (کے نتائج) ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے، پس کوئی داہنے ہاتھ میں لے گا، اور کوئی بائیں ہاتھ میں۔''

تشریح: یعنی پہلی دو پیشیوں میں تو یہ ہوگا کہ جب مجرموں کے سامنے ان کے نامۂ اَعمال پیش کئے جائیں گے تو وہ انکار وگریز کی کوشش کریں گے، کبھی یہ کہیں گے کہ: ''یہ ہمارے اعمال ہی نہیں! ہمارے نام

جھوٹ موٹ لکھ دیئے گئے ہیں'' کبھی کہیں گے کہ: ''ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، ہم تو بالکل بے خبر تھے'' کبھی کہیں گے کہ: ''ہمارے بڑوں نے ہمیں گمراہ کیا، ہم تو ان کے تابع تھے، ہمارا کوئی قصور نہیں!'' کبھی کہیں گے کہ: ''ہمیں دُنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے، ہم نیک اور فرمانبردار بن کر آئیں گے۔''

الغرض! اس طرح سو سو عذر اور بہانے کر کے جان بچانے کی کوشش کریں گے، مگر یہ سارے بہانے بے کار جائیں گے، اور ان کی ساری کٹ حجّتیوں کو ایک ایک کر کے توڑ دیا جائے گا، بالآخر جب مجرموں کے پاس کوئی حجّت باقی نہیں رہے گی تو تیسری پیشی میں ہر ایک کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرمانبردار بندوں کو نہایت عزّت و اِکرام کے ساتھ جنّت کا پروانہ ان کے دائیں ہاتھ میں عطا کیا جائے گا، جسے پڑھ کر وہ باغ باغ ہوجائیں گے اور ساری کلفتیں اور مشقتیں بھول جائیں گے، اور مجرموں اور نافرمانوں کو لعنت کا طوق پہنا کر ان کی سزا کا فیصلہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ بصد ذِلت و خواری واصلِ جہنّم ہوں گے، اَللّٰھُمَّ نَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ!

[حدیث:۹۳] ''عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ۔ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّ اللهَ يَقُوْلُ: ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا۝۸﴾ قَالَ: ذَاكَ الْعَرْضُ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ حَسَنٌ، وَرَوَاهُ أَيُّوْبُ أَيضا عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ۔''

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القيامة، بَاب مَا جَاءَ فِي الْعَرْضِ، حدیث:۲۳۵۰)

ترجمہ: ''حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جس شخص سے حساب میں مناقشہ کیا گیا، وہ ہلاک ہوگیا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ تو اِرشاد فرماتے ہیں: ''سو جس کو ملا اعمال نامہ اس کا داہنے ہاتھ میں تو اس سے حساب لیں گے آسان حساب۔'' (الانشقاق:۷،۸، ترجمہ شیخ الہند) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے مراد اعمال نامہ پیش ہونا ہے۔''

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شبہ یہ تھا کہ آیتِ کریمہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا حساب آسان ہوگا وہ رحمت و مغفرت کا مورد ہوں گے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا بھی حساب ہوا، وہ ہلاک ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ آیتِ کریمہ میں جس آسان حساب کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ بندے کا اعمال نامہ اس کے سامنے پیش کر کے (کہ تُو نے فلاں فلاں وقت، فلاں فلاں اعمال

کئے) اس سے چشم پوشی و درگزر کا معاملہ کیا جائے، اس کے کسی عمل پر کوئی بحث اور باز پُرس نہ کیا جائے کہ یہ کیوں کیا؟ یا کیوں نہیں کیا؟ لیکن جس شخص سے یہ باز پُرس ہوگئی وہ مارا گیا۔ کیونکہ اس باز پُرس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ پہلی صورت حسابِ یسیر (آسان حساب) کی ہے، اور دُوسری صورت مناقشہ کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کتبِ حدیث میں بہت سے طُرُق اور مختلف الفاظ میں مروی ہے، مسندِ احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نماز میں دُعا مانگتے سنا: ''یا اللہ! مجھ سے آسان حساب لیجئے'' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یسیر (آسان حساب) کیا ہے؟ فرمایا: وہ یہ ہے کہ بندے کا نامۂ عمل پیش کیا جائے، پھر (بغیر کسی جرح کے) اس سے درگزر کی جائے، عائشہ! اس دن جس کے حساب میں مناقشہ ہوا وہ مارا گیا۔

بزار اور طبری کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: آسان حساب کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ یہ ہے کہ بندے کے گناہ اس کے سامنے پیش کئے جائیں، پھر ان گناہوں پر اس سے (باز پُرس نہ کی جائے بلکہ) درگزر کا معاملہ کیا جائے (فتح الباری)۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ مؤمن کو قریب کریں گے پس اپنا پردہ اس پر ڈال کر اس کو چھپادیں گے، پھر اس سے فرمائیں گے: تم جانتے ہو تم نے فلاں فلاں گناہ کئے تھے؟ وہ عرض کرے گا: ہاں اے ربّ! (واقعی یہ گناہ میں نے کئے تھے)، یہاں تک کہ وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرے گا اور یہ سمجھے گا کہ وہ ہلاک ہوگیا، تو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرمائیں گے کہ: میں نے دُنیا میں تیرے ان گناہوں پر پردہ ڈالے رکھا اور آج تیرے یہ گناہ معاف کرتا ہوں۔ تب اس کی نیکیوں کا پروانہ اسے عطا کیا جائے گا (یہ تو بندۂ مؤمن سے معاملہ ہوگا)۔ باقی رہے کفار و منافقین تو سب کے سامنے ان پر یہ منادی کی جائے گی کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے ربّ پر جھوٹ بولا تھا، سنو! اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ظالموں پر (مشکوٰۃ ص:۴۸۵)۔

ان اَحادیثِ طیبہ سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن کریم آقا کا معاملہ ہر شخص کے ساتھ اس کے حسبِ حال ہوگا، بعض سعادت مندوں کے بغیر حساب و کتاب جنّت میں داخل کئے جانے کا اعلان فرمادیا جائے گا، بعض کے ساتھ حسابِ یسیر کا معاملہ ہوگا کہ ان کا نامۂ عمل ان کے سامنے پیش کرکے ان سے عفو و مغفرت کا معاملہ فرمایا جائے گا۔

بعض کے ساتھ مزید لطف و احسان یہ ہوگا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرکے فرمایا جائے گا کہ: ''ان گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کردیا جائے۔'' اس بے پایاں فضل و احسان کو دیکھ کر بندہ بے اختیار پکار اُٹھے گا کہ: ''یا اللہ! میرے بڑے بڑے گناہ تو ابھی باقی ہیں، وہ تو ابھی پیش ہی نہیں ہوئے۔'' سبحان اللہ!

کیا شانِ کرم ہے کہ گناہ گاروں کو ان کے قصوروں پر سزا کے بجائے اِنعام مل رہا ہے، اور مجرم نشۂ رحمت سے سرشار ہو کر اپنے جرائم کا خود اِظہار کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بندے کو بھلا دینا

[حدیث: ۹۴] ”عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُجَاءُ بِابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ بَذَجٌ، فَيُوْقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ تَعَالٰى، فَيَقُوْلُ اللهُ: أَعْطَيْتُكَ وَخَوَّلْتُكَ وَأَنْعَمْتُ عَلَيْكَ، فَمَاذَا صَنَعْتَ؟ فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ! جَمَعْتُهُ وَثَمَّرْتُهُ وَتَرَكْتُهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِيْ اٰتِكَ بِهِ كُلِّهِ۔ فَيَقُوْلُ لَهُ: أَرِنِيْ مَا قَدَّمْتَ؟ فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ جَمَعْتُهُ وَثَمَّرْتُهُ فَتَرَكْتُهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ، فَارْجِعْنِيْ اٰتِكَ بِهِ كُلِّهِ، فَإِذَا عَبْدٌ لَّمْ يُقَدِّمْ خَيْرًا، فَيُمْضٰى بِهِ إِلَى النَّارِ۔“

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القيامة، باب مَا جَاءَ فِي الْعَرْضِ، حدیث: ۲۳۵۱)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے دن آدمی کو ایسی حالت میں لایا جائے گا کہ وہ بھیڑ کے بچے کی طرح (ذلیل وحقیر) ہوگا، پس اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں نے تجھ کو بہت کچھ عطا کیا تھا، میں نے تجھے مال و دولت سے نوازا تھا، میں نے تجھ پر اِنعامات کئے تھے، پس تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ: اے پروردگار! میں نے مال خوب جمع کیا اور اسے خوب بڑھایا، اور اسے زیادہ سے زیادہ حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں، اب مجھے واپس کر دیجئے، میں اسے لے کر آتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ: مجھے یہ بتا کہ تو نے آگے کیا بھیجا تھا؟ وہ کہے گا: اے پروردگار! میں نے اسے خوب جمع کیا اور خوب بڑھایا اور اسے زیادہ سے زیادہ حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں، اب مجھے واپس بھیج دیجئے، وہ سارے کا سارا آپ کو لاکر دے دُوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب بندے نے کوئی خیر آگے نہ بھیجی ہو تو اسے دوزخ کی طرف چلتا کر دیا جائے گا۔“

[حدیث: ۹۵] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُؤْتٰى بِالْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ لَهُ: أَلَمْ أَجْعَلْ لَكَ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّمَالًا وَّوَلَدًا؟ وَسَخَّرْتُ لَكَ الْأَنْعَامَ وَالْحَرْثَ، وَتَرَكْتُكَ تَرْأَسُ

وَتَرْبَعُ فَكُنْتَ تَظُنُّ أَنَّكَ مُلَاقِيَّ يَوْمَكَ هٰذَا؟ فَيَقُوْلُ: لَا! فَيَقُوْلُ لَهُ: اَلْيَوْمَ أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيْتَنِيْ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ وَمَعْنٰى قَوْلِهِ "اَلْيَوْمَ أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيْتَنِيْ اَلْيَوْمَ" اَلْيَوْمَ أَتْرُكُكَ فِي الْعَذَابِ وكَذَا فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هٰذِهِ الْاٰيَةَ "فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ" قَالُوْا: مَعْنَاهُ الْيَوْمَ نَتْرُكُهُمْ فِي الْعَذَابِ۔"

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، بَاب مَا جَاءَ فِي الْعَرْضِ، حدیث: ۲۳۵۲)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن بندے کو بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے: کیا میں نے تیرے کان اور آنکھیں (اور دیگر اعضاء صحیح سالم) نہیں بنائے تھے؟ کیا تجھ کو مال واولاد نہیں دی تھی؟ کیا چوپاؤں اور مویشیوں کو تیرے لئے مسخر نہیں کیا تھا؟ اور کیا تجھے ایسا نہیں بنادیا تھا کہ تو لوگوں پر سرداری کرتا تھا، اور لوگوں سے خراج وصول کرتا تھا؟ یہ بتا کہ کیا تو اس دن کی ملاقات کا گمان رکھتا تھا؟ بندہ کہے گا: نہیں! اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: آج میں بھی تجھے بھلا دوں گا جیسا کہ تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔''

تشریح: بھلا دینے سے مراد ہے عذاب میں چھوڑ دینا اور خبر گیری نہ کرنا، مطلب یہ کہ تو میری بے شمار نعمتوں سے نفع اُٹھاتا رہا مگر تو نے میرے اَحکام کی پروا نہیں کی، اور نہ آخرت کی پیشی اور حساب وکتاب کو یاد رکھا، اس کی پاداش میں آج تجھ کو اس طرح عذاب میں رکھا جائے گا، جیسے کسی چیز کو رکھ کر بھول جاتے ہیں۔ یہ انسان کی بڑی رذالت اور کمینگی ہے کہ وہ اِنعاماتِ الٰہیہ کی ناشکری کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی طاعت وبندگی میں خرچ کرنے کے بجائے اس کی نافرمانی وحکم عدولی میں صَرف کرے۔

[حدیث: ۹۶] "عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ قَالَ: أَتَدْرُوْنَ مَا أَخْبَارُهَا؟ قَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! قَالَ: فَإِنَّ أَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا أَنْ تَقُوْلَ: عَمِلَ كَذَا وَكَذَا فِيْ يَوْمِ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: بِهٰذَا اَمَرَهَا۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔"

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، بَاب مَا جَاءَ فِي الْعَرْضِ، حدیث: ۲۳۵۴)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ

تلاوت فرمائی: ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ (الزلزال) (اس دن بیان کرے گی زمین اپنی خبریں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو اس کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: اس کی خبریں یہ ہیں کہ وہ ہر بندے اور بندی پر گواہی دے گی، جس شخص نے جو عمل اس کی پشت پر کیا تھا، یوں کہے گی کہ: فلاں شخص نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں عمل کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس کا حکم دیا (اور وہ حکمِ الٰہی سے بیان کرے گی)۔"

تشریح: انسان جو نیک یا بد عمل کرتا ہے تو اس کا ایک ریکارڈ تو علمِ الٰہی میں موجود ہے اور دُوسرا لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے، تیسرا کراماً کاتبین کے نامۂ اعمال میں ثبت ہو رہا ہے، چوتھا انسان کے اعضاء و جوارح میں ریکارڈ ہو رہا ہے، پانچواں زمین کی سطح میں ریکارڈ ہو رہا ہے، جس طرح ٹیپ ریکارڈر انسان کی آواز ریکارڈ کرتا ہے، اور جس طرح ٹیلی ویژن کے آلات سے اس کی ایک ایک حرکت و سکون کو محفوظ کرلیا جاتا ہے، اسی طرح زمین بھی انسان کے اچھے بُرے اعمال کو ریکارڈ کر رہی ہے، اور قیامت کے دن وہ اپنا تمام ریکارڈ اُگل دے گی، اور انسان کے ایک ایک عمل پر گواہی دے گی کہ اس نے فلاں وقت نماز نہ پڑھی تھی، چوری کی تھی، کسی نامحرَم کو بُری نظر سے دیکھا تھا، وغیر ذالک۔ حق تعالیٰ شانہ اپنی شانِ کریمی سے بندے کی پردہ پوشی فرمائیں تو ان کی رحمت ہے، ورنہ جب انسانی اعضاء و جوارح اور زمین کے اجزا بھی اس کے خلاف شہادت دینے لگیں تو اس کی ذِلت و رُسوائی کا کیا ٹھکانہ ہے!

"اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا، اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ وَّلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ"

صُور پھونکنے کا بیان

[حدیث:۹۷] "عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا الصُّوْرُ؟ قَالَ: قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيْهِ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِیِّ وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِهٖ۔"

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القيامة، باب ما جاء في شأن الصور، حدیث:۲۳۵۴)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: صور کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے

فرمایا: ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔"

[حدیث:۹۸] "عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: وَکَیْفَ أَنْعَمُ وَصَاحِبُ الْقَرْنِ قَدِ الْتَقَمَ الْقَرْنَ وَاسْتَمَعَ الْأُذُنَ مَتٰی یُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَیَنْفُخُ۔ فَکَأَنَّ ذٰلِکَ ثَقُلَ عَلٰی أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لَهُمْ: قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ عَلَی اللهِ تَوَکَّلْنَا۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رُوِیَ مِنْ غَیْرِ وَجْهٍ هٰذَا الْحَدِیْثُ عَنْ عَطِیَّةَ عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ۔"

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، باب مَاجَاءَ فِي شَأْنِ الصُّوْرِ، حدیث:۲۳۵۵)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں کیسے خوش ہوں حالانکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور اپنے منہ میں لے رکھا ہے اور حکمِ الٰہی کی طرف کان لگائے ہوئے ہے، اور وہ منتظر ہے کہ اسے کب صور پھونکنے کا حکم کیا جاتا ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ: یہ ارشاد گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر بہت ہی بھاری گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: یوں کہا کرو: "حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ، عَلَی اللهِ تَوَکَّلْنَا" (اللہ تعالیٰ ہم کو کافی ہیں اور بہترین کارساز ہیں، ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا ہے)۔"

تشریح: صور ایک قرنا (نرسنگا) ہے، جس کو اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پھونکیں گے اور اس صور پھونکنے کا ذکر قرآنِ کریم میں بہت سی جگہ آیا ہے، نفخِ صور دو بار ہوگا، پہلے جب اللہ تعالیٰ اس عالم کو فنا کرنا چاہیں گے تو اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوگا، وہ صور پھونکیں گے، شروع میں اس کی آواز نہایت دھیمی اور سریلی ہوگی، جو تدریجاً بڑھتی جائے گی جس سے انسان، جنات، چرند، پرند سب سراسیمہ ہوکر مدہوشی کے عالم میں بھاگیں گے اور آواز کی شدّت اور بڑھے گی تو سب کے جگر پھٹ جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور رُوئی کی طرح اُڑنے لگیں گے، آسمان پھٹ جائے گا، ستارے جھڑ جائیں گے، بالآخر آسمان و زمین فنا ہوجائیں گے اور ذاتِ الٰہی کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ کچھ عرصے بعد (جس کی مقدار بعض روایات میں چالیس سال آئی ہے) اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زندہ کرکے انہیں پھر صور پھونکنے کا حکم دیں گے جس سے پورا عالم دوبارہ وجود میں آجائے گا، مردے قبر سے اُٹھیں گے اور میدانِ محشر میں حساب و کتاب کے لئے سب لوگ جمع ہوں گے۔ قیامت کا صور پھونکا جانا نہایت ہولناک چیز ہے کہ آسمان و زمین اور پہاڑ بھی اس کو برداشت نہیں کرسکیں گے اور چونکہ یہ منظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر رہتا تھا اس لئے فرمایا کہ: میں کس طرح خوش ہوں

جبکہ صور پھونکنے والا فرشتہ اسے منہ میں لئے منتظر کھڑا ہے کہ اسے کب صور پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔

مستدرک حاکم کی حدیث میں ہے کہ صور پھونکنے والا فرشتہ جب سے اس پر مقرّر ہوا ہے اس نے جب سے آنکھ نہیں جھپکی، بلکہ اس کی نظریں برابر عرش کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ مبادا آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی اس کو صور پھونکنے کا حکم ہوجائے، گویا اس کی آنکھیں چمکدار ستارے ہیں۔

مشہور یہ ہے کہ صور پھونکنے پر حضرت اِسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام مقرّر ہیں، لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خدمت پر دو فرشتے مقرّر ہیں، غالباً دُوسرا فرشتہ حضرت اِسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماتحت ہوگا، واللہ اعلم!

جمہور اہلِ علم کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ نفخِ صور دو بار ہوگا، ایک مرتبہ فنا کے لئے، دُوسری مرتبہ دوبارہ زندہ کرنے کے لئے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تین بار ہوگا، حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ النہایہ فی الفتن والملاحم" میں لکھتے ہیں:

"اَلنَّفَخَاتُ فِی الصُّوْرِ ثَلَاثُ نَفَخَاتٍ، نَفْخَةُ الْفَزَعِ، ثُمَّ نَفْخَةُ الصَّعْقِ، ثُمَّ نَفْخَةُ الْبَعْثِ۔"
(النہایہ فی الفتن والملاحم ج:۱ص:۲۷۹)

ترجمہ: "صور کا پھونکا جانا تین بار ہوگا، اوّل سے لوگ گھبرا جائیں گے، اور دُوسرے سے بے ہوش ہوجائیں گے، اور تیسرے سے دوبارہ زندہ ہوجائیں گے۔"

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباری" میں ابن العربی سے بھی یہی نقل کیا ہے (فتح الباری ج:۱۱ ص:۳۶۹)۔

اور حافظ ابنِ حزم ظاہری کا خیال ہے کہ نفخات چار ہوں گے، **نفخۂ فنا، نفخۂ احیاء، نفخۂ فزع، نفخۂ صعق**۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ صور کا پھونکا جانا دو ہی بار ہوگا، قرآنِ کریم میں پہلی بار کے صور پھونکے جانے کو **نفخۂ فزع** اور **نفخۂ صعق** فرمایا گیا ہے۔

اُوپر کی حدیثِ پاک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ضبط و تحمل کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے کہ قیامت کے ہولناک مناظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہیں، اس کے باوجود مسکراتے بھی ہیں، احباب سے بھی ملتے ہیں، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حقوق بھی ادا فرماتے ہیں، اور مراقبۂ آخرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی شغل میں خلل انداز نہیں ہوتا، ورنہ یہ غیبی حقائق اور یہ ہولناک اور رُوح فرسا مناظر دُوسروں کے سامنے کھل جاتے تو اَعصاب یک لخت جواب دے جاتے اور زندگی معطل ہوکر رہ جاتی...!

اس مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے:

"لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَلَمَّا سَاغَ لَكُمُ الطَّعَامُ

وَلَا الشَّرَابُ، وَلَمَا نِمْتُمْ عَلَى الْفُرُشِ، وَلَهَجَرْتُمُ النِّسَاءَ، وَلَخَرَجْتُمْ اِلَى الصَّعِدَاتِ تَجْأَرُوْنَ وَتَبْكُوْنَ، وَلَوَدِدْتُ اللّٰهَ خَلَقَنِیْ شَجَرَةً تُعْضَدُ۔“

(مستدرک حاکم ج:۴ص:۵۷۹)

ترجمہ: ”جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تمہیں معلوم ہوجاتا تو تم بہت کم ہنسا کرتے، بہت زیادہ رویا کرتے، اور تمہارا کھانا پینا چھوٹ جاتا، اور تم بستروں پر نہ سوسکتے، اور عورتوں کو چھوڑ دیتے اور تم روتے اور گڑگڑاتے ہوئے باہر سڑکوں پر نکل آتے، اور میرا جی چاہتا ہے کہ کاش! اللہ تعالیٰ نے مجھے درخت پیدا کیا ہوتا جسے کاٹ لیا جاتا۔ (یہ آخری فقرہ غالباً حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی کی حدیث کا ہے)۔“

اس حدیثِ پاک سے یہ معلوم ہوا کہ آدمی کو جب کوئی پریشانی اور گھبراہٹ لاحق ہو تو ”حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا“ پڑھنا چاہئے۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آتشِ نمرود میں ڈالا گیا آپ یہی پڑھ رہے تھے (مرقاۃ)۔ اس دُعا کا حاصل تو تفویض و توکل ہے، یعنی اپنا سب معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کے سپرد کردیا جائے۔

پُل صراط کا بیان

[حدیث:۹۹] ”عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: شِعَارُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الصِّرَاطِ: رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ! هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ إِسْحَاقَ۔“

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة، بَاب مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الصِّرَاطِ، حدیث:۲۳۵۵)

ترجمہ: ”حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اہلِ ایمان کا شعار پُل صراط پر رَبِّ سَلِّم سَلِّم ہوگا (یعنی اے رَبّ! سلامتی سے پار کردیجئے)۔“

تشریح: پُل صراط جہنّم کی پشت پر قائم ہوگا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، سب لوگوں کو اس پر سے گزرنا ہوگا، ہر شخص کی رفتار اس کے اعمال کے مطابق ہوگی، کوئی بجلی کی سی تیزی سے گزرے گا، کوئی طیاروں یا پرندوں کی اُڑان کی طرح، کوئی نہایت تیز رفتار گھوڑے کی طرح، کوئی آدمی کے دوڑنے کی رفتار سے، کوئی آدمی کی معمولی رفتار سے، کوئی شیرخوار بچے کی طرح رینگتا جائے گا اور کوئی کٹ کٹ کر جہنّم میں گرے گا، نعوذ باللہ!

اس حدیثِ پاک میں فرمایا گیا ہے کہ پُل صراط سے گزرتے ہوئے اہلِ ایمان کا شعار ''رَبِّ سلِّم سلِّم'' ہوگا، متعدّد اَحادیث میں ہے کہ فرشتے اس کے دونوں جانب کھڑے ''اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ'' کہہ رہے ہوں گے، اور بعض روایات میں ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس پر کھڑے ''رَبِّ سلم سلم'' کہہ رہے ہوں گے۔ ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں کہ شدّتِ اہوال کی وجہ سے انبیائے کرام، ملائکہ اور اہلِ ایمان سب ہی سلامتی کی دُعا کریں گے، البتہ صحیح بخاری ''باب فضل السجود'' (ج:۱ص:۱۱۱) میں ہے:

''وَلَا یَتَکَلَّمُ یَوْمَئِذٍ اِلَّا الرُّسُلُ وَکَلَامُ الرُّسُلِ یَوْمَئِذٍ: اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ!''

ترجمہ: ''اور نہیں کلام کریں گے اس دن مگر رسول، اور رسولوں کا کلام اس دن ''اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ'' ہوگا۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان کلام نہیں کریں گے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس کلام کے اہلِ ایمان کا شعار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خود بھی یہ کلمہ کہیں، بلکہ رسول یہ کلمہ کہیں گے اور اس کے ساتھ اہلِ ایمان کی سلامتی کی دُعا کریں گے، اس لئے اس کو اہلِ ایمان کا شعار فرمایا گیا (فتح الباری ج:۱۱ ص:۴۵۲)۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ نفی و اثبات کو مختلف حالات پر محمول کیا جائے، یعنی ایک خاص وقت میں تو رسولوں کے سوا کوئی کلام نہیں کرے گا، لیکن دُوسرے اوقات میں اہلِ ایمان بھی یہ دُعا کریں، واللہ اعلم!

[حدیث:۱۰۰] ''عن أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ عَنْ أَبِیْهِ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنْ یَّشْفَعَ لِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَقَالَ: أَنَا فَاعِلٌ! قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! فَأَیْنَ أَطْلُبُکَ؟ قَالَ: أُطْلُبْنِیْ أَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِیْ عَلَی الصِّرَاطِ۔ قُلْتُ: فَإِنْ لَّمْ أَلْقَکَ عَلَی الصِّرَاطِ؟ قَالَ: فَاطْلُبْنِیْ عِنْدَ الْمِیْزَانِ۔ قُلْتُ: فَإِنْ لَّمْ أَلْقَکَ عِنْدَ الْمِیْزَانِ؟ قَالَ: فَاطْلُبْنِیْ عِنْدَ الْحَوْضِ فَإِنِّیْ لَا أُخْطِئُ هٰذِهِ الثَّلَاثَ الْمَوَاطِنَ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔''

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة، باب مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الصِّرَاطِ، حدیث:۲۴۵۶)

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ضرور کروں گا! میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! پھر آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: سب سے پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا، میں نے عرض کیا: اگر پل صراط پر آپ سے ملاقات نہ ہوسکے تو؟ فرمایا: تو پھر میزان کے پاس تلاش کرنا، میں نے عرض کیا: اگر

میزان کے پاس بھی آپ سے نہ مل سکوں تو؟ فرمایا: پھر حوضِ کوثر پر مجھے تلاش کرنا، کیونکہ میں ان تین جگہوں سے چوتھی جگہ نہیں ہوں گا۔"

تشریح: اس حدیثِ پاک میں دو چیزیں غور طلب ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے پُل صراط پر، پھر میزان پر اور اس کے بعد حوض پر آپ ﷺ کو تلاش کرنے کا حکم فرمایا، جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ پُل صراط کا مرحلہ میزان سے پہلے اور حوض پر حاضری میزان کے بعد ہے، لیکن احادیثِ صحیحہ سے جو ترتیب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حوض، میزان سے پہلے، اور میزان، پُل صراط سے پہلے ہے۔ "کوکب دُرّی" میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے یہ توجیہ نقل کی گئی ہے:

"یہاں اوّلیت سے اوّلیتِ زمانی مراد نہیں، ورنہ صراط کا میزان سے اور میزان کا حوض سے مقدّم ہونا لازم آئے گا، جبکہ روایات میں اس کے خلاف صراحت ہے، بلکہ یہاں آنحضرت ﷺ کی طرف ضرورت و احتیاج کے اعتبار سے تقدم ہے، گویا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلا مرتبہ تیرے مجھے تلاش کرنے کا اور سب سے زیادہ احتیاج کا موقع صراط ہے، پھر اس کے بعد ہول و شدّت میں میزان ہے، پھر حوض ہے۔"

حضرتِ شیخ (مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مدنی) قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ: اسی کے قریب وہ توجیہ ہے جو علّامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے:

"فِیْ أَیِّ مَوَاطِنِ مِنَ الْمَوَاطِنِ الَّتِیْ اَحْتَاجُ اِلٰی شَفَاعَتِکَ اَطْلُبُکَ لِتَخْلُصَنِیْ مِنْ تِلْکَ الْوَرْطَةِ، فَأَجَابَ: عَلَی الصِّرَاطِ وَعِنْدَ الْمِیْزَانِ وَالْحَوْضِ، أَیْ أَفْقَرُ الْأَوْقَاتِ اِلٰی شَفَاعَتِیْ هٰذِهِ الْمَوَاطِنَ۔" (کوکب الدرّی ج:۲ ص:۹۸)

ترجمہ: "سوال کا مدّعا یہ تھا کہ کن مواقع میں مجھے آپ کی شفاعت کی احتیاج پیش آئے گی؟ جن میں آپ کو تلاش کروں تاکہ آپ مجھے اس گرداب سے نکالیں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ: صراط پر، میزان کے پاس اور حوض کے پاس۔ مطلب یہ کہ وہ مواقع جن میں میری شفاعت کی احتیاج ہوگی وہ یہ تین مقامات ہیں۔"

حضرتِ شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ: میرے نزدیک زیادہ راجح یہ توجیہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف بری ان مواقع میں بار بار ہوگی، خصوصاً پُل صراط پر، اس لئے پُل صراط پر تشریف لے جانا حساب و کتاب وغیرہ سے پہلے بھی ہوگا... الخ (کوکب دُرّی ج:۲ ص:۹۸)۔

یہی توجیہ حاشیہ مشکوٰۃ (ص:۴۹۳) میں لمعات سے نقل کی گئی ہے، دُوسری توجہ طلب بات یہ ہے کہ اس حدیثِ پاک میں آنحضرت ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو طلبِ شفاعت کے لئے آپ ﷺ کو تین

مقامات پر تلاش کرنے کا حکم فرمایا، صراط، میزان اور حوض، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تین مواقع ایسے ہیں جہاں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔

حضرت عائشہ رضی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں ایک بار دوزخ کو یاد کرکے رو رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ: میں جہنّم کو یاد کرکے رونے لگی۔ پھر عرض کیا کہ: کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر کے لوگوں کو بھی یاد رکھیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَمَّا فِيْ ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ أَحَدٌ أَحَدًا، عِنْدَ الْمِيْزَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيَخِفَّ مِيْزَانُهٗ أَمْ يَثْقُلُ؟ وَعِنْدَ الْكِتَابِ حِيْنَ يُقَالُ: هَاؤُمُ اقْرَؤُا كِتَابِيَهْ، حَتّٰى يَعْلَمَ أَيْنَ يَقَعُ كِتَابُ أَفِيْ يَمِيْنِهٖ أَمْ فِيْ شِمَالِهٖ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِهٖ؟ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرِ جَهَنَّمَ۔" (مشکوٰۃ ص:۴۸۶)

ترجمہ: "تین موقعوں پر تو کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا، ایک تو میزان کے پاس، یہاں تک کہ معلوم ہوجائے کہ اس کی میزان ہلکی ہوتی ہے یا بھاری؟ دُوسرے نامۂ اَعمال ہاتھوں میں دیئے جانے کے وقت، یہاں تک کہ معلوم ہوجائے کہ اس کا نامۂ عمل کس ہاتھ میں دیا جاتا ہے، دائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے اس کے بائیں ہاتھ میں؟ اور صراط کے پاس جبکہ وہ جہنّم کی پشت پر رکھا جائے گا۔"

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صراط و میزان پر کوئی سفارش کام نہیں دے گی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "لمعات" میں فرماتے ہیں کہ: یہ ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بطور مبالغہ فرمایا تاکہ وہ حرمِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کی وجہ سے اِعتماد نہ کر بیٹھیں، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شفاعت کا وعدہ اس لئے فرمایا کہ وہ مایوس نہ ہوں (حاشیہ مشکوٰۃ)۔

شفاعت کا بیان

[حدیث:۱۰۱] "عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: أُتِيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَيْهِ الذِّرَاعُ فَأَكَلَهٗ وَكَانَ يُعْجِبُهٗ فَنَهَشَ مِنْهُ نَهْشَةً ثُمَّ قَالَ: أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، هَلْ تَدْرُوْنَ لِمَ ذَاكَ؟ يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ فِيْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ فَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِيْ وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ وَتَدْنُو الشَّمْسُ مِنْهُمْ فَيَبْلُغَ النَّاسُ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيْقُوْنَ وَلَا يَتَحَمَّلُوْنَ، فَيَقُوْلُ النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ؟ أَلَا تَنْظُرُوْنَ مَنْ يَّشْفَعُ لَكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ؟

فَيَقُوْلُ النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: عَلَيْكُمْ بِاٰدَمَ، فَيَأْتُوْنَ اٰدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ: أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ، خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُّوْحِهٖ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوْا لَكَ، اِشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ أَلَا تَرٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُوْلُ لَهُمْ اٰدَمُ: اِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَّمْ يَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ، وَاِنَّهٗ قَدْ نَهَانِيْ عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهٗ، نَفْسِيْ! نَفْسِيْ! نَفْسِيْ! اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِيْ، اِذْهَبُوْا اِلٰى نُوْحٍ۔ فَيَأْتُوْنَ نُوْحًا فَيَقُوْلُوْنَ: يَا نُوْحُ! أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ اِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ، وَقَدْ سَمَّاكَ اللهُ عَبْدًا شَكُوْرًا، اِشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ أَلَا تَرٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُوْلُ لَهُمْ نُوْحٌ: اِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَّمْ يَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ، وَاِنَّهٗ قَدْ كَانَتْ لِيْ دَعْوَةٌ دَعَوْتُهَا عَلٰى قَوْمِيْ، نَفْسِيْ! نَفْسِيْ! نَفْسِيْ! اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِيْ، اِذْهَبُوْا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ۔ فَيَأْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُوْنَ: يَا اِبْرَاهِيْمُ! أَنْتَ نَبِيُّ اللهِ وَخَلِيْلُهٗ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ، فَاشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ فَيَقُوْلُ: اِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَّمْ يَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ، وَاِنِّيْ قَدْ كَذَبْتُ ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ -فَذَكَرَهُنَّ أَبُوْ حَيَّانَ فِي الْحَدِيْثِ- نَفْسِيْ! نَفْسِيْ! نَفْسِيْ! اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِيْ، اِذْهَبُوْا اِلٰى مُوْسٰى۔ فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُوْنَ: يَا مُوْسٰى! أَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ، فَضَّلَكَ اللهُ بِرِسَالَتِهٖ وَكَلَامِهٖ عَلَى الْبَشَرِ، اِشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ فَيَقُوْلُ: اِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَّمْ يَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ، وَاِنِّيْ قَدْ قَتَلْتُ نَفْسًا لَّمْ أُوْمَرْ بِقَتْلِهَا، نَفْسِيْ! نَفْسِيْ! نَفْسِيْ! اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِيْ، اِذْهَبُوْا اِلٰى عِيْسٰى۔ فَيَأْتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُوْنَ: يَا عِيْسٰى! أَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ وَكَلِمَتُهٗ أَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ، وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ، اِشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ فَيَقُوْلُ عِيْسٰى: اِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَّمْ يَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ، وَلَمْ يَذْكُرْ ذَنْبًا، نَفْسِيْ! نَفْسِيْ! اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِيْ، اِذْهَبُوْا اِلٰى مُحَمَّدٍ۔ قَالَ: فَيَأْتُوْنَ مُحَمَّدًا فَيَقُوْلُوْنَ: يَا مُحَمَّدُ! أَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، اِشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ فَأَنْطَلِقُ فَاٰتِيْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَخِرُّ سَاجِدًا لِّرَبِّيْ، ثُمَّ يَفْتَحُ اللهُ عَلَيَّ مِنْ مَّحَامِدِهٖ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ

عَلَيْهِ شَيْئًا لَّمْ يَفْتَحْهُ عَلٰى أَحَدٍ قَبْلِي، ثُمَّ يُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهُ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ فَأَرْفَعُ رَأْسِيْ فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ أُمَّتِيْ! يَا رَبِّ أُمَّتِيْ! يَا رَبِّ أُمَّتِيْ! فَيَقُوْلُ: يَا مُحَمَّدُ! أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَّا حِسَابَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ۔ ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ! مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيْعِ الْجَنَّةِ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرَ وَكَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرٰى۔ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ وَأَنَسٍ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔"

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة، باب مَاجَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ، حدیث: ۲۳۵۸)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دعوت میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا، پس دستی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی اور گوشت کا یہ حصہ آپ کو بہت مرغوب تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دانتوں سے ایک بار نوچ کر اسے تناول فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں گا، جانتے ہو ایسا کیوں ہوگا؟ اللہ تعالیٰ تمام اوّلین وآخرین کو ایک صاف میدان میں جمع کریں گے، پس پکارنے والا ان کو آواز سنا سکے گا اور نظر ان سے آر پار ہوگی، اور آفتاب ان کے قریب ہوگا، پس لوگوں کو غم اور بے چینی اس حد تک لاحق ہوگی کہ ان کی طاقت اور حدِ برداشت سے باہر ہوگی، پس لوگ ایک دُوسرے سے کہیں گے کہ: تم دیکھ نہیں رہے کہ تمہاری پریشانی کا کیا عالم ہے؟ کیا تم کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھتے جو تمہارے رَبّ کے پاس تمہاری سفارش کرے؟ لوگ ایک دُوسرے سے کہیں گے کہ (اس مقصد کے لئے) آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جانا چاہئے، چنانچہ لوگ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ: حضرت! آپ ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، آپ میں اپنی (طرف سے) رُوح ڈالی، اور فرشتوں کو سجدہ کا حکم فرمایا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، آپ اپنے رَبّ کے پاس ہماری سفارش کیجئے! آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں، آپ دیکھتے نہیں کہ ہمیں کیسی پریشانی لاحق ہے؟ یہ سن کر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے کہ: آج میرا رَبّ ایسا غضب ناک ہے کہ نہ آج سے پہلے کبھی ایسا غضب ناک ہوا اور نہ آج کے بعد کبھی ایسا غضب ناک ہوگا، اور اس نے مجھے درخت سے منع کیا تھا لیکن میں اس کا یہ حکم پورا نہیں

کر سکا، نفسی! نفسی، تم کسی اور کے پاس جاؤ، تم نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ۔ چنانچہ لوگ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، ان سے عرض کریں گے کہ: آپ پہلے رسول ہیں جو اہلِ زمین کی طرف بھیجے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ''شکر گزار بندہ'' رکھا ہے، آپ اپنے رَبّ کے پاس ہماری سفارش کیجئے! آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں، آپ دیکھتے نہیں کہ ہمیں کیسی پریشانی لاحق ہے؟ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے کہ: میرا رَبّ آج ایسا غضب ناک ہے کہ نہ آج سے پہلے کبھی ایسا غضب ناک ہوا اور نہ آج کے بعد کبھی ایسا غضب ناک ہوگا، اور میرے لئے ایک مخصوص دُعا تھی جو میں نے اپنی قوم پر بددُعا کرکے پوری کرلی۔ نفسی! نفسی! نفسی! تم کسی دُوسرے کے پاس جاؤ، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ۔ چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ: آپ اہلِ زمین پر اللہ کے نبی اور اس کے خلیل تھے، آپ اپنے رَبّ کے پاس ہماری سفارش کیجئے! آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے کہ: میرا رَبّ آج ایسا غضب ناک ہے کہ نہ کبھی آج سے پہلے ایسا غضب ناک ہوا اور نہ آج کے بعد کبھی ایسا غضب ناک ہوگا، اور میں نے تین باتوں میں توریہ کیا تھا- ابوحیان راوی نے حدیث میں ان تین باتوں کا ذکر کیا ہے- نفسی! نفسی! نفسی! تم کسی اور کے پاس جاؤ، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ۔ چنانچہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، ان سے عرض کریں گے کہ: آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پیغامات اور بلاواسطہ کلام کے ساتھ لوگوں پر فضیلت دی تھی، آپ اپنے رَبّ کے پاس ہماری سفارش کیجئے! آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ وہ فرمائیں گے کہ: آج میرا رَبّ ایسا غضب ناک ہے کہ نہ آج سے پہلے کبھی ایسا غضب ناک ہوا اور نہ آج کے بعد کبھی ایسا غضب ناک ہوگا، اور میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کردیا تھا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں ہوا تھا، نفسی! نفسی! نفسی! تم لوگ کسی دُوسرے کے پاس جاؤ، تم عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ۔ چنانچہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ: آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کلمۃ اللہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی طرف ڈالا تھا اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (خرقِ عادت کے طور پر) آئی ہوئی رُوح ہیں، اور آپ نے گہوارے میں باتیں

کی تھیں، آپ اپنے رَبّ کے پاس ہماری سفارش کیجئے! آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ وہ فرمائیں گے کہ: میرا رَبّ آج ایسا غضب ناک ہے کہ نہ آج سے پہلے کبھی ایسا غضب ناک ہوا اور نہ آج کے بعد کبھی ایسا غضب ناک ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا کوئی قصور ذکر نہیں کریں گے، نفسی! نفسی! تم لوگ کسی دُوسرے کے پاس جاؤ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ چنانچہ لوگ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (اور ایک روایت میں ہے کہ میرے پاس) آئیں گے، پس کہیں گے کہ: آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب اگلے پچھلے قصور معاف کردیئے ہیں، آپ اپنے رَبّ کے پاس ہماری سفارش کیجئے! آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ چنانچہ میں (سفارش کے لئے) چلوں گا، پس عرش کے نیچے پہنچ کر اپنے رَبّ کے سامنے سجدے میں گرجاؤں گا، پس اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد وثنا کے وہ مضامین کھولیں گے جو مجھ سے پہلے کسی پر نہیں کھولے ہوں گے۔ پھر فرمایا جائے گا کہ: اے محمد! سر اُٹھایئے، مانگئے جو مانگنا چاہتے ہیں آپ کو عطا کیا جائے گا، اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت سنی جائے گی۔ پس میں سجدے سے سر اُٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: اے رَبّ میری اُمّت! اے رَبّ میری اُمّت! اے رَبّ میری اُمّت! پس حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرمائیں گے کہ: اے محمد! اپنی اُمّت کے ان لوگوں کو جن کے ذمے حساب نہیں، جنّت کے دائیں دروازے سے داخل کیجئے اور یہ لوگ دُوسرے دروازوں میں بھی دیگر لوگوں کے ساتھ برابر کے حق دار شریک ہوں گے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! جنّت کے دروازوں میں سے ہر ایک دروازے کے دو کواڑوں کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جتنا کہ مکہ اور ہجر اور مکہ اور بُصریٰ کے درمیان کا فاصلہ ہے۔‘‘

تشریح: قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صلحاء اور ملائکہ کا شفاعت کرنا برحق ہے، اور اس کے بارے میں بہت سی روایات وارِد ہوئی ہیں، جو معنیً متواتر ہیں، اور یہ شفاعت کئی قسم کی ہوگی۔

اوّل شفاعتِ کبریٰ:... یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے کہ محشر کے دن کی ہولناکیوں اور حساب وکتاب کے بند ہونے کی وجہ سے اہلِ محشر اس قدر پریشان ہوں گے کہ لوگ یہ آرزو کریں گے کہ حساب وکتاب کھل جائے خواہ انہیں دوزخ میں ہی بھیج دیا جائے۔ اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ اہلِ ایمان کے دِل

میں یہ بات ڈالیں گے کہ کسی برگزیدہ ہستی سے اس بندش کو کھلوانے کی سفارش کی جائے، چنانچہ باری باری حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات) کی خدمت میں حاضر ہوں گے، اور یہ سب حضرات جلالِ اِلٰہی کے رُعب سے اس پر آمادہ نہیں ہوں گے، بالآخر سیّد المرسلین وخاتم النّبیین ﷺ کی خدمت میں شفاعت کی درخواست کریں گے، آپ ﷺ اس درخواست کو قبول فرما کر بارگاہِ اِلٰہی میں سجدہ ریز ہوں گے، طویل سجدے کے بعد آپ کو شفاعت کا اِذن ہوگا، اور آپ ﷺ کی شفاعت سے حساب وکتاب شروع ہوجائے گا، یہی وہ ''مقامِ محمود'' ہے جس کا قرآنِ کریم میں آپ ﷺ سے وعدہ کیا گیا ہے: ﴿عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا﴾ (بنی اسرائیل) چونکہ یہ شفاعت تمام اہلِ محشر کے حق میں ہوگی، اس لئے تمام اوّلین وآخرین اس پر آپ کی مدح وثنا کریں گے۔

دوم:... آنحضرت ﷺ اپنی اُمّت کے بہت سے لوگوں کو بغیر حساب وکتاب کے جنّت میں جانے کی شفاعت فرمائیں گے، جس کا بیان اسی حدیثِ بالا کے آخر میں ہے، اور بعض اکابر کے نزدیک یہ شفاعت بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔

سوم:... بہت سے اہلِ جنّت کو آپ ﷺ کی شفاعت سے ان کے درجے سے بڑھ کر مقاماتِ عالیہ اور درجاتِ رفیعہ عطا کئے جائیں گے۔

چہارم:... بہت سے لوگ جن کی نیکی اور بدی کا پلہ مساوی ہوگا، آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے جنّت میں داخل کئے جائیں گے۔

پنجم:... بہت سے لوگ جو اپنے اعمال کے لحاظ سے جہنّم کے مستحق ہوں گے ان کو آپ ﷺ کی شفاعت سے معاف کردیا جائے گا اور جنّت میں داخل کردیا جائے گا۔

ششم:... بہت سے گنہگار جو جہنّم میں جاچکے ہوں گے ان کے حق میں شفاعت ہوگی اور انہیں جہنّم سے نکال لیا جائے گا، یہ شفاعت تمام انبیائے کرام، ملائکہ عظام اور صلحاء کے درمیان مشترک ہے۔

ہفتم:... بعض اہلِ دوزخ کے عذاب میں آپ ﷺ کی شفاعت سے تخفیف ہوگی، جیسا کہ ابوطالب کے بارے میں احادیث میں وارِد ہے۔

ہشتم:... جنّت کا دروازے کھولنے کے لئے بھی آنحضرت ﷺ شفاعت فرمائیں گے، اور سب سے پہلے آپ ہی کے لئے کھولا جائے گا۔

ان شفاعتوں کے علاوہ بعض خاص اعمال والوں کے لئے بھی وعدۂ شفاعت احادیث میں آیا ہے، مگر یہ مندرجہ بالا صورتوں ہی میں داخل ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباری، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار)۔

اہلِ کبائر کے لئے شفاعت

[حدیث: ۱۰۲] ’’عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: شَفَاعَتِيْ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِيْ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ۔‘‘

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، باب مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ، حدیث: ۲۳۵۹)

ترجمہ: ’’حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری شفاعت میری اُمّت کے اہلِ کبائر کے لئے ہوگی۔‘‘

[حدیث: ۱۰۳] ’’عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: شَفَاعَتِيْ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِيْ۔ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ: فَقَالَ لِيْ جَابِرٌ: يَا مُحَمَّدُ! مَنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْكَبَائِرِ فَمَا لَهٗ وَلِلشَّفَاعَةِ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔‘‘

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، باب مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ، حدیث: ۲۳۶۰)

ترجمہ: ’’حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری اُمّت کے اہلِ کبائر کے لئے ہوگی۔ محمد بن علی (اِمام باقر رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ: (اس حدیث کو بیان کرکے) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ: اے محمد! جو شخص اہلِ کبائر میں سے نہ ہو، اس کو شفاعت کی کیا ضرورت؟‘‘

تشریح: اہلِ حق اس کے قائل ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انبیاء و اولیاء اور ملائکہ کو گناہ گاروں کے حق میں شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائیں گے، چنانچہ بعض ایسے گناہ گاروں کے حق میں شفاعت ہوگی جو دوزخ کے مستحق تھے، شفاعت کے بعد ان کی مغفرت ہوجائے گی اور انہیں دوزخ میں داخل نہیں کیا جائیگا۔ اور بعض گناہ گاروں کے حق میں دوزخ سے نکالنے کی شفاعت ہوگی، اور انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ خوارج اور بعض معتزلہ اہلِ کبائر کے حق میں شفاعت کے منکر ہیں، مگر ان کا یہ قول غلط ہے، کیونکہ قرآنِ کریم میں اِجمالاً اور اَحادیث متواتر المعنی میں صراحۃً و تفصیلاً اہلِ کبائر کے لئے شفاعت کا ہونا ثابت ہے، البتہ کافر و مشرک کے لئے شفاعت نہیں ہوگی۔ نیز اَحادیث میں متعدّد گناہوں کا ذکر آتا ہے، جن کی وجہ سے آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم ہوجاتا ہے (اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں!)۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ

شرح مشکوٰۃ میں یہ حدیث متعدّد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کی ہے، اسی ضمن میں لکھتے ہیں:

"وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ (أَيْ لِلْخَطِيْبِ) عَنْ عَلِيٍّ (رَضِيَ اللهُ عَنْهُ): شَفَاعَتِيْ لِأُمَّتِيْ مَنْ أَحَبَّ أَهْلَ بَيْتِيْ۔ وَرَوَى أَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ (رَضِيَ اللهُ عَنْهُ): شَفَاعَتِيْ مُبَاحَةٌ إِلَّا لِمَنْ سَبَّ أَصْحَابِيْ۔ وَرَوَى ابْنُ مَنِيْعٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ وَبِضْعَةَ عَشَرَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَلَفْظُهُ: شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ، وَفَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِهَا لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِهَا۔"

ترجمہ: "اور خطیب کی ایک روایت میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ: میری شفاعت میری اُمّت میں سے ان لوگوں کے لئے ہے جو میرے اہلِ بیت سے محبّت رکھیں۔ اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: میری شفاعت مباح ہے، مگر اس شخص کے لئے مباح نہیں جو میرے صحابہ کو بُرا کہتا ہو۔ اور ابنِ منیع نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور دس سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ روایت نقل کی ہے کہ: میری شفاعت قیامت کے دن حق ہے، پس جو شخص اس پر اِیمان نہ رکھے وہ شفاعت کا اہل نہیں ہوگا۔" (مرقاۃ ج:۵ ص:۲۷۸، مطبوعہ بمبئی)

اور یہ جو فرمایا کہ: "میری شفاعت میری اُمّت کے اہلِ کبائر کے لئے ہے" اس سے مراد یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ کبائر کے سوا کسی کی شفاعت نہیں فرمائیں گے، کیونکہ شفاعت کی متعدّد اَقسام اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ میری وہ شفاعت جس کے ذریعے ہلاک ہونے والوں کو نجات نصیب ہوگی یہ صرف اہلِ کبائر کے ساتھ مخصوص ہے، اور یہی مراد ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے کہ: "جو شخص اہلِ کبائر میں سے نہ ہو، اس کو شفاعت کی کیا ضرورت؟" مطلب یہ کہ اس کو ایسی شفاعت کی ضرورت نہیں جو دوزخ سے نجات دِلائے۔ فیض القدیر شرح جامع الصغیر میں حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

"أَمَّا الْمُتَّقُوْنَ الْوَرِعُوْنَ وَأَهْلُ الْاِسْتِقَامَةِ فَقَدْ كَفَاهُمْ مَّا قَدَّمُوْا عَلَيْهِ، فَإِنَّمَا نَالُوْا تَقْوَاهُمْ وَوَرْعَهُمْ بِرَحْمَةٍ شَامِلَةٍ، فَتِلْكَ وَالرَّحْمَةُ لَا تَخْذُلُهُمْ فِيْ مَكَانٍ قَالَ: وَالشَّفَاعَةُ دَرَجَاتٌ فَكُلُّ صِنْفٍ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَأَهْلِ الدِّيْنِ كَالْعَابِدِيْنَ وَالْوَرِعِيْنَ وَالزُّهَّادِ وَالْعُلَمَاءِ يَأْخُذُ حَظَّهُ مِنْهَا عَلَى حَيَالِهِ لٰكِنْ شَفَاعَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْبِهُ شَفَاعَةُ غَيْرِهٖ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ لِأَنَّ شَفَاعَتُهُمْ مِّنَ الصِّدْقِ وَالْوَفَاءِ وَالْحُظُوْظِ وَشَفَاعَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجُوْدِ۔" (فیض القدیر ج:۴ ص:۱۶۲)

ترجمہ: ''متقی پرہیزگار اور اہلِ استقامت کو وہ اعمال کافی ہوں گے جن کو وہ لے کر آئیں گے کیونکہ انہوں نے تقویٰ و پرہیزگاری کا جو سرمایہ حاصل کیا ہے وہ بھی حق تعالیٰ کی رحمتِ شاملہ کی بدولت ہی حاصل کیا، اس لئے ان کا یہ سرمایہ اور رحمتِ الٰہی ان کو کسی موقع پر بھی بے مدد نہیں چھوڑے گی۔ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: شفاعت کے کئی درجے ہیں، اور انبیاء و اولیاء، اہلِ دِین، عابد و زاہد اور علماء سبھی شفاعت میں سے اپنا اپنا حصہ لیں گے، لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت، دُوسرے انبیاء و اولیاء کے مشابہ نہیں، کیونکہ ان کی شفاعت صدق و وفاء اور حظوظ کی بنا پر ہوگی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت محض جود و کرم کی بنا پر ہوگی۔''

بغیر حساب و عذاب کے جنّت میں داخلے کی شفاعت

[حدیث:۱۰۴] ''عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِیَادٍ الْأَلْھَانِیِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ یَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: وَعَدَنِیْ رَبِّیْ أَنْ یُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِیْ سَبْعِیْنَ أَلْفًا لَّا حِسَابَ عَلَیْھِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُوْنَ أَلْفًا وَّثَلَاثَ حَثَیَاتٍ مِّنْ حَثَیَاتِ رَبِّیْ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔''

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة، باب مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ، حدیث:۲۳۶۱)

ترجمہ: ''حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: میرے ربّ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری اُمّت کے ستر ہزار اَفراد کو بغیر حساب و عذاب کے جنّت میں داخل فرمائیں گے، اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار، اور تین چُلّو، میرے ربّ کے چُلّوؤں میں سے۔''

تشریح: یہ روایت ترمذی میں مختصر ہے اور مجمع الزوائد میں مسندِ احمد و طبرانی کے حوالے سے اس طرح نقل کی ہے:

''عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَعَدَنِیْ أَنْ یُّدْخِلَ مِنْ أُمَّتِی الْجَنَّةَ سَبْعِیْنَ أَلْفًا بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ فَقَالَ یَزِیْدُ بْنُ الْأَخْنَسِ السُّلَمِیُّ: وَاللهِ مَا أُولٰٓئِکَ (یَا رَسُوْلَ اللهِ) فِیْ أُمَّتِکَ اِلَّا كَالذُّبَابِ الْأَصھب فِی الذبان، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ

قَدْ وَعَدَنِیْ سَبْعِیْنَ أَلْفًا مَعَ کُلِّ أَلْفٍ سَبْعِیْنَ أَلْفًا، وَزَادَنِیْ ثَلَاثَ حَثَیَاتٍ...... الحدیث۔'' (قال الھیثمی (ج:۱۰ ص:۳۶۲): رواہ أحمد والطبرانی، ورجال أحمد وبعض أسانید الطبرانی رجال الصحیح، وقال الحافظ فی الاصابۃ (ج:۱ ص:۶۵۱): وأخرجہ أحمد وسندہ صحیح)

ترجمہ: ''حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری اُمّت کے ستر ہزار اَفراد بغیر حساب کے جنّت میں داخل کریں گے۔ اس پر حضرت یزید بن اَخنس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! آپ کی اُمّت میں ان لوگوں کی نسبت تو ایسی ہے جیسے مکھیوں میں سرخ مکھی کی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میرے رَبّ عزّ وجل نے مجھ سے ستر ہزار کا وعدہ فرمایا ہے، اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کا، اور مجھے اللہ تعالیٰ نے تین چلّو مزید عطا فرمائے ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تین وعدے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر فرمائے گئے ہیں، اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو شفاعت کے باب میں ذکر کیا ہے، چنانچہ مسندِ احمد اور اِمام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب البعث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ: ''میں نے اپنے رَبّ سے درخواست کی، پس مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری اُمّت کے ستر ہزار اَفراد کو بغیر حساب کے جنّت میں داخل فرمائیں گے، میں نے زیادہ کی درخواست کی تو مجھے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار زیادہ دیئے (فتح الباری ج:۱۱ ص:۴۱۰، قال الحافظ: وسندہ جید)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے ستر ہزار اَفراد کا بغیر حساب و کتاب کے جنّت میں داخل ہونا صحاحِ ستہ، مسندِ احمد اور دیگر کتبِ حدیث میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اس سلسلے کی بیشتر روایات حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح الباری'' (کتاب الرقاق، باب یدخل الجنۃ سبعون ألفًا بغیر حساب، ج:۱۱ ص:۴۱۰، ۴۱۵) میں، اور حافظ نورالدین ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع الزوائد (ج:۱۰ ص:۴۰۵، ۴۱۱) ''باب فیمن یدخل الجنّۃ بغیر حساب'' میں جمع کردی ہیں، بہرحال اس مضمون کی احادیث متواتر ہیں۔

اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کا وعدہ بھی متعدّد اَحادیث میں مروی ہے، اور یہ بھی ہے کہ یہ حضرات ان ستر، ستر ہزار کی شفاعت کریں گے، چنانچہ مجمع الزوائد میں طبرانی کے حوالے سے حضرت عتبہ بن عبد رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے:

''ثُمَّ یَشْفَعُ کُلُّ أَلْفٍ لِسَبْعِیْنَ أَلْفًا، ثُمَّ یُحْثِیْ رَبِّیْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی بِکَفَّیْهِ ثَلَاثٍ،

فَكَبَّرَ عُمَرُ وَقَالَ: اِنَّ السَّبْعِيْنَ الْأُوْلٰى يَشْفَعُهُمُ اللهُ فِيْ اٰبَائِهِمْ وَأَبْنَائِهِمْ وَعَشَائِرِهِمْ، وَأَرْجُوْ أَنْ يَّجْعَلَنِيَ اللهُ فِيْ اِحْدَى الْحَثَيَاتِ الْأَوَاخِرِ... الخ۔"

(مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۴۱۳)

ترجمہ: "پھر ہر ہزار، ستر ہزار کی سفارش کرے گا، پھر میرا رَبّ دونوں ہاتھوں سے تین چلّو بھر کر جنّت میں داخل کرے گا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور کہا کہ: پہلے ستر ہزار تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے آباء و اَجداد، اپنی آل اولاد اور اپنے خویش قبیلوں کے حق میں شفاعت کریں گے، اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے آخری تین چلّوؤں میں سے کسی نہ کسی چلّو میں ڈال ہی لیں گے۔"

اور صحیح ابنِ حبان میں عتبہ بن عبد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ مضمون ان الفاظ میں مروی ہے:

"ثُمَّ لَيَشْفَعُ كُلُّ أَلْفٍ فِيْ سَبْعِيْنَ أَلْفًا، ثُمَّ يُحْثِيْ رَبِّيْ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ بِكَفَّيْهِ۔ فَكَبَّرَ عُمَرُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ السَّبْعِيْنَ أَلْفًا يَّشْفَعُهُمُ اللهُ فِيْ اٰبَائِهِمْ وَأُمَّهَاتِهِمْ وَعَشَائِرِهِمْ، وَاِنِّيْ لَأَرْجُوْ أَنْ يَّكُوْنَ أَدْنٰى أُمَّتِي الْحَثَيَاتِ۔"

(موارد الظمآن ص:۶۵۷، حدیث:۲۶۴۳)

ترجمہ: "پھر ہر ہزار، ستر ہزار کی شفاعت کرے گا، پھر میرا رَبّ دونوں ہاتھوں سے تین لپیں بھر کر جنّت میں داخل کرے گا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ستر ہزار کو اللہ تعالیٰ ان کے ماں باپ اور قبیلوں کے حق میں شفیع بنائیں گے، اور بے شک میں اُمید رکھتا ہوں کہ میری اُمّت کا ادنیٰ آدمی بھی اللہ تعالیٰ کے چُلّوؤں میں آجائے گا۔"

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباری" (ج:۱۱ ص:۴۱۰) میں یہ روایت صحیح ابنِ حبان اور طبرانی کے حوالے سے نقل کرکے "**بسند جید**" کہا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ ستر ہزار، جو بغیر حساب کے جنّت میں داخل ہوں گے، ان میں سے ہر فرد کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے، چنانچہ مسندِ احمد (ج:۱ ص:۵) میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"فَاسْتَزَدْتُ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ فَزَادَنِيْ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ سَبْعِيْنَ أَلْفًا۔"

ترجمہ: "میں نے اپنے پروردگار سے زیادہ کی درخواست کی تو مجھے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار عطا فرمائے۔"

نیز مسندِ احمد میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ:

”اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ رَبِّیْ أَعْطَانِیْ سَبْعِيْنَ أَلْفًا مِّنْ أُمَّتِیْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! فَهَلَّا اِسْتَزَدْتَّهٗ؟ قَالَ: قَدِ اسْتَزَدْتُّهٗ فَأَعْطَانِیْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ سَبْعِيْنَ أَلْفًا۔ قَالَ عُمَرُ: فَهَلَّا اِسْتَزَدْتَّهٗ؟ قَالَ: قَدِ اسْتَزَدْتُّهٗ فَأَعْطَانِیْ هٰكَذَا۔ وَفَرَّجَ عَبْدُاللهِ بْنُ بَكْرٍ بَيْنَ يَدَيْهِ وَقَالَ عَبْدُاللهِ: وَبَسَطَ بَاعَيْهِ وَحَثَا عَبْدُاللهِ۔ وَقَالَ هِشَامٌ: وَهٰذَا مِنَ اللهِ لَا يُدْرٰى عَدَدُهٗ۔“ (مسند احمد ج:۱ ص:۱۹۸، وذکرہ الهیثمی فی الزوائد الٰی أحمد والبزار والطبرانی، وقال: فی أسانیدهم القاسم بن مهران عن موسٰی بن عبید، وموسٰی بن عبید هٰذا مولٰی خالد بن عبدالله بن أسید، ذکرہ ابن حبان فی الثقات، والقاسم بن مهران ذکرہ الذهبی فی المیزان وانه لم یروه عنه الا سلیم بن عمرو والنخعی، ولیس کذٰلک فقد روی عنه هٰذا الحدیث هشام بن حبان)

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میرے رَبّ نے مجھے میری اُمّت کے ستر ہزار اَفراد دیئے ہیں جو بغیر حساب کے جنّت میں داخل ہوں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اور مانگ لیتے۔ فرمایا: میں نے مزید مانگے تو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے ساتھ ستر ہزار عطا فرمائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: آپ اس سے بھی زیادہ مانگ لیتے! فرمایا: میں نے اور بھی مانگے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس طرح عطا فرمائے۔ (”اس طرح“ کا مفہوم سمجھاتے ہوئے اِمام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاذ) عبداللہ بن بکر رحمۃ اللہ علیہ نے بانہیں کھول کر فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں بانہیں کھول دیں اور (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی حکایت کرتے ہوئے) عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لپ بھری۔ اور (اِمام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاذ الاُستاذ) ہشام (بن حسان) نے فرمایا کہ: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے (ایسا وعدہ) ہے کہ اس کی تعداد معلوم نہیں کی جاسکتی۔“

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح الباری“ (ج:۱۱ ص:۴۱۱) میں اس سلسلے میں حضرت عمرو بن حزم، حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی احادیث کی بھی نشاندہی کی ہے، پہلی دونوں کو ”بسند ضعیف“ اور تیسری کو ”بسند واہ“ کہا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ خصائصِ کبریٰ“ میں لکھتے ہیں:

”وقال الشیخ عزّالدین بن عبدالسلام: ومن خصائصه صلی الله علیه وسلم انه یدخل الجنّة من أُمّتهٖ سبعون ألفًا بغیر حساب، ولم یثبت ذٰلک لغیره من

الأنبیاء۔" (خصائص کبریٰ ج:۲ ص:۲۲۸)

ترجمہ: "شیخ عزّالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے ستر ہزار اَفراد بغیر حساب کے جنّت میں داخل ہوں گے۔ اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے ثابت نہیں۔"

اس کے ثبوت میں اِمام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر اَحادیث کے علاوہ حضرت فلتان بن عاصم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے، یہ حدیث حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "الاصابہ" (ج:۳ ص:۲۰۹) میں مسند حسن بن سفیان کے حوالے سے، حافظ نورالدین ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے "مجمع الزوائد" (ج:۱۰ ص:۴۰۷) میں مسندِ بزار کے حوالے سے، اور حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "خصائص کبریٰ" (ج:۱ ص:۱۴، "باب ذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التوراۃ والانجیل وسائر کتب اللہ المنزلۃ") میں طبرانی، بیہقی، ابونعیم اور ابنِ عساکر کے حوالے سے نقل کی ہے، "مجمع الزوائد" میں اس حدیث کا متن حسبِ ذیل ہے:

"کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَجْلِسِ فَشَخَصَ بَصَرُهٗ اِلٰی رَجُلٍ فِی الْمَسْجِدِ یَمْشِیْ، فَقَالَ: یَا فُلَانُ! قَالَ: لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللهِ!...... قَالَ لَهٗ: أَتَشْهَدُ أَنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ؟ قَالَ: لَا! قَالَ: أَتَقْرَأُ التَّوْرَاةَ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: وَالْاِنْجِیْلَ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: وَالْقُرْاٰنَ؟ قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ! لَوْ أَشَاءُ لَقَرَأْتُهٗ۔ ثُمَّ نَاشَدَهٗ هَلْ تَجِدُنِیْ فِی التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ؟ قَالَ: نَجِدُ مِثْلَکَ وَمِثْلَ مَخْرَجِکَ وَمِثْلَ هَیْئَتِکَ، فَکُنَّا نَرْجُوْ أَنْ یَّکُوْنَ فِیْنَا، فَلَمَّا خَرَجْتَ خِفْنَا أَنْ تَکُوْنَ أَنْتَ هُوَ، فَنَظَرْنَا فَاِذَا أَنْتَ لَسْتَ هُوَ۔ قَالَ: وَلِمَ ذَاکَ؟ قَالَ: مَعَهٗ مِنْ أُمَّتِهٖ سَبْعُوْنَ أَلْفًا لَّیْسَ عَلَیْهِمْ حِسَابٌ وَّلَا عَذَابٌ، وَاِنَّمَا مَعَکَ نَفَرٌ یَّسِیْرٌ۔ فَقَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ! لَأَنَا هُوَ، وَاِنَّهُمْ لَأُمَّتِیْ، وَاِنَّهُمْ لَأَکْثَرُ مِنْ سَبْعِیْنَ أَلْفًا وَّسَبْعِیْنَ أَلْفًا۔ رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ۔" (مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۴۰۷)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک شخص کی طرف اُٹھی جو مسجد میں چل رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پکار کر فرمایا: اے فلاں! اس نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! (اور یہ شخص جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتا تھا "یا رسول اللہ" کہتا تھا)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: کیا تُو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا: نہیں! فرمایا: کیا تُو توراۃ پڑھتا ہے؟ عرض کیا: جی ہاں!

فرمایا: اور اِنجیل بھی؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: قرآن بھی؟ عرض کیا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر چاہوں تو پڑھ سکتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اس کو قسم دے کر پوچھا کہ: کیا تُو مجھے توراۃ و اِنجیل میں نہیں پاتا ہے؟ اس نے کہا: ہم ایک نبی کو پاتے ہیں جو آپ کی مثل ہے، اس کی جائے پیدائش آپ جیسی ہے اور اس کی شکل وصورت بھی آپ کی ہے، ہمیں یہ توقع تھی کہ ''وہ نبی'' ہم میں ہوگا، پھر جب آپ تشریف لائے تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ آپ ہی ''وہ نبی'' نہ ہوں، چنانچہ ہم نے غور کیا تو پتا چلا کہ آپ وہ نہیں۔ فرمایا: اور یہ کیوں؟ اس نے کہا: (اس نبی کی ایک علامت یہ ہے کہ) اس کے ساتھ اس کی اُمّت کے ستر ہزار اَفراد ایسے ہوں گے جن پر نہ حساب ہوگا اور نہ عذاب، جبکہ آپ کے ساتھ چند نفوس ہیں۔ (اس پر) آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! میں وہی ہوں اور وہ (بلاحساب جنّت میں داخل ہونے والے) میرے اُمتی ہیں، اور بے شک وہ ستر ہزار اور ستر ہزار سے کہیں زیادہ ہوں گے۔''

[حدیث:۱۰۵] ''عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ رَهْطٍ بِإِيْلِيَاءَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِيْ أَكْثَرُ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ۔ قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! سِوَاكَ؟ قَالَ: سِوَايَ۔ فَلَمَّا قَامَ قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: هٰذَا ابْنُ أَبِي الْجَذْعَاءِ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ، وَابْنُ أَبِي الْجَذْعَاءِ هُوَ عَبْدُاللهِ، وَإِنَّمَا يُعْرَفُ لَهٗ هٰذَا الْحَدِيْثُ الْوَاحِدُ۔''

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، باب مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ، حدیث:۲۳۶۲)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن شقیق تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں ایک جماعت کے ساتھ بیت المقدس میں تھا، پس ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ میری اُمّت کے ایک شخص کی شفاعت سے بنوتمیم (قبیلہ) سے زیادہ لوگ جنّت میں داخل ہوں گے۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کیا وہ آدمی آپ کے علاوہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے علاوہ ہوگا۔ پس جب یہ صاحب اُٹھے تو میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ: یہ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ: یہ ابن ابی الجذعاء صحابی ہیں، رضی اللہ عنہ۔ (مصنف فرماتے ہیں:

حضرت ابنِ ابی الجذ عاء صحابی کا نام عبد اللہ ہے اور ان سے صرف اسی ایک حدیث کی روایت معروف ہے)۔"

تشریح: یہ مضمون متعدّد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ لَيْسَ بِنَبِيٍّ مِثْلَ الْحَيَّيْنِ رَبِيْعَةَ وَمُضَرَ۔ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَوَ مَا رَبِيْعَةُ مِنْ مُّضَرَ؟ قَالَ: اِنَّمَا أَقُوْلُ مَا أُقَوَّلُ۔" (قال المنذری: رواه أحمد باسناد جيّد (فيض القدير ج:۵ ص:۳۵۲) وقال الهيثمی: رواه أحمد والطبرانی باسانيد ورجال أحمد وأحد أسانيد الطبرانی رجالهم رجال الصحيح، غير عبدالرحمٰن بن ميسرة وهو ثقة۔ مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۳۸۱)

ترجمہ: "ایک ایسے شخص کی شفاعت سے جو نبی نہیں ربیعہ اور مضر دو قبیلوں کی تعداد میں لوگ جنّت میں داخل ہوں گے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! کیا ربیعہ مضر ہی کی ایک شاخ نہیں؟ فرمایا: میں وہی کہتا ہوں جو مجھ سے کہلایا جاتا ہے۔"

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث میں ہے:

"يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِيْ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ مُضَرَ وَيَشْفَعُ الرَّجُلُ فِيْ أَهْلِ بَيْتِهٖ وَيَشْفَعُ عَلٰى قَدْرِ عَمَلِهٖ۔" (قال الهيثمی (ج:۱۰ ص:۳۸۲): رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحيح غير أبی غالب وقد وثقه غير واحد وفيه ضعف)

ترجمہ: "میری اُمّت کے ایک شخص کی شفاعت سے قبیلہ مضر سے زیادہ تعداد میں لوگ جنّت میں جائیں گے، اور ایک آدمی اپنے اہلِ خانہ کے حق میں شفاعت کرے گا اور اس کی شفاعت بقدرِ عمل ہوگی۔"

حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِنَّ مِنْ أُمَّتِيْ لَمَنْ يَّشْفَعُ لِأَكْثَرَ مِنْ رَبِيْعَةَ وَمُضَرَ، وَاِنَّ مِنْ أُمَّتِيْ لَمَنْ يُّعَظَّمُ لِلنَّارِ حَتّٰى يَكُوْنَ رُكْنًا مِّنْ اَرْكَانِهَا۔"

(رواه أحمد ورجاله ثقات، مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۳۸۱)

ترجمہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ بے شک میری اُمّت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو ربیعہ و مضر قبیلوں سے زیادہ لوگوں کے حق میں شفاعت کریں گے، اور میری اُمّت میں وہ بھی ہوں گے جو دوزخ کے لئے عظیم الجثہ ہوجائیں گے یہاں تک اس کے ارکان میں سے ایک رُکن بن جائیں گے۔"

یہ کون بزرگ ہوں گے جن کی شفاعت سے قبیلہ بنوتمیم سے زیادہ لوگ جنّت میں داخل ہوں گے؟
شیخ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) مرقاۃ میں لکھتے ہیں:

”فَقِيلَ: اَلرَّجُلُ هُوَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَقِيلَ: أُوَيْسُ الْقَرْنِيُّ، وَقِيلَ غَيْرُهُ، قَالَ زَيْنُ الْعَرَبِ رَحِمَهُ اللهُ: وَهٰذَا أَقْرَبُ۔“

(مرقاۃ المفاتیح ج:۵ ص:۲۸۷، طبع بمبئی)

ترجمہ: ”کہا گیا ہے کہ: یہ شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں، اور کہا گیا ہے کہ: اویس قرنی ہیں، اور کہا گیا ہے کہ: کوئی اور بزرگ ہیں۔ زین العرب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ آخری قول اقرب ہے۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قسم کا مضمون جامع صغیر (ج:۲ ص:۱۳۴) اور کنز العمال میں ابنِ عساکر کے حوالے سے نقل کیا ہے:

”لَيَدْخُلَنَّ بِشَفَاعَةِ عُثْمَانَ سَبْعُوْنَ أَلْفًا كُلُّهُمْ قَدِ اسْتَوْجَبُوا النَّارَ، اَلْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔“ (کنز العمال ج:۱۱ ص:۵۸۷، طبع جدید، حدیث:۳۳۸۰۹)

ترجمہ: ”عثمان کی شفاعت سے ایسے ستر ہزار آدمی جنّت میں داخل ہوں گے جو دوزخ کے مستحق تھے۔“

ایک اور روایت میں ہے:

”لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِيْ عَدَدَ رَبِيْعَةَ وَمُضَرَ۔ قِيْلَ: مَنْ هُوَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ۔“

(ابن عساکر عن الحسن مرسلاً، کنز العمال ج:۱۱ ص:۵۹۷، حدیث:۳۲۸۷۳)

ترجمہ: ”میری اُمّت کے ایک آدمی کی شفاعت سے ربیعہ ومضر قبیلوں کی تعداد میں لوگ جنّت میں داخل ہوں گے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ وہ کون صاحب ہیں؟ فرمایا: عثمان بن عفان۔“

ایک اور روایت میں ہے:

”وَاللهِ! لَيَشْفَعَنَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ فِيْ سَبْعِيْنَ أَلْفًا مِّنْ أُمَّتِيْ قَدِ اسْتَوْجَبُوا النَّارَ، حَتّٰى يُدْخِلَهُمُ اللهُ الْجَنَّةَ۔“

(ابن عساکر عن ابن عباس، کنز العمال ج:۱۱ ص:۵۹۸، حدیث:۳۲۸۷۴)

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان میری اُمّت کے لئے ایسے ستر ہزار اَفراد کے

حق میں شفاعت کریں گے جو دوزخ کے مستحق تھے، یہاں تک کہ ان کو اللہ تعالیٰ جنّت میں لے جائیں گے۔''

لیکن یہ روایات کمزور ہیں، شیخ عبدالرؤف مناوی، فیض القدیر شرح جامع صغیر (ج:۵ ص:۳۵۳) میں لکھتے ہیں: ''ابنِ عساکر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: یہ حدیث باسناد غریب ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے، اور یہ منکر ہے۔''

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''اِختصار تاریخ ابن عساکر'' میں ابنِ عساکر کی اس رائے کو برقرار رکھا ہے۔

شیخ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے دُوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے، حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصابہ'' (ج:۱ ص:۱۱۶ ترجمہ اویس رحمۃ اللہ علیہ) میں بیہقی کی دلائل نبوّت کے حوالے سے اس قول کو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس حدیثِ پاک سے مقصود اس اُمّت میں شفاعت کی کثرت کا بیان ہے:

''چوں بشفاعت یک مرد چندیں کس بہ بہشت روند و چندیں مرداں باشند در اُمّت من کہ اگر ہمہ شفاعت کنند عالم، عالم بشفاعت ایشاں بہ بہشت روند۔''

(اشعۃ اللمعات ج:۴ ص:۴۰۴)

ترجمہ: ''یعنی جب ایک آدمی کی شفاعت سے اتنے آدمی بہشت میں جائیں گے اور ایسے مردانِ خدا میری اُمّت میں بہت ہوں گے کہ اگر وہ شفاعت کریں تو جہان کا جہان ان کی شفاعت سے بہشت میں چلا جائے۔''

[حدیث:۱۰۶] ''عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ مِنْ أُمَّتِیْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْفِئَامِ مِنَ النَّاسِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّشْفَعُ لِلْقَبِيْلَةِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّشْفَعُ لِلْعُصْبَةِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتّٰى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔''

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، باب مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ، حدیث:۲۳۶۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میری اُمّت کے بعض لوگ ایک بڑی جماعت کے حق میں شفاعت کریں گے، بعض ایک قبیلے کے حق میں شفاعت کریں گے، بعض ایک گروہ کے حق میں شفاعت کریں گے اور بعض ایک آدمی کے حق میں شفاعت کریں گے، یہاں تک کہ اُمّت کے سارے لوگ جنّت میں داخل ہوجائیں گے۔''

[حدیث:۱۰۷] ”عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَانِيْ اٰتٍ مِّنْ عِنْدِ رَبِّيْ فَخَيَّرَنِيْ بَيْنَ أَنْ يُّدْخِلَ نِصْفَ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ، فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا۔ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ عَنْ رَجُلٍ اٰخَرَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرْ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ۔“

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة، بَاب مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ، حدیث:۲۳۶۴)

ترجمہ: ”حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میرے پاس ایک آنے والا (فرشتہ) میرے رَبّ کی جانب سے آیا اور اس نے مجھے دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا کہ یا تو آدھی اُمّت کا جنّت میں داخل ہونا قبول کرلوں یا شفاعت اِختیار کرلوں، چنانچہ میں نے شفاعت کو اِختیار کیا۔ اور یہ شفاعت ان تمام لوگوں کے لئے ہے جو ایسی حالت میں مریں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں۔“

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں وعدوں میں شفاعت کے وعدے کو اِختیار کرنا اس وجہ سے تھا کہ اس کے ذریعے پوری اُمّت جنّت میں داخل ہوسکتی ہے، خواہ بغیر حساب و کتاب کے اوّلِ وہلہ میں داخل ہو، یا کچھ عرصہ دوزخ میں رہنے کے بعد جنّت میں داخل ہو۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شفاعت کا ہونا کسی اُمتی کے دوزخ میں داخل ہونے کے منافی نہیں، اور نہ شفاعت کی احادیث سن کر کسی کے لئے بے فکر ہوجانا صحیح ہے۔

چونکہ کفر و شرک کا گناہ لائقِ معافی نہیں، اس لئے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں ان کے لئے شفاعت بھی نہیں ہوگی۔

حوضِ کوثر کا بیان

[حدیث:۱۰۸] ”عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ فِيْ حَوْضِيْ مِنَ الْأَبَارِيْقِ بِعَدَدِ نُجُوْمِ السَّمَاءِ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔“

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْحَوْضِ، حدیث:۲۳۶۲)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

میرے حوض میں آسمان کے ستاروں کی تعداد میں کوزے ہوں گے۔“

[حدیث:۱۰۹] ”عَنْ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَّاِنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ وَارِدَةً، وَاِنِّيْ أَرْجُوْا أَنْ أَكُوْنَ أَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ، وَقَدْ رَوَى الْأَشْعَثُ بْنُ عَبْدِالْمَلِكِ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عَنْ سَمُرَةَ وَهُوَ أَصَحُّ۔“

(رواه الترمذی: کتاب صفة القيامة، باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْحَوْضِ، حديث:۲۳۶۷)

ترجمہ: ”حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر نبی کے لئے ایک حوض ہوگا، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپس میں فخر کریں گے کہ ان میں سے کس کے حوض پر زیادہ لوگ آئیں گے، اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ سب سے زیادہ لوگ میرے حوض پر آئیں گے۔“

تشریح: میدانِ محشر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا، جس کا پانی دُودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا، جس کو اس کا ایک گھونٹ نصیب ہوگا وہ ہمیشہ کے لئے سیراب ہوجائے گا، اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

حوضِ کوثر کے برتنوں کا بیان

[حدیث:۱۱۰] ”عَنْ أَبِيْ سَلَّامٍ الْحُبْشِيِّ قَالَ: بَعَثَ اِلَيَّ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ فَحُمِلْتُ عَلَى الْبَرِيْدِ قَالَ: فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! لَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ مَرْكَبِي الْبَرِيْدَ، فَقَالَ: يَا أَبَا سَلَّامٍ! مَا أَرَدْتُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ وَلٰكِنْ بَلَغَنِيْ عَنْكَ حَدِيْثٌ تُحَدِّثُهُ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَوْضِ فَأَحْبَبْتُ أَنْ تُشَافِهَنِيْ بِهِ۔ قَالَ أَبُوْ سَلَّامٍ: حَدَّثَنِيْ ثَوْبَانُ عَنْ رَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: حَوْضِيْ مِنْ عَدَنٍ اِلٰى عَمَّانَ الْبَلْقَاءِ، مَاؤُهُ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ، وَأَكْوَابُهُ عَدَدُ نُجُوْمِ السَّمَاءِ، مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرْبَةً لَّمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا أَبَدًا، أَوَّلُ النَّاسِ وُرُوْدًا عَلَيْهِ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ الشُّعْثُ رُؤُسًا الدُّنُسُ ثِيَابًا الَّذِيْنَ لَا يَنْكِحُوْنَ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَلَا تُفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السُّدَدِ۔ قَالَ عُمَرُ: لٰكِنِّيْ نَكَحْتُ الْمُتَنَعِّمَاتِ، وَفُتِحَتْ لِيَ

السُّدَدُ، نَكَحْتُ فَاطِمَةَ بِنْتَ عَبْدِالْمَلِكِ، لَا جَرَمَ أَنِّي لَا أَغْسِلُ رَأْسِي حَتّٰى يَشْعَثَ، وَلَا أَغْسِلُ ثَوْبِي الَّذِي يَلِي جَسَدِي حَتّٰى يَتَّسِخَ. هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَنْ مَعْدَانَ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُوْ سَلَّامٍ الْحُبْشِيُّ اسْمُهُ مَمْطُوْرٌ.“

(رواه الترمذی: کتاب صفة القیامة، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْحَوْضِ، حدیث: ۲۳۶۸)

ترجمہ: ”ابوسلام الحُبْشی کہتے ہیں کہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بلا بھیجا، چنانچہ مجھے ڈاک کی سواری پر سوار کیا گیا، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا: امیر المؤمنین! ڈاک کی سواری پر سوار ہونا میرے لئے بڑی مشقت کا باعث ہوا۔ فرمایا: ابوسلام! میرا مقصد آپ کو مشقت میں ڈالنا نہیں تھا، لیکن مجھے ایک حدیث پہنچی جو حوضِ کوثر کے بارے میں آپ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، میں وہ حدیث آپ سے بالمشافہ سننا چاہتا تھا۔ ابوسلام نے کہا کہ: میں نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کرتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا حوض عدن سے عمان بلقاء تک ہے، اس کا پانی دُودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اس کے کوزے آسمان کے ستاروں سے زیادہ تعداد میں ہیں، جو شخص اس سے ایک گھونٹ پی لے گا اس کے بعد اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ سب سے پہلے جو لوگ میرے حوض پر آئیں گے وہ فقراء مہاجرین ہوں گے، جن کے سر کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے میلے کچیلے ہیں، جو ناز و نعمت میں پلی ہوئی عورتوں سے نکاح نہیں کرتے، اور جن کے لئے گھروں کے دروازے نہیں کھولے جاتے (یعنی ان کو گھروں میں آنے کی اجازت نہیں ملتی)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لیکن میں نے تو ناز پروردہ عورتوں سے نکاح کیا ہے اور میرے لئے گھروں کے دروازے بھی کھولے جاتے ہیں، میں نے عبدالملک بن مروان خلیفہ کی بیٹی شہزادی فاطمہ سے نکاح کر رکھا ہے، میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک بال پراگندہ نہ ہوجائیں سر نہیں دھویا کروں گا، اور جب تک کپڑے میلے کچیلے نہ ہوجائیں کپڑے صاف نہیں کیا کروں گا۔“

[حدیث: ۱۱۱] ”عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا اٰنِيَةُ الْحَوْضِ؟ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! لَاٰنِيَتُهٗ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ نُجُوْمِ السَّمَاءِ وَكَوَاكِبِهَا فِي

لَيْلَةٍ مُّظْلِمَةٍ مُصْحِيَةٍ مِّنْ اٰنِيَةِ الْجَنَّةِ، مَنْ شَرِبَ مِنْهَا شَرْبَةً لَّمْ يَظْمَأْ اٰخِرَ مَا عَلَيْهِ عَرْضُهٗ مِثْلُ طُوْلِهٖ مَا بَيْنَ عَمَّانَ اِلٰى أَيْلَةَ مَاؤُهٗ أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ وَأَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ، وَفِى الْبَابِ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ وَعَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِىْ بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ وَابْنِ عُمَرَ وَحَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ وَالْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ وَرُوِى عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: حَوْضِى كَمَا بَيْنَ الْكُوْفَةِ إِلَى الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ۔"

(رواه الترمذی: كتاب صفة القيامة، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْحَوْضِ، حديث: ۲۳۶۸)

ترجمہ: ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حوضِ کوثر کے کوزوں کی تعداد کتنی ہوگی؟ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! کہ اس کے جام اس سے زیادہ تعداد میں ہیں جس قدر کہ تاریک اور صاف رات میں آسمان پر ستارے نمودار ہوتے ہیں، یہ جنّت کے جام ہوں گے، جو شخص ان سے پی لے گا مدۃ العمر کبھی اس کو پیاس نہیں لگے گی۔ حوضِ کوثر کا عرض اتنا ہے جتنی کہ عمان سے ایلہ تک کے درمیان مسافت ہے، اس کا پانی دُودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔''

تشریح: حوضِ کوثر کے طول وعرض کے بارے میں احادیث شریفہ میں مختلف تعبیریں آئی ہیں، ان سے مقصود اس کے طول وعرض کی کثرت کو بیان کرنا ہے، تحدید مقصود نہیں۔

جنّت کے مناظر

اَبْوَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ

جنّت کے درختوں کی شان

[حدیث: ۱۱۲] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ یَّسِیْرُ الرَّاکِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَّا یَقْطَعُهَا۔ قَالَ: وَذٰلِکَ الظِّلُّ الْمَمْدُوْدُ۔“

(رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَجَرِ الْجَنَّةِ، حدیث: ۲۴۴۶)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: جنّت میں ایک درخت ایسا ہوگا کہ سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا، تب بھی اس کو قطع نہیں کرے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: قرآنِ کریم میں جس ”لمبے سائے“ کا ذکر ہے وہ یہی ہے۔“

[حدیث: ۱۱۳] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً یَّسِیْرُ الرَّاکِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ۔ وَفِی الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَأَبِیْ سَعِیْدٍ، هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔“

(رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَجَرِ الْجَنَّةِ، حدیث: ۲۴۴۷)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک جنّت میں ایک ایسا درخت ہے کہ (تیز رفتار) گھڑسوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا (تب بھی اسے طے نہیں کرسکے گا)۔“

تشریح: ان اَحادیثِ طیبہ کے بارے میں چند اُمور لائقِ توجہ ہیں:

اوّل:... ان احادیث میں قرآنِ کریم کی آیت: ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾﴾ (الواقعہ) کا حوالہ دیا گیا

ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ سورۂ واقعہ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے ذکر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کی تین قسمیں ہوں گی، ﴿وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ؁﴾ (الواقعہ) ایک "السابقون" (جن کا لقب دُوسری جگہ ﴿الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ رکھا ہے)، دُوسری جماعت "اصحاب الیمین" اور تیسری "اصحاب الشمال" اس کے بعد تینوں کے انجام اور اُخروی حالات کو الگ الگ ذکر فرمایا ہے، "اصحاب الیمین" کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ؀ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ؀ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ؀ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ؀ وَّمَاۗءٍ مَّسْكُوْبٍ ؀ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ؀ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ؀ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ؀﴾ (الواقعہ)

ترجمہ: "اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں، وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی، اور تہ بہ تہ کیلے ہوں گے، اور لمبا لمبا سایہ ہوگا، اور چلتا ہوا پانی ہوگا، اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی، اور اُونچے اُونچے فرش ہوں گے۔" (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

دوم:... آیتِ کریمہ: ﴿وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ؀﴾ (الواقعہ) میں جنّت میں سائے کے ہونے کا ذکر ہے، اور بھی متعدّد آیاتِ کریمہ میں جنّت میں سائے کا ذکر ہے، اس پر کسی کو یہ اِشکال ہوسکتا ہے کہ سایہ تو دُھوپ کے مقابلے میں ہوتا ہے، جنّت میں دُھوپ ہی نہیں ہوگی جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ؀﴾ (الدہر) تو وہاں سایہ کیسے ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ جنّت میں اگرچہ دُھوپ نہیں ہوگی تاہم جنّت کی فضا میں نور ہی نور ہوگا، جو کیفیت کہ طلوعِ آفتاب سے چند منٹ پہلے ہوتی ہے، جنّت میں کچھ اسی طرح کی کیفیت ہمیشہ رہا کرے گی۔ اسی کو سائے سے تعبیر فرمایا گیا ہے، یوں بھی سایہ ہمیشہ دُھوپ کے مقابلے میں نہیں ہوتا۔

حضرت حکیم الاُمّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آیتِ کریمہ: ﴿وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ؀﴾ (النساء) کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"یعنی دُنیا کے اَشجار کا سا سایہ نہ ہوگا کہ خود سائے کے اندر بھی دُھوپ چھنتی ہے، وہ بالکل متصل ہوگا، اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ وہاں آفتاب وغیرہ تو ہوگا نہیں، جیسے ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ؀﴾ (الدہر) پھر سایہ کے کیا معنی؟ کیونکہ سائے کے لئے مطلق کسی جسمِ نورانی کا ہونا کافی ہے، اور وہاں اس کا ہونا عجیب نہیں۔ رہا یہ شبہ کہ پھر جب گرمی نہیں تو سائے کا کیا فائدہ؟ یہ محض ضعیف ہے اس لئے کہ

فائدے کا اس میں منحصر کر لینا خود بے دلیل ہے، ممکن ہے کہ کسی تیز نور کا لطیف بنانا ہو، جیسے ماہتاب پر ابرِ رقیق آجاتا ہے۔ یا خود اس سائے کی حقیقت نور ہی ہو جیسا کہ گو ہر شب چراغ کا سایہ، یا یوں کہا جاوے کہ نرا سایہ ہی ہو بلا ظلمت جیسے طلوعِ آفتاب سے ذرا پہلے حالت ہوتی ہے، ایک آیت میں اس کو مشہور تفسیر پر ظل سے تعبیر فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ (الفرقان:۴۵) اور سائے کی معرفت دُھوپ پر موقوف ہونے سے خود سائے کے وجود کا توقف دُھوپ پر لازم نہیں آتا۔“

(بیان القرآن ج:۲ ص:۱۲۵)

اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ﴾ (الواقعہ) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”یعنی نہ دُھوپ ہوگی نہ گرمی سردی لگے گی، نہ اندھیرا ہوگا، صبح کے بعد اور طلوعِ شمس سے پہلے جیسا درمیانی وقت ہوتا ہے، ایسا معتدل سایہ سمجھو، اور لمبا پھیلا ہوا اتنا کہ بہترین تیز رفتار گھوڑا سو برس تک متواتر چلتا رہے تو ختم نہ ہو۔“ (تفسیر عثمانی ص:۶۹۴)

سوم:... یہی اشکال اس حدیثِ پاک پر بھی ہوتا ہے کہ جنّت میں دُھوپ ہی نہیں ہوگی تو درختوں کا سایہ کیسے ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ یہاں دُنیا کا معروف سایہ مراد نہیں بلکہ راحت و نعمت مراد ہے، یا یہ مطلب ہے کہ اس درخت کا پھیلاؤ اس قدر وسیع ہوگا کہ تیز رفتار سوار اس کے نیچے ایک صدی تک چلتا رہے، تب بھی اس کے اطراف وحدود کو ختم نہیں کر سکے گا۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”قوله: فی ظلّها، أی فی نعیمها وراحتها ومنه قولهم: ”عیش ظلیل“ وقیل: معنی ظلها ناحیتها وأشار بذٰلک الی امتدادها، ومنه قولهم: ”انا فی ظلک“ أی ناحیتک۔ قال القرطبی: والمحوج الی هٰذا التأویل ان الظل فی عرف أهل الدنیا ما یقی من حر الشمس وأذاها، ولیس فی الجنّة شمس ولا أذٰی۔“

(فتح الباری ج:۶ ص:۳۲۶)

ترجمہ: ”ارشادِ نبوی: ”اس کے سائے میں چلتا رہے گا“ یعنی اس کی نعمت و راحت میں۔ عرب کہتے ہیں: ”عیش ظلیل“ (گھنی زندگی) یعنی راحت کی زندگی، اور بعض نے کہا کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ سوار اس درخت کے اَطراف میں چلتا رہے گا، اس سے اس درخت کے لمبا ہونے کی طرف اشارہ فرمایا، جیسے عرب کہتے ہیں: ”میں تیرے سائے میں ہوں“ یعنی تیری جانب ہوں۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: اس تأویل کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اہلِ دُنیا کے عرف میں سایہ اس چیز کو کہتے ہیں جو سورج کی

تپش اور گرمی سے بچائے، حالانکہ جنّت میں نہ سورج ہوگا نہ گرمی کی تکلیف ہوگی۔‘‘

چہارم:... حدیث میں جس درخت کا ذکر ہے وہ جنّت کا ایک خاص درخت ہے جسے ’’شجرۂ طوبیٰ‘‘ کہتے ہیں۔ مسندِ احمد (ج:۴ ص:۱۸۳)، تفسیر ابنِ کثیر (ج:۴ ص:۴۹۰) اور مجمع الزوائد (ج:۱۰ ص:۴۱۳) میں حضرت عتبہ بن عبدالسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک اَعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حوضِ کوثر اور جنّت کا ذکر فرمایا تو اَعرابی نے کہا: کیا وہاں میوے بھی ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اور وہاں ایک درخت ہے جسے ’’طوبیٰ‘‘ کہا جاتا ہے۔ اَعرابی نے کہا: وہ ہماری زمین کے کس درخت کے مشابہ ہے؟ فرمایا: وہ تیری زمین کے درختوں میں کسی کے مشابہ نہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کبھی ملکِ شام گئے ہو؟ کہا: جی نہیں! فرمایا: شام میں ایک درخت کو ’’جوزہ‘‘ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ اس کے مشابہ ہے، اس کا تنا ایک ہوتا ہے، اور اُوپر سے اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اَعرابی نے کہا: اس کے خوشے کتنے بڑے ہوں گے؟ فرمایا: اتنی مسافت کے ہوں گے کہ ابقع (سیاہ وسفید) کوّا متواتر ایک مہینے تک اُڑتا رہے، درمیان میں دَم نہ لے۔ اَعرابی نے کہا: اس کی جڑیں کتنی بڑی ہیں؟ فرمایا: اگر تیرے گھر کے اُونٹوں میں کوئی جوان اُونٹ چلتا رہے تو اس کی جڑوں کا احاطہ نہیں کرسکے گا، یہاں تک کہ بوڑھا ہوکر اس کی گردن ٹوٹ جائے۔ اَعرابی نے کہا: کیا وہاں انگور بھی ہوں گے؟ فرمایا: ہاں! کہا: اس کے دانے کتنے بڑے ہوں گے؟ فرمایا: کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ تیرے باپ نے اپنے ریوڑ میں سے کوئی بڑا بکرا ذبح کیا ہو اور اس کی کھال اُتار کر تیری ماں کے سپرد کی ہو کہ اس کو دباغت دے کر مویشیوں کے لئے پانی کھینچنے کا بڑا ڈول بنالو؟ اَعرابی نے کہا: جی ہاں! ایسا ہوا ہے، فرمایا: وہاں انگور کے دانے اس بڑے ڈول کے برابر ہوں گے۔ کہا: پھر تو ایک دانہ مجھے اور میرے گھر والوں کو سیر کرسکے گا؟ فرمایا: ہاں! اور تیرے تمام قبیلے کو بھی۔

[حدیث:۱۱۴] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَا فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ إِلَّا وَسَاقُهَا مِنْ ذَهَبٍ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ حَسَنٌ۔‘‘

(رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَجَرِ الْجَنَّةِ، حدیث:۲۴۴۸)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنّت میں جو درخت بھی ہوگا اس کا تنا سونے کا ہوگا۔‘‘

جنّت اور جنّت کی نعمتوں کی شان

[حدیث:۱۱۵] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا لَنَا إِذَا کُنَّا

عِنْدَکَ رَقَّتْ قُلُوْبُنَا وَزَهِدْنَا وَكُنَّا مِنْ أَهْلِ الْاٰخِرَةِ، فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ فَاٰنَسْنَا أَهَالِيْنَا وَشَمَمْنَا أَوْلَادَنَا أَنْكَرْنَا أَنْفُسَنَا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّكُمْ تَكُوْنُوْنَ إِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِيْ كُنْتُمْ عَلٰى حَالِكُمْ ذٰلِكَ لَزَارَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ، وَلَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَجَاءَ اللهُ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ كَيْ يُذْنِبُوْا فَيَغْفِرَ لَهُمْ۔ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! مِمَّ خُلِقَ الْخَلْقُ؟ قَالَ مِنَ الْمَاءِ! قُلْتُ: اَلْجَنَّةُ مَا بِنَاؤُهَا؟ قَالَ: لَبِنَةٌ مِّنْ فِضَّةٍ وَلَبِنَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ، وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ، وَحَصْبَاؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوْتُ، وَتُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ، مَنْ يَّدْخُلُهَا يَنْعَمُ لَا يَبْأَسُ، وَيَخْلُدُ لَا يَمُوْتُ، وَلَا تَبْلٰى ثِيَابُهُمْ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهُمْ۔ ثُمَّ قَالَ: ثَلَاثٌ لَا يُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَالصَّائِمُ حِيْنَ يُفْطِرُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ، يَرْفَعُهَا فَوْقَ الْغَمَامِ وَيُفْتَحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَيَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: وَعِزَّتِيْ! لَأَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ! هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهٗ بِذٰلِكَ الْقَوِيِّ وَلَيْسَ هُوَ عِنْدِيْ بِمُتَّصِلٍ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيْثُ بِإِسْنَادٍ اٰخَرَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْجَنَّةِ وَنَعِيمِهَا حديث: ۲۴۴۹)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہماری کیا حالت ہے کہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دِل نرم ہوجاتے ہیں، ہم دُنیا سے بے رغبت ہوجاتے ہیں اور اس وقت ہم اہلِ آخرت ہوتے ہیں، لیکن جب ہم آپ کے پاس سے اُٹھ کر جاتے ہیں، گھر کے لوگوں سے مانوس ہوتے ہیں اور اولاد کو سونگھتے ہیں تو ہم اپنے دِلوں کو اور ہی طرح کا پاتے ہیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ہمیشہ اسی حالت میں رہا کرو جس حالت میں تم میرے پاس سے اُٹھ کر جاتے ہو، تو فرشتے تمہارے گھروں پر تمہاری زیارت کیا کریں، اور ہاں! اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ (تمہاری جگہ) ایک نئی مخلوق کو لے آئیں تاکہ وہ گناہ (کر کے شرمندہ ہوں اور اپنے عجز وقصور کا اعتراف کر کے اِستغفار کیا) کریں جس پر اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمایا کریں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مخلوق کس چیز سے بنائی گئی؟ فرمایا: پانی سے! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جنّت کی عمارت کیسے ہوگی؟ فرمایا: ایک اِینٹ چاندی کی، ایک اِینٹ سونے کی، اس کا مسالہ مہکتی ہوئی کستوری کا

ہے، اس کی کنکریاں موتی اور یاقوت کی ہیں، اس کی مٹی زعفران کی ہے، جو شخص اس میں داخل ہوگا وہ ہمیشہ ناز و نعمت میں رہے گا، اسے کبھی ادنیٰ تکلیف و مشقت لاحق نہیں ہوگی، وہ ہمیشہ جیئے گا، کبھی نہیں مرے گا، نہ ان کے کپڑے میلے ہوں گے اور نہ کبھی ان کی جوانی ڈھلے گی۔ پھر فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کی دُعا رَدّ نہیں ہوتی: ایک سربراہِ مملکت جو عدل و انصاف کرتا ہو، دُوسرا روزے دار جب وہ روزہ اِفطار کرے، اور تیسرا مظلوم، اللہ تعالیٰ اس کی دُعا کو بادلوں سے اُوپر اُٹھالیتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: میری عزّت کی قسم! میں تیری ضرور مدد کروں گا، خواہ (تیری ہی کسی مصلحت کی بنا پر تیری فوری مدد نہ کروں، بلکہ) کچھ عرصے کے بعد کروں۔‘‘

جنّت کے بالاخانے

[حدیث:۱۱۶] ’’عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَغُرَفًا يُرٰى ظُهُوْرُهَا مِنْ بُطُوْنِهَا وَبُطُوْنُهَا مِنْ ظُهُوْرِهَا۔ فَقَامَ إِلَيْهِ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: لِمَنْ هِيَ يَا نَبِيَّ اللهِ! قَالَ: هِيَ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ، وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ، وَأَدَامَ الصِّيَامَ، وَصَلّٰى لِلّٰهِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيْثِ فِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ إِسْحَاقَ، هٰذَا مِنْ قِبَلِ حِفْظِهٖ وَهُوَ كُوْفِيٌّ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ إِسْحَاقَ الْقُرَشِيُّ مَدِيْنِيٌّ وَهُوَ أَثْبَتُ مِنْ هٰذَا۔‘‘

(رواہ الترمذی: كِتَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ غُرَفِ الْجَنَّةِ، حدیث:۲۴۵۰)

ترجمہ: ’’حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنّت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے نظر آتا ہے، اور ان کا باطن ظاہر سے۔ پس ایک اَعرابی کھڑا ہوا، عرض کیا: اے اللہ کے نبی! یہ بالاخانے کس کے لئے ہیں؟ فرمایا: اس شخص کے لئے جو نرم گفتگو کرے، کھانا کھلائے، ہمیشہ روزے رکھے اور رات کو، جب لوگ سو رہے ہوں، نماز پڑھے۔‘‘

جنّت میں چاندی اور سونے کے برتن اور سامان

[حدیث:۱۱۷] ’’عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ جَنَّتَيْنِ مِنْ فِضَّةٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَّنْظُرُوْا إِلٰى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَائِ عَلٰى وَجْهِهٖ فِيْ جَنَّةِ عَدْنٍ۔

وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِّنْ دُرَّةٍ مُّجَوَّفَةٍ عَرْضُهَا سِتُّوْنَ مِيْلًا فِي كُلِّ زَاوِيَةٍ مِّنْهَا أَهْلٌ لَا يَرَوْنَ الْاٰخَرِيْنَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَأَبُوْ عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ اسْمُهٗ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ حَبِيْبٍ وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: لَا يُعْرَفُ اسْمُهٗ، وَأَبُوْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيُّ اسْمُهٗ عَبْدُ اللهِ بْنُ قَيْسٍ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ غُرَفِ الْجَنَّةِ، حدیث: ۲۴۵۱)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن قیس (یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری) رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: جنّت میں دو جنتیں ایسی ہیں کہ ان کے برتن اور دیگر تمام سامان چاندی کا ہے، اور دو جنتیں ایسی ہیں کہ ان کے برتن اور وہاں کا تمام سامان سونے کا ہے، اور جنّتِ عدن میں اہلِ جنّت کے درمیان اور اپنے ربّ کی طرف نظر کرنے کے درمیان صرف کبریائی کی چادر حائل ہے، جو اللہ تعالیٰ کے چہرے پر ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنّت میں جوف دار موتی کا ایک خیمہ ہوگا جس کا عرض ساٹھ میل ہے، اس کے ہر گوشے میں جنتی کے اہلِ خانہ ہوں گے، جو ایک دُوسرے کو نہیں دیکھیں گے، مؤمن ان سب کے پاس آمد و رفت رکھے گا۔''

تشریح: پہلی حدیث میں دو مضمون ارشاد ہوئے ہیں، ایک یہ کہ جنّت میں دو جنتیں تو ایسی ہوں گی کہ وہاں کے برتن اور ہر چیز چاندی کی ہوگی، اور دو جنتیں ایسی ہوں گی کہ ان کے برتن اور ہر چیز سونے کی ہوگی، یہ حسن اور تناسب کا کمال ہوگا۔

دُوسرا مضمون یہ کہ جنّت میں اہلِ جنّت کے دِیدارِ خداوندی سے کوئی چیز مانع نہیں ہوگی، سوائے رِدائے کبریائی کے، جو حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ عالی پر ہے۔ رِدائے کبریائی، عظمت وجلال سے کنایہ ہے، مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ہیبت وجلال اور عظمت وکبریائی دِیدار سے مانع ہوگی، اِلَّا یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ خود دِیدار کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

جنّت کے درجات

[حدیث: ۱۱۹] ”عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِي الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ، مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ مِائَةُ عَامٍ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔“ (رواه الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ، حديث ۲۴۵۲)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنّت میں سو درجے ہیں، اور ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں جنّت کے درجات کا بیان ہے، اور یہ مضمون متعدّد اَحادیث میں وارِد ہے، جیسا کہ چند اَحادیث اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہیں، اس روایت میں جنّت کے ہر دو درجوں کے درمیان کا فاصلہ ایک سو سال کی مسافت بیان کیا گیا ہے۔ مجمع الزوائد (ج:۱ ص:۴۱۹) میں طبرانی کی روایت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے، اور اس میں جنّت کے ہر دو درجوں کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت ذکر کیا گیا ہے (قال الهيثمی: وفيه يحيى بن عبد الحميد الحمانی وهو ضعيف)۔ اور عام روایات میں یہ ہے کہ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان ہے، ان روایات میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ آسمان و زمین کے درمیان کی مسافت بھی بعض روایات کے مطابق پانچ سو سال کی ہے، اور جس روایت میں سو سال کی مسافت کا ذکر آیا ہے اس میں زائد کی نفی نہیں، یوں بھی ”سو“ کا ہندسہ کثرت اور زیادتی کے لئے اکثر استعمال ہوتا ہے، علاوہ ازیں مدّتِ مسافر میں کمی بیشی، تیز رفتاری اور سبک رفتاری کے لحاظ سے بھی ہوسکتی ہے۔

[حدیث: ۱۲۰] ”عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَصَلَّى الصَّلَاةَ وَحَجَّ الْبَيْتَ - لَا أَدْرِیْ أَذَكَرَ الزَّكٰوةَ أَمْ لَا؟ - إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ، إِنْ هَاجَرَ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ أَوْ مَكَثَ بِأَرْضِهِ الَّتِی وُلِدَ بِهَا۔ قَالَ مُعَاذٌ: أَلَا أُخْبِرُ بِهَا النَّاسَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَرِ النَّاسَ يَعْمَلُوْنَ فَإِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ، مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَالْفِرْدَوْسُ أَعْلَى الْجَنَّةِ وَأَوْسَطُهَا، وَفَوْقَ ذٰلِكَ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ، وَمِنْهَا تُفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَسَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ۔“ (رواه الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ، حديث ۲۴۵۳)

ترجمہ: ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے رمضان کا روزہ رکھا، (پنج گانہ) نماز پڑھی، اور بیت اللہ کا حج کیا -راوی کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا تھا یا نہیں؟- اللہ تعالیٰ کے ذمے حق ہوگا کہ اس کی بخشش فرمادیں، خواہ اس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کی ہو یا وہ اپنی اسی زمین میں ٹھہرا رہا ہو جس میں پیدا ہوا تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: کیا لوگوں کو اس کی اطلاع نہ کردُوں؟ فرمایا: لوگوں کو چھوڑ دے کہ عمل کرتے رہیں، کیونکہ جنّت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان، اور جنّت الفردوس سب سے اُوپر اور اعلیٰ و افضل جنّت ہے، اس سے اُوپر رحمٰن کا عرش ہے، اور اسی سے جنّت کی نہریں نکلتی ہیں، پس جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو اس سے جنّت الفردوس مانگا کرو۔“

تشریح: اس روایت کی سند پر تو مصنف اِمام رحمۃ اللہ علیہ نے کلام کیا ہے، مگر اس مضمون کی متعدّد اَحادیث ہیں، چنانچہ صحیح بخاری (ج:۱ ص:۳۹۱) کتاب الجہاد ”باب درجات المجاہدین فی سبیل اللہ“ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَوْ جَلَسَ فِيْ أَرْضِهِ الَّتِيْ وُلِدَ فِيْهَا، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ: اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهٗ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ۔ قَالَ: وَفَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تُفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ۔ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ عَنْ أَبِيْهِ: وَفَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۹۱)

ترجمہ: ”جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لایا، نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کے ذمے حق ہوگا کہ اسے جنّت میں داخل کریں خواہ اس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا ہو یا اس سرزمین میں بیٹھا رہا ہو جس میں پیدا ہوا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! تو کیا ہم لوگوں کو خوشخبری نہ سنادیں؟ فرمایا: جنّت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے تیار کر رکھے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے

درمیان، پس جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو اس سے جنّت الفردوس مانگا کرو، کیونکہ وہ سب سے افضل اور سب سے اُوپر کی جنّت ہے، اس کے اُوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنّت کی نہریں نکلتی ہیں۔“

تشریح: سنن نسائی (ج:۲ ص:۵۶) ”باب درجۃ المجاہدین فی سبیل اللہ“ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے۔ ان احادیث میں چند مضامین مشترک ہیں:

اوّل:... جو شخص فرائض و واجباتِ شرعیہ کا پابند ہو، اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ: اللہ تعالیٰ کے ذمے حق ہوگا کہ اسے جنّت میں داخل کریں۔ یہ مضمون قرآن و حدیث میں بڑی کثرت سے آیا ہے کہ فلاں چیز اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، یا اللہ تعالیٰ کے ذمے حق ہے۔ اہلِ سنّت کے نزدیک ان نصوص کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس چیز کو محض اپنے فضل و احسان اور مراحمِ خسروانہ کی بنا پر اپنے ذمے لے لیا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا استحقاق نہیں۔

دوم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ عرض کیا گیا کہ: یہ خوشخبری عام لوگوں کو سنادی جائے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: جنّت کے سو درجے ہیں، سب سے اعلیٰ درجہ جنّت الفردوس ہے۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ محنت اور کوشش کرنی چاہئے کہ ان کو جنّت میں عالی سے عالی درجہ ملے، ادنیٰ درجے پر قناعت کرکے نہیں بیٹھ جانا چاہئے۔

سوم:... جنّت کا سب سے اعلیٰ درجہ جنّت الفردوس ہے، اور یہ ان حضرات کے لئے ہے جنھوں نے راہِ خدا میں جاں بازی و جاں نثاری کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہو۔ چنانچہ بعض احادیث میں شہید فی سبیل اللہ کے لئے جنّت الفردوس کی بشارت آئی ہے، اسی طرح انبیاء اور صدیقین اور شہداء و صالحین علیٰ حسبِ مراتب جنّت الفردوس میں ہوں گے۔ چونکہ جنّت کا اِنعام بدوں اِستحقاق کے محض مالک کی عنایت ہے، گو اپنے اعمال جنّت الفردوس کے لائق نہ ہوں، مگر مالک کے کرم سے اُمید کرتے ہوئے جنّت الفردوس ہی مانگنی چاہئے، اس لئے فرمایا کہ: جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو جنّت الفردوس ہی مانگو۔ یہ رُوسیاہ بھی آنحضرت نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے دُعا کرتا ہے: یا اللہ! ہم آپ کی رحمت اور آپ کے لطف و کرم کے صدقے آپ سے جنّت الفردوس کی درخواست کرتے ہیں، یا اللہ! ہماری دُعا قبول فرماکر اپنے مقبول بندوں سے ہمیں ملحق فرما، آمین یا ربّ العالمین۔

چہارم:... جنّت الفردوس کے بارے میں فرمایا کہ: اس سے اُوپر عرشِ رحمٰن ہے، یعنی جس طرح زمین کی چھت آسمان ہے، اسی طرح جنّت الفردوس کی چھت عرشِ رحمٰن ہے، اور یہ حضرات عرشِ رحمت کے زیرِ سایہ ہیں۔ اس میں حق تعالیٰ شانہٗ کی خاص رحمت و عنایت اور ان حضرات کے قرب

واختصاص کی طرف اشارہ ہے۔

پنجم:... جنّت کی نہروں کے بارے میں فرمایا کہ: وہ جنّت الفردوس سے نکلتی ہیں اوران کا منبع و سرچشمہ جنّت الفردوس ہے، اس کی پوری حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے، اور اِن شاء اللہ وہاں پہنچ کر منکشف ہوجائے گی، بہرحال اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نعمائے جنّت کا مرکز جنّت الفردوس ہے۔

[حدیث:۱۲۱] ”عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِى الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ، مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَالْفِرْدَوْسُ أَعْلَاهَا دَرَجَةً وَمِنْهَا تُفَجِّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْأَرْبَعَةُ، وَمِنْ فَوْقِهَا يَكُوْنُ الْعَرْشُ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَسَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُوْنَ نَا هَمَّامٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ نَحْوَهُ۔“ (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ، حديث:۲۴۵۴)

ترجمہ: ”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنّت کے سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان ہے، اور جنّت الفردوس سب سے بلند درجے کی ہے، اسی سے جنّت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں، اور اس سے اُوپر عرش ہوگا، پس جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو جنّت الفردوس مانگو۔“

[حدیث:۱۲۲] ”عَنْ أَبِىْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ فِى الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ، لَوْ أَنَّ الْعَالَمِيْنَ اجْتَمَعُوْا فِىْ إِحْدَاهُنَّ لَوَسِعَتْهُمْ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔“ (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ، حديث:۲۴۵۵)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنّت میں سو درجے ہیں، اور اگر سارے جہان کے لوگ ان کے کسی ایک درجے میں جمع ہوجائیں تو ان کو کافی ہوگا۔“

تشریح: سنن نسائی (ج:۲ ص:۵۶) ”درجۃ المجاہد فی سبیل اللہ“ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس طرح آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا: ابوسعید! جو شخص اللہ تعالیٰ کو ربّ مان کر، اسلام کو دِین مان کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان کر راضی ہوگیا، اس کے لئے جنّت واجب ہوگئی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو یہ اِرشاد سن کر حیرت آمیز مسرّت ہوئی، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ

بات ایک بار پھر اِرشاد فرمایئے! چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد پھر دُہرایا، اور پھر فرمایا: ایک چیز اور بھی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ جنّت میں بندے کے سو درجے بلند کردیتے ہیں، اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ

اس حدیث کے آخر میں جو اِرشاد فرمایا کہ: ''اگر سارے جہان کے لوگ ایک ہی جنّت میں جمع ہوجائیں تو وہ سب کو کافی ہوجائے'' اس میں جنّت کی وسعت و کشائش کی طرف اشارہ ہے، جنّت کی وسعت کا مشاہدہ بھی جنّت میں جانے کے بعد ہی ہوگا، اور وہاں معلوم ہوگا کہ ہمارا یہ کرۂ اَرض جنّت کے مقابلے میں بیضۂ مور (چیونٹی کے انڈے) کی حیثیت رکھتا ہے۔

اہلِ جنّت کی شان

[حدیث:۱۲۳] ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُوْرَتُهُمْ عَلٰی صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ، لَا یَبْصُقُوْنَ فِیهَا وَلَا یَتَمَخَّطُوْنَ وَلَا یَتَغَوَّطُوْنَ، اٰنِیَتُهُمْ فِیهَا مِنَ الذَّهَبِ، وَأَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَمَجَامِرُهُمْ مِنَ الْأَلُوَّةِ، وَرَشْحُهُمُ الْمِسْکُ، وَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ، یُرٰی مُخُّ سُوْقِهِمَا مِنْ وَّرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ، لَا اخْتِلَافَ بَیْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ، قُلُوْبُهُمْ قَلْبُ رَجُلٍ وَاحِدٍ، یُسَبِّحُوْنَ اللهَ بُکْرَةً وَّعَشِیًّا۔''

(رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حدیث:۲۴۶۰)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: پہلا گروہ جو جنّت میں داخل ہوگا ان کی شکل و صورت چودھویں کے چاند جیسی (نورانی) ہوگی، نہ ان کو تھوکنے کی ضرورت ہوگی، نہ ناک صاف کرنے کی، اور نہ بول و براز کی، جنّت میں ان کے برتن سونے کے ہوں گے، اور ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی، اور ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن عود کا ہوگا، اور ان کا پسینہ کستوری ہوگا، ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی، جن کی پنڈلیوں کا گودا، حسن و جمال کی وجہ سے گوشت کے ورے سے نظر آئے گا، ان کے درمیان نہ کوئی اختلاف ہوگا، نہ باہمی رنجش، ان سب کے قلوب ایک آدمی کے دِل پر ہوں گے، وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہیں گے۔''

تشریح: اہلِ جنّت کے ناز و نعمت اور ان کی خوش بختی و سعادت کے سلسلے میں قرآنِ کریم اور اَحادیثِ طیبہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا وہ ہماری ذہنی سطح کی رعایت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے، ورنہ وہاں کی نعمتیں اہلِ دُنیا کی عقول سے بالاتر ہیں، یہاں رہتے ہوئے ہم ان کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے، چنانچہ حدیثِ قدسی میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

''أَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔''

ترجمہ: ''میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ سامان تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دِل میں اس کا کبھی خیال ہی گزرا۔''

اس لئے جنّت کی نعمتوں کو اہلِ دُنیا کے ذہنوں کے قریب کرنے کے لئے ہماری زبان و محاورات کو اِستعمال کیا گیا ہے، چنانچہ کسی چہرے کی خوبصورتی و نورانیت کے کمال کو ظاہر کرنے کے لئے ہم لوگ اسے ''چاند'' سے تشبیہ دینے کے عادی ہیں، کسی کی خوبصورتی کے اظہار کے لئے ہمارے پاس اس سے بہتر تشبیہ نہیں، ورنہ اہلِ جنّت کی شان تو یہ ہے کہ اہلِ جنّت میں سے ادنیٰ شخص اگر اپنے کپڑے کا ایک حصہ دُنیا میں ظاہر کر دے تو سورج چاند کی روشنی ماند پڑ جائے، اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خود ان حضرات کے حسن و جمال اور ان کی نورانیت کا کیا عالم ہوگا...؟

اہلِ جنّت کی غذائیں ایسی لطیف اور وہاں کی فضا اور آب و ہوا ایسی نفیس ہوگی کہ اہلِ جنّت کے پاکیزہ بدنوں میں موادِ فاضلہ (فضلات) پیدا ہی نہ ہوں گے کہ ان کے اِخراج کی حاجت ہو، اس لئے نہ انہیں تھوکنے کی ضرورت ہوگی، نہ ناک کی ریزش صاف کرنے کی، نہ بول و براز کے عوارض ان کو لاحق ہوں گے، نہ رِیح صادر ہوگی، گویا اس پہلو سے انہیں کامل طور پر تشبہ بالملائکہ حاصل ہوگا۔ ان کے قلوب حق تعالیٰ شانہٗ کی محبّت سے لبریز، ان کی زبانیں ذکرِ اِلٰہی سے ہمہ دَم تر، ان کی آنکھیں دِیدارِ اِلٰہی سے تابناک، ان کی صحبتیں حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صدیقین و شہداء و صالحین کی برکت سے نورانی ہوں گی، اس لئے وہ سراپا نور ہوں گے۔ ادھر جنّت کی غذائیں نورانی ہوں گی، اس لئے ان کی خوراک کا ہضم بھی خوشبودار ڈکار اور رشکِ عنبر پسینے کے ذریعے ہوگا، اور ان کی باطنی نورانیت و رُوحانیت مشک و کستوری کی صورت میں متمثل ہوگی۔

وہاں میل کچیل، بدبو اور تعفن نہیں ہوگا، اس کے باوجود وہ نشاط کے لئے سونے اور چاندی کی کنگھیاں بھی استعمال کریں گے، اور خوشبو میں اضافے کے لئے عود کی دُھونی بھی لیں گے، اگر کسی کو خیال ہو کہ جنّت میں تو آگ نہیں ہوگی، اہلِ جنّت عود کی انگیٹھیاں کس چیز سے سلگائیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے

کہ ممکن ہے اہلِ جنّت کی کرامت کے لئے وہ بغیر آگ کے کسی مناسب مادّے سے سلگائی جائیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہاں آگ تو ہو لیکن اس آگ میں تپش اور گرمی نہ ہو، جس طرح کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے نار کو گلزار کر دیا تھا، اسی طرح اہلِ جنّت کے لئے بھی نار کو گلزار بنا دیا جائے تو کیا تعجب ہے...!

اور اہلِ جنّت کے قلوب ہر قسم کے غل وغش اور حسد وکینہ سے پاک ہوں گے، ان میں نہ خواہشات کا اختلاف ہوگا، نہ باہم منافرت ہوگی، بلکہ تمام اہلِ جنّت ''یک جان ودو قالب'' ہوں گے، ان سب کی محبّت کا مرکز حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ عالی ہوگی اور محبّتِ الٰہی کی بنا پر تمام اہلِ جنّت کو لباسِ محبوبیت عطا کیا جائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے محب بھی ہوں گے اور محبوب بھی: ''يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ'' اس لئے وہ آپس میں بھی ایک دُوسرے کے محب ومحبوب ہوں گے۔

اور اس حدیث میں جو فرمایا کہ: ''وہ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے'' اس میں صبح وشام سے مراد علی الدوام ہے، چنانچہ دُوسری حدیث میں ارشاد ہے: ''يلهمون التسبيح كما يلهمون النفس'' یعنی جس طرح سانس جاری ہوتا ہے، اس طرح ان کی مبارک زبانوں پر تسبیح جاری رہے گی، ہر جنتی ہمہ دم ''پاس انفاس'' میں مشغول رہے گا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ صبح وشام کے اوقات مزید توجہ الی اللہ اور تسبیح وتہلیل کے اوقات ہوں، واللہ اعلم!

ہماری دُنیا میں صبح وشام کے اوقات آفتاب کے طلوع وغروب سے وابستہ ہیں، جنّت میں سورج نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ دُنیا کے صبح وشام وہاں نہیں ہوں گے، لیکن اوقات کی تقدیر وتعین کا کوئی نظام وہاں بھی ہوگا، اس نظام کے مطابق وہاں صبح وشام بھی ہوں گے، اور ہفتے، مہینے اور سال بھی۔ بہرحال جنّت کی چیزوں کے اور دُنیا کی چیزوں کے درمیان صرف نام کا اشتراک ہے ورنہ وہاں کے حقائق کے ساتھ دُنیا کی چیزوں کو کوئی مناسبت نہیں۔

[حدیث:۱۲۴] ''عَنْ دَاوٗدَ بْنِ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِیْ وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ أَنَّ مَا يُقِلُّ ظُفُرٌ مِمَّا فِي الْجَنَّةِ بَدَا لَتَزَخْرَفَتْ لَهٗ مَا بَيْنَ خَوَافِقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اِطَّلَعَ فَبَدَا أَسَاوِرُهٗ لَطَمَسَ ضَوْءَ الشَّمْسِ كَمَا تَطْمِسُ الشَّمْسُ ضَوْءَ النُّجُومِ۔''

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّة، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حدیث: ۲۴۶۱)

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جنّت کی چیزوں میں سے اتنی مقدار، جس کو ناخن اُٹھا سکتا ہے، اگر دُنیا میں ظاہر ہوجائے تو آسمان وزمین کے کناروں کے درمیان کی تمام چیزیں آراستہ ومزین ہوجائیں، اور اگر اہلِ جنّت میں سے کوئی شخص دُنیا میں جھانک کر دیکھ لے، پس اس کے کنگن ظاہر ہوجائیں تو ان کی چمک سے سورج کی روشنی جاتی رہے، جیسا کہ دُھوپ ستاروں کی روشنی کو مٹادیتی ہے۔‘‘

اہلِ جنّت کا لباس اور کپڑے

[حدیث:۱۲۵] ’’حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَأَبُوْ هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ قَالَا: نَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَامِرٍ الْأَحْوَلِ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْدٌ مُرْدٌ كُحْلٰى، لَا يَفْنٰى شَبَابُهُمْ، وَلَا تَبْلٰى ثِيَابُهُمْ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔‘‘ (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ ثِيَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حديث:۲۴۶۲)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہلِ جنّت کے بدن بالوں سے صاف ہوں گے، وہ بے رِیش ہوں گے، ان کی آنکھیں سرمگیں ہوں گی، نہ ان کی جوانی ڈھلے گی، نہ ان کے کپڑے میلے اور بوسیدہ ہوں گے۔‘‘

تشریح: ’’جُرْدٌ‘‘ اَجرد کی جمع ہے، اس شخص کو کہتے ہیں جس کے بدن پر بال نہ ہوں، مطلب یہ کہ دُنیا میں بدن پر جو بال ہوتے ہیں (جن میں غیرضروری بال بھی داخل ہیں) اہلِ جنّت کے بدن پر وہ نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے بدن صاف شفاف ہوں گے۔

’’مُرْدٌ‘‘ اَمرد کی جمع ہے، بے رِیش لڑکے کو ’’اَمرد‘‘ کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اہلِ جنّت اپنی صحت وقوّت کے اعتبار سے نوعمر ہوں گے، جن کے چہرے پر داڑھی نہیں آئی ہوگی، یہ مطلب نہیں کہ وہ داڑھی صاف کراتے ہوں گے۔

فائدہ:... یہ جو مشہور ہے کہ جنّت میں آنحضرت ﷺ، حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے داڑھی ہوگی، محض غلط اور بے اصل ہے۔

’’کحل‘‘ اکحل کی جمع ہے، اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں سرمگیں ہوں، اہلِ جنّت کی آنکھیں قدرتی طور پر سرمگیں ہوں گی، سرمہ لگانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

[حدیث:۱۲۶] ’’عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهِ:

”وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ“ قَالَ: اِرْتِفَاعُهَا لَكَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مَسِيرَةَ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ. هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ رِشْدِينَ بْنِ سَعْدٍ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي تَفْسِيرِ هٰذَا الْحَدِيثِ: مَعْنَاهُ إِنَّ الْفُرُشَ فِي الدَّرَجَاتِ، وَبَيْنَ الدَّرَجَاتِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.“ (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ ثِيَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حدیث: ۲۴۶۳)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ خداوندی ﴿وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ﴾ (الواقعہ) کے بارے میں فرمایا کہ: ان کی بلندی ایسی ہوگی جیسے آسمان اور زمین کے درمیان کا فاصلہ ہے، یعنی پانچ سو سال کی مسافت۔“

تشریح: اس حدیث کی شرح خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہلِ علم سے نقل کی ہے کہ یہ درجاتِ جنّت میں ہوں گے اور جن کے ہر دو درجوں کے درمیان آسمان و زمین کا فاصلہ ہوگا، گویا ”فرشِ مرفوعہ“ سے درجاتِ جنّت کی بلندی مراد ہے، واللہ اعلم!

جنّت کے پھلوں کا بیان

[حدیث: ۱۲۷] ”عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى قَالَ: يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّ الْفَنَنِ مِنْهَا مِائَةَ سَنَةٍ أَوْ يَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا مِائَةُ رَاكِبٍ، شَكَّ يَحْيٰى، فِيهَا فِرَاشُ الذَّهَبِ كَأَنَّ ثَمَرَهَا الْقِلَالُ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.“ (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ ثِمَارِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حدیث: ۲۴۶۴)

ترجمہ: ”حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”سدرۃ المنتہیٰ“ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: اس کی شاخوں کے سائے میں سوار ایک سال تک چلتا رہے گا، یا یہ فرمایا کہ: سو سوار اس کے سائے میں آسکیں گے (راوی کو شک ہے کہ وہ بات فرمائی تھی یا یہ) اس پر گرنے والے پروانے سونے کے ہیں اور اس کے پھل گویا بڑے بڑے مٹکے ہیں۔“

جنّت کے پرندوں کی شان

[حدیث: ۱۲۸] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَ سَلَّمَ: مَا الْكَوْثَرُ؟ قَالَ: ذَاكَ نَهْرٌ أَعْطَانِيهِ اللّٰهُ يَعْنِي فِي الْجَنَّةِ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ، فِيهَا طَيْرٌ أَعْنَاقُهَا كَأَعْنَاقِ الْجُزُرِ۔ قَالَ عُمَرُ: إِنَّ هٰذِهِ لَنَاعِمَةٌ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَكَلَتُهَا أَنْعَمُ مِنْهَا۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُسْلِمٍ هُوَ ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابِ الزُّهْرِيِّ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ طَيْرِ الْجَنَّةِ، حدیث: ۲۴۶۵)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ: کوثر کیا چیز ہے؟ فرمایا: یہ ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے، یعنی جنّت میں، جو دُودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اُونٹوں کی گردنوں جیسی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یہ پرندے تو بہت ہی خوب ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کھانے والے ان سے بڑھ کر خوش قسمت ہیں۔"

جنّت کے گھوڑوں کی شان

[حدیث: ۱۲۹] "عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ خَيْلٍ؟ قَالَ: إِنِ اللّٰهُ أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ فَلَا تَشَاءُ أَنْ تُحْمَلَ فِيهَا عَلَى فَرَسٍ مِنْ يَاقُوتَةٍ حَمْرَاءَ يَطِيرُ بِكَ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ۔ قَالَ: وَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ إِبِلٍ؟ قَالَ: فَلَمْ يَقُلْ لَهُ مَا قَالَ لِصَاحِبِهِ فَقَالَ: إِنْ يُدْخِلْكَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَكَ فِيهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ خَيْلِ الْجَنَّةِ حدیث: ۲۴۶۶)

ترجمہ: "حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ: یا رسول اللہ! کیا جنّت میں گھوڑے بھی ہوں گے؟ فرمایا کہ: اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے جنّت میں داخل فرمادیا تو جب بھی تجھے خواہش ہوگی کہ تجھے سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار کیا جائے جو جنّت میں جہاں بھی تو چاہے تجھے لے کر اُڑتا پھرے، تجھے ایسا گھوڑا عطا کردیا جائے گا۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک اور شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: کیا جنّت میں اُونٹ بھی ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان صاحب کو وہ جواب نہیں دیا جو پہلے شخص کو دیا تھا، بلکہ یہ فرمایا کہ: اگر اللہ تعالیٰ تجھے جنّت میں داخل کر دے تو تجھے جنّت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو تیرا دِل چاہے گا اور جس سے تیری آنکھیں لطف اندوز ہوں گی۔"

[حدیث: ۱۳۰] "عَنْ أَبِیْ أَیوبَ قَالَ: أَتَى النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَعْرَابِیٌّ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنِّیْ أُحِبُّ الْخَیْلَ أَفِی الْجَنَّةِ خَیْلٌ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ أُدْخِلْتَ الْجَنَّةَ أُتِیتَ بِفَرَسٍ مِّنْ یَاقُوْتَةٍ لَهُ جَنَاحَانِ فَحُمِلْتَ عَلَیْهِ ثُمَّ طَارَ بِکَ حَیْثُ شِئْتَ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ لَیْسَ إِسْنَادُهٗ بِالْقَوِیِّ وَلَا نَعْرِفُهٗ مِنْ حَدِیْثِ أَبِیْ أَیُّوْبَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَأَبُوْ سَوْرَةَ هُوَ ابْنُ أَخِیْ أَبِیْ أَیُّوْبَ یُضَعَّفُ فِی الْحَدِیْثِ ضَعَّفَهٗ یَحْیَى بْنُ مَعِیْنٍ جِدًّا وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِیْلَ یَقُوْلُ: أَبُوْ سَوْرَةَ هٰذَا مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ یَرْوِیْ مَنَاکِیْرَ عَنْ أَبِیْ أَیُّوْبَ لَا یُتَابَعُ عَلَیْهَا۔"

(رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ خَيْلِ الْجَنَّةِ حدیث: ۲۴۶۶)

ترجمہ: "حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اَعرابی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا: یارسول اللہ! میں گھوڑوں کو بہت پسند کرتا ہوں، کیا جنّت میں گھوڑے بھی ہوں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو جنّت میں داخل کر دیا گیا تو تیرے پاس یاقوت کا گھوڑا لایا جائے گا، جس کے دو بازُو ہوں گے، تجھے اس پر سوار کر دیا جائے گا، پھر تو جہاں چاہے تجھے لے کر اُڑتا پھرے گا۔"

تشریح: یہ روایت کمزور ہے، جیسا کہ اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند پر کلام کیا ہے، لیکن حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت اس کی مؤید ہے، اور اس کے مضمون میں کوئی اِشکال نہیں۔ جنّت کی شان یہ ہے کہ اہلِ جنّت جس چیز کی خواہش کریں گے، حق تعالیٰ شانہٗ ان کی چاہت پوری فرمائیں گے، پس اگر کسی کا گھوڑے کی سواری کو جی چاہے گا تو جنّت کے شایانِ شان گھوڑا اس کو عطا کر دیا جائے گا، جس کی شکل وصورت تو گھوڑے کی ہوگی، لیکن وہ دُنیا کے گھوڑوں جیسا نہیں ہوگا، بلکہ جنّت کے یاقوت کا گھوڑا ہوگا جو ہوائی جہاز کی طرح پرواز کرے گا۔

اہلِ جنّت کی عمروں کا بیان

[حدیث: ۱۳۱] "عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحِّلِينَ أَبْنَاءَ ثَلَاثِيْنَ أَوْ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِيْنَ سَنَةً۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي سِنِّ أَهْلِ الْجَنَّةِ حدیث: ۲۴۶۸)

ترجمہ: "حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اہلِ جنّت، جنّت میں داخل ہوں گے تو ان کے بدن پر بال نہیں ہوں گے، چہرے بے رِیش اور آنکھیں سرمگیں ہوں گی، تیس یا فرمایا تینتیس برس کی عمر کے ہوں گے۔"

تشریح: بدن پر بالوں کا نہ ہونا حسن وخوبی ہے، چنانچہ شمائل شریفہ میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر پر بال نہیں تھے، البتہ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک سی لکیر چلی گئی تھی۔ پہلے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ اہلِ جنّت نوجوان ہوں گے، اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ان کی عمریں تیس سال یا تینتیس سال کی ہوں گی۔ پہلے زمانوں میں جب عمریں طویل ہوتی تھیں تیس برس نوجوانی کی عمر ہوتی تھی، یہی حال اہلِ جنّت کا ہوگا۔

اہلِ جنّت کی کتنی صفیں ہوں گی؟

[حدیث: ۱۳۲] "عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ، ثَمَانُوْنَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَأَرْبَعُوْنَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صَفِّ أَهْلِ الْجَنَّةِ حدیث: ۲۴۶۹)

ترجمہ: "حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اہلِ جنّت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، اَسّی صفیں اس اُمّت کی، اور چالیس صفیں باقی اُمتوں کی۔"

[حدیث: ۱۳۳] "عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قُبَّةٍ نَحْوًا مِنْ أَرْبَعِيْنَ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالُوْا: نَعَمْ! قَالَ: أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالُوْا: نَعَمْ! قَالَ: أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ مَا أَنْتُمْ فِي الشِّرْكِ إِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ أَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَحْمَرِ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صَفِّ أَهْلِ الْجَنَّةِ حدیث: ۲۴۷۰)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قبے میں قریباً چالیس آدمی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مخاطب کر کے فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم (یعنی تمام اُمّتِ محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے افراد) اہلِ جنّت کا چوتھائی حصہ ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ: جی ہاں! (ہم اس پر راضی ہیں)، فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم اہلِ جنّت میں تہائی ہو؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم نصف اہلِ جنّت ہو؟ (اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا جواب اثبات میں دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان اس کے قبضے میں ہے! بے شک میں اُمید رکھتا ہوں کہ تم (کم از کم) نصف اہلِ جنّت ہوگے، اس کی وجہ یہ ہے کہ) جنّت میں صرف وہی شخص داخل ہوگا جو مسلمان ہو، اور تم اہلِ شرک کے مقابلے میں اس سفید بال کی طرح ہو جو سیاہ رنگ کے بیل کی کھال میں ہو، یا اس سیاہ بال کی طرح ہو جو سرخ رنگ کے بیل کی کھال میں ہوتا ہے۔''

تشریح: یہ قبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منیٰ میں نصب کیا گیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے، اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تھا، اس میں یہ بشارت سنائی تھی۔

پہلے چوتھائی، پھر تہائی، پھر نصف کا ذکر فرمانا سامعین کی مسرّت میں اضافے کے لئے تھا، اور آخر میں جو فرمایا کہ: مجھے اُمید ہے کہ تم نصف اہلِ جنّت ہوگے، اس میں زیادہ کی نفی نہیں، چنانچہ متعدّد احادیث میں یہ مضمون ہے کہ اس اُمّت کی تعداد اہلِ جنّت میں دو تہائی ہوگی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث بھی اسی کی مؤید ہے کہ جس میں فرمایا گیا ہے اہلِ جنّت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، اَسّی صفیں اس اُمّت کی، اور چالیس صفیں دُوسری اُمتوں کی۔

جنّت کے دروازوں کا بیان

[حدیث: ۱۳۴] ''عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَابُ أُمَّتِى الَّذِىْ يَدْخُلُوْنَ مِنْهُ الْجَنَّةَ عَرْضُهٗ مَسِيْرَةُ الرَّاكِبِ الْمُجَوِّدِ ثَلَاثًا، ثُمَّ إِنَّهُمْ لَيُضْغَطُوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى تَكَادُ مَنَاكِبُهُمْ تَزُوْلُ۔''

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، حدیث: ۲۴۷۱)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: میری اُمّت کا دروازہ جس سے وہ جنّت میں داخل ہوگی (اتنا وسیع اور کشادہ ہے کہ) اس کی پہنائی تیز رفتار گھڑ سوار کی تین دن (یا تین سال) کی مسافت ہے، اس کے باوجود اس قدر بھیڑ ہوگی کہ (کھوے سے) کھوا چھلتا ہوگا، اور قریب ہوگا کہ ان کے کندھے اُتر جائیں۔"

تشریح: جنّت کے دروازے کی وسعت کے بارے میں متعدّد اَحادیث وارِد ہوئی ہیں، چنانچہ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنّت کے دو پٹوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت ہے (رواہ أحمد وأبو یعلی ورجالہ وثقوا علی ضعف فی)۔

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پورا کروگے ستر اُمتوں کو، جن میں تم سب سے آخر میں ہو، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزّز ہو، اور جنّت میں دو پٹوں کے درمیان کا فاصلہ چالیس برس کی مسافت ہے، اور اس پر ایک دن آئے گا کہ وہ (کثرتِ اِزدحام کی وجہ سے) گھٹا ہوا ہوگا (رواہ احمد ورجالہ ثقات)۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنّت میں دو پٹوں کے درمیان کا فاصلہ چالیس سال کی مسافت ہے، اور اس پر ایک دن آئے گا کہ اس پر ایسا اِزدحام ہوگا جیسے پانچ دن کے پیاسے اُونٹ پانی پر جائیں تو ان کا پانی پر اِزدحام ہوتا ہے (رواہ الطبرانی وفیہ رزیک بن ابی رزیک ولم أعرفہ وبقیۃ رجالہ ثقات، مجمع الزوائد ج:۱۰ ص ۳۷۴)۔

خالد بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت عتبہ بن غزوان نے (جو بصرہ کے امیر تھے) ہمیں خطبہ دیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: دُنیا خاتمے کا اعلان کرچکی ہے، اور تیزی سے ختم ہوتی ہوئی بھاگ رہی ہے، اور اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا سوائے تلچھٹ کے، جیسے برتن میں تلچھٹ رہ جاتی ہے، جس کو اس کا مالک چوستا ہے، اور تم یہاں سے ایک ایسے گھر کی طرف منتقل ہوگے جس کے لئے زوال نہیں، پس جو کچھ تمہارے پاس موجود ہے اس سے بہتر کے ساتھ وہاں منتقل ہو، کیونکہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک پتھر جہنّم کے منڈیر سے پھینکا جائے گا، وہ ستر سال تک اس میں گرتا رہے گا لیکن اس کی گہرائی تک نہیں پہنچے گا، اور اللہ کی قسم! وہ جہنّم البتہ بھردی جائے گی، کیا تمہیں تعجب ہے...؟

اور ہم سے ذکر کیا گیا کہ جنّت کے دروازے کے دو پٹوں کا فاصلہ چالیس برس کی مسافت کا ہوگا، اور اس پر ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ ہجوم کی وجہ سے پٹا ہوا ہوگا، اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات میں سے ساتواں آدمی تھا، اور ہمارے پاس درخت کے پتّوں کے سوا اور کوئی خوراک نہیں تھی، یہاں تک کہ پتّے کھاتے کھاتے ہماری باچھیں چھل گئیں، پھر مجھے ایک چادر پڑی مل گئی،

میں نے چیر کر اس کے دو حصے کر لئے، ایک حصے کی لنگی میں نے باندھ لی، اور دُوسرے حصے کی سعد بن مالک نے، آج ان ساتوں میں ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے، اور میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں اپنے جی میں بڑا بنتا پھروں اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں چھوٹا رہوں۔ اور دیکھو! کبھی کوئی نبوّت نہیں ہوئی مگر رفتہ رفتہ اس کے آثار مٹتے گئے، اور آخر کار ملوکیت رہ گئی، اب تم کو ہمارے بعد کے اُمراء سے سابقہ پڑے گا، اور تم ان کا تجربہ کروگے (صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۰۸)۔

مذکورہ بالا احادیث میں جنّت کے دروازے کی مسافت چالیس برس کی ذکر کی گئی ہے، اور ترمذی کی حدیث الباب میں تیز رفتار گھوڑے کی رفتار سے تین دن یا تین برس کی مسافت ذکر کی گئی ہے۔ ترمذی کی روایت اوّل تو کمزور ہے، جبکہ اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے، علاوہ ازیں یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ کم مقدار میں حصر مقصود نہیں، بلکہ مراد اس سے طول مسافت کا ذکر کرنا ہے اس لئے جن احادیث میں زیادہ مسافت آئی ہے، یہ ان کے منافی نہیں۔

جنّت کے بازار کا ذکر

[حدیث:۱۳۵] "عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ أَنَّهُ لَقِیَ أَبَا هُرَیْرَةَ فَقَالَ أَبُوْ هُرَیْرَةَ: أَسْأَلُ اللهَ أَنْ یَّجْمَعَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ فِیْ سُوْقِ الْجَنَّةِ۔ فَقَالَ سَعِیْدٌ: أَفِیْهَا سُوْقٌ؟ قَالَ: نَعَمْ! أَخْبَرَنِیْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ إِذَا دَخَلُوْهَا نَزَلُوْا فِیْهَا بِفَضْلِ أَعْمَالِهِمْ، ثُمَّ یُؤْذَنُ فِیْ مِقْدَارِ یَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ أَیَّامِ الدُّنْیَا فَیَزُوْرُوْنَ رَبَّهُمْ وَیُبْرِزُ لَهُمْ عَرْشَهُ وَیَتَبَدّٰى لَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّةِ، فَتُوْضَعُ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُّوْرٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ لُؤْلُؤٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ یَاقُوْتٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ زَبَرْجَدٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ ذَهَبٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ فِضَّةٍ، وَیَجْلِسُ أَدْنَاهُمْ وَمَا فِیْهِمْ مِنْ دَنِیٍّ عَلٰى کُثْبَانِ الْمِسْکِ وَالْکَافُوْرِ مَا یُرَوْنَ أَنَّ أَصْحَابَ الْکَرَاسِیِّ بِأَفْضَلَ مِنْهُمْ مَجْلِسًا۔ قَالَ أَبُوْ هُرَیْرَةَ: قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! وَهَلْ نَرٰى رَبَّنَا؟ قَالَ: نَعَمْ! هَلْ تَتَمَارَوْنَ مِنْ رُؤْیَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ؟ قُلْنَا: لَا! قَالَ: کَذٰلِکَ لَا تَتَمَارَوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ رَبِّکُمْ وَلَا یَبْقٰى فِیْ ذٰلِکَ الْمَجْلِسِ رَجُلٌ إِلَّا حَاضَرَهُ اللهُ مُحَاضَرَةً حَتّٰى یَقُوْلَ لِلرَّجُلِ مِنْهُمْ: یَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ! أَتَذْکُرُ یَوْمَ قُلْتَ کَذَا وَکَذَا؟ فَیُذَکِّرُهٗ بِبَعْضِ غَدَرَاتِهٖ فِی الدُّنْیَا، فَیَقُوْلُ: یَا رَبِّ! أَفَلَمْ تَغْفِرْ لِیْ؟ فَیَقُوْلُ: بَلٰى! فَبِسَعَةِ مَغْفِرَتِیْ بَلَغْتَ مَنْزِلَتَکَ هٰذِهٖ، فَبَیْنَمَا هُمْ عَلٰى ذٰلِکَ

غَشِيَتْهُمْ سَحَابَةٌ مِّنْ فَوْقِهِمْ فَأَمْطَرَتْ عَلَيْهِمْ طِيْبًا لَّمْ يَجِدُوْا مِثْلَ رِيحِهٖ شَيْئًا قَطُّ، وَيَقُوْلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: قُوْمُوْا إِلٰى مَا أَعْدَدْتُ لَكُمْ مِنَ الْكَرَامَةِ فَخُذُوْا مَا اشْتَهَيْتُمْ۔ فَنَأْتِيْ سُوْقًا قَدْ حَفَّتْ بِهِ الْمَلَائِكَةُ مَا لَمْ تَنْظُرِ الْعُيُوْنُ إِلٰى مِثْلِهٖ، وَلَمْ تَسْمَعِ الْاٰذَانُ وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى الْقُلُوْبِ فَيُحْمَلُ اِلَيْنَا مَا اشْتَهَيْنَا، لَيْسَ يُبَاعُ فِيْهَا وَلَا يُشْتَرٰى، وَفِيْ ذٰلِكَ السُّوْقِ يَلْقٰى أَهْلُ الْجَنَّةِ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، قَالَ: فَيُقْبِلُ الرَّجُلُ ذُو الْمَنْزِلَةِ الْمُرْتَفِعَةِ فَيَلْقٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَمَا فِيْهِمْ دَنِيٌّ فَيَرُوْعُهٗ مَا يَرٰى عَلَيْهِ مِنَ اللِّبَاسِ، فَمَا يَنْقَضِيْ اٰخِرُ حَدِيْثِهٖ حَتّٰى يَتَخَيَّلَ عَلَيْهِ مَا هُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ، وَذٰلِكَ أَنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ أَنْ يَّحْزَنَ فِيْهَا، ثُمَّ نَنْصَرِفُ إِلٰى مَنَازِلِنَا، فَتَتَلَقَّانَا أَزْوَاجُنَا فَيَقُلْنَ: مَرْحَبًا وَأَهْلًا! لَقَدْ جِئْتَ وَإِنَّ لَكَ مِنَ الْجَمَالِ أَفْضَلَ مِمَّا فَارَقْتَنَا عَلَيْهِ۔ فَنَقُوْلُ: إِنَّا جَالَسْنَا الْيَوْمَ رَبَّنَا الْجَبَّارَ وَيَحِقُّنَا أَنْ نَّنْقَلِبَ بِمِثْلِ مَا انْقَلَبْنَا۔ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي سُوقِ الْجَنَّةِ، حديث: ۲۴۷۲)

ترجمہ: ''حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کی (مدینہ کے بازار میں) ملاقات ہوئی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو کہ مجھے اور آپ کو جنّت کے بازار میں جمع کردیں۔ حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ: کیا جنّت میں بازار بھی ہوگا؟ فرمایا: ہاں! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اہلِ جنّت جب جنّت میں داخل ہوں گے تو اپنے اپنے اعمال کے مطابق اس (کے درجات) میں فروکش ہوجائیں گے، پھر ان کو دُنیا کے دنوں کے (ہفتے کے حساب سے) جمعہ کے دن کی مقدار میں (بارگاہِ اِلٰہی کی) حاضری کی اجازت دی جائے گی، پس وہ اپنے رَبّ کی زیارت کریں گے اور جنّت کے باغات میں سے ایک باغ میں ان کے سامنے عرشِ اِلٰہی ظاہر ہوگا اور حق تعالیٰ شانہٗ تجلی فرمائیں گے، پس ان کے لئے (حسبِ مراتب) منبر رکھے جائیں گے، ان میں سے بعض کی نشست نور کے منبروں پر ہوگی، بعض کی موتی کے منبروں پر، بعض کی یاقوت کے منبروں پر، بعض کی زبرجد کے منبروں پر، بعض کی سونے کے منبروں پر، بعض کی چاندی کے منبروں پر، اور ان میں سے جو حضرات سب سے کم مرتبہ ہوں گے اور ان میں کوئی شخص بھی بذاتِ خود

کم مرتبہ نہیں، وہ مشک و کافور کے ٹیلوں پر بیٹھیں گے، ان حضرات کو یہ خیال نہیں ہوگا کہ جو حضرات کرسیوں اور منبروں پر تشریف فرما ہیں، ان کی نشست ان سے بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور کیا ہم اپنے رَبّ کو دیکھیں گے؟ فرمایا: ہاں! کیا تم سورج کے اور چودھویں رات کو چاند کے دیکھنے میں کبھی شک وشبہ کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا: نہیں! فرمایا: اسی طرح تم اپنے رَبّ کے دیکھنے میں بھی شک نہ کروگے، اور اس مجلس میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جس سے حق تعالیٰ شانہٗ براہِ راست گفتگو نہ فرمائیں، یہاں تک کہ ان میں سے ایک آدمی سے فرمائیں گے: اے فلاں بن فلاں! کیا تجھے یاد ہے کہ تو نے فلاں فلاں دن یہ یہ کیا تھا؟ پس اللہ تعالیٰ اس کو اس کی بعض بے وفائیاں یاد دِلائیں گے، وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! کیا آپ نے میری مغفرت نہیں فرمادی؟ ارشاد ہوگا: کیوں نہیں؟ میری وسیع مغفرت کی بدولت ہی تو تو اپنے اس مرتبے کو پہنچا۔ پس وہ اس حالت (لذّتِ دِیدارِ اِلٰہی وگفتارِ خداوندی) میں ہوں گے کہ اتنے میں اُوپر سے ایک بدلی ان کو ڈھانک لے گی، پس ان پر خوشبو برسائے گی، ایسی خوشبو انہوں نے کبھی نہیں سونگھی، اور ہمارے رَبّ تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے کہ: اُٹھو! اور تمہارے اِعزاز واِکرام کے لئے میں نے جو سامان تیار کر رکھا ہے اس میں سے جو تمہارا جی چاہے لے لو! پس ہم ایک بازار میں جائیں گے، جس کو فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا، ایسا بازار نہ کبھی آنکھوں نے دیکھا، نہ کبھی کانوں سے سنا، اور نہ کبھی دِلوں میں اس کا خیال آیا، اس بازار میں اپنی چاہت اور خواہش کے مطابق ہم جن چیزوں کا انتخاب کرلیں گے وہ ہماری طرف اُٹھاکر لائی جائیں گی (یعنی فرشتے اس کو ہمارے گھر پہنچادیں گے)، اس میں کوئی خرید وفروخت نہیں ہوگی (بلکہ جو کچھ کسی کا دِل چاہے گا حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے عطیہ اور ہدیہ کے طور پر پیش کردی جائے گی) اسی بازار میں اہلِ جنّت کی ایک دُوسرے سے ملاقات ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک اُونچے مرتبے کا شخص آرہا ہوگا اور اس کی ملاقات اپنے سے کم مرتبہ شخص سے ہوگی، اور واقعتاً ان میں کوئی شخص بھی کم مرتبہ نہیں ہوگا، تو اس (کم مرتبہ شخص) کو اس بلند مرتبہ شخص کے لباس پر رشک آئے گا (اور دِل میں خیال گزرے گا کہ اس کا لباس بھی ایسا ہوتا) ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوگی کہ اسے خیال ہوگا کہ اس کا لباس اس سے خوبصورت ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کے

لئے شایان نہیں کہ جنّت میں غمگین ہو (اور چونکہ اس خیال سے بھی کسی قدر غم لاحق ہوسکتا ہے کہ میرا لباس فلاں سے گھٹیا ہے، اس لئے فی الفور اس کا اِزالہ کردیا جائے گا)۔ پھر ہم اپنے گھروں کو لوٹیں گے تو ہماری بیویاں مرحبا اور خوش آمدید کہہ کر ہمارا اِستقبال کریں گی اور کہیں گی کہ: اس وقت تمہارا حسن و جمال اس وقت سے کہیں بڑھ کر ہے جب تم ہمارے پاس سے گئے تھے۔ ہم کہیں گے: آج ہمیں اپنے رَبِّ جبار کی بارگاہ میں ہم نشینی میسر آئی ہے، اس لئے ایسے حسن و جمال کے ساتھ لوٹنا ہی ہمارے لئے شایانِ شان ہے۔''

تشریح: جنّت میں دُنیا کے دن رات کا نظام تو نہیں ہوگا، لیکن ظاہر ہے کہ اندازۂ وقت کا کوئی نہ کوئی نظام وہاں بھی ہوگا، جس سے دنوں کا اور ماہ و سال کا حساب کیا جاسکے۔ پس دُنیا کے سات دِنوں کی مدّت میں جمعہ کے دن بارگاہِ خداوندی میں حاضری ہوا کرے گی، یہ گویا اہلِ جنّت کی نمازِ جمعہ ہوگی۔ اور جنّت کے جس باغ میں یہ اجتماع ہوگا وہ گویا اہلِ جنّت کی جامع مسجد ہوگی، اور بعید نہیں کہ یہ دُنیا کی نمازِ جمعہ ہی کی مثالی شکل ہو۔ فرق یہ ہے کہ یہاں تجلیٔ اِلٰہی ظرفِ دُنیا کے مطابق ظاہر ہوتی ہے، وہاں ظرفِ جنّت کے مطابق ہوگی۔ یہاں کلامِ اِلٰہی بالواسطہ (خطبہ و جماعت کی شکل میں) سنا جاتا ہے، وہاں ہر شخص بلاواسطہ شرفِ ہم کلامی حاصل کرے گا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں عیدین کا بھی اجتماع ہوا کرے گا، جس میں پردہ نشینانِ جنّت بھی شریک ہوا کریں گی، واللہ اعلم!

اہلِ جنّت کے مراتب کا کم و بیش ہونا تو واضح ہے، ظاہر ہے کہ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین اور عامۂ مؤمنین کے درجات میں تفاوت ہوگا، اور پھر ایک جماعت (مثلاً: حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے درجات بھی مختلف ہوں گے، لیکن اہلِ جنّت میں فی نفسہٖ کوئی شخص بھی کم مرتبہ نہیں ہوگا، سب عالی مرتبت ہوں گے، جیسے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سب کے سب عالی مرتبت ہیں، اس کے باوجود ان کے آپس کے مراتب مختلف ہیں۔ اس لئے اس حدیث میں دو مرتبہ فرمایا کہ: ''ان میں کوئی شخص بھی کم مرتبہ نہیں'' اور یہ جو فرمایا کہ: ''حق تعالیٰ شانہٗ بندے کی بعض بے وفائیاں یاد دِلائیں گے'' بے وفائیوں سے مراد گناہ اور لغزشیں ہیں، اوّل تو عہدِ اَلست کے ذریعے سب بندوں نے حقوقِ رُبوبیت ادا کرنے کا عہد کر رکھا ہے، پھر اہلِ ایمان نے حق تعالیٰ شانہٗ کے ہاتھ جان و مال کی بیع کا معاہدہ بھی کر رکھا ہے، جیسا کہ آیتِ کریمہ:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط﴾

(التوبہ:۱۱۱)

ترجمہ: ''بے شک اللہ نے خرید لیں ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال

اس کے بدلے میں کہ ان کے لئے جنّت ہے۔"

اس پر شاہد ہے۔ ان معاہدوں کا تقاضا یہ تھا کہ بندے کو ایک لمحہ بھی غفلت نہ ہوتی اور اس سے ایک آن کے لئے سرِ مو کوئی کوتاہی، کوئی لغزش اور کوئی گناہ نہ ہوتا، لیکن کون بندہ ایسا ہوگا کہ اس سے ادنیٰ بھول چوک بھی نہ ہو؟ پس بندوں کی کوتاہیاں، لغزشیں اور ان کے صغیرہ، کبیرہ گناہ ان معاہدوں کے خلاف ہیں، اس لئے ان کو غدرات (عہد شکنیوں اور بے وفائیوں) سے تعبیر فرمایا گیا۔

اور یہ یاد دِلانا عار دِلانے اور شرمندگی وخجالت میں مبتلا کرنے کے لئے نہیں ہوگا کہ جنّت اس کا محل نہیں، بلکہ تجدیدِ شکر کے لئے ہوگا، کیونکہ جب بندے کی نظر اس پر جائے گی کہ اپنے عمل تو ایسے تھے اب یہ محض حق تعالیٰ شانہٗ کا بے پایاں لطف وکرم ہے کہ میری ایسی ایسی عہد شکنیوں کے باوصف بھی مجھے نظرِ لطف سے محروم نہیں فرمایا تو اس سے حق تعالیٰ شانہٗ کی محبّت میں مزید اضافہ ہوگا، اور جذباتِ شکر کے سمندر میں مزید تلاطم پیدا ہوجائے گا۔ بلاشبہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کو غلط فہمی کی بنا پر دُوسرے شخص سے رنجش ہو اور وہ شخص دُوسرے کے خلاف کارروائی کرتا ہو، مگر دُوسرا اس پر برابر اِحسانات واِنعامات کرتا جائے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے، بعد میں دونوں کی صلح ہوجائے اور انتہائی درجے کی یگانگت ومحبّت پیدا ہوجائے، اب یہ دُوسرے صاحب کبھی دِل لگی کے لئے کہیں کہ: "یہ حضرت بھی ہمارے خلاف سعی فرمایا کرتے تھے" ظاہر ہے کہ اس جملے سے مقصود اپنے دوست کی توہین وتذلیل نہیں، بلکہ اس کو اپنی محبّت ودوستی کی قدروقیمت یاد دِلانا ہے۔

[حدیث: ۱۳۶] "عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوْقًا مَا فِيهَا شِرَى وَّلَا بَيْعٌ إِلَّا الصُّوَرَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، فَإِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ صُورَةً دَخَلَ فِيهَا۔ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي سُوقِ الْجَنَّةِ، حدیث:۲۴۷۳)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنّت میں ایک بازار ہے جس میں خرید وفروخت نہیں ہوگی، اس میں بس مردوں اور عورتوں کی تصویریں ہوں گی، جب آدمی ان میں سے کسی صورت کو پسند کرے گا اس میں داخل ہوجائے گا۔"

تشریح: ان تصویروں کی حیثیت غالباً لباس کی ہوگی، مطلب یہ کہ حسن وجمال اور زینت وآرائش کے جس خاکے ونقشے، جس ہیئت وصورت اور جس شکل وشباہت کو آدمی پسند کرے گا وہ اسے فوراً مہیا ہوجائے گی، اور آدمی اسے اپنالے گا۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ جنّت میں (حدِ آدمیت کے

اندر) مختلف شکلیں بدلنے کی بھی آدمی کو قدرت عطا کی جائے یا یہ کہ جب بھی آدمی تبدیلیٔ شکل کی خواہش کرے، حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے فوراً یہ تبدیلی واقع ہوجایا کرے۔

جنّت میں دِیدارِ الٰہی

اہلِ حق کا اس پر اِجماع ہے کہ جنّت میں اہلِ ایمان کو حق تعالیٰ شانہٗ کا بلا کیف و بلا جہت دِیدار ہوگا، اور یہ وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کے مقابلے میں جنّت کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں، قرآنِ کریم کی متعدّد آیاتِ شریفہ میں صراحۃً و اشارۃً اس نعمتِ کبریٰ کا ذکر ہے، اور اس بارے میں احادیثِ متواترہ وارِد ہیں، حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے ''فقہ اکبر'' میں ہے:

''وَيَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ فِي الْجَنَّةِ بِاَعْيُنِ رُؤُسِهِمْ بِلَا تَشْبِيْهٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ وَلَا كَمِيَّةٍ، وَلَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهِ مُسَافَةٌ۔'' (شرح فقہ اکبر ص:۱۰۰)

ترجمہ: ''اور اہلِ ایمان جنّت میں سر کی آنکھوں سے حق تعالیٰ شانہٗ کی زیارت کریں گے بغیر تشبیہ کے، بغیر کیفیت کے اور بغیر کمیّت کے، اور حق تعالیٰ شانہٗ کے درمیان اور اس کی مخلوق کے درمیان مسافت نہیں ہوگی۔''

حافظ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ ''حادی الارواح'' میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس مضمون کی احادیث متواتر ہیں کہ جنّت میں اہلِ ایمان کو دِیدارِ اِلٰہی کی دولت و سعادت نصیب ہوگی، اور یہ احادیث مندرجہ ذیل حضرات سے مروی ہیں: ابوبکر الصدیق، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، جریر بن عبداللہ البجلی، صہیب بن سنان رُومی، عبداللہ بن مسعود، علی بن ابی طالب، ابوموسیٰ اشعری، عدی بن حاتم، انس بن مالک، بریدہ بن حصیب، ابورزین العقیلی، جابر بن عبداللہ، ابواُمامہ، زید بن ثابت، عمار بن یاسر، عائشہ اُمّ المؤمنین، عبداللہ بن عمر، عمارہ بن زیبہ، سلمان فارسی، حذیفہ بن یمان، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو، اُبیّ بن کعب، کعب بن عجرہ، فضالہ بن عبید، ایک نامعلوم الاسم صحابی، رضی اللہ عنہم وعنا معہم اجمعین۔'' (التعلیق الصبیح ج:۶ ص:۴۲۰)

[حدیث:۱۳۷] ''عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ: كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: إِنَّكُمْ سَتُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّكُمْ فَتَرَوْنَهُ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا

تُغْلَبُوْا عَلٰی صَلَاۃٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَصَلَاۃٍ قَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوْا! ثُمَّ قَرَأَ: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔" (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّة، بَاب مَا جَاءَ فِي رُؤْيَةِ الرَّبِّ تَبَارَكَ، حدیث: ۲۴۷۳)

ترجمہ: "حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کی طرف نظر فرمائی، پھر فرمایا: تم لوگ اپنے ربّ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے، پس تم اس کی زیارت کروگے، جیسا کہ تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو کہ اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی شک وشبہ نہیں۔ پس اگر تم سے ہوسکے کہ طلوعِ آفتاب سے قبل کی نماز (یعنی نمازِ فجر) اور غروبِ آفتاب سے قبل کی نماز (یعنی نمازِ عصر) کے ادا کرنے سے مغلوب نہ ہو (یعنی نیند کے مشاغل کے غلبے کی وجہ سے یہ دونوں نمازیں فوت نہ ہونے پائیں) تو ایسا ہی کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: پس تسبیح پڑھ اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے اور غروب سے پہلے۔"

[حدیث: ۱۳۸] "عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ: "لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ" قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ نَادٰی مُنَادٍ: إِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللهِ مَوْعِدًا! قَالُوْا: أَلَمْ يُبَيِّضْ وُجُوهَنَا وَيُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ؟ قَالُوْا: بَلٰی! قَالَ: فَيُكْشَفُ الْحِجَابُ۔ قَالَ: فَوَاللهِ! مَا أَعْطَاهُمْ شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهِ۔" (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّة، بَاب مَا جَاءَ فِي رُؤْيَةِ الرَّبِّ تَبَارَكَ، حدیث: ۲۴۷۴)

ترجمہ: "حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ خداوندی: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس:۲۶) (جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی (یعنی جنّت) ہے، اور مزید براں (خدا کا دیدار) بھی) اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جب اہلِ جنّت، جنّت میں پہنچ جائیں گے تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا کہ: آپ حضرات کے لئے اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ایک وعدہ ہے۔ اہلِ جنّت کہیں گے کہ: کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہرے سفید اور نورانی نہیں کردیئے؟ ہمیں دوزخ سے نجات نہیں عطا فرمادی؟ کیا ہمیں جنّت میں داخل نہیں فرمادیا؟ (اس کے بعد کونسا

اِنعام باقی رہا؟) فرشتے کہیں گے کہ: جی ہاں! (مگر ایک وعدہ ابھی باقی ہے) چنانچہ حجاب اُٹھادیا جائے گا، پس (وہ حق تعالیٰ شانہٗ کا دِیدار کریں گے اور یہ اتنی بڑی نعمت ہوگی کہ) اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی چیز ایسی نہیں دی جو ان کو دِیدارِ اِلٰہی سے زیادہ محبوب ہو۔‘‘

تشریح: یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے اور اس کا متن ترمذی کے متن سے زیادہ واضح ہے، جو حسبِ ذیل ہے:

’’اِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجنّةِ الْجنّةَ قَالَ: يَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا أَزِيْدُكُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجنّةَ وَتُنَجِّيْنَا مِنَ النَّارِ؟ فَمَا أُعْطُوْا شَيْئًا أَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى رَبِّهِمْ، ثُمَّ تَلَا: لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔‘‘ (صحیح مسلم ج: ۱ ص:۱۰۰)

ترجمہ: ’’جب اہلِ جنّت، جنّت میں داخل ہوجائیں گے تو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرمائیں گے: تم چاہتے ہو کہ تمھیں کچھ زیادہ بھی دُوں؟ وہ عرض کریں گے: کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کردیئے؟ کیا ہمیں آپ نے جنّت میں داخل نہیں کردیا؟ اور دوزخ سے نجات نہیں دے دی؟ (اب اس سے بڑھ کر نعمتِ عظمیٰ کیا ہوسکتی ہے؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تب حجاب اُٹھادیا جائے گا (پس وہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کا دِیدار کریں گے) پس ان کو کوئی چیز ایسی نہیں دی گئی جو اپنے پروردگار کا دِیدار کرنے سے بڑھ کر ان کو محبوب ہو۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس:۲۶)۔‘‘

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہلِ جنّت کے لئے جنّت کی نعمتوں میں سب سے لذیذ تر، مسرّت افزا اور محبوب ترین چیز محبوبِ حقیقی کی زیارت ہے، اور اس کو ’’زیادۃ‘‘ یا ’’مزید‘‘ شاید اس لئے فرمایا کہ بندے کی حیثیت سے بہت ہی بالاتر چیز ہے، جس کا وہ دُنیا میں تو کیا جنّت میں پہنچ کر بھی تصوّر نہیں کرسکتا تھا۔ پس اس سے زیادہ لکھنے کی جرأت و ہمت نہیں، حق تعالیٰ شانہٗ اس لطف و عنایت سے ہر مسلمان کو مشرّف و مکرّم فرمائیں۔

اور یہ جو فرمایا کہ: ’’حجاب اُٹھادیا جائے گا‘‘ یہ حجاب خود بندوں پر ہے، حق تعالیٰ شانہٗ تو بے چون و چگوں ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس ’’حجاب‘‘ کی حقیقت کیا ہے؟ بہت ممکن ہے کہ اس سے بندے کی نہایت پستی و ذِلت اور انتہائی ضعف و ناتوانی کا حجاب مراد ہو، جس کی وجہ سے وہ اس نورِ مطلق

جل وعلا شانہٗ کی زیارت سے قاصر ہے۔

[حدیث:۱۳۹] ”عَنْ ثُوَيْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَدْنٰى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً لَمَنْ يَّنْظُرُ إِلٰى جِنَانِهٖ وَأَزْوَاجِهٖ وَنَعِيْمِهٖ وَخَدَمِهٖ وَسُرُرِهٖ مَسِيْرَةَ أَلْفِ سَنَةٍ، وَأَكْرَمُهُمْ عَلَى اللهِ مَنْ يَّنْظُرُ إِلٰى وَجْهِهٖ غُدْوَةً وَّعَشِيَّةً، ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔“ (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّة، بباب مَا جَاءَ فِي رُؤْيَةِ الرَّبِّ تَبَارَكَ، حدیث:۲۴۷۵)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغات، اپنی بیویوں، اپنی نعمتوں، اپنے خدام اور (راحت کے لئے پھیلے ہوئے) تخت و کرسی کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت میں نظر کرے گا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزّز وہ شخص ہوگا جو حق تعالیٰ شانہٗ کے روئے انور کی صبح و شام زیارت کرے گا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: بہت سے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے ربّ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔“

تشریح: اس حدیث میں ادنیٰ درجے کا جنتی اس شخص کو فرمایا جس کی جنّت ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہوگی، اور دُوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سب سے آخری شخص جو دوزخ سے نکال کر جنّت میں داخل کیا جائے گا اسے دُنیا سے دس گنا جنّت ملے گی، ان دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ”ہزار سال کی مسافت“ کا لفظ کثرت کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ عربی میں سب سے بڑا ہندسہ ہزار کا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنّت میں دِیدارِ اِلٰہی کی دولت و نعمت حسبِ مراتب میسر آئے گی، بعض اہلِ سعادت کو صبح و شام اس نعمت سے سرفراز فرمایا جائے گا، بعض کو جمعہ کے دن سوق الجنۃ میں ہفتہ وار زیارت ہوگی، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتینِ جنّت کو سال میں دو مرتبہ عیدین کے موقع پر یہ سعادت نصیب ہوا کرے گی۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ جنّت میں دِیدارِ اِلٰہی، دُنیا میں معرفتِ خداوندی کی فرع ہے، پس دِیدار بقدرِ معرفت ہوگا، رَزَقَنَا اللهُ تَعَالٰى بِمَحْضِ لُطْفِهٖ وَمَنِّهٖ!

[حدیث:۱۴۰] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تُضَامُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ تُضَامُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ؟ قَالُوْا: لَا! قَالَ:

فَإِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ۔" (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّة، بَاب مَا جَاءَ فِي رُؤْيَةِ الرَّبِّ تَبَارَكَ، حدیث: ۲۴۷۶)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم چودھویں رات کو چاند کے دیکھنے میں شک کرتے ہو؟ کیا تم سورج کے دیکھنے میں شک کرتے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں! فرمایا: تم لوگ اپنے ربّ کو دیکھو گے جیسا کہ تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو، تم اس کے دیکھنے میں شک نہیں کروگے۔''

اللہ تعالیٰ اہلِ جنّت سے ہمیشہ راضی ہوں گے

[حدیث: ۱۴۱] ''عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ يَقُوْلُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! فَيَقُوْلُوْنَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ! فَيَقُوْلُ: هَلْ رَضِيْتُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: مَا لَنَا لَا نَرْضٰى وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ؟ فَيَقُوْلُ: أَنَا أُعْطِيْكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ! قَالُوْا: وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ أَبَدًا! هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔" (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّة، بَاب مَا جَاءَ فِي رُؤْيَةِ الرَّبِّ تَبَارَكَ، حدیث: ۲۴۷۷)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہلِ جنّت سے فرمائیں گے: اے اہلِ جنّت! وہ کہیں گے: ہم حاضر ہیں! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تم راضی بھی ہوگئے ہو؟ وہ عرض کریں گے: ہم کیوں راضی نہ ہوں جبکہ آپ نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: میں تمھیں اس سے بڑھ کر ایک نعمت عطا کرتا ہوں، وہ عرض کریں گے: اب اس سے بڑھ کر نعمت کیا ہوگی؟ حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے: وہ نعمت یہ ہے کہ میں نے تم پر اپنی رضا نازل کردی، میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔''

تشریح: حق تعالیٰ شانہٗ کی رضامندی تمام نعمتوں سے بڑھ نعمت ہے، اس کے مقابلے میں دُنیا کی نعمتیں ہی نہیں، جنّت کی نعمتیں بھی ہیچ ہیں، اور درحقیقت جنّت بھی اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رضامندی کا محل ہے۔ دُنیا میں بندے کی تگ ودو اور سعی وعمل کا اعلیٰ ترین مقصد رضائے اِلٰہی کا حصول ہے، اور بندے سے حق تعالیٰ شانہٗ کے راضی ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں اپنے مولائے کریم سے

راضی ہو، یعنی بندہ اپنی رضا کو رضائے اِلٰہی میں فنا کردے۔ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ: ’’دُنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ میری خواہش کے مطابق ہوتا ہے!‘‘ لوگوں کو ان کی اس بات پر تعجب ہوا تو فرمایا: میں نے اپنی خواہش کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے مٹادیا ہے، دُنیا میں جو کچھ ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہورہا ہے اور میری رائے مشیتِ اِلٰہی کے تابع ہے، اس لئے جو کچھ ہورہا ہے گویا میری خواہش کے مطابق ہورہا ہے۔

جس بندے کو مقامِ رضا حاصل ہو، وہ تمام اَفکار سے آزاد ہوجاتا ہے، اسباب کی حد تک وہ فکر و اہتمام ضرور کرے گا، اس کے بعد اس معاملے کو حق تعالیٰ شانہٗ کے سپرد کردے گا اور قضا و قدر کا جو فیصلہ بھی رُونما ہو وہ اس پر راضی ہوگا، ایسا شخص درحقیقت بڑی راحت میں ہے۔

اہلِ جنّت کا بالاخانوں میں ایک دُوسرے کو دیکھنا

[حدیث:۱۴۲] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ فِي الْغُرْفَةِ كَمَا يَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الشَّرْقِيَّ أَوِ الْكَوْكَبَ الْغَرْبِيَّ الْغَارِبَ فِي الْأُفُقِ وَالطَّالِعَ فِيْ تَفَاضُلِ الدَّرَجَاتِ۔ فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أُولٰئِكَ النَّبِيُّوْنَ؟ قَالَ: بَلٰى! وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ! وَأَقْوَامٌ اٰمَنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِيْنَ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔‘‘

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي تَرَائِي أَهْلِ الْجَنَّةِ، حدیث:۲۴۷۸)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: اہلِ جنّت بعض حضرات کو بالاخانوں میں ایسے دیکھیں گے جیسے مشرقہ ستارہ جو اُفق سے طلوع ہو رہا ہو یا مغربی ستارہ جو اُفق میں غروب ہو رہا ہو، دُور سے نظر آتا ہے، اور یہ درجات کی بلندی کی وجہ سے ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ دُور سے نظر آنے والے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں گے؟ فرمایا: ہاں! اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اور (انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ) کچھ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اِیمان لائے اور جنھوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔‘‘

تشریح: مطلب یہ کہ بعض حضرات کے درجات اتنے بلند ہوں گے کہ جس طرح اہلِ زمین دُور اُفق میں طلوع یا غروب ہونے والے کسی ستارے کو دیکھتے ہیں، اہلِ جنّت کو ان حضرات کے بالاخانے اس طرح دُور سے چمکتے ہوئے نظر آئیں گے۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تو یہ مراتبِ عالیہ میسر آئیں گے ہی، ان کے علاوہ بھی کچھ خوش بخت حضرات ایسے ہوں گے جن کو اس دولتِ عظمیٰ سے نوازا جائے گا۔

اہلِ جنّت بھی ہمیشہ رہیں گے اور اہلِ جہنّم بھی

[حدیث: ۱۴۳] ”عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِىْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ يَطَّلِعُ عَلَيْهِمْ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ فَيَقُولُ: أَلَا يَتَّبِعُ كُلُّ إِنْسَانٍ مَّا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ، فَيُمَثَّلُ لِصَاحِبِ الصَّلِيبِ صَلِيبُهٗ، وَلِصَاحِبِ التَّصَاوِيرِ تَصَاوِيرُهٗ، وَلِصَاحِبِ النَّارِ نَارُهٗ، فَيَتَّبِعُوْنَ مَا كَانُوا يَعْبُدُوْنَ، وَيَبْقَى الْمُسْلِمُونَ فَيَطَّلِعُ عَلَيْهِمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ فَيَقُوْلُ: أَلَا تَتَّبِعُونَ النَّاسَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْكَ! وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْكَ! اللهُ رَبُّنَا، وَهٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى نَرٰى رَبَّنَا۔ وَهُوَ يَأْمُرُهُمْ وَيُثَبِّتُهُمْ، ثُمَّ يَتَوَارٰى ثُمَّ يَطَّلِعُ فَيَقُولُ: أَلَا تَتَّبِعُونَ النَّاسَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْكَ! نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْكَ! اللهُ رَبُّنَا وَهٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى نَرٰى رَبَّنَا۔ وَهُوَ يَأْمُرُهُمْ وَيُثَبِّتُهُمْ، قَالُوْا: وَهَلْ نَرَاهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: وَهَلْ تُضَارُّوْنَ فِىْ رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟ قَالُوْا: لَا يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: فَإِنَّكُمْ لَا تُضَارُّوْنَ فِىْ رُؤْيَتِهٖ تِلْكَ السَّاعَةِ، ثُمَّ يَتَوَارٰى ثُمَّ يَطَّلِعُ فَيُعَرِّفُهُمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّبِعُونِىْ! فَيَقُوْمُ الْمُسْلِمُونَ وَيُوْضَعُ الصِّرَاطُ فَيَمُرُّوْنَ عَلَيْهِ مِثْلَ جِيَادِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ وَقَوْلُهُمْ عَلَيْهِ: سَلِّمْ! سَلِّمْ! وَيَبْقٰى أَهْلُ النَّارِ فَيُطْرَحُ مِنْهُمْ فِيهَا فَوْجٌ، فَيُقَالُ: هَلِ امْتَلَأْتِ؟ فَتَقُوْلُ: هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ؟ ثُمَّ يُطْرَحُ فِيهَا فَوْجٌ، فَيُقَالُ: هَلِ امْتَلَأْتِ؟ فَتَقُوْلُ: هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ؟ حَتّٰى إِذَا أُوْعِبُوْا فِيْهَا وَضَعَ الرَّحْمٰنُ قَدَمَهٗ فِيهَا وَأَزْوٰى بَعْضَهَا إِلٰى بَعْضٍ ثُمَّ قَالَ: قَطْ؟ قَالَتْ: قَطْ! قَطْ! فَإِذَا أَدْخَلَ اللهُ أَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلَ النَّارِ النَّارَ، أُتِىَ بِالْمَوْتِ مُلَبَّبًا، فَيُوْقَفُ عَلَى السُّورِ الَّذِىْ بَيْنَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! فَيَطَّلِعُونَ خَائِفِينَ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا أَهْلَ النَّارِ! فَيَطَّلِعُونَ مُسْتَبْشِرِينَ يَرْجُوْنَ الشَّفَاعَةَ، فَيُقَالُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ وَلِأَهْلِ النَّارِ: هَلْ تَعْرِفُوْنَ هٰذَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ: قَدْ عَرَفْنَاهُ هُوَ الْمَوْتُ الَّذِىْ وُكِّلَ بِنَا! فَيُضْجَعُ فَيُذْبَحُ ذَبْحًا عَلَى السُّورِ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! خُلُوْدٌ لَّا مَوْتَ! وَيَا أَهْلَ النَّارِ! خُلُوْدٌ لَّا مَوْتَ! هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔“

(رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَةِ الْجَنَّة، بَاب مَا جَاءَ فِي خُلُودِ أَهْلِ الْجَنَّة، حدیث: ۲۴۷۹)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کریں گے، پھر رَبّ العالمین ان پر تجلی فرمائیں گے (جیسا ظہور اس کی شان کے لائق ہے) اور کہیں گے کہ: ہر انسان اس چیز کے پیچھے جائے جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا۔ چنانچہ صلیب پرستوں کے سامنے صلیب نمایاں ہوگی، تصویروں کے پجاریوں کے سامنے تصویریں آکھڑی ہوں گی، آتش پرستوں کے سامنے آگ ظاہر ہوگی، پس جو جو لوگ جس جس چیز کی عبادت کیا کرتے تھے وہ اس چیز کے پیچھے چل پڑیں گے، اور مسلمان کھڑے رہ جائیں گے، پس رَبّ العالمین ان پر تجلی فرمائیں گے اور ان سے کہیں گے کہ: تم اور لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں جاتے؟ (مگر یہ تجلی معہود انداز میں نہ ہوگی اس لئے مسلمان اسے پہچان نہ سکیں گے، اور) وہ کہیں گے کہ: ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں! ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں! ہم تو اسی جگہ ٹھہریں گے جب تک کہ اپنے رَبّ کو نہیں دیکھ لیتے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو حکم فرمائیں گے اور ان کو ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائیں گے، پھر ان سے چھپ جائیں گے۔ پھر دوبارہ ان پر تجلی فرمائیں گے اور کہیں گے کہ تم اور لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں جاتے؟ (چونکہ اس بار کی تجلی بھی غیر معہود انداز میں ہوگی اس لئے مسلمان پہچان نہیں سکیں گے اور) وہ کہیں گے کہ: تجھ سے اللہ کی پناہ! تجھ سے اللہ کی پناہ! ہم تو یہیں ٹھہریں گے یہاں تک کہ ہم اپنے رَبّ کو دیکھ لیں۔ اور وہ ان کو حکم فرمائیں گے اور ان کو ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اللہ رَبّ العزّت جل شانہٗ کی زیارت کریں گے؟ فرمایا: اور کیا! تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں شک کرتے ہو؟ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ نہیں! فرمایا: پھر تم اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ کے دیکھنے میں بھی شک نہیں کروگے۔ پھر (دُوسری مرتبہ کی تجلی کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ) ان سے چھپ جائیں گے، پھر (تیسری مرتبہ) ان پر تجلی فرمائیں گے، پس ان کو اپنی پہچان کرادیں گے (یعنی اس بار تجلی معہود انداز میں ہوگی، جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے)۔ پھر فرمائیں گے: میں تمہارا رَبّ ہوں! پس میری پیروی کرو۔ اور (جہنّم کی پشت پر) پل صراط رکھا جائے گا، پس لوگ اس پر عمدہ تیز رو گھوڑے اور اُونٹ کی رفتار سے گزریں گے (یعنی لوگوں کی رفتار ان کے اعمال کے مطابق تیز اور سست ہوگی، جیسا کہ دُوسری احادیث میں تفصیل ہے)

اور پل صراط پر ان کا قول "سَلِّمْ! سَلِّمْ!" ہوگا، (اور دُوسری احادیث میں ہے کہ اس دن سوائے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کوئی کلام نہیں کرے گا، اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قول: "رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ!" ہوگا، یعنی اے رَبّ! سلامت رکھ! سلامت رکھ)۔

اور اہلِ دزخ باقی رہ جائیں گے، پس اہلِ دوزخ میں سے دوزخ کے اندر ایک فوج کو ڈال کر دوزخ سے پوچھا جائے گا کہ: کیا تو بھر بھی گئی یا نہیں؟ اور وہ ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ؟﴾ پکارے گی، یعنی کچھ اور ہے تو لاؤ! پھر ایک فوج کو ڈال کر پوچھا جائے گا کہ: تو بھر بھی گئی یا نہیں؟ اور وہ بدستور ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ؟﴾ پکارتی رہے گی، یہاں تک کہ جب تمام دوزخی دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے (اس کے باوجود اس کا ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ؟﴾ کا مطالبہ بند نہیں ہوگا) تو رحمٰن اس میں اپنا قدم رکھے گا (اور اس قدم رکھنے کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے) اور جہنّم کے بعض حصے بعض کی طرف سمیٹ دیں گے، پھر فرمائے گا: بس کر! وہ بس بس کہنے لگے گی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اہلِ جنّت کو جنّت میں اور اہلِ دوزخ کو دوزخ میں داخل کردیں گے (اور دوزخ میں کوئی شخص ایسا نہیں رہے گا جس کو وہاں سے نکال کر جنّت میں داخل کرنا منظور ہو، صرف کافر ہی دوزخ میں رہ جائیں گے) تو موت کو گھسیٹتے ہوئے لایا جائے گا، اور اس دیوار پر جو اہلِ جنّت اور اہلِ دوزخ کے درمیان ہے، اس کو کھڑا کیا جائے گا، پھر اہلِ جنّت کو آواز دی جائے گی تو وہ ڈرتے ہوئے جھانکیں گے، پھر اہلِ دوزخ کو آواز دی جائے گی تو وہ خوش ہوکر شفاعت کی اُمید کرتے ہوئے جھانکیں گے، پھر اہلِ جنّت اور اہلِ دوزخ سے کہا جائے گا کہ: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ دونوں فریق کہیں گے کہ: جی ہاں! ہم اسے پہچانتے ہیں، یہ وہی موت ہے جو ہم پر مسلط تھی۔ پس اس کو لٹا کر اس دیوار پر ذبح کردیا جائے گا۔ پھر اعلان ہوگا کہ اے اہلِ جنّت! تمہیں ہمیشہ رہنا ہے اب کبھی موت نہیں آئے گی، اور اے اہلِ دوزخ! تمہیں ہمیشہ رہنا ہے اب کبھی موت نہیں ہوگی۔"

[حدیث:۱۴۴] "عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ یَرْفَعُهٗ قَالَ: إِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ أُتِیَ بِالْمَوْتِ کَالْکَبْشِ الْأَمْلَحِ، فَیُوْقَفُ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَیُذْبَحُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ، فَلَوْ أَنَّ أَحَدًا مَّاتَ فَرَحًا لَمَاتَ أَهْلُ الْجَنَّةِ، وَلَوْ أَنَّ أَحَدًا مَّاتَ حُزْنًا لَمَاتَ أَهْلُ النَّارِ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔ وَقَدْ رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رِوَایَاتٌ کَثِیْرَةٌ مِثْلُ هٰذَا مَا یُذْکَرُ فِیْهِ أَمْرُ الرُّؤْیَةِ أَنَّ النَّاسَ یَرَوْنَ رَبَّهُمْ وَذِکْرُ الْقَدَمِ وَمَا

أَشْبَهَ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ۔ وَالْمَذْهَبُ فِيْ هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الْأَئِمَّةِ مِثْلِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَسُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَوَكِيْعٍ وَغَيْرِهِمْ أَنَّهُمْ رَوَوْا هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ ثُمَّ قَالُوْا: تُرْوٰى هٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ وَنُؤْمِنُ بِهَا، وَلَا يُقَالُ كَيْفَ؟ وَهٰذَا الَّذِى اخْتَارَهُ أَهْلُ الْحَدِيْثِ أَنْ يُرْوَوْا هٰذِهِ الْأَشْيَاءُ كَمَا جَاءَتْ وَيُؤْمَنُ بِهَا وَلَا تُفَسَّرُ وَلَا يُتَوَهَّمُ وَلَا يُقَالُ كَيْفَ؟ وَهٰذَا أَمْرُ أَهْلِ الْعِلْمِ الَّذِى اخْتَارُوْهُ وَذَهَبُوْا إِلَيْهِ۔ وَمَعْنٰى قَوْلِهِ فِى الْحَدِيْثِ: "فَيُعَرِّفُهُمْ نَفْسَهُ" يَعْنِىْ يَتَجَلّٰى لَهُمْ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّة، بَاب مَا جَاءَ فِي خُلُودِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حدیث: ۲۴۸۰)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: جب قیامت کا دن ہوگا تو موت کو سفید و سیاہ مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا، پس جنّت و دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور لوگوں کی آنکھوں کے سامنے اس کو ذبح کر دیا جائے گا، پس اگر کوئی خوشی سے مرسکتا تو اہلِ جنّت (اس منظر کو دیکھ کر خوشی سے) مرجاتے، اور اگر کوئی غم کی وجہ سے مرسکتا تو اہلِ دوزخ (اس منظر کو دیکھ کر) مرجاتے۔

مصنف (امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث ایسی مروی ہیں جن میں دیدارِ الٰہی کا ذکر ہے کہ لوگ قیامت کے دن اپنے ربّ کی زیارت کریں گے، اور بہت سی اَحادیث میں قدم اور اس قسم کی اور اشیاء کا ذکر ہے، اہلِ علم اَئمۂ دِین مثلاً: سفیان ثوری، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن المبارک اور وکیع وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ان اُمور میں یہ ہے کہ وہ ان اشیاء کو روایت کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ: یہ احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، ہم ان پر اِیمان لاتے ہیں اور ان کی کیفیت کے درپے نہیں ہوتے۔ اسی مسلک کو محدثین نے اختیار کیا ہے کہ وہ ان اشیاء کو من وعن نقل کرتے ہیں اور ان پر اِیمان لایا جاتا ہے اور ان کی تشریح وتفسیر نہیں کی جاتی، ان کی کیفیت کا تصوّر نہیں کیا جاتا، نہ اس کی تفتیش کی جاتی ہے، اور اہلِ علم نے اسی مسلک کو اِختیار کیا ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ ان کو اپنی پہچان کرائیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر (ایسی) تجلی فرمائیں گے (جس کی پہچان ان کو حاصل ہو)۔''

جنّت کے گرد مشقتوں کا احاطہ

[حدیث: ۱۴۵] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ صَحِیْحٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔“ (رواه الترمذی: کِتَاب صِفَةِ الْجَنَّة، بَاب مَا جَاءَ حُفَّتُ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ، حدیث: ۲۴۷۹)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنّت کے گرد ناگواریوں اور مشقتوں کی باڑھ کی گئی ہے، اور دوزخ کے گرد خواہشات کی باڑھ کی گئی ہے۔“

[حدیث: ۱۴۶] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ أَرْسَلَ جِبْرِیْلَ إِلَی الْجَنَّةِ فَقَالَ: أُنْظُرْ إِلَیْهَا وَإِلٰی مَا أَعْدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِیْهَا، قَالَ: فَجَاءَهَا وَنَظَرَ إِلَیْهَا وَإِلٰی مَا أَعَدَّ اللهُ لِأَهْلِهَا فِیْهَا، قَالَ: فَرَجَعَ إِلَیْهِ قَالَ: فَوَعِزَّتِکَ! لَا یَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا، فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ۔ فَقَالَ: اِرْجِعْ إِلَیْهَا فَانْظُرْ إِلٰی مَا أَعْدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِیْهَا، قَالَ: فَرَجَعَ إِلَیْهَا فَإِذَا هِیَ قَدْ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ، فَرَجَعَ إِلَیْهِ فَقَالَ: فَوَعِزَّتِکَ! لَقَدْ خِفْتُ أَنْ لَّا یَدْخُلَهَا أَحَدٌ! قَالَ: اِذْهَبْ إِلَی النَّارِ فَانْظُرْ إِلَیْهَا وَإِلٰی مَا أَعْدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِیْهَا، فَإِذَا هِیَ یَرْكَبُ بَعْضُهَا بَعْضًا، فَرَجَعَ إِلَیْهِ فَقَالَ: فَوَعِزَّتِکَ! لَا یَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ فَیَدْخُلَهَا، فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ، فَقَالَ: اِرْجِعْ إِلَیْهَا، فَرَجَعَ إِلَیْهَا، فَقَالَ: فَوَعِزَّتِکَ! لَقَدْ خَشِیْتُ أَنْ لَّا یَنْجُوَ مِنْهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا۔“

(رواه الترمذی: کِتَاب صِفَةِ الْجَنَّة، بَاب مَا جَاءَ حُفَّتُ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ، حدیث: ۲۴۸۰)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب اللہ تعالیٰ نے جنّت و دوزخ کو پیدا فرمایا تو جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جنّت کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ: جاؤ جنّت کو اور میں نے اس میں جنتیوں کے لئے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، ان کو دیکھو! چنانچہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام گئے جنّت کو اور جنّت کی نعمتوں کو دیکھا، واپس آ کر عرض کیا کہ: آپ کی عزّت کی قسم! جو شخص بھی جنّت کو سن لے گا، اس میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔ پس حق تعالیٰ شانہٗ نے حکم فرمایا کہ جنّت کے گرد مشقتوں اور ناگواریوں

کا احاطہ کر دیا جائے، چنانچہ کر دیا گیا۔ پھر جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ: وہاں دوبارہ جاؤ اور دیکھو کہ میں نے اہلِ جنّت کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے؟ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام دوبارہ گئے تو دیکھا کہ اس کے گرد مشقتوں اور ناگواریوں کا احاطہ کر دیا گیا ہے، واپس آئے تو عرض کیا کہ: آپ کی عزّت کی قسم! مجھے اندیشہ ہے کہ اس میں کوئی بھی داخل نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ: جاؤ! دوزخ کو اور اس کے اندر اہلِ دوزخ کے لئے جو عذاب تیار کر رکھا ہے، اس کو دیکھ کر آؤ! وہ گئے تو دیکھا کہ اس کا ایک حصہ دُوسرے حصے پر سوار ہو رہا ہے، واپس آ کر عرض کیا کہ: آپ کی عزّت کی قسم! ایسا کوئی بھی نہ ہوگا جو اس کو سن لے، پھر اس میں داخل ہو جائے۔ پھر حق تعالیٰ شانہٗ کے حکم سے اس کے گرد خواہشات کی باڑھ کر دی گئی، تو جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ: اس کو دوبارہ دیکھ کر آؤ! وہ دوبارہ دیکھ کر آئے تو عرض کیا کہ: مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کوئی شخص بھی اس میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔“

جنّت اور دوزخ کی باہمی گفتگو

[حدیث:۱۴۷] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِحْتَجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَقَالَتِ الْجَنَّةُ: یَدْخُلُنِی الضُّعَفَاءُ وَالْمَسَاكِیْنُ، وَقَالَتِ النَّارُ: یَدْخُلُنِی الْجَبَّارُوْنَ وَالْمُتَكَبِّرُوْنَ۔ فَقَالَ لِلنَّارِ: أَنْتِ عَذَابِیْ أَنْتَقِمُ بِكِ مِمَّنْ شِئْتُ! وَقَالَ لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِیْ أَرْحَمُ بِكِ مَنْ شِئْتُ!۔“ (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي احْتِجَاجِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، حدیث: ۲۴۸۴)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنّت و دوزخ کا مباحثہ ہوا، جنّت نے کہا کہ: مجھ میں کمزور اور مسکین لوگ داخل ہوں گے، اور دوزخ نے کہا کہ: مجھ میں سرکش اور متکبر لوگ داخل ہوں گے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے دوزخ سے فرمایا کہ: تو میرا عذاب ہے، میں تیرے ذریعے جس سے چاہوں گا انتقام لوں گا! اور جنّت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے، میں تیرے ذریعے جس پر چاہوں رحمت کروں گا!“

ادنیٰ جنتی کے ناز و نعمت کا بیان

[حدیث:۱۴۸] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَدْنٰى أَهْلِ الْجَنَّةِ الَّذِىْ لَهُ ثَمَانُوْنَ أَلْفَ خَادِمٍ وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ زَوْجَةً، وَتُنْصَبُ لَهُ قُبَّةٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَزَبَرْجَدٍ وَيَاقُوْتٍ كَمَا بَيْنَ الْجَابِيَةِ إِلٰى صَنْعَاءَ۔ وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ مَّاتَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنْ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ يُرَدُّوْنَ بَنِىْ ثَلَاثِيْنَ فِى الْجَنَّةِ، لَا يَزِيْدُوْنَ عَلَيْهَا أَبَدًا، وَكَذٰلِكَ أَهْلُ النَّارِ۔ وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ عَلَيْهِمُ التِّيْجَانَ إِنَّ أَدْنٰى لُؤْلُؤَةٍ مِّنْهَا لَتُضِيْئُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔"

(رواه الترمذی: كِتَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَابُ مَا جَاءَ مَا لِأَدْنٰى أَهْلِ الْجَنَّةِ، حديث: ۲۴۸۵)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ادنیٰ مرتبے کا جنتی وہ ہوگا جس کے اسّی ہزار خدام ہوں گے، اور اس کی بہتر بیویاں ہوں گی، اور اس کے لئے موتی، زبرجد اور یاقوت کا اتنا وسیع قبہ نصب کیا جائے گا جتنا کہ جابیہ اور صنعاء کے درمیان فاصلہ ہے۔ دُوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اہلِ جنّت میں سے جس شخص کا بھی انتقال ہوا، خواہ وہ کم عمر کا ہو یا زیادہ عمر کا، جنّت کے اندر سب کے سب تیس سالہ جوان ہوں گے اور ہمیشہ اسی عمر کے رہیں گے (سن وسال سے ان کی جوانی میں تغیر نہیں ہوگا)۔ اور اہلِ دوزخ بھی اسی طرح ہوں گے۔ تیسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اہلِ جنّت کے سروں پر ایسے تاج ہوں گے کہ ان کے ادنیٰ موتی کی چمک سے مشرق سے مغرب تک پوری زمین روشن ہوجائے۔"

[حدیث: ۱۴۹] "حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ ثَنِىْ أَبِىْ عَنْ عَامِرٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَبِى الصِّدِّيْقِ النَّاجِيِّ عَنْ أَبِىْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمُؤْمِنُ إِذَا اشْتَهَى الْوَلَدَ فِى الْجَنَّةِ كَانَ حَمْلُهٗ وَوَضْعُهٗ وَسِنُّهٗ فِىْ سَاعَةٍ كَمَا يَشْتَهِىْ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِىْ هٰذَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ: فِى الْجَنَّةِ جِمَاعٌ وَّلَا يَكُوْنُ وَلَدٌ، هٰكَذَا يُرْوٰى عَنْ طَاؤُسٍ وَمُجَاهِدٍ وَإِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ فِىْ حَدِيْثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا اشْتَهَى الْمُؤْمِنُ الْوَلَدَ فِى الْجَنَّةِ كَانَ فِىْ سَاعَةٍ وَاحِدَةٍ كَمَا يَشْتَهِىْ وَلٰكِنْ لَا يَشْتَهِىْ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ وَقَدْ رُوِىَ عَنْ أَبِىْ رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَا يَكُوْنُ لَهُمْ

فِيهَا وَلَدٌ. وَأَبُو الصِّدِّيقِ النَّاجِيّ اسْمُهُ بَكْرُ بْنُ عَمْرٍو وَيُقَالُ بَكْرُ بْنُ قَيْسٍ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّة، بَاب مَا جَاءَ فِي احْتِجَاجِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، حدیث: ۲۴۷۹)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مؤمن جب جنّت میں اولاد کا خواہش مند ہوگا تو اس کا حمل، وضعِ حمل اور بچّے کا بڑا ہونا ایک گھڑی میں ہوجائے گا، جیسا کہ مؤمن چاہے گا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس مسئلے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے (کہ جنّت میں اولاد بھی ہوگی یا نہیں؟)، بعض فرماتے ہیں: جنّت میں بیویوں سے مقاربت تو ہوگی مگر اولاد نہیں ہوگی۔ حضرت طاؤس، مجاہد اور اِبراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہم سے اسی طرح مروی ہے، اور اِمام اسحاق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ: ''جب مؤمن جنّت میں اولاد چاہے گا تو ایک گھڑی میں جیسی اولاد چاہے گا ہوجائے گی'' کے بارے میں فرمایا کہ: مگر مؤمن جنّت میں یہ چاہے گا ہی نہیں۔ اور اِمام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابورزین عقیلی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ: اہلِ جنّت کے یہاں جنّت میں اولاد نہیں ہوگی۔''

حورانِ بہشتی کا ترانہ

[حدیث: ۱۵۰] ''عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمُجْتَمَعًا لِلْحُورِ الْعِينِ يُرَفِّعْنَ بِأَصْوَاتٍ لَمْ يَسْمَعِ الْخَلَائِقُ مِثْلَهَا، يَقُلْنَ: نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَبِيدُ، وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْأَسُ، وَنَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ، طُوبَى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَكُنَّا لَهُ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّة، بَاب مَا جَاءَ فِي كَلَامِ الْحُورِ الْعِينِ، حدیث: ۲۴۸۸)

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنّت میں حورِعین کا ایک اجتماع ہوتا ہے، وہ بلند آواز سے کہ ایسی آواز مخلوق نے کبھی نہیں سنی، یہ کہتی ہیں کہ: ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں، پس ہلاک نہیں ہوں گی، اور ہم ہمیشہ ناز و نعمت میں رہنے والیاں ہیں، پس کبھی تنگی اور مشقت میں مبتلا نہیں ہوں گی، اور ہم راضی رہنے والیاں ہیں، پس کبھی ناراض نہیں ہوں گی، پس مبارک ہے وہ شخص جو ہمارا ہوا اور ہم اس کی ہوں۔''

جنّت کی نہروں کا بیان

[حدیث: ۱۵۱] ”عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَحْرَ الْمَاءِ وَبَحْرَ الْعَسَلِ وَبَحْرَ اللَّبَنِ وَبَحْرَ الْخَمْرِ، ثُمَّ تَشَقَّقُ الْأَنْهَارُ بَعْدُ۔“

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، حدیث: ۲۴۸۹)

ترجمہ: ”حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنّت میں ایک دریا پانی کا ہے، ایک شہد کا، ایک دُودھ کا اور ایک شرابِ طہور کا، پھر ان دریاؤں سے نہریں نکلتی ہیں۔“

جنّت کی دُعا اور دوزخ سے پناہ

[حدیث: ۱۵۲] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَأَلَ اللهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ: اَللّٰهُمَّ أَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ! وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ: اَللّٰهُمَّ أَجِرْهُ مِنَ النَّارِ!ہ۔“

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، حدیث: ۲۴۹۰)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: جو شخص تین مرتبہ اللہ تعالیٰ سے جنّت کی درخواست کرے، جنّت اس کے لئے دُعا کرتی ہے کہ: یا اللہ! اس کو جنّت میں داخل کردیجئے۔ اور جو تین مرتبہ دوزخ سے پناہ مانگے، دوزخ اس کے لئے دُعا کرتی ہے کہ: اے اللہ! اس کو دوزخ سے پناہ عطا فرمادیجئے۔“

تین لائقِ رشک حضرات

[حدیث: ۱۵۳] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثَةٌ عَلَى كُثْبَانِ الْمِسْكِ أُرَاهُ قَالَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَغْبِطُهُمُ الْأَوَّلُوْنَ وَالْآخِرُوْنَ: رَجُلٌ يُنَادِي بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، وَرَجُلٌ يَؤُمُّ قَوْمًا وَهُمْ بِهِ رَاضُوْنَ، وَعَبْدٌ أَدّٰى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ۔“

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، حدیث: ۲۴۹۱)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ: تین (قسم کے آدمی) قیامت کے دن کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے اور اوّلین و آخرین ان پر رشک کریں گے: ایک وہ شخص جو (محض رضائے اِلٰہی کے لئے) ہر دن رات میں پنج گانہ نمازوں کی اَذان دیتا ہے، دُوسرا وہ شخص جو کسی قوم کی اِمامت کرے اس حالت میں کہ وہ (اس کے دِین و دیانت اور طہارت و تقویٰ کی وجہ سے) اس سے راضی ہوں، تیسرا وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقاؤں کا بھی۔‘‘

تین شخص اللہ تعالیٰ کے پیارے

[حدیث:۱۵۴] ’’عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ يَرْفَعُهُ قَالَ: ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: رَجُلٌ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتْلُوْ كِتَابَ اللهِ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِيْنِهٖ يُخْفِيْهَا، قَالَ: أُرَاهُ مِنْ شِمَالِهٖ، وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَانْهَزَمَ أَصْحَابُهٗ فَاسْتَقْبَلَ الْعَدُوَّ۔‘‘

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، حدیث:۲۴۹۲)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبّت رکھتے ہیں، ایک وہ شخص جو رات کا قیام کرے (یعنی تہجد پڑھے) کتابُ اللہ کی تلاوت کرتے ہوئے، دُوسرا وہ شخص جو داہنے ہاتھ سے اس طرح صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ سے بھی اس کو چھپائے، تیسرا وہ شخص جو کسی جہاد میں تھا، اس کے رُفقاء پسپا ہوگئے مگر وہ دُشمن کی طرف آگے بڑھا (یہاں تک کہ شہید ہوگیا)۔‘‘

فرات سے خزانے کا ظاہر ہونا

[حدیث:۱۵۵] ’’عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُوْشِكُ الْفُرَاتُ يَحْسِرُ عَنْ كَنْزٍ مِنَ الذَّهَبِ، فَمَنْ حَضَرَهٗ فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا۔‘‘

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، حدیث:۲۴۹۳)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے کہ (آخری زمانے میں) فرات کا پانی خشک ہوجائے گا اور اس سے سونے کا ایک خزانہ ظاہر ہوگا، پس جو شخص اس وقت وہاں موجود ہو، اس میں سے کچھ نہ لے۔‘‘

تشریح: یہ قربِ قیامت کے زمانے میں ہوگا، صحیح مسلم (ج:۱ ص:۳۹۱) کی روایت میں ہے کہ: اس خزانے کے حصول پر لوگوں کی لڑائی ہوگی، یہاں تک کہ ۹۹ فیصد آدمی مارے جائیں گے، اتنی شدّت کی جنگ کے باوجود لوگوں کی حرص کا یہ حال ہوگا کہ ہر شخص یہ خیال کرے گا کہ شاید میں بچ جاؤں تو یہ خزانہ میں لے لوں۔ چونکہ لوگوں کی آزمائش کے لئے یہ ایک نشان ہی ہوگا اس لئے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ جو لوگ اس وقت موجود ہوں وہ اس حرص میں مبتلا نہ ہوں۔

تین شخص اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اور تین مبغوض

[حدیث:۱۵۶] ”عَنْ زَيْدِ بْنِ ظَبْيَانَ رَفَعَهُ إِلٰى أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللهُ وَثَلَاثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللهُ، فَأَمَّا الَّذِينَ يُحِبُّهُمُ اللهُ: فَرَجُلٌ أَتٰى قَوْمًا فَسَأَلَهُمْ بِاللهِ وَلَمْ يَسْأَلْهُمْ لِقَرَابَةٍ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ فَمَنَعُوهُ، فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِأَعْيَانِهِمْ فَأَعْطَاهُ سِرًّا لَا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهِ إِلَّا اللهُ، وَالَّذِي أَعْطَاهُ وَقَوْمٌ سَارُوْا لَيْلَتَهُمْ حَتّٰى إِذَا كَانَ النَّوْمُ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِمَّا يُعْدَلُ بِهِ فَوَضَعُوا رُءُوْسَهُمْ، فَقَامَ يَتَمَلَّقُنِيْ وَيَتْلُوْ اٰيَاتِيْ، وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهُزِمُوْا فَأَقْبَلَ بِصَدْرِهٖ حَتّٰى يُقْتَلَ أَوْ يُفْتَحَ لَهُ، وَالثَّلَاثَةُ الَّذِينَ يُبْغِضُهُمُ اللهُ: الشَّيْخُ الزَّانِيْ، وَالْفَقِيرُ الْمُخْتَالُ، وَالْغَنِيُّ الظَّلُوْمُ۔“

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ الْجَنَّةِ، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، حدیث:۲۴۹۴)

ترجمہ: ”حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: تین شخص ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں اور تین ایسے ہیں جن کو مبغوض رکھتے ہیں، وہ تین شخص جن کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں: ان میں ایک شخص تو وہ ہے کہ کوئی شخص کسی جماعت کے پاس گیا، اس نے ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ کا واسطے دے کر کچھ مانگا، کسی قرابت اور رشتے کی بنیاد پر نہیں مانگا، لیکن ان لوگوں نے اس کو کچھ نہ دیا، ان کی جماعت میں سے ایک شخص اُٹھا اور اس نے الگ لے جاکر سائل کو پوشیدہ طور پر دے دیا کہ اس کے عطیہ کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور اس شخص کے سوا جس کو دیا، کسی کو علم نہیں ہوا (تو یہ دینے والا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے)۔ دُوسرا وہ شخص جس کا قصہ یہ ہے کہ ایک قوم ساری رات سفر میں چلتی رہی، یہاں تک کہ (جب وہ لوگ تھک کر چور ہوگئے اور نیند کا ان پر ایسا غلبہ ہوا کہ نیند ان کو اس کے مقابلے میں تمام چیزوں سے زیادہ محبوب تھی تو

انہوں نے سر رکھ دیئے اور سو رہے، ان میں سے ایک شخص (سونے کے بجائے نمازِ تہجد کے لئے) کھڑا ہو گیا، (حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ:) وہ میرے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے اور میری آیات کی تلاوت کرتا ہے (پس یہ دُوسرا شخص ہے جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے)۔ اور تیسرا وہ آدمی جو کسی مجاہد دستے میں تھا، دُشمن سے مقابلہ ہوا تو سب لوگ پسپا ہو گئے، لیکن یہ شخص سینہ تان کر آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ یہ شہید ہو جائے یا اس کی فتح ہو جائے۔ اور تین شخص جن کو اللہ تعالیٰ مبغوض رکھتے ہیں وہ یہ ہیں: بڈھا زانی، متکبر فقیر اور وہ مال دار جو کسی کا حق مارے۔''

جہنّم کے اَحوال

اَبْوَابُ صِفَةِ جَهَنَّمَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

جہنّم کے حالات

[حدیث:۱۵۷] ”عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُوْنَ أَلْفَ زِمَامٍ، مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا۔ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ: وَالثَّوْرِيُّ لَا يَرْفَعُهُ۔“

(رواه الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ النَّارِ، حدیث:۲۴۹۶)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنّم کو لایا جائے گا اس دن اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔“

جہنّم سے ایک گردن نکلے گی

[حدیث:۱۵۸] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَخْرُجُ عُنُقٌ مِّنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَهٗ عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَأُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَلِسَانٌ يَنْطِقُ، يَقُوْلُ: إِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلَاثَةٍ: بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ، وَبِكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ، وَبِالْمُصَوِّرِيْنَ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔“

(رواه الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ النَّارِ، حدیث:۲۴۹۷)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن دوزخ سے آگ کی ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھ رہی ہوں گی، دو کان ہوں گے جو سن رہے ہوں گے، اور ایک زبان ہوگی جو بول رہی ہوگی، وہ کہے گی کہ: مجھے تین

(قسم کے) شخصوں پر مقرّر کیا گیا ہے: ہر سرکش ضدی پر، ہر اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود پکارے، اور تصویر بنانے والوں پر۔"

جہنّم کی گہرائی

[حدیث: ۱۵۹] "عَنْ هِشَامٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: قَالَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ عَلٰى مِنْبَرِنَا هٰذَا مِنْبَرِ الْبَصْرَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الصَّخْرَةَ الْعَظِيْمَةَ لَتُلْقٰى مِنْ شَفِيْرِ جَهَنَّمَ فَتَهْوِىْ فِيْهَا سَبْعِيْنَ عَامًا مَا تُفْضِىْ إِلٰى قَرَارِهَا۔ قَالَ: وَكَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ: أَكْثِرُوْا ذِكْرَ النَّارِ! فَإِنَّ حَرَّهَا شَدِيْدٌ، وَإِنَّ قَعْرَهَا بَعِيْدٌ، وَإِنَّ مَقَامِعَهَا حَدِيْدٌ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ قَعْرِ جَهَنَّمَ، حدیث: ۲۴۹۸)

ترجمہ: "حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ہمارے اس منبر پر یعنی بصرہ کی جامع مسجد کے منبر پر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا کہ: ایک بڑی چٹان جہنّم کی منڈیر سے ڈالی جائے اور وہ جہنّم میں ستر برس گرتی رہے تب بھی اس کی گہرائی تک نہیں پہنچے گی۔ اور حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: دوزخ کا ذکر بہ کثرت کیا کرو، کیونکہ اس کی گرمی بہت شدید ہے، اس کی گہرائی بہت زیادہ ہے اور اس کے ہتھوڑے لوہے کے ہیں۔"

جہنّم میں آگ کا پہاڑ

[حدیث: ۱۶۰] "عَنْ أَبِىْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلصَّعُوْدُ جَبَلٌ مِنْ نَّارٍ يَتَصَعَّدُ فِيْهِ الْكَافِرُ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا وَيَهْوِىْ فِيْهِ كَذٰلِكَ أَبَدًا۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ قَعْرِ جَهَنَّمَ، حدیث: ۲۴۹۹)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ (قرآنِ کریم میں جو ہے: ﴿سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا﴾ (المدثر) یعنی "عنقریب ہم چڑھائیں گے اس کافر کو چڑھائی پر" اس لفظ "صعوذ" کی تفسیر کرتے ہوئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: صعود آگ کا پہاڑ ہے، جس پر ستر برس تک کافر چڑھتا رہے گا، پھر گر جائے گا، (پھر ستر سال تک چڑھتا رہے گا، پھر گر جائے گا) اسی طرح

ہمیشہ ہوتا رہے گا۔"

دوزخ میں دوزخیوں کی جسامت

[حدیث: ۱۶۱] "عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ضِرْسُ الْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِثْلُ أُحُدٍ، وَفَخِذُهُ مِثْلُ الْبَيْضَاءِ، وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ مَسِيْرَةُ ثَلَاثٍ مِثْلُ الرَّبَذَةِ۔ قَوْلُهُ: مِثْلُ الرَّبَذَةِ يَعْنِىْ بِهٖ كَمَا بَيْنَ الْمَدِيْنَةِ وَالرَّبَذَةِ، وَالْبَيْضَاءُ جَبَلٌ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي عِظَمِ أَهْلِ النَّارِ، حدیث: ۲۵۰۰)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کافر کی ڈاڑھ قیامت کے دن اُحد پہاڑ جیسی ہوگی، اور اس کی ران بیضا پہاڑ کے برابر ہوگی، اور اس کے بیٹھنے کی جگہ (اتنی وسیع ہوگی کہ) تین دن کی مسافت کے برابر ہوگی جتنی کہ مدینہ طیبہ سے ربذہ کی مسافت ہے۔"

[حدیث: ۱۶۲] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْكَافِرَ لَيَسْحَبُ لِسَانَهُ الْفَرْسَخَ وَالْفَرْسَخَيْنِ يَتَوَطَّؤُهُ النَّاسُ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي عِظَمِ أَهْلِ النَّارِ، حدیث: ۲۵۰۱)

ترجمہ: "حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کافر اپنی زبان کو گھسیٹتا ہوا چلے گا جو تین تین اور چھ چھ کوس تک پھیلی ہوئی ہوگی، لوگ اس کو پاؤں تلے روندتے ہوں گے۔"

تشریح: یہ غالباً میدانِ حشر میں ہوگا کہ کفار دُنیا میں حق تعالیٰ شانہٗ کی آیات اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں زبان درازی کرتے تھے، اس لئے ان کو یہ سزا ملی کہ کتّے کی طرح ان کی زبان باہر نکل آئی اور زبان درازی کے بقدر تین تین اور چھ چھ کوس تک پھیل گئی۔

[حدیث: ۱۶۳] "عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ غِلَظَ جِلْدِ الْكَافِرِ اثْنَانِ وَأَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا، وَإِنَّ ضِرْسَهُ مِثْلُ أُحُدٍ، وَإِنَّ مَجْلِسَهُ مِنْ جَهَنَّمَ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ مِنْ حَدِيْثِ الْأَعْمَشِ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي عِظَمِ أَهْلِ النَّارِ، حدیث: ۲۵۰۲)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کافر کی کھال کی جسامت بیالیس گز ہوگی، اور اس کی ڈاڑھ اُحد پہاڑ کے برابر ہوگی، اور جہنّم میں اس کے بیٹھنے کی جگہ اتنی ہوگی جتنا فاصلہ کہ مکہ و مدینہ کے درمیان ہے۔''

دوزخیوں کے پینے کا بیان

[حدیث: ۱۶۴] ''عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی قَوْلِہٖ: ''کَالْمُھْلِ'' قَالَ: کَعَکَرِ الزَّیْتِ، فَإِذَا قَرَّبَہٗ إِلٰی وَجْھِہٖ سَقَطَتْ فَرْوَۃُ وَجْھِہٖ فِیْہِ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ لَا نَعْرِفُہٗ إِلَّا مِنْ حَدِیْثِ رِشْدِیْنَ بْنِ سَعْدٍ وَرِشْدِیْنُ قَدْ تُکُلِّمَ فِیْہِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِہٖ۔'' (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرَابِ أَهْلِ النَّارِ، حدیث: ۲۵۰۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کے ارشاد ﴿کَالْمُھْلِ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: اس سے مراد زیتون کی تلچھٹ کی سی چیز ہے، وہ اس قدر گرم ہوگی کہ جب کافر اسے اپنے منہ کے قریب لائے گا تو اس کے چہرے کی کھال پگھل کر اس میں گر پڑے گی۔''

[حدیث: ۱۶۵] ''عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْحَمِیْمَ لَیُصَبُّ عَلٰی رُؤُوْسِھِمْ فَیَنْفُذُ الْحَمِیْمُ حَتّٰی یَخْلُصَ إِلٰی جَوْفِہٖ فَیَسْلِتُ مَا فِیْ جَوْفِہٖ حَتّٰی یَمْرُقَ مِنْ قَدَمَیْہِ وَھُوَ الصَّھْرُ، ثُمَّ یُعَادُ کَمَا کَانَ۔ ابْنُ حُجَیْرَۃَ ھُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ حُجَیْرَۃَ الْمِصْرِیُّ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ۔'' (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرَابِ أَهْلِ النَّارِ، حدیث: ۲۵۰۴)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنّم میں کھولتا ہوا پانی کافروں کے سروں پر ڈالا جائے گا، پس وہ سروں سے نفوذ کر جائے گا، یہاں تک کہ جب پیٹ تک پہنچے گا تو پیٹ کے اندر کی تمام انتڑیوں کو بہالے جائے گا، یہاں تک کہ وہ دوزخی کے قدموں سے نکل جائیں گی، اور یہی ''صہر'' ہے، جس کو قرآنِ کریم کی اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

﴿یُصْھَرُ بِہٖ مَا فِیْ بُطُوْنِھِمْ وَالْجُلُوْدُ ؕ﴾ (الحج)

ترجمہ: ’’اس سے ان کے پیٹ کی چیزیں (انتڑیاں) اور (ان کی) کھالیں سب گل جاویں گی۔‘‘ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

پھر دوبارہ، سہ بارہ اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا جائے گا۔‘‘

[حدیث: ۱۶۶] ’’عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی قَوْلِهِ: ’’وَیُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ یَتَجَرَّعُهٗ‘‘ قَالَ: یُقَرَّبُ إِلٰى فِیْهِ فَیَكْرَهُهٗ فَإِذَا أُدْنِیَ مِنْهُ شَوٰى وَجْهَهٗ وَوَقَعَتْ فَرْوَةُ رَأْسِهٖ، فَإِذَا شَرِبَهٗ قَطَّعَ أَمْعَاءَهٗ حَتّٰى یَخْرُجَ مِنْ دُبُرِهٖ، یَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ’’وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ أَمْعَآئَهُمْ‘‘ وَیَقُوْلُ: ’’وَإِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا‘‘ (رواه الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرَابِ أَهْلِ النَّارِ، حدیث: ۲۵۰۵)

ترجمہ: ’’حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ کریمہ:

﴿وَیُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ۝۱۶﴾ (ابراہیم)

ترجمہ: ’’اور اس کو دوزخ میں ایسا پانی پینے کو دیا جائے گا جو کہ پیپ لہو (کے) مشابہ ہوگا جس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیوے گا۔‘‘ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

کی تفسیر میں فرمایا کہ: یہ پانی دوزخی کے منہ کے قریب کیا جائے گا، وہ اس سے گھن کرے گا، پھر جب اس کے منہ سے لگایا جائے گا تو اس کے چہرے کو بھون دے گا اور اس کے سر کا چمڑا گر جائے گا، پھر جب وہ اسے پیئے گا تو وہ اس کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا حتیٰ کہ اس کے پچھلے راستے سے نکل جائیں گی، حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں:

﴿وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝۱۵﴾ (محمد)

ترجمہ: ’’اور کھولتا ہوا پانی ان کو پینے کو دیا جاوے گا، سو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔‘‘ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

نیز فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝۲۹﴾ (الکہف)

ترجمہ: ’’اور اگر (پیاس سے) فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جاوے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، مونہوں کو بھون ڈالے گا، کیا ہی بُرا پانی ہوگا اور دوزخ بھی کیا ہی بُری جگہ ہوگی۔‘‘ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

[حدیث:۱۶۷] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: کَالْمُھْلِ کَعَکَرِ الزَّیْتِ، فَإِذَا قُرِّبَ إِلَیْہِ سَقَطَتْ فَرْوَۃُ وَجْھِہٖ فِیْہِ۔

وَبِھٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَسُرَادِقُ النَّارِ أَرْبَعَۃُ جُدُرٍ، کِثَفُ کُلِّ جِدَارٍ مَسِیْرَۃُ أَرْبَعِیْنَ سَنَۃً۔

وَبِھٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ أَنَّ دَلْوًا مِنْ غَسَّاقٍ یُھْرَاقُ فِی الدُّنْیَا لَأَنْتَنَ أَھْلَ الدُّنْیَا۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ إِنَّمَا نَعْرِفُہٗ مِنْ حَدِیْثِ رِشْدِیْنَ بْنِ سَعْدٍ، وَفِیْ رِشْدِیْنَ بْنِ سَعْدٍ مَقَالٌ۔“ (رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَۃِ جھنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَۃِ شَرَابِ أَھْلِ النَّارِ، حدیث:۲۵۰۶)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کے لفظ ”کَالْمُھْلِ“ کی تفسیر میں فرمایا کہ: وہ روغنِ زیتون کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، پس جب اس کے (یعنی دوزخی کے) قریب لایا جائے گا، تو اس کے چہرے کی کھال اس میں گر پڑے گی۔“

نیز دوزخ کے پردوں (سرادق النار) کے بارے میں فرمایا کہ: یہ چار دیواریں ہوں گی، ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔

نیز فرمایا کہ: غساق کا ایک ڈول اگر دُنیا میں اُنڈیل دیا جائے تو تمام اہلِ دُنیا بدبودار ہوجائیں۔“

[حدیث:۱۶۸] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَأَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ: ”اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ“ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّ قَطْرَۃً مِنَ الزَّقُّوْمِ قُطِرَتْ فِیْ دَارِ الدُّنْیَا لَأَفْسَدَتْ عَلٰی أَھْلِ الدُّنْیَا مَعَایِشَھُمْ، فَکَیْفَ بِمَنْ یَکُوْنُ طَعَامَہٗ! ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔“ (رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَۃِ جھنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَۃِ شَرَابِ أَھْلِ النَّارِ، حدیث:۲۵۰۶)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۱۰۲﴾﴾

(آل عمران)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو جیسا ڈرنے کا حق ہے، اور بجز اِسلام

کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔“ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور اِرشاد فرمایا: اگر زَقوم کا ایک قطرہ اس دُنیا میں ٹپکا دیا جائے تو اہلِ دُنیا پر ان کی زندگی اجیرن کر ڈالے، پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کا یہ کھانا ہوگا؟“ (نعوذ باللہ!)

دوزخیوں کے کھانے کا بیان

[حدیث: ۱۶۹] ”عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُلْقٰى عَلٰى أَهْلِ النَّارِ الْجُوعُ، فَيَعْدِلُ مَا هُمْ فِيهِ مِنَ الْعَذَابِ، فَيَسْتَغِيْثُوْنَ فَيُغَاثُوْنَ بِطَعَامٍ مِّنْ ضَرِيْعٍ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ، فَيَسْتَغِيثُونَ بِالطَّعَامِ فَيُغَاثُوْنَ بِطَعَامٍ ذِی غُصَّةٍ، فَيَذْكُرُوْنَ أَنَّهُمْ كَانُوْا يُجِيْزُوْنَ الْغُصَصَ فِی الدُّنْيَا بِالشَّرَابِ، فَيَسْتَغِيْثُوْنَ بِالشَّرَابِ فَيُدْفَعُ إِلَيْهِمُ الْحَمِيمُ بِكَلَالِيْبِ الْحَدِيْدِ، فَإِذَا دَنَتْ مِنْ وُجُوْهِهِمْ شَوَتْ وُجُوْهَهُمْ، فَإِذَا دَخَلَتْ بُطُوْنَهُمْ قَطَّعَتْ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ فَيَقُوْلُوْنَ: اُدْعُوْا خَزَنَةَ جَهَنَّمَ! فَيَقُوْلُوْنَ: أَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ؟ قَالُوْا: بَلٰی! قَالُوْا: فَادْعُوْا! وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ إِلَّا فِیْ ضَلَالٍ۔ قَالَ: فَيَقُوْلُوْنَ: اُدْعُوْا مَالِكًا! فَيَقُوْلُوْنَ: يَا مَالِكُ! لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔ قَالَ: فَيُجِيْبُهُمْ: إِنَّكُمْ مَّاكِثُوْنَ! قَالَ الْأَعْمَشُ: نُبِّئْتُ أَنَّ بَيْنَ دُعَائِهِمْ وَبَيْنَ إِجَابَةِ مَالِكٍ إِيَّاهُمْ أَلْفَ عَامٍ۔ قَالَ: فَيَقُوْلُوْنَ: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ! فَلَا أَحَدَ خَيْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ، فَيَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّيْنَ، رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُوْنَ۔ قَالَ: فَيُجِيْبُهُمْ: اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ! قَالَ: فَعِنْدَ ذٰلِكَ يَئِسُوْا مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَعِنْدَ ذٰلِكَ يَأْخُذُوْنَ فِی الزَّفِيْرِ وَالْحَسْرَةِ وَالْوَيْلِ۔“ (رواه الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ طَعَامِ أَهْلِ النَّارِ، حديث: ۲۵۱۱)

ترجمہ: ”حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دوزخیوں پر بھوک مسلط کر دی جائے گی، جس کی اذیت اس عذاب کے برابر ہوگی جس میں وہ پہلے سے مبتلا ہوں گے، چنانچہ وہ بھوک سے بے تاب ہو کر کھانے کی فریاد کریں گے، اور ان کی فریاد رسی ”ضریع“ کے کھانے سے کی جائے گی جو نہ فربہ کرے، نہ بھوک کو دفع کرے، پس وہ دوبارہ کھانے کی فریاد کریں گے، اب ان کی فریاد رسی ایسے

کھانے سے کی جائے گی جو گلے میں اٹک جائے، اس وقت ان کو یاد آئے گا کہ دُنیا میں جب ان کے گلے میں کوئی چیز پھنس جاتی تھی تو وہ پینے کی کسی چیز کے ذریعے اسے حلق سے اُتارا کرتے تھے، چنانچہ پانی کی اِلتجا کریں گے، تب ان کو کھولتا ہوا پانی زنبوروں کے ذریعے پکڑایا جائے گا، پس جب گرم پانی کے وہ برتن ان کے منہ کے قریب پہنچیں گے تو ان کے چہروں کے گوشت کو بھون ڈالیں گے، اور جب وہ پانی ان کے پیٹ میں داخل ہوگا تو ان کے پیٹ کے اندر کی چیزوں (انتڑیوں وغیرہ) کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے گا، پس وہ بے تاب ہوکر کہیں گے کہ: دوزخ پر مقرّر فرشتوں کو پکارو، جب فرشتوں کو پکاریں گے تو فرشتے جواب دیں گے کہ: کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح دلائل لے کر نہیں آئے تھے؟ (اور انہوں نے تمہیں تمرد و سرکشی کے چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی تلقین نہیں کی تھی؟) وہ کہیں گے: جی! رسول تو ہمارے پاس آئے تھے (مگر ہم نے ان کو جھوٹا سمجھا اور ان کی بات نہ مانی)۔ فرشتے کہیں گے: پھر تم پڑے پکارتے رہو (اب تمہاری چیخ و پکار بے سود ہے، کیونکہ تم نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں کفر کیا) اور کافروں کی پکار محض رائیگاں ہے۔ اب وہ آپس میں کہیں گے کہ: داروغۂ جہنّم، مالک کو پکارو! چنانچہ وہ مالک (داروغۂ جہنّم) کو پکاریں گے کہ: اے مالک! اپنے رَبّ سے کہو کہ وہ ہمارا فیصلہ کردے (یعنی ہمیں موت دیدے)، مالک ان کو جواب دے گا کہ: (نہیں! بلکہ) تم ہمیشہ اسی حالت میں رہوگے (موت کو موت آچکی ہے، اس لئے اب کسی دوزخی کو موت نہیں آئے گی)۔

اِمامِ اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مجھے بتایا گیا کہ دوزخیوں کے مالک کو پکارنے اور مالک کے (مذکور الصدر) جواب دینے کے درمیان ہزار سال کا وقفہ ہوگا (یعنی ہزار سال تک وہ مالک کو پکارتے رہیں گے، اور ہزار سال کے بعد جواب ملے گا تو یہ کہ: بک بک مت کرو! تم پر موت نہیں آئے گی، بلکہ تمہیں ہمیشہ اسی حالت میں رہنا ہے)۔ مالک داروغۂ جہنّم کا مایوس کُن جواب سن کر وہ آپس میں کہیں گے کہ: اب اپنے رَبّ ہی کو بلاواسطہ پکارو، کیونکہ تمہارے رَبّ سے بہتر تو کوئی نہیں۔ چنانچہ وہ اِلتجا کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی اور کوئی شک نہیں کہ ہم گمراہ رہے، اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس دوزخ سے نکال دے، اگر دوبارہ ہم نے وہی کیا جو پہلے کرتے تھے تو ہم بڑے ظالم ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: اب وہ ہر طرف سے مایوس ہوکر گدھے کی طرح آواز نکالنے اور حسرت و ویل پکارنے لگیں گے۔"

[حدیث: ۱۷۰] "عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَهُمْ فِیهَا كَالِحُونَ، قَالَ: تَشْوِیهِ النَّارُ فَتَقَلَّصُ شَفَتُهُ الْعُلْیَا حَتّٰی تَبْلُغَ وَسَطَ رَأْسِهِ وَتَسْتَرْخِیْ شَفَتُهُ السُّفْلٰی حَتّٰی تَضْرِبَ سُرَّتَهٗ۔" (رواہ الترمذی، كِتَاب صِفَةِ جهنم، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ طَعَامِ أَهْلِ النَّارِ، حدیث: ۲۵۱۲)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ کریمہ:

﴿وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ﴾ (المؤمنون)

(اور اس (جہنّم) میں ان کے منہ بگڑے ہوں گے۔ ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کی تفسیر میں فرمایا کہ: آگ کافر کو جھلس دے گی، پس اس کا اُوپر کا ہونٹ سکڑ کر سر کے درمیان تک پہنچ جائے گا، اور نیچے کا ہونٹ لٹک کر اس کی ناف سے جا لگے گا۔"

دوزخ کی زنجیروں کی لمبائی

[حدیث: ۱۷۱] "عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّ رَصَاصَةً مِثْلَ هٰذِهِ، وَأَشَارَ إِلٰی مِثْلِ الْجُمْجُمَةِ أُرْسِلَتْ مِنَ السَّمَاءِ إِلَی الْأَرْضِ، وَهِیَ مَسِیْرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ لَبَلَغَتِ الْأَرْضَ قَبْلَ اللَّیْلِ، وَلَوْ أَنَّهَا أُرْسِلَتْ مِنْ رَأْسِ السِّلْسِلَةِ لَسَارَتْ أَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ قَبْلَ أَنْ تَبْلُغَ أَصْلَهَا أَوْ قَعْرَهَا۔" (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنم، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ طَعَامِ أَهْلِ النَّارِ، حدیث: ۲۵۱۳)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھوپڑی کی سی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: اگر اس کھوپڑی کی مثل سیسے کا گولہ آسمان سے زمین پر پھینکا جائے تو رات سے پہلے زمین پر آرہے گا، حالانکہ یہ پانچ سو سال کی مسافت ہے، اور اگر یہی سیسے کا گولہ زنجیر کے سرے سے پھینکا جائے اور چالیس سال تک دن رات چلتا رہے تب بھی اس کی انتہا کو (یا فرمایا کہ اس کی تہ تک) نہیں پہنچے گا۔"

تشریح: قرآنِ کریم میں دوزخ کی ان زنجیروں کا ذکر ہے جن میں جہنمیوں کو جکڑا جائے گا:

﴿ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ﴾ (الحاقۃ)

ترجمہ: ''پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہے اس کو جکڑ دو۔''

(ترجمہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

قرآنِ کریم میں اس زنجیر کی پیمائش ستر گز ذکر فرمائی گئی، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ خود اس گز کی لمبائی کتنی ہوگی؟ آخرت کے اُمور کا قیاس اور اندازہ دُنیا کے کسی پیمانے سے نہیں کیا جاسکتا۔ الغرض! اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو چیز پانچ سو سال کی مسافت صرف ایک دن میں رات سے پہلے طے کرسکتی ہے، وہی چیز دوزخی زنجیر کی مسافت کو چالیس برس میں بھی طے نہیں کرسکتی، اسی سے اس کے طول کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیسے کے گولے کا ذکر بطورِ خاص اس لئے فرمایا کہ سیسہ نہایت وزنی دھات ہے، اور چیز جتنی زیادہ وزنی ہو اسی قدر سرعت سے نیچے کو گرتی ہے، خصوصاً جبکہ گولے کی شکل میں ہو تو اس کی رفتار اور بھی تیز ہوجاتی ہے، واللہ اعلم!

دُنیا کی آگ جہنّم کی آگ کا سترواں حصہ ہے

[حدیث:۱۷۲] ''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نَارُكُمْ هٰذِهِ الَّتِيْ تُوْقِدُوْنَ جُزْءٌ وَّاحِدٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءً مِّنْ حَرِّ جَهَنَّمَ۔ قَالُوْا: وَاللهِ! إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: فَإِنَّهَا فُضِّلَتْ بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّيْنَ جُزْءً كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا۔''

(رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَةِ جهنم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ نَارَكُمْ هٰذِهِ جُزْءٌ، حدیث:۲۵۱۴)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تمہاری یہ آگ جس کو تم روشن کرتے ہو، جہنّم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! واللہ! جلانے کو تو یہی آگ کافی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ دوزخ کی آگ اس دُنیا کی آگ سے اُنسٹھ گنا بڑھائی گئی ہے کہ ان ستر گنوں میں سے ہر حصہ اس کی تپش کے برابر ہے۔''

تشریح: مطلب یہ کہ جلانے کو دُنیا کی آگ بھی کافی تھی، مگر دُنیا کی آگ کا دوزخ کی آگ سے کوئی مقابلہ ہی نہیں، گویا دُنیا کی آگ دوزخ کی آگ سے اُنسٹھ درجے ٹھنڈی ہے۔ اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر دوزخیوں کے سامنے دُنیا کی یہ آگ ظاہر ہوجائے تو راحت حاصل کرنے کے لئے دوڑ کر اس میں گھس

جائیں، أَعَاذَنَا اللهُ مِنْهَا!

[حدیث: ۱۷۳] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نَارُكُمْ هٰذِهٖ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ، لِكُلِّ جُزْءٍ مِّنْهَا حَرُّهَا۔“

(رواہ الترمذی: کِتَابُ صِفَةِ جهنّم، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ نَارَكُمْ هٰذِهٖ جُزْءٌ، حدیث: ۲۵۱۶)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: تمہاری یہ آگ جہنّم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، اس کے ستر حصوں میں سے ہر حصے کی تپش اس آگ کی تپش کے برابر ہے۔“

[حدیث: ۱۷۴] ”عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أُوْقِدَ عَلَى النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى احْمَرَّتْ، ثُمَّ أُوْقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى ابْيَضَّتْ، ثُمَّ أُوْقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى اسْوَدَّتْ، فَهِیَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ۔“

(رواہ الترمذی: کِتَابُ صِفَةِ جهنّم، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ نَارَكُمْ هٰذِهٖ جُزْءٌ، حدیث: ۲۵۱۷)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنّم کی آگ کو ایک ہزار سال تک دہکایا گیا، یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا، یہاں تک کہ سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا، یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی، پس اب وہ کالی سیاہ تاریک ہے۔“

تشریح: دوزخ کا سیاہ اور تاریک ہونا زیادہ وحشت وعذاب کا موجب ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنّت اور دوزخ پیدا ہوچکی ہیں، قیامت کے دن پیدا نہیں کی جائیں گی، اہلِ حق کا یہی عقیدہ ہے۔

جہنّم کی آگ کے دو سانسوں اور اہلِ توحید کے جہنّم سے نکالے جانے کا بیان

[حدیث: ۱۷۵] ”عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِشْتَكَتِ النَّارُ إِلٰى رَبِّهَا وَقَالَتْ: أَكَلَ بَعْضِیْ بَعْضًا۔ فَجَعَلَ لَهَا نَفَسَيْنِ، نَفَسًا فِی الشِّتَاءِ وَنَفَسًا فِی الصَّيْفِ، فَأَمَّا نَفَسُهَا فِی الشِّتَاءِ فَزَمْهَرِيْرٌ، وَأَمَّا نَفَسُهَا فِی الصَّيْفِ فَسَمُوْمٌ۔“

(رواہ الترمذی: کِتَابُ صِفَةِ جهنّم، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفَسَيْنِ، حدیث: ۲۵۱۷)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دوزخ نے اپنے رَبّ سے شکایت کی کہ: میرے ایک حصے نے دُوسرے حصے کو کھالیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس کو دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس سردی کے موسم میں، اور ایک سانس گرمی کے موسم میں، پس سردی میں اس کا سانس لینا زمہریر ہے، اور گرمی کے موسم میں اس کا سانس لینا لُو ہے۔''

تشریح: دوزخ کا بارگاہِ اِلٰہی میں شکایت کرنا بزبانِ حال بھی ہوسکتا ہے اور اپنے حقیقی معنی پر بھی محمول ہوسکتا ہے، اور اس کو حقیقی معنی پر محمول کرنا زیادہ راجح ہے، مگر یہ چیز ہمارے اِدراک سے باہر ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خاک و باد و آب و آتش زندہ اند
با من و تُو مردہ با حق زندہ اند

اور ''میرے ایک حصے نے دُوسرے حصے کو کھالیا ہے'' اس سے دوزخ کی گرمی اور تپش کی شدّت مراد ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سردی اور گرمی کا نظام دوزخ کے سانس لینے سے وابستہ ہے، جب کہ اس کا ظاہری سبب سورج کے خطِ استوا سے قریب یا بعید ہونا ہے۔ دراصل کائنات میں جو سلسلۂ اسباب کارفرما ہے اس کی بعض کڑیاں تو عام لوگوں کے لئے بھی ظاہر ہیں، اور بعض ایسی مخفی ہیں کہ جو اِنسانی عقل سے بھی ماورا ہیں، اس لئے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ گرمی و سردی کا سلسلۂ اسباب صرف آفتاب تک محدود نہیں، بلکہ یہ سلسلہ آگے بڑھ کر دوزخ کے سانس لینے تک پہنچتا ہے۔

اہلِ ایمان کو دوزخ سے نکالنے کا حکم

[حدیث: ۱۷۶] ''عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ هِشَامٌ: يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ، وَقَالَ شُعْبَةُ: أَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيْرَةً، أَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً، أَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً۔ وَقَالَ شُعْبَةُ: مَا يَزِنُ ذُرَةً مُخَفَّفَةً۔''

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفَسَيْنِ، حدیث: ۲۵۱۸)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے ارشاد ہوگا:) اس شخص کو دوزخ سے نکال لو جس نے ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' کا اقرار کیا اور اس کے دِل میں جو کے برابر خیر تھی۔ (یعنی ایمان تھا، چنانچہ

ایسے تمام لوگوں کو نکال لیا جائے گا، پھر حکم ہوگا کہ:) ہر اس شخص کو نکال لو جو ''لا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ'' کا قائل تھا اور اس کے دِل میں گندم کے دانے کے برابر خیر تھی۔ (پھر حکم ہوگا کہ:) اس شخص کو دوزخ سے نکال لو جو ''لا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ'' کا قائل تھا اور اس کے دِل میں جوار کے دانے کے برابر خیر تھی۔''

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ طویل حدیث، حدیثِ شفاعت کا ایک حصہ ہے، جب دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنّت میں چلے جائیں گے، اور کچھ اہلِ توحید گناہگار بھی دوزخ میں ہوں گے، اب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان گناہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کا ارادہ فرمائیں گے، تو ان کے حق میں شفاعت کی اجازت دیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، ملائکہ عظام، صدیقین، شہداء اور اہلِ ایمان اپنے اپنے مراتب کے مطابق شفاعت فرمائیں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے حدیں مقرّر کر دی جائیں گی، مثلاً: جس شخص کے دِل میں دِینار کے وزن کا ایمان ہو اس کو نکال لو! جس کے دِل میں نصف دِینار کے برابر اِیمان ہو اس کو نکال لو! اسی طرح علی الترتیب اَحکامات صادر ہوں گے، یہاں تک کہ آخر میں فرمایا جائے گا کہ: جس شخص کے دِل میں رائی کے دانے سے ادنیٰ مرتبے کا بھی ایمان ہو، اس کو نکال لو! یہ حکم فرشتوں کو ہوگا، آخر میں فرشتے عرض کریں گے کہ: ''ربّنا لم نذر فیھا خیرًا'' اے پروردگار! ہم نے دوزخ میں کسی صاحبِ خیر یعنی صاحبِ ایمان کو نہیں چھوڑا۔ تب حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے: ''شفعت الملائکۃ، وشفع النبیون، وشفع المؤمنون ولم یبق اِلّا أرحم الراحمین'' فرشتوں نے بھی شفاعت کر لی، نبیوں نے بھی شفاعت کر لی، اہلِ ایمان بھی شفاعت کر چکے، اب صرف ارحم الراحمین باقی ہے۔

یہ فرما کر اللہ تعالیٰ دوزخ سے ایک مٹھی بھریں گے (اور بعض احادیث میں تین مٹھیوں کا ذکر آتا ہے) پس اس مٹھی کے ذریعے ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالیں گے جنھوں نے کبھی خیر کا کوئی کام نہیں کیا۔ غالباً درجاتِ ایمان کے لئے کچھ علامات ہوں گی، جن کے ذریعے فرشتے اہلِ ایمان کے درجات کو پہچان پہچان کر نکالتے رہیں گے۔ چنانچہ بعض احادیث میں ہے کہ آثارِ سجود کے ذریعے ان کو پہچانیں گے، اور جن لوگوں میں فرشتوں کو اِیمان کی کوئی علامت نظر نہیں آئے گی ان کو حق تعالیٰ شانہٗ بذاتِ خود نکالیں گے، واللہ اعلم!

[حدیث:۱۷۷] ''عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُولُ اللهُ: أَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْمًا أَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔''

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفَسَيْنِ، حدیث: ۲۵۱۹)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حق تعالیٰ

شانہ‘ فرمائیں گے کہ: اس شخص کو دوزخ سے نکال لو جس نے مجھے (ایمان کے ساتھ) کسی دن یاد کیا، یا کسی مقام میں مجھ سے ڈرا۔‘‘

سب سے آخر میں دوزخ سے نکلنے والے کا قصہ

[حدیث: ۱۷۸] ’’عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّىْ لَأَعْرِفُ اٰخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا، فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ! قَدْ أَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ۔ قَالَ: فَيُقَالُ لَهٗ: اِنْطَلِقْ إِلَى الْجَنَّةِ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ! قَالَ: فَيَذْهَبُ لِيَدْخُلَ فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ أَخَذُوا الْمَنَازِلَ، فَيَرْجِعُ فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ! قَدْ أَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ، قَالَ: فَيُقَالُ لَهٗ: أَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِىْ كُنْتَ فِيْهِ؟ فَيَقُوْلُ: نَعَمْ! فَيُقَالُ لَهٗ: تَمَنَّ! قَالَ: فَيَتَمَنّٰى فَيُقَالُ لَهٗ: فَإِنَّ لَكَ مَا تَمَنَّيْتَ وَعَشَرَةَ أَضْعَافِ الدُّنْيَا! قَالَ: فَيَقُوْلُ: أَتَسْخَرُ بِىْ وَأَنْتَ الْمَلِكُ؟ قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ۔‘‘

(رواه الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفَسَيْنِ، حديث: ۲۵۲۰)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا، یہ ایسا شخص ہوگا جو رینگتے ہوئے دوزخ سے نکلے گا، پس وہ کہے گا کہ: اے پروردگار! سب لوگ اپنی اپنی منازل حاصل کرچکے ہیں۔ اس سے کہا جائے گا کہ: جنّت کی طرف جاؤ اور جنّت میں داخل ہوجاؤ! وہ جنّت میں داخل ہونے کے لئے جائے گا تو لوگوں کو پائے گا کہ وہ اپنی اپنی منازل حاصل کرچکے ہیں، واپس آکر کہے گا کہ: اے پروردگار! لوگ تو ساری جگہیں لے چکے ہیں (اور اب وہاں گنجائش ہی نہیں)۔ اس سے کہا جائے گا کہ: تجھے وہ زمانہ یاد ہے جس میں تو رہا کرتا تھا؟ عرض کرے گا: جی ہاں! کہا جائے گا کہ: تمنّا کر! (اور مانگ کیا مانگتا ہے؟) وہ (اپنے حوصلے کے مطابق) تمنائیں کرے گا، پس اس سے کہا جائے گا: تو نے جتنی تمنّائیں کی ہیں وہ تجھے دی جاتی ہیں اور اس کے ساتھ دُنیا سے دس گنا بڑی جنّت دی جاتی ہے! وہ یہ سن کر کہے گا کہ: آپ مالک الملک ہوکر مجھ سے مذاق کرتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اس کا فقرہ بیان فرماکر) ہنسے یہاں تک کہ

آپ ﷺ کی کچلیاں ظاہر ہوگئیں۔“

تشریح: اس شخص کا قصہ یہاں مختصر نقل ہوا ہے، صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں بہت مفصل ہے، اس شخص کا یہ کہنا کہ: ”مالک الملک ہوکر مجھ سے مذاق کرتا ہے“ رحمتِ الٰہی پر ناز اور فرطِ مسرّت کی وجہ سے ہوگا، وہ بے چارا یہ سمجھے گا کہ جنّت تو ساری بھری پڑی ہے، وہاں اتنی گنجائش کہاں کہ اتنا بڑا حصہ اس کو دے دیا جائے۔ پھر شاید یہ وجہ بھی ہو کہ وہ اتنی بڑی جنّت کو اپنی حیثیت سے بہت زیادہ سمجھے۔ بہرحال یہ ادنیٰ جنتی کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت و عنایت ہوگی، حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دیگر اکابر پر حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایتوں اور رحمتوں کا کون تصوّر کرسکتا ہے...؟

رحمتِ خداوندی سیئات، حسنات میں بدل دے گی

[حدیث: ۱۷۹] ”عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنِّی لَأَعْرِفُ اٰخِرَ أَھْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِّنَ النَّارِ وَاٰخِرَ أَھْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ، یُؤْتٰی بِرَجُلٍ فَیَقُوْلُ سَلُوْا عَنْ صِغَارِ ذُنُوْبِہٖ وَاخْبَئُوْا کِبَارَھَا، فَیُقَالُ لَہٗ: عَمِلْتَ کَذَا وَکَذَا یَوْمَ کَذَا وَکَذَا، عَمِلْتَ کَذَا وَکَذَا فِیْ یَوْمِ کَذَا وَکَذَا، قَالَ: فَیُقَالُ لَہٗ: فَإِنَّ لَکَ مَکَانَ کُلِّ سَیِّئَةٍ حَسَنَةً! قَالَ: فَیَقُوْلُ: یَا رَبِّ! لَقَدْ عَمِلْتُ أَشْیَاءَ مَا أَرَاھَا ھٰھُنَا، قَالَ: فَلَقَدْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَضْحَکُ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ۔“

(رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَةِ جھنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفَسَیْنِ، حدیث: ۲۵۲۲)

ترجمہ: ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا اور سب سے آخر میں جنّت میں داخل ہوگا، ایک آدمی کو لایا جائے گا، حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ: اس کے صغیرہ گناہوں کے بارے میں سوال کرو اور اس کے کبیرہ گناہ چھپا رکھو، چنانچہ اس سے کہا جائے گا کہ: تم نے فلاں فلاں دن، فلاں فلاں گناہ کئے تھے، اور فلاں فلاں دن، فلاں فلاں گناہ کئے تھے؟ (یہ تمام گناہ جتانے کے بعد) اس سے کہا جائے گا کہ: تجھے ہر بُرائی کی جگہ نیکی دی جاتی ہے۔ وہ (رحمتِ الٰہی کی فراوانی کو دیکھ کر) بول اُٹھے گا کہ: یا اللہ! میں نے اور بہت سے گناہ کئے تھے جو یہاں نظر نہیں آرہے! حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ (اس کو بیان

فرما کر) ہنس رہے ہیں یہاں تک کہ آپ ﷺ کی کچلیاں ظاہر ہوگئیں۔"

[حدیث:۱۸۰] "عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُعَذَّبُ نَاسٌ مِّنْ أَهْلِ التَّوْحِيْدِ فِي النَّارِ حَتّٰى يَكُوْنُوْا فِيهَا حُمَمًا، ثُمَّ تُدْرِكُهُمُ الرَّحْمَةُ فَيُخْرَجُوْنَ وَيُطْرَحُوْنَ عَلٰى أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، قَالَ: فَيَرُشُّ عَلَيْهِمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْمَاءَ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا يَنْبُتُ الْغُثَاءُ فِي حُمَالَةِ السَّيْلِ ثُمَّ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفَسَيْنِ، حدیث:۲۵۲۳)

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اہلِ توحید میں سے کچھ لوگوں کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے، پھر رحمت ان کی دستگیری فرمائے گی، پس ان کو نکالا جائے گا اور جنّت کے دروازوں پر ڈالا جائے گا، اہلِ جنّت ان پر پانی ڈالیں گے، پس وہ ایسے اُگیں گے جیسے سیلاب کے کوڑے میں دانے اُگتے ہیں، پھر وہ جنّت میں داخل کئے جائیں گے۔"

تشریح: جنّت کے دروازے پر آبِ حیات کی نہر ہوگی، جس میں جہنّم سے کوئلہ بن کر نکلنے والوں کو غسل دیا جائے گا، اس سے آتشِ دوزخ کے تمام اثرات دُھل جائیں گے اور ان پر جھٹ پٹ تر و تازگی کے آثار نمودار ہو جائیں گے، یہ حضرات پاک صاف ہو کر جنّت میں داخل ہوں گے۔

اہلِ ایمان کی دوزخ سے رہائی

[حدیث: ۱۸۱] "عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الْإِيْمَانِ۔ قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: فَمَنْ شَكَّ فَلْيَقْرَأْ: "إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔"

(رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفَسَيْنِ، حدیث:۲۵۲۴)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: جس شخص کے دِل میں ذرّہ برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جس شخص کو اس بات میں شک ہو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھ لے کہ: بے شک اللہ تعالیٰ کسی کا ایک ذرّہ حق بھی نہیں مارتا۔"

تشریح: مطلب یہ کہ اگر کسی میں ذرّہ ایمان ہو تو حق تعالیٰ اس کو بھی ضائع نہیں فرمائیں گے، بلکہ

اس کی برکت سے اس شخص کو دوزخ سے نجات عطا فرمائیں گے۔

[حدیث: ۱۸۲] ”عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ رَجُلَيْنِ مِمَّنْ دَخَلَ النَّارَ اشْتَدَّ صِيَاحُهُمَا، فَقَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: أَخْرِجُوْهُمَا! فَلَمَّا أُخْرِجَا قَالَ لَهُمَا: لِأَيِّ شَيْءٍ اشْتَدَّ صِيَاحُكُمَا؟ قَالَا: فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَرْحَمَنَا! قَالَ: رَحْمَتِي لَكُمَا أَنْ تَنْطَلِقَا فَتُلْقِيَا أَنْفُسَكُمَا حَيْثُ كُنْتُمَا مِنَ النَّارِ! فَيَنْطَلِقَانِ فَيُلْقِيْ أَحَدُهُمَا نَفْسَهٗ، فَيَجْعَلُهَا عَلَيْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا، وَيَقُوْمُ الْاٰخَرُ فَلَا يُلْقِيْ نَفْسَهٗ، فَيَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: مَا مَنَعَكَ أَنْ تُلْقِيَ نَفْسَكَ كَمَا أَلْقٰى صَاحِبُكَ؟ فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ! إِنِّیْ لَأَرْجُوْ أَنْ لَّا تُعِيْدَنِیْ فِيْهَا بَعْدَ مَا أَخْرَجْتَنِیْ۔ فَيَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: لَكَ رَجَاؤُكَ! فَيُدْخَلَانِ الْجَنَّةَ جَمِيْعًا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ۔“

(رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفَسَيْنِ، حدیث: ۲۵۲۵)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: دو آدمی جو دوزخ میں داخل ہوں گے ان کی چیخ و پکار سخت ہوجائے گی، ربّ تبارک و تعالیٰ فرشتوں کو حکم فرمائے گا کہ: ان دونوں کو نکال لو! جب ان کو نکال لیا جائے گا تو حق تعالیٰ شانہٗ ان سے فرمائیں گے کہ: تم کس وجہ سے اس قدر چیخ رہے تھے؟ وہ عرض کریں گے کہ: ہم نے ایسا اس لئے کیا تاکہ آپ ہم پر رحم فرمائیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے کہ: میری رحمت تمہارے لئے یہی ہے کہ تم واپس جاکر اپنے آپ کو دوزخ میں وہیں ڈال دو جہاں تم پہلے تھے! چنانچہ وہ دونوں چلے جائیں گے، ان میں سے ایک تو اپنے کو دوزخ میں ڈال دے گا، اللہ تعالیٰ دوزخ کو اس کے حق میں ٹھنڈی اور سلامتی والی بنادیں گے، اور دُوسرا شخص کھڑا رہے گا، اپنے آپ کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس سے فرمائیں گے کہ: تو اپنے آپ کو دوزخ میں کیوں نہیں ڈالتا کہ جس طرح تیرے رفیق نے کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ: اِلٰہی! میں (تیری رحمت سے) یہ اُمید رکھتا ہوں کہ جب آپ نے ایک بار مجھے دوزخ سے نکال لیا تو دوبارہ اس میں نہیں ڈالیں گے۔ حق تعالیٰ شانہٗ وعم نوالہٗ فرمائیں گے کہ: جا! تجھ سے تیری اُمید کے موافق معاملہ کیا جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں کو بیک وقت جنّت میں داخل کردیا جائے گا۔“

تشریح: حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد: ''میری رحمت تمہارے حق میں یہی ہے کہ تم اپنے آپ کو دوزخ میں ڈال دو'' بطورِ امتحان و آزمائش کے ہوگا، کبھی رحمت بصورت قہر ہوتی ہے، دیکھنے والوں کو اس سے دھوکا ہوجاتا ہے۔ دُنیا میں جو مصائب و تکالیف بندۂ مؤمن پر آتی ہیں، وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایت و رحمت ہیں، مگر ہم ظاہر بینوں کو اس رحمت و عنایت کا ادراک مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کبھی قہرِ اِلٰہی نعمتوں کی صورت میں نازل ہوتا ہے، یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اِستدراج ہوتا ہے، مگر ظاہر بین ایسے شخص کو موردِ نعمت سمجھتے ہیں۔

ان دو شخصوں میں سے ایک نے تفویض و تسلیم کا راستہ اپنایا، اور حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرت سے اس کے حق میں نار کو گلزار کردیا۔ دُوسرے نے حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کا دامن تھاما، اور حق تعالیٰ شانہٗ نے اس سے اس کے گمان کے مطابق معاملہ فرمایا۔

[حدیث:۱۸۳] ''عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيَخْرُجَنَّ قَوْمٌ مِّنْ أُمَّتِيْ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِيْ يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيُّوْنَ۔''

(رواه الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفَسَيْنِ، حدیث:۲۵۲۶)

ترجمہ: ''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری اُمّت کے کچھ لوگوں کو میری شفاعت پر دوزخ سے نکالا جائے گا، ان کا نام ''جہنمی'' رکھا جائے گا۔''

تشریح: ان حضرات کا نام ''جہنمی'' تجویز کیا جانا ان کی تحقیر و تذلیل کے لئے نہیں ہوگا، بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ کے احسانِ عظیم کی یاددہانی اور اس پر شکرِ مزید کے لئے ہوگا، جیسا کہ دُوسری حدیث میں ہے کہ ان کو ''عتقاء الرحمٰن'' کہا جائے گا، یعنی ''رحمٰن کے آزاد کردہ'' گویا یہ لوگ اصل مستحق تو جہنّم ہی کے تھے، مگر رحمتِ خداوندی نے ان کی دست گیری فرمائی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان کو دوزخ سے رہائی عطا فرمادی، پس رحمتِ خداوندی کا ان کی طرف متوجہ ہوجانا ان کے لئے سب سے بڑا اِعزاز ہوگا۔

[حدیث:۱۸۴] ''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا رَأَيْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا، وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا۔''

(رواه الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفَسَيْنِ، حدیث:۲۵۲۷)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں نے جہنّم جیسی چیز نہیں دیکھی، جس سے بھاگنے والے سورہے ہوں، اور نہ جنّت جیسی دیکھی، جس کے طالب سورہے ہوں۔''

تشریح: یہ حدیث سند کے اعتبار سے کمزور ہے، مگر مضمون صحیح ہے، یعنی دوزخ ایسی خوف ناک چیز ہے کہ اگر اس کا منظر ہم پر کھل جائے تو نیند اُڑ جائے، اور جنّت ایسی دولتِ عظمیٰ ہے کہ اگر اس کی حقیقت کھل جائے تو اس کے شوق میں راتوں کی نیند حرام ہوجائے، اس لئے جہنّم سے بھاگنے والوں اور جنّت کا اشتیاق رکھنے والوں کے میٹھی نیند سونے پر جتنے بھی تعجب کا اظہار کیا جائے، کم ہے۔

جہنّم میں عورتوں کی اکثریت ہوگی

[حدیث:۱۸۵] ”عَنْ أَبِیْ رَجَاءِ الْعُطَارِدِیِّ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: أَطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّةِ فَرَأَیْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ، وَاطَّلَعْتُ فِی النَّارِ فَرَأَیْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ۔“ (رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ النِّسَاءُ، حدیث:۲۵۲۸)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنّت میں جھانک کر دیکھا تو وہاں کے لوگوں میں اکثریت فقراء کی نظر آئی، اور میں نے دوزخ میں جھانک کر دیکھا تو وہاں کے لوگوں میں اکثریت عورتوں کی نظر آئی ہے۔“

[حدیث:۱۸۶] ”عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: أَطَّلَعْتُ فِی النَّارِ فَرَأَیْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ، وَاطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّةِ فَرَأَیْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ۔“ (رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ النِّسَاءُ، حدیث:۲۵۲۹)

ترجمہ: ”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے دوزخ میں جھانکا تو وہاں کے لوگوں میں اکثریت عورتوں کی ہے، اور جنّت میں جھانکا تو دیکھا کہ وہاں کے لوگوں میں اکثریت فقراء کی ہے۔“

تشریح: جنّت میں فقراء کی اکثریت ہونا تو ظاہر ہے کہ فقراء میں جنّت والے اعمال کی زیادہ رغبت، اور مال دار جنّت والے اعمال میں اکثر کوتاہی اور غفلت کا شکار ہوتے ہیں، اِلَّا ماشاء اللہ!

اور جہنّم میں عورتوں کی اکثریت کی وجہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا کہ: تم صدقہ کیا کرو، کیونکہ مجھے دوزخ میں تمہاری اکثریت دِکھائی گئی ہے، انہوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا:

”تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِیْرَ“

ترجمہ: ''تم لعنت زیادہ کرتی ہو، اور اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔''

دوزخ میں جس شخص کو سب سے کم عذاب ہوگا وہ کون ہے؟

[حدیث:۱۸۷] ''عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا رَجُلٌ فِيْ أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ۔'' (رواہ الترمذی: كِتَاب صِفَةِ جهنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ النِّسَاءُ، حدیث:۲۵۳۰)

ترجمہ: ''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب اس شخص کو ہوگا، جس کے پاؤں کے تلووں کے اس حصے میں جو زمین سے نہیں لگتا، آگ کے دو شعلے ہوں گے، جن کی وجہ سے اس کا دِماغ اس طرح اُبلتا ہوگا، جس طرح ہنڈیا اُبلتی ہے۔''

تشریح: جیسے کہ صحیح بخاری اور حدیث کی دُوسری کتابوں میں آیا ہے، یہ ابوطالب ہوں گے، جن کو تمام اہلِ دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب ہوگا کہ ان کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے، جس کی گرمی سے اس کا دِماغ ہنڈیا کی طرح اُبلتا ہوگا۔ اس حدیث سے دوزخ کے عذاب کی شدّت کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھیں۔

''اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ، وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔''

ترجمہ: ''اے اللہ! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں دوزخ کے عذاب سے، اور ہم تیری پناہ چاہتے ہیں قبر کے عذاب سے، اور ہم تیری پناہ چاہتے ہیں مسیحِ دجال کے فتنے سے، اور ہم تیری پناہ چاہتے ہیں زندگی اور موت کے فتنوں سے، اے اللہ! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں گناہ سے اور تاوان سے۔''

جنتی کون ہے؟ اور دوزخی کون؟

[حدیث:۱۸۸] ''عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ: سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ الْخُزَاعِيَّ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟

کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُتَکَبِّرٍ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔" (رواہ الترمذی: کِتَاب صِفَةِ جہنّم، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ النِّسَاءُ، حدیث: ۲۵۳۰)

ترجمہ: ''حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ اہلِ جنّت کون ہیں؟ ہر کمزور جس کو کمزور سمجھا جاتا ہے، اگر وہ قسم کھالے اللہ پر تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سچا کر دیتا ہے۔ کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ دوزخی کون ہیں؟ ہر بدمزاج، سخت طبع، جمع کر کے روکنے والا، متکبر۔''

تشریح: یعنی جنتیوں کے اوصاف یہ ہیں، اور دوزخیوں کے یہ، اور یہ اوصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ اکثریت کے بیان فرمائے ہیں۔

اہلِ جنّت کے اوصاف:

ہر کمزور جس کو لوگ کمزور سمجھتے ہوں، اور اس کو بنظرِ حقارت دیکھتے ہوں، یا وہ خود اپنے آپ کو کسی قطار و شمار میں شمار نہ کرتا ہو، نرم دِل ہو، اور اِیمان کی وجہ سے اس کی طبیعت میں لچک اور نرمی پائی جاتی ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا ایسا مرتبہ ہے کہ اگر وہ قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کریں گے، تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمائے۔

دوزخیوں کے اوصاف:

دوزخیوں کے بارے میں فرمایا: اکھڑ مزاج، سخت طبع، مال کو جمع کرنے والا، اور کسی کو نہ دینے والا، متکبر، خلاصہ یہ کہ اس کی طبیعت میں عجز اور نرمی نہیں ہوتی، واللہ اعلم! اللہ تعالیٰ دوزخ سے اور دوزخیوں کے اَحوال سے محفوظ رکھے۔

تقدیر وعلاماتِ قیامت کا بیان

تقدیر کا بیان

[حدیث: ۱۸۹] ”عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا يَا رَسُوْلَ اللهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝۶﴾ الْآيَةَ.“

(صحیح بخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب {فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى} حدیث: ۴۵۶۸)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا ٹھکانہ جنّت کا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ کا لکھ لیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ! پھر کیا ہم اپنی تحریر پر بھروسہ نہ کرلیں؟ فرمایا: نہیں! عمل کرتے رہو پس ہر شخص کو اس کی توفیق ہوگی جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، جو شخص کہ اہلِ سعادت میں سے ہے وہ لوٹے گا عمل سعادت کی طرف اور جو اہلِ شقاوت میں سے ہوگا وہ لوٹے گا عمل شقاوت کی طرف پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: پس وہ شخص جس نے عطا کیا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی اس کو ہم آسانی کریں گے آسان کام کے لیے ﴿لِلْعُسْرٰی﴾ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں تقدیر کا مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ: تم میں سے جو بھی ہے اس کے

لیے جنّت کا ٹھکانہ اور دوزخ کا ٹھکانہ لکھ دیا گیا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! جب لکھ دیا گیا ہے تو لکھے ہوئے کے خلاف تو ہو نہیں سکتا پھر ہم لکھے ہوئے پر اعتماد نہ کرلیں، عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا: نہیں! عمل کرتے رہو، اس لئے کہ ہر شخص کو اسی چیز کی توفیق ہوتی ہے جو اس کے لیے لکھ دی گئی۔ جو شخص اہلِ سعادت میں سے ہو یعنی نیک بخت آدمی ہے، اس کو نیک بختی کے اعمال کی توفیق ہوگی، اور جو شخص بدنصیب ہو اس کو دُوسری قسم کے اعمال کی توفیق ہوتی ہے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی دو آیتیں تلاوت فرمائیں، گویا اس کی تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى ۝۵﴾ لیکن وہ شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال عطا کرے وَاتَّقٰی اور بچ بچ کر چلے، گناہوں سے بچے، ﴿وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰى ۝۶﴾ اور اچھی بات کی یعنی لا الہ اللہ کلمہ شہادت کی تصدیق کرے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نازل فرمایا ہے اس کو مانے، ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰى ۝۷﴾ ہم آسان راستے پر اس کو توفیق دیں گے یعنی جنّت تک پہنچا دیں گے اس کو، ﴿وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰى ۝۸﴾ لیکن جس شخص نے بخل کیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں دینے سے بخل کیا، وَاسۡتَغۡنٰى اور مستغنی بن کر رہا، بجائے ڈرنے کے بچ کر چلنے کے بے پرواہی اختیار کی، و ﴿وَكَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰى ۝۹﴾ اور اچھی بات کی تکذیب کی، اس کو غلط سمجھا، ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰى ۝۱۰﴾ تو ہم اس کے لیے تنگ چیز کو میسر فرمادیں گے، وہ دوزخ ہے۔

اس حدیث پاک سے اور اس آیت شریف سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ تقدیر برحق ہے، تم میں سے اور ہم میں سے جس شخص کو جس چیز کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ برحق ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم عمل کرنا چھوڑ دیں، کیونکہ ہمارا عمل کرنا یہ تقدیر کے مقابلے میں نہیں بلکہ تقدیر کے تابع ہے، حق تعالیٰ شانہ ہمیں سعادت نصیب فرمائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم سعادت والے کام کریں، نیک بختی کے اور سعادت کے کام کرنا اور دین اسلام پر چلنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور فرامین پر عمل کرنا یہ علامت ہے کہ اس کی قسمت اچھی ہے، بخلاف اس کے جو شخص بدبختی کے اعمال اختیار کرتا ہے تو یہ علامت ہے کہ اس کی قسمت کھوٹی ہے، تو قسمت بھی برحق اور عمل بھی برحق اور قسمت کی وجہ سے آدمی اس کام پر مجبور نہیں ہوجاتا، اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی صورت پیدا کی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو مجبور نہیں سمجھتا اور نہ مجبور ہوکر کوئی کام کرتا ہے جو کام بھی کرتا ہے الحمد اللہ اپنے اختیار سے کرتا ہے اور اسی ارادے اور اختیار پر جزا اور سزا ہے۔

لہٰذا لوگوں کے یہ شبہات جو اکثر تقدیر کے بارے میں لوگ کرتے رہتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا وہ شبہ پیش بھی کرلیا اور حل بھی کرلیا اور تقدیر اپنی جگہ اور عمل اپنی جگہ، محنت، جہاد، مجاہدہ اس سے ہٹے نہیں۔

ہمارے اُستاذ حضرت مولانا مفتی عبداللہ بہلوی صاحب، ہم نے ترمذی شریف ان سے پڑھی، انہوں نے حدیث کے درس میں ایک فقرہ فرمایا تھا مجھے آج تک یاد ہے، انہیں کے لفظوں میں یاد ہے، فرمایا کہ: ''مؤمن آدمی جب عمل کرتا ہے تو اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو تقدیر پر ایمان نہیں، عمل کرتے وقت تقدیر کو نہیں دیکھتا، اور عمل کر لینے کے بعد اپنے عمل پر اِعتماد نہیں کرتا، بلکہ اللہ کی تقدیر پر اِعتماد کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے عمل پر اِعتماد نہیں۔'' یہ الفاظ ان کے ہیں، تو کہنا یہ ہے کہ آدمی جب عمل کرنے لگے تو یہ نہ دیکھے کہ تقدیر میں کیا لکھا ہوگا؟ وہ تو اللہ ہی جانتے ہیں کیا لکھا ہے؟ ہمارا کام تو حکم بجالانا ہے، جتنی محنت، جتنا مجاہدہ، جتنی مشقت اور جتنا اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنا ہمارے بس میں ہے، ہمارے اختیار میں ہے، اس میں کوئی کسر نہ چھوڑیں، اس کے بعد اپنے عمل پر اِعتماد نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر، اللہ تعالیٰ کی مشیت پر اِعتماد ہو، یہی دُنیا کے کاموں میں بھی ہے، ہم عمل کرتے ہیں اور ہم کہتے ہیں ہم نے عمل کیا۔ تم نے کچھ نہیں کیا، عمل کرلو، محنت کرلو، محنت کرنے کے بعد پوری محنت جب تم نے کرلی اللہ تعالیٰ کے حوالے کردو۔ اب اپنے عمل پر نظر نہ رکھو بلکہ اللہ پر عمل رکھو۔

یہ خلاصہ ہے مسئلہ تقدیر کا، لوگ اس میں اُلجھتے ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تقدیر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہمیں بحث میں اُلجھے ہوئے دیکھ کر بہت غصّہ ہوئے، یہاں تک کہ چہرۂ انور ایسا سرخ ہوگیا گویا رُخسارِ مبارک میں انار نچوڑ دیا گیا ہو، اور بہت ہی تیز لہجے میں فرمایا:

''کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں یہی چیز دے کر بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے لوگ اسی وقت ہلاک ہوئے جب انہوں نے اس مسئلے میں جھگڑا کیا، میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اس میں ہرگز نہ جھگڑنا۔'' (ترمذی، مشکوٰۃ ص:۲۲)۔

حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''جو شخص تقدیر کے مسئلے میں ذرا بھی بحث کرے گا، قیامت کے دن اس کے بارے میں اس سے باز پُرس ہوگی۔ اور جس شخص نے اس مسئلے میں گفتگو نہ کی اس سے سوال نہیں ہوگا'' (ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص:۲۳)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک ان چار باتوں پر اِیمان نہ لائے:

۱:... اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۲:... اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے۔

۳:... موت اور موت کے بعد والی زندگی پر اِیمان لائے۔

۴:... اور تقدیر پر اِیمان لائے'' (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص:۲۲)۔

ان ارشادات نبوی سے چند چیزیں معلوم ہوئیں:

۱:... تقدیر حق ہے اور اس پر اِیمان لانا فرض ہے۔

۲:... تقدیر کا مسئلہ نازک ہے، اس میں بحث و گفتگو منع ہے اور اس پر قیامت کے دن باز پُرس کا اندیشہ ہے۔

۳:... تدبیر، تقدیر کے خلاف نہیں، بلکہ تقدیر ہی کا ایک حصہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تقدیر کے مسئلے میں لمبی چوڑی بحثیں کرنا اور عقل سے اس مسئلے کو حل کرنا یہ ہمارے لیے ممکن نہیں ہے، جس نے بھی بہت کچھ لکھا ہے اس سلسلے میں اور بزعم خود کوشش کی ہے کہ یہ مسئلہ حل کردوں مگر حل نہیں ہوا، یوں آتا ہے حدیث میں کہ جو شخص مسئلہ تقدیر پر بحث نہیں کرے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے احکام بجالائے گا اس سے قیامت کے دن سوال نہیں ہوگا اور جو بحث کرے گا اس سے پوچھا جائے گا: ''اچھا! مسئلہ تقدیر حل کرکے دکھاوٴ، اس کے بعد کوئی بات اور کریں گے'' انسان کی عقل اس کو حل کیسے کرسکتی ہے؟ تقدیر اللہ کی صفت ہے اور اللہ کی صفات انسان کے عقل کے قابو میں کیسے آسکتی ہیں۔

ہمارے سیّد الطائفہ حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: تین مسئلے جاکر وہاں بھی نہیں کھلیں گے، ان میں سے ایک مسئلہ تقدیر کا ہے، دُوسرا مشاجراتِ صحابہ کرام کا، صحابہ کے درمیان آپس میں لڑائیاں ہوئیں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے بندے اس کو حل نہیں کرسکتے۔ اور تیسرا مسئلہ صوفیا کے مشکل مسائل کا ہے، تم لوگوں کو اس میں اُلجھنا ہی نہیں چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر برحق ہے، اور اس کو ماننا شرطِ ایمان ہے۔ لیکن تقدیر کا مسئلہ بے حد نازک اور باریک ہے، کیونکہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور آدمی صفاتِ الٰہیہ کا پورا احاطہ نہیں کرسکتا۔ بس اتنا عقیدہ رکھا جائے کہ دُنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس کا علم تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو پہلے سے لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا تھا۔ پھر دُنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ بعض میں انسان کے ارادہ واِختیار کا بھی دخل ہے، اور بعض میں نہیں۔ جن کاموں میں انسان کے ارادہ واختیار کو دخل ہے، ان میں سے کرنے کے کاموں کو کرنے کا حکم ہے، اگر انہیں اپنے ارادہ واختیار سے ترک کرے گا تو اس پر موٴاخذہ ہوگا، اور جن کاموں کو چھوڑنے کا حکم ہے ان کو اپنے ارادہ واختیار سے چھوڑنا ضروری ہے، نہیں چھوڑے گا تو موٴاخذہ ہوگا۔ الغرض جو کچھ ہوتا ہے تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے لیکن اختیاری اُمور پر چونکہ انسان کے ارادہ واختیار کو بھی دخل ہے، اس لئے نیک و بد اعمال پر جزا و سزا ہوگی، ہمارے لئے اس سے زیادہ اس مسئلے پر کھود کرید جائز نہیں، نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔

زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل تقدیر لکھی جا چکی ہے

[حدیث: ۱۹۰] ”عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَتَبَ اللّٰہُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَعَرْشُہُ عَلَى الْمَاءِ۔“

(صحیح مسلم: کتاب القدر، بَاب حِجَاجِ آدَمَ وَمُوسَى، حدیث: ۴۷۹۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیریں لکھیں آسمان وزمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے اور اس کا عرش پانی پر تھا۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں، پچاس ہزار سال پہلے، زمین وآسمان کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ تقدیریں لکھ دیں اور اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا، سوائے پانی کے کوئی چیز نہیں تھی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات بنائیں، تو جو تقدیر کہ اس عالم کے بنانے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھی جا چکی ہے تم اس کو مٹانا چاہتے ہو؟ تم بدلنا چاہتے ہو اور تم اس تقدیر پر ناشکری کرتے ہو اور یوں کہتے ہو کہ یہ کیوں ہوا؟ غلط کہتے ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم غیب نہیں دیا ورنہ ہماری زندگی اجیرن ہو جاتی، جتنا وقت گزارتے ہیں ٹھیک گزارتے ہیں، جب وقت جانے کا آجائے گا تو چلے جائیں گے، جتنا رزق اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، جتنی کوئی چیز قسمت میں لکھ دی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملے گی، اس کے لئے ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ہمیں تو اللہ کا نام لینا چاہئے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور ہم لگے ہوئے ہیں ان چیزوں میں۔

اسباب اور توکّل

[حدیث: ۱۹۱] ”عن الْمُغِيرَةِ بْنِ أَبِي قُرَّةَ السَّدُوسِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰہِ! أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ، أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ؟ قَالَ: أَعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ!“ (سنن الترمذی: کتاب صفة القيامة، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَوَانِي الْحَوْضِ، حدیث: ۲۴۴۴)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اُونٹوں کو باندھ کر توکّل کروں یا ان کو کھلا چھوڑ دُوں اور توکّل کروں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو باندھ دے اور توکّل کر!''

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت جو اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے درج کی ہے، اس کی سند پر تو محدثین کو کلام ہے، جیسا کہ اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، مگر یہ مضمون صحیح ہے، چنانچہ اس باب میں حضرت عمرو بن اُمیہ الضمری رضی اللہ عنہ کی جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ صحیح ابنِ حبان میں سندِ صحیح سے مروی ہے (فیض القدیر شرح جامع صغیر، ج:۲ ص:۸)۔

اس حدیث پاک میں یہ تعلیم ہے کہ مال و جان کی حفاظت کے اسبابِ عادیہ کا اِختیار کرنا توکّل کے خلاف نہیں، بلکہ عین توکّل ہے۔ کوئی شخص رات کو گھر کے دروازے کھلے چھوڑ دے یا چوپاؤں اور مویشیوں کو کھلا چھوڑ کر یوں سمجھے کہ میں نے توکّل کیا ہے، تو یہ توکّل نہیں، بلکہ بے عقلی ہے۔ ہاں! اپنی قدرت و ہمت کے مطابق جائز اسباب کو اِختیار کرنے کے بعد ان پر اِعتماد نہ کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، یہ توکّل ہے، حضرت حکیم الاُمّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''تفویض کے معنی ترکِ تدبیر نہیں، بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے، تدبیر کرے اور تدبیر کے نتیجے کو خدا کے سپرد کردے۔''

(انفاسِ عیسیٰ ص:۲۲۱)

دُوسری جگہ فرماتے ہیں:

''ترکِ اسباب حقیقت ہے ترکِ اسبابِ مظنونہ غیر مأمور بہا، یعنی جن اسباب پر مسبّب کا ترک عادۃً یقینی و قطعی نہ ہو اور شرعاً وہ واجب بھی نہ ہوں، ان کو ترک کردینا جائز ہے، باقی جن اسباب پر عادۃً مسبّبات کا ترتّب یقینی ہے ان کا ترک جائز نہیں، مثلاً: عادۃً کھانا کھانے پر شبع (سیری) کا ترتّب اور پانی پینے پر سیرابی کا ترتّب...... اور اَسبابِ مظنونہ کا ترک بھی اس شخص کو جائز ہے جو خود بھی قوی الہمّت ہو اور اس کے اہل و عیال بھی، یا اس کے اہل و عیال ہی نہ ہوں۔ اسی طرح اسبابِ مأمور بہا کا ترک، توکّل نہیں، چونکہ وہ سب اسبابِ قطعیہ یقینیہ ہیں۔'' (حوالۂ مذکور ص:۲۲۴)

اس سے ان حضرات کی غلط فہمی دُور ہوجانی چاہئے جو توکّل کے معنی ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا سمجھتے ہیں، اور پھر صوفیہ پر اِعتراض کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کو ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کا نزاع

[حدیث:۱۹۲] ''.....أَبَا هُرَيْرَةَ.....، احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى فَقَالَ مُوسَى:

يَا آدَمُ! أَنْتَ أَبُونَا خَيَّبْتَنَا وَأَخْرَجْتَنَا مِنَ الْجَنَّةِ، فَقَالَ آدَمُ: أَنْتَ مُوسَى اصْطَفَاكَ اللهُ بِكَلَامِهِ وَخَطَّ لَكَ التَّوْرَاةَ بِيَدِهِ تَلُومُنِي عَلَى أَمْرٍ قَدَّرَهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً، فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى۔“

(سنن ابو داود ج: ۱۲، ص: ۳۱۰، حدیث نمبر: ۴۰۷۹، بَابٌ فِي الْقَدَرِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مباحثہ ہوا پس موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے آدم! آپ ہمارے باپ ہیں، آپ نے ہمیں بے نصیب کردیا اور ہمیں جنّت سے نکال دیا۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ: تم وہی موسیٰ ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ چُن لیا تھا اور جن کے لئے اپنے ہاتھ سے توراۃ لکھی تھی؟ کیا تو مجھے ملامت کرتا ہے اس کام پر جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مقدّر کی ہوئی تھی میرے پیدا ہونے سے چالیس سال پہلے؟ پس آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مباحثے میں غالب آ گئے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عالمِ ارواح میں مباحثہ ہوا، غالباً یہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے بعد ہوا، وہاں سب پہنچ گئے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: آپ وہی آدم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا جن کو اپنی جنّت میں ٹھہرایا اور جن کو فرشتوں سے سجدہ کروایا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! وہی ہوں، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لیکن آپ نے وہاں دانہ کھالیا شجرِ ممنوعہ کا ارتکاب کیا، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: آپ وہی موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے چُن لیا تھا اور جن کے ساتھ کوہِ طور پر ہم کلامی فرماتے تھے اور جن کو اپنے ہاتھ سے توراۃ لکھ کر کے دی، وہی موسیٰ ہیں؟ کہنے لگے: جی ہاں! فرمایا کہ: میرے پیدا ہونے سے کتنی دیر پہلے توراۃ لکھی گئی تھی؟ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: چالیس سال پہلے، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا ہونے سے چالیس سال پہلے اللہ تعالیٰ نے توراۃ لکھی، فرمایا کہ: اس توراۃ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے ﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾﴾ (طٰہٰ) ”آدم نے اپنے ربّ کی نافرمانی کی، بہک گئے“ کہنے لگے: ہاں! لکھا ہوا ہے، فرمایا کہ: میرے پیدا ہونے سے چالیس سال پہلے جو چیز توراۃ میں لکھی ہوئی تھی تم اس کا مجھے الزام دیتے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش!

تقدیر کا حوالہ دے کر کوئی آدمی چھوٹ نہیں سکتا نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ! کوئی آدمی یہ کہے کہ مجھ سے یہ غلطی ہوئی میری تقدیر میں لکھی ہوئی تھی، یہ گستاخی اور بے ادبی ہے، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بات معلوم تھی کہ میری یہ غلطی میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے کی لکھی ہوئی ہے لیکن ایک دن بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ عذر نہیں کیا کہ آپ نے میرے ذمّے لکھی ہوئی تھی، جب بھی اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی عتاب فرمایا

روتے رہے، جنّت سے زمین پر اُتار دیا گیا روتے روتے بے حال ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے قصور معاف کر دیا، اس کے باوجود ایک سو سال تک آسمان کی طرف نظر نہیں کی، یہ ادب ہے، بڑا اگر گرفت کرے تو چھوٹے کو عذر نہیں کرنا چاہئے، یہ کہنا چاہئے کہ ٹھیک ہے میری غلطی ہے، اپنی غلطی اور اپنے قصور کا اقرار کرنا چاہئے۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اوّل البشر ہیں، تمام انسانوں کے والدِ ماجد ہیں لیکن اپنی خطا جان سے ہوئی تھی، اس پر جتنے روئے ہیں بعض روایات میں آتا ہے کہ اگر ان کی اولاد کے آنسو جمع کر دیئے جائیں تو ان کے برابر نہیں ہو سکتے اس کو انسانیت کہتے ہیں، یہ آدمی ہوتا ہے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ کسی بھی مسئلے میں تقدیر کا حوالہ نہیں دینا چاہئے بلکہ اپنی خطا اور اپنے قصور کا اِعتراف کرنا چاہئے اور جدِّ اَمجد نے ہمیں یہی سبق دیا ہے، انہیں معلوم تھا کہ میرے نام لکھی ہوئی ہے یہ چیز، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا ایک دن بھی انہوں نے یہ نہیں کیا کہ یہ تو لکھی ہوئی تھی میرے ذمّے۔

علاماتِ قیامت

قیامت کی خاص نشانیاں

[حدیث:۱۹۳] ”وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ الْفُحْشُ، وَالتَّفَحُّشُ، وَقَطِيْعَةُ الرَّحِمِ، وَتَخْوِيْنُ الْاَمِيْنِ، وَائْتِمَانُ الْخَائِنِ۔“

(طبرانی اوسط، کنز العمال ج:۱۴ ص:۲۲۰)

ترجمہ: ”قیامت کی خاص علامات میں سے ہے: بدکاری، بدزبانی، قطع رحمی (کا عام ہوجانا)، امانت دار کو خیانت دار، اور خائن کو امانت دار قرار دینا۔“

دو جہنمی گروہ

[حدیث:۱۹۴] ”عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا: قَوْمٌ مَّعَهُمْ سِيَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ، يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ، عَارِيَاتٌ، مُمِيْلَاتٌ، مَائِلَاتٌ، رُؤُسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا، وَاِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَّسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا۔“ (صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۰۵)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: دو جہنمی گروہ ایسے ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا (بعد میں پیدا ہوں گے)، ایک: وہ گروہ جن کے ہاتھوں میں بیل کی دُم جیسے کوڑے ہوں گے، وہ ان کوڑوں کے ساتھ لوگوں کو (ناحق) ماریں گے۔ دوم: وہ عورتیں جو (کہنے کو تو) لباس پہنے ہوئے ہوں گی، لیکن (چونکہ لباس بہت باریک یا ستر کے لئے ناکافی ہوگا اس لئے وہ) درحقیقت برہنہ ہوں گی، (لوگوں کو اپنے جسم کی نمائش اور لباس کی زیبائش سے اپنی طرف) مائل کریں گی،

(اور خود بھی مردوں سے اختلاط کی طرف) مائل ہوں گی، ان کے سر (فیشن کی وجہ سے) بختی اُونٹ کے کوہان جیسے ہوں گے، یہ عورتیں نہ تو جنّت میں داخل ہوں گی، نہ جنّت کی خوشبو ہی ان کو نصیب ہوگی، حالانکہ جنّت کی خوشبو دُور دُور سے آ رہی ہوگی۔‘‘

قیامت کب ہوگی؟

[حدیث:۱۹۵] ”عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَیْنَمَا النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَجْلِسٍ یُحدِّثُ الْقَوْمَ جَاءَهٗ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟...... قَالَ: اِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ! فَقَالَ: کَیْفَ اِضَاعَتُهَا؟ قَالَ: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَیْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ!“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۴)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس اثنا میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بیان فرما رہے تھے، اچانک ایک اَعرابی آیا اور عرض کیا: (یا رسول اللہ!) قیامت کب ہوگی؟ فرمایا: جب امانت اُٹھ جائے گی! اَعرابی نے کہا: امانت اُٹھ جانے کی صورت کیا ہوگی؟ فرمایا: جب اختیارات نااہلوں کے سپرد ہوجائیں تو قیامت کا انتظار کرو!‘‘

قیامت کی واضح علامات

[حدیث:۱۹۶] ”عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ (سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَاَعْلَامِهَا فَقَالَ):

یَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ لِلسَّاعَةِ اَعْلَامًا وَاِنَّ لِلسَّاعَةِ اَشْرَاطًا: اَلَا وَاِنَّ مِنْ عَلَمِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ یَّكُوْنَ الْوَلَدُ غَیْظًا، وَاَنْ یَّكُوْنَ الْمَطَرُ قَیْظًا، وَاَنْ یَّقْبِضَ الْاَشْرَارُ قَبْضًا۔

یَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ یُّصَدَّقَ الْكَاذِبُ وَاَنْ یُّكَذَّبَ الصَّادِقُ۔

یَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ یُّؤْتَمَنَ الْخَائِنُ وَاَنْ یُّخَوَّنَ الْاَمِیْنُ۔

یَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ یُّوَاصَلَ الْاَطْبَاقُ وَاَنْ یُّقَاطَعَ الْاَرْحَامُ۔

یَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ یُّسَوَّدَ كُلَّ قَبِیْلَةٍ مُنَافِقُوْهَا

وَ کُلِّ سُوْقٍ فُجَّارُهَا۔

يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُؤْمِنُ فِى الْقَبِيْلَةِ اَذَلَّ مِنَ النَّقَدِ۔

يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ تُزَخْرَفَ الْمَحَارِيْبُ وَاَنْ تَخْرَبَ الْقُلُوْبُ۔

يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ يُّكْتَفَى الرِّجَالُ بِالرِّجَالِ وَالنِّسَاءُ بِالنِّسَاءِ۔

يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ تُكْنَفَ الْمَسَاجِدُ وَاَنْ تُعْلٰى الْمَنَابِرُ۔

يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ يُّعْمَرَ خَرَابُ الدُّنْيَا وَيُخْرَبَ عُمْرَانُهَا۔

يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ تُظْهَرَ الْمَعَازِفُ وَشُرْبُ الْخُمُوْرِ۔

يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ تُشْرَبَ الْخُمُوْرُ۔

يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ تُكْثَرَ الشُّرَطُ وَالْهَمَّازُوْنَ وَالْغَمَّازُوْنَ وَاللَّمَّازُوْنَ۔

يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ تَكْثُرَ اَوْلَادُ الزِّنَا۔"

(کنز العمال ج:۱۴ ص:۲۲۴)

ترجمہ: ''حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے آثار وعلامات کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا:

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے کچھ آثار وعلامات ہیں، وہ یہ کہ اولاد (نافرمانی کے سبب) غم وغصہ کا باعث ہوگی، بارش کے باوجود گرمی ہوگی، اور بدکاروں اور شریروں کا طوفان برپا ہوگا۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ خائن کو

امین، اور امین کو خائن بتلایا جائے گا۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار و علامات میں سے یہ بھی ہے کہ بیگانوں سے تعلق جوڑا جائے گا اور یگانوں سے توڑا جائے گا۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار و علامات میں سے یہ بھی ہے کہ ہر قبیلے کی قیادت اس کے منافقوں کے ہاتھوں میں ہوگی اور ہر بازار کی قیادت اس کے بدکاروں کے ہاتھ میں۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار و علامات میں سے یہ بھی ہے کہ مؤمن اپنے قبیلہ میں بھیڑ بکری سے زیادہ حقیر سمجھا جائے گا۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار و علامات میں سے یہ بھی ہے کہ محرابیں سجائی جائیں گی اور دل ویران ہوں گے۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار و علامات میں سے یہ بھی ہے کہ مرد، مردوں سے اور عورتیں، عورتوں سے جنسی لذت حاصل کریں گی۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار و علامات میں سے یہ بھی ہے کہ مسجدوں کے احاطے عالیشان بنائے جائیں گے اور اونچے اونچے منبر رکھے جائیں گے۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار و علامات میں سے یہ بھی ہے کہ دنیا کے ویرانوں کو آباد اور آبادیوں کو ویران کیا جائے گا۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار و علامات میں سے یہ بھی ہے کہ گانے بجانے کا سامان عام ہوگا اور شراب نوشی کا دور دورہ ہوگا۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار و علامات میں سے یہ بھی ہے کہ طرح طرح کی شرابیں (پانی کی طرح) پی جائیں گی۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار و علامات میں سے یہ بھی ہے کہ (معاشرے میں) پولیس والوں، عیب چینوں، غیبت کرنے والوں اور طعنہ بازوں کی بہتات ہوگی۔

اے ابنِ مسعود! بے شک قیامت کے آثار و علامات میں سے یہ بھی ہے کہ ناجائز بچوں کی کثرت ہوگی۔"

دورِ حاضر کے نمایاں خدوخال اور قربِ قیامت کی بہتّر علامتیں

[حدیث:۱۹۷] "عَنْ حُذَیْفَةَ بن الیمان رَضِیَ اللہ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مِنْ اِقْتِرَابِ السَّاعَةِ اِثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ خَصْلَةً اِذْ رَأَیْتُمُ النَّاسَ اَمَاتُوا الصَّلٰوةَ، وَاَضَاعُوا الْاَمَانَةَ، وَاَکَلُوا الرِّبَا، وَاسْتَحَلُّوا الْکَذِبَ، وَاسْتَخَفُّوْا بِالدِّمَاءِ، وَاسْتَعْلُوا الْبِنَاءَ، وَبَاعُوا الدِّیْنَ بِالدُّنْیَا، وَتَقَطَّعَتِ الْاَرْحَامُ، وَیَکُوْنُ الْحُکْمُ ضُعْفًا، وَالْکَذِبُ صِدْقًا، وَالْحَرِیْرُ لِبَاسًا، وَظَهَرَ الْجَوْرُ، وَکَثُرَتِ الطَّلَاقُ، وَمَوْتُ الْفُجَائَةِ، وَائْتُمِنَ الْخَائِنُ، وَخُوِّنَ الْاَمِیْنُ، وَصُدِّقَ الْکَاذِبُ، وَکُذِّبَ الصَّادِقُ، وَکَثُرَ الْقَذْفُ، وَکَانَ الْمَطَرُ قَیْظًا، وَالْوَلَدُ غَیْظًا، وَفَاضَ اللِّئَامُ فَیْضًا، وَغَاضَ الْکِرَامُ غَیْضًا، وَکَانَ الْاُمَرَاءُ وَالْوُزَرَاءُ کَذَبَةً، وَالْاُمَنَاءُ خَوَنَةً، وَالْعُرَفَاءُ ظَلَمَةً، وَالْقُرَّاءُ فَسَقَةً، اِذَا لَبِسُوْا مُسُوْکَ الضَّأْنِ، قُلُوْبُهُمْ اَنْتَنُ مِنَ الْجِیْفِ، وَاَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ، یُغْشِیْهِمُ اللہ تَعَالٰی فِتْنَةً یَتَهَارَکُوْنَ فِیْهَا تَهَارُکَ الْیَهُوْدِ الظَّلَمَةِ، وَتَظْهَرُ الصَّفْرَاءُ یَعْنِی الدَّنَانِیْرَ، وَتُطْلَبُ الْبَیْضَاءُ، وَتَکْثُرُ الْخَطَایَا، وَیَقِلُّ الْاَمْنُ، وَحُلِّیَتِ الْمَصَاحِفُ، وَصُوِّرَتِ الْمَسَاجِدُ، وَطُوِّلَتِ الْمَنَائِرُ، وَخُرِّبَتِ الْقُلُوْبُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ، وَعُطِّلَتِ الْحُدُوْدُ، وَوَلَدَتِ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا، وَتَرَی الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ قَدْ صَارُوْا مُلُوْکًا، وَشَارَکَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا فِی التِّجَارَةِ، وَتَشَبَّهَ الرِّجَالُ بِالنِّسَاءِ، وَالنِّسَاءُ بِالرِّجَالِ، وَحُلِفَ بِغَیْرِ اللہ، وَشَهِدَ الْمُؤْمِنُ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُسْتَشْهَدَ، وَسُلِّمَ لِلْمَعْرِفَةِ، تُفُقِّهَ لِغَیْرِ دِیْنِ اللہ، وَطُلِبَ الدُّنْیَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ، وَاتُّخِذَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا، وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّکٰوةُ مَغْرَمًا، وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ، وَعَقَّ الرَّجُلُ اَبَاهُ، وَجَفَا اُمَّهٗ، وَضَرَّ صَدِیْقَهٗ، وَاَطَاعَ اِمْرَأَتَهٗ، وَعَلَتْ اَصْوَاتُ الْفَسَقَةِ فِی الْمَسَاجِدِ، وَاتُّخِذَ الْقَیْنَاتُ، وَالْمَعَازِفُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ فِی الطُّرُقِ، وَاتُّخِذَ الظُّلْمُ فَخْرًا، وَبِیْعَ الْحُکْمُ، وَکَثُرَتِ الشُّرَطُ، وَاتُّخِذَ الْقُرْآنُ مَزَامِیْرَ، وَجُلُوْدُ السِّبَاعِ خِفَافًا، وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا، فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذَالِکَ رِیْحًا حَمْرَاءَ، وَخَسْفًا، وَمَسْخًا، وَقَذْفًا وَآیَاتٍ۔"

(اخرجہ ابو نعیم فی الحلیة۔ درِ منثور ج:۶ ص:۵۲)

ترجمہ: ’’حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہتر (۷۲) چیزیں قربِ قیامت کی علامت ہیں، جب تم دیکھو کہ:

۱:... لوگ نمازیں غارت کرنے لگیں۔ ۲:... امانت ضائع کرنے لگیں۔ ۳:... سود کھانے لگیں۔ ۴:... جھوٹ کو حلال سمجھنے لگیں۔ ۵:... معمولی بات پر خوں ریزی کرنے لگیں۔ ۶:... اونچی اونچی بلڈنگیں بنانے لگیں۔ ۷:... دین بیچ کر دنیا سمیٹنے لگیں۔ ۸:... قطع رحمی یعنی رشتہ داروں سے بدسلوکی ہونے لگے۔ ۹:... انصاف کمزور ہوجائے۔ ۱۰:... جھوٹ، سچ بن جائے۔ ۱۱:... لباس ریشم کا ہوجائے۔ ۱۲:... ۱۳:... ۱۴:... ظلم، طلاق اور ناگہانی موت عام ہوجائے۔ ۱۵:... ۱۶:... خیانت کار کو امین، اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے۔ ۱۷:... ۱۸:... جھوٹے کو سچا، اور سچے کو جھوٹا کہا جائے۔ ۱۹:... تہمت تراشی عام ہوجائے۔ ۲۰:... بارش کے باوجود گرمی ہو۔ ۲۱:... اولاد غم وغصہ کا موجب ہو۔ ۲۲:... ۲۳:... کمینوں کے ٹھاٹھ ہوں، اور شریفوں کا ناک میں دم آجائے۔ ۲۴:... امیر و وزیر جھوٹ کے عادی بن جائیں۔ ۲۵:... امین، خیانت کرنے لگیں۔ ۲۶:... چودھری ظلم پیشہ ہوں۔ ۲۷:... عالم اور قاری بدکار ہوں۔ ۲۸:... جب لوگ بھیڑ کی کھالیں (پوستین) پہننے لگیں۔ ۲۹:... ۳۰:... ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار اور ایلوے سے زیادہ تلخ ہوں، اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں ایسے فتنے میں ڈال دے گا جس میں یہودی ظالموں کی طرح بھٹکتے پھریں گے۔ ۳۱:... اور (جب) سونا عام ہوجائے گا۔ ۳۲:... چاندی کی مانگ ہوگی۔ ۳۳:... گناہ زیادہ ہوجائیں گے۔ ۳۴:... امن کم ہوجائے گا۔ ۳۵:... مصاحف (قرآن) کو آراستہ کیا جائے گا۔ ۳۶:... مساجد میں نقش و نگار کئے جائیں گے۔ ۳۷:... اونچے اونچے مینار بنائے جائیں گے۔ ۳۸:... دل ویران ہوں گے۔ ۳۹:... شرابیں پی جائیں گی۔ ۴۰:... شرعی سزاؤں کو معطل کردیا جائے گا۔ ۴۱:... لونڈی اپنی آقا کو جنے گی۔ ۴۲:... جو لوگ (کسی زمانے میں) پابرہنہ اور ننگے بدن رہا کرتے تھے وہ بادشاہ بن بیٹھیں گے۔ ۴۳:... زندگی کی دوڑ میں اور تجارت میں عورت، مرد کے ساتھ شریک ہوجائے گی۔ ۴۴:... ۴۵:... مرد، عورتوں کی اور عورتیں، مردوں کی نقالی کرنے لگیں گی۔ ۴۶:... غیر اللہ کی قسمیں کھائی جائیں گی۔ ۴۷:... مسلمان بھی بغیر کہے

(جھوٹی) گواہی دینے کو تیار ہوگا۔ ۴۸:... جان پہچان پر سلام کیا جائے گا۔ ۴۹:... غیر دین کے لئے شرعی قانون پڑھا جائے گا۔ ۵۰:... آخرت کے عمل سے دنیا کمائی جائے گی۔ ۵۱:... ۵۲:... ۵۳:... غنیمت کو دولت، امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو تاوان قرار دے دیا جائے گا۔ ۵۴:... سب سے رذیل آدمی قوم کا قائد بن بیٹھے گا۔ ۵۵:... آدمی اپنے باپ کا نافرمان ہوگا۔ ۵۶:... ماں سے بدسلوکی کرے گا۔ ۵۷:... دوست کو نقصان پہنچانے سے گریز نہ کرے گا۔ ۵۸:... اور بیوی کی اطاعت کرے گا۔ ۵۹:... بدکاروں کی آوازیں مسجدوں میں بلند ہونے لگیں گی۔ ۶۰:... گانے والی عورتیں داشتہ رکھی جائیں گی۔ ۶۱:... اور گانے کا سامان رکھا جائے گا۔ ۶۲:... سرِراہ شرابیں اُڑائی جائیں گی۔ ۶۳:... ظلم کو فخر سمجھا جائے گا۔ ۶۴:... انصاف بکنے لگے گا۔ ۶۵:... پولیس کی کثرت ہوجائے گی۔ ۶۶:... قرآن کو نغمہ سرائی کا ذریعہ بنالیا جائے گا۔ ۶۷:... درندوں کی کھال کے موزے بنائے جائیں گے۔ ۶۸:... اور اُمّت کا پچھلا حصہ پہلے لوگوں پر لعن طعن کرنے لگے گا۔ ۶۹:... اس وقت سرخ آندھی، ۷۰:... زمین میں دھنس جانے، ۷۱:... شکلیں بگڑ جانے، ۷۲:... اور آسمان سے پتھر برسنے کے جیسے عذابوں کا انتظار کیا جائے۔“

کتابُ الرقاق
دُنیا سے بے رغبتی
اَبوَابُ الزُّهدِعَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دو نعمتوں میں دھوکا

[حدیث:۱۹۸] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغ، حدیث:۲۲۲۶)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن میں بہت سے لوگ خسارے میں ہیں: صحت اور فراغت۔“

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا میں آنے والے ہر عاقل و بالغ کو ایک تاجر کے ساتھ تشبیہ دی ہے، گویا دُنیا ایک تجارتی منڈی ہے، آدمی کی عمرِ عزیز اس کا رأس المال ہے اور جس سامان کو وہ بھر رہا ہے وہ اس کے اعمال ہیں۔

اہلِ عقل کسی تجارت میں سرمایہ لگاتے ہیں تو نفع کی اُمید پر ہی لگاتے ہیں، اور کوئی شخص بقائمی ہوش وحواس اپنے رأس المال کو خسارے کی سرمایہ کاری میں ڈُبونا نہیں چاہتا کہ نفع کے بجائے اصل سرمایہ ہی غارت ہوکر رہ جائے۔

تجارت سے نفع کمانے کے لئے تاجر کو چند چیزوں کا اہتمام کرنا ہوتا ہے، اوّل یہ کہ وہ اچھی طرح غور کرلے کہ میں جس چیز میں سرمایہ کاری کر رہا ہوں وہ منافع کی ہے یا خسارے کی؟ دوم یہ کہ جس شخص سے معاملہ کرے اس کے بارے میں اطمینان کرلے کہ وہ لائقِ اعتماد بھی ہے یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ کاروبار نہایت دیانت، اُصول پسندی اور محنت و اِستقلال کے ساتھ کرے، چوتھے یہ کہ اپنے قیمتی سرمایہ کو فضول خرچی اور

تعیش پسندی میں برباد نہ کرے، ورنہ کچھ ہی عرصے میں اس کا اصل سرمایہ اُڑ جائے گا اور اس کی تجارت ناکام ہوجائے گی۔

ان اُمور کو سامنے رکھ کر اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی پر غور فرمایئے، یہ دُنیا ایک منڈی ہے، یہاں سے اعمال کا مال بھر کر آپ کو دساور (آخرت میں) لے جانا ہے، اور وطن سے آپ عمرِ عزیز کا ایک محدود سرمایہ لے کر آئے ہیں، اور یہ نقدی اتنی قیمتی اور اَنمول ہے کہ اس کا ایک ایک لمحہ دُنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے، یعنی دُنیا کی ساری دولت اور رُوس، چین اور امریکہ و برطانیہ کے سارے خزانے ایک آدمی کے ایک سانس کی قیمت نہیں، لیکن افسوس ہے کہ اس اَنمول جوہر میں سب سے بڑا اور لاعلاج نقص یہ ہے کہ اس کو بقاو قرار نہیں، یہ دُھوپ میں رکھی ہوئی برف کی طرح پگھلتا رہتا ہے اس کی مثال پانی کی اس ٹنکی کی ہے جس میں ذرا سا سوراخ ہو اور پانی مسلسل اس سے ٹپکتا رہے، گویا اس سرمایہ کی خصوصیت یہ ہے کہ تم اسے خرچ کرو یا نہ کرو، یہ خودبخود خرچ ہوتا رہے گا۔ اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں صوفیہ کے پاس بیٹھا ہوں اور ان کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا ہے، جو سب سے قیمتی بات میں نے ان سے حاصل کی، وہ یہ ہے کہ ''وقت ایک تلوار ہے، اگر تم اس کو نہیں کاٹو گے تو یہ تمہیں کاٹ دے گا۔'' بہرحال آدمی کا یہ قیمتی سرمایہ جو بدقسمتی سے زوال پذیر بھی ہے اگر کسی ایسی چیز میں لگ رہا ہے جو اس سے قیمتی ہے تب تو اس کی تجارت نفع کی ہوئی اور اگر اس نے اس سرمایہ کو کسی گھٹیا چیز پر خرچ کردیا تو معلوم ہوگا کہ اس شخص کو تجارت کا سلیقہ نہیں آتا، ورنہ یہ خسارے کی سرمایہ کاری نہ کرتا۔ اسی طرح اگر اس نے اس سرمایہ سے کام بھی نہ لیا اور وہ برف کی طرح پگھل پگھل کر ضائع ہوگیا تب یہ شخص احمق متصوّر ہوگا۔ اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں یوں ارشاد فرما رہے ہیں کہ صحت و فراغت دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ خسارے میں ہیں۔ یعنی عمر کا سرمایہ آخرت کی تجارت میں لگانے کے لئے صحت اور فراغت درکار ہے، اوّل تو یہ دونوں چیزیں بیک وقت بہت کم لوگوں کو میسر آتی ہیں، ایک آدمی صحت مند ہے مگر اس کو دھندے سے فرصت نہیں، ایک کو فرصت ہے مگر صحت نصیبِ دُشمناں ہے۔

اور اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے صحت دی ہے اور بقدرِ ضرورت معاش بھی اسے حاصل ہے تو اسے ان نعمتوں کی قدر نہیں، وہ انہیں یا تو دُنیا کا کُوڑا جمع کرنے میں ضائع کر رہا ہے یا گپ شپ، سیر و تفریح اور لغو و لایعنی چیزوں میں برباد کر رہا ہے، آج اس کو کچھ احساس نہیں کہ اس کا کتنا بڑا خزانہ خود اس کے اپنے ہاتھوں لٹ رہا ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اہلِ جنّت کو کوئی حسرت نہیں ہوگی، صرف ایک حسرت انہیں بھی رہے گی کہ انہوں نے اپنی عمر کا قیمتی حصہ بےمقصد کیوں ضائع کردیا؟ ایک روایت میں ہے کہ انسانی عمر کے لمحات قیامت کے دن ڈبیوں کی شکل میں آدمی کے سامنے پیش ہوں گے، جس ڈبیہ سے نیک عمل نکلے گا اس پر اسے بےحد خوشی ہوگی، جس ڈبیہ سے بُرا عمل نکلے گا اس پر اسے نہایت ندامت اور شرمساری ہوگی، اور جو ڈبیہ ضائع

نکلے گی اس پر اسے حسرت و پشیمانی ہو گی۔

اور بعض لوگ اس گوہرِ بے بہا کو خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے کہ کسی کے پاس سونے چاندی، ہیرے اور جواہرات کا ذخیرہ ہو اور وہ اس کو سانپوں، بچھوؤں اور کیڑے مکوڑوں کے جمع کرنے پر خرچ کرے، الغرض جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے عقل و بصیرت عطا فرمائی ہے اور وہ اپنی عمر کو اس سے زیادہ قیمتی چیز پر خرچ کر رہے ہیں وہ تو نفع میں ہیں، ان کے علاوہ وہ سارے لوگ خسارے میں ہیں جن کی صحت و فراغت اور زندگی کی تمام صلاحیت یا تو رائیگاں جا رہی ہے یا دُنیا کا پاخانہ جمع کرنے پر خرچ ہو رہی ہے، یا گناہوں کے سانپ اور بچھو سمیٹنے میں لگ رہی ہے۔

آنحضرت ﷺ صحت و فراغت کو نعمت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے بہت ہی کم لوگ ہیں، ورنہ اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اس نعمت کی ناشکری کے مرتکب ہیں، ان کو یہ نعمتیں بغیر کسی محنت کے مفت مل گئی ہیں اس لئے انہیں آج ان کی کوئی قدر نہیں، ان کی قدر کل ہو گی جب یہ دولت ان سے چِھن جائے گی اور وہ خالی ہاتھ بیک بینی و دو گوش اس محفل سے اُٹھا دیئے جائیں گے۔

ایک جوہری جو اپنے جوہر کی قدر و قیمت سے شناسا ہو، اس کی قیمت وصول کرنے کے لئے کباڑیوں کی دُکان پر نہیں جایا کرتا، نہ وہ بھنگیوں کے محلے میں اس کی قیمت لگاتا ہے، وہ کسی قدر شناس بادشاہ کی بارگاہ کا رُخ کیا کرتا ہے جو اس اَنمول موتی کی قیمت بھی پوری پوری ادا کر دے اور گوہر کے بابِ عالی میں پیش کرنے پر اِنعام و خلعت سے بھی نوازے۔

انسانی زندگی کے جوہری انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ جوہر کتنا قیمتی ہے، اسے کون خرید سکتا ہے اور اس کی قیمت کیا ہو سکتی ہے؟ اس لئے وہ انسانوں کو دُنیا کے کباڑ خانے میں اس کی نیلام چکانے، نادار مخلوق کے ہاتھ اسے فروخت کرنے سے منع کرتے ہیں، وہ انسانیت کو بتاتے ہیں کہ قدرت کا یہ عطیہ، جسے تم ''زندگی'' کہتے ہو، اتنا قیمتی ہے کہ اس دُنیا کے سارے خزانے اس کے مقابلے میں پتھروں کے ڈھیر ہیں، کیا تم یہ ہیرا ہاتھ سے دے کر پتھر خرید لو گے؟ دُنیا کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی تمہاری زندگی کی قیمت ادا نہیں کر سکتا، اور ساری دُنیا اپنی نعمتوں اور لذتوں سمیت اس ہیرے کی قیمت نہیں بن سکتی، اس کی قیمت صرف شہنشاہِ مطلق ہی ادا کر سکتا ہے اور اس کی قیمت دائمی اور اَبدی زندگی ہی ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل ارشاد میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ

بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَالْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ (التوبہ)

پانچ باتوں کا عہد

[حدیث: ۱۹۹] ”عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يَأْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَآءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَّعْمَلُ بِهِنَّ؟ فَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: قُلْتُ: أَنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ! فَأَخَذَ بِيَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا وَّقَالَ: اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ، وَأَحْسِنْ اِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ، فَاِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب الصِّحَّةِ وَالْفَرَاغِ، حدیث: ۲۲۲۷)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو مجھ سے یہ کلمات لے، پس ان پر خود عمل کرے یا کسی کو بتادے جو ان پر عمل کرسکے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں لوں گا۔ پس آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ باتیں شمار کیں اور فرمایا:

۱:... اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرو، سب سے بڑے عابد بن جاؤ گے۔

۲:... اللہ نے تقسیم کرکے جو حصہ تمہیں دے دیا ہے اس پر راضی ہوجاؤ، سب سے بڑے غنی ہوجاؤ گے۔

۳:... ہمسایہ سے حسنِ سلوک کرو، مؤمن بن جاؤ گے۔

۴:... لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو، مسلمان بن جاؤ گے۔

۵:... زیادہ نہ ہنسا کرو، کیونکہ زیادہ ہنسی سے دِل مردہ ہوجاتا ہے۔“

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر اِرشاد نہایت اہم ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی تکمیل میں ایک دُوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: ”کون ہے جو مجھ سے یہ کلمات سیکھ لے؟“ مزید اہتمام کے لئے تھا اور واقعی یہ پانچ اُصول جو اس حدیث میں ارشاد ہوئے ہیں بہت ہی قیمتی ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے ہی اہتمام سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اور ایک، دو، تین، چار، پانچ تک گن کر ان کی تعلیم دی۔

اور پھر مزید اہتمام کے لئے یہاں تک فرمایا کہ سیکھ تو ہر شخص لے، پھر اگر خدانخواستہ ان پر خود عمل نہ

کر سکے تو کسی دُوسرے کو بتادے تاکہ وہ اس پر عمل کر سکے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دِین اور حکمت کی بات کا سیکھ لینا نفع سے خالی نہیں، کبھی نہ کبھی آدمی کو اس پر عمل کی توفیق ہو ہی جاتی ہے، اور نہ بھی ہو تو دُوسروں کو بتا کر عمل کے راستے پر ڈال سکتا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ بےعمل آدمی بھی دِین کی بات بتا سکتا ہے، دِین کی باتوں کو ایسا سمجھنا چاہئے جیسا بیماریوں کے نسخے۔ اب اگر کسی مریض کو اپنی بیماری کا نسخہ تو معلوم ہے مگر اس نسخے کا استعمال نہیں کرتا، یا علاج میں پرہیز سے کام نہیں لیتا تو یہ اس کی محرومی ہے، لیکن وہ دُوسرے مریضوں کو نسخہ تو بتا سکتا ہے، اور اگر وہ اس کا صحیح استعمال کرلیں تو ضرور شفایاب ہوں گے، بلکہ ان کو شفایاب دیکھ کر پہلے مریض کی بھی ہمت بڑھے گی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ جب دُوسرے لوگوں کو اس کے بتائے ہوئے نسخے سے شفایابی ہو رہی ہے تو وہ کیوں محروم رہے؟ الغرض! عالم بےعمل کی حالت قابلِ افسوس بلکہ قابلِ رحم ہے کہ اسے حکمتِ نبوّت کے نسخے معلوم ہیں مگر وہ اس سے محروم ہے، لیکن دُوسرے لوگوں کو اس کی بےعملی اور محرومی پر نظر نہیں رکھنی چاہئے، بلکہ اس سے دِینی حکمت کی باتیں سیکھ کر ان پر عمل کرنا چاہئے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان باتوں پر خود عمل کرے، یا کسی ایسے شخص کو سکھادے جو اس پر عمل کر سکے۔

۱:... پہلی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ: ”حرام سے بچو، سب سے بڑے عابد بن جاؤ گے“ مُلَّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: ”حرام“ میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جن کا کرنا ممنوع ہے، مثلاً: زنا، چوری، سود، رِشوت وغیرہ وغیرہ، اور وہ چیزیں بھی داخل ہیں جن کا چھوڑنا حرام ہے، مثلاً: نماز چھوڑنا، زکوٰۃ چھوڑنا اور روزہ چھوڑنا۔ غرض انسان کے ذمے جو چیزیں فرض یا واجب ہیں ان کا چھوڑنا حرام ہے، اب اس ارشادِ نبوی کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے بڑا عبادت گزار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض و واجبات کا پابند ہو، اور اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرتا ہو، بہت سے لوگ نوافل اور مستحبات کا تو بہت اہتمام کرتے ہیں مگر فرائض سے بےپروائی کرتے ہیں، مثلاً: ایک شخص کے ذمے قضا نمازیں ہیں، ان کی ادائیگی کی فکر نہیں کرتا مگر نوافل پڑھ رہا ہے، تہجد اور اِشراق تک کی پابندی کر رہا ہے، یا مثلاً: ایک شخص کے ذمے کئی سالوں کی زکوٰۃ فرض ہے یا لوگوں کے قرضے یا غصب کی ہوئی چیزیں اس کے ذمے ہیں، یہ شخص ان کو تو اَدا نہیں کرتا مگر نفلی صدقہ و خیرات میں لگا ہوا ہے، مسجد بنا رہا ہے، مدارس کو چندہ دے رہا ہے، رفاہِ عامہ کے کاموں میں روپیہ لگا رہا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا سخی ہے، بڑا عبادت گزار ہے، مگر درحقیقت یہ نہ سخی ہے، نہ عبادت گزار۔ اگر یہ عبادت گزار ہوتا تو سب سے پہلے ان حقوق و فرائض کو اَدا کرتا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذمے لگائے تھے، اور جب ان سے فارغ ہوجاتا تب نفلی صدقہ خیرات کرتا۔ فرائض کو چھوڑ دینا اور نفلی عبادات یا مستحبات کی فرائض جیسی پابندی کرنا، اس سے دِین میں تحریف پیدا ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو اَصل دِین قرار دیا تھا ان کی حیثیت ثانوی رہ جاتی ہے، اور جو چیزیں اللہ

تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نظر میں اہم نہیں تھیں ان کو دِین و اِیمان کا درجہ مل جاتا ہے۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ نماز، روزے کے تارک ہیں، زکوٰۃ انہوں نے کبھی نہیں دی، میراث میں لڑکیوں کو حصہ وہ نہیں دیتے، سودی کاروبار سے ان کو پرہیز نہیں، دیگر صریح محرّمات کے وہ مرتکب ہیں، معاملات میں جھوٹ، دغا، فریب، سبھی کچھ کرتے ہیں، مگر ہفتے میں ایک خاص دن اور مہینے میں ایک خاص تاریخ کو کھانا کھلانا ان کے نزدیک ایسا ضروری ہے کہ جو شخص اس کا تارک ہو وہ دائرۂ اہلِ حق بلکہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

۲:... اہلِ دُنیا، مال دار اور غنی اس شخص کو سمجھتے ہیں جس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو، جتنی دولت کسی کے پاس زیادہ ہو وہ اتنا ہی بڑا مال دار سمجھا جاتا ہے، لیکن اگر بنظرِ بصیرت دیکھا جائے تو مال و دولت سے آدمی غنی نہیں ہوتا بلکہ زیادہ محتاج ہوتا ہے، جو شخص جتنا زیادہ مال دار ہے اتنا ہی زیادہ فقیر ہے، بقول سعدی رحمۃ اللہ علیہ:

آنانکہ غنی تراند محتاج تراند

وجہ اس کی یہ ہے کہ ''غنی'' وہ شخص کہلاتا ہے جو مستغنی ہو، اور اس کو کسی کی احتیاج نہ ہو، اور ''فقیر'' محتاج کو کہتے ہیں۔ اب دُنیا دار لوگ جتنے زیادہ مال دار ہوتے جائیں گے اسی قدر ان کی محتاجی اور ضرورت بھی بڑھتی جائے گی، مثلاً: غریب آدمی کو دس روپے کی ضرورت ہوگی تو سیٹھ صاحب کو دس لاکھ کی ضرورت ہے، غریب آدمی دس روپے کا محتاج ہے تو یہ بے چارہ دس لاکھ کا محتاج ہے۔ تو جتنا مال بڑھے گا اتنا ہی ضروریات بڑھیں گی اور اسی قدر فقر (حاجت مندی) میں اضافہ ہوتا جائے گا، اس سے ثابت ہوا کہ جن لوگوں نے مال و دولت کا کوڑا جمع کر رکھا ہے اور اپنا دِین بھی اسی میں غارت کر دیا ہے ان کو ''غنی'' کہنا غلط ہے، وہ بے چارے تو ضرورت مند ہیں، محتاج ہیں، فقیر ہیں۔ سوال ہوگا کہ پھر غنی کون ہے؟ اس کے جواب میں کہا جائے گا: سیر چشم! اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔

جس آدمی کو کھانے کی احتیاج ہو وہ ''بھوکا'' ہے اور جس شخص کی یہ حاجت پوری ہو جائے اور اس کا پیٹ بھر جائے وہ ''سیر شکم'' کہلاتا ہے، ایسے آدمی کو آپ اصرار کے ساتھ اچھی سے اچھی اور لذیذ سے لذیذ غذا بھی کھلانا چاہیں تو اس کی طبیعت اس کو قبول نہیں کرے گی، اس کا جواب یہی ہوگا کہ میرے پیٹ میں گنجائش نہیں ہے، تو ''سیر شکم'' آدمی وہ ہے جس کے پیٹ میں مزید گنجائش نہ رہے اور اسے کھانے کی اِشتہا اور بھوک نہ رہے، بلکہ ایک خاص درجے میں کھانے سے نفرت ہو جائے۔

ٹھیک اسی طرح غنی وہ ''سیر چشم'' ہے کہ مال و دولت سے اس کا پیٹ بھر جائے، جتنا اللہ تعالیٰ نے اس کو دے دیا ہے وہ اس پر قانع ہو جائے، بلکہ زائد از ضرورت مال حاصل کرنے سے اسے ایک گونہ نفرت ہو جائے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت وغیرہ کا جتنا حصہ تم کو دے دیا ہے اس

پر راضی ہوجاؤ، سب سے بڑے غنی بن جاؤ گے۔ یہ ہے مال دار بننے کا وہ نسخۂ کیمیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔

صاحبِ مرقاۃ نے حضرت الشیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ کسی نے آپ سے کیمیائی نسخہ پوچھا تو فرمایا: بس دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ مخلوق سے اپنی نظر ہٹالو، اور دُوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ سے یہ طمع ختم کرلو کہ جتنا کچھ وہ تمہارے حصے میں لکھ چکا ہے اس کے علاوہ بھی تمہیں کچھ دے گا۔

اور حضرت پیرانِ پیر شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل کیا ہے:

''یقین رکھو کہ تمہارا مقسوم بغیر طلب کے بھی تمہیں مل کر رہے گا، اور جو کچھ تمہاری قسمت میں نہیں وہ تمہاری حرص اور جدوجہد کے بعد بھی نہیں ملے گا، اس لئے صبر کو لازم پکڑو اور قناعت کا شیوہ اختیار کرو، تاکہ رَبِّ ذُوالجلال تم سے راضی ہوجائے۔''

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص تھوڑے رزق پر اللہ تعالیٰ سے راضی ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے سے عمل سے راضی ہوجاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ غنی بننے کا نسخہ قناعت ہے کہ جتنا کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا کر رکھا ہے اس سے آدمی کی نیت بھر جائے اور دُنیا سمیٹنے کی حرص اس کے دِل سے نکل جائے۔ جب تک یہ دولت میسّر نہ ہو تب تک ہزار قسم کے ساز و سامان کے باوجود بھی آدمی فقیر ہے۔

۳:... تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ ہمسائے کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، مؤمن ہوجاؤ گے۔ ہمسائے کے ساتھ حسنِ سلوک کی بہت ہی تاکید ہے، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہمسائے میں رہتے ہوئے کوئی نہ کوئی ناگوار بات آدمی کو پیش آتی ہی رہتی ہے، اور پھر ہمسائے کے بہت سے نجی حالات اور گھریلو معاملات آدمی کو معلوم ہوتے ہیں، اس لئے بہت ہی کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ہمسائیگی کے حقوق صحیح طور پر بجالائیں، ورنہ اکثر لڑائی جھگڑا کھڑا رہتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اگر نیکی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دیا جائے تو یہ صرف مکافات ہے، اور اگر نیکی کا بدلہ بُرائی کے ساتھ دیا جائے تو یہ کمینہ پن ہے، اور اگر بُرائی کا بدلہ بھلائی کے ساتھ دیا جائے تو یہ احسان ہے۔ اور حدیث پاک میں اسی احسان کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: تم لوگوں کی غلط رِیس کرنے والے نہ بنو کہ تم یوں کہنے لگو کہ: ''اگر لوگ ہم سے بھلائی کریں گے تو ہم بھی ان سے بھلائی کریں گے، اور اگر وہ ہم سے بُرائی کے ساتھ پیش آئیں گے تو ہم بھی یہی کریں گے'' نہیں! بلکہ اگر تم سے دُوسرے لوگ بُرائی کریں تو تم ان سے بھلائی کرو۔

ہمسائے کے ساتھ حسنِ سلوک میں بہت سی باتیں شامل ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے حقوق پورے بجالائے، اس کی اِیذاؤں پر صبر کرے اور اس کی بھلائی اور خیرخواہی میں بھی کوتاہی نہ کرے۔

۴:... چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ تم دُوسروں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، مسلمان ہوجاؤ گے۔ گویا ایک سچے مسلمان کی علامت یہ ہے کہ وہ سب کے لئے سراپا خیر ہو، ایک حدیث میں ہے کہ: مؤمن سراپا اُلفت ہوتا ہے، اور اس شخص میں ذرا بھی خیر نہیں جو نہ خود کسی کے ساتھ اُلفت سے پیش آئے، نہ دُوسرے لوگ اسے اس نظر سے دیکھیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان مأمون رہیں۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہر مسلمان کی خیرخواہی کیا کروں گا۔

کوئی یہ پسند نہیں کرے گا کہ دُوسرے لوگ اس کی جان و مال اور عزّت و آبرو کی طرف ہاتھ اُٹھائیں، یا اس کے ساتھ دغا، فریب اور دھوکا کریں، یا اس کے جائز حقوق غصب کریں۔ اسی طرح ایک سچے مسلمان کی علامت یہ ہے کہ وہ بھی ان تمام باتوں سے پرہیز کرے، کسی مسلمان کو اِیذا نہ پہنچائے، کسی کی غیبت کے ساتھ اپنی زبان ملوّث نہ کرے، کسی کی عزّت و آبرو کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھے۔ الغرض! جن جن چیزوں کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا ان سے خود بھی پرہیز کرے۔

نیک اعمال میں جلدی کرنا چاہئے

[حدیث:۲۰۰] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ سَبْعًا هَلْ تَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا اِلٰی فَقْرٍ مُنْسٍ، أَوْ غِنًی مُّطْغٍ، أَوْ مَرَضٍ مُفْسِدٍ، أَوْ هَرَمٍ مُفْنِدٍ، أَوْ مَوْتٍ مُجْهِزٍ، أَوِ الدَّجَّالَ فَشَرُّ غَائِبٍ یُّنْتَظَرُ، أَوِ السَّاعَةَ فَالسَّاعَةُ أَدْهٰی وَأَمَرُّ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد باب مَا جَاءَ فِي الْمُبَادَرَةِ بِالْعَمَلِ، حدیث:۲۲۲۸)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات چیزوں سے پہلے نیک اعمال جلدی سے کرلو، تمہیں کس چیز کا انتظار ہے سوائے ایسے فقر کے جو آدمی کو اپنے آپ سے بھلادے، یا ایسی مال داری کا جو آدمی کو سرکش بنادے، یا ایسی بیماری کا جو جسم کو ناکارہ کردے، یا ایسے بڑھاپے کا جو آدمی کو سٹھیادے، یا موت کا جو یہاں سے کوچ کرادے، یا دجال کا، پس دجال ایک غائب شر ہے جس کا انتظار ہے، یا قیامت کا، پس قیامت بہت ہی ہولناک اور تلخ حقیقت ہے۔“

تشریح: اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عمر، صحت اور فراغت کی نعمت سے

نوازا ہو، اسے زندگی کے ہر لمحے کو غنیمت سمجھ کر نیک اعمال اور آخرت کی تیاری میں خرچ کرنا چاہئے، خدا جانے کل کیا مانع پیش آجائے اور آدمی آخرت کے لئے نیک اعمال کا خاطر خواہ ذخیرہ جمع نہ کر سکے۔

نفس و شیطان آدمی کو پٹی پڑھاتے ہیں کہ میاں! ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے؟ چار دِن خوب عیش کرلو اور پھر توبہ کرلینا اور نیک عمل بھی کرلینا، ابھی کیا جلدی ہے؟ آنحضرت ﷺ اسی شیطانی و نفسانی وسوسے کا جواب ارشاد فرمارہے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہو وہ آج ہی نیک اعمال میں سبقت کرے، خدا جانے کل کیا ہو؟ ہوسکتا ہے کہ خدانخواستہ کل آدمی ایسا فقیر ہوجائے کہ پیٹ کی فکر میں اسے اپنے آپ کا ہوش نہ رہے، یا ایسا مال دار ہوجائے اور نو دولتی کے نشے میں ایسا مست ہو کہ خدا سے سرکش ہوجائے اور نیک اعمال کی توفیق سلب ہوجائے، یا کسی بیماری یا حادثے کا شکار ہو کر اُٹھنے بیٹھنے سے ہی لاچار ہوجائے، اور اگر فرض کروان میں سے کوئی حادثہ بھی پیش نہیں آتا تو جوانی کے بعد بڑھاپے کی آفت سامنے ہے، جس میں آدمی کے اعضا جواب دے دیتے ہیں اور جسم کی قوّتیں ساتھ چھوڑ دیتی ہیں، اور پھر موت ہر شخص کے سامنے کھڑی ہے، وہ جب آئے گی تو یہاں سے کوچ کرتے ہی بنے گی، اور اگر کسی کو شیطان کی طرح قیامت تک کی زندگی بھی فرض کرو مل جائے تو دجال کے فتنے کا سامنا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کے خاص مقبول بندے ہی محفوظ رہیں گے، اور پھر اس کے بعد قیامت کا سامنا ہے جس سے بڑھ کر کوئی آفت اور تلخ حادثہ نہیں۔ جس شخص کے سامنے اتنی آفات منہ کھولے کھڑی ہوں وہ اگر اپنا وقت لیت و لعل اور آج کل میں ضائع کردے، اس سے بڑا احمق کون ہوگا...؟

آنحضرت ﷺ کا اپنی قوم کو ڈرانا

[حدیث:۲۰۱] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء) قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا صَفِيَّةُ بِنْتُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ! يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ! يَا بَنِىْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ! اِنِّىْ لَا أَمْلِکُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، سَلُوْنِىْ مِنْ مَّالِىْ مَا شِئْتُمْ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جَاءَ فِي إِنْذَارِ النَّبِيِّ، حدیث:۲۲۳۲)

ترجمہ: ”اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ”اور ڈرایئے اپنے نزدیک کے قبیلے والوں کو“ (الشعراء:۲۱۴) تو رسول اللہ ﷺ نے (اپنے عزیز و اقارب، خویش، قبیلے کو جمع کرکے ایک ایک کا نام لے کر) فرمایا:

اے صفیہ بنتِ عبدالمطلب! (یہ آپ کی پھوپھی تھیں)، اے فاطمہ بنتِ محمد! (صلی اللہ علیٰ ابیہا وعلیہا وسلم)، اے عبدالمطلب کی اولاد! میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا (چنانچہ جب تک تم دِینِ حق کو قبول نہ کرو، میں تمہاری شفاعت بھی نہیں کرسکتا، نہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکتا ہوں، لہٰذا آخرت کی نجات تو صرف دِینِ اسلام کو قبول کرنے پر موقوف ہے، ہاں!) میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے مانگ لو (اس کے دینے کا بے شک اختیار رکھتا ہوں)۔''

تشریح: دِین کی دعوت وتبلیغ کے دواُصول ہیں، ترغیب اور ترہیب۔ ''ترغیب'' سے مراد یہ ہے کہ ایمان اور اَعمالِ صالحہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے آخرت کی جن نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے وہ یاد دِلایا جائے، اور ''ترہیب'' سے مراد یہ ہے کہ کفر وشرک اور گناہوں کی جو سزائیں ملنے والی ہیں ان سے ڈرایا جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو دعوت دی، جب وہ جمع ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے خطابِ عام بھی فرمایا اور قریش کی الگ الگ شاخوں اور ممتاز افراد سے خطابِ خاص بھی فرمایا۔ چنانچہ فرمایا: اے کعب بن لوی کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے مرہ بن کعب کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے عبدشمس کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے عبدمناف کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے ہاشم کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے عبدالمطلب کی اولاد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے فاطمہ! اپنے آپ کو آگ سے بچا، میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، البتہ تمہارے ساتھ جس رشتے کا تعلق ہے اس کے حقوق ادا کرتا رہوں گا (صحیح مسلم)۔

اور صحیح بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جماعتِ قریش! اپنی جانوں کو خریدلو (یعنی ایمان لاکر دوزخ سے بچالو)، میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکتا، اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تیرے کسی کام نہیں آؤں گا، اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تیرے کسی کام نہیں آؤں گا، اے محمد کی بیٹی فاطمہ! میرے مال میں سے جو چاہے مانگ، مگر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تیرے کسی کام نہیں آؤں گا (مشکوٰۃ ص:۴۶۰)۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھ کر قریش کے خانوادوں کو پکارنے لگے، اے بنوفہر! اے بنوعدی! یہاں تک جب سب لوگ جمع ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر میں تم کو خبر دُوں کہ اس وادی میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم میری تصدیق کروگے؟ سب بیک آواز بولے: ہاں! اس لئے کہ ہمیں تجربہ ہے کہ آپ سچ کہنے

کے عادی ہیں، آپ کے منہ سے کبھی غلط بات نہیں سنی گئی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے اس سے ڈرانے والا ہوں (صحیح بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ص: ۴۶۰)۔

اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کی فضیلت

[حدیث: ۲۰۲] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا یَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَکٰی مِنْ خَشْیَةِ اللّٰہِ حَتّٰی یَعُوْدَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ، وَلَا یَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جَاءَ فی فضل البکاءِ، حدیث: ۲۲۳۳)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں داخل ہوگا آگ میں وہ شخص جو رویا اللہ تعالیٰ کے خوف سے، یہاں تک کہ واپس چلا جائے دُودھ تھنوں میں (اور اس کا واپس جانا ازبس دُشوار ہے، لہٰذا خوفِ خداوندی سے رونے والے کا دوزخ میں جانا بھی دُشوار ہے)، اور (یہ بھی ارشاد فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ کے راستے میں لگا ہوا غبار اور جہنّم کا دُھواں دونوں جمع نہیں ہوسکتے (یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے راستے کا غبار پہنچا، اسے دوزخ کا دُھواں نہیں پہنچے گا)۔“

تشریح: اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا بہت ہی پسندیدہ عمل ہے، اس سے دِل کی کثافتیں اور غلاظتیں دُھل جاتی ہیں، اور غفلت اور معاصی کی وجہ سے دِل پر سیاہی اور گرد و غبار کی جو تہہ جم جاتی ہے وہ آنکھوں کے ایک قطرے سے (جو خوفِ اِلٰہی کے سبب نکلا ہو) صاف ہوجاتی ہے، نامۂ اعمال کی سیاہی کو سات سمندر نہیں دھو سکتے، مگر اَشکِ چشم کے ایک دو قطرے نامۂ اعمال کی صد سالہ سیاہی کو دھوڈالتے ہیں، اسی بنا پر اللہ کے خوف سے رونے کی فضیلت کا مضمون بہت سی احادیث میں آیا ہے۔ ایک حدیث میں ان سات اَشخاص کا ذکر آتا ہے جنھیں عرشِ اِلٰہی کے سایۂ رحمت میں جگہ ملے گی، ان میں ایک وہ خوش بخت بھی ہوگا جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں اور آنسو بہہ نکلے۔ (صحیحین) ایک اور حدیث میں ہے کہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا، پس اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر زمین پر گر گئے اسے قیامت کے دن عذاب نہ ہوگا (مستدرک)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: تین آنکھیں آگ کو نہیں دیکھیں گی، ایک وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہرہ دیا، دُوسری وہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی، اور تیسری وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کے دیکھنے سے باز رہی (طبرانی)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ کو دو قطروں اور دو

نشانوں سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں، ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے نکلے، دُوسرے اس خون کا قطرہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہایا جائے، اور نشانوں میں سے ایک وہ نشان جو (زخم کی صورت میں) اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہنچے، اور دُوسرا وہ نشان جو اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کسی فریضے کے ادا کرنے سے حاصل ہو (ترمذی)۔ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نجات کی کیا صورت ہے؟ فرمایا: اپنی زبان کو بند رکھا کر، اپنے گھر میں سمٹ کر رہ اور اپنی غلطیوں پر رویا کر (ترمذی)۔

دُوسرا مضمون اللہ تعالیٰ کے راستے کے غبار کی فضیلت کا ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس کے بھی بہت سے فضائل آئے ہیں، جو حدیث کی کتابوں میں ''کتابُ الجہاد'' کے تحت ذکر کئے گئے ہیں۔

یہاں تین چیزوں کی وضاحت ضروری ہے، ایک یہ کہ جن اعمال کی یہ فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے کرنے سے جنّت واجب ہوگی یا دوزخ حرام ہوجائے گی، یہ ان اعمال کی ذاتی خاصیت ہے اور اس خاصیت کے ظہور کے لئے ضروری ہے کہ کوئی قوی مانع اس کے روکنے والا موجود نہ ہو، اس کی مثال بالکل ایسی سمجھنی چاہئے کہ طب کی کتابوں میں ادویات کے جو فوائد درج ہوتے ہیں، وہ اسی وقت ظاہر ہوسکتے ہیں جبکہ ان فوائد کو روکنے والی بدپرہیزی سے بھی احتراز کیا جائے، اگر ایک شخص دوائی بھی استعمال کرتا ہے، مگر اس کے ساتھ بدپرہیزی بھی کرتا ہے اگر اس کو دوائی پورا فائدہ نہ دے تو اس کو شکایت دوائی کی نہیں بلکہ اپنی بدپرہیزی کی کرنی چاہئے۔ اسی طرح جو شخص کوئی ایسا نیک عمل کرتا ہے جس پر جنّت کا وعدہ فرمایا گیا ہے لیکن ساتھ ہی خدانخواستہ کسی کبیرہ گناہ کا بھی مرتکب ہے، مثلاً: لوگوں کے حقوق دبالیتا ہے تو اس کی بدپرہیزی کے سبب اگر اس نیک عمل کا پورا فائدہ ظاہر نہ ہو تو اس عمل کا قصور نہیں بلکہ اس کی بدپرہیزی کا قصور ہوگا۔ الغرض! عمل کی خاصیت الگ چیز ہے اور اس کا ظہور کسی خاص آدمی میں ہوگا یا نہیں؟ یہ ایک دُوسری بات ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا توبہ و اِستغفار ہی کی شکل ہے، اس لئے اس کے ذریعے اِن شاء اللہ اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو ہی جائیں گے اور اس کے ذمے اگر کچھ حقوق و فرائض ہوں تو ان کو ادا کرے، اور آئندہ کے لئے تمام گناہوں سے باز رہنے کا عزم کرے، اور کبھی غفلت اور کوتاہی ہوجائے تو فوراً توبہ کی تجدید کرلیا کرے، ایسا شخص اِن شاء اللہ جنّت میں جائے گا۔

دوم:... اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا بہت ہی پسندیدہ عمل ہے، مگر ہے غیراختیاری، اس لئے اگر کوئی شخص خداترس ہو مگر اسے رونا نہ آئے تو اسے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ حدیثِ پاک میں ارشاد ہے کہ: اگر رونا نہ آئے تو رونے کی شکل بنالی جائے۔ دراصل بارگاہِ خداوندی میں بندے کی عجز و بے چارگی اور تذلل کی قیمت ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے جتنی عاجزی اختیار کی جائے کم ہے۔

سوم:... ''فی سبیل اللہ'' کے جو فضائل احادیث میں بیان فرمائے گئے ہیں ان کا اعلیٰ مرتبہ تو ''جہاد

فی سبیل اللہ" ہے، مگر خود جہاد بھی اعلائے کلمۃ اللہ (اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے) کے لئے ہوتا ہے، اس لئے دِین کی تعلیم و تبلیغ بھی اسی کے ضمن میں آتی ہے۔

اِرشادِ نبوی: "جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جان لیتے تو کم ہنسا کرتے"

[حدیث: ۲۰۳] "عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنِّیْ أَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ، وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ، أَطَّتِ السَّمَآءُ وَحُقَّ لَهَا أَنْ تَأَطَّ مَا فِيْهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ لله سَاجِدًا، وَاللهِ! لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا، وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُوْنَ اِلَى اللهِ، لَوَدِدْتُ أَنِّیْ كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ۔" (رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جَاءَ فِی قول النبی، حدیث ۲۲۳۴)

ترجمہ: "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، اور وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان جلالِ اِلٰہی کی ہیبت سے چرچراتا ہے، اور اسے چرچرانا چاہئے بھی۔ اس میں چار اُنگشت کی جگہ بھی ایسی نہیں کہ کوئی فرشتہ اپنی پیشانی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے میں نہ رکھے ہوئے ہو۔ اللہ کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں، اگر تمہیں اس کا علم ہوجاتا تو تم بہت کم ہنسا کرتے اور بہت زیادہ رویا کرتے، اور تم نرم و گداز بستروں پر عورتوں سے لطف اندوز نہ ہوتے، بلکہ تم اللہ کے سامنے دھاڑیں مارتے ہوئے جنگلوں کو نکل جاتے۔ پھر فرمایا: کاش! میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا (اور دُوسری روایتوں میں ہے کہ یہ آخری فقرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمودہ نہیں، بلکہ راویٔ حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اور یہی صحیح ہے)۔"

[حدیث: ۲۰۴] "عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا، هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جَاءَ فِی قول النبی، حدیث: ۲۲۳۵)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم کو ان سب باتوں کا علم ہوجاتا جن کا مجھے علم ہے تو تم بہت کم ہنسا کرتے اور بہت رویا کرتے۔"

تشریح: یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کے جلال و جبروت کا مشاہدہ جو مجھے حاصل ہے، جنّت و دوزخ کے جو

نقشے میرے سامنے ہیں، موت و مابعد الموت اور میدانِ قیامت کی جو کیفیتیں مجھے معلوم ہیں، ملائکہ مقرّبین کا عظمت و ہیبتِ خداوندی سے تھرتھرانے کا جو حال میں دیکھ رہا ہوں، یہ ساری باتیں اگر تمہیں معلوم ہوجاتیں تو تمہیں ہنسی کھیل نہ سوجھتا، بلکہ تمہارا پتا پانی ہوجاتا، اور تم دیوانہ وار روتے اور دھاڑیں مارتے ہوئے جنگلوں کا رُخ کرتے۔

اس حدیثِ پاک سے منصبِ نبوّت کی رِفعت و بلندی اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حوصلے اور قوّتِ برداشت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کچھ دیکھتے تھے جو دُوسرے نہیں دیکھ سکتے، وہ کچھ سنتے تھے جس کے سننے سے دُوسرے عاجز تھے، جنّت و دوزخ کے نقشے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھے، ہیبت و جلالِ الٰہی کا منظر پیشِ نظر تھا، ملأ اعلیٰ میں فرشتوں کی تسبیح و تقدیس اور تضرّع کی آوازیں گوش مبارک میں آرہی تھیں، مگر ان تمام اُمور کے باوجود معمولاتِ زندگی میں فرق نہیں آتا تھا، جبکہ یہی باتیں کسی دُوسرے پر منکشف ہوجاتیں تو وہ ان کی تاب نہ لاسکتا۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ قیامت کا منظر جب لوگوں کے سامنے آئے گا تو وہ مدہوش اور کھوئے سے نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے، بلکہ عذابِ الٰہی کی شدّت کو دیکھ کر ہوش اُڑ جائیں گے۔

لوگوں کو ہنسانے کے لئے بات کرنا

[حدیث:۲۰۵] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ لَا یَرٰی بِهَا بَأْسًا یَهْوِیْ بِهَا سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا فِی النَّارِ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جَاءَ من تکلم بالکلمة، حدیث:۲۲۳۶)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بعض دفعہ آدمی ایک بات کہتا ہے جس (کے انجام) کی طرف اسے دھیان بھی نہیں ہوتا، مگر وہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر مبغوض اور ناپسندیدہ ہوتی ہے کہ آدمی اس کی وجہ سے ستر سال کی مسافت پر جہنّم میں جاگرتا ہے۔“

تشریح: اس حدیثِ پاک میں زبان کی بے احتیاطی پر تنبیہ کی گئی ہے، یعنی بسااوقات آدمی ایک بات کو بہت معمولی سمجھ کر کرتا ہے، اور اسے یہ خیال تک نہیں ہوتا کہ یہ بات کتنی سنگین اور غضبِ خداوندی کا موجب ہوسکتی ہے، مثلاً: کسی کا مذاق اُڑاتا ہے، کسی کی غیبت کرتا ہے، اَحکامِ اِلٰہیہ کے بارے میں کوئی غلط رائے زنی کرتا ہے، کسی مسلمان کی بے آبروئی کرتا ہے، منہ سے کوئی کلمۂ کفر بکتا ہے، اور ان ساری باتوں کو معمولی سمجھتا ہے اور مزے لے لے کر لوگوں کے سامنے ان کو بیان کرتا ہے، لوگ اس کی ان باتوں سے لطف

اندوز ہوتے ہیں، مگر یہ باتیں جو اس کے خیال میں بس معمولی سی ہیں، اس کے حق میں غضبِ الٰہی کا اور نعوذ باللہ بعض اوقات سلبِ ایمان کا موجب بن جاتی ہیں۔

[حدیث:۲۰۶] ”عَنْ جَدِّیْ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: وَیْلٌ لِلَّذِیْ یُحَدِّثُ بِالْحَدِیْثِ لِیُضْحِکَ بِهِ الْقَوْمَ فَیَکْذِبُ، وَیْلٌ لَهٗ! وَیْلٌ لَّهٗ! وَفِی الْبَابِ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جَاءَ من تکلم بالکلمۃ، حدیث:۲۲۳۷)

ترجمہ: ”حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو لوگوں کے ہنسانے کے لئے بات کرے تو جھوٹ بولے، اس کے لئے ہلاکت ہے، اس کے لئے ہلاکت ہے۔“

تشریح: ایک تو لوگوں کو ہنسانا ہی ایک مسخرہ پن اور حلم و وقار کے منافی ہے، پھر اس مقصد کے لئے جھوٹی اور فرضی باتیں تراشنا اور بھی بُرا ہے، خصوصاً اگر اس کی اس غلط بیانی سے کسی مسلمان کی تحقیر یا کسی کی بے آبروئی ہوتی ہو تو اس کی ہلاکت میں کیا شک ہے؟ تاہم دِل لگی اور مزاح کے طور پر اگر کوئی بات کی جائے (جو خلافِ واقعہ نہ ہو) وہ اس حدیثِ پاک کی وعید میں داخل نہیں ہے۔

بے مقصد باتوں سے پرہیز کی تاکید

[حدیث:۲۰۷] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ: تُوُفِّیَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِهٖ، فَقَالَ یَعْنِیْ رَجُلًا: أَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ! فَقَالَ رسول اللہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَوَ لَا تَدْرِیْ فَلَعَلَّهٗ تَکَلَّمَ فِیْمَا لَا یَعْنِیْهِ أَوْ بَخِلَ بِمَا لَا یَنْقُصُهٗ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جَاءَ من تکلم بالکلمۃ، حدیث:۲۲۳۸)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص کی وفات ہوئی تو کسی شخص نے (اسے مخاطب کرکے) کہا: ”تجھے جنّت کی خوشخبری ہو!“ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تجھے کیا خبر ہے؟ شاید اس نے کبھی کوئی بے مقصد لفظ بولا ہو، یا ایسی چیز کے دینے میں بخل کیا ہو جو کم نہیں ہوتی۔“

[حدیث:۲۰۸] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قال رسول اللہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جَاءَ من تکلم بالکلمۃ، حدیث:۲۲۳۹)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو ترک کردے جو اس کے (دِین یا دُنیا کے) کام کی نہیں۔''

[حدیث: ۲۰۹] ''عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ۔''

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جَاءَ من تکلم بالکلمة، حدیث: ۲۲۴۰)

ترجمہ: ''حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے ایک یہ ہے کہ غیر مفید باتوں کو ترک کردے۔''

تشریح: جو باتیں یا کام شرعاً ممنوع نہیں، ان کو ''مباح'' کہا جاتا ہے، یعنی ان کا کرنا جائز ہے، پھر مباحات کی دو قسمیں ہیں، بعض تو وہ ہیں جن میں دِین کا یا دُنیا کا کوئی فائدہ ہو، اور بعض ایسی بے مقصد اور بے فائدہ ہیں جن میں نہ دُنیا کا نفع ہو، نہ آخرت کا۔ ایسی چیزوں کو ''لایعنی'' کہا جاتا ہے، اور ان ارشاداتِ طیبہ میں ایسی لایعنی اور بے مقصد باتوں کے چھوڑنے کی ترغیب دی گئی ہے، اس لئے کہ آدمی کی زندگی بے مقصد چیز نہیں کہ اسے بے مقصد باتوں میں کھویا جائے، یہ بہت ہی قیمتی چیز ہے اس لئے اس کو زیادہ سے زیادہ قیمتی بنانا ہی عقل مندی ہے، اس لئے ایک مسلمان کے اسلام کا حسن اور خوبی اسی میں ہے کہ اپنے اوقاتِ عزیز کو بے مقصد چیزوں اور باتوں میں ضائع ہونے سے بچائے اور اس خداداد نعمت کی صحیح قدر پہچانے۔

جو شخص شغلِ بے کاری میں مشغول ہوکر اپنے اوقات ضائع کرتا ہے، قیامت کے دن اس کو حسرت و افسوس کا سامنا کرنا پڑے گا، اور ہوسکتا ہے کہ اس سے اس پر مناقشہ بھی کیا جائے کہ زندگی کے اوقات کو بے کار ضائع کرکے اس نعمت کی ناقدری و ناشکری کیوں کی؟

اسی بنا پر جب ایک صحابی نے فوت ہونے والے کو جنّت کی مبارک باد دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ کہہ کر ٹوک دیا کہ تجھے کیا خبر؟ شاید اس نے کبھی کوئی بے مقصد لفظ بولا ہو جس پر اس سے مناقشہ کیا جائے، یا اس نے کسی ایسی چیز کے دینے میں بخل سے کام لیا ہو جو خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتی، مثلاً: علم کی بات بتانا، یا ضرورت مند کو آگ دے دینا۔

اس حدیثِ پاک سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ بے مقصد باتیں کرنا اور ایسی چیزوں میں بخل کرنا بُری بات ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مرنے والے کی تعریف میں مبالغہ نہ کیا جائے، اور نہ اس کے جنتی ہونے کا قطعی حکم لگایا جائے، ہاں! ایک مسلمان کے بارے میں نیک گمان رکھنے کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنی رحمت وفضل سے اس کی بخشش فرمادی ہوگی۔

کم گوئی کا بیان

[حدیث:۲۱۰] ”عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، ثَنِیْ أَبِیْ عَنْ جَدِّیْ قَالَ: سَمِعْتُ بِلَالَ بْنَ الْحَارِثِ الْمُزَنِیَّ صَاحِبَ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّ أَحَدَکُمْ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَۃِ مِنْ رِضْوَانِ اللہِ مَا یَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَیَکْتُبُ اللہُ لَہٗ بِھَا رِضْوَانَہٗ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَاہُ، وَاِنَّ أَحَدَکُمْ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَۃِ مِنْ سَخَطِ اللہِ مَا یَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ، فَیَکْتُبُ اللہُ عَلَیْہِ بِھَا سَخَطَہٗ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَاہُ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جَاءَ فی قلۃ الکلام، حدیث:۲۲۴۱)

ترجمہ: ”حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: بے شک تم سے ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا لفظ کہہ دیتا ہے، اس کو یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ وہ کس مرتبے کو پہنچے گا، مگر اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کلمے کی بدولت ہمیشہ کے لئے اپنی رضامندی لکھ دیتے ہیں، اور بے شک تم میں سے ایک شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی بات کہہ دیتا ہے، اس کو یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ بھی کوئی ناراضی کی بات ہوگی، مگر اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے اس لفظ کی وجہ سے قیامت تک اپنی ناراضی لکھ دیتے ہیں۔“

تشریح: حدیث کا مضمون واضح ہے کہ بعض اوقات آدمی بعض الفاظ کو معمولی سمجھ کر کہہ دیتا ہے، حالانکہ وہ معمولی نہیں ہوتے، بلکہ ان کی وجہ سے اس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی یا ناراضی کا فیصلہ فرمادیتے ہیں، اس لئے آدمی کو اپنی زبان بڑی احتیاط سے استعمال کرنی چاہئے۔ حضراتِ صوفیہ کرام قدس اللہ اسرارہم نے مجاہدۂ نفس کے چار شعبے قرار دیئے ہیں۔ ۱:... قلّتِ کلام، ۲:... قلّتِ طعام، ۳:... قلّتِ منام، ۴:... قلّتِ اختلاط مع الانام، یعنی کم کھانا، کم سونا، کم بولنا اور لوگوں سے کم ملنا، مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چشم بند، گوش بند ولب بہ بند
گر نہ بینی نورِ حق بر ما بہ خند

واقعی جب تک آدمی فضولیات ولغویات سے چشم بندی، گوش بندی اور لب بندی نہ کرے، وہ نہ دُنیا کے کسی کام کا ہے، نہ دِین کے۔ زبان، حق تعالیٰ شانہٗ کی بہت بڑی نعمت ہے جو اِنسان کو عطا کی گئی ہے، اس

کی قدر ان سے پوچھنا چاہئے جو اس نعمت سے محروم ہیں، لیکن اسی زبان کو جب آدمی فضول باتوں میں استعمال کرنے لگے تو اس سے بڑھ کر اِنسان کا کوئی دُشمن نہیں!

دُنیا میں جس قدر شر و فساد پھیلا ہے، آپ غور کریں گے تو اس کا بیشتر حصہ زبان کی پیداوار نظر آئے گا، حق تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھیں۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں دُنیا کی حقارت و ذِلت

[حدیث:۲۱۱] ”عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ، مَا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شُرْبَةَ مَاءٍ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جَاءَ فی هوان الدنیا علی الله، حدیث:۲۲۴۲)

ترجمہ: ”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دُنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی قدر و قیمت رکھتی تو یہاں کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی پینے کو نہ دیتا۔“

[حدیث:۲۱۲] ”عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ الرَّكْبِ الَّذِيْنَ وَقَفُوْا مَعَ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّخْلَةِ الْمَيِّتَةِ، فَقَالَ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَرَوْنَ هٰذِهٖ هَانَتْ عَلٰى أَهْلِهَا حِيْنَ أَلْقَوْهَا؟ قَالُوْا: مِنْ هَوَانِهَا أَلْقَوْهَا يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: اَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هٰذِهٖ عَلٰى أَهْلِهَا۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جَاءَ فی هوان الدنیا علی الله، حدیث:۲۲۴۳)

ترجمہ: ”حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں اس جماعت میں شامل تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بکری کے مرے ہوئے بچے پر ٹھہری۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ: آپ لوگوں کا کیا خیال ہے، اس مُردار کو جب اس کے مالکوں نے یہاں پھینکا تو یہ ان کے نزدیک ذلیل و بے قدر تھا یا نہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کے بے قدر اور ذلیل ہونے کی وجہ ہی سے تو انہوں نے اسے یہاں پھینکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دُنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جس قدر کہ یہ مردہ بچہ اپنے مالکوں کے نزدیک حقیر اور بے قیمت ہے۔“

فائدہ:... صحیح مسلم میں بروایت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ یہ واقعہ اس طرح آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بکری کے کن کٹے مردہ بچے پر ہوا، جو گندگی کے ڈھیر پر پڑا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ: تم میں کون ہے جو اس کو ایک درہم میں خریدنے پر تیار ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس مردار کو ایک درہم میں کون لے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ کے نزدیک دُنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل وحقیر ہے۔

[حدیث:۲۱۳] ”عَبْدَاللهِ بْنَ ضَمْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: أَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَّا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جَاءَ فِی هوان الدنيا على الله، حديث:۲۲۴۴)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ: دُنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے، صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے متعلقہ چیزیں، اور عالم اور دِین کا طالبِ علم اس ملعونیت سے مستثنیٰ ہیں۔“

[حدیث:۲۱۴] ”حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبِيْ خَالِدٍ، اَخْبَرَنِيْ قَيْسُ بْنُ أَبِيْ حَازِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ مُسْتَوْرِدًا أَخَا بَنِيْ فِهْرٍ قَالَ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ اِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَاذَا تَرْجِعُ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جَاءَ فِی هوان الدنيا على الله، حديث:۲۲۴۵)

ترجمہ: ”حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی مثال ایسی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی اُنگلی دریا میں ڈالے پھر دیکھے کہ وہ کتنا پانی ساتھ لے کر واپس آتی ہے۔“

تشریح: مطلب یہ کہ پانی کا جو قطرہ اُنگلی کو لگے اس کی جو نسبت دریا کے ساتھ ہوسکتی ہے (اور ظاہر ہے کہ اسے دریا سے کوئی نسبت ہی نہیں) بس وہی نسبت ساری دُنیا کو آخرت کے ساتھ سمجھنی چاہئے اور یہ مثال بھی صرف سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ دُنیا کو آخرت کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرے کو دریا سے ہوسکتی ہے، کیونکہ دُنیا فانی بھی ہے اور محدود بھی، اور آخرت لازوال بھی ہے اور غیرمحدود بھی، ظاہر ہے کہ فانی کا باقی کے ساتھ اور محدود کا غیرمحدود کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے انسانوں کو جن علوم سے آگاہ فرمایا ہے ان میں سے ایک آخرت کا علم ہے، عام انسانی عقل صرف دُنیا تک محدود ہے، آخرت تک اس کی رسائی نہیں ہوسکتی تھی، یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی خاص رحمت وعنایت ہے کہ اس نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے بندوں کو آخرت کے حالات سے مطلع فرمایا، اور آخرت کی دائمی اور لازوال نعمتوں کے حاصل کرنے کا طریقہ ارشاد فرمایا۔ جو لوگ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کے بعد بھی آخرت سے غافل اور دُنیا میں منہمک ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ چیونٹی کے انڈے میں جو بچہ ہوتا ہے وہ اسی انڈے کو پوری کائنات سمجھتا ہے اور اس کے نزدیک آسمان وزمین کی وسعتیں اسی انڈے کے قطر تک محدود ہیں، اگر اسے عقل وشعور حاصل ہو اور وہاں اسے یہ بتایا جائے کہ ایک جہان ایسا ہے جس کی وسعتوں کے ساتھ تیرے زمین وآسمان (انڈے کے خول) کو کوئی نسبت ہی نہیں، اور وہاں کی ایک چھوٹی سی ڈبیہ میں تیرے آسمان جیسے لاکھوں کروڑوں سما سکتے ہیں، تو وہ اس خبر پر کبھی یقین نہیں کرے گا، اس لئے کہ اس نے نہ تو باہر نکل کر دُنیا کی وسعتوں کو دیکھا ہے اور نہ اس کے محدود تصوّر میں یہ وسعتیں سما سکتی ہیں۔ ٹھیک یہی مثال اَبنائے دُنیا کی ہے کہ آخرت ان کی نظر سے اوجھل ہے اور ذہن اتنا تنگ اور محدود ہے کہ وہ اس آسمان وزمین سے ورے کسی چیز کا تصوّر ہی نہیں کرسکتا، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پر اِیمان نہیں رکھتے وہ آخرت کے بارے میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی معلومات اور ان کی سچی خبروں کا مضحکہ اُڑاتے ہیں، حالانکہ درحقیقت وہ مسکین، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا مذاق نہیں اُڑاتے بلکہ اپنی محدود عقل اور تنگ نظری کا ماتم کرتے ہیں، کل جب اس چیونٹی کے انڈے کا خول ٹوٹے گا اور آخرت کا وسیع اور غیرمحدود عالم آشکارا ہوگا تو وہ اپنی ناتمام عقل پر خود نادم وشرمندہ ہوں گے۔

ان ارشاداتِ طیبہ میں دُنیا کی حقارت وذِلت اور آخرت کے مقابلے میں اس کی بے وقعتی وبے وقاری کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اگر یقین کی آنکھ سے دیکھا جائے اور دِل کی گہرائیوں میں اُتر جائے تو کوئی عاقل ایک لمحے کے لئے بھی دُنیا سے دِل نہیں لگائے گا، دُنیا کی ذِلت وحقارت کے وجوہ واسباب بے شمار ہیں، ان میں سے چند کی طرف یہاں مختصر اشارہ کیا جاتا ہے:

اوّل:... ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دُنیا مؤمن وکافر، نیک وبد، صالح وفاجر، ہر ایک کے پاس موجود ہے، اور اسے ایک یہودی، ایک چوہڑے چمار اور ایک قادیانی سے عقد کرنے میں بھی عار نہیں، اگر یہ انتہائی درجے کی رذیل اور کمینہ نہ ہوتی تو ایسے رذیلوں سے اس کا کوئی جوڑ نہ ہوتا۔ ایک ایسی بازاری عورت جو ہر چوہڑے چمار سے شب باشی کرنے کی عادی ہو، کون شریف آدمی ہوگا جو اس سے دِل لگائے؟

دوم:... اس رذالت وکمینگی کے ساتھ ساتھ وہ بے وفا ایسی ہے کہ آج ہے، کل نہیں۔ اوّل تو وہ

آدمی کو جیتے جی چھوڑ کر بھاگ جاتی ہے، جیسا کہ بڑھاپے میں ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی نہ ڈھنگ سے کھا سکتا ہے، نہ سوسکتا ہے، نہ چل پھر سکتا ہے، نہ دُنیا کی دُوسری لذّات سے نفع اندوز ہوسکتا ہے، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو خود آدمی ان ساری چیزوں کو چھوڑ چھاڑ کر بیک بینی و دوگوش یہاں سے رُخصت ہوجاتا ہے، اور دُنیا کی ساری لذتیں اس سے جبراً چھین لی جاتی ہیں، پس ایک ایسی چیز جس پر موت کی تلوار ہر وقت لٹک رہی ہو اور جس کے چھن جانے کا کھٹکا ہر دَم لگا رہے، کوئی عاقل اس سے دِل نہیں لگا سکتا۔

ایک عارف کا قول ہے کہ: ''اگر دُنیا میں اور کوئی بُرائی نہ ہوتی اور بالفرض حساب و کتاب کا اندیشہ بھی نہ ہوتا تب بھی اس کی زوال پذیر کیفیت ایسی تھی کہ کوئی عاقل اس سے دِل نہ لگاتا۔'' ایک اور عارف فرماتے ہیں:

حالِ دُنیا را پرسیدم من از فرزانہ
گفت یا ظلے است یا بادیست یا افسانہ!
باز پرسیدم کہ گو آں کس کہ دِل دروے بہ بست
گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانہ!

ترجمہ: ''میں نے ایک دانا سے دُنیا کا حال دریافت کیا، تو فرمایا: اسے سایہ سمجھو، یا ہوا، یا افسانہ۔ میں نے پھر عرض کیا کہ: اس شخص کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو یہاں دِل لگا بیٹھے؟ فرمایا: وہ کوئی جن بھوت ہوگا یا پھر دیوانہ ہوگا۔''

سوم:... دُنیا کی ایک قباحت یہ ہے کہ یہاں کوئی لذّت بھی خالص نہیں، بلکہ ہر لذّت بیسیوں آفات و مصائب میں لپٹی ہوئی ہے، آدمی دو وقت کا کھانا کھاتا ہے، اسی پر غور کرلیا جائے کہ پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے اسے کن مصیبتوں اور مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے؟ اور پھر کھانے کے بعد بیسیوں بیماریاں اور مصیبتیں جنم لیتی ہیں، اور اگر خدا خدا کرکے صحیح ہضم بھی ہوگیا تو اس کا نتیجہ بول و براز جیسی گندگی کی شکل میں رُونما ہوتا ہے، لوگ اس دُنیا میں عزّت و وجاہت اور مال و منال کے پیچھے دوڑتے ہیں، مگر آفات و مصائب اور پریشانیوں کے جال میں گرفتار ہوکر رہ جاتے ہیں، دُنیا کا خاصہ یہ ہے کہ جو شخص جس قدر لذّات کی جستجو کرے گا اسی قدر آفات کا شکار ہوگا، اور جو شخص جس قدر قناعت سے کام لے گا اسی قدر آسودہ رہے گا۔

چہارم:... دُنیا کی ایک خاصیت یہ ہے کہ یہاں کسی کا پیٹ نہیں بھرتا، بلکہ جس قدر دُنیا سمیٹنے کی زیادہ کوشش کرے اسی قدر اس کی بھوک بڑھتی جاتی ہے، بالآخر اِستسقا کے مریض کا سا حال ہوجاتا ہے کہ اگر دریا بھی ہڑپ کرجائے تب بھی پیاس نہیں بجھتی۔ اس لئے عقل مند وہ ہے جو یہاں بقدرِ کفاف پر قناعت کرے اور جُوع البقر میں مبتلا نہ ہو۔

پنجم:... دُنیا کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اس میں آدمی کا انہماک جس قدر بڑھتا ہے اسی قدر آخرت سے غفلت بڑھتی جاتی ہے، گویا دُنیا و آخرت دونوں مخالف سمت میں واقع ہیں کہ ایک کی طرف جتنا قرب ہوگا، دُوسری سے اسی قدر بُعد بڑھتا جائے گا، اور آخرت چونکہ انسان کا اصلی وطن ہے اور حق تعالیٰ کو محبوب ہے، اس لئے دُنیا میں انہماک کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اصلی وطن کی تیاری سے محروم رہ جائے گا۔ اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جو لوگ دُنیا میں منہمک ہوکر آخرت سے غافل ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ کچھ لوگ کشتی میں سوار ہوکر سفر کر رہے تھے، کشتی ایک جزیرے کے ساحل پر ٹھہری، لوگ اپنی ضروریات کے لئے جزیرے میں اُتر گئے، کچھ احمقوں کو وہاں کے سبزہ زار ایسے پسند آئے کہ انہی میں مگن ہوکر رہ گئے، کشتی اپنے وقت پر چھوٹ گئی، اور یہ رات کے وقت جزیرے کے درندوں کا لقمۂ تر بن گئے۔

ششم:... دُنیا کی ایک سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ آدمی کو یہاں کی ہر چیز کا حساب چکانا ہے، ابتدائی زندگی سے لے کر مرنے تک پوری زندگی کی آمد و صَرف کا حساب جس شخص کے سامنے ہو، وہ یہاں کی لذّات سمیٹنے کی درپے ہوگا؟ یا اپنا بوجھ زیادہ سے زیادہ ہلکا رکھنے کی کوشش کرے گا؟ یہاں آدمی یہ سمجھتا ہے کہ جتنی دولت کسی کے پاس زیادہ ہو، اور عیش پرستی اور تنعّم کے اسباب جتنے زیادہ فراہم ہوں، وہ اسی قدر کامیاب ہے۔ مگر کل جب حساب و کتاب کے کھاتے کھلیں گے تب نظر آئے گا کہ اس دُنیا میں جو لوگ جتنے زیادہ ہلکے پھلکے تھے اسی قدر کامیاب نکلے۔ اس لئے یہاں کی کامیابی درحقیقت ناکامی و ہلاکت ہے، اور یہاں کی ناکامی درحقیقت کامرانی ہے۔

یہاں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ قرآنِ کریم اور اِرشاداتِ نبویہ میں جس دُنیا کی مذمت فرمائی گئی ہے کہ اس سے وہ دُنیا مراد ہے جو حق تعالیٰ شانہٗ کی طاعت و بندگی اور آخرت کی تیاری سے غافل کردے، ورنہ دُنیا کی وہ چیزیں جو یادِ اِلٰہی اور یادِ آخرت میں معاون ہوں وہ مذموم نہیں، بلکہ آخرت کے حصول کا ذریعہ ہونے کے لحاظ سے ممدوح ہیں۔

اور یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ دُنیا کی چیزوں کو اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے کمزور بندوں کی معاش کے لئے عطا فرمائی ہیں تو ان کی حیثیت عطیۂ اِلٰہی اور اِنعامِ رَبانی کی ہوجاتی ہے، اس لحاظ سے وہ لائقِ قدر اور مستوجبِ شکر ہیں، اللہ کے مقبول بندے یہاں کے ذرائع واَسبابِ معاش کو اِسی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان پر کریم آقا کا شکر بجالاتے ہیں، اور دُنیا کی یہ نعمتیں ان کے لئے جمال وجلالِ اِلٰہی کے دِیدار کا آئینہ بن جاتی ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ حق تعالیٰ کے اَحکام سے غافل ہوکر دُنیا کی لذّات میں منہمک ہوجاتے ہیں ان کے لئے یہی نعمتیں حق تعالیٰ سے سرکشی اور بغاوت کا ذریعہ بن جاتی ہیں، وہ شکر کے بجائے کفرانِ نعمت کا راستہ اختیار کرلیتے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہٗ اپنی صحیح معرفت نصیب فرمائے اور دُنیا کی حقیقت ہم پر کھول دے، اور یہاں کی تمام چیزوں کو ہمارے لئے اپنی مرضیات کے حصول کا ذریعہ بنادے، آمین!

دُنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنّت ہے

[حدیث:۲۱۵] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیهِ وَسَلَّمَ: اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب مَا جَاان الدنیا سجن المومن، حدیث:۲۲۴۶)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دُنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے، اور کافر کے لئے جنّت ہے۔“

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی میں جو دُنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنّت فرمایا گیا، علمائے اُمّت نے اس کی متعدّد توجیہات فرمائی ہیں، مثلاً: ایک یہ کہ اس حدیث میں مؤمن کی دُنیا کا اس کی جنّت کے ساتھ اور کافر کی دُنیا کا اس کی جہنّم کے ساتھ مقابلہ فرمایا گیا ہے۔

گویا ارشادِ نبوی کا مدّعا یہ ہے کہ مؤمن، دُنیا میں خواہ کتنی ہی راحت و آرام میں ہو، لیکن آخرت اور جنّت کی نعمتوں کے مقابلے میں اس کی دُنیوی راحت و آرام کی وہی حیثیت ہے جو گھر کے مقابلے میں جیل کی ”اے“ کلاس کی ہوا کرتی ہے، اس کے برعکس کافر دُنیا میں خواہ کیسا ہی بدحال اور کشتۂ آلام ہو، مگر دوزخ کی زندگی کے مقابلے میں اس کی یہاں کی زندگی گویا جنّت کہلانے کی مستحق ہے۔

دوم:... یہ کہ دُنیا میں کافر کی بہ نسبت ایک مؤمن کو آفات و مصائب کا سامنا عموماً زیادہ کرنا پڑتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا: سب سے زیادہ آزمائشیں کن لوگوں پر آتی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اَلْأَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ“ (ترمذی ج:۲ ص:۶۲)

یعنی دُنیا میں آفات و مصائب سب سے زیادہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو پیش آتے ہیں، پھر علی الترتیب ان لوگوں کو جو سب سے زیادہ ان حضرات کے نقشِ قدم پر ہوں۔ اس کے برعکس کافر کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل اور مہلت دی جاتی ہے، اس لئے وہ لذّات و شہوات میں غرق رہتا ہے۔ اس بنا پر فرمایا گیا ہے کہ دُنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے، جب وہ اس دُنیا سے رُخصت ہوتا ہے تو گویا اسے قید خانے سے رہائی مل جاتی ہے، جبکہ کافر کے لئے یہ دُنیا خواہشات و لذّات اور عیش پرستی کی جگہ ہے، اور جب وہ یہاں سے رُخصت ہوتا ہے تو اس کی راحت و آرام کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔

سوم:... قید خانے کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں آدمی کی آزادی سلب ہو جاتی ہے، وہ کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور کسی سے ملاقات کرنے میں پابندِ حکم ہوتا ہے، اپنی خواہش سے نہ کھا سکے، نہ اُٹھ بیٹھ سکے، نہ کسی سے ملاقات کر سکے۔ اس کی دُوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہاں اس کے لئے راحت و آرام کا خواہ کتنا ہی سامان جمع کر دیا جائے مگر وہاں اس کا دِل نہیں لگتا، بلکہ اپنے گھر بار اور اہل و عیال میں جانے کے لئے اس کی رُوح ہمیشہ بے چین اور مضطرب رہتی ہے۔ ٹھیک یہی کیفیت ایک مسلمان کی دُنیا کے قید خانے میں ہونی چاہئے کہ وہ یہاں آزاد زندگی نہ گزارے بلکہ اَحکامِ اِلٰہیہ کا پابند ہو، اور پھر اسے یہاں دِل بستگی نہیں ہونی چاہئے بلکہ اپنے وطنِ اصلی کی طرف واپسی کے لئے ہمہ وقت بے چین رہے، یہاں شترِ بے مہار کی سی زندگی گزارنا اور یہاں کی زندگی سے دِل لگا کر بیٹھ جانا کسی مؤمن کے شایانِ شان نہیں۔

یہ چیز ایک ایسے کافر ہی کو زیب دیتی ہے جو آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتا، اور جو اسی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہوئے:

"بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"

کے نظریے پر ایمان رکھتا ہے، دُنیا کی فانی لذّات پر ریجھتا ہے، اور حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز کئے بغیر یہاں کا کوڑا کرکٹ جمع کرنے کے سودا میں مبتلا ہو جانا ایک ایسی حماقت ہے جو کسی مؤمن سے سرزد نہیں ہونی چاہئے، گویا اس حدیثِ پاک میں اہلِ ایمان کو سبق دیا گیا ہے کہ وہ دُنیا کو قید خانہ سمجھیں، یہاں دِل نہ لگائیں، بلکہ اَحکامِ اِلٰہیہ کی پابندی کرتے ہوئے وطنِ اصلی کی تیاری میں مشغول رہیں۔

دُنیا میں چار آدمیوں کی مثال

[حدیث:۲۱۶] "عن ابی كَبْشَةَ الْأَنْمَارِیُّ أَنَّهُ سَمِعَ رسول الله صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: ثَلَاثٌ أُقْسِمُ عَلَیْهِنَّ وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِیْثًا فَاحْفَظُوْهُ! قَالَ: مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِّنْ صَدَقَةٍ، وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَّظْلِمَةً صَبَرَ عَلَیْهَا اِلَّا زَادَهُ اللهُ عِزًّا، وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللهُ عَلَیْهِ بَابَ فَقْرٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا۔ وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِیْثًا فَاحْفَظُوْهُ! فَقَالَ: اِنَّمَا الدُّنْیَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ: عَبْدٍ رَزَقَهُ اللهُ مَالًا وَّعِلْمًا فَهُوَ یَتَّقِیْ فِیْهِ رَبَّهٗ، وَیَصِلُ بِهٖ رَحِمَهٗ، وَیَعْلَمُ اللهُ فِیْهِ حَقًّا، فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ۔ وَعَبْدٍ رَّزَقَهُ اللهُ عِلْمًا وَّلَمْ یَرْزُقْهُ مَالًا، فَهُوَ صَادِقُ النِّیَّةِ یَقُوْلُ: لَوْ أَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ، فَهُوَ بِنِیَّتِهٖ فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ۔ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللهُ مَالًا وَّلَمْ یَرْزُقْهُ عِلْمًا، یَخْبِطُ فِیْ مَالِهٖ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَّا یَتَّقِیْ فِیْهِ رَبَّهٗ، وَلَا یَصِلُ فِیْهِ رَحِمَهٗ، وَلَا یَعْلَمُ اللهُ فِیْهِ

حَقًّا، فَهٰذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ. وَعَبْدٍ لَّمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَّلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُوْلُ: لَوْ أَنَّ لِيْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ، فَهُوَ بِنِيَّتِهٖ فَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ. هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ." (رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء مثل الدنیا، حدیث:۲۲۴۸)

ترجمہ: "حضرت ابوکبشہ اَنماری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: میں تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں، اور تم سے ایک بات بیان کرتا ہوں اسے اچھی طرح ذہن میں بٹھالو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کہ جن تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں، ان میں سے پہلی بات تو یہ ہے کہ) بندے کا مال صدقہ کرنے سے کبھی کم نہیں ہوتا، (کیونکہ صدقے کی بدولت اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور بہت سی آفات جن میں بے دریغ مال صَرف ہوتا، ان سے آدمی محفوظ ہوجاتا ہے، اور پھر صدقے کی بدولت نہ صرف دُنیا میں اس کے مال میں برکت ہوتی ہے بلکہ آخرت میں اسے سات سو گنا تک بدلہ بھی ملے گا) اور (دُوسری بات یہ کہ) جب بھی کسی بندے پر ظلم کیا جائے جس پر وہ صبر کرے (اور جواب میں کوئی انتقامی کارروائی نہ کرے) تو اللہ تعالیٰ اس کی عزّت بڑھا دیتے ہیں، اور (تیسری بات یہ کہ) جب بھی کسی بندے نے (مخلوق سے مانگنے اور) سوال کرنے کا دروازہ کھولا، اللہ تعالیٰ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

اور میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، اسے اچھی طرح ذہن میں بٹھالو! چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دُنیا بس چار (قسم کے) آدمیوں کے لئے ہے، ایک وہ بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا اور (اَحکامِ شرعیہ کا) علم بھی، پس وہ مال کے بارے میں اپنے رَبّ سے ڈرتا ہے (کہ کسی ناجائز ذریعے سے مال سمیٹنے کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ صرف حلال وطیب ذرائع پر قناعت کرتا ہے) اور (پھر مال ہاتھ میں آجانے کے بعد وہ اسے اپنی خواہشات میں نہیں اُڑاتا بلکہ) اس کے ذریعے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس مال میں اللہ تعالیٰ کا حق جانتا ہے (اور اس حق شناسی کی بنا پر جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے، وہاں خرچ کرتا ہے) یہ شخص تو سب سے افضل مرتبے میں ہے۔

دُوسرا وہ بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم تو عطا فرمایا مگر مال نہیں دیا، پس وہ اپنے (علم و معرفت کی وجہ سے) سچی نیت رکھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ: "اگر میرے پاس بھی مال ہوتا

تو میں اس میں وہی عمل کرتا جو فلاں صاحب کر رہے ہیں (اور اس کی طرح مال کو کارِ خیر میں خرچ کرتا)'' پس اس شخص کو اپنی نیت کا ثواب ملے گا، پس ان دونوں شخصوں کا اجر وثواب برابر ہے۔

تیسرا وہ بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال تو دیا مگر علم نہیں دیا، پس وہ اپنے علمی اور جہالت کی وجہ سے مال کو (اپنی خواہشات میں) اندھا دُھند خرچ کرتا ہے، نہ تو (مال کے حاصل کرنے میں) خدا کا خوف رکھتا ہے (کہ حلال وحرام کی تمیز کرے)، اور نہ اس کے ذریعے صلہ رحمی کرتا ہے، اور نہ وہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حق جانتا ہے (اس لئے مال کی تحصیل اور اس کے صَرف کرنے میں کسی حکمِ شرعی کی رعایت نہیں کرتا) یہ شخص بدترین مرتبے میں ہے۔

چوتھا وہ بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نہ تو علم دیا، نہ مال، پس وہ کہتا ہے کہ: ''اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی مال میں فلاں آدمی کی (جس کا ذکر تیسرے نمبر پر ہوا) رَوِش اختیار کرتا (مثلاً: جس طرح اس نے اپنی لڑکی لڑکے کی شادی دُھوم دھام سے کی اور اس میں کنجریاں نچائیں، میں بھی اسی طرح ٹھاٹ سے بچوں کی شادیاں کرتا)'' پس یہ شخص اپنی نیت کی وجہ سے گنہگار رہے، اور ان دونوں کو (جو تیسرے اور چوتھے نمبر پر ذکر کئے گئے ہیں) برابر گناہ ہوگا۔''

تشریح: یہ حدیثِ پاک بہت ہی سبق آموز ہے، اس میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مضمون حلفیہ ارشاد فرمائے ہیں، اور اس حلف کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ عام طور پر لوگوں کا نظریہ اور ان کی رَوِش بالکل اُلٹ ہے، عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صدقہ وخیرات دینے سے مال کم ہوجائے گا، چونکہ مال کی محبّت دِلوں میں جمی ہوئی ہے، اس لئے مال کم ہونے کا خیال صدقہ وخیرات اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے مانع آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگ اپنی ضروریات بلکہ لغو اور مہمل خواہشات پر ہزاروں روپیہ اُڑا دیتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہوئے جان نکلتی ہے، اور اگر خرچ کریں بھی تو نہ صرف فقراء ومساکین پر، بلکہ خدا تعالیٰ پر گویا اِحسان کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں اس ذہنیت کا علاج فرمایا ہے کہ صدقے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ اس میں برکت واضافہ ہوتا ہے، اس لئے خرچ کرنے والوں کا فقراء ومساکین پر کوئی اِحسان نہیں، بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ کا احسان ان خرچ کرنے والوں پر ہے۔

اسی طرح عام خیال یہ ہے کہ جس شخص پر کسی نے ظلم کیا ہو، یا اس کی بے عزّتی کی ہو، اُس کی عزّت خاک میں مل جاتی ہے، چنانچہ لوگ ہتکِ عزّت کا انتقام لینا ضروری سمجھتے ہیں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حلفاً فرماتے

ہیں کہ مظلوم اگر اپنی طرف سے کوئی انتقام نہ لے تو حق تعالیٰ اس کی عزّت و وقار میں اضافہ فرماتے ہیں، اور ایسے شریف انسان کی عزّت لوگوں کے دِلوں میں مستحکم ہوجاتی ہے، اور بسا اوقات خود ظالم بھی نادم وشرمندہ ہوکر اس سے معافی مانگنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ ظالم سے اس کے ظلم کا بدلہ لینا اگرچہ صحیح ہے، اور حدود کے اندر رہتے ہوئے شریعت نے اس کی اجازت بھی دی ہے، مگر یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ مظلوم اگر اِنتقام نہ لے بلکہ ظالم کو معاف کردے تو یہ عزّت و وقار کے خلاف ہے۔ عزّت و وقار ظاہری کرّ وفرّ اور شان وشوکت کے مظاہرے کا نام نہیں، بلکہ سچّی عزّت وعظمت وہ ہے جو دِلوں میں راسخ ہو، اس لئے بڑا آدمی وہ نہیں جو لوگوں کو اُن کی گستاخیوں کا مزہ چکھائے، بلکہ بڑا آدمی وہ ہے جو اِنتقام کی قدرت کے باوجود عفو و درگزر سے کام لے اور اپنے بدترین دُشمن اور ظالم کو بھی معاف کردے۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی لائقِ توجہ ہے، جو عام انسانوں کی نظر سے اوجھل ہے، وہ یہ کہ جو شخص ظالم سے انتقام لینے کی ٹھان لے حق تعالیٰ شانہٗ اس کا معاملہ اس کے سپرد فرمادیتے ہیں، اور جو شخص محض رضائے اِلٰہی کے لئے صبر سے کام لے اور اِنتقام سے دست کش ہوجائے، حق تعالیٰ، ظالم سے اس کا اِنتقام خود لیتے ہیں۔

تیسری بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلفاً فرمائی وہ یہ کہ جب کوئی بندہ مخلوق سے مانگنے کا دروازہ کھول لیتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس پر غنا اور سیر چشمی کا دروازہ بند کردیتے ہیں، اور فقر و اِحتیاج کا دروازہ اس پر کھول دیتے ہیں۔

یہ بات بھی عام انسانوں کی رَوِش کے خلاف ہے، عموماً مخلوق سے جو سوال کیا جاتا ہے وہ یہ سمجھ کر کیا جاتا ہے کہ فقر و غربت کا مداوا ہوگا، مگر مانگنے کی علّت جس شخص کو لگ جاتی ہے، تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ اس کا فقر ختم نہیں ہوتا بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے سوال کرنے کی اجازت صرف مجبوری اور اِضطرار کی حالت میں دی ہے، گدائی کو پیشہ اور ذریعۂ معاش بنالینا شریعت کی نظر میں حرام اور ذلیل ترین جرم ہے، بلکہ جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ بھیک مانگنا اس کا پیشہ ہے، اس کو دینا بھی جائز نہیں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار اَشخاص کا تذکرہ فرمایا ہے، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت بھی عطا فرمایا ہے اور علم کی دولت سے بھی نوازا ہے، وہ مال کے حاصل کرنے اور اس کے خرچ کرنے میں اَحکامِ اِلٰہیہ کی پابندی کرتا ہے، مال کو حق تعالیٰ شانہٗ کی امانت سمجھ کر کارِ خیر میں صَرف کرتا ہے، اس کے حق میں مال سراپا رحمت اور آخرت کے اَجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔ ایک دُوسرا شخص ہے جسے علم کی دولت تو نصیب ہے مگر مال سے محروم ہے، یہ اس پہلے شخص کے اچھے کاموں پر رشک کرتا ہے اور یہ نیت رکھتا ہے کہ اگر اسے بھی مال میسر آتا تو وہ بھی اسی طرح کارِ خیر میں خرچ کرتا۔ پہلے شخص کو گو نیک عمل کا ثواب ملے گا، مگر حسنِ نیت میں

چونکہ دونوں شریک ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو بھی اچھی نیت پر اَجر عطا کریں گے۔

اس کے برعکس ایک شخص وہ ہے جو مال و دولت سے بہرہ ور ہے، مگر علم و عقل کی دولت سے محروم ہے، وہ مال و دولت کو عطیۂ خداوندی سمجھنے کے بجائے اپنا موروثی حق یا اپنی عقل و ذہانت کا کرشمہ سمجھتا ہے، اس لئے نہ وہ مال کمانے میں حلال وحرام کی پروا کرتا ہے، اور نہ مال خرچ کرنے میں اَحکامِ اِلٰہیہ کی پابندی کرتا ہے، نہ فقراء ومساکین اور محتاجوں کا حق ادا کرتا ہے، نہ عزیز و اقارب کی مدد اور اِعانت کرتا ہے، اس کا مال اکثر و بیشتر خواہشات کے پورا کرنے اور جھوٹی نمائش کے ذریعے عزّت و وقار کے موہوم مینار کھڑے کرنے میں خرچ ہوتا ہے، ایسے شخص کے لئے یہ مال وبالِ جان ہوگا اور قیامت کے دن اس کو اپنی غلط کاریوں کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

ایک اور شخص ہے جو مال اور علم دونوں سے محروم ہے، وہ اس دُنیادار کے کرّوفرّ کو دیکھ کر رال ٹپکاتا ہے کہ اگر اسے بھی ذرائع میسر آتے تو وہ بھی اسی طرح دادِعیش دیتا اور اسی طرح مال کو نفس پرستی میں خرچ کرتا، یہ شخص اپنی جاہلانہ خواہش اور غلط نیت کی بنا پر گنہگار رہوگا، کیونکہ غلط کام اگرچہ نہیں کرسکا، مگر غلط روی کا عزمِ مصمم اس کے دِل میں بھی موجزن ہے۔

دُنیا کا غم اور اس کی محبت

[حدیث:۲۱۷] ”عَنْ عَبدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ نَّزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ، وَمَنْ نَّزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِاللهِ فَيُوْشِكُ اللهُ لَهٗ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْ اٰجِلٍ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاءَ فی ہم الدنیا، حدیث: ۲۲۴۹)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو فقر و فاقہ پیش آئے پھر وہ اسے لوگوں کے سامنے ظاہر کرے تو اس کا فاقہ دُور نہیں ہوگا، اور جس شخص کو فاقہ پیش آئے اور وہ اسے صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرے تو حق تعالیٰ شانہٗ ضرور اس کو رِزق عطا فرمائیں گے، خواہ جلدی، خواہ کچھ دیر میں۔“

[حدیث:۲۱۸] ”عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ قَالَ: جَآءَ مُعَاوِيَةُ اِلٰى أَبِيْ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ هُوَ مَرِيْضٌ يَّعُوْدُهٗ، فَقَالَ: يَا خَالُ! مَا يُبْكِيْكَ أَوَجَعٌ يُّشْئِزُكَ أَوْ حِرْصٌ عَلَى الدُّنْيَا؟ قَالَ: كُلٌّ لَا! وَلٰكِنَّ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ اِلَيَّ عَهْدًا لَّمْ

اُخُذْ بِہٖ، قَالَ: "اِنَّمَا یَکْفِیْکَ مِنْ جَمْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَّمَرْکَبٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" وَأَجِدُنِی الْیَوْمَ قَدْ جَمَعْتُ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جافی ھم الدنیا، حدیث: ۲۲۵۰)

ترجمہ: "حضرت ابو وائل تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ماموں حضرت ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ماموں جان! آپ روکیوں رہے ہیں؟ تکلیف بے چین کر رہی ہے، یا دُنیا میں رہنے کی خواہش؟ فرمایا: ان میں سے کوئی بات بھی نہیں! اصل وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی جسے میں نبھا نہیں سکا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: "تیرے لئے بس اتنی دُنیا کافی ہے کہ تیرے پاس خدمت کے لئے آدمی ہو، اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ایک سواری ہو" لیکن میں آج دیکھ رہا ہوں کہ میں نے اس سے زائد مال جمع کر رکھا ہے۔"

[حدیث: ۲۱۹] "عَنْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تَتَّخِذُوا الضَّیْعَۃَ فَتَرْغَبُوْا فِی الدُّنْیَا۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جافی ھم الدنیا، حدیث: ۲۲۵۱)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین حاصل نہ کیجیو، ورنہ دُنیا میں تمہارا جی لگنے لگے گا۔"

تشریح: ان احادیثِ طیبہ سے دُنیا کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا ذوق واضح ہوجاتا ہے، اور اس سے اپنی حالت کا موازنہ کرکے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ ہم دُنیا کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس ذوق سے کس قدر محروم ہو رہے ہیں؟ اگر حق تعالیٰ شانہٗ آخرت کا صحیح یقین اور حقیقتِ دُنیا کی صحیح پہچان نصیب فرمادیں تو واقعہ یہ ہے کہ ہماری زندگی کا نقشہ ہی بدل جائے، اور مال و دولت، صحت و عمر اور قوّت و طاقت کا جو خزانہ دُنیا سمیٹنے پر ضائع کر رہے ہیں اس کا رُخ آخرت کا گھر بنانے کی طرف پھر جائے۔

پہلی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا اُصول ارشاد فرمایا جو ایک طرف انسانی نفسیات کی گرہ کشائی کرتا ہے اور دُوسری طرف آدمی کے فقر و فاقہ کا صحیح حل پیش کرتا ہے۔ انسان کی عام عادت یہ ہے کہ جب وہ فقر و فاقہ اور تنگ دستی کا شکار ہوتا ہے تو لوگوں کے سامنے اس کی شکایت کرتا ہے، کچھ لوگ اَز راہِ ہمدردی اس کی مدد بھی کردیتے ہیں، لیکن اس سے اس کے فقر و فاقہ کا مداوا نہیں ہوتا، بلکہ حرص اور لالچ کی آگ مزید بھڑک اُٹھتی ہے، اور ایسے شخص کو کبھی سیر چشمی نصیب نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس اگر تنگ دستی اور فقر و فاقہ

پر آدمی صبر کرے اور صرف حق تعالیٰ شانہٗ سے اِلتجا کرے تو حق تعالیٰ اس کو اِطمینان وسکون اور سیر چشمی کی دولت بھی عطا کرتے ہیں، اور اکثر تنگ دستی کے بجائے کشائش سے بھی نواز دیتے ہیں۔

مؤمن کی عمر کا طویل ہونا

[حدیث: ۲۲۰] ’’عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ قِیْسٍ أَنَّ أَعْرَابِیًّا قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَنْ خَیْرُ النَّاسِ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ۔‘‘

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَاجَافی طول العمر، حدیث: ۲۲۵۲)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اَعرابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور اس کے اعمال اچھے ہوں۔‘‘

[حدیث: ۲۲۱] ’’عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِیْ بَکْرَۃَ عَنْ أَبِیْہِ أَنَّ رَجُلًا قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! أَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ۔ قَالَ: فَأَیُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَسَآءَ عَمَلُہٗ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔‘‘

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَاجَافی طول العمر، حدیث: ۲۲۵۳)

ترجمہ: ’’حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ فرمایا: جس کی عمر لمبی ہو اور بھلے کام کرتا ہو۔ عرض کیا: تو سب سے بُرا آدمی کون ہے؟ فرمایا: جس کی عمر لمبی ہو اور کام بُرے کرتا ہو۔‘‘

تشریح: یہ مضمون بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ نیک آدمی کی عمر کا طویل ہونا ایک نعمت ہے کہ اس سے اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور یہی اس کی بلندیٔ درجات کا ذریعہ ہے، اور بُرے آدمی کو زیادہ مہلت ملنا اس کے لئے آفت ہے، جس سے اس کے شر اور بُرائی میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ عذاب اور لعنت کا مستحق بنتا چلا جاتا ہے۔

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو ایک دُوسرے کا بھائی بنادیا تھا، ان میں سے ایک صاحب اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوگئے اور دُوسرے صاحب کا ہفتے عشرے کے بعد اِنتقال ہوگیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان صاحب کے جنازے سے فارغ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: تم نے اس کے لئے کیا دُعا کی تھی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: ہم نے یہ دُعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیں، اس پر رحم فرمائیں اور اسے اس کے شہید ساتھی کے ساتھ ملادیں۔ یہ سن کر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اپنے رفیق کے بعد جو نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، نیک عمل کئے وہ کدھر گئے؟ ان دونوں کے درمیان تو آسمان وزمین کا فرق ہے (ابوداؤد ونسائی)۔

حضرت عبداللہ بن شدّاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو عذرہ کے تین شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر اِسلام لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کون ہے جو اِن کی کفالت کا ذمہ لے؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اس خدمت کے لئے میں حاضر ہوں! چنانچہ یہ تینوں صاحب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہنے لگے، چند دن بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک دستہ بھیجا، ان تین میں سے ایک صاحب اس جہاد میں گئے اور شہید ہوگئے، پھر ایک اور لشکر بھیجا، اس میں دُوسرے صاحب شامل ہوئے اور شہید ہوگئے، ان کے بعد تیسرے صاحب کا اِنتقال بستر پر ہوا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے ان تینوں کو خواب میں دیکھا، دیکھتا کیا ہوں کہ تینوں جنّت میں ہیں، اور جو صاحب اپنے بستر پر مرے تھے وہ ان کے آگے ہیں، ان کے پیچھے وہ صاحب ہیں جو بعد میں شہید ہوئے تھے، اور ان کے پیچھے وہ صاحب ہیں جو پہلے شہید ہوئے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے ان کی اس ترتیب سے حیرت ہوئی، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اس میں حیرت وتعجب کی کیا بات ہے؟ اللہ کے نزدیک اس مؤمن سے کوئی شخص افضل نہیں جس کو اِسلام کی حالت میں ایک بار ''سبحان اللہ'' یا ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' یا ''اللہ اکبر'' کہنے کی مہلت مل جائے (مسندِ احمد)۔

حضرت محمد بن ابی عمیرہ صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی بندہ پیدائش سے موت تک اللہ تعالیٰ کی طاعت میں سجدے میں پڑا رہے تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو حقیر سمجھے گا، اور یہ چاہے گا کہ اسے دُنیا میں پھر بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنے اَجر وثواب میں مزید اضافہ کرسکے۔

ان احادیث میں اُمّت کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ مؤمن کی عمر کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، مبارک ہے وہ شخص جس کو اس کی صحیح قدر وقیمت معلوم ہوگئی اور اس اَنمول گوہر کو خدا تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے درجات کے حصول میں خرچ کیا، اور بہت ہی لائقِ افسوس ہے وہ شخص جس نے اسے لہو ولعب اور کھیل تماشوں میں ضائع کردیا، اور مہلتِ حیات ختم ہونے کے بعد خالی ہاتھ دُنیا سے رُخصت ہوا۔

''اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا أَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَایَةَ رَغْبَتِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا!''

اس اُمّت کی عمر ساٹھ سے ستر برس تک

[حدیث: ۲۲۲] ''عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ:

عُمُرُ أُمَّتِیْ مِنْ سِتِّیْنَ سَنَةً اِلٰی سَبْعِیْنَ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاءفی اعمار ھذہ الامة، حدیث:۲۲۵۴)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اُمّت کی (اَوسط) عمریں ساٹھ سے ستر برس تک ہیں۔"

تشریح: مطلب یہ کہ عام طور سے اس اُمّت کے افراد کی طبعی عمر ساٹھ، ستر کے درمیان ہوگی، اور یہ مہلت بڑی مختصر ہے، خصوصاً جبکہ آدمی چالیس کے سن سے تجاوز کر چکا ہو، اسے اپنی زندگی کے مختصر لمحات کو بہت ہی احتیاط سے استعمال کرنا چاہئے۔

زمانہ سمٹ جائے گا

[حدیث:۲۲۳] "عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ، وَيَكُوْنَ السَّنَةُ كَالشَّهْرِ، وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ، وَتَكُوْنُ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ، وَيَكُوْنُ الْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ، وَتَكُوْنُ السَّاعَةُ كَالضَّرْمَةِ بِالنَّارِ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جافی تقارب الزمان، حدیث:۲۲۵۵)

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ زمانہ سمٹ جائے، پس سال مہینے کی، مہینہ ہفتے کی، ہفتہ دن کی، دن گھڑی کی اور گھڑی آگ کے شعلے کی مانند ہوجائے گی۔"

تشریح: اس حدیث میں زمانے کے سمٹنے کا جو مضمون ارشاد فرمایا ہے، اس سے یہ مراد نہیں کہ سال، مہینے، ہفتے، دن اور گھڑی کی جو مقدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی، اس وقت میں کوئی کمی آجائے گی، بلکہ مراد... واللہ اعلم... یہ ہے کہ زمانے سے برکت اُٹھ جائے گی اور لوگوں کو تیزی سے وقت گزرنے کی شکایت ہوگی۔ ایسا محسوس ہوگا کہ گویا زمانے کی رفتار غیر معمولی طور پر تیز ہوگئی ہے، دنوں کا کام ہفتوں میں ہو پاتا ہے، اور ہفتوں کا مہینوں میں، اور مہینوں کا سالوں میں۔

زمانے کے سمٹ جانے کا ایک پہلو یہ ہے کہ جو حوادث کہیں سالوں میں ہوا کرتے تھے، وہ مہینوں میں ہونے لگیں گے، جو مہینوں میں ہوا کرتے تھے وہ ہفتوں میں، اور جو ہفتوں میں ہوا کرتے تھے وہ دنوں میں پیش آنے لگیں گے۔

اسی کا ایک پہلو یہ ہے کہ لوگوں کی مصروفیت اتنی بڑھ جائے گی کہ انہیں سانس لینے کی مہلت ہی نہیں

ہوگی، اور نہ یہ پتا چلے گا کہ سورج کب طلوع ہوا اور کب غروب ہوگیا؟

خلاصہ:... یہ کہ قربِ قیامت کی وجہ سے جس طرح اور چیزوں سے برکت اُٹھ جائے گی اسی طرح وقت میں بھی برکت نہیں رہے گی، اور جس طرح گرانی بڑھ جانے سے کرنسی کی ''قدر'' گھٹ جاتی ہے، اسی طرح مشاغل بڑھ جانے کی وجہ سے وقت کی قیمت بھی گر جائے گی۔

اس حدیث میں گویا یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ایسے زمانے میں جبکہ وقت کی برکت اُٹھ جائے، مؤمن کو چاہئے کہ اپنے اوقات کو بہت عزیز سمجھے، اور طویل زندگی کو مختصر تصوّر کرتے ہوئے اسے زیادہ سے زیادہ قیمتی بنانے اور حسنات میں خرچ کرنے کی کوشش کرے، واللہ اعلم!

اُمیدوں کا کوتاہ ہونا

[حدیث:۲۲۴] ''عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: أَخَذَ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِیْ قَالَ: کُنْ فِی الدُّنْیَا کَأَنَّکَ غَرِیْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ، وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ۔ فَقَالَ لِی ابْنُ عُمَرَ: إِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَکَ بِالْمَسَاءِ، وَإِذَا أَمْسَیْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَکَ بِالصَّبَاحِ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِکَ قَبْلَ سَقَمِکَ، وَمِنْ حَیَاتِکَ قَبْلَ مَوْتِکَ، فَإِنَّکَ لَا تَدْرِیْ یَا عبدَاللهِ! مَا اسْمُکَ غَدًا؟''

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء فی قصر الامل، حدیث:۲۲۵۶)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کے ایک حصے کو پکڑ کر (اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ میرے کندھے کو پکڑ کر) فرمایا: دُنیا میں اس طرح رہو گویا بے وطن اجنبی ہو بلکہ (اس سے بڑھ کر یوں سمجھو کہ گویا تم) راستہ طے کرنے والے مسافر ہو، اور اپنے آپ کو اہلِ قبور میں سے شمار کرو۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: مجھ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم صبح کرو تو تمہارے دِل میں شام کا خیال نہیں آنا چاہئے، اور جب شام کرو تو تمہارے دِل میں صبح کا خیال نہیں آنا چاہئے، اور بیماری سے پہلے اپنی صحت سے اور موت سے پہلے اپنی زندگی سے کچھ حاصل کرلو، کیونکہ اے بندۂ خدا! تم نہیں جانتے کہ کل کو تمہارا کیا نام ہوگا؟ (زندہ کہلاؤگے یا مُردہ؟)۔''

تشریح: آخرت سے غفلت اور طاعت و عبادت میں سستی و کوتاہی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ

آدمی دُنیا میں اس طرح جی لگا کر بیٹھ جاتا ہے گویا اسے بس یہیں رہنا ہے، اس ویرانۂ دُنیا کو آباد کرنے کے لئے ہزاروں تجویزیں سوچتا ہے، بیسیوں منصوبے بناتا ہے، اور لمبی لمبی اُمیدیں باندھتا ہے، آخرت کا تصوّر ان خیالی آرزوؤں میں دَب کر رہ جاتا ہے اور آدمی کی حالت دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس کو فرشتۂ اَجل کا کبھی سامنا نہیں ہوگا:

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا، پَل کی خبر نہیں!

شیخ چلّی کا قصہ مشہور ہے، جسے لطیفے کے طور پر سن کر ہم ہنسا کرتے ہیں، لیکن غور کیجئے تو ہم میں سے ہر شخص شیخ چلّی ہے، جو خیالی دُنیا میں مگن ہو کر طویل المیعاد منصوبے بناتا ہے، لیکن موت کی ٹھوکر ہمارے خیالاتی شیش محل کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے، اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے طولِ اَمل اور خیالی منصوبہ بندی کا علاج تجویز فرمایا ہے، اور وہ مراقبۂ موت ہے۔

اس ارشادِ نبوی کے مطابق ایک مؤمن کو دُنیا میں اس طرح رہنا چاہئے گویا وہ اجنبی مسافر ہے۔ جو شخص چند روز کا ویزا لے کر کسی غیر ملک میں ضروری کام سے گیا ہو، اس کی حیثیت اس ملک میں اجنبی مسافر کی ہوگی، اگر وہ اپنے کام سے غافل ہو کر اس ملک کی تعمیر و ترقی اور وہاں کی دِل فریبیوں میں دِلچسپی لینے اور لمبے لمبے منصوبے سوچنے لگے تو یہ اس کی حماقت ہوگی، اسے وقتِ مقرّرہ پر وہاں سے بہرحال کوچ کرنا ہوگا، اور اس کے سب خیالی منصوبے نہ صرف یہ کہ مہمل اور فضول ہو کر رہ جائیں گے، بلکہ جس مقصد کے لئے وہ وہاں گیا تھا اس میں بھی ناکام ہو کر واپس آئے گا۔ ٹھیک یہی کیفیت آدمی کی اس دُنیا میں ہے، وہ یہاں بہت ہی مختصر سی مہلت کے لئے آیا ہے، اور ایک اہم ترین مقصد کی تکمیل کے لئے آیا ہے، اگر اس مقصد سے ہٹ کر وہ یہاں کی اُدھیڑ بُن میں وقت ضائع کر دے گا تو ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ط﴾ (الحج:۱۱) کا مصداق ہوگا۔

اور پھر غیر وطن میں جو شخص جاتا ہے گو وہ وہاں کا باشندہ نہیں بلکہ اجنبی ہوتا ہے، تاہم چند دن اس کو وہاں قیام کرنا ہے۔ غور کیا جائے تو دُنیا میں انسان کی یہ حیثیت بھی نہیں بلکہ وہ ابتدائے آفرینش سے آخری لمحۂ زندگی تک مسلسل شاہراہِ حیات کا مسافر ہے، ایک لمحے کے لئے بھی اس کا سفرِ حیات منقطع نہیں ہوتا، بلکہ ہر لمحہ اسے دُنیا سے موت کی آغوش میں دھکیل رہا ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ دُنیا میں اپنے آپ کو صرف اجنبی ہی کی طرح نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اس مسافر کی طرح سمجھو جو جادۂ منزل پر گامزن ہے، اور چونکہ اس سفر کی پہلی منزل موت ہے اس لئے اپنے آپ کو اہلِ قبور کی صف میں شامل سمجھو، آج نہیں تو کل وہاں جا پہنچو گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جن کو آنحضرت ﷺ نے یہ مراقبہ تعلیم فرمایا تھا، وہ اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے اپنے شاگرد حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے تھے کہ: صبح ہو تو شام کی فکر مت کرو،

اور شام ہو تو صبح کی فکر مت کرو، خدا جانے تم صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک یہاں رہو گے بھی یا نہیں؟ صبح ہو تو یوں تصوّر کرو کہ شاید یہ میری زندگی کی آخری صبح ہو اور آج کے بعد میں سورج کو طلوع ہوتے ہوئے نہ دیکھوں، اور شام ہو تو یہ خیال کرو کہ ممکن ہے یہ شام میری شامِ زندگی ہو، اور اس کے بعد مجھے کوئی شام میسر نہ آئے، کتنے ہی اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں جو موت سے غافل، خوش گپیوں میں مشغول ہیں، حالانکہ ان کا کفن دُھل کر دُکان پر آچکا ہے۔

اور اس مراقبۂ موت کا مقصد یہ ہے کہ جو لمحۂ زندگی جس حالت میں بھی تمہیں میسّر ہے اس کو غنیمت سمجھ کر آخرت کی تیاری کرو، بیماری سے پہلے صحت میں اپنا توشہ تیار کر لو، اور موت سے پہلے زندگی کو نیک اعمال سے کارآمد بنالو۔ بندۂ خدا! تمہیں کیا معلوم ہے کہ کل تمہیں کس نام سے پکارا جائے گا؟ تمہارا نام زندوں میں ہوگا یا مُردوں کے رجسٹر میں اِندراج کر دیا جائے گا؟ لوگ ''مدظلہٗ'' کہہ کر تمہارا نام لیں گے یا ''مرحوم'' کہہ کر تمہیں یاد کیا جائے گا؟

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
پیش آ زانکہ بانگے در آید کہ فلاں نماند

اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اَربعین'' میں دُنیا کی مثال بہت ہی عمدہ بیان فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''دُنیا توشۂ آخرت ہے، اور اس سے مقصود یہی ہے کہ مسافران بآسانی اپنا سفر ختم کرسکیں، مگر بے وقوف اور اَحمق لوگوں نے اسی کو مقصودِ اَصلی سمجھ لیا اور طرح طرح کے مشغلوں اور قسم قسم کی خواہشوں میں ایسے پڑے کہ آنے والے وقت کو بالکل بھول گئے۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کی نیت سے روانہ ہوا اور جنگل میں پہنچ کر سواری کے گھاس دانہ اور مرکب کے موٹا تازہ کرنے کی فکر میں لگ جائے اور ہم راہیوں سے پیچھے رہ جائے، افسوس ہے اس کی حالت پر کہ تنِ تنہا جنگل میں رہ گیا اور قافلہ کوچ کر گیا، جس نیت سے چلا تھا یعنی حج وہ بھی گیا گزرا ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جنگلی درندوں نے موٹی تازی سواری کو بھی چیر پھاڑ ڈالا اور اس کو بھی اپنے منہ کا نوالہ بنا گئے۔ یاد رکھو! کہ دُنیا آخرت کی کھیتی اور منزل کا پڑاؤ ہے، اور تم اپنے جسمِ خاکی پر سوار ہو کر سفرِ آخرت کر رہے ہو، اس لئے تم کو چاہئے کہ اپنی سواری کا گھاس دانہ بقدرِ کفایت اُٹھاؤ اور سفری ضرورتوں میں کام آنے والا سامان مہیا کر کے وہ بیج بوؤ جس کو آخرت میں کاٹو اور پھر دائمی زندگی آرام سے گزار سکو، اور اگر اس ماتحت سواری کی پرورش وفربہی میں مشغول ہو جاؤ گے تو قافلہ کوچ کر جائے گا اور تم منزلِ مقصود پر نہ پہنچ سکو گے۔

دُنیا میں مخلوق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کشتی پر کچھ آدمی سوار ہوں اور کشتی کسی جزیرے کے کنارے پر آٹھہرے اور کشتی کا ملاح سواریوں کو اِجازت دیدے کہ: جاؤ! جزیرے میں اُتر کر اپنی

ضرورتیں پوری کر آؤ، مگر ہوشیاری سے کام لینا، جگہ خطرناک ہے اور ابھی سفرِ دُور دراز سر پر ہے۔ غرض سواریاں اُتریں اور اِدھر اُدھر منتشر ہو کر کئی اقسام پر منقسم ہو گئیں۔ بعض تو ضروری حاجت سے فارغ ہوتے ہی لوٹ پڑے اور فضول وقت گزارنا ان کو اچھا نہ معلوم ہوا۔ پس دیکھا کہ کشتی خالی پڑی ہے لہٰذا اپنی پسند کے موافق ساری کشتی میں اعلیٰ درجے کی ہوادار اور فراخ جگہ منتخب کر کے وہاں بیٹھ گئے۔ اور بعض جزیرے کی خوشگوار ہوا کھانے اور خوش اَلحان پرندوں کی سریلی آوازوں کے سننے میں لگ گئے، سبز مخملی فرش اور رنگ برنگ کے پھول بوٹوں اور طرح طرح کے پتھروں، درختوں کی گُل کاریوں میں مشغول ہو گئے، مگر پھر جلدی ہوش آ گیا اور فوراً کشتی کی جانب واپس ہوئے، یہاں پہنچ کر دیکھا کہ جگہ تنگ رہ گئی ہے اور پُر بہار و فضا کی جگہوں پر ان سے پہلے آ جانے والے لوگ بستر لگا چکے ہیں، لہٰذا اس تنگ ہی جگہ میں تکلیف کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اور چند لوگ اس جزیرے کی عارضی بہار پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ دریائی خوشنما سیپیوں اور پہاڑی خوبصورت پتھروں کے چھوڑنے کو ان کا دِل نہ چاہا، پس ان کا بوجھ لاد کر انہوں نے اپنی کمر پر رکھا اور سمندر کے کنارے پر پہنچے کہ کشتی پر سوار ہوں، دیکھا کہ کشتی لبریز ہو چکی ہے کہ اس میں نہ بیٹھنے کی جگہ ہے اور نہ اس فضول بوجھ کے رکھنے کے لئے کوئی مکان ہے، اب حیران ہیں کہ کیا کریں؟ اِدھر تو بوجھ کے پھینکنے کو نفس گوارا نہیں کرتا اور اُدھر اپنے بیٹھنے تک کو جگہ نہیں ملتی، غرض قہرِ درویش بر جانِ درویش، نہایت دِقت کے ساتھ ایک نہایت تنگ جگہ گھس بیٹھے اور کنکروں اور پتھروں کے بارِگراں کو اپنے سر پر لا دلیا، اب ان کی حالت کا تم ہی اندازہ کرلو کہ کیا ہوگی؟ کمر الگ دُکھے گی، گردن جدا ٹوٹے گی اور جس مصیبت و تکلیف کے ساتھ وقت کٹے گا اس کو ان کا ہی دِل خوب سمجھے گا۔ اور بعض لوگ جزیرے کے دِل افروز حسن پر ایسے عاشق ہوئے کہ کشتی اور سمندر سب کو بھول گئے، پھول سونگھنے اور پھل کھانے میں مصروف ہو گئے اور کچھ خبر نہ رہی کہ کہاں جانا ہے؟ اور یہاں رہ کر کن درندوں اور موذی جانوروں کی غذا بننا ہے؟ آخر سب کے بعد بادِلِ نخواستہ ساحل پر پہنچے تو کشتی میں نام کو بھی جگہ نظر نہ آئی، تھوڑی دیر بعد کشتی لنگر اُٹھا کر وہاں سے چل دی اور یہ لوگ کنارے پر کھڑے حسرت بھری نظروں سے اپنے ہم راہیوں کو دیکھتے رہ گئے، آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرے کے درندوں نے ان کو پھاڑ ڈالا اور موذی جانوروں نے ان کے نازک اور خوبصورت بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہی حال بعینہٖ دُنیاداروں کا ہے، اب تم خود غور کر کے سمجھ لو کہ کن لوگوں پر کونسی مثال چسپاں ہوتی ہے۔“

[حدیث: ۲۲۵] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قال رسول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هٰذَا ابْنُ اٰدَمَ وَهٰذَا أَجَلُهُ، وَوَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ قَفَاهُ، ثُمَّ بَسَطَهَا فَقَالَ: وَثَمَّ أَمَلُهُ وَثَمَّ أَمَلُهُ وَثَمَّ أَمَلُهُ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جاءَ فی قصر الامل، حديث: ۲۲۵۷)

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: یہ آدمی ہے، اور یہ اس کی اَجل ہے (جو قریب ہی کھڑی ہے)۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پشت کی طرف کیا، پھر اس کو پھیلایا اور فرمایا: اور وہاں اور وہاں (یعنی بہت دُور) اس کی آرزو ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حسّی مثال سے یہ حقیقت ذہن نشین کرائی ہے کہ آدمی اپنی خواہشات کی تکمیل اور اپنی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے جو منصوبے بناتا ہے، یہ شیخ چلّی کی طرح محض اس کی خام خیالی ہے، ورنہ اس دُنیا میں کبھی کسی کی تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوئیں، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ آدمی اپنی اُمیدوں اور آرزوؤں کے لئے جب دوڑ دُھوپ کرتا ہے، وہ اس خام خیالی میں ہوتا ہے کہ اس کی اُمید بَر آئے گی اور وہ اپنی خواہشات و مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ لیکن اَجل کا خفیہ ہاتھ رُونما ہوتا ہے اور اس کی تمام آرزوؤں، اُمیدوں اور خواہشوں کا خون کردیتا ہے، اسے چار و ناچار پیامِ اَجل کو لبیک کہنا پڑتا ہے، اور دُنیا کی ساری تگ و دو کے بارے میں وہ یہ کہتا ہوا دُنیا سے رُخصت ہوتا ہے:

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا!

اس وقت اس پر دُنیا کی صحیح حقیقت منکشف ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ دُنیا کے بے حقیقت سراب کے لئے اس کی محنت و کاوش محض حماقت تھی:

''و کم حسرات فی بطون المقابر!''

حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کو دُنیا کے اسی دھوکے و فریب سے آگاہ کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ دُنیا میں رہتے ہوئے ہی دُنیا کے دھوکے و غرور، اس کی بے ثباتی و ناپائیداری اور اس کی غداری و بے وفائی کی حقیقت انسانوں پر کھل جائے جو موت کے وقت سب پر کھل جاتی ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ دیکھو! یہ آدمی کھڑا ہے، اور یہ اس کے قریب ہی اس کی اَجل کھڑی ہے، اور دُور بہت دُور اس کی اُمیدیں اور آرزوئیں کھڑی نظر آرہی ہیں، آدمی جوں جوں ان خوشنما آرزوؤں کی طرف لپکتا اور دوڑتا ہے اسی نسبت سے اس کی اَجل اس کی طرف قدم بڑھا رہی ہے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ آدمی کبھی اپنی اُمیدوں تک نہیں پہنچ پائے گا، بلکہ راستے ہی میں اَجل اس کو دبوچ لے گی، یہ اپنی خام آرزوؤں کو نگاہِ حسرت سے دیکھتا اور پنجۂ اَجل میں پھڑ پھڑاتا ہوا دُنیا سے رُخصت ہوگا۔ اِنسانوں کی نظر پر غفلت کی پٹی بندھی ہے، اس لئے انہیں قریب کھڑی اپنی اَجل نظر نہیں آتی، مگر ساتھ ہی دِل کی آنکھوں پر خواہشات کی دُوربین چڑھی ہوئی ہے، اس لئے انہیں اپنی آرزوئیں بہت قریب نظر آتی

ہیں، حق تعالیٰ اس غفلت کی پٹی اور خواہشات کی دُوربین کو اُتارنے کی توفیق عطا فرمائے تو نظر آئے گا کہ اَجل سر پر کھڑی مسکرا رہی ہے اور آرزوؤں کا سراب دُور اور بہت دُور ہے، جہاں تک پہنچنا اس کے لئے ناممکن ہے، قطعی ناممکن!

[حدیث:۲۲۶] ”عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: مَرَّ عَلَیْنَا رسول الله صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نُعَالِجُ خُصَّالَنَا، فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ فَقُلْنَا: قَدْ وَهٰی فَنَحْنُ نُصْلِحُهٗ۔ قَالَ: مَا أَرَی الْأَمْرَ اِلَّا أَعْجَلَ مِنْ ذٰلِکَ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء فی قصر الامل، حدیث:۲۲۵۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے، ہم اپنا چھپر ٹھیک کر رہے تھے (اس کی لپائی وغیرہ کر رہے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا (ہو رہا) ہے؟ عرض کیا کہ: یہ بوسیدہ ہوگیا تھا، ہم اس کی مرمت کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ: میرا خیال ہے کہ موت کا معاملہ اس سے زیادہ جلدی کا ہے۔“

تشریح: مطلب یہ کہ اس بوسیدہ چھپر کے گرنے میں تو کچھ وقت لگے گا، لیکن موت کے آنے کا وقت کسی کو معلوم نہیں، وہ اس کے گرنے سے بھی پہلے آسکتی ہے، اس لئے چھپر کی تیاری سے زیادہ موت کی تیاری کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

رہائش کی ضرورت کے لئے انسان مکان یا جھونپڑا بناتا ہے، اور شریعت نے بقدرِ ضرورت اس کی اجازت بھی دی ہے، لیکن تعمیرات میں غلوّ اور آرائش و زیبائش کو پسند نہیں فرمایا۔ بہت سے اہل اللہ نے عمر جھونپڑے میں گزار دی، جب ان سے عرض کیا جاتا کہ: کوئی ڈھنگ کا مکان بنالیجئے! تو فرماتے کہ: کیا خبر ہے کہ شام تک یہاں رہیں گے بھی یا نہیں؟ خود ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے جھونپڑے اتنے معمولی اور بے حیثیت تھے کہ آج کوئی غریب سے غریب بھی ان میں رہائش کا تصوّر نہیں کرسکتا۔ یہ خام خیالی کہ یوں روپیہ کمائیں گے، اور یوں مکانات بنائیں گے، اور ان میں فلاں فلاں آسائشوں کو جمع کریں گے، موت سے غفلت کی بنا پر ہے۔

اس اُمّت کا فتنہ مال ہے

[حدیث:۲۲۷] ”عَنْ کَعْبِ بْنِ عِیَاضٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّ لِکُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً، وَفِتْنَةُ أُمَّتِی الْمَالُ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء ان فتنة ھذہ الامة، حدیث:۲۲۵۹)

ترجمہ: ''حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہر اُمّت کا ایک خاص فتنہ ہوتا ہے (جو دیگر فتنوں کے لئے اصل الأصول کی حیثیت رکھتا ہے) اور میری اُمّت کا فتنہ مال (کی فراوانی) ہے۔''

تشریح: مال کی کثرت کو عام طور سے مشکلات کے حل کی کلید سمجھا جاتا ہے، اور لوگ اس کے لئے سرگرداں رہتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: مال کی محبّت، اس کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کا جنون اور اس کے ذریعے خواہشات پورا کرنے کا شوق، دِل کا روگ ہے، جو آدمی کو اَحکامِ اِلٰہیہ کی تعمیل، آخرت کی یاد اور موت کی تیاری سے غافل کردیتا ہے، اسی کی خاطر لڑائی جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں، قتل و غارت اور فتنہ وفساد برپا ہوتا ہے، اسی سے حسد، کینہ، عداوت، بخل، طمع جیسے امراضِ قلب پیدا ہوتے ہیں، یہی مال اِنسان کو کبر ونخوت، غرور وپندار اور خود بینی وخودنمائی پر آمادہ کرتا ہے، اسی کی خاطر آدمی اپنے دِین واِیمان اور عقیدہ وضمیر کو داؤ پر لگادیتا ہے، اس لئے مال کی محبّت سارے فتنوں کی جڑ ہے۔ یہ ایک ایسا مرض ہے جو اِنسان کے دِین واخلاق کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے، اسی مرض کی اصلاح کے لئے اہل اللہ کی صحبت اختیار کی جاتی ہے، اور اسی کے لئے مجاہدات وریاضات کی ضرورت پیش آتی ہے، حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں بھی اس مرض سے شفا عطا فرمائے۔

اگر اِبنِ آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوتیں تو یہ تیسری کو تلاش کرتا

[حدیث:۲۲۸] ''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ کَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیًا مِّنْ ذَهَبٍ لَأَحَبَّ أَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ ثَانِیًا، وَلَا یَمْلَأُ فَاهُ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللهُ عَلٰی مَنْ تَابَ۔''

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء لو کان ابن آدم، حدیث:۲۲۶۰)

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر ابنِ آدم کے پاس ایک وادی سونے سے بھری ہوئی ہو تو یہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس ایک اور وادی ہو، اور اس کے پیٹ کو صرف مٹی بھر سکتی ہے، اور حق تعالیٰ شانہ اس شخص کی توبہ قبول فرماتے ہیں جو توبہ کرے۔''

تشریح: اس حدیثِ پاک میں تین مضمون ارشاد ہوئے ہیں:

اوّل انسان کا بالطبع مال کا حریص ہونا، اور مال ودولت سے اس کا سیر نہ ہونا، سوائے ان مقبولانِ

اِلٰہی کے جن کے دِل مال کی ناپاک محبّت سے پاک ہو گئے ہیں، عام انسانوں کا حال یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مال سمیٹنے کی فکر ان پر سوار رہتی ہے، اور وہ اس کو بڑھانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ فرض کیجیۓ! کسی کو اِس قدر مال و دولت مل جائے کہ اس سے پوری ایک وادی بھر جائے تب بھی اس کی طبیعت سیر نہیں ہوگی، بلکہ یہ چاہے گا کہ کاش! ایک وادی اور ہو۔ اور اگر ایک اور مل جائے تو چاہے گا کہ ایک تیسری وادی بھی ہو۔ الغرض! ہفت اقلیم کی سلطنت اور رُوئے زمین کی دولت ایک آدمی کی پاس بجھانے کے لئے بھی کافی نہیں، بلکہ حرص و آس کی دوزخ سے ہمیشہ ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ کی صدا بلند ہوتی ہے، اس لئے عقل مند وہ ہے جو یہاں طبیعت بھرنے کی فکر نہ کرے، بلکہ بقدرِ ضرورت قناعت کر کے حق تعالیٰ شانہٗ کی یاد میں لگا رہے:

کارِ دُنیا کسے تمام نہ کرد
ہر چہ گیرید مختصر گیرید

دُوسرا مضمون یہ ارشاد ہوا ہے کہ آدمی کا پیٹ صرف مٹی بھر سکتی ہے، مٹی سے قبر کی مٹی مراد ہے، یعنی آدمی کے مال کی حرص ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جائے اور قبر کی مٹی اس کا پیٹ بھرے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل شعر میں اس حدیث کا گویا ترجمہ کر دیا ہے:

گفتہ اند چشم تنگ دُنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاکِ گور

اس ارشاد میں حریص آدمی کی دنائت و رذالت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے، یعنی بجائے اس کے کہ دُنیا کے مال و دولت سے، جو مٹّی سے پیدا ہوئے ہیں اور جن کا انجام بھی مٹّی ہے، یہ شخص سیر چشمی اختیار کرتا اور حق تعالیٰ شانہٗ کی عبادت و رضا جوئی میں مشغول ہو کر آخرت کی نعمتوں اور لذتوں سے کامران و شاد کام ہوتا، اس نے مٹّی کی حرص اور رغبت اس قدر کی کہ قبر کی مٹّی کے سوا کوئی چیز اس کا پیٹ نہ بھر سکی۔

تیسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: جو شخص حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف رُجوع کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں، یعنی دُنیا کی حرص و لالچ سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جس کو حق تعالیٰ شانہٗ توفیق عطا فرمائیں، توفیقِ اِلٰہی کے حصول کے لئے بارگاہِ خداوندی میں جھکنا، اس سے رُجوع کرنا، اور اس کی ذاتِ عالی سے دُنیا کے زہر سے بچنے کی توفیق مانگنا لازم ہے۔ پس جو شخص حق تعالیٰ کی طرف رُجوع کرے، دُنیا کی حرص چھوڑ کر پیشۂ قناعت اختیار کرے اور حق تعالیٰ کی جناب میں توبہ و انابت اختیار کرے، حق تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ اس کے دِل کو غنا سے بھر دیتے ہیں، اسے خزانۂ غیب سے رِزق عطا فرماتے ہیں، وہ اپنے ساز و سامان کی قلّت کے باوجود اہلِ دُنیا سے زیادہ غنی ہو جاتا ہے، بلکہ واقعۃً یہی شخص غنی ہے، ورنہ دُنیا کے حریص لاکھوں کروڑوں کے باوجود فقیر ہیں۔

بوڑھے کا دِل دو چیزوں کی محبّت میں جوان ہوتا ہے

[حدیث: ۲۲۹] ”عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِیَّ صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَلْبُ الشَّيْخِ شَابٌّ عَلٰی حُبِّ اثْنَتَيْنِ طُوْلِ الْحَيَاةِ وَ كَثْرَةِ الْمَالِ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جاء قلب الشيخ شاب، حديث: ۲۲۶۱)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بوڑھے کا دِل دو چیزوں کی محبّت میں جوان ہوتا ہے، زندگی کا لمبا ہونا اور مال کی کثرت۔“

[حدیث: ۲۳۰] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رسول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَهْرَمُ ابْنُ اٰدَمَ وَيَشِبُّ مِنْهُ اِثْنَتَانِ اَلْحِرْصُ عَلَى الْعُمْرِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جاء قلب الشيخ شاب، حديث: ۲۲۶۲)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِبنِ آدم بوڑھا ہوتا رہتا ہے مگر اس کی دو عادتیں جوان ہوتی رہتی ہیں، ایک زندہ رہنے کی حرص، دُوسرے مال کی حرص۔“

تشریح: یعنی یہاں کی زندگی اور مال و دولت کی محبّت آدمی کی طبیعت میں جاگزیں ہے، اگر اس کی اصلاح نہ کی جائے تو یہ عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہتی ہے، آدمی بوڑھا ہوجاتا ہے، اس کا پیمانۂ عمر لبریز ہوجاتا ہے، لیکن دُنیا میں رہنے کی خواہش اور مال کی حرص اس میں جوانوں سے زیادہ ہوتی ہے، اس لئے کہ جوانی کے زمانے میں جو عادت پڑ جائے اور جیسا مزاج بن جائے، بڑھاپے میں وہ پختہ تر ہوجاتا ہے اور اس کی اصلاح دُشوار ہوجاتی ہے۔ اس حدیث کی دعوت یہ ہے کہ دُنیا میں سدا قیام کی محبّت اور مال کی حرص ایک مرض ہے جس کا علاج جوانی کے زمانے ہی میں ہوجانا چاہئے، اور اس کا علاج ہے دُنیا کے فنا و زوال کو سوچنا، آخرت کی لامحدود اور دائمی زندگی کو پیشِ نظر رکھنا، موت کو یاد کرنا، اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنا اور اہلِ دُنیا کی صحبت سے احتراز کرنا، واللہ الموفق!

دُنیا سے بے رغبتی کا بیان

[حدیث: ۲۳۱] ”عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلزَّهَادَةُ فِی الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَ لَا اِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِی الدُّنْيَا

أَنْ لَا تَكُوْنَ بِمَا فِيْ يَدَيْكَ أَوْثَقَ مِمَّا فِيْ يَدِ اللهِ وَأَنْ تَكُوْنَ فِيْ ثَوَابِ الْمُصِيْبَةِ إِذَا أَنْتَ أُصِبْتَ بِهَا أَرْغَبَ فِيْهَا لَوْ أَنَّهَا أُبْقِيَتْ لَكَ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء فی الزھادۃ فی الدنیا، حدیث: ۲۲۶۳)

ترجمہ: "حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دُنیا سے بے رغبتی حلال کو حرام کرنے اور مال کو ضائع کرنے سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ دُنیا سے اصل بے رغبتی یہ ہے کہ تمہیں ایسی چیز پر جو تمہارے قبضے میں ہے، زیادہ اعتماد نہ ہو بہ نسبت اس چیز کے جو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، اور یہ کہ جب تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو (اس پر ملنے والے ثواب کے پیشِ نظر) تمہیں اس کے (زائل ہونے کی بہ نسبت) اس کے باقی رہنے کی زیادہ رغبت ہو۔"

تشریح: زُہد فی الدنیا سے مراد ہے دُنیا سے بے رغبتی ہونا، اور اس کے ساز وسامان، اس کی لذّات وشہوات اور اس کے مال وجاہ سے دِلچسپی نہ ہونا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ صرف دُنیا کی لذّات اور مال ودولت سے کنارہ کشی مطلوب نہیں، بلکہ اصل مطلوب دو چیزیں ہیں، ایک یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ عالی پر کامل وثوق واعتماد اور بھروسہ ہو، جو چیز اپنے ہاتھ اور قبضے میں ہو آدمی اس پر پوری طرح مطمئن ہوتا ہے اور اس کے بارے میں کبھی فکرمند نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک مؤمن کو حق تعالیٰ کی رَزّاقیت پر اِعتماد وتوکل کرکے رزق کے معاملے میں پوری طرح مطمئن اور بےفکر ہونا چاہئے، جب تک یقین وتوکل اور اعتماد علی اللہ کا مقام راسخ نہیں ہوتا، زُہد کی حقیقت حاصل نہیں ہوگی۔ دُوسری چیز جو مطلوب ہے وہ دُنیا سے بڑھ کر آخرت کا یقین ہے، دُنیا میں آدمی کو جو مصائب وحوادث پیش آتے ہیں، آخرت میں ان پر اَجر وثواب کا وعدہ ہے، اب اگر وہ مصیبت ٹل جائے تو دُنیا کی راحت نصیب ہوئی، اور اگر باقی رہے تو آخرت کا ثواب اور وہاں کی راحت واطمینان یقینی ہے۔ پس زُہد یہ ہے کہ آدمی کو آخرت کا یقین اور وہاں کے اجر وثواب کے حصول کا جذبہ ایسا غالب ہو کہ وہ عقلی طور پر مصیبت کے باقی رہنے کو (جو آخرت کی راحت کا موجب ہے) مصیبت کے ٹلنے پر (جو دُنیا کی راحت کا ذریعہ ہے) ترجیح دے، آلام ومصائب سے دِل برداشتہ نہ ہو بلکہ اس کو بھی حق تعالیٰ کا عطیہ اور اپنے لئے ترقیٔ درجات کا ذریعہ سمجھے۔

یہاں دو باتیں اور بھی ذہن میں رکھنی چاہئیں:

ایک یہ کہ مصائب وتکالیف پر طبعی تکلیف اور صدمے کا ہونا عبدیت کے منافی نہیں، بلکہ عین عبدیت ہے، اس لئے کہ انسان گوشت پوست ہی کا بنا ہوا تو ہے، لوہے اور پتھر کا بنا ہوا نہیں کہ حوادث سے متأثر ہی نہ ہو، اس لئے حوادث وآفات اور آلام ومصائب سے طبعی تأثر اِنسانی سرشت ہے، اور پھر حق تعالیٰ

شانہٗ کی جانب سے ان کا نزول ہوتا ہی اس لئے ہے کہ انسان ان سے متأثر ہو، اس کے عجز وضعف اور بے چارگی و بندگی کا ظہور ہو، اگر اِنسان کو طبعی کلفت ہی نہ ہو تو نزولِ حوادث کا مقصد ہی فوت ہو جائے۔ بہرحال طبعی رنج وصدمے کا ہونا نہ ممنوع ہے، نہ خلافِ عبدیت ہے، البتہ مؤمن کا قلب عین مصیبت کے وقت بھی عقلی طور پر پُرسکون ہوتا ہے اور یہ حقیقت اس کے قلب کی گہرائیوں میں راسخ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اس کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے وہ اس کے حق میں سراسر حکمت ومصلحت ہے، اس لئے وہ مصائب سے پریشان خاطر نہیں ہوتا، بلکہ یہ حوادث ومصائب اس کی معرفت وتعلق مع اللہ میں ترقی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

دُوسری بات یہ کہ آفات ومصائب کے ازالے کے لئے جائز تدابیر واسباب کا اختیار کرنا ممنوع نہیں، بلکہ مأمور بہ ہے، مگر نظر اَسباب پر نہیں ہونی چاہئے، بلکہ خالقِ اسباب جل مجدہٗ پر ہونی چاہئے، اسباب کو محض حکمِ خداوندی سمجھ کر اِختیار کرے، اور پھر معاملہ یکسر اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔

[حدیث: ۲۳۲] ”عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ لِابْنِ اٰدَمَ حَقٌّ فِيْ سِوٰى هٰذِهِ الْخِصَالِ بَيْتٌ يَّسْكُنُهٗ وَثَوْبٌ يُّوَارِيْ عَوْرَتَهٗ وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ. هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَهُوَ حَدِيْثُ حُرَيْثِ ابْنِ السَّائِبِ، وَسَمِعْتُ أَبَا دَاوٗدَ سُلَيْمَانَ بْنَ سَلْمِ الْبَلْخِيِّ يَقُوْلُ: قَالَ: النَّضْرُ ابْنُ شُمَيْلٍ: جِلْفُ الْخُبْزِ يَعْنِيْ لَيْسَ مَعَهٗ اِدَامٌ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزہد، بَاب مَا جاء فی الزھادة فی الدنیا، حدیث: ۲۲۶۴)

ترجمہ: ”حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: اِبنِ آدم کا درج ذیل چیزوں کے سوا کوئی حق نہیں، ایک مکان جس میں وہ رہ سکے، دُوسرے اتنا کپڑا جو اس کی ستر پوشی کا کام دے سکے، تیسرے روکھی سوکھی روٹی اور پانی۔“

تشریح: مطلب یہ کہ انسان کی بنیادی ضرورت بس یہ تین چیزیں ہیں، جو اس کے وجود و بقا کے لئے ناگزیر ہیں، یہ تین چیزیں تو گویا اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے لئے واجب اور ضروری ہیں، جن کی قیامت کے دن باز پُرس نہیں ہوگی، جبکہ یہ چیزیں حلال ذریعے سے حاصل کی ہوں، ان کے علاوہ باقی سب حدِ ضرورت سے زائد چیزیں ہیں، اگر حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے عنایت ہو جائیں تو شکر بجالائے، اور میسر نہ ہوں تو چونکہ کوئی اِستحقاق تو ہے نہیں، اس لئے اس کو حرفِ شکایت زبان پر لانے کا کوئی حق نہیں۔ نیز اس ارشادِ پاک میں اس پر بھی تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ حدِ ضرورت سے زائد جتنی چیزیں ہیں وہ لائقِ محاسبہ ہیں، قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے ان پر باز پُرس ہوسکتی ہے، حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے فضل و

احسان سے معاف فرمادیں تو ان کی شان کریمی ہے، ورنہ ایسا کون ہے جو ان نعمتوں کا شکر ادا کر سکے؟ اور قیامت کے محاسبے سے عہدہ برآ ہو سکے؟ اس لئے ان تین بنیادی ضرورتوں سے زائد چیزیں زیادہ سے زیادہ جمع کرنا کمال نہیں (جیسا کہ ہم اپنی کم فہمی کی وجہ سے سمجھتے ہیں) بلکہ اس کی ہوس دُنیا و آخرت میں موجبِ وبال ہے۔حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں نورِ بصیرت عطا فرمائے اور دُنیا کی حقیقت ہم پر منکشف فرمائے۔

[حدیث:۲۳۳] ”عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ انْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ: ”أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ“ قَالَ: يَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ: ”مَالِيْ مَالِيْ!“ وَهَلْ لَّكَ مِنْ مَّالِكَ اِلَّا مَا تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ أَوْ أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء فی الزھادۃ فی الدنیا، حدیث:۲۲۶۵)

ترجمہ: ”مطرف بن عبداللہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ: وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ کی تلاوت فرما رہے تھے، آپ نے فرمایا: ابنِ آدم کہتا ہے: ”میرا مال! میرا مال!“ اور نہیں ہے تیرے لئے مگر وہ جو تو نے صدقہ کرکے اسے آگے بھیج دیا، یا کھا کر اسے ختم کر دیا، یا پہن کر اسے بوسیدہ کر دیا۔“

تشریح: مطلب یہ کہ آدمی کا دُنیا کے مال و دولت اور ساز و سامان کو اپنی طرف منسوب کرنا یہ اس کی خالص خوش فہمی ہے، ورنہ ان تمام چیزوں میں سے جنہیں وہ بڑے طمطراق سے ”میرا مال! میرا مال!“ کہتا ہے اس کے کام کی صرف تین چیزیں ہیں، ایک وہ صدقہ جو خدا تعالیٰ کے خزانے میں جمع کر دیا، دُوسرے وہ کھانا جو کھا کر ختم کر دیا، تیسرے وہ کپڑا جسے پہن کر اِستعمال کرلیا، ان کے علاوہ باقی سب چیزیں یہ چھوڑ کر چلا جائے گا، جو دُوسروں کے حصے میں آئیں گی، ایسی ”بے وفا“ کو اپنا کہہ کر اس پر اِترانا اور خوش ہونا کمالِ حماقت ہے۔ہاں! عطیۂ اِلٰہی سمجھ کر خوش ہو اور اس پر شکر بجالائے۔

اس حدیثِ پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے مراقبے کی تعلیم فرمائی ہے جو حُبِّ مال کی بیماری کے لئے تریاق ہے، یعنی یہ سوچنا کہ میرے پاس جتنا مال ہے یہ میری زندگی ہی میں کارآمد ہے، مرنے کے بعد یہ دُوسروں کی تحویل میں ہوگا، اور اس کے کمانے اور جمع کرنے کا حساب و کتاب مجھے دینا ہوگا، اور چونکہ زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، خدا جانے وقتِ مقدّر کب آجائے؟ تو مال کا بھی کوئی بھروسہ نہ ہوا، تو ایسی بے وفا اور ناپائیدار چیز سے دِل لگانا، اس پر اپنی زندگی کھپانا، اور اس کی خاطر اتنی مشقتیں جھیلنا یہ میری کم عقلی ہے، جس شخص کے دِل میں مال کی محبّت کا روگ ہو، اگر وہ پانچ سات منٹ روزانہ یہی مراقبہ کرلیا کرے تو

اِن شاءاللہ اس مرض سے نجات مل جائے گی، واللہ الموفق!

[حدیث:۲۳۴] ’’عن شَدَّادبن عَبدالله قَالَ: سَمِعتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُوْلُ: قال رسول الله صلى الله عَلَيهِ وَسَلَّمَ: يَا ابْنُ اٰدَمَ! اِنَّکَ اِنْ تَبذُلِ الْفَضلَ خَيرٌ لَّکَ وَاِنْ تُمسِکهُ شَرٌّ لَّکَ وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى۔‘‘

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جاء في الزهادة في الدنيا، حديث:۲۲۶۶)

ترجمہ: ’’حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے آدم کے بیٹے! اگر تو زائد مال کو خرچ کرڈالے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے، اور اگر تو اسے روک رکھے تو یہ تیرے لئے بُرا ہے، اور بقدرِ کفایت کے (روکنے) پر تجھے ملامت نہیں کی جائے گی، اور (خرچ کرنے میں) ان لوگوں سے ابتدا کر جن کا نان ونفقہ تیرے ذمے ہے، اور اُوپر والا ہاتھ بہتر ہے نیچے والے ہاتھ سے۔‘‘

تشریح: اس ارشادِ پاک میں چار مضمون ارشاد فرمائے گئے ہیں، ایک یہ کہ آدمی کو مال جمع کرنے کی حرص نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ مال کا خرچ کرنا اس کے لئے بہتر ہے اور اسے جمع کرکے رکھنا اس کے حق میں بُرا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے مال کو آدمی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، پس مال کو اگر جائز دُنیوی ضروریات میں خرچ کرے گا تو دُنیا کی ضروریات پوری ہوں گی، اور یہ دُنیوی خیر ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے گا تو اس کے لئے ذخیرۂ آخرت بنے گا، یہ مال کی اُخروی خیر ہے، اور اگر جمع کرکے رکھ چھوڑا، نہ اسے دُنیوی ضرورت کے موقعوں پر خرچ کیا، اور نہ دِینی کاموں میں لگایا تو اس کے مرنے کے بعد مال تو دُوسرے کے کام آئے گا اور اس کے کمانے اور جمع کرنے کا حساب اس کو دینا ہوگا، اس لئے مال جمع کرکے چھوڑ جانا اس کے حق میں سراسر وبال ثابت ہوا۔

البتہ مال کے خرچ کرنے میں دو باتیں ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہئیں، ایک یہ کہ مال کو خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں میں خرچ نہ کرے، ورنہ مال کا خرچ کرنا بھی وبالِ جان ہوگا، دُوسرے یہ کہ فضول خرچی سے احتراز کیا جائے، کیونکہ مال بھی حق تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس نعمت کو فضول کاموں میں اُڑانا اس نعمت کی بے قدری ہے۔ قرآنِ کریم میں اس طرح مال اُڑانے والوں کو ’’اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ‘‘ یعنی شیطان کا بھائی فرمایا ہے۔

دُوسرا مضمون اس حدیثِ پاک میں یہ ارشاد فرمایا کہ بقدرِ کفاف مال جمع کرنے میں آدمی پر ملامت نہیں، یعنی اگر کسی کے پاس صرف اتنا روپیہ پیسہ یا مال و دولت ہے کہ اس سے اس کی ضروریات ہی پوری ہوسکتی ہیں، اگر وہ اس کو اپنی ضروریات کے لئے روک رکھے اور کسی کو نہ دے تو وہ لائقِ ملامت نہیں،

کیونکہ توکل کا اعلیٰ درجہ کہ آدمی کچھ بھی پاس نہ رکھے، ہر شخص کے بس کی بات نہیں، اور نہ ہر شخص اس کا مکلف ہے، ہاں! کسی کو حق تعالیٰ قوّتِ قلب، قوّتِ یقین اور قوّتِ توکل کا یہ اعلیٰ مرتبہ نصیب فرمادیں تو وہ بقدرِ کفاف کے جمع کرنے سے بھی بے نیاز ہے۔ آنحضرت ﷺ، حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ اور بہت سے اکابر اولیاء اللہ کی یہی شان تھی کہ اہل وعیال کا نفقہ ان کے حوالے کر کے فارغ ہوجاتے اور اپنی ذات کے لئے کسی چیز کے جمع کرنے کے روادار نہیں تھے، بلکہ جو کچھ بھی آتا تھا شام سے پہلے پہلے اسے ٹھکانے لگادیتے تھے۔

تیسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا کہ: آدمی کو خرچ کی ابتدا ان لوگوں سے کرنی چاہئے جن کا نان ونفقہ اس کے ذمے ہے، پہلے ان کی ضرورت کے بقدر ان کو دے، پھر دیگر مصارف پر خرچ کرے، یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اہلِ حقوق کے حقوق تلف کر کے صدقہ وخیرات کرتا پھرے۔

چوتھا مضمون یہ ارشاد فرمایا کہ: ”اُوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے“ اُوپر والے ہاتھ سے دینے والا، نیچے والے ہاتھ سے لینے والا ہاتھ مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ دُوسروں کو دینے والا مؤمن، لینے والے سے بہتر ہے، کیونکہ دینے والا دے کر خود فقر اِختیار کر رہا ہے، اور لینے والا لے کر مال دار بن رہا ہے، نیز دینے والا خلقِ خدا کی نفع رسانی میں مشغول ہے اور لینے والا اپنے نفع کے حصول میں مشغول ہے۔ اس ارشادِ پاک میں یہ تعلیم فرمائی گئی ہے کہ مؤمن کو حتّی الوسع دینے والا بننا چاہئے، لینے والا نہیں، اس کا ہاتھ ہمیشہ اُوپر رہنا چاہئے، نیچے نہیں۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا

[حدیث:۲۳۵] ”عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَوَکَّلُوْنَ عَلَی اللہِ حَقَّ تَوَکُّلِهٖ لَرُزِقْتُمْ کَمَا تُرْزَقُ الطَّیْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَّتَرُوْحُ بِطَانًا۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء فی الزھادۃ فی الدنیا، حدیث:۲۲۶۷)

ترجمہ: ”امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اگر تم حق تعالیٰ شانہٗ پر ایسا بھروسہ اور اِعتماد کرتے جیسا کہ اس کا حق ہے تو تم کو اسی طرح رزق دیا جاتا جس طرح پرندوں کو دیا جاتا ہے، کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس آتے ہیں۔“

تشریح: توکّل کے معنی ہیں اپنے تمام کاموں میں حق تعالیٰ شانہٗ کو وکیل اور کارساز بنانا، اور ان کے علم، ان کی قدرت اور ان کی رَزّاقیت پر اِعتماد و بھروسہ کرنا، قرآنِ کریم اور حدیثِ پاک میں توکل کے

بہت سے فضائل ارشاد ہوئے ہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ﴾ (الطّلاق:۳) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے وہ اس کو کافی ہے۔

اس حدیثِ پاک میں توکّل کا اعلیٰ ترین مرتبہ اور اس کا ثمرہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر تم معاش کے سلسلے میں حق تعالیٰ شانہٗ پر کامل بھروسہ کرتے تو حق تعالیٰ شانہٗ ظاہری اسباب کے بغیر اسی طرح تمہاری پرورِش فرماتے جس طرح پرندوں کی پروَرِش ہورہی ہے، وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہوکر واپس آتے ہیں۔

یہاں یہ یادرکھنا چاہیئے کہ اسبابِ معاش کا بالکلیہ ترک کردینا ہر شخص کا کام نہیں، نہ ہر شخص اس کا مکلّف ہے، البتہ تین باتیں ہر شخص کو لازم ہیں، ایک یہ کہ کسبِ معاش کے لئے صرف ایسے اسباب اِختیار کرے جن کی شریعت نے اجازت دی ہے، غیر مشروع اور ناجائز اَسباب سے اِحتراز کرے۔ دوم یہ کہ اسباب کو اَسباب کے درجے میں رکھ کر اِختیار کرے، ان کو مؤثرِ حقیقی نہ سمجھے، بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ یہ اسباب محض ظاہری علامات ہیں، ورنہ مؤثرِ حقیقی محض حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت ومشیت ہے، حق تعالیٰ چاہیں تو ان ظاہری اسباب کے بغیر بھی عطا فرماسکتے ہیں، اور اگر نہ دینا چاہیں تو سارے اسباب بے کار ہیں۔ سوم یہ کہ اسباب کو بقدرِ ضرورت اختیار کرے، ان میں اس قدر غلوّ واِنہماک نہ کرے کہ اُنہیں اسباب میں اُلجھ کر رہ جائے اور حق تعالیٰ شانہٗ کی طاعت وبندگی کے لئے فارغ نہ ہوسکے۔

[حدیث:۲۳۶] ”عَنۡ أَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ أَخَوَانِ عَلٰى عَهۡدِ رسول اللہ صلی اللہ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَحَدُهُمَا يَأۡتِي النَّبِيَّ صلی اللہ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَالۡاٰخَرُ يَحۡتَرِفُ، فَشَكَى الۡمُحۡتَرِفُ أَخَاهُ اِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لَعَلَّكَ تُرۡزَقُ بِهٖ۔ هٰذَا حَدِيۡثٌ حَسَنٌ صَحِيۡحٌ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاءَ فی الزھادۃ فی الدنیا، حدیث:۲۲۶۸)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو بھائی تھے، ایک کام کاج کیا کرتا تھا، اور دُوسرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دیتا۔ کام کرنے والے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بھائی (کے کام نہ کرنے) کی شکایت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شاید تجھے بھی اسی کی برکت سے رِزق دیا جاتا ہو۔“

تشریح: اس حدیث میں اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ کام کرنے والے یوں نہ سمجھیں کہ ہمارے کام کرنے کی بدولت رزق ملتا ہے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ دُوسرے لوگ جو کام کاج نہیں کرسکتے، یا دِینی کاموں

میں مشغول ہونے کی وجہ سے دُنیوی کام نہیں کرتے، ان کی برکت سے کام کرنے والوں کو بھی رزق عطا کیا جاتا ہو۔ دُوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ تمہیں کمزور لوگوں کی برکت سے رزق دیا جاتا ہے۔ کسان کاشت کرتا ہے اور اس کی کاشت کی ہوئی کھیتی سے چرند پرند اور کیڑے مکوڑے مستفید ہوتے ہیں، کسان تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب اس کی کمائی کھا رہے ہیں، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان چیزوں کی برکت سے کسان کو رزق عطا فرماتے ہیں۔

[حدیث:۲۳۷] ”عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عُبَيْدِاللهِ بْنِ مُحْصِنٍ الْخُطَمِيِّ عَنْ أَبِيْهِ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ، قَالَ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ اٰمِنًا فِيْ سِرْبِهٖ، مُعَافًى فِيْ جَسَدِهٖ، عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ، فَكَأَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مَرْوَانَ بْنِ مُعَاوِيَةَ، قَوْلُهٗ: حِيْزَتْ يَعْنِيْ جُمِعَتْ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاءفی الزھادۃفی الدنیا، حدیث:۲۲۶۹)

ترجمہ: ”حضرت عبیداللہ بن محصن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو شخص ایسی حالت میں صبح کرے کہ اپنی ذات کے بارے میں امن سے ہو، بدن دُرست ہو اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہو، تو یوں سمجھو گویا ساری دُنیا اپنے ساز و سامان کے ساتھ سمٹ کر اس کے پاس جمع ہوگئی ہے۔“

تشریح: مطلب یہ کہ امن و عافیت اور قدرِ کفاف روزی یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ جس شخص کو حاصل ہوں تو گویا دُنیا کی ساری دولتیں اس کے پاس جمع ہیں، کیونکہ دُنیا کا ساز و سامان انہی تین نعمتوں کے حصول کے لئے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو یہ نعمتیں عطا فرمادے تو دُنیا کے مال وجاہ اور عزّت و منصب کی ہوس بے کار ہے۔ اس حدیثِ پاک میں ایک تو ان نعمتوں پر شکرِ الٰہی بجالانے کی تعلیم ہے، دُوسرے قناعت کی تلقین ہے، کیونکہ دُنیا کا ساز و سامان جتنا زیادہ بڑھے گا، قلب کو اتنی تشویش ہوگی، افکار اور پریشانیوں میں اتنا ہی اضافہ ہوگا، راحت و سکون اور امن و عافیت، جس کا ہر شخص متلاشی ہے، اسی وقت میسر آسکتی ہے جب قلب عطائے الٰہی پر قانع ہوجائے، اور زائد از ضرورت چیزوں کی طلب اور ہوس اس کے اندر سے مٹ جائے۔

بقدرِ کفایت روزی پر صبر کرنا

[حدیث:۲۳۸] ”عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ

أَغْبَطَ أَوْلِيَائِیْ عِنْدِیْ لَمُؤْمِنٌ خَفِيْفُ الْحَاذِ ذُوْ حَظٍّ مِّنَ الصَّلٰوةِ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَأَطَاعَهٗ فِی السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِی النَّاسِ لَا يُشَارُ اِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ، وَكَانَ رِزْقُهٗ كَفَافًا فَصَبَرَ عَلٰی ذٰلِكَ، ثُمَّ نَقَرَ بِيَدَيْهِ فَقَالَ: عُجِّلَتْ مَنِيَّتُهٗ قَلَّتْ بَوَاكِيْهِ قَلَّ تُرَاثُهٗ۔ وَبِهٰذَا الْاِسْنَادِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عَرَضَ عَلَیَّ رَبِّیْ لِيَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا، قُلْتَ: لَا يَا رَبِّ! وَلٰكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجُوْعُ يَوْمًا، اَوْ قَالَ ثَلَاثًا أَوْ نَحْوَ هٰذَا، فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ، وَاِذَا شَبِعْتُ شَكَرْتُكَ وَحَمِدْتُكَ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، باب مَاجاء فی الكفاف الصبر عليه، حديث: ۲۲۶۹)

ترجمہ: حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے دوستوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ لائقِ رشک وہ مؤمن ہے جس کی کمر (زیادہ اہل وعیال اور دُنیا کے زیادہ کاروبار کے بوجھ سے) ہلکی پھلکی ہو، نماز سے بڑا حصہ رکھتا ہو، اپنے ربّ کی خوب عبادت کرے اور تنہائی میں اس کی فرمانبرداری کرے، لوگوں میں گمنام ہو کہ اس کی طرف اُنگلیاں نہ اُٹھتی ہوں، اور اس کی روزی بقدرِ کفایت ہو، پس وہ اس پر صبر کرے۔ یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹکی بجائی فرمایا: اس کی موت جلدی آجائے، اس پر رونے والیاں بھی کم ہوں اور اس کی وراثت بھی کم ہو۔

اسی سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دُوسرا ارشاد نقل کیا ہے کہ: میرے ربّ نے مجھے یہ پیشکش کی کہ وہ میرے لئے وادیٔ مکہ کو سونا بنادیں، میں نے عرض کیا: نہیں اے ربّ! بلکہ میں ایک دن سیر ہوا کروں اور ایک دن بھوکا رہا کروں، پس جب بھوک ہو تو سیری کے لئے تیرے سامنے گڑگڑاؤں اور تجھے یاد کروں، اور جب پیٹ بھر جائے تو تیرا شکر اور تیری حمد بجالاؤں۔“

تشریح: پہلی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام دوستوں میں سے اس مؤمن کو لائقِ رشک فرمایا جس میں یہ صفات پائی جائیں:-

۱:... اس کے ساتھ اہل وعیال کا زیادہ جھمیلا نہ ہو، نہ زیادہ کاروبار کا بکھیڑا ہو، بلکہ وہ ان چیزوں سے ہلکا پھلکا اور فارغ البال ہو، اس لئے کہ عموماً یہ چیزیں آدمی کو ایسا پھانس لیتی ہیں کہ اسے دِین ودُنیا کا کوئی ہوش نہیں رہتا، ہاں! کسی شخص کو اہل اللہ کی صحبت سے ایسی حالت نصیب ہوجائے کہ یہ سارے جھگڑے

بکھیڑے بھی اس کے دامنِ دِل کو نہ کھینچ سکیں، اور باہمہ اور بے ہمہ کی کیفیت پیدا ہو جائے، اہل وعیال کی مشغولی اسے یادِ خداوندی سے مانع نہ رہے، تو اس کا شمار بھی انہی خوش قسمت لوگوں میں ہوگا جن کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے لائقِ رشک فرمایا ہے، بلکہ بعید نہیں کہ اس کا مرتبہ اور زیادہ بلند ہو جائے اس لئے کہ اجر بقدرِ مجاہدہ ملتا ہے، اور اس شخص کا مجاہدہ ہلکے پھلکے آدمی سے یقیناً بڑھ کر ہے، تاہم اگر کسی کے پاس اہل وعیال اور دُنیا کے مال کی قلّت ہو تو اس پر افسوس اور حسرت کی ضرورت نہیں، بلکہ حق تعالیٰ صحیح بصیرت نصیب فرمائے تو بارشادِ نبوی یہ حالت لائقِ رشک ہے۔

۲:... اس مؤمن کی دُوسری لائقِ رشک ادا یہ ذکر فرمائی کہ اسے نماز میں راحت ولذّت حاصل ہو، اور نماز کا ایک خاص حظ اور حصہ اس کو عطا کیا گیا ہو، اسی کے ساتھ اپنے رَبّ جل شانہٗ کی عبادت میں اسے احسان کا درجہ حاصل ہو، اور تنہائی میں جہاں اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ دیکھتا ہو، اپنے رَبّ تعالیٰ کی خوب عبادت وفرمانبرداری کرتا ہو، یہ صفت لائقِ رشک اس لئے ہے کہ یہی مقصودِ زیست اور مقصدِ زندگی ہے، اس دُنیا میں اس سے بڑھ کر نہ کوئی نعمت ہے، نہ لذّت کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اَپنی یاد اور اَپنی اطاعت وعبادت کے لئے منتخب فرمالے۔

۳:... تیسری لائقِ رشک صفت یہ ارشاد فرمائی کہ وہ دُنیا میں گم نام ہو، نہ اس کے نام کی شہرت، نہ اس کی طرف نظریں اُٹھتی ہوں، نہ اُنگلیوں سے اشارے کئے جاتے ہوں، نہ محافل ومجالس میں اس کے لئے جگہ خالی کی جاتی ہو۔

عام لوگ شہرت وعزّت کے خواہاں رہتے ہیں، اور اس کے لئے بڑی تگ ودو اور کوششیں کرتے ہیں، اور یہ چیز ایک مستقل دردِ سر اور عذاب بن کر رہ جاتی ہے، پھر دُنیوی شہرت ایسی چیز ہے کہ بہت ہی کم آدمی اس کی آفتوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں، اور پھر یہ ایسی لغو اور فضول چیز ہے کہ آخرت میں تو اس کا کیا نفع ہوتا، دُنیا میں بھی سوائے پریشانی اور فکر کے اس سے کچھ حاصل نہیں، ہاں! کسی کی قلبی صلاحیتیں ہی ماؤف ہوگئی ہوں، اور جس طرح خارشتی کو خارش میں لذّت آتی ہے، وہ شہرت کے آفات ہی میں لذّت محسوس کرے تو وہ بحث سے خارج ہے۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کوشش وطلب کے بغیر حق تعالیٰ وہبی طور پر شہرت عطا کر دیں اور اس کو مخلوق کی اصلاح وارشاد اور نفع رسانی کا ذریعہ بنادیں تو وہ مذموم نہیں۔ لیکن اس کے غوائل وآفات سے پھر بھی ڈرتے رہنا اور حق تعالیٰ شانہٗ سے حفاظت کی اِلتجائیں کرتے رہنا ضروری ہے۔

۴:... آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس لائقِ رشک مؤمن کے بارے میں تین باتیں اور ذکر فرمائیں، اوّل چٹکی بجا کر یوں فرمایا کہ اس کی موت جلدی آجائے۔ بعض حضرات نے اس کی تفسیر قلّتِ عمر سے فرمائی

ہے، کیونکہ عمر کم ہوگی تو دُنیا کے شر و فساد اور معصیت اور گناہ کے انبار سے محفوظ رہے گا، اور بعض حضرات نے اس کی تفسیر نزع کی آسانی سے فرمائی ہے، یعنی چونکہ اس کی رُوح دُنیا کی چیزوں میں اَٹکی ہوئی نہیں ہے اور اس پر حق تعالیٰ شانہٗ کی ملاقات کے شوق اور دارُ القرار کی منزل تک پہنچنے کا غلبہ ہے اس لئے اس کی رُوح جلدی نکل جاتی ہے، اور بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح زندگی میں اس کے اخراجات و مصارف کم تھے، اسی طرح اس کی موت کے مصارف بھی کم سے کم ہوں، اور کسی طمطراق کے بغیر جلد از جلد اسے سپردِ خاک کر دیا جائے، اس ارشاد کا اگر پہلا مطلب لیا جائے یعنی عمر کا کم ہونا، تو یہ ہر شخص کے اعتبار سے نہیں، کیونکہ دُوسری احادیث میں طولِ عمر کو جب اس کے ساتھ حسنِ عمل بھی ہو، افضل فرمایا گیا ہے۔

دُوسری بات یہ فرمائی کہ اس پر رونے والیاں کم ہوں، کیونکہ اس کا خویش قبیلہ زیادہ نہیں تھا، اس لئے جب مرا تو اس پر کوئی رونے والا بھی نہیں۔ اللہ اکبر! کیسی عمدہ حالت ہے کہ جیسے دُنیا میں اکیلا آیا تھا ویسے ہی اکیلا رُخصت ہوا، کیونکہ اگر کسی کی موت پر ہزاروں رونے والے بھی ہوں تو ان کے رونے سے مرنے والے کو کیا نفع؟ بقول اکبرؔ:

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے!

مرنے کے بعد آدمی کو نہ دُنیا کی عزّت و وجاہت کام آئے گی، نہ دولت و ثروت، نہ لوگوں کے مرثیے اور نوحے، اس کے کام تو وہ اعمال آئیں گے جن کو یہ اپنے ساتھ لے گیا۔

تیسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ اس کا ترکہ بھی کم ہو، جس کو یہ پیچھے چھوڑ کر گیا تھا، نہ وہ اپنی زندگی میں دُنیا سے ملوّث ہوا، نہ اس کے مرنے پر اس کی وراثت کے جھگڑے ہوئے۔

یہ تمام صفات، جن کو اس حدیث میں لائقِ رشک فرمایا گیا، اگر کسی بندۂ خدا کو نصیب ہوں تو اسے شکر کرنا چاہئے، اور اگر نصیب نہ ہوں تو کم از کم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ان کو لائقِ رشک تو سمجھے، اس سے بھی کسی درجے میں ذوقِ نبوی کے ساتھ ہم آہنگی نصیب ہوجائے گی، رَزَقَنَا اللّٰہُ بِفَضْلِهٖ وَمَنِّهٖ!

دُوسری حدیث کا مضمون واضح ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشکش کی گئی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے بطحائے مکہ سونا بنا دیا جائے، مگر اس کو منظور نہیں فرمایا، اور یوں عرض کیا کہ: یا اللہ! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کھایا کروں اور ایک دن بھوکا رہوں، بھوکا رہوں تو آپ کی بارگاہ میں گڑگڑاؤں، اور جس دن کھانے کو میسر آئے آپ کا شکر و حمد بجا لاؤں۔

اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّتِ نفس اور بلندیٔ زُہد کا کسی قدر اندازہ کیا جاسکتا ہے، اسی کے ساتھ دُنیا کی حقارت و ذِلت بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ خود ربّ العالمین کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیشکش

کی جاتی ہے، مگر آپ ﷺ اس کو قبول نہیں فرماتے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ ﷺ کا فقرو فاقہ خود اِختیاری تھا، مجبوری کی وجہ سے نہیں تھا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آدمی بھوکا ہو تو اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا آنحضرت ﷺ کی محبوب سنّت ہے، اور یہ حق تعالیٰ شانہٗ کو بہت ہی پسند ہے، اسی طرح جب حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے کوئی نعمت ملے اس پر شکر کرنا بھی اس نعمت کا حق ہے، کیونکہ شکر پر مزید اِنعامات سے نوازنے کا وعدہ ہے، اور ناشکری پر سزا کی وعید ہے، حق تعالیٰ شانہٗ ہم کو بھی آنحضرت ﷺ کی ان محبوب اداؤں کو اِختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

[حدیث: ۲۳۹] ”عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رسول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَّ قَنَّعَهُ اللهُ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء فی الکفاف الصبر علیہ، حدیث: ۲۲۷۰)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تحقیق کامیاب ہوا وہ شخص جو اِسلام لایا، اور اس کو بقدرِ ضرورت رِزق عطا کیا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قناعت عطا فرمائی۔“

تشریح: مطلب یہ کہ ایسا شخص جس کو یہ تین نعمتیں ملی ہوں، دُنیا اور آخرت میں کامیاب ہے، اسلام کی ہدایت ہوجانا، بقدرِ ضرورت روزی مل جانا، اور اس پر قناعت نصیب ہوجانا، کیونکہ رزق تو من جانب اللہ مقدّر ہے، جس شخص کو قناعت نصیب ہوگئی، اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا، اس کو دُنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں مل گئیں۔

[حدیث: ۲۴۰] ”عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ رسول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: طُوْبٰى لِمَنْ هُدِىَ لِلْاِسْلَامِ، وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافًا وَقَنَعَ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء فی الکفاف الصبر علیہ، حدیث: ۲۲۷۱)

ترجمہ: ”حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مبارک ہے وہ شخص جس کو اِسلام کی ہدایت ہوئی، اور اس کی روزی بقدرِ کفایت تھی، اور اس کو قناعت نصیب ہوئی۔“

تشریح: یعنی وہ شخص نہایت مبارک ہے جس کو اِسلام کی ہدایت ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے اس کا سینہ کھول دیا، اور اس کو بقدرِ کفایت روزی میسر آئی کہ الحمدللہ گزارہ چل رہا ہے، اگرچہ بچتا بچاتا کچھ نہیں، اور اس کو اللہ تعالیٰ نے قناعت کی دولت سے نوازا کہ اس کو زیادہ جمع کرنے کی حرص نہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہم کو بھی یہ دولتیں نصیب فرمائے، آمین!

فقر کی فضیلت کا بیان

[حدیث: ۲۴۱] ”عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَاللهِ اِنِّيْ لَأُحِبُّكَ۔ فَقَالَ: أُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ؟ قَالَ: وَاللهِ! اِنِّيْ لَأُحِبُّكَ۔ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ: اِنْ كُنْتَ تُحِبُّنِيْ فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا، فَاِنَّ الْفَقْرَ أَسْرَعُ اِلٰى مَنْ يُحِبُّنِيْ مِنَ السَّيْلِ اِلٰى مُنْتَهَاهُ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء فی فضل الفقر، حدیث: ۲۲۷۲)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! مجھے آپ سے محبّت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو! کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ سے محبّت کرتا ہوں۔ تین بار یہی فقرہ دُہرایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو مجھ سے محبّت رکھتا ہے تو فقر و فاقہ کے لئے ڈھال تیار کر رکھ، کیونکہ جو شخص مجھ سے محبّت رکھے، فقر اس کی طرف ایسی تیزی سے دوڑتا ہے کہ سیلاب گڑھے کی طرف اتنی تیزی سے نہیں جاتا۔“

تشریح: یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال داری کے مقابلے میں خود اِختیاری فقر قبول فرمایا تھا، اس لئے کہ اس دُنیا کی لذّات اور یہاں کا عیش و تنعّم اس لائق نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ عصمت اس سے ملوّث ہوتا، پس جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق نصیب ہو اس کو بھی اسی زُہدِ اِختیاری سے بقدرِ تعلق حصہ ملنا ضروری ہے، اور یہ تعلق و نسبت جس قدر قوی ہوگا اسی نسبت سے فقر خود اِختیاری اور زُہد و قناعت کی دولت بھی نصیب ہوگی۔

علاوہ ازیں جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کا دعویٰ رکھتا ہو اس کے دعوائے محبّت کا امتحان بھی ضروری ہے، اور فقر و فاقہ اور تنگ دستی کی حالت میں آدمی کے یقین و توکل، اخلاق و اعمال اور عادات و اطوار کا خوب خوب امتحان ہوجاتا ہے، جو شخص راہِ محبّت میں راسخ قدم ہو وہ ہر یسر و عسر اور تنگی و فراخی میں آدابِ محبت بجالاتا ہے، اور جو دعوائے محبّت میں کچا ہو، فقر و فاقہ کی کُٹھالی میں اس کا کھوٹ ظاہر ہوجاتا ہے، اور جس کا دِل مال کی محبّت سے فارغ ہوجائے، اگر حق تعالیٰ شانہٗ اس پر دُنیا کے دروازے بھی کھول دیں تب بھی وہ اپنے فقرِ اصلی پر نظر رکھتا ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ سے اس کا رِشتۂ اِحتیاج و اِفتقار منقطع نہیں ہوتا۔

فقراء مہاجرین، اغنیاء سے پہلے جنّت میں داخل ہوں گے

[حدیث: ۲۴۲] ”عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

فُقَرَآءُ الْمُهَاجِرِيْنَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَآئِهِمْ بِخَمْسِمَائَةِ عَامٍ۔"

(رواه الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء ان فقراء المهاجرين، حدیث:۲۲۷۳)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: فقراء مہاجرین، مال داروں سے پانچ سو سال پہلے جنّت میں داخل ہوں گے۔"

[حدیث:۲۴۳] "عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِیْ مِسْكِيْنًا وَّأَمِتْنِیْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لِمَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: اِنَّهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَآئِهِمْ بِأَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا، يَا عَائِشَةُ! لَا تَرُدِّی الْمِسْكِيْنَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، يَا عَائِشَةُ! أَحِبِّی الْمَسَاكِيْنَ وَقَرِّبِيْهِمْ، فَإِنَّ اللهَ يُقَرِّبُكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔"

(رواه الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء ان فقراء المهاجرين، حدیث:۲۲۷۴)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِیْ مِسْكِيْنًا وَّأَمِتْنِیْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ، مسکینی کی حالت میں موت دے، اور قیامت کے دن مسکینوں کی جماعت میں میرا حشر فرما۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ یہ دُعا کیوں کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مساکین، مال داروں سے چالیس سال پہلے جنّت میں داخل ہوں گے، اے عائشہ! کسی مسکین کو خالی ہاتھ واپس نہ لوٹا، خواہ کھجور کی پھانک (ٹکڑا) ہی دینا پڑے (کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیئے)، اے عائشہ! مساکین سے محبّت کر، اور ان کو قریب کر، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھ کو اپنا قرب عطا فرمائیں گے۔"

[حدیث:۲۴۴] "عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَدْخُلُ الْفُقَرَآءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَآءِ بِخَمْسِمَائَةِ عَامٍ نِصْفِ يَوْمٍ۔"

(رواه الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء ان فقراء المهاجرين، حدیث:۲۲۷۵)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقراء، مال داروں سے پانچ سو سال یعنی آدھا دن پہلے جنّت میں داخل ہوں گے۔"

[حدیث:۲۴۵] "عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ أَنَّ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ: یَدْخُلُ فُقَرَآءُ الْمُسْلِمِیْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِیَآئِہِمْ بِأَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء ان فقراء المھاجرین، حدیث:۲۲۷۶)

ترجمہ: "حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: فقیر مسلمان، اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنّت میں داخل ہوں گے۔"

[حدیث:۲۴۶] "عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَدْخُلُ فُقَرَآءُ الْمُسْلِمِیْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِیَآءِ بِنِصْفِ یَوْمٍ، وَھُوَ خَمْسُمَائَةِ عَامٍ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء ان فقراء المھاجرین، حدیث:۲۲۷۷)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: فقراء مسلمین، مال داروں سے آدھا دن پہلے جنّت میں داخل ہوں گے، اور آدھے دن سے مراد پانچ سو سال ہیں۔"

تشریح: ان احادیث میں فقر و مسکنت کی یہ خاص فضیلت ارشاد فرمائی گئی ہے، چونکہ فقراء و مساکین کو دُنیا کی لذتوں سے حسبِ خواہش نفع اُٹھانے کا موقع نہیں ملا، اس لئے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں عطا فرمائیں گے کہ وہ مال داروں سے پہلے جنّت میں داخل ہوکر وہاں کی لازوال نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ جنّت کی ایک گھڑی بھی دُنیا کی پوری زندگی کی نعمتوں سے زیادہ قیمتی ہے، اس لئے اگر کسی شخص کو حق تعالیٰ نے غربت و مسکنت میں رکھا ہو تو اسے حق تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس تنگ دستی کا بدلہ اسے جنّت میں عطا فرمائیں گے۔

فقراء کے جنّت میں پہلے جانے کی دو مقداریں مذکورہ بالا اَحادیث میں ذکر کی گئی ہیں، ایک چالیس سال، اور دُوسری پانچ سو سال۔ یہ دُوسری احادیث سند کے اعتبار سے زیادہ قوی ہیں، حضراتِ علماء نے ان دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح دی ہے کہ یہ دونوں مقداریں الگ الگ لوگوں کے اعتبار سے ہیں، جو فقیر کہ حریص مال دار پر حرص کرتا اور للچاتا ہو، وہ اس سے چالیس سال پہلے جنّت میں جائے گا، اور جو فقیر کہ دُنیا سے بے رغبت ہو اور زُہد و قناعت کی وجہ سے اسے کسی مال دار پر رشک نہ آئے وہ اس سے پانچ سو سال پہلے جنّت میں داخل ہوگا۔ گویا جو فقیر کہ دُنیا کی حرص اور خواہش رکھتا ہو وہ فقیر زاہد سے ۲۵ میں سے ۲۳ درجے پیچھے جنّت میں داخل ہوگا۔

آنحضرت ﷺ اور آپ کے اہلِ بیت کی معیشت

[حدیث:۲۴۷] ”عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ فَدَعَتْ لِیْ بِطَعَامٍ وَّقَالَتْ: مَا أَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَأَشَاءُ أَنْ أَبْكِيَ اِلَّا بَكَيْتُ۔ قَالَ: قُلْتُ: لِمَ؟ قَالَتْ: أَذْكُرُ الْحَالَ الَّتِيْ فَارَقَ عَلَيْهَا رسول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا، اللهِ! مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَّلَحْمٍ مَّرَّتَيْنِ فِيْ يَوْمٍ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ“ (رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء فی معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث:۲۲۷۸)

ترجمہ: ”حضرت مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے میرے لئے کھانا منگوایا، اور فرمایا: جب بھی سیر ہوکر کھانا کھاتی ہوں، اگر رونا چاہوں تو روسکتی ہوں۔ میں نے عرض کیا: یہ کیوں؟ فرمایا: مجھے وہ حالت یاد آجاتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے دُنیا کو خیر باد کہا، اللہ کی قسم! آپ نے کبھی دن میں دومرتبہ روٹی اور گوشت سے سیر ہوکر نہیں کھایا۔“

[حدیث:۲۴۸] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا شَبِعَ رسول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ شَعِيْرٍ يَّوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ۔“ (رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء فی معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۲۲۷۹)

ترجمہ: ”حضرت اَسوَد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے کبھی پے درپے دو دن جو کی روٹی بھی سیر ہوکر نہیں کھائی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔“

[حدیث: ۲۴۹] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: مَا شَبِعَ رسول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهٗ ثَلَاثًا تِبَاعًا مِنْ خُبْزِ الْبُرِّ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا۔“ (رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء فی معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۲۲۸۰)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ اور آپ کے اہلِ بیت کو کبھی تین دن متواتر گیہوں کی روٹی بھی پیٹ بھر کر میسر نہیں آئی، یہاں تک کہ آپ ﷺ دُنیا سے تشریف لے گئے۔“

[حدیث: ۲۵۰] ”عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُوْلُ: مَا كَانَ

يَفْضُلُ عَنْ أَهْلِ بَيْتِ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزُ الشَّعِيْرِ۔" (رواہ الترمذی، ابواب الزھد،بَاب مَا جاء فی معیشة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۲۲۸۱)

ترجمہ: ''حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خانہ سے جَو کی روٹی بھی بچ نہیں رہتی تھی (یعنی اتنی زیادہ نہ ہوتی تھی کہ سیر ہوکر اُٹھ جائیں اور کھانا بچ رہے)۔''

[حدیث: ۲۵۱] ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا وَّأَهْلُهُ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَّكَانَ أَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيْرِ۔" (رواہ الترمذی، ابواب الزھد،بَاب مَا جاء فی معیشة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۲۲۸۲)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی راتیں خالی پیٹ گزار دیتے تھے، اور آپ کے اہلِ خانہ کو رات کا کھانا میسر نہ آتا تھا، اوران کے یہاں روٹی زیادہ تر جَو ہی کی ہوتی تھی۔''

[حدیث: ۲۵۲] ''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔" (رواہ الترمذی، ابواب الزھد،بَاب مَا جاء فی معیشة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۲۲۸۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا کرتے تھے: اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل کو رزق بقدرِ کفایت دیجئے۔''

تشریح: ''قُوت'' اتنی مقدارِ رزق کو کہتے ہیں جس سے رُوح و بدن کا رشتہ قائم رہ سکے، اور بعض حضرات نے اس کی تفسیر قدرِ کفایت کے ساتھ فرمائی ہے، یعنی بس اتنا رِزق ملے جو ان کی ضروریات کے لئے کافی ہوجائے۔ اس حدیث پاک سے ایک تو دُنیا کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذوق اور مزاج معلوم ہوجاتا ہے، عام طور سے لوگ اپنے متعلقین کے لئے فراخیٔ رزق کی دُعا کیا کرتے ہیں (اور کسی معصیت کے ارتکاب کے بغیر اگر یہ نصیب ہوتو مذموم بھی نہیں)، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زُہد اور دُنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں اپنے متعلقین کے لئے بقدرِ کفاف روزی کی درخواست کرتے ہیں (فداہ آبائنا واُمہاتنا وأرواحنا صلی اللہ علیہ وسلم)۔ دُوسری بات اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوئی کہ اولیاء اللہ اور مقرّبانِ بارگاہ پر اِبتدائی حالات میں روزی کی تنگی کا معاملہ جو اکثر مشاہدے میں آیا ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی

پاک دُعا کا اثر ہے۔ بعد میں جب ان حضرات کے پاک قلوب سے دُنیا نکل جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ ان پر فراخی کردیتے ہیں، اس لئے حضراتِ کاملین کے آخری دور کی فراخی سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے، بلکہ ان کے اوّل سلوک کے حالات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اس حدیث میں اُمّت کے ضعفاء و مساکین کے لئے بھی بڑی تسلّی اور بشارت ہے، انہیں اپنے فقر و فاقہ اور ناداری و تنگ دستی سے رنجیدہ نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ ایک اعتبار سے ان کی حالت لائقِ شکر ہے کہ جس چیز کو آنحضرت ﷺ نے اپنے کریم مولیٰ سے خود مانگ کرلیا تھا، ان کو اِضطراری طور پر ہی سہی، مگر اس مانگی ہوئی نعمت سے کچھ حصہ تو مل گیا۔

[حدیث:۲۵۳] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ۔“ (رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جاء فی معیشة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث:۲۲۸۴)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کل کے لئے کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ فتح خیبر کے بعد اُمہات المؤمنین رضوان اللہ علیہن کو ان کا نفقہ عطا فرمادیتے تھے، مگر خود اپنی معیشت توکّل پر تھی، اس لئے جو آتا تھا اللہ کی راہ میں خرچ فرمادیتے تھے، اور اگلے دن کے لئے کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے۔ جس شخص کو توکّل کا یہ اعلیٰ درجہ نصیب نہ ہو اور اہل وعیال کے حقوق اس کے ذمے ہوں اس کو اس کی ہوس نہیں کرنی چاہیئے کہ سب کچھ لٹا کر فارغ ہوجائے، ورنہ پریشان ہوگا۔

[حدیث:۲۵۴] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَا أَكَلَ رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خِوَانٍ وَّلَا أَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتّٰى مَاتَ۔“ (رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جاء فی معیشة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث:۲۲۸۵)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی چوکی پر کھانا رکھ کر نہیں کھایا، اور نہ آپ نے کبھی میدے کی چپاتی کھائی، یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانے کا تھا، چوکی پر رکھ کر کھانا کھانا تنعّم پرست لوگوں کا شیوہ ہے، جیسا کہ ہمارے زمانے میں تنعّم پرستوں نے میز کُرسی پر کھانے کا دستور نکالا ہے، یہ خلافِ سنّت اور مکروہ ہے۔

[حدیث:۲۵۵] ”عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّهٗ قِيْلَ لَهٗ: أَكَلَ رسول اللہ صلی اللہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ يَعْنِي الْحَوَارِي؟ فَقَالَ سَهْلٌ: مَا رَأى رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ حَتّٰى لَقِيَ اللهَ. فَقِيلَ لَهُ: هَلْ كَانَتْ لَكُمْ مَنَاخِلُ عَلٰى عَهْدِ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: مَا كَانَتْ لَنَا مَنَاخِلُ. قِيلَ: فَكَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ بِالشَّعِيرِ؟ قَالَ: كُنَّا نَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مِنْهُ مَا طَارَ، ثُمَّ نُثَرِّيهِ فَنَعْجِنُهُ۔" (رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جاء فی معیشة النبی صلی الله علیه وسلم، حدیث: ۲۲۸۶)

ترجمہ: ''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی چپاتی دیکھی بھی نہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔ ان سے عرض کیا گیا کہ: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ لوگوں کے گھروں میں چھلنیاں ہوتی تھیں؟ فرمایا: ہمارے ہاں چھلنیوں کا دستور نہیں تھا۔ عرض کیا گیا کہ: پھر آپ حضرات جَو (کے آٹے) کا کیا کرتے تھے؟ (یعنی کیسے پکا کھا لیتے تھے؟) فرمایا: ہم اس میں پھونک مار لیا کرتے تھے، اس میں سے جو (بھوسہ وغیرہ) اُڑنا ہوتا اُڑ جاتا، پھر اسے پانی سے تر کرکے گوندھ لیا کرتے تھے۔''

تشریح: اس باب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اہلِ بیت اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیشت کا جو نقشہ سامنے آتا ہے، آج اس کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا، اور واقعہ یہ ہے کہ آج کے شکم پروَرِی کے دور میں بہت سے مسکینوں کے لئے اس کا یقین کرنا بھی مشکل ہے۔ انسان ہمیشہ سے اس نفسیاتی مرض کا شکار رہا ہے کہ وہ حقائق کا تصوّر اپنی ذہنی سطح اور اپنی اِلف و عادت کے پیمانوں سے کرتا ہے، جو حقائق اس کی ذہنی سطح سے بالاتر یا اس کی عادات و مالوفات کے خلاف ہوں، جھٹ سے ان کا انکار کردیتا ہے، حالانکہ واقعی حقائق کو جھٹلانا اس کے ذہنی افلاس کی علامت تو ہوسکتی ہے، مگر اس تکذیب و انکار سے واقعات وحقائق نہیں مٹ سکتے۔

یہاں دو چیزوں کا ذِکر ضروری ہے، ایک یہ کہ... جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زُہد و فقر آپ کا خود اختیاری تھا، کسی مجبوری کا نتیجہ نہیں تھا، اگر آپ یہاں کی راحت و آسائش کی خواہش کرتے تو حق تعالیٰ شانہٗ آپ کو ضرور مرحمت فرماتے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمتِ عالی و بلند نظری میں دُنیا کی اس قدر وقعت ہی نہ تھی کہ آپ یہاں کے آرام و آسائش اور راحت و تنعّم کو اِختیار فرماتے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ دیوانے اور مجنون لوگ سارا دن کوڑے کے ڈھیر پر پڑے ہوئے پھٹے پُرانے چیتھڑوں کو جمع کرتے رہتے ہیں، اپنے خیال میں وہ بہت قیمتی متاع جمع کر رہے ہوتے ہیں، اگر کوئی شخص ان سے یہ چیزیں چھیننے لگے تو وہ لڑنے مرنے کو تیار ہوجاتے ہیں، لیکن جو لوگ عقل و خرد رکھتے ہیں

وہ ان پاگلوں کے اس اہتمام کو دیکھ کر کبھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتے کہ یہ بھی کوئی لائقِ قدر چیز ہوسکتی ہے، جس کو یہ لوگ جمع کر کے اپنے اُوپر لاد رہے ہیں، بلکہ انہیں ان بے چاروں کی دیوانگی اور پاگل پن پر رحم آتا ہے کہ مسلوب العقل ہونے کی وجہ سے ان کی حالت کیسی ہوگئی ہے۔

ٹھیک یہی مثال حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اَبنائے دُنیا کی ہے، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حق تعالیٰ شانہٗ نے صحیح عقل وفہم سے نوازا ہے، ان کی نظر میں دُنیا کے سامانِ عیش اور اَسبابِ راحت کی حیثیت پھٹے پُرانے گندے چیتھڑوں سے زیادہ نہیں، اس لئے وہ نہ صرف یہ کہ ان گندے چیتھڑوں کے جمع کرنے کے لئے فکرمند نہیں ہوتے بلکہ جو لوگ اپنی خام عقلی اور آخرت فراموشی کی وجہ سے جیفہ دُنیا پر مکھیوں کی طرح جمع ہو رہے ہیں، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کی اس حالت پر رحم آتا ہے۔ یہ ہے اصل علّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زُہد وقناعت کی۔

دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زُہد وقناعت کا جو معیار قائم فرمایا، بلاشبہ وہی اصل کمال ہے، مگر اس معیار پر پورا اُترنا ہر شخص کا کام نہیں، نہ ہر شخص کو اس کی ریس کرنے کی اجازت ہے، اس لئے اگر ہم اپنے ضعف وناتوانی کی بنا پر اس معیار کو نہ اپنا سکیں تو یہ ہماری اِستعداد کا نقص ہے کہ ہمارے قویٰ اس کے متحمل نہیں، اور نہ ایمان ویقین اور رُوحانی قوّت کا یہ بلند مقام ہمیں نصیب ہے، چونکہ ہم ضعفاء کو اپنی کمزوری وناتوانی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ زُہد کی تاب نہیں ہوسکتی اس لئے ہمیں اس کی ریس بھی نہیں کرنی چاہئے، البتہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اصل لائقِ رشک حالت تو وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، اور یہ ہمارا نقص اور عیب ہے کہ ہم اس مقام کے حاصل کرنے سے کوتاہ ہیں۔ الغرض نہ تو اس اعلیٰ ترین مقام کی ہوس کی جائے، جس کے ہم اہل نہیں، اور نہ ان اسبابِ راحت کو کمال اور لائقِ فخر سمجھا جائے جن میں ہم گلے گلے تک ڈُوبے ہوئے ہیں، وباللہ التوفیق!

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیشت کا نقشہ

[حدیث:۲۵۶] ”عَنْ قَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِيْ وَقَّاصٍ يَقُوْلُ: اِنِّيْ لَأَوَّلُ رَجُلٍ أَهْرَاقَ دَمًا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، وَاِنِّيْ لَأَوَّلُ رَجُلٍ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، وَلَقَدْ رَأَيْتُنِيْ أَغْزُوْ فِي الْعِصَابَةِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَأْكُلُ اِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْحُبْلَةِ، حَتّٰى اِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ أَوِ الْبَعِيْرُ، وَأَصْبَحَتْ بَنُوْ أَسَدٍ يُعَزِّرُوْنَنِيْ فِي الدِّيْنِ، لَقَدْ خِبْتُ اِذَنْ وَّضَلَّ

عَمَلِی۔" (رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب مَا جاء فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث:۲۲۸۸)

ترجمہ: "حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خون بہایا، اور میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں تیر پھینکا، اور میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ہمراہ جہاد میں گیا، (ہمارے پاس کھانے کو کوئی چیز نہیں تھی، چنانچہ) ہم صرف درختوں کے پتوں اور کیکر کی پھلیوں کے سوا کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، یہاں تک کہ ہم لوگ اُونٹ اور بکری کی طرح مینگنیاں کیا کرتے تھے، اور اب بنو اَسد مجھ پر دِین کے بارے میں نکتہ چینی کر رہے ہیں، (خدانخواستہ اگر میں نے دِین بھی نہیں سیکھا) تب تو میں خائب و خاسر ہی رہا، اور میرے عمل اکارت ہی گئے۔"

[حدیث:۲۵۷] "عن قیس قَالَ: سَمِعۡتُ سَعۡدَ بۡنَ مَالِكٍ يَقُوۡلُ: اِنِّیۡ أَوَّلُ رَجُلٍ مِّنَ الۡعَرَبِ رَمٰی بِسَهۡمٍ فِیۡ سَبِيۡلِ اللهِ، وَلَقَدۡ رَأَيۡتُنَا نَغۡزُوۡ مَعَ رسول الله صلی الله عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَمَا لَنَا طَعَامٌ اِلَّا الۡحُبۡلَةَ وَهٰذَا السَّمُرَ، حَتّٰی اِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ، ثُمَّ أَصۡبَحَتۡ بَنُوۡ أَسَدٍ تُعَزِّرُوۡنِیۡ فِی الدِّيۡنِ، لَقَدۡ خِبۡتُ اِذًا وَّضَلَّ عَمَلِیۡ۔" (رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب مَا جاء فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث:۲۲۸۹)

ترجمہ: "دُوسری روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں عربوں میں پہلا آدمی ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں تیر پھینکا، اور ہم نے اپنی یہ حالت دیکھی کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کر رہے تھے، اور کیکر کے پتوں اور پھلیوں کے سوا ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ یہاں تک کہ ہم بکری کی طرح مینگنیاں کیا کرتے تھے، اس کے باوجود بنو اَسد مجھے دِین کے بارے میں ملامت کر رہے ہیں، (اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت اور اتنے شدید مجاہدوں کے باوجود بھی دِین نہیں سیکھ سکا) تب تو میں ناکام و بے مراد ہی رہا، اور میرے عمل اکارت ہی گئے۔"

تشریح: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، رشتے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پر فخر فرماتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک موقع پر یہ فرمایا تھا:

''میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں!'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، بنواَسد کے لوگوں نے ان کی غلط سلط شکایتیں کیں اور یہاں تک کہا کہ ان کو نماز نہیں پڑھنا آتی۔ اس لئے آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنے مجاہدات کا ذکر فرما کر یہ واضح فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومعیت اور ایسے شدید مجاہدات کے باوجود میں دِین نہیں سیکھ سکا، اور بنواَسد کے بقول مجھے نماز بھی پڑھنا نہیں آتی، پھر تو گویا میری یہ ساری محنت اور تمام مجاہدے رائیگاں ہی گئے۔

اس حدیث میں ایک تو حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محنت ومجاہدہ اور دِین کے لئے ان کی بے پناہ قربانیوں کا نقشہ سامنے آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے راستے میں کفار سے جہاد کر رہے ہیں، لیکن نہ رسد، نہ سامان، درختوں کے پتوں پر گزارا ہو رہا ہے،

دُوسرے اس حدیث سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعدّد فضائل معلوم ہوتے ہیں، اس لئے حضراتِ محدثین رحمہم اللہ علیہم نے یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں درج کی ہے۔

تیسرے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بوقتِ ضرورت اپنی حالتِ محمودہ کا بیان کرنا جائز ہے، اور یہ بطور رِیا وفخر کے نہیں، بلکہ تحدیث بالنعمۃ اور اِنعاماتِ الٰہیہ کے تذکرے کے طور پر ہے، خصوصاً جبکہ اس کے ذریعے کسی شخص کی کج روی کی اصلاح یا اس کی غلط نکتہ چینی کا دِفاع مقصود ہو۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ان مفسد بلوائیوں کے سامنے اپنے فضائل بیان فرمائے تھے جنھوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

[حدیث:۲۵۸] ''عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَتَمَخَّطَ فِيْ أَحَدِهِمَا ثُمَّ قَالَ: بَخٍ بَخٍ يَتَمَخَّطُ أَبُوْ هُرَيْرَةَ فِي الْكَتَّانِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ وَإِنِّي لَأَخِرُّ فِيمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُجْرَةِ عَائِشَةَ مِنَ الْجُوْعِ مَغْشِيًّا عَلَيَّ، فَيَجِيْئُ الْجَائِيْ فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلٰى عُنُقِيْ يُرٰى أَنَّ بِيَ الْجُنُوْنَ، وَمَا بِيْ جُنُوْنٌ وَّمَا هُوَ إِلَّا الْجُوْعُ۔'' (رواه الترمذی، ابواب الزهد، باب مَا جاء فی معيشة اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم، حديث:۲۲۹۰)

ترجمہ: ''حضرت محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، اور انہوں نے کتان کے دو گیروی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے، ایک کپڑے میں ناک صاف کی، پھر فرمایا: واہ! واہ! ابوہریرہ کتان کے کپڑے میں ناک صاف کرتا ہے، بخدا! میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ میں بھوک

کے مارے غش کھا کر آنحضرت ﷺ کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے درمیان گر پڑتا تھا، آنے والا آتا اور میری گردن پر پاؤں رکھتا، وہ سمجھتا کہ شاید مجھے مرگی یا جنون کا دورہ پڑ گیا ہے، حالانکہ مجھے نہ مرگی کا دورہ ہوتا، نہ جنون کا، یہ غشی صرف بھوک کی وجہ سے تھی۔"

[حدیث: ۲۵۹] "عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا صَلّٰى بِالنَّاسِ يَخِرُّ رِجَالٌ مِّنْ قَامَتِهِمْ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الْخَصَاصَةِ، وَهُمْ أَصْحَابُ الصُّفَّةِ، حَتّٰى تَقُوْلَ الْأَعْرَابُ: هٰؤُلَاءِ مَجَانِيْنَ أَوْ مَجَانُوْنَ، فَإِذَا صَلّٰى رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ: لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا لَكُمْ عِنْدَ اللهِ لَأَحْبَبْتُمْ أَنْ تَزْدَادُوْا فَاقَةً وَّحَاجَةً، قَالَ: فُضَالَةُ: أَنَا يَوْمَئِذٍ مَعَ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔" (رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جاء فی معيشة اصحاب النبی صلى الله عليه وسلم، حديث: ۲۲۹۱)

ترجمہ: "حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے تو کئی آدمی بھوک اور فاقے کے مارے نماز میں گر پڑتے تھے، یہ حضرات اہلِ صفہ تھے، یہاں تک کہ باہر کے دیہاتی لوگ ان کو دیکھتے تو یوں سمجھتے کہ یہ دیوانے ہیں۔ پھر جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوتے تو ان کے پاس تشریف لے جاتے، ان سے فرماتے کہ: اگر تم یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارے لئے کیا کچھ سامان تیار کر رکھا ہے، تو تم یہ چاہتے کہ تمہارے فقر و فاقہ میں اور بھی اضافہ ہو جائے۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں ان دنوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوتا تھا۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اور مسجدِ نبوی تعمیر فرمائی تو اس کے ایک گوشے میں ایک چبوترہ سا بنوا کر اس پر سایہ کر دیا تھا، یہ "صفہ" کہلاتا تھا، یہ مدرسۂ نبوی تھا، اور یہاں وہ فقراء مہاجرین رہا کرتے تھے جن کا کوئی گھر بار نہیں تھا، اور نہ مال و اسباب اور اہل و عیال کا قصہ تھا، ان حضرات کی گزر بسر محض توکّل پر تھی، کچھ مل جاتا تو کھا لیتے، ورنہ فاقے سے رہتے، ان حضرات کی تعداد کبھی ستر ہوتی، کبھی کم، کبھی زیادہ۔ یہ حضرات آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوات میں بھی شریک ہوتے اور باہر کے علاقوں میں دعوت و تبلیغ کے لئے بھی ان کو بھیجا جاتا، آنحضرت ﷺ ان حضرات کی بہت ہی دل جوئی فرماتے تھے، اور گھر میں کھانے کی کوئی چیز ہوتی تو ان کو بھی بھجواتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا شمار بھی "اصحابِ صفہ" میں تھا۔

[حدیث: ۲۶۰] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَاعَةٍ لَّا يَخْرُجُ فِيْهَا وَلَا يَلْقَاهُ فِيْهَا أَحَدٌ، فَأَتَاهُ أَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ: مَا جَآءَ بِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ؟ فَقَالَ: خَرَجْتُ أَلْقَى رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْظُرُ فِيْ وَجْهِهٖ وَالتَّسْلِيْمَ عَلَيْهِ۔ فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَآءَ عُمَرُ، فَقَالَ: مَا جَآءَ بِكَ يَا عُمَرُ؟ قَالَ: اَلْجُوْعُ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: وَأَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذٰلِكَ۔ فَانْطَلَقُوْا اِلٰى مَنْزِلِ أَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ الْأَنْصَارِيِّ وَكَانَ رَجُلٌ كَثِيْرَ النَّخْلِ وَالشَّاءِ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ خَدَمٌ، فَلَمْ يَجِدُوْهُ فَقَالُوْا لِامْرَأَتِهٖ: أَيْنَ صَاحِبُكِ؟ فَقَالَتْ: اِنْطَلَقَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا الْمَآءَ۔ وَلَمْ يَلْبَثُوْا أَنْ جَآءَ أَبُو الْهَيْثَمِ بِقِرْبَةٍ يَّزْعَبُهَا، فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَآءَ يَلْتَزِمُ النَّبِيَّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُفْدِيْهِ بِأَبِيْهِ وَأُمِّهٖ، ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِمْ اِلٰى حَدِيْقَتِهٖ فَبَسَطَ لَهُمْ بِسَاطًا، ثُمَّ انْطَلَقَ اِلٰى نَخْلَةٍ فَجَآءَ بِقِنْوٍ فَوَضَعَهٗ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفَلَا تَنَقَّيْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِهٖ؟ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنِّيْ أَرَدْتُ أَنْ تَخْتَارُوْا، أَوْ قَالَ: تَخَيَّرُوْا مِنْ رُطَبِهٖ وَبُسْرِهٖ، فَأَكَلُوْا وَشَرِبُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْمَاءِ، فَقَالَ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هٰذَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ! مِنَ النَّعِيْمِ الَّذِيْ تُسْئَلُوْنَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: ظِلٌّ بَارِدٌ، وَرُطَبٌ طَيِّبٌ، وَمَآءٌ بَارِدٌ۔ فَانْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ لِيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَذْبَحَنَّ ذَاتَ دَرٍّ، فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَاقًا أَوْ جَدْيًا، فَأَتَاهُمْ بِهَا فَأَكَلُوْا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ لَكَ خَادِمٌ؟ قَالَ: لَا! قَالَ: فَاِذَا أَتَانَا سَبْيٌ فَأْتِنَا، فَأُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ، فَأَتَاهُ أَبُو الْهَيْثَمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِخْتَرْ مِنْهُمَا! فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ اخْتَرْ لِيْ! فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ، خُذْ هٰذَا فَاِنِّيْ رَأَيْتُهٗ يُصَلِّيْ وَاسْتَوْصِ بِهٖ مَعْرُوْفًا۔ فَانْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ اِلٰى امْرَأَتِهٖ فَأَخْبَرَهَا بِقَوْلِ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتِ امْرَأَتُهٗ: مَا أَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا أَنْ تُعْتِقَهٗ، قَالَ: فَهُوَ عَتِيْقٌ! فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَّلَا خَلِيْفَةً اِلَّا وَلَهٗ بِطَانَتَانِ، بِطَانَةٌ تَأْمُرُهٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَبِطَانَةٌ لَّا تَأْلُوْهُ خَبَالًا، وَمَنْ يُّوْقَ بِطَانَةَ السُّوْءِ فَقَدْ وُقِيَ۔“ (رواہ الترمذی، ابواب الزهد، باب ما جاء فی معيشة اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۲۲۹۲)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت (دولت خانے سے) باہر تشریف لائے، جس میں باہر تشریف لانے اور کسی سے ملاقات کرنے کا معمول مبارک نہیں تھا، اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں پہنچ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ابوبکر! کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے، آپ کے چہرۂ انور کے دیدار سے مشرف ہونے اور آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لئے۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حاضرِ خدمت ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر! کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! بھوک ہے۔ فرمایا: میں بھی کچھ یہی محسوس کر رہا ہوں۔ پس حضرت ابوالہیثم بن تیہان انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف چلے، ان صاحب کے یہاں کھجور اور بکریاں بہت تھیں، اور ان کے نوکر چاکر نہیں تھے۔ ان کے گھر پہنچے تو وہ گھر پر نہیں تھے، ان کی اہلیہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ: ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ اتنے میں حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ اپنا مشکیزہ لئے پہنچ گئے، انہوں نے جلدی سے مشکیزہ رکھا اور ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں!'' کہتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے، پھر ان حضرات کو لے کر اپنے باغ کی طرف چلے، وہاں ان کے لئے ایک کپڑا بچھا دیا، پھر ایک کھجور سے خوشہ کاٹ لائے اور ان حضرات کی خدمت میں پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کی پختہ کھجوریں کیوں نہ توڑ لیں؟ عرض کیا کہ: میرا جی چاہا کہ آپ حضرات (اپنے اپنے ذوق کے مطابق) پختہ ونیم پختہ کا انتخاب خود فرمائیں۔ بہرحال ان حضرات نے کھجوریں کھائیں اور پانی نوش فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! یہ من جملہ ان نعمتوں کے ہے جن کے بارے میں قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا: ٹھنڈا سایہ، تازہ عمدہ کھجور اور ٹھنڈا پانی۔ پھر حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ ان کے لئے کھانا تیار کرانے چلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دُودھ والی بکری نہ کاٹ لینا!'' انہوں نے ایک بزغالہ ذبح (کرکے کھانا تیار) کیا، ان حضرات نے کھانا تناول فرمایا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی خدمت گار ہے؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: جب ہمارے پاس قیدی آئیں تو ہمارے پاس آیئے (تمہیں خادم دیں گے)۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف دو غلام آئے، تیسرا نہیں تھا، تو ابوالہیثم رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: ان دونوں میں سے اپنی پسند کا ایک لے لو! عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ ہی میرے لئے پسند فرمادیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے، (پس اس کے لئے رَوا نہیں کہ مشورہ لینے والے کی مصلحت کو نظر انداز کرے، اور اسے غلط مشورہ دے کر خیانت کا مرتکب ہو، پھر ان دونوں غلاموں میں سے ایک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) یہ لے لو، کیونکہ میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اور اس کی ساتھ بھلائی کی وصیت (کرتا ہوں، اس کو) قبول کرو۔“ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ اس غلام کو لے کر اپنی بیوی کے پاس پہنچے اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مطلع کیا، تو بیوی بولیں: تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل نہیں کرسکو گے (کیونکہ کبھی بر بنائے بشریت اس کے معاملے میں اُونچ نیچ ہوسکتی ہے) سوائے اس صورت کے کہ تم اس کو آزاد کردو۔ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آزاد ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کو اس کی خبر ہوئی تو آپ) نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھیجے یا خلیفے مقرّر کئے، ان کے لئے دو مشیر مقرّر فرمائے، ایک مشیر اس کو بھلائی کا حکم دیتا اور بُرائی سے منع کرتا ہے، اور دُوسرا مشیر (غلط مشورے دے کر) فساد انگیزی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، اور جو شخص بُرے مشیر سے بچالیا گیا وہ بچ گیا۔“

تشریح: یہ حدیث بہت سے اہم فوائد پر مشتمل ہے۔

اوّل:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی تنگیٔ معیشت، اور بعض اوقات ان کا بھوک سے بے تاب ہوجانا۔

دوم:... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی منقبت وفضیلت، حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کی بے وقت حاضری بھی شاید بھوک کی وجہ سے ہوئی تھی، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وملاقات، آپ کے دیدارِ پُرانوار سے لطف اندوز ہونے اور سلام عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ کیونکہ یہی چیز حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی بھوک کا علاج اور ان کے درد کا درماں تھی، اس لئے انہوں نے اصل سبب کا تذکرہ نہیں فرمایا، بلکہ جس تدبیر سے یہ سبب زائل ہوسکتا تھا اس کا ذکر فرمایا۔ اس سے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق، بارگاہِ نبوی میں ان کا ادب، حسنِ تعبیر اور سلیقۂ عرض داشت میں ان کا کمال واضح ہوتا ہے۔

سوم:... اس حدیث سے حضرت ابوالہیثم صحابی رضی اللہ عنہ کے متعدّد فضائل ومناقب بھی معلوم ہوئے،

مثلاً: آنحضرت ﷺ کا ازخود ان کے گھر کو تشریف بری کا شرف بخشنا، جو ان سے آپ ﷺ کے کمالِ تعلق اور نہایت بے تکلفی کی دلیل ہے، پھر ان کا فرطِ مسرّت میں آنحضرت ﷺ سے لپٹنا، ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں!'' کے الفاظ سے آپ کا استقبال کرنا، اور آپ اور آپ ﷺ کے معزّز رُفقاء کے اِعزاز و اِکرام کا مظاہرہ کرنا۔

چہارم:... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ حق تعالیٰ شانہٗ کی نعمتوں کی کتنی قدر فرماتے تھے، اور آپ ﷺ نے ان نعمتوں کی، جن کی طرف عام لوگوں کو اِلتفات بھی نہیں ہوتا، کیسی عظمت ظاہر فرمائی کہ یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن بندوں سے سوال ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی نعمتوں کی قدر کرنا اور ان پر شکر بجالانا معرفتِ اِلٰہی کا ایک عظیم الشان شعبہ ہے۔ جب بندہ اس پر نظر کرے کہ اس کریم آقا نے اپنے اِنعامات کی کیسی بارش کر رکھی ہے، حالانکہ میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کا بھی مستحق نہیں تھا، اور نہ کسی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کا حق ادا کرسکتا ہوں، تو اس کے دِل میں تشکر و اِمتنان کے جذبات پیدا ہوں گے اور وہ دِل کی گہرائیوں سے مالک کا شکر اَدا کرے گا۔

پنجم:... آنحضرت ﷺ کا حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ سے یہ دریافت فرمانا کہ: کیا تمہارے پاس کوئی خادم نہیں ہے؟ اور نفی میں جواب ملنے پر انہیں خادم دینے کا وعدہ فرمانا، یہ آنحضرت ﷺ کی ایک محبوبانہ اَدا تھی کہ کوئی شخص آپ ﷺ کے ساتھ حسنِ سلوک کرے تو آپ ﷺ اس کے بدلے میں اس پر انعام و احسان ضرور فرماتے تھے۔ اور اگر کوئی ہدیہ پیش کرے تو جواب میں آپ ﷺ بھی ضرور ہدیہ عنایت فرماتے تھے۔ اس سے عارفین نے یہ سمجھا کہ آنحضرت ﷺ کی بارگاہِ عالی میں جو اُمتی صلوٰۃ و سلام کا ہدیہ پیش کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی جانب سے ان کے اس ہدیے کا بدلہ عنایت فرمایا جاتا ہے، اور جس شخص کو آپ ﷺ کی بارگاہِ عالی سے سلام کا ہدیہ بھیجا جائے اس کی خوش بختی لائقِ رشک ہے! اور قیامت میں آنحضرت ﷺ کا ایسے لوگوں کے لئے شفاعت فرمانا بھی اس کا ایک مظہر ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص مجھ پر دُرود پڑھے، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔

''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا''

ششم:... آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے جواب میں کہ: ''ان دو غلاموں میں اپنی پسند کا ایک منتخب کرلو!'' حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا کہ: ''آپ ہی پسند فرمادیں!'' ان کے عشق و محبّت اور کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔ مؤمنِ کامل کی نظر میں وہی چیز پسندیدہ ہے جس کو اس کے محبوب ﷺ نے پسند فرمایا ہو، اس کی پسند و ناپسند اپنے محبوب ﷺ کی پسند و ناپسند میں فنا ہوجائے۔ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہی شان تھی! جو مسلمان آنحضرت ﷺ کی پسند فرمودہ شکل و شباہت، وضع قطع، لباس و پوشاک،

طرزِ معاشرت وغیرہ کو چھوڑ کر دُوسری چیزوں کو پسند کرتے ہیں، یہ بہت بڑی سعادت سے محروم ہیں، اگر ہم کمالِ ایمان اور محبتِ نبوی سے سرشار ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند فرمودہ چیزیں ہمیں محبوب و مرغوب نہ ہوتیں۔

ہفتم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کہ: ''جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے'' شریعت کے قواعد میں سے ایک اہم ترین قاعدہ ہے، جس پر حسنِ معاشرت اور اخلاقِ عالیہ کا مدار ہے۔ جس شخص سے مشورہ لیا جائے، اس کو معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کرکے مشورہ لینے والے کی خیرخواہی اور مصلحت کی پوری پوری رعایت رکھتے ہوئے مخلصانہ مشورہ دینا چاہئے، یہ مشورہ اس کے پاس امانت ہے، اور اسے غلط مشورہ دے کر اس امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہئے۔

ہشتم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام کے بارے میں یہ ارشاد فرمانا کہ: ''اس کو لے لو، کیونکہ میں نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے'' اور پھر اس کے بارے میں بھلائی کی وصیت فرمانا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کتنی قدر تھی! اور یہ کہ جو شخص نماز کی دولت سے محروم ہو، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب سے گرا ہوا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بھلائی کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے وصیت اور تاکید ہے۔

نہم:... اس حدیث سے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کی اہلیہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت و منقبت بھی معلوم ہوئی کہ جب ان کو یہ علم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ہے، تو انہوں نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ اس غلام کو آزاد کردینا چاہئے۔ بظاہر یہ بہت بڑی قربانی تھی اور عورتیں عموماً مال کی حریص ہوا کرتی ہیں، لیکن تعمیلِ ارشادِ نبوی کے لئے ان محترمہ کا یہ مشورہ دینا ان کے کمالِ عقل و ذہانت، دُنیا سے بے رغبتی اور اللہ و رسول کی رضا میں فنائیت کی دلیل ہے۔

پھر حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کا اپنی اہلیہ کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے کھڑے کھڑے اس غلام کو آزاد کردینا، جہاں ان کی فضیلت و منقبت ہے، وہاں یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نیک مشورہ کوئی چھوٹا آدمی بھی دے، اس کو قبول کرلینا بھی عین سعادت اور کمالِ فراست ہے۔

دہم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کے مشورے کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا کہ: ہر نبی اور ہر خلیفہ کے ساتھ ایک نیکی کا مشیر ہوتا ہے (یعنی فرشتہ)، اور ایک بُرائی کا مشیر ہوتا ہے (یعنی شیطان)، اور حق تعالیٰ شانہٗ جس کی حفاظت فرماتے ہیں وہ بُرائی کے مشیر سے بچالیا جاتا ہے اور اسے نیکی کے مشیر کے مشورے پر عمل کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: ہر شخص کے ساتھ ایک

فرشتہ مقرّر رہے، جو اس کو بھلائی کا مشورہ دیتا ہے، اور ایک شیطان مقرّر ہے جو اس کو بُرائی کا مشورہ دیتا ہے۔ اس لئے مؤمن کو اس بارے میں بطورِ خاص محتاط رہنا چاہئے کہ وہ غلط مشورہ دینے والے کے مشورے پر عمل نہ کرے، بلکہ بھلائی کے مشیر کے مشورے پر عمل کرے، وباللہ التوفیق!

[حدیث: ۲۶۱] ”عَنْ أَبِیْ طَلْحَۃَ قَالَ: شَکَوْنَا اِلٰی رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ وَرفعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجرٍ حَجرٍ، فَرَفَعَ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ حَجَرَیْنِ۔“ (رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب مَا جاء فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۲۲۹۳)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا دِکھایا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے دِکھائے۔“

تشریح: یہ واقعہ غالباً غزوۂ خندق کا ہے، بھوک کی شدّت میں کمر سیدھی رکھنے کی غرض سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے، اور ان حضرات کو یہ خبر نہ تھی کہ ان کے آقا سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بھوک کی شدّت سے بے تاب ہیں، جب ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی تو ان کی تسلّی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حالت کا اظہار فرمایا۔ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زُہد وقناعت، ان کی ریاضت ومجاہدہ اور ان کے صبر واِستقلال کا اندازہ ہوتا ہے، اسی کے ساتھ اس حدیث سے دُنیا کی ذِلت وحقارت اور خست ودنائت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے، اگر دُنیا کے تنعّم اور لذّات میں ذرا بھی خیر ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔

[حدیث: ۲۶۲] ”عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِیْرٍ یَّقُوْلُ: أَلَسْتُمْ فِیْ طَعَامٍ وَّشَرَابٍ مَّا شِئْتُمْ؟ لَقَدْ رَأَیْتُ نَبِیَّکُمْ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا یَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا یَمْلَأُ بَطْنَہٗ۔“ (رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب مَا جاء فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۲۲۹۴)

ترجمہ: ”سماک بن حرب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: کیا تم کو کھانے پینے کی وہ چیزیں میسر نہیں جو تم چاہتے ہو؟ بخدا! میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ردّی کھجوریں

بھی اتنی میسرنہیں تھیں جن سے اپنا پیٹ بھر لیں۔‘‘

تشریح: ’’دقل‘‘ ردّی اور خشک کھجور کو کہتے ہیں، مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں انواع و اقسام کے لذیذ کھانے تو کیا میسّر ہوتے، گھٹیا قسم کی ردّی اور خشک کھجوریں بھی اتنی فراغت اور فراوانی سے میسّر نہ تھیں جن سے آدمی پیٹ بھر لے۔

اصل مال داری دِل کا غنی ہونا ہے

[حدیث:۲۶۳] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قال رسول الله صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰکِنِ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ۔‘‘

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء ان الغنی غنی النفس، حدیث:۲۲۹۵)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مال داری زیادہ ساز وسامان سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اصل مال داری دِل کا غنی ہونا ہے۔‘‘

تشریح: عام ذہن یہ ہے کہ جس آدمی کے پاس زیادہ مال ودولت اور ساز وسامان ہو وہ غنی اور مال دار ہے، اور جس کے پاس کم ہو وہ فقیر اور محتاج کہلاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اس عام غلطی کی اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: مال ودولت کی کثرت آدمی کو غنی نہیں بناتی، بلکہ غنی تو دراصل وہ شخص ہے جو دِل کا غنی اور سیر چشم ہو، کیونکہ غنی وہ ہے جس کے دِل میں مال ودولت کی ہوس اور ساز وسامان کی حرص نہ رہے، یہ سیر چشمی خداداد عطیہ ہے، جس کو چاہیں حق تعالیٰ نصیب فرمادیں، مال ودولت کے انباروں سے دِل کی یہ بھوک ختم نہیں ہوتی بلکہ تجربہ یہ ہے کہ مال جس قدر بڑھتا جائے اس کی حرص میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، اور دِل کی پیاس اور بھڑکتی ہے، اس لئے بزرگ فرماتے ہیں:-

آنانکہ غنی تراند محتاج تراند

یعنی جو لوگ زیادہ مال دار ہیں وہ مسکین زیادہ محتاج ہیں، لوگ مال ودولت میں اِستغنا تلاش کرتے ہیں، حالانکہ مال کی ہوس کو بڑھاتے چلے جانا وہ بیماری ہے جس کا علاج دُنیا بھر کے خزانوں سے نہیں ہوسکتا، ایسے شخص کو دُنیا بھر کے خزانے بھی مل جائیں تب بھی اس کی حرص کا دوزخ ﴿هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ﴾ پکارے گا۔ پس اصل غنا یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کسی کے دِل کی ہوس ختم کردیں، اور دُنیا کے خزانے اس کی نظر میں مٹی کا ڈھیر بن جائیں، اور یہ دولت اہل اللہ کی صحبت میں میسّر آسکتی ہے، ورنہ دُنیا کے بازار سے اس کو خریدا نہیں جاسکتا۔

مال کو اس کے حق کے ساتھ لینے کا بیان

[حدیث: ۲۶۴] ”عَنْ أَبِی الْوَلِیْدِ قَالَ: سَمِعْتُ خَوْلَةَ بِنْتَ قَیْسٍ، وَكَانَتْ تَحْتَ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ تَقُوْلُ: سَمِعْتُ رسول الله صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، مَنْ أَصَابَهٗ بِحَقِّهٖ بُوْرِكَ لَهٗ فِیْهِ، وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِیْمَا شَائَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ مِنْ مَّالِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ لَیْسَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا النَّارُ۔“ (رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب مَا جاء فی اخذ المال، حدیث: ۲۲۹۶)

ترجمہ: ”حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا، جو حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: یہ مال سرسبز، میٹھا اور مزیدار ہے، پس جس شخص نے اس کو حق کے ساتھ لیا، اس کے لئے اس میں برکت ہوگی، اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ و رسول کے مال میں جہاں چاہتے ہیں گھس جاتے ہیں، ان کے لئے قیامت کے دن آگ کے سوا کچھ نہیں۔“

تشریح: یعنی دُنیا کا مال و دولت بالطبع مرغوب اور لذیذ ہے، اور یہ ہر شخص کو خوش نما معلوم ہوتا ہے، اور لوگ اسے حاصل کرنے اور سمیٹنے کے حریص نظر آتے ہیں، اور پھر مال کمانے والوں کی دو قسمیں ہیں، بعض لوگ تو اس کو حق کے ساتھ لیتے ہیں کہ مال کمانے کے جو ذرائع حرام یا مکروہ ہیں، ان سے پرہیز کرتے ہیں، بلکہ حلال اور طیب کمائی پر اِکتفاء کرتے ہیں، اور مال کے کمانے میں شریعت کے اَحکام کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں، ان لوگوں کے لئے تو یہ مال موجبِ برکت ہوگا۔ دُنیوی برکت یہ کہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و رضا جوئی، صدقہ و خیرات اور صلہ رحمی کا ذریعہ بنا دیا جائے گا، اور اس سے حق تعالیٰ کے تعلق اور قرب میں اضافہ ہوگا، دُنیوی آفات سے بھی محفوظ رہیں گے، اور حرام راستوں میں ان کا مال خرچ نہیں ہوگا، اور آخرت کی برکت یہ کہ وہ اَجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔

لیکن بہت سے لوگ مال کی لذّت اور خوش نمائی پر ایسے ریجھ جاتے ہیں کہ اس کے اندر چھپے ہوئے زہر پر ان کی نظر نہیں جاتی، آخرت سے غافل، خدا تعالیٰ کی عبادت سے بے پروا اور مال کمانے سے متعلق خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اَحکام دیئے ہیں ان سے بے نیاز ہوکر زیادہ سے زیادہ مال سمیٹنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں، دن کا چین اور رات کی نیند ان کے لئے حرام کر دیتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے یہ مال نہ دُنیا میں باعثِ برکت ہوگا، نہ آخرت میں۔ دُنیا میں یہ بے چینی و پریشانی اور آفات و مصائب کو ساتھ لے کر آئے گا، اور پھر جس طرح حرام راستے سے آیا تھا اسی طرح فضول اور لایعنی چیزوں میں برباد بھی ہوگا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''لوگو! میں تمہارے اِخراجات کو دیکھ کر پہچان لیتا ہوں کہ مال تم نے کس ذریعے سے کمایا؟'' یعنی اگر نیک کاموں میں خرچ ہوتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ مال صحیح ذریعے سے کمایا گیا، اور اگر ناجائز یا فضول چیزوں میں خرچ ہوتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ غلط ذریعے سے کمایا گیا، ورنہ اگر مالِ حلال ہوتا تو یوں ضائع نہ ہوتا۔

اور آخرت کا وبال یہ ہے کہ اس حرام ذریعے سے مال کمانے پر یہ شخص سزا کا مستوجب اور دوزخ کا مستحق ہوگا، اور پھر جن غلط اور فضول چیزوں میں مال خرچ کیا اس کا وبال بھی اس کو بھگتنا ہوگا، جو مال کمایا تھا اس کا اکثر و بیشتر حصہ یہیں دھرا رہ جائے گا، اور وارث اس کے ساتھ عیش اُڑائیں گے، لیکن اس کا حساب و کتاب اس کو دینا پڑے گا۔ حق تعالیٰ عقلِ سلیم عطا فرمائے اور اس مال کی آفات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

[حدیث:۲۶۵] ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لُعِنَ عَبْدُالدِّیْنَارِ، لُعِنَ عَبْدُالدِّرْهَمِ۔''

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب مَاجاء فی اخذ المال، حدیث:۲۲۹۷)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ملعون ہے دِینار کا بندہ، ملعون ہے درہم کا بندہ۔''

تشریح: یہ حدیث جیسا کہ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے، یہاں مختصر نقل ہوئی ہے، مشکوٰۃ شریف کے ص:۴۳۹ میں صحیح بخاری کے حوالے سے یہ حدیث مفصل مذکور ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

''تَعِسَ عَبْدُالدِّیْنَارِ وَعَبْدُالدِّرْهَمِ وَعَبْدُالْخَمِیْصَةِ اِنْ أُعْطِیَ رَضِیَ وَاِنْ لَّمْ یُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَانْتَكَسَ وَاِذَا شِیْكَ فَلَا انْتُقِشَ طُوْبٰی لِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ أَشْعَثَ رَأْسِهٖ مُغْبَرَّةٌ قَدَمَاهُ اِنْ كَانَ فِی الْحِرَاسَةِ كَانَ فِی الْحِرَاسَةِ، وَاِنْ كَانَ فِی السَّاقَةِ كَانَ فِی السَّاقَةِ، اِنْ اِسْتَأْذَنَ لَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ وَاِنْ شَفَعَ لَمْ یُشَفَّعْ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُ۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۳۹)

ترجمہ: ''نامراد ہو دِینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور دوشالے کا بندہ، اگر اس کو دے دیا جائے تو خوش ہوجاتا ہے، اور نہ دیا جائے تو ناراض ہوجاتا ہے، خدا کرے ایسا شخص نامراد ہو، سرنگوں ہو، جب اس کے کانٹا چبھے تو نہ نکالا جائے۔ مبارک ہے وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے، سر پراگندہ، قدم غبار آلود، اگر اسے پہرے پر مقرّر کردیا جائے تو پہرے پر رہتا ہے، اور اگر اسے لشکر

کے پچھلے حصے میں رکھا جائے تو وہاں رہتا ہے، اگر وہ کسی کے ہاں جانے کی اجازت مانگے تو اسے اجازت نہیں ملتی، اور اگر وہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جاتی۔"

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے دو قسم کے اشخاص کا تذکرہ فرمایا ہے، ایک وہ جو روپے پیسے کے اور دُنیا کی عزّت و وجاہت اور زینت و آرائش کے خواستگار ہیں، ان کو دِرہم و دِینار اور دوشالوں کے بندے کہہ کر ان کے حق میں بددُعا فرمائی ہے، اس لئے کہ ایسے لوگوں کی سعی و عمل اور خوشی و ناخوشی کا محور روپیہ پیسہ ہے، وہی ان کا معبود ہے۔ جس کی غلامی و بندگی میں شب و روز سرگرداں ہیں، ایسے لوگوں کو اگر ان کا مطلوب و محبوب مل جائے تو خوش ہوجاتے ہیں، اور نہ ملے تو اللہ تعالیٰ سے بھی ناراض ہوجاتے ہیں، اور سو سو طرح کے حرفِ شکایت زبان پر لاتے ہیں، گویا ان کو اللہ تعالیٰ سے اتنا تعلق نہیں جتنی محبّت روپے پیسے سے ہے، ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے تین بددُعائیں فرمائی ہیں، ایک ہلاکت و ناکامی کی، دُوسری ذِلت و خواری اور سرنگونی کی، تیسری یہ کہ اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچے تو خدا کرے ان کی یہ تکلیف زائل نہ ہو، اگر ان کے کانٹا چبھے تو خدا کرے ان کا وہ کانٹا نہ نکلے، بلکہ وہ ہمیشہ اسی تکلیف و عذاب میں مبتلا رہیں۔ ان لوگوں کے حق میں ایسی سخت بددُعائیں اس لئے فرمائیں کہ ان کا جرم بھی بہت ہی سنگین ہے، انہوں نے حق تعالیٰ شانہٗ سے، جو محبوبِ حقیقی ہیں، اپنا تعلق توڑا، اور مردارِ دُنیا کو محبوب بنایا، حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے فکر سے بے نیاز ہوکر مخلوق کے لئے محنت کرنے لگے، اور معبودِ حقیقی کے بجائے انہوں نے روپے پیسے اور دُنیا کے کوڑے کرکٹ کی پرستش شروع کردی۔ اس تشریح سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف ان لوگوں کو عبدالدینار اور عبدالدرہم فرمایا ہے جو روپے پیسے اور مال و دولت کے حاصل کرنے میں اَحکامِ اِلٰہیہ کی پروا نہیں کرتے، اور نہ مال کے خرچ کرنے ہی میں اَحکامِ شرعیہ کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

دُوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو صرف رضائے اِلٰہی کے طالب ہیں، اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے آمادہ ہیں، وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہیں، تن بدن کا ہوش نہیں، سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، اور جسم گرد و غبار سے اَٹا ہوا ہے، اور عزّت و وجاہت یا ریاست و امارت کی بو بھی ان کے دِماغ میں نہیں، ان کو پہرے پر مقرّر کردیا جائے تو پہرے پر لگے ہوئے ہیں، لشکر کی پچھلی صفوں میں انہیں رکھا جائے تب بھی انہیں پروا نہیں، کس مپرسی اور بے کسی کا یہ عالم کہ کسی کی سفارش کریں تو کوئی سننے کو تیار نہ ہو، اور کسی کے دروازے پر دستک دیں تو کوئی اندر بلانے پر آمادہ نہ ہو، ایسے گم نام لوگ جنھوں نے حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیا ہو لائقِ صد رشک اور قابلِ صد مبارک باد ہیں۔

مال وجاہ کی حرص سے دِین کا نقصان

[حدیث:۲۶۶] ”عَنِ ابْنِ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهِ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء فی اخذ المال، حدیث:۲۲۹۸)

ترجمہ: ”حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو بھوکے بھیڑیے اگر بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ ان کا اتنا نقصان نہیں کریں گے جس قدر کہ مال کی حرص اور جاہ ومرتبے کی خواہش آدمی کے دِین کا نقصان کرتی ہے۔“

تشریح: بھیڑیے کی بکریوں سے دُشمنی ضرب المثل ہے، اب تصوّر کیجئے کہ دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کا کس قدر نقصان کریں گے؟ خصوصاً جبکہ بکریوں کی حفاظت ونگہبانی کا بھی کوئی انتظام نہ ہو، بلکہ بکریوں کے چرواہے نے خود ان بھیڑیوں کو ریوڑ میں چھوڑ دیا ہو کہ وہ اطمینان سے جس قدر جی چاہے چیر پھاڑ کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں حبِ مال اور حبِ جاہ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے تشبیہ دی ہے، اور آدمی کے دِین کو بکریوں کے ریوڑ سے، اور یہ فرمایا کہ: دو بھوکے بھیڑیے جن کو قصداً بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا گیا ہو، بکریوں کا اس قدر نقصان نہیں کریں گے، جس قدر کہ یہ دو چیزیں آدمی کے دِین کو برباد کردیتی ہیں، کیونکہ جس شخص کے دِل میں مال کی حرص ہوگی وہ اس کے حصول میں منہمک رہے گا، بسااوقات وہ حلال وحرام اور جائز وناجائز کی بھی پروا نہیں کرے گا، اور یہ حرص جس قدر بڑھتی جائے گی اسی قدر آخرت سے غفلت میں اضافہ ہوگا، اسی طرح حبِ جاہ یعنی بڑا بننے کی خواہش جس شخص میں ہوگی وہ اسی دُھن میں سرگرداں رہے گا کہ کیا اسباب وذرائع اختیار کئے جائیں کہ لوگوں پر اس کی دھاک بیٹھ جائے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مال کی حرص بھی اسی حبِ جاہ کی بنا پر ہے، آدمی سمجھتا ہے کہ جتنا مال زیادہ ہوگا اتنا ہی میں لوگوں کی نظروں میں معزّز ہوں گا، اس لئے زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کا جنون سر پر سوار رہتا ہے۔

اور حبِ جاہ دراصل تکبر کا شعبہ ہے، آدمی اپنی حماقت سے اپنے دِل میں اپنے آپ کو ”بڑا آدمی“ سمجھ کر اس اَمر کی کوشش کرتا ہے کہ دُوسرے بھی اس کو بڑا سمجھیں، اور یہ بڑائی کی خواہش اور تکبر ہی وہ مرض ہے جس نے شیطان کو مردُود وملعون اور راندۂ درگاہ بنایا، اسی سے تمام نفسانی امراض جنم لیتے ہیں، جو آدمی کے

دِین کو بالکل غارت کر دیتے ہیں، اس لئے ان دونوں امراض کا علاج ضروری ہے۔ حضراتِ مشائخ، جو باطن کے طبیب ہوتے ہیں، ان سے تعلق کا اہم ترین مقصد انہی امراضِ نفسانیہ کا معالجہ ہے، مگر افسوس کہ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں، خصوصاً حبِ جاہ کا مرض تو باطن کا ایسا دق ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے خاص مخلص بندے ہی محفوظ ہوں گے، یہاں چند اُمور حکیم الاُمّت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے ارشادات سے نقل کرتا ہوں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۱:... ''شرعاً وہ حرص، حرص ہی نہیں جس کے مقتضا پر عمل نہ ہو، حرصِ شرعی وہی ہے جس سے دُنیا کو دِین پر ترجیح ہونے لگے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہم کو مال کی احتیاج بھی ہے اور اس کے ملنے پر طبعاً خوشی بھی ہوتی ہے، لیکن اے اللہ! اس کی محبّت کو اپنی رضا کا وسیلہ بنا دیجئے۔ بلکہ ایک درجہ اس کا مطلوب بھی ہے، مثلاً اتنی محبّت جس سے مال کی حفاظت کا اہتمام ہو سکے، وہ مطلوب ہے، کیونکہ مال کا ضائع کرنا حرام ہے۔''

۲:... ''جاہ و کبر کا داعیہ تو معصیت نہیں، باقی ان کے مقتضا پر عمل کرنا نہ کرنا، یہ اختیاری ہے، مکلف تو صرف اسی قدر کا ہے کہ مقتضا پر عمل نہ کرے، لیکن اگر خلافِ مقتضا پر عمل کرے تو اور زیادہ اَقویٰ اور اَنفع ہے۔''

۳:... ''جس جاہ سے ضرر ہوتا ہے، وہ وہ جاہ ہے جو طلب سے حاصل ہو، اور جو بدون طلب حاصل ہو وہ مضر نہیں ہوتی، اس میں خدا تعالیٰ کی امداد ہوتی ہے۔''

(انفاس عیسیٰ ص:۱۷۸، ۱۷۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دُنیا کی حقیقت

[حدیث:۲۶۷] ''عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ: نَامَ رسول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِیْ جَنْبِهٖ، فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! لَوِ اتَّخَذْنَا لَکَ وِطَاءً. فَقَالَ: مَالِیْ وَمَا لِلدُّنْيَا، مَا أَنَا فِی الدُّنْيَا اِلَّا کَرَاکِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَهَا.''

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَاجاء فی اخذ المال، حدیث:۲۲۹۹)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے، جب اُٹھے تو پہلوئے مبارک پر چٹائی کے نشانات تھے، ہم نے عرض کیا: یا

رسول اللہ! کاش ہم آپ کے لئے کوئی نرم بستر تیار کر لیتے (جس سے بدن مبارک کو راحت پہنچتی)، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے دُنیا سے کیا واسطہ؟ میری مثال تو دُنیا میں ایسی ہے کہ کوئی سوار چلتے چلتے ذرا سی دیر کے لئے کسی درخت کے سائے میں ٹھہر گیا، پھر تھوڑی دیر بعد چل پڑا اور اس سائے کو چھوڑ گیا۔‘‘

تشریح: یہ حدیث چار مسائل پر مشتمل ہے:

اوّل:... اس سے آنحضرت ﷺ کے زُہد اور دُنیا سے بے رغبتی کا نقشہ سامنے آتا ہے کہ آپ کو اتنا بھی اہتمام نہیں کہ آرام وراحت کے لئے کوئی نرم ونازک بستر ہی بنالیا جائے، دُوسرے تکلّفات اور راحت و آسائش کے دُوسرے اسباب کا تو آپ ﷺ کو کیا اہتمام ہوتا۔

دوم:... یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا زُہد وفقر کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اس کو اَز خود اِختیار فرما رکھا تھا، ورنہ آپ کے جاں نثار صحابہ (رضوان اللہ علیہم) آپ پر سب کچھ نثار کرنے کو حاضر تھے، لیکن آپ ﷺ کی ہمتِ بلند دُنیوی آسائش اور فانی لذّات سے بہت بالاتر تھی، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو قصداً قبول نہیں فرمایا، اسی لئے عارفین فرماتے ہیں:

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق
باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

سوم:... اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نظر میں دُنیا کی کیا حیثیت تھی؟ آپ ﷺ نے بتایا کہ دُنیا کی مثال ایسی ہے کہ مسافر چلتے چلتے چند لمحے ستانے کے لئے کسی درخت کے سائے میں آبیٹھا، اور ذرا سا ستا کر وہاں سے چل پڑا، اور اس سائے کو خیرباد کہہ دیا، کوئی شخص اس سائے کی راحت ولذّت میں ایسا منہمک ہوجائے کہ اسی کو اپنا گھر بنا بیٹھے، تو ایسا شخص عقل وخرد سے بیگانہ ہے، ٹھیک اسی طرح یہ دُنیا کسی کا گھر نہیں، بلکہ مسافرانِ آخرت کے سفر کی درمیانی منزل ہے، جو شخص اس سرائے فانی میں دِل لگا کر اپنی اصل منزل کو بھول جائے اور یہ بات اس کے ذہن سے نکل جائے کہ اسے یہاں سے کوچ کرنا ہے وہ فرزانہ نہیں، دیوانہ ہے، یہاں سے معلوم ہوگا کہ جن لوگوں کی ساری قوّتیں دُنیا کی تعمیر وترقی میں کھپ رہی ہیں وہ کس قدر جہلِ مرکب میں مبتلا ہیں، اور جب وہ اس دُنیا سے رُخصت ہوں گے اس وقت ان کی حالت کس قدر قابلِ رحم ہوگی کہ ان مسکینوں نے ساری عمر جس چیز پر محنت کی تھی وہ ناپائیدار نکلی، اور جو چیز ہمیشہ رہنے والی تھی اس کے لئے انہوں نے محنت نہ کی:

نرقع دنیانا بتمزیق دیننا
فلا دیننا یبقی ولا ما نرقع

ترجمہ: ’’ہم اپنے دِین کو پھاڑ پھاڑ کر اپنی دُنیا کو پیوند لگا رہے ہیں، پس نہ تو ہمارا دِین باقی رہے گا، اور نہ وہ دُنیا جس کی پیوندکاری کی تھی۔‘‘

چہارم:... دُنیا سے بے رغبتی کا سبب دو چیزیں ہیں، ایک اس کی ذِلت وقلّت، اور دُوسری اس کی ناپائیداری، کیونکہ اوّل تو کوئی کتنا ہی سر پھوڑے دُنیا کی تمام آسائشیں مہیا کرنے سے قاصر رہے گا، یہ ممکن ہی نہیں کہ یہاں کسی کی ساری خواہشیں اور چاہتیں پوری ہوجائیں، اس لئے بزرگوں کی نصیحت ہے:

کارِ دُنیا کسے تمام نہ کرد
ہر چہ گیرید مختصر گیرید

اور بالفرض کسی کو ساری دُنیا بھی مل جائے تو اس کی قدر و قیمت آخرت کے مقابلے میں مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں، یہ تو دُنیا کی ذِلت وقلّت کا حال ہے، اور پھر اپنی تمام تر حقارت و ذِلت کے باوجود وہ فانی، زوال پذیر اور ناپائیدار ہے، اوّل تو دُنیا ہی آدمی کو چھوڑ دیتی ہے، ورنہ آدمی اس کے چھوڑنے پر تو بہرحال مجبور ہے، دُنیا کا کوڑا کرکٹ جتنا زیادہ جمع کیا ہوگا، مرتے وقت اتنی ہی حسرت زیادہ ہوگی:

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا!

اس حدیثِ پاک میں دُنیا کے فنا و زوال کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے کہ دُنیا اپنے فنا و زوال کی وجہ سے اس لائق نہیں کہ کوئی عاقل یہاں دِل لگائے، حق تعالیٰ شانہٗ اپنی رحمت سے اس رُوسیاہ کو بھی چشمِ بصیرت نصیب فرمائے۔

دوستی کس سے لگائی جائے؟

[حدیث:۲۶۸] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلرَّجُلُ عَلٰى دِیْنِ خَلِیْلِهٖ، فَلْیَنْظُرْ أَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ۔‘‘

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جاء فی اخذ المال، حدیث:۲۳۰۰)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: آدمی اپنے دوست کے دِین پر ہوتا ہے، پس تم میں سے ہر ایک شخص کو دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی رکھتا ہے؟‘‘

تشریح: مطلب یہ کہ آدمی کی دوستی اسی کے ساتھ ہوگی جس کے ساتھ اس کو طبعاً مناسبت ہو، بغیر طبعی مناسبت اور قدرِ مشترک کے دو شخصوں کے درمیان دوستانہ جوڑ ہو ہی نہیں سکتا، یہی وجہ ہے کہ نیک آدمی کی دوستی نیکوں کے ساتھ ہوتی ہے، اور بُرے کی بُروں کے ساتھ، دُنیادار کی اہلِ دُنیا کے ساتھ، اور دِین دار کی

اہلِ دِین کے ساتھ، وغیرہ۔ پس اگر یہ دیکھنا چاہو کہ فلاں شخص کس مذاق کا ہے؟ تو یہ دیکھ لو کہ اس کی نشست و برخاست اور اُلفت ومحبّت کن لوگوں کے ساتھ ہے؟ جس قماش کے اس کے یار اور ہم جولی ہوں گے، اسی مزاج کا یہ بھی ہوگا۔

اور پھر آدمی کی طبیعت سراقہ (چوری کرنے والی) واقع ہوئی ہے، اس میں فطری طور پر اَخذ واِنفعال کا مادّہ رکھا گیا ہے، جس کے ساتھ اس کی اُلفت ومحبّت اور رفاقت، مصاحبت ہوگی، یہ دانستہ ونادانستہ اس کے اَخلاق وعادات اور اوصاف وخصائل کو اَپناتا چلا جائے گا، اور اُلفت ومحبّت میں جتنا اضافہ ہوگا اسی قدر دوست کے ساتھ ہم رنگی بھی بڑھتی جائے گی۔ یہ انسانی نفسیات کا ایک عظیم اُصول ہے جس کی طرف حکیمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ دِلائی ہے۔

پہلا فقرہ تو ایک نفسیاتی اُصول کی حیثیت رکھتا ہے، دُوسرا فقرہ تشریعی حکم ہے، یعنی جب معلوم ہوا کہ آدمی اپنے دوست کے دِین واَخلاق کو اَپناتا ہے تو آدمی کو خوب غور وفکر سے دوستی کا تعلق قائم کرنا چاہئے، اور یہ دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کسی اچھے آدمی سے دوستی کر رہا ہے یا بُرے سے؟ اچھے آدمی سے دوستی کرنا محمود اور موجبِ سعادت ہے، اور بُرے سے یارانہ گانٹھنا مذموم اور موجبِ شقاوت ہے۔

انسان کے مال واولاد اور عمل کی مثال

[حدیث: ۲۶۹] ”عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِیْ بَکْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یَقُوْلُ: قال رسول الله صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: یَتْبَعُ الْمَیِّتَ ثَلَاثٌ، فَیَرْجِعُ اثْنَانِ وَیَبْقٰی وَاحِدٌ، یَتْبَعُهٗ أَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَعَمَلُهٗ، فَیَرْجِعُ أَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَیَبْقٰی عَمَلُهٗ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب مَا جَاءَ مَثَلُ ابْنِ آدَمَ، حدیث: ۲۳۰۱)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میّت کے پیچھے (قبر تک) تین چیزیں جاتی ہیں، دو واپس لوٹ آتی ہیں اور ایک باقی رہ جاتی ہے، اس کے پیچھے اس کے اہل وعیال، اس کا مال اور اس کا عمل جاتا ہے، اہل وعیال اور مال واپس آجاتے ہیں اور عمل باقی رہ جاتا ہے۔“

تشریح: آدمی کے تین دوست ہیں، جن کے لئے یہ جان کھپاتا ہے، ایک اس کا مال، دُوسرے اس کے خویش، اور تیسرا اس کا عمل۔ مال کی وفاداری تو جیتے جی تک ہے، جونہی رُوح وتن کا رشتہ ختم ہوا، اس کا مال اس کی مِلک سے نکل کر وارثوں کی مِلک میں چلا گیا، اور اہل وعیال اور عزیز واقارب کی وفاداری قبر تک ہے، جونہی اسے قبر میں دفن کیا گیا اہل وعیال، عزیز واقارب اور دوست احباب نے اس سے منہ موڑ

لیا، اور منوں مٹی ڈال کر واپس گھر لوٹ آئے۔ البتہ عمل کا ساتھ ہمیشہ رہتا ہے، قبر میں بھی اور حشر میں بھی، اس لئے عقل کا مقتضا یہ ہے کہ جو سب سے زیادہ وفادار ہے یعنی عمل، اس کے ساتھ سب سے زیادہ وفاداری کی جائے۔ عمل کی وجہ سے اگر کچھ مال کا نقصان ہوتا ہے، یا اہل وعیال اور دوست احباب ناراض ہوتے ہیں، ان کی پروانہ کی جائے۔ لیکن عام لوگوں کا رویہ بالکل برعکس ہے، وہ مال کی وجہ سے اپنے عزیز واقارب سے بگاڑتے ہیں، اور عزیز واقارب کی خاطر عمل کو برباد کرتے ہیں۔ اس حدیث میں تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ سب سے مقدّم عمل ہے، اور اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا ہے کہ قبر اور حشر میں (بلکہ اس سے پہلے نزع کی حالت میں بھی) آدمی کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق معاملہ ہوگا، اگر نیک اعمال کا ذخیرہ ساتھ لے کر گیا تو راحت ورضوان کا مستحق ہوگا، اور اگر بُرے اعمال کا بوجھ لاد کر لے گیا تو اس کے مطابق سزا کا مستحق ہوگا، پھر نہ اس کا مال کام آئے گا اور نہ اہل وعیال اس کا بوجھ بٹائیں گے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں اپنی رحمت ورضوان سے نوازیں، آمین!

زیادہ کھانے کی ممانعت کا بیان

[حدیث: ۲۷۰] ”عَنْ مِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِب قَالَ: سَمِعْتُ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا مَلَأَ اٰدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنٍ، بِحَسْبِ ابْنِ اٰدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهٗ، فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهٖ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهٖ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهٖ۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ نَحْوَهٗ، وَقَالَ الْمِقْدَامُ بْنُ مَعْدِيْكَرِب عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جَاءَ فِی کراھیۃ کثرۃ الاکل، حدیث: ۲۳۰۲)

ترجمہ: ”حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: کسی آدمی نے کوئی برتن نہیں بھرا جو پیٹ سے بدتر ہو، ابنِ آدم کو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر سیدھی رکھیں، اور اگر بہت ہی کھانا ہو تو پیٹ کا ایک تہائی حصہ کھانے کے لئے ہونا چاہئے، ایک تہائی پانی کے لئے، اور ایک تہائی سانس کے لئے۔“

تشریح: پیٹ سب سے بدتر برتن ہے، اس لئے کہ جو چیز اس میں جاتی ہے، وہ نجس اور گندی ہو جاتی ہے، اور پھر سڑ کر فضلات کی شکل میں خارج ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ کھانا خود مقصود نہیں، بلکہ ایک

ضرورت ہے کہ اس کے بغیر زندگی کا قیام عادۃً ممکن نہیں، اور یہ مقصود چند لقموں سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لئے اصل تو یہی ہوا کہ آدمی چند لقموں پر کفایت کرے، لیکن اگر اس پر طبیعت راضی نہ ہو تو معتدل طریقہ یہ ہے کہ پیٹ کے تین حصے کرلے، ایک حصہ کھانے کا، ایک پانی کا، اور ایک سانس کے لئے۔ ایسا نہ کرے کہ پیٹ کو اناڑی کی بندوق کی طرح کھانے ہی سے بھرلے کہ سانس لینا بھی مشکل ہوجائے۔ حکمائے اُمّت کا اس پر اِتفاق ہے کہ پُرخوری مضرِ صحت ہے، اس سے بدن میں کسل اور گرانی پیدا ہوتی ہے، طبیعت کا نشاط ختم ہوجاتا ہے، اور آدمی کو ذکر و عبادت میں بھی مزہ نہیں آتا۔ حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''غذائے جسمانی کی کثرت سے غذائے رُوحانی یعنی ذکر اللہ کم ہوجاتا ہے۔
شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تہی از حکمتی بعلت آں
کہ پری از طعام تا بینی

(تم حکمت سے اس وجہ سے خالی ہو کہ کھانے سے ناک تک پیٹ بھر رکھا ہے)
اس لئے سالک کو غذائے جسمانی میں کثرت نہ چاہئے، بلکہ توسط کا لحاظ رکھنا چاہئے، مگر یہ ضروری ہے کہ سب کا اوسط ایک نہیں ہے، بلکہ ہر شخص کا اوسط مختلف ہے۔
اسی طرح اوسط سے کم کھانا بھی مضر ہے، ایک ضرر تو جسمانی ہے کہ غذا بہت کم کرنے سے ضعف لاحق ہوجاتا ہے اور کام نہیں ہوسکتا، اور ایک ضرر مقصودِ سلوک کا ہے، وہ یہ کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ تشبہ بالملائکہ حاصل کرے، اور تشبہ بالملائکہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو نہ شبع سے بدمست ہو، نہ جوع سے پریشان ہو، بلکہ معتدل حالت میں رہ کر طمانیت و جمعیتِ قلب سے متصف ہو۔
پس کھانے سے اصل مقصود جمعیتِ قلب ہے، نہ بہت کھانا مطلوب ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ: ''اذا حضر العشاء و العشاء فابدئوا بالعَشاء'' (جب ایک طرف عشاء کی نماز کا وقت ہو، اور دُوسری طرف رات کا کھانا تیار ہو تو پہلے کھانا کھالو) فقہاء نے کھانے کی یہاں تک رعایت کی ہے کہ اگر کھانا ٹھنڈا ہونے، اس کی لذّت زائل ہوجانے کا اندیشہ ہو، جب بھی نماز کو مؤخر کردینا جائز ہے، منشا اس کا وہی تحصیل جمعیتِ قلب ہے کہ بار بار یہ خیال نہ آوے کہ نماز جلدی پڑھوں تاکہ کھانا ٹھنڈا نہ ہوجاوے۔'' (انفاسِ عیسیٰ ص:۱۸۲)

یہاں یہ بھی عرض کردینا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور بزرگانِ دین رحمۃ اللہ علیہم سے کم کھانے کے جو واقعات منقول ہیں، ہم ضعفاء کو ان کی ریس نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ہم اپنے ضعف کی وجہ سے ان کی کم خوری کا تحمل نہیں کرسکیں گے، اس لئے اس زمانے میں مشائخ تقلیلِ طعام کا مجاہدہ نہیں بتاتے تاکہ ضعف غالب نہ آجائے، حضرت حکیم الاُمّت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”پہلے صوفیہ سے جو تقلیلِ غذا کے واقعات منقول ہیں، آج کل ان پر عمل نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان حضرات میں قوّت زیادہ تھی، ان کو غذا کم کرنے سے بھی جمعیتِ قلب فوت نہ ہوتی تھی۔

عبادت میں نشاط و سرور، صحت و قوّت ہی سے ہوتا ہے، اور تجربہ ہے کہ آج کل تقلیلِ غذا سے صحت برباد ہوجاتی ہے۔“ (حوالۂ بالا)

طبرانی کے حوالے سے مجمع الزوائد (ج:۲ ص:۲۵۷) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ نفلی روزہ نہیں رکھتے تھے، اور فرماتے تھے: جب میں روزہ رکھتا ہوں تو ضعف کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتا، اور نماز مجھے روزے سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر روزہ رکھتے تھے تو مہینے میں بس تین دن کا رکھتے تھے۔ طبقات ابنِ سعد (ج:۳ ص:۱۵۵) میں عبدالرحمٰن بن یزید کا قول نقل کیا گیا ہے کہ: میں نے کسی فقیہ کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کم روزے رکھتے نہیں دیکھا، ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ: آپ روزے کیوں نہیں رکھتے؟ فرمایا: میں نے روزے کے بجائے نماز کو اختیار کرلیا ہے، میں روزہ رکھتا ہوں تو ضعف کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتا (حیات الصحابہ ج:۳ ص:۹۵)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کثرت سے نماز پڑھتے تھے اور روزے سے چونکہ ضعف لاحق ہوجاتا ہے اور طبیعت میں نشاط و انشراح نہیں رہتا، اس لئے وہ زیادہ نفلی روزے نہیں رکھتے تھے، تاکہ نماز میں خوب نشاط رہے، اس سے معلوم ہوا کہ خوراک کی کمی بس اس حد تک مطلوب ہے کہ آدمی کی قوّت و نشاط میں خلل واقع نہ ہو۔

رِیا اور دِکھلاوے کی مذمت

[حدیث: ۲۷۱] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ یُّرَائِیْ یُرَائِی اللّٰہُ بِہٖ، وَمَنْ یُّسَمِّعْ یُسَمِّعِ اللّٰہُ بِہٖ۔ وَقَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَّا یَرْحَمُ النَّاسَ لَا یَرْحَمُہُ اللّٰہُ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جَاءَ فی الریاءِ والسمعۃ، حدیث: ۲۳۰۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: جو شخص دِکھاوا کرے، اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کا دِکھاوا کرے گا، اور جو شخص سنائی کرے، اللہ تعالیٰ اس کی سنائی کرے گا۔ نیز اسی سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ: جو شخص لوگوں پر رحم نہ کرے، اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔''

تشریح: یعنی جو شخص لوگوں کو دِکھانے اور سنانے کے لئے کوئی عمل کرتا ہے، قیامت کے دن اس کے دِل کے اس کھوٹ کو سب کے سامنے ظاہر کر دیا جائے گا، اور بجائے اس کے کہ اس کا نیک عمل اس کے لئے رحمت و رضوان کا ذریعہ بنتا، اُلٹا اس کی ذِلت و رُسوائی اور فضیحت کا سبب بن جائے گا، کیونکہ کسی عمل کی قبولیت کے لئے اِخلاص شرط ہے، یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے نیک عمل کیا جائے، نہ مخلوق کی داد و تحسین پر نظر ہو، نہ دُنیوی عزّت و وجاہت مطلوب ہو، نہ شہرت سے غرض ہو۔

﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ﴾

(الانعام)

اس حدیثِ پاک سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اعمال کا ایک تو ظاہری ڈھانچہ ہے، اور ایک ان کی رُوح ہے، کسی عمل کی مقبولیت کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کا ظاہری ڈھانچہ بھی دُرست ہو، اور اس میں رُوح بھی موجود ہو، اگر عمل کا ظاہری ڈھانچہ غلط ہے تب بھی وہ عمل مردُود ہے، اور اگر ظاہری ڈھانچہ تو دُرست ہے لیکن اس میں رُوح نہیں، تب بھی وہ مردُود اور مردار ہے۔

ظاہری ڈھانچے کے صحیح ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم فرمودہ طریقے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق ہو، اور رُوح سے مراد یہ ہے کہ وہ عمل محض رضائے اِلٰہی کے لئے کیا جائے، مخلوق کو دِکھانے، سنانے کے لئے نہ کیا جائے، پس جو عمل سنّتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کے خلاف ہو، اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کی بھی کوئی قیمت نہیں، خواہ کرنے والے نے کتنے ہی اِخلاص سے کیا ہو۔ اور جس عمل سے مقصود رضائے اِلٰہی نہ ہو وہ بھی نہ صرف یہ کہ بے قیمت ہے، بلکہ جس طرح رُوح نکل جانے کے بعد جسم گلنا سڑنا شروع ہو جاتا ہے، اسی طرح ایسے اعمال جن کا مطمحِ نظر مخلوق کی خوشنودی تھا، قیامت کے دن متعفن ہو جائیں گے اور رِیاکاری کی بدبو سے خود عمل کرنے والے کا دِماغ بھی پھٹا جائے گا، وہ اس تعفن کو چھپانے پر قادر نہ ہوگا، بلکہ تمام اہلِ محشر کو اس کی نیت کی گندگی معلوم ہو جائے گی، نعوذ باللہ!

دُوسری بات اس حدیثِ پاک سے یہ معلوم ہوئی کہ قیامت کے دن اعمال کی جزا و سزا ان کے مناسب ہوگی، جو شخص اپنے عمل سے محض مخلوق کو راضی کرنا چاہتا تھا، اس کو یہ سزا ملے گی کہ اس کا وہی عمل مخلوق کے تنفر کا ذریعہ بنے گا، جو شخص عمل سے شہرت و عزّت کا طالب تھا اس کو یہ سزا ملے گی کہ یہی عمل اس کی ذِلت

وتشہیر کا سبب بن جائے گا۔

یہ تو آخرت کی سزا ہے، اس کا کچھ نمونہ دُنیا میں بھی دِکھا دیا جاتا ہے، چنانچہ جو شخص محض رضائے مولیٰ کا طالب ہو، خواہ وہ اپنی حالت کو کتنا ہی چھپائے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کی عزّت و وجاہت قلوب میں راسخ فرمادیتے ہیں، اور جو شخص محض ریاکاری کے لئے بنا سنوار کر عمل کرتا ہے تاکہ لوگوں کی نظر میں معزّز ہوجائے اور لوگ اس کو بزرگ اور خدارسیدہ سمجھ کر اس کی تعظیم کیا کریں، خواہ وہ اپنی رِیاکاری کو کتنا ہی چھپائے لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ اس کی مکاری و رِیاکاری کو ظاہر فرمادیتے ہیں، اور عام مخلوق اس سے نفرت کرنے لگتی ہے، اور اس کی رِیاکاری کا عام شہرہ ہوجاتا ہے، اس لئے حدیثِ پاک کے مضمون کو اگر دُنیا و آخرت دونوں کے لئے عام قرار دیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے، گویا رِیاکاری کی اصل ذِلت وتشہیر تو آخرت میں ہوگی، مگر کچھ نمونہ دُنیا میں بھی دِکھا دیا جاتا ہے۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مخلوق کی خاطر کوئی عمل کرنا نفس کی سب سے بڑی حماقت ہے، کیونکہ ایسے عمل پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی تو اس لئے مرتب نہیں ہوتی کہ اس نے رضائے اِلٰہی کا قصد ہی نہیں کیا، بلکہ مخلوق کی رضامندی کا قصد کیا، اور مخلوق کی رضامندی اس لئے مرتب نہیں ہوئی کہ اس کی رِیاکاری و مکاری کا بھید آخر کھل کر رہے گا، اور رِیاکار، مکار، منافق کو کوئی بھی شخص پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتا۔

اس حدیثِ پاک میں رِیا وسمعہ (یعنی مخلوق کو دِکھانے اور سنانے کے لئے عمل کرنے) کی صرف سزا ہی بیان نہیں فرمائی گئی، بلکہ اس خبیث مرض سے بچنے کا علاج بھی تجویز فرمادیا ہے، اور وہ یہی مراقبہ ہے جو میں اُوپر عرض کرچکا ہوں۔

الغرض! مخلوق کو خوش کرنے کے لئے کام کرنا رِیاکاری ہے، جو درحقیقت نفاق کا ایک شعبہ ہے، اس کے مقابلے میں اِخلاص ہے کہ آدمی محض اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے عمل کرے، اِخلاص تمام اعمال کی جان ہے، اور جس قدر اِخلاص زیادہ ہوگا اسی قدر عمل میں وزن ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہر مسلمان کو رِیا وسمعہ سے محفوظ رکھے۔

[حدیث:۲۷۲] ''أَنَّ شُفَيًّا الْأَصْبَحِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّهُ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ، فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَدِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ، فَقَالَ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوْا: أَبُوْ هُرَيْرَةَ! فَدَنَوْتُ مِنْهُ حَتّٰى قَعَدْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُوَ يُحَدِّثُ النَّاسَ، فَلَمَّا سَكَتَ وَخَلَا قُلْتُ لَهُ: أَسْئَلُكَ بِحَقٍّ وَبِحَقٍّ لَمَا حَدَّثْتَنِيْ حَدِيْثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَلْتَهُ وَعَلِمْتَهُ، فَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: أَفْعَلُ، لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيْثًا حَدَّثَنِيْهِ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَلْتُهُ وَعَلِمْتُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ نَشْغَةً

شَدِيْدَةً، فَمَكَثَ قَلِيْلًا ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ: لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيْثًا حَدَّثَنِيْهِ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْبَيْتِ مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرِيْ وَغَيْرُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ نَشْغَةً أُخْرٰى، ثُمَّ أَفَاقَ فَمَسَحَ وَجْهَهُ فَقَالَ: لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيْثًا حَدَّثَنِيْهِ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا وَهُوَ فِيْ هٰذَا الْبَيْتِ مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرِيْ وَغَيْرُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ نَشْغَةً شَدِيْدَةً ثُمَّ أَفَاقَ وَمَسَحَ وَجْهَهُ قَالَ: أَفْعَلُ، لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيْثًا حَدَّثَنِيْهِ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَهُوَ فِيْ هٰذَا الْبَيْتِ مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرِيْ وَغَيْرُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ نَشْغَةً شَدِيْدَةً، ثُمَّ مَالَ خَارًّا عَلٰى وَجْهِهِ فَأَسْنَدْتُّهُ طَوِيْلًا، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ: حَدَّثَنِيْ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَنْزِلُ اِلَى الْعِبَادِ لِيَقْضِيَ بَيْنَهُمْ وَكُلُّ أُمَّةٍ جَاثِيَةٌ، فَأَوَّلُ مَنْ يَدْعُوْ بِهٖ رَجُلٌ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ، وَرَجُلٌ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، وَرَجُلٌ كَثِيْرُ الْمَالِ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لِلْقَارِئِ: أَلَمْ أُعَلِّمْكَ مَا أَنْزَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِيْ؟ قَالَ: بَلٰى يَا رَبِّ! قَالَ: فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيْمَا عُلِّمْتَ؟ قَالَ: كُنْتُ أَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ۔ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ: كَذَبْتَ! وَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ: كَذَبْتَ! وَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ: بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ فُلَانٌ قَارِئٌ، فَقَدْ قِيْلَ ذٰلِكَ۔ وَيُؤْتٰى بِصَاحِبِ الْمَالِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ: أَلَمْ أُوَسِّعْ عَلَيْكَ حَتّٰى لَمْ أَدَعْكَ تَحْتَاجُ اِلٰى أَحَدٍ؟ قَالَ: بَلٰى يَا رَبِّ! قَالَ: فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيْمَا اٰتَيْتُكَ؟ قَالَ: كُنْتُ أَصِلُ الرَّحِمَ وَأَتَصَدَّقُ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ: كَذَبْتَ! وَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ: كَذَبْتَ! وَيَقُوْلُ اللّٰهُ : بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ فُلَانٌ جَوَّادٌ، وَقَدْ قِيْلَ ذٰلِكَ۔ وَيُؤْتٰى بِالَّذِيْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ: فِيْمَاذَا قُتِلْتَ؟ فَيَقُوْلُ: أُمِرْتَ بِالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِكَ فَقَاتَلْتُ حَتّٰى قُتِلْتُ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ: كَذَبْتَ! وَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ: كَذَبْتَ! وَيَقُوْلُ اللّٰهُ: بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ فُلَانٌ جَرِيْئٌ، فَقَدْ قِيْلَ ذٰلِكَ۔ ثُمَّ ضَرَبَ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رُكْبَتِيْ فَقَالَ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! أُولٰئِكَ الثَّلَاثَةُ أَوَّلُ خَلْقِ اللّٰهِ تُسَعَّرُ بِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ قَالَ الْوَلِيْدُ أَبُوْ عُثْمَانَ الْمَدَائِنِيْ: فَأَخْبَرَنِيْ عُقْبَةُ أَنَّ شُفَيًّا هُوَ الَّذِيْ دَخَلَ عَلٰى مُعَاوِيَةَ فَأَخْبَرَهُ بِهٰذَا، قَالَ أَبُوْ عُثْمَانَ: وَحَدَّثَنِي الْعَلَاءُ بْنُ أَبِيْ حَكِيْمٍ أَنَّهٗ كَانَ سَيَّافًا لِمُعَاوِيَةَ قَالَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ فَأَخْبَرَهُ بِهٰذَا عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: قَدْ فُعِلَ بِهٰؤُلَاءِ هٰذَا فَكَيْفَ بِمَنْ بَقِيَ مِنَ النَّاسِ؟ ثُمَّ بَكٰى مُعَاوِيَةُ بُكَاءً

شَدِيْدًا حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ هَالِكٌ، وَقُلْنَا: قَدْ جَائَنَا هٰذَا الرَّجُلُ بِشَرٍّ، ثُمَّ أَفَاقَ مُعَاوِيَةُ وَمَسَحَ عَنْ وَجْهِهٖ وَقَالَ: صَدَقَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ، أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب مَا جَاءَ فی الریاء والسمعۃ، حدیث: ۲۳۰۴)

ترجمہ: ”عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ شفی الاصبحی نے ان سے بیان کیا کہ وہ مدینہ طیبہ گئے تو ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس پر جمع ہو رہے ہیں، انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ ان کو بتایا گیا کہ یہ حضرت ابوہریرہ ہیں۔ شفی کہتے ہیں کہ: یہ سن کر میں آپ کے قریب ہوا، یہاں تک کہ آپ کے سامنے بیٹھ گیا، وہ اس وقت لوگوں سے احادیث بیان کر رہے تھے، جب اس سے فارغ ہوئے اور تنہائی ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا کہ: میں حق کا واسطہ دے کر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سنایئے جو آپ نے آنحضرت ﷺ سے خود سنی ہو اور اس کو خوب سمجھا اور جانا ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ایسا ہی کروں گا، تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے خود مجھ سے ارشاد فرمائی تھی اور جسے میں نے خوب سمجھا اور خوب جان رکھا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے، تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو فرمانے لگے: ہاں! میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے اس مکان میں خود مجھ سے ارشاد فرمائی تھی اور میرے اور آپ ﷺ کے سوا اس مکان میں کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا۔ یہ کہہ کر پھر ایک زور کی چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے، ہوش آیا تو چہرہ صاف کیا اور فرمانے لگے: جی ہاں! میں ایسا ہی کروں گا، میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے خود مجھ سے ارشاد فرمائی تھی، میں اور آپ اس مکان میں تنہا تھے، میرے اور آپ کے سوا ہمارے ساتھ کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا۔ یہ کہہ کر پھر ایک سخت چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر منہ کے بل گرنے لگے، میں نے جلدی سے ان کو سنبھالا، دیر تک ان کو ٹیک دِلائے بیٹھا رہا، دیر کے بعد ہوش آیا تو فرمانے لگے: مجھ سے آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی کہ: جب قیامت کا دن ہو گا، تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے نزول فرمائیں گے، اس وقت ہر اُمّت گھٹنوں کے بل گری ہو گی،

پس سب سے پہلے تین آدمیوں کی پیشی ہوگی، ایک وہ شخص جس نے قرآنِ کریم جمع کیا تھا (یعنی قرآنِ کریم کا حافظ و قاری تھا)، اور ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہوا تھا، اور ایک وہ شخص جو بہت مال دار تھا (اور مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا کرتا تھا)۔

اللہ تعالیٰ قاری سے فرمائیں گے: کیا میں نے تجھے اپنی اس کتاب کا علم نہیں دیا تھا، جو اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی تھی؟ وہ عرض کرے گا: بے شک اے رَبّ! ارشاد ہوگا: پھر تو نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا: میں رات اور دن نماز میں اس کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو جھوٹ بکتا ہے! اور فرشتے بھی کہیں گے کہ: تو جھوٹ کہتا ہے! اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ: (تو میری رضا کے لئے تلاوت نہیں کرتا تھا بلکہ) تو یہ چاہتا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے، سو کہا جاچکا۔

اور مال دار کو لایا جائے گا، اس سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا میں نے تجھے مال و دولت میں وسعت نہیں دی تھی؟ اور تجھے ایسا مستغنی نہیں کردیا تھا کہ تو کسی کا محتاج نہیں تھا؟ وہ عرض کرے گا: بے شک اے رَبّ! ارشاد ہوگا: پھر میں نے جو کچھ تجھے دیا تھا، تو نے اس میں کیا کردار ادا کیا؟ وہ کہے گا کہ: میں صلہ رحمی کرتا تھا، اور صدقہ و خیرات کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو جھوٹ بکتا ہے! اور فرشتے بھی کہیں گے کہ: تو جھوٹ کہتا ہے! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: (تو نے صدقہ و خیرات میری رضا و خوشنودی کے لئے نہیں کیا بلکہ) تو نے یہ چاہا کہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں بڑا سخی ہے، سو یہ کہا جاچکا۔

اور اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ: تو کس لئے قتل ہوا؟ وہ عرض کرے گا: یا اللہ! آپ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے کا حکم فرمایا تھا، پس میں نے کافروں سے جنگ کی، یہاں تک کہ میں قتل ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو جھوٹ بکتا ہے! اور فرشتے بھی کہیں گے: تو جھوٹ کہتا ہے! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: (تو نے میری رضا و خوشنودی کے لئے جنگ نہیں لڑی بلکہ) تو نے یہ چاہا ہے کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بڑا بہادر ہے، سو کہا جاچکا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابوہریرہ! یہ تین آدمی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پہلے ہوں گے جن پر قیامت کے دن دوزخ کی آگ

بھڑکے گی۔

ولید ابوعثمان مدائنی کہتے ہیں کہ: مجھے عقبہ بن عامر نے بتایا کہ: شفی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ حدیث خود ان سے بیان کی تھی، ابوعثمان کہتے ہیں کہ: مجھے علاء بن حکیم نے بتایا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شمشیرزن (جلاد) تھے، وہ کہتے ہیں کہ: ایک شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا، اور اس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان سے بیان کی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سن کر فرمایا: جب ان تین شخصوں کے ساتھ یہ ہوا تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا...! یہ کہہ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اتنی شدّت سے روئے کہ ہمیں خیال ہوا کہ آپ کی رُوح قبض ہوگئی، اور ہم نے کہا کہ: یہ شخص بڑے شر کا باعث ہوا۔ دیر کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا، اپنا چہرہ صاف کیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بالکل سچ ہے۔''

غم کے کنویں سے پناہ مانگنے کا بیان

[حدیث:۲۷۳] ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قال رسول الله صلی الله عَلَیهِ وَسَلَّمَ: تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ، قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ: وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ یَوْمٍ مِّائَةَ مَرَّةٍ۔ قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمَنْ یَّدْخُلُهُ؟ قَالَ: اَلْقُرَّآءُ الْمُرَاءُوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔''

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب مَا جَاءَ فی الریاء والسمعة، حدیث:۲۳۰۵)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غم کے کنویں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! غم کے کنویں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: یہ جہنّم میں ایک وادی ہے جس سے جہنّم بھی روزانہ سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! اس میں کون داخل ہوگا؟ فرمایا: وہ قاری جو اپنے اعمال میں رِیاکاری کرتے تھے۔''

تشریح: اُوپر کی حدیث میں ان تین شخصوں کا تذکرہ گزر چکا ہے جن کو سب سے پہلے جہنّم میں جھونکا جائے گا، ایک رِیاکار قاری اور عالم، دُوسرا رِیاکار سخی اور تیسرا رِیاکار شہید۔ اس حدیث میں صرف رِیاکار قاری کی سزا کا ذکر ہے کہ اس کے لئے جہنّم کا وہ طبقہ مخصوص ہوگا جس سے خود جہنّم بھی روزانہ سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، نعوذ باللہ منہ! شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ قرآنِ کریم کا علم سب سے بڑی نعمت اور دولت ہے، اس شخص

نے چونکہ اس عمدہ ترین نعمت کو گناہ اور معصیت کا ذریعہ بنایا اس لئے یہ سب سے زیادہ عذاب کا مستحق ہوا۔ نیز قرآنِ کریم کا علم جس کو نصیب ہوا اس میں خوف وخشیت، عبدیت وانابت اور اِخلاص ومعرفت کی صفات بھی سب سے زیادہ ہونی چاہئیں اور ان صفات کا مقتضا یہ ہے کہ اس کے تمام اعمال خالصتاً لوجہ اللہ محض رضائے اِلٰہی کے لئے ہوں، اس کی نظر مخلوق سے یکسر اُٹھ جائے، لیکن جس بدقسمت کو قرآنِ کریم کے علوم حاصل ہونے کے باوجود ان صفات سے محرومی رہی ہو اس کا جہل بھی سب سے قبیح اور بدترین ہے، اس لئے بدترین سزا کا بھی مستوجب ہوا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حاملینِ قرآن کو اپنے اعمال کی نگہداشت کرنے اور ان کے اندر اِخلاص پیدا کرنے کی دُوسروں سے زیادہ ضرورت ہے۔

نکتہ:... اِخلاص اور رِیا کاری سے متعلقہ احادیث، حضراتِ محدثین عموماً اخلاق وآداب میں لاتے ہیں، مگر اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "اَبواب الزہد" میں درج فرمایا ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ "زُہد" نام ہے دُنیا سے بے رغبتی کا، اور دُنیا میں دو چیزیں سب سے بڑھ کر مرغوب ہیں، ایک مال اور دُوسرے جاہ۔ رِیا کار آدمی چونکہ اپنے اعمال سے مخلوق کو خوش کرنا اور مخلوق کی نظر میں معزّز ہونا چاہتا ہے، اور اس سے اس کا مقصود لوگوں کی نظر میں معزّز ہوکر حطامِ دُنیا کو جمع کرنا ہے، اس لئے یہ شخص دُنیا کا طالب ہے اور اس کا طرزِ عمل زُہد کے خلاف ہے۔ زُہد کے معنی صرف سامان کی قلّت کے نہیں بلکہ زُہد سے مراد یہ ہے کہ دُنیا آدمی کے دِل سے نکل جائے، حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ کی اس کے دِل میں کوئی جگہ نہ رہے، حق تعالیٰ یہ دولت ہم سب کو نصیب فرمائے۔

نیک عمل سے خوش ہونا

[حدیث:۲۷۴] "عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَلرَّجُلُ يَعْمَلُ الْعَمَلَ فَيُسِرُّهُ فَإِذَا اطُّلِعَ عَلَيْهِ أَعْجَبَهُ قَالَ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَهُ أَجْرَانِ! أَجْرُ السِّرِّ وَأَجْرُ الْعَلَانِيَةِ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب عَمَلِ السِّرِّ، حدیث:۲۳۰۶)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک آدمی کوئی نیک عمل کرتا ہے جس سے اس کو مسرّت ہوتی ہے (کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے محض اپنے فضل واِنعام سے مجھے اس کارِ خیر کی توفیق مرحمت فرمائی)، پھر لوگوں کو اس کے اس نیک عمل کی خبر ہوجاتی ہے تو اس کو یہ بات پسند آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو دو اَجر ملیں گے، ایک اجر پوشیدہ عمل کرنے کا، اور دُوسرا اَجر علانیہ عمل کرنے کا۔"

تشریح: اس حدیث میں دو مضمون ہیں، ایک اپنے نیک عمل پر خوش ہونا، دُوسرے کسی پوشیدہ عملِ صالح کے ظاہر ہونے پر خوش ہونا۔

اپنے نیک عمل پر خوش ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آدمی اس کو اپنا کمال تصوّر کرے، یہ مذموم ہے، کیونکہ اس سے قلب میں عجب اور خود پسندی پیدا ہوگی، اور دُوسری صورت یہ ہے کہ اس نیک عمل کو مالک کا عطیہ سمجھے کہ میری اہلیت واستحقاق کے بغیر اس نے محض اپنے فضل وکرم سے اس نیک عمل کی توفیق عطا فرمادی، اور ایک ذرّۂ ناچیز کو اپنے لطف وعنایت کا مورَد بنالیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے نیک عمل پر خوش ہونا صحیح ہے، اور یہ خوشی دراصل شکرِ اِلٰہی کا ایک مظہر ہے، اس لئے کہ اس صورت میں بندے کی نظر اپنے عمل پر نہیں، بلکہ محض مالک کے انعام واحسان پر ہے، اور اس سے اس کے دِل میں غرور و پندار اور عجب وخود پسندی پیدا نہیں ہوگی، بلکہ اس کے خشوع اور عبدیت میں اضافہ ہوگا۔

دُوسرا مضمون اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے محض رضائے اِلٰہی کے لئے پوشیدہ طور پر عمل کیا تھا، نہ عمل کرتے وقت مخلوق کی رضا اس کے پیشِ نظر تھی، اور نہ اس کی یہ خواہش تھی کہ اس کا یہ عمل لوگوں کو معلوم ہوجائے، اس کے باوجود اگر اتفاقاً اس کا پوشیدہ عمل لوگوں پر ظاہر ہوجائے اور اس پر طبعی مسرّت ہو تو اس کا یہ عمل رِیاکاری میں شمار نہیں ہوگا، بلکہ اس پر اس کو دُہرا اَجر ملے گا، ایک اجر پوشیدہ عمل کا اور دُوسرا اَجر علانیہ عمل کرنے کا۔ رِیاکاری تو اس لئے نہیں کہ اوّل وآخر اس کا مقصود محض اللہ تعالیٰ کی رضا تھی، اب اس کے ظاہر ہونے پر اسے جو خوشی ہورہی ہے وہ طبعی ہے، چنانچہ اگر خدانخواستہ کسی بُری حالت میں کوئی شخص اس کو دیکھ لیتا تو طبعاً اس کو ناگواری ہوتی، اسی طرح اگر کسی نے اس کو اچھی حالت میں دیکھ لیا تو اس پر غیر اِختیاری خوشی بھی طبعی اَمر ہے، اس لئے اس طبعی خوشی کو رِیاکاری میں شمار نہیں کیا جائے گا، اور دُہرا اَجر اس کو اس لئے ملے گا کہ اس نے جب یہ عمل کیا تھا تو محض رضائے اِلٰہی کے لئے پوشیدہ طور پر کیا تھا، اور یہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ خدا تعالیٰ کے سوا اس کے اس عمل پر کوئی دُوسرا شخص مطلع ہو، اس لئے وہ پوشیدہ عمل کے اجر کا مستحق ہوا۔ پھر جب اس کا عمل غیر اِختیاری طور پر ظاہر ہوگیا تو وہ پوشیدہ عمل نہ رہا، بلکہ علانیہ بن گیا، اور علانیہ عمل میں بھی اگر محض رضائے اِلٰہی مقصود ہو تو وہ اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے، جیسے نمازِ پنج گانہ اور دیگر فرائض علانیہ ہی ادا کئے جاتے ہیں، اور اس علانیہ عمل سے شاید دُوسروں کو بھی اعمالِ صالحہ کی ترغیب ہو، اس لئے اس کے موجبِ اجر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی نے محض لوجہ اللہ کوئی نیک عمل کیا ہو اور حتی الوسع اس کے اِخفا کی بھی کوشش کی ہو، اس کے باوجود اگر وہ ظاہر ہوجائے یا لوگ اس عمل پر اس کی تحسین وتعریف کریں تو اس سے عمل کا اجر باطل نہیں ہوتا، تاوقتیکہ عمل کنندہ کی نیت میں بگاڑ نہ آئے۔

البتہ اگر عمل کرتے وقت یہ خواہش ہو کہ لوگوں کو اس کا علم ہوجائے تاکہ وہ میری تعریف کریں، یا

خودنمائی کے ارادے سے خود اس عمل کا اظہار کرے تو یہ رِیا کاری ہے۔

انسان کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبّت کرتا ہے

[حدیث:۲۷۵] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ وَلَهُ مَا اكْتَسَبَ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب المرء مع من احب، حدیث:۲۳۰۷)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبّت رکھتا ہے، اور اس کو وہی ملے گا جو اس نے کمایا ہو۔“

[حدیث:۲۷۶] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَتٰى قِيَامُ السَّاعَةِ؟ فَقَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلٰوةِ، فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهُ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ قِيَامِ السَّاعَةِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: مَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا أَعْدَدْتُ لَهَا كَبِيْرَ صَلٰوةٍ وَّلَا صَوْمٍ اِلَّا أَنِّيْ أُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ۔ فَقَالَ رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ وَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ۔ فَمَا رَأَيْتُ فَرِحَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَا۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب المرء مع من احب، حدیث:۲۳۰۸)

ترجمہ: ”دُوسری روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! قیامت کب برپا ہوگی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (سائل کے سوال کا جواب دینے کے بجائے) نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ: وہ صاحب کہاں ہیں جنھوں نے قیامت کے قائم ہونے کے بارے میں سوال کیا تھا؟ اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ فرمایا: تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اس کے لئے (فرائض کے علاوہ) کوئی زیادہ نماز روزہ تو نہیں کیا، مگر یہ بات ضرور ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبّت رکھتا ہو، اور تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبّت رکھتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مسلمانوں

کو اِسلام کے بعد کسی بات کی خوشی اتنی نہیں ہوئی جتنی کہ اس ارشاد سے ہوئی۔"

[حدیث:۲۷۷] "عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ جَهُوْرِيُّ الصَّوْتِ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اَلرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَمَّا يَلْحَقْ هُوَ بِهِمْ. فَقَالَ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ."

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب المرء مع من احب، حدیث: ۲۳۰۹)

ترجمہ: "حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک اَعرابی جس کی آواز بہت بلند تھی، حاضرِ خدمت ہوا، اس نے کہا: اے محمد! ایک آدمی ایک قوم سے محبّت رکھتا ہے لیکن (اپنے اعمال کے لحاظ سے) ابھی تک ان کے ساتھ نہیں مل پایا (اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی انہیں لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبّت رکھتا ہے۔"

تشریح: ان احادیث میں ان حضرات کے لئے بڑی بشارت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضراتِ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور مقبولانِ اِلٰہی سے سچی محبت رکھتے ہیں، اِن شاء اللہ ان کا حشر بھی ان مقبولانِ اِلٰہی کے ساتھ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی معیت ورفاقت اِن شاء اللہ ان کو نصیب ہوگی۔

ہمارے حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ شعر منسوب ہے:

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

ترجمہ: "میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبّت رکھتا ہوں، اگرچہ میں ان میں سے نہیں ہوں، حق تعالیٰ شانہٗ کے فضل سے اُمید رکھتا ہوں کہ مجھے بھی نیکی و پارسائی نصیب فرمائیں۔"

ان احادیث کا مضمون قرآنِ پاک کی آیت:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾﴾ (النساء)

سے ماخوذ ہے۔ اس سلسلے میں دو باتیں خوب اچھی طرح سمجھ لینے کی ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندوں سے سچّی محبّت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ان کی عادات و اطوار کو دِل و جان سے پسند کرے، اور حتّی الوسع ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش بھی کرے، اور ان کی پیروی میں اگر اس سے کچھ کوتاہی ہوتی ہو تو اس سے ندامت محسوس کرے، جو شخص اپنی شکل وصورت اور اپنے اعمال واشغال میں سنّتِ نبوی اور

طریقۂ صالحین کی پروا نہیں کرتا، اس کا دعوائے محبّت صحیح نہیں، اور قیامت کے دن سچی محبّت کی قیمت ہوگی، محبّت کے جھوٹے دعووں کی کوئی قیمت نہیں۔ بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سنتوں کا ان کی زندگی میں نہ صرف یہ کہ کوئی نام ونشان نظر نہیں آتا، بلکہ ... نعوذ باللہ... ثم نعوذ باللہ... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سنتوں کو نفرت وحقارت سے دیکھتے ہیں اور بسااوقات ان کا مذاق بھی اُڑاتے ہیں۔ مثلاً: داڑھی رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے، بہت سے مدعیانِ عشق ومحبّت نہ صرف اس سے محروم ہیں، بلکہ وہ داڑھی کو حقارت ونفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور داڑھی والوں کا مذاق اُڑاتے ہیں، اور ان کو کبھی اس پر ندامت نہیں ہوتی کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو پامال کر رہے ہیں۔ اسی طرح آدھی پنڈلی تک تہبند یا پاجامہ، شلوار رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے (جیسا کہ آدھی پنڈلی سے لے کر ٹخنے کے اُوپر تک کی اجازت ہے، اور ٹخنے سے نیچے رکھنا ناجائز اور گناہ ہے) بہت سے لوگ اس سنّت کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ پس یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ایک سنّت کا بھی مذاق اُڑایا یا اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا، اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب نہیں ہوگی، جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرے، اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی کا جائزہ لے کر دیکھے کہ اس کے کون کون سے افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ مطہرہ کے مطابق ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے، اور کون کون سے اعمال وافعال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے خلاف ہیں، ان پر توبہ واِستغفار کرے، اور آئندہ کے لئے سنّتِ نبوی کی پیروی کا عزم کرے۔ اور بدقسمتی سے اگر کسی سنّت کو حقیر سمجھا تھا، یا اس کا مذاق اُڑایا تھا تو اس سے بھی توبہ کرے، بلکہ اپنے ایمان کی تجدید کرے۔ دُنیا میں اس نے کوئی احمق نہ دیکھا ہوگا جو اپنے محبوب کی اداؤں کا مذاق اُڑاتا ہو کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ایسے شخص کے نام کو عشاق کی فہرست میں کبھی جگہ نہیں مل سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کا نام ہے، جو لوگ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں سے نفرت کرتے ہیں یا مذاق اُڑاتے ہیں، سوچنا چاہئے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا واسطہ ہے...؟

اسی طرح جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو چھوڑ کر طرح طرح کی بدعات وخرافات میں مبتلا ہوں، ان کا دعوائے محبّت بھی بازارِ قیامت میں بے قیمت ہوگا، اس لئے کسی مسئلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت طریقے کو پس انداز کرکے لوگوں کی خودتراشیدہ خرافات کو اَپنانا اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کے دِل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کی کوئی وقعت نہیں۔ اس لئے بدعت خواہ کتنی ہی معمولی ہو اس کا مرتکب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منحرف ہے، اور وہ کیسی ہی حسین اور عمدہ نظر آتی ہو اس میں نورانیت کا شائبہ تک نہیں، بلکہ سراپا ظلمت ہی ظلمت ہے۔

دُوسری بات اس حدیث میں سمجھنے کی یہ ہے کہ مقبولانِ اِلٰہی کی معیت و رفاقت نصیب ہونے سے ان کے ہم مرتبہ ہونا لازم نہیں آتا، اس سلسلے میں خاتم المحدثین اِمام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ''خاتم النّبیین'' میں اس بارے میں عجیب تحقیق فرمائی ہے، اور اس کے ایک حصے کا ترجمہ یہاں نقل کرتا ہوں:

''اگر سلطان را مدعو کنند خدم و حشم در منزل و مکان ہمراہ خواہد ماند، نہ در عزّت و وجاہت و منزلت و مکانت، پس اشتراک در منزل و ضیافت ہم حقیقت است کہ ساری و متعدی است، نہ وجاہت و منزلت، و معیت را مراتب متنوّعہ پیدا شدند در کریمہ ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ (الآیۃ) ہمیں معیت متعدیہ ارادہ کردہ اند، و آں ہم مراتب کثیرہ داشتہ باشد، نہ وجاہت مختصّہ، و کسے را با اختصاصاتِ خاصہ ہم جمع تواں شد، پس چنانکہ امتیاز سلطان در مثال مذکور باوجود معیت خدم و حشم محظوظ است، ہم چنیں حال فیوضِ نبوّت کہ متعدی ہستند، و اصل نبوّت کہ متعدی نیست، باید فہمید۔''

ترجمہ: ''اگر بادشاہ کی دعوت کریں تو حشم و خدم اور نوکر چاکر بھی (خدمت کے لئے) اسی منزل و مکان میں رہیں گے، لیکن عزّت و وجاہت اور منزلت و مکانت میں وہ شریک نہیں، پس ضیافت اور رہائش گاہ میں شریک ہونا بھی ایک حقیقت ہے جو (بادشاہ کے طفیل دُوسروں تک بھی) جاری و متعدی ہے، لیکن وجاہت و منزلت میں شرکت نہیں، نہ یہ جاری و متعدی ہے۔

اور معیت کے بے شمار مراتب ہیں، آیتِ کریمہ: ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ میں جس ''معیت'' کا ذکر ہے، اس سے یہی معیتِ متعدّیہ مراد ہے، اور وہ بھی مراتبِ کثیرہ رکھتی ہوگی، وجاہتِ مختصّہ میں معیت مراد نہیں۔

اور کسی کو کسی کے ساتھ رکھنا اور اس کے متعلقین میں سے شمار کرنا ایک وسیع و عریض میدان رکھتا ہے، وہ اختصاصاتِ خاصہ کے ساتھ بھی جمع ہوسکتا ہے، پس جیسا کہ مثالِ مذکور میں بادشاہ کا امتیاز حشم و خدم کی معیت کے باوجود محفوظ ہے، اسی طرح فیوضِ نبوّت کے حال کو جو متعدّی ہیں، اور اصل نبوّت کو جو متعدّی نہیں، سمجھ لینا چاہئے۔''

(''خاتم النّبیین'' ص:۱۱۶، ۲۶۱، فقرہ:۱۷۰، شائع کردہ مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت ملتان)

حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں بھی اپنے مقبول بندوں کی محبّت اور دُنیا و آخرت میں ان کی معیت نصیب فرمائے اور قارئین کو بھی، آمین!

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا

[حدیث:۲۷۸] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قال رسول الله صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَأَنَا مَعَهٗ اِذَا دَعَانِیْ۔‘‘

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی حسن الظن، حدیث: ۲۳۱۰)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں، اور جب وہ مجھے پکارے تو اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔‘‘

تشریح: یہ حدیث یہاں مختصر نقل ہوئی ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ’’کتاب الدعوات‘‘ کے اَواخر میں اس کو ایک اور سند سے مکمل روایت کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

’’یَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰی: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَأَنَا مَعَهٗ حِیْنَ یَذْکُرُنِیْ، فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ، وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَأٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَأٍ خَیْرٌ مِّنْهُ، وَاِنِ اقْتَرَبَ اِلَیَّ شِبْرًا اِقْتَرَبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا، وَاِنِ اقْتَرَبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا اِقْتَرَبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا، وَاِنْ أَتَانِیْ یَمْشِیْ أَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً۔‘‘ (ترمذی ج:۲ص:۲۰۰)

ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ پس اگر مجھے اپنے دِل میں یاد کرے تو میں اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ کسی محفل میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر محفل (ملأ اعلیٰ) میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب ہو تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہو تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ میرے پاس چل کر آئے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔‘‘

اس حدیثِ قدسی میں تین مضمون ارشاد فرمائے گئے ہیں:

ایک یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق ہوتا ہے، اس لئے بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ نیک گمان رکھنا چاہئے، اور اس حسنِ ظن کے بے شمار پہلو ہیں، مثلاً: جب اس سے کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو فوراً توبہ و اِستغفار کرلے، اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ ضرور قبول فرمائیں گے۔ غلطی خواہ کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہو، کبھی یہ وسوسہ بھی دِل میں نہ لانا چاہئے کہ ایسے جرمِ عظیم کی

بخشش کیسے ہوسکتی ہے؟ نہیں! بلکہ مغفرت اور قبولِ توبہ کا پورا یقین رکھتے ہوئے توبہ کرنی چاہئے، اسی مضمون کو کسی عارف نے ایک فارسی قطعے میں نظم فرمایا ہے:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
کیں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست
صد بار گر توبہ شکستی باز آ

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ندا ہوتی ہے کہ تم سے خواہ کتنے ہی جرم صادر ہوئے ہوں، اور تمہاری خواہ کیسی ہی گندی حالت کیوں نہ ہو، ہماری طرف پلٹ آؤ اور سچی توبہ کرلو، کیونکہ ہماری بارگاہ میں نااُمیدی کی کوئی گنجائش نہیں، اور اس بارگاہ سے کبھی کوئی محروم نہیں گیا، اس لئے اگر تم نے سو بار بھی توبہ توڑ ڈالی ہو تب بھی مایوس اور دِل شکستہ نہ ہوں، بلکہ اب بھی توبہ کرلو، اپنے مالک کو غفور و رحیم پاؤ گے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن کا ایک پہلو یہ ہے کہ اپنے گناہوں کی گراں باری سے مایوس ہوکر کبھی یہ وسوسہ دِل میں نہ لائے کہ میری مغفرت کیسے ہوسکتی ہے؟ بلکہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی و ستاری پر کامل یقین رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بخشش و مغفرت طلب کرے، جب بھی سچے دِل سے توبہ کرلے گا اِن شاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔ اسی حسنِ ظن کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے تو قبولیت کا یقین رکھ کر کرے، اور اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ نہ معلوم اس کی دُعا قبول بھی ہوگی یا نہیں؟ یہ مضمون بہت سی احادیث میں وارِد ہوا ہے، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے:

”اُدْعُوا اللهَ وَأَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ، وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِّنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَّاهٍ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۱۸۶)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو ایسی حالت میں کہ تمہیں قبولیت کا یقین ہو، اور خوب جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غافل دِل کی دُعا قبول نہیں فرماتے۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

”اِنَّ اللهَ تَعَالٰى حَيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِ اِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ اِلَيْهِ يَدَيْهِ اَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا خَائِبَتَيْنِ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۱۹۵)

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی حیادار اور کریم ہیں، جب بندہ ان کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھائے تو ان کو اس سے شرم آتی ہے کہ ان ہاتھوں کو خالی اور نامراد لوٹادیں۔“

پس حق تعالیٰ شانہٗ سے مانگ کر یہ خیال کرنا کہ شاید قبول فرمائیں یا نہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدظنی

ہے، اور یہ بندے کی بڑی بدقسمتی و محرومی ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ دُعا کے شرائط و آداب کو ملحوظ رکھ کر دُعا کی جائے اور قبولیت کا کامل یقین رکھا جائے۔

اسی طرح ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھنا چاہئے، ایک حدیث میں ہے:

”قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ فَلْیَظُنَّ مَا شَاءَ۔“ (جامع صغیر ج:۲ ص:۸۳)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں، پس جیسا چاہے گمان رکھے۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

”قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، اِنْ ظَنَّ خَیْرًا فَلَہٗ، وَاِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَہٗ۔“

(جامع صغیر ج:۲ ص:۸۳)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں، اگر بھلائی کا گمان رکھے تو اس کے لئے بھلائی ہے، اور اگر بُرائی کا گمان رکھے، تو اس کے لئے وہی ہے۔“

مقصود اِن تمام ارشادات سے یہی ہے کہ بندے کو ہر تنگی و آسانی میں ہر راحت و پریشانی میں اپنے مالک سے خیر کا ہی گمان رکھنا چاہئے، مالک کی طرف سے کبھی بدگمانی نہیں ہونی چاہئے۔ یہاں یہ ذکر کردینا بھی مناسب ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ حسنِ ظن اور خوش گمانی کی بنیاد، اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے قوی تعلق اور سچی محبت ہے، محبت کا تعلق جتنا قوی ہوگا اسی درجے کا حسنِ ظن نصیب ہوگا، اور چونکہ محبت کے درجات غیر متناہی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن کے درجات بھی بے شمار ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ اپنی عنایت و رحمت سے اس ناکارہ کو بھی اور اس کے باتوفیق قارئین کو بھی یہ دولت نصیب فرمائیں۔

دُوسرا مضمون اس حدیثِ قدسی میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ جب تک بندہ اللہ تعالیٰ کے ذکر و دُعا میں مشغول رہے اسے حق تعالیٰ شانہٗ کی معیت نصیب رہتی ہے۔ قرآنِ کریم میں بہت سی جگہ بہت سے اعمال پر معیتِ اِلٰہی کا وعدہ ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ یہاں حسّی اور مادّی معیت مراد نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک اور منزّہ ہے، بلکہ یہاں بے کیف اور معنوی معیت مراد ہے، جو حق تعالیٰ شانہٗ کی نصرت و اعانت اور رضا و محبت سے کنایہ ہے، بندے کو ذکرِ اِلٰہی کی توفیق ہوجانا ہی حق تعالیٰ کی خاص عنایت و رحمت ہے، اور پھر اس پر معیتِ اِلٰہی کا جو وعدہ فرمایا گیا ہے یہ تو ایسی دولت ہے کہ کوئی دولت اس کے برابر نہیں ہوسکتی، اور پھر مزید عنایت یہ کہ اگر بندہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو حق تعالیٰ شانہٗ بھی رضا و قبول کے ساتھ اسے تنہائی میں یاد فرماتے ہیں، اور بندہ کسی محفل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر محفل یعنی ملأ اعلیٰ میں فخر

ومباہات کے ساتھ اس کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

تیسرا مضمون اس حدیث میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ اگر بندہ ایک بالشت اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھے تو اس کی رحمت وعنایت دو بالشت آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرتی ہے، اور اگر بندہ ایک ہاتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھے تو حق تعالیٰ دو ہاتھ آگے بڑھ کر اس کی پذیرائی فرماتے ہیں، اور اگر بندہ لڑکھڑاتے قدموں سے اللہ تعالیٰ کی طرف چلے تو اللہ تعالیٰ دوڑ کر اسے منزلِ قرب طے کرا دیتے ہیں۔

اس ارشاد میں ایک تو حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایتِ بے پایاں کا بیان ہے کہ وہ کس طرح اپنے بندوں کے ٹوٹے پھوٹے اعمال کی پذیرائی فرماتے اور ان پر اِنعام و اِکرام کی بارشیں فرماتے ہیں، دُوسرے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تقرّب الی اللہ کی منزلیں انسان کی سعی وکوشش سے طے نہیں ہوتیں، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب بندہ اپنی ہمت واِستطاعت کے مطابق حقیر سی سعی بجالاتا ہے تو جذبِ الٰہی اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اور وصول الی اللہ کے منازل درحقیقت اسی جذبِ الٰہی سے طے ہوتے ہیں، کیونکہ بندے کی تمام تر محنت و کوشش محدود ہے، اور وصول الی اللہ کی راہ غیرمحدود۔ اس کا کوئی امکان نہیں کہ محض بندے کی طاعت وعبادت اور اس کی محنت ومجاہدہ سے یہ غیرمحدود راستہ طے ہوجائے، نیز اس ارشادِ پاک میں اس طرف بھی اشارہ فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو بندوں سے بُعد نہیں، بُعد اور دُوری جتنی ہے وہ خود بندے کے نفسانی حجابات کی وجہ سے ہے، جب حق تعالیٰ کی نظرِ عنایت کسی بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس کے ان نفسانی حجابات کو اُٹھا کر اسے سوئے منزل گامزن کردیتے ہیں، اور جب وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا کو مقصود بناکر سفرِ طاعت شروع کرتا ہے تو اسے راستہ طے کرا دیتے ہیں۔ یا اللہ! محض اپنے لطف وکرم سے ہمارے لئے تمام منزلیں آسان فرمادیجئے اور اپنی رحمت ورضا نصیب فرمادیجئے۔

نیکی اور بدی کا بیان

[حدیث: ۲۷۹] ”عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِيْ نَفْسِکَ وَکَرِهْتَ أَنْ يَّطَّلِعَ النَّاسُ عَلَيْهِ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزہد، باب ماجاء فی البر والاثم، حدیث: ۲۳۱۱)

ترجمہ: ”حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور بدی کے بارے میں دریافت کیا (اور دُوسری روایت میں ہے کہ یہ سوال انہوں نے خود کیا تھا کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے؟) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ: نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے، اور بدی وہ چیز ہے جو تیرے دِل میں کھٹک پیدا کرے اور تجھے یہ بات ناپسند ہو کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔‘‘

تشریح: یہ حدیثِ پاک جامع کلمات میں سے ہے، جس کے مختصر الفاظ میں دریائے معانی بند ہے۔

حدیثِ پاک کے پہلے جملے یعنی ’’نیکی حسنِ اخلاق کا نام ہے‘‘ کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ خالق و مخلوق کے معاملات کو خوش اُسلوبی کے ساتھ نبھانے کا نام ’’حسنِ اخلاق‘‘ یا ’’خوش خلقی‘‘ ہے، شرح اس کی یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ ہمارے معاملے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

ایک یہ کہ نیکی کا بدلہ بُرائی کے ساتھ دیا جائے، یہ ’’کمینگی اور بدخلقی‘‘ ہے۔

دوم یہ کہ نیکی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دیا جائے، یہ کمال نہیں بلکہ یہ محض قرض ادا کرنا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

’’لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیْ وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ اِذَا قَطَعَتْ رَحِمَہٗ وَصَلَھَا۔‘‘

(مشکوٰۃ ص:۴۱۹)

ترجمہ: ’’صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو باری کا بدلہ اُتارے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے وہ تب بھی صلہ رحمی کرے۔‘‘

سوم یہ کہ بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دیا جائے، اس کا نام ’’خوش خلقی‘‘ ہے، اور اعلیٰ درجے کا کمال ہے، دُوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ خوش خلقی اس کا نام ہے کہ دُوسروں کے جو حقوق اپنے ذمے لازم ہیں ان کو پورے طور پر اَدا کیا جائے، اور اپنے حقوق جو دُوسروں کے ذمے لازم ہیں ان کا مطالبہ نہ کیا جائے، ظاہر ہے کہ جس شخص کا معاملہ مخلوق کے ساتھ ایسا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں کس طرح کوتاہی کرسکتا ہے؟ جبکہ بندہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے انعامات و احسانات میں ہر لحہ سرتاپا غرق ہے، پس خالق یا مخلوق میں سے کسی کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرنا حسنِ اخلاق کے منافی ہے، اس مختصر سی وضاحت سے واضح ہوجاتا ہے کہ حدیثِ پاک کا یہ چھوٹا سا جملہ ’’اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ‘‘ پورے دِین پر حاوی ہے۔

حدیثِ پاک کا دُوسرا جملہ ہے کہ: ’’گناہ وہ چیز ہے جو تمہارے دِل میں کھٹک پیدا کرے اور تمہیں لوگوں کا اس پر مطلع ہونا ناگوار ہو‘‘ شرح اس کی یہ ہے کہ بعض چیزوں کی اچھائی یا بُرائی تو بالکل کھلی ہوئی ہوتی ہے، اور ان کی اچھائی یا بُرائی میں آدمی کو کوئی تردّد نہیں ہوتا، مثلاً: اس بارے میں کبھی دو رائیں نہیں ہوسکتیں کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، والدین کی خدمت گزاری اور صلہ رحمی وغیرہ اچھے کام ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ہر ذی فہم جانتا ہے کہ ظلم و ستم، بے ایمانی و بددیانتی اور شراب نوشی و رِشوت ستانی وغیرہ گندے اور بُرے کام ہیں۔ لیکن بعض اُمور ایسے پیش آجاتے ہیں جن میں آدمی کو اِشتباہ اور خلجان ہوجاتا ہے اور وہ فیصلہ نہیں کرپاتا کہ میں جو

کچھ کر رہا ہوں یا کرنا چاہتا ہوں، یہ صحیح ہے یا غلط؟ اور اچھا کام ہے یا بُرا؟ پس ایسا کام جس کے جواز و عدمِ جواز میں آدمی کو شک و تردّد ہو، وہ اس کو کرتے ہوئے دِل میں کھٹک اور چبھن محسوس کرے، اور یہ چاہے کہ لوگ اس پر مطلع نہ ہوں، یہ اس اَمر کی علامت ہے کہ یہ کام اچھا نہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَالَا یُرِیْبُکَ"

ترجمہ: "جو چیز تمہارے دِل میں کھٹک پیدا کرے اس کو چھوڑ کر وہ پہلو اِختیار کرو جس میں کھٹک نہ ہو۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

"اَلْبِرُّ مَا سَکَنَتْ اِلَیْہِ النَّفْسُ وَاطْمَأَنَّ اِلَیْہِ الْقَلْبُ، وَالْاِثْمُ مَا لَمْ تسکن اِلَیْہِ النَّفْسُ وَلَمْ یَطْمَئِنَّ اِلَیْہِ الْقَلْبُ وَاِنْ أَفْتَاکَ الْمُفْتُوْنَ۔"

ترجمہ: "نیکی وہ ہے جس پر تمہارا ضمیر پُرسکون اور دِل مطمئن ہو، اور گناہ وہ ہے جس میں نہ تمہارا ضمیر پُرسکون ہو اور نہ قلب مطمئن ہو، اگرچہ مفتی حضرات تمہیں اس کے جواز ہی کا فتویٰ دیں۔"

مگر یہ خوب یاد رہنا چاہئے کہ یہ ارشادِ نبوی ان حضرات کے حق میں ہے جن کا ضمیر زندہ اور جن کا قلب نورِ ایمان سے روشن ہو، ان کا قلب کسی مشتبہ چیز کو قبول نہیں کرتا، بلکہ جب کسی چیز میں ذرا بھی اِشتباہ ہو فوراً ان کے دِل میں کھٹک پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن ایسے لوگ جن کا ضمیر محرّمات کے اِرتکاب میں بھی کوئی کھٹک محسوس نہیں کرتا، اور جن کے قلوب معاصی و بدعات کے خوگر ہوگئے ہیں، ان کے حق میں دِل کے مفتی کا فتویٰ معتبر نہیں، اور نہ ان کے ضمیر کے مطمئن ہونے کا اعتبار ہے۔

محض حق تعالیٰ شانہٗ کی خاطر کسی سے محبّت کرنا

[حدیث: ۲۸۰] "عن مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: قَالَ اللہُ عَزَّ وَجَلَّ: اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِیْ جَلَالِیْ لَھُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُّوْرٍ یَّغْبِطُھُمُ النَّبِیُّوْنَ وَالشُّھَدَآءُ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، بَاب ماجاء فی الحب فی اللہ، حدیث: ۲۳۱۲)

ترجمہ: "حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: جو لوگ میری عظمت وجلال کی وجہ سے ایک دُوسرے سے محبّت رکھتے ہیں، ان کے لئے نور کے منبر ہوں

گے کہ ان پر نبی اور شہید بھی رشک کریں گے۔‘‘

تشریح: محض اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے محبّت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ محبّت کسی دُنیوی مفاد یا قرابت داری کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ صرف حق تعالیٰ شانہٗ کے تعلق کی وجہ سے اِخلاص پر مبنی ہو۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص:۴۲۶ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ نہ وہ نبی ہیں، نہ شہید، لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا ایسا مرتبہ ہوگا کہ ان پر نبی اور شہید بھی رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں بتادیجئے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو محض حق تعالیٰ شانہٗ کے تعلق سے آپس میں محبّت رکھتے تھے، ان کے درمیان نہ کوئی رشتہ داری تھی اور نہ کوئی مال کا لین دین تھا۔ پس اللہ کی قسم! ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے، اور وہ نور (کے منبروں) پر بیٹھے ہوں گے، اور ان کو کوئی خوف نہ ہوگا، جبکہ لوگ خوف زدہ ہوں گے، اور ان کو کوئی غم نہ ہوگا، جبکہ لوگ غم زدہ ہوں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (قرآنِ کریم سے اس کا اِثبات کرتے ہوئے) یہ آیت پڑھی: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿٦٢﴾﴾ (یونس) (سن رکھو! بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ محض رضائے اِلٰہی کے لئے کسی نیک بندے سے محبّت رکھنا بہت ہی اُونچا عمل ہے، حدیثِ پاک میں اس کو کمالِ ایمان کی علامت فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

”مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطٰى لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ۔“

(مشکوٰۃ ص:۱۴)

ترجمہ: ’’جس نے کسی سے محبّت کی تو اللہ کے لئے، کسی سے بغض رکھا تو اللہ کے لئے، کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لئے، اور نہ دیا تو اللہ کے لئے، اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کرلی۔‘‘

ایک حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے (یعنی گھر سے باہر آئے) تو فرمایا: جانتے ہو کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ کسی نے کہا: نماز اور زکوٰۃ، کسی نے کہا: جہاد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک! اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے دوستی کرنا، اور اللہ ہی کی خاطر کسی سے بغض رکھنا ہے (مشکوٰۃ ص:۴۲۷)۔

حُبّ فی اللہ درحقیقت حُبِّ اِلٰہی کا شعبہ ہے، مشہور ہے کہ محبوب کی گلی کا کتّا بھی پیارا لگتا ہے، پس جس شخص کو حق تعالیٰ سے محبّت ہوگی اسے اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندوں سے بھی محبّت ہوگی۔

پس اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول بندے سے محبّت محض اللہ تعالیٰ کے تعلق کی بنا پر ہوگی، چنانچہ حدیث

میں ارشاد ہے کہ:

”مَا أَحَبَّ عَبۡدٌ عَبۡدًا لِلّٰہِ اِلَّا أَکۡرَمَ رَبَّہٗ عَزَّ وَجَلَّ۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۲۷)

ترجمہ: ”جس بندے نے کسی بندۂ خدا سے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر محبّت کی، اس نے اپنے رَبّ عزّوجل کا اِکرام کیا۔“

الغرض! اس حدیثِ پاک میں للّٰہی محبّت کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ قیامت کے دن ایسے لوگوں کو نور کے ایسے منبر عطا کئے جائیں گے جو انبیاء اور ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے بھی لائقِ رشک ہوں گے۔ اس سے کسی شخص کو یہ وہم نہیں ہونا چاہئے کہ ان کا مرتبہ انبیاء و ملائکہ سے بھی فائق ہوگا، نہیں! بلکہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو درجاتِ عالیہ نصیب ہوں گے اور بارگاہِ الٰہی میں ان کا جو اِعزاز و اِکرام ہوگا، وہ دُوسرے لوگوں کے ادراک و تصوّر سے بھی بالاتر ہوگا۔ اس حدیثِ پاک سے مقصود یہ ہے کہ للّٰہی محبّت رکھنے والوں کے مرتبے کی انبیائے کرام اور ملائکہ عظام بھی تحسین فرمائیں گے اور ان کو لائقِ رشک قرار دیتے ہوئے مبارک باد دیں گے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی مبتدی طالبِ علم امتحان میں نہایت اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہو اور اساتذہ اس کو مبارک باد دیتے ہوئے کہیں کہ: ”بھئی! تمہاری کامیابی تو لائقِ رشک ہے“ اس سے کسی کو یہ وہم نہیں ہوتا کہ یہ مبتدی طالب اپنے اساتذہ سے بھی لائق و فائق ہوگیا۔ بس اسی طرح ان لوگوں کے مرتبے کو سمجھنا چاہئے۔

[حدیث: ۲۸۱] ”عَنۡ أَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ أَوۡ عَنۡ أَبِیۡ سَعِیۡدٍ أَنَّ رَسُوۡلَ اللہِ صلی اللہ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَبۡعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللہُ فِیۡ ظِلِّہٖ یَوۡمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ: اِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَۃِ اللہِ، وَرَجُلٌ کَانَ قَلۡبُہٗ مُعَلَّقًا بِالۡمَسۡجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنۡہُ حَتّٰی یَعُوۡدَ اِلَیۡہِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللہِ فَاجۡتَمَعَا عَلٰی ذٰلِکَ وَتَفَرَّقَا، وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللہَ خَالِیًا فَفَاضَتۡ عَیۡنَاہُ، وَرَجُلٌ دَعَتۡہُ امۡرَأَۃٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ: اِنِّیۡ أَخَافُ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَۃٍ فَأَخۡفَاھَا حَتّٰی لَا تَعۡلَمَ شِمَالُہٗ مَا تُنۡفِقُ یَمِیۡنُہٗ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی الحب فی اللہ، حدیث: ۲۳۱۳)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ یا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (اس میں راوی کو شک ہے، مگر دُوسری روایت میں تعیین ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دیں گے، جس دن کہ عرشِ اِلٰہی کے سائے کے

علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا (یعنی قیامت کے دن، اور وہ سات آدمی یہ ہیں): ۱:... حاکم عادل، ۲:... وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پھلا پھولا، ۳:... وہ شخص جو مسجد سے نکلے تو اس کا دِل مسجد میں اَٹکا رہے یہاں تک کہ دوبارہ مسجد میں چلا جائے، ۴:... وہ دو آدمی جنھوں نے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں دوستی کی، اس کے لئے جمع ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے، ۵:... وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں بہہ پڑیں، ۶:... وہ شخص جس کو کسی صاحبِ حسب ونسب اور صاحبِ حسن و جمال خاتون نے غلط دعوت دی، مگر اس نے یہ کہہ کر اس کی دعوت رَدّ کردی کہ: میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، ۷:... اور وہ شخص جس نے صدقہ کیا تو اس کو ایسا چھپایا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتا نہ چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا؟''

تشریح: قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا، اور تمام مخلوق سائے کی محتاج ہوگی، پس ان حضرات کی خوش بختی وخوش نصیبی کا کیا کہنا! جنھیں اس دن عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہوجائے۔ یہ سات قسم کے حضرات جن کا اس حدیث میں تذکرہ ہے، ان کا عمل حق تعالیٰ شانہٗ سے کمالِ تعلق اور کمالِ اخلاق کا آئینہ دار ہے، اس لئے کریم آقا کی جانب سے ان کے ساتھ اعزاز واکرام کا معاملہ کیا جائے گا۔

ان سات حضرات کے علاوہ دیگر اَحادیث وروایات میں کچھ حضرات کے نام بھی آتے ہیں، جنھیں قیامت کے دن عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا، اگرچہ بعض اَحادیث ضعیف ہیں، لیکن فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث بھی قبول کی جاتی ہیں۔ حضرت مولانا سعید احمد دہلوی قدس سرہٗ نے اپنے رسالے ''جنّت کی کنجی'' میں ان حضرات کی فہرست درج کی ہے، ذیل میں وہ فہرست نمبر ۸ سے حضرتِ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں، حق تعالیٰ تمام اُمتیانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دولت نصیب فرمائے:

۸:... جو شخص اپنے مقروض کو مہلت دے۔

۹:... جو مجاہد فی سبیل اللہ کی اِمداد واِعانت کرتا ہے۔

۱۰:... جو شخص مکاتَب کو آزاد کرنے میں مکاتب کا ہاتھ بٹاتا ہے (مکاتب وہ غلام ہے جس کی آزادی کو اس کا آقا کسی شرط کے ساتھ مشروط کردے)۔

۱۱:... جو شخص کسی نیک آدمی کو محض اللہ کے واسطے دوست رکھتا ہے۔

۱۲:... مجاہدین کے لشکر کی اِمداد واِعانت میں جو شخص خود بھی شہید ہوجائے۔

۱۳:... تجارت میں سچ بولنے والا۔

۱۴:... وہ شخص جس کے اخلاق اچھے ہوں اور خُلقِ حسن سے متصف ہو۔

۱۵:... جو شخص موسمی دِقتوں اور دُشواریوں کے باوجود وضو کی تکلیف برداشت کرتا ہے۔

۱۶:... رات کے اندھیرے میں مسجد کی طرف جانے والا۔

۱۷:... جس شخص نے کسی انسان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا۔

۱۸:... وہ شخص جو یتیم کی پرورِش اور یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے۔

۱۹:... بیوہ عورت کی خدمت کرنے والا۔

۲۰:... وہ شخص جو دُوسروں کے حقوق ادا کرتا ہے اور اپنا حق قبول کرتا ہے۔

۲۱:... سلطانِ عادل کی نیک نیتی سے خدمت کرنے والا۔

۲۲:... جو شخص دُوسروں کے حق میں وہ فیصلہ کرتا ہے اور وہی حکم لگاتا ہے جو اپنے لئے پسند کرے۔

۲۳:... جو شخص خدا کے بندوں کی خیر خواہی کرتا رہتا ہے اور ہر وقت اسی خیال میں رہتا ہے۔

۲۴:... جو شخص اہلِ ایمان کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتا ہے اور نرمی سے پیش آتا ہے۔

۲۵:... جس عورت کا بچہ مرجائے تو جو شخص ایسی غم زدہ کی تعزیت کرے گا وہ بھی عرشِ اِلٰہی کے سائے میں ہوگا۔

۲۶:... جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے اور قرابت داروں کے حق کو پہچانتا ہے۔

۲۷:... وہ بیوہ عورت جو چھوٹے بچوں کی پرورِش کے خیال سے دُوسرا نکاح نہ کرے۔

۲۸:... جو شخص عمدہ کھانا پکائے اور اچھی غذا تیار کرے، پھر اس کھانے میں یتیم کو بلاکر شریک کرے۔

۲۹:... وہ شخص جو ہر موقع پر اللہ ربّ العزّت کی معیت کا یقین رکھتا ہو۔

۳۰:... غریبوں کا وہ شکستہ طبقہ جن کی غربت اور فقیری کے باعث کوئی شخص ان کی جانب متوجہ نہ ہو، اگر وہ کسی مجلس میں آجائیں تو ان کو کوئی پہچانے بھی نہیں، خاموش اور غیر معروف زندگی بسر کرنے والے، فاقوں کی مصیبت سے مرگئے لیکن کسی کو خبر نہ ہوئی، دُنیا میں مجہول لیکن آسمانوں میں مشہور، لوگ ان کو بیمار سمجھتے ہیں، لیکن ان کو سوائے خوفِ خدا کے دُوسرا مرض نہیں ہے۔

۳۱:... قرآن کی خدمت کرنے والے، حافظ ہوں یا ناظرہ خواں، خود بھی قرآن پر عمل کرتے ہیں اور دُوسروں کو بھی قرآن کا مطلب بتاتے ہیں۔

۳۲:... وہ شخص جس نے بچپنے میں قرآن سیکھا اور جوان ہوکر بھی اس کو پڑھتا رہا۔

۳۳:... وہ شخص جس کی آنکھ محارم اللہ سے باز رہی۔

۳۴:... وہ شخص جس کی آنکھ نے خدا کی راہ میں جاگنے کی تکلیف برداشت کی ہو۔

۳۵:... وہ شخص جس کی آنکھ خدا کے خوف سے روتی رہتی ہے۔

۳۶:... وہ شخص جو اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔

۳۷:... جس شخص نے کبھی اپنا ہاتھ غیر حلال مال کی طرف نہیں بڑھایا۔

۳۸:... جس شخص نے حرام کی طرف نگاہ پھیر کر بھی نہیں دیکھا۔

۳۹:... جو لوگ سود نہیں لیتے اور بیاج سے پرہیز کرتے ہیں۔

۴۰:... جو لوگ رِشوت نہیں لیتے۔

۴۱:... وہ شخص جو ذکرِ الٰہی کی غرض سے وقت کا شمار کرتا رہتا ہے، مثلاً: کب وقت ہو اور میں نماز پڑھوں۔

۴۲:... جس نے کسی غمگین کا غم دُور کردیا، اور مصیبت زدہ کی مصیبت دُور کردی۔

۴۳:... جس نے رسول اللہ ﷺ کی سنّت کو زندہ کیا۔

۴۴:... کثرت سے سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں دُرود بھیجنے والا۔

۴۵:... مسلمانوں کے وہ بچّے جو صغرسنی کی حالت میں فوت ہوگئے ہوں۔

۴۶:... بیماروں کی عیادت کرنے والا۔

۴۷:... جنازے کے ساتھ جانے والا۔

۴۸:... نفل اور فرض روزہ رکھنے والا۔

۴۹:... حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے صحیح دوستی رکھنے والے۔

۵۰:... جو شخص صبح کی نماز کے بعد سورۂ انعام کی پہلی تین آیتیں پڑھا کرتا ہے (سورۂ انعام ساتویں پارے میں ہے اس کی ابتدا سے تین آیتیں شمار کرلینی چاہئیں)۔

۵۱:... دِل اور زبان دونوں سے خدا کا ذکر کرنے والا۔

۵۲:... جن لوگوں کے دِل پاک صاف اور بدن ستھرے ہیں، خدا کے لئے محبّت کرتے ہوں، خدا کے ذکر کے ساتھ ان کا بھی تذکرہ ہوتا ہو، جہاں ان کا چرچا ہوتا ہو تو ان کے ساتھ خدا کا بھی تذکرہ ہوتا ہو، سردی کے موسم میں وضو کی پابندی کرنے والے، ذکرِ خدا کی طرف مائل ہونے والے، خدا کے محارِم کی توہین پر غضبناک ہونے والے، مسجدوں کو آباد اور ان کی تعمیر میں سعی کرنے والے، اور صبح کے وقت کثرت سے اِستغفار میں مشغول رہنے والے۔

۵۳:... نیکی کا حکم کرنے اور بُرائی سے منع کرنے والے، خدا کی اطاعت کے لئے اس کے بندوں کو بلانے والے۔

۵۴:... وہ شخص جو خدا کی دی ہوئی نعمتوں پر لوگوں سے حسد نہیں کرتا، ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا ہے، چغل خوری سے اجتناب کا عادی ہے۔

۵۵:... جس شخص نے اپنا مال، اپنی جان جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کر دی اور شہادت کا مرتبہ حاصل کر لیا، اس کے لئے عرشِ الٰہی کے نیچے ایک خیمہ بھی نصب کیا جائے گا۔

۵۶:... وہ لوگ جو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں۔

۵۷:... وہ اِمام جس سے اس کے مقتدی راضی ہوں۔

۵۸:... وہ موَذّن جو اللہ کے لئے پانچوں وقت کی اَذان دیتا ہے۔

۵۹:... وہ غلام جس نے آقائے مجازی کے ساتھ مولائے حقیقی کا بھی حق ادا کیا ہو۔

۶۰:... وہ شخص جو لوگوں کی حاجت براری اور مشکل کشائی کرتا ہے۔

۶۱:... اللہ کے لئے ہجرت کرنے والا۔

۶۲:... وہ شخص جو لوگوں میں صلح کرانے کی غرض سے سعی کرتا ہے۔

۶۳:... وہ انسان جس کے دِل نے کبھی زنا کا ارادہ نہیں کیا۔

۶۴:... اہلِ تقویٰ (یہ سب سے زیادہ عالی مرتبہ ہوں گے)۔

۶۵:... وہ شخص جو بات بھی کرتا ہے تو علم ہی کی کرتا ہے، اور سکوت بھی کرتا ہے تو علم کی بات پر سکوت کرتا ہے۔

۶۶:... بے کار اور بے ہنر اور صنعت نہ جاننے والے انسان کی اعانت کرنے والا۔

۶۷:... وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول پر اِیمان لایا، خدا کی راہ میں اس نے جہاد کیا، سچ بولتا اور اَمانت کو صحیح طریقے پر اَدا کرتا ہے، غلّے کی گرانی کے لئے آرزو نہیں کرتا۔

۶۸:... وہ شخص جو مغرب کے بعد دو رکعات پڑھتا ہے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ گیارہ گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ پڑھتا ہے (اس روایت کی سند منکر ہے)۔

۶۹:... جو ماں باپ کی نافرمانی نہیں کرتا۔

۷۰:... ’’لا اِلٰہ اِلَّا للّٰہ‘‘ کثرت سے کہنے والا۔

۷۱:... شہداء کی اَرواح سبز پرندوں کے حواصل میں رہتی ہیں، اور یہ پرندے شام کو عرشِ اِلٰہی کے نیچے قنادیل میں رہتے ہیں۔

۷۲:... حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن سایۂ رحمٰن میں ہوں گے۔

۷۳:... حضرت علی کرّم اللہ وجہہ لوائے حمد لئے ہوئے، اِمام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ہمراہ عرش کے سائے میں ہوں گے، ان کی جگہ حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل ہوگی۔

محبّت کی اطلاع دینے کا بیان

[حدیث: ۲۸۲] ”عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ اِيَّاهُ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب ماجاء فی اعلام الحب، حديث: ۲۳۱۴)

ترجمہ: ”حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے محبّت کرے تو اس کو بتادینا چاہئے۔“

[حدیث: ۲۸۳] ”عَنْ يَزِيْدَ بْنِ نَعَامَةَ الضَّبِّي قَالَ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا اٰخَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْأَلْهُ عَنِ اسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيْهِ وَمِمَّنْ هُوَ فَاِنَّهُ أَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب ماجاء فی اعلام الحب، حديث: ۲۳۱۵)

ترجمہ: ”حضرت یزید بن نعامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب ایک شخص دُوسرے شخص سے بھائی چارہ کرے (یعنی محض دِین کے تعلق کی بنا پر دوستانہ و برادرانہ رکھے) تو اسے چاہئے کہ اس کا نام لے، اس کے والد کا نام اور اس کا قبیلہ و خاندان اس سے دریافت کرلے، کیونکہ یہ چیز محبّت کے تعلق کو زیادہ بڑھانے والی ہے۔“

تشریح: ان دونوں اَحادیثِ طیبہ میں دِینی محبّت کے آداب سکھائے گئے ہیں، ایک یہ کہ جس شخص سے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر محبّت ہو، اس کو بتادینا چاہئے کہ مجھے آپ سے محبّت ہے، اس سے محبّت کا تعلق جانبین سے استوار ہوگا۔

دوم یہ کہ جس سے محبّت ہو اس کا نام اور پتا نشان وغیرہ دریافت کرلینا چاہئے کہ اس سے محبّت کے حقوق ادا کرنے میں آسانی رہے گی، اور اس سے محبّت میں مزید اضافہ ہوگا۔ چنانچہ بیہقی کی شعب الایمان میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر وہ غائب ہو تو یہ اس کی حفاظت کرسکے گا، بیمار ہو تو عیادت کرسکے گا اور مرجائے تو جنازے میں شرکت کرسکے گا (مرقاۃ ج:۴ ص:۷۱۳)۔

کسی کے منہ پر تعریف کرنا

[حدیث: ۲۸۴] ”عَنْ أَبِيْ مَعْمَرٍ قَالَ: قَامَ رَجُلٌ فَأَثْنٰى عَلٰى أَمِيْرٍ مِنَ الْأُمَرَاءِ، فَجَعَلَ الْمِقْدَادُ بْنُ الْاَسْوَدِ يَحْثُوْ فِيْ وَجْهِهِ التُّرَابَ وَقَالَ:

أَمَرَنَا رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَّحْثُوْ فِيْ وُجُوْهِ الْمَدَّاحِيْنَ التُّرَابَ۔"

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب ماجاء فی کراهية المدح، حديث:۲۳۱۶)

ترجمہ: "ابو معمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کسی حاکم کی تعریف کرنے لگا (اور صحیح مسلم ج:۲ ص:۴۱۴ میں ہمام بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح کرنے لگا) اور حضرت مقداد بن اَسود رضی اللہ عنہ اس کے منہ میں مٹی ڈالنے لگے، اور فرمایا کہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ مدح سرائی کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دیا کریں۔"

[حدیث:۲۸۵] "عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: اَمَرَنَا رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّحْثُوْ فِيْ اَفْوَاهِ الْمَدَّاحِيْنَ التُّرَابَ۔"

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، بَاب ماجاء فی کراهية المدح، حديث:۲۳۱۷)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالیں۔"

تشریح: کسی کے سامنے اس کی مدح سرائی کرنا مذموم ہے، تین وجہ سے، ایک تو ایسے لوگ عموماً خوشامدی ہوا کرتے ہیں، اور ممدوح سے منفعت حاصل کرنے کے لئے اس کی سچی جھوٹی تعریف کیا کرتے ہیں، گویا ایسے لوگوں کی تعریف اِخلاص پر مبنی نہیں ہوتی، بلکہ مطلب براری کے لئے ہوا کرتی ہے۔

دُوسرے ایسے لوگ تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور اس میں جھوٹ کی آمیزش سے کوئی باک نہیں رکھتے۔

تیسرے جس کی تعریف کی جائے اس کے نفس میں عجب وخود پسندی اور تعلّی وتکبر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، وہ ایسے احمقوں کی تعریف سے یہ سمجھ لیتا ہے کہ شاید میں سچ مچ ایسا ہوں، ظاہر ہے کہ یہ خیال اس کی ہلاکت کا موجب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی مدح کرنا مطلقاً مذموم نہیں، بلکہ جس شخص کے کمالِ تقویٰ اور رُسوخِ عقل ومعرفت کی بنا پر یہ اندیشہ نہ ہو کہ مدح سے اس کا نفس پھول جائے گا اور تعریف کسی صحیح مقصد کے لئے ہو، مثلاً: اس شخص کی ہمت افزائی کرنا یا دُوسروں کو اس کی اقتدا کی ترغیب دینا، اور تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام نہ لیا جائے، تو بعض صورتوں میں تعریف جائز اور بعض صورتوں میں مستحب ہے۔ چنانچہ بے شمار احادیث میں حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعریفی کلمات منقول ہیں۔

صاحبِ اِیمان کی رفاقت

[حدیث:۲۸۶] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ أَنَّہٗ سَمِعَ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا یَأْکُلْ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی صحبۃ المومن، حدیث:۲۳۱۸)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: رفاقت اختیار نہ کرو مگر صرف صاحبِ اِیمان کی، اور تمہارا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار آدمی۔“

تشریح: اس ارشادِ پاک میں دو ہدایتیں دی گئی ہیں، ایک یہ کہ آدمی کو صرف صاحبِ ایمان کی صحبت و رفاقت اختیار کرنی چاہئے، اور فاجر و بدکار اور منافق کی صحبت سے احتراز کرنا چاہئے، اس لئے کہ انسان کی طبیعت نادانستہ طور پر اپنے رفیق و ہم نشین کی صحبت سے متأثر ہوتی اور اس کے اخلاق و عادات کو اَخذ کرتی ہے، اس لئے نیک لوگوں کی صحبت سے خیر اس کی طرف منتقل ہوگی، اور بُروں کی صحبت سے بُرائی اور شر کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ہوا خوشبو کے پاس سے گزرتی ہے تو معطر اور خوشبودار ہوجاتی ہے، اور بدبو کے پاس سے گزرتی ہے تو بدبودار اور متعفن ہوجاتی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

”مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالسُّوْءِ کَحَامِلِ الْمِسْکِ وَنَافِخِ الْکِیْرِ، فَحَامِلُ الْمِسْکِ اِمَّا أَنْ یُّحْذِیَکَ وَاِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْہُ وَاِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْہُ رِیْحًا طَیِّبَۃً، وَنَافِخُ الْکِیْرِ اِمَّا أَنْ یُّحْرِقَ ثِیَابَکَ وَاِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْہُ رِیْحًا خَبِیْثَۃً۔“

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۸۳۰، کتاب الذبائح، باب المسک)

ترجمہ: ”اچھے اور بُرے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے (مشک) کستوری والا اور بھٹی جھونکنے والا، پس کستوری والا یا تو تمہیں کچھ ہدیہ کردے گا، یا تم اس سے خرید لوگے، یا کم از کم تمہیں اس سے خوشبو تو میسر آئے گی، اور بھٹی جھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا یا تم اس سے بدبو پاؤگے۔“

راز اس میں یہ ہے کہ طبائع کو ایک دُوسرے سے مناسبت ہوتی ہے، اس لئے آدمی اسی شخص کی صحبت اختیار کرتا ہے جس کے ساتھ کسی نوعیت کی مناسبت ہو، اور پھر یہ مناسبت محبّت تک کھینچ لے جاتی ہے، اور رفتہ رفتہ آدمی اپنے دوست کا مذاق و مسلک اپنالیتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

"اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ أَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۶۰)

ترجمہ: "آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے، اس لئے تمہیں یہ دیکھ لینا چاہئے کہ کس سے دوستی کرتا ہے۔"

اور پھر اس صحبت و رفاقت کا انجام یہ ہوتا ہے کہ آدمی کی دُنیا ہی نہیں، بلکہ آخرت بھی اس کے ساتھ وابستہ ہوجاتی ہے، چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

"اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔" (ترمذی، ج:۲ ص:۶۲)

ترجمہ: "آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے دوستی کرتا ہے۔"

پس اہل اللہ کی صحبت اکسیر ہے، اور اہلِ باطل اور اہلِ غفلت کی صحبت زہر ہے، بزرگوں کا ارشاد ہے کہ ایسا شخص صحبت کے لائق نہیں جس سے دِینی فائدہ حاصل نہ ہو۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

یہاں دو باتوں پر تنبیہ کرنا بہت ضروری ہے، ایک یہ کہ ہم لوگ اچھی بُری جگہ بیٹھنے میں کوئی تمیز نہیں کرتے، اور ہوٹلوں، ریستورانوں اور چائے خانوں میں بیٹھے رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، حالانکہ اچھی بُری جگہ کے بھی اثرات ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کو "خیر البقاع" (بہترین جگہیں) اور بازاروں کو "شر البقاع" (بدترین جگہیں) فرمایا ہے، جس طرح گندی جگہ بیٹھنے سے دِماغ تعفن سے پھٹے گا، اسی طرح غفلت کی جگہ بیٹھنے سے دِل میں غفلت کا غبار آئے گا، اس لئے بغیر ضرورت کے ایسی جگہوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرنا چاہئے، اور اگر کبھی ضرورت کی بنا پر بیٹھنا پڑے تو قلب کی نگہداشت سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

دُوسری بات یہ کہ کسی شخص کی تحریر پڑھنا بھی ایک درجے میں اس کی صحبت کے قائم مقام ہے، چنانچہ اہل اللہ کے ارشادات، ان کے ملفوظات اور ان کی کتابوں کا مطالعہ قلب میں نورانیت پیدا کرتا ہے، اور اہلِ باطل اور اہلِ غفلت کی کتابوں کے مطالعے سے دِل میں ظلمت و کدورت پیدا ہوتی ہے، اس زمانے میں اس سے بھی بہت بے پروائی اختیار کی جارہی ہے، لوگ ہرکس و ناکس کی کتاب اُٹھاکر پڑھنا شروع کردیتے ہیں۔ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ جتنی دیر تک اس کتاب کے مطالعے میں مشغول رہیں گے اتنی دیر گویا مصنف کی صحبت میں بیٹھے ہیں اور اس شخص کی قلبی کیفیات بقدرِ اِستعداد آپ کی طرف منتقل ہو رہی ہیں۔

دُوسری ہدایت جو اس حدیث پاک میں فرمائی گئی ہے، یہ ہے کہ تمہارا کھانا صرف پرہیزگار لوگ کھائیں، اس سے مقصد... واللہ اعلم... یہ ہے کہ کھانے پر صرف نیک اور پرہیزگار حضرات کو مدعو کیا جائے،

کیونکہ کسی کو دعوت دے کر اپنے گھر بلانا محبّت واُلفت اور دوستی وتعلق کی بنا پر ہوتا ہے، پس ایسا گہرا تعلق صرف اہل اللہ سے ہونا چاہئے۔ ہاں! کسی ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا دُوسری بات ہے، جو شخص حاجت مند ہو اس کی حاجت براری ضروری ہے، خواہ وہ کافر ہی ہو، واللہ اعلم!

مصائب پر صبر کرنا

[حدیث:۲۸۸] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا أَرَادَاللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَيرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنيَا، وَاِذَا أَرَادَاللّٰهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَکَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتّٰى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَإِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزهد، باب في الصبر على البلاء، حديث: ۲۳۱۹)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو دُنیا میں ہی اس کو فوری سزا دے دیتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہ کی سزا مؤخر کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کی پوری سزا دیں گے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بندے کو جتنا بڑا اِبتلا پیش آئے، اتنی ہی بڑی جزا اس کو ملتی ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبّت فرماتے ہیں تو اسے (مصائب وآلام سے) آزماتے ہیں، پس جو شخص (ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے) راضی رہا، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور جو شخص ناراض ہوا، اس کے لئے ناراضی ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں دو مضمون ارشاد ہوئے ہیں، ایک یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی سزا دُنیا ہی میں دے دیتے ہیں، اس کی سزا کو آخرت پر نہیں اُٹھا رکھتے، بلکہ مختلف مصائب وآلام میں اس کو مبتلا کر کے پاک وصاف کر دیتے ہیں، چنانچہ اگر اس کے کانٹا بھی چبھتا ہے، وہ بھی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، اور اگر لکھنے والے کے ہاتھ سے قلم گر جاتا ہے، تو وہ بھی اس کے لئے کفارہ بن جاتا ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ کسی بندۂ

مؤمن کو کوئی تکلیف یا صدمہ یا پریشانی پیش آئے اسے اپنے گناہوں کا خمیازہ سمجھنا چاہئے۔ دُوسری یہ کہ بندۂ مؤمن کا مصائب و آلام میں مبتلا ہونا اس کے مردُود ہونے کی علامت نہیں، بلکہ اس کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ' کا لطف و اِنعام ہے کہ حق تعالیٰ شانہ' نے اس کے گناہوں کے کفارے کا دُنیا ہی میں انتظام فرمادیا۔

اس کے برعکس جس بندے کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے گناہوں کے باوجود ڈھیل اور مہلت دیتے ہیں، وہ احمق یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت معزّز ہے، حالانکہ اس کے ساتھ اِستدراج کا معاملہ ہو رہا ہے کہ اس کی معصیتوں اور نافرمانیوں کے باوجود اسے ڈھیل دی جارہی ہے، اور قیامت کے دن جب بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوگا، اسے اس کی بدعملیوں کا پورا بدلہ چکادیا جائے گا، اِلَّا یہ کہ حق تعالیٰ شانہ' محض اپنے فضل و احسان سے عفو و درگزر کا معاملہ فرمائیں۔

اس حدیثِ پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی حق تعالیٰ شانہ' کا لطف، قہر کی شکل میں ہوتا ہے، اور کبھی قہر، لطف کی شکل میں۔ اس نکتے کو حضراتِ عارفین خوب سمجھتے ہیں، ورنہ عام لوگوں کی نظر اس پر نہیں جاتی۔ حق تعالیٰ شانہ' اس ناکارہ کے ساتھ بھی لطف و کرم کا معاملہ فرمائیں اور اپنے غضب و قہر سے پناہ عطا فرمائیں،

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ، لَآ أُحْصِیْ ثَنَآئً عَلَیْکَ أَنْتَ کَمَا أَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔

دُوسرا مضمون اس حدیثِ پاک میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ بندے کو حق تعالیٰ شانہ' کی طرف سے جس قدر زیادہ اِبتلا پیش آئے اسی قدر وہ حق تعالیٰ شانہ' کے ہاں اجر و ثواب کا مستحق ہے، پس جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبّت فرماتے ہیں، اسے مختلف تکالیف و مصائب سے آزماتے ہیں، جن سے ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا سارا میل کچیل دُور ہوجاتا ہے۔ حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا تھا کہ: بیٹا! سونے چاندی کو آگ کی بھٹی میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے، پس جو بندہ ان تکالیف اور آزمائشوں پر، جو محض من جانب اللہ پیش آتی ہیں، راضی رہے اور کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے، بلکہ یوں سمجھے کہ مجھے جو کچھ پیش آرہا ہے یہ سب کچھ کریم آقا کی جانب سے میرے نفع کے لئے ہے، ایسے بندے کے لئے حق تعالیٰ شانہ' کی رضامندی لکھ دی جاتی ہے: ''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا، اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے'' اور جو شخص ان مصائب و آلام پر راضی برضا نہ رہے، بلکہ اس کے دِل میں حق تعالیٰ شانہ' کی طرف سے گھٹن اور کڑھن پیدا ہوجائے، وہ اپنی حماقت سے حق تعالیٰ کی ناراضی کا مستوجب ہوجاتا ہے، نعوذ باللہ من ذٰلک!

ایک حدیثِ قدسی ہے کہ:

''مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَقْنَعْ بِعَطَائِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ۔''

ترجمہ: ''جو شخص میری قضا پر راضی نہیں اور میری عطا پر قانع نہیں، اسے کہو کہ میرے

سوا کوئی اور رَبّ ڈھونڈ لے۔“

[حدیث:۲۸۹] ”عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يُحَدِّثُ يَقُولُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: مَا رَأَيْتُ الْوَجعَ عَلٰى أَحَدٍ أَشَدَّ مِنْهُ عَلٰى رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔“ (رواه الترمذی، ابواب الزهد، باب فی الصبر علی البلاء، حدیث:۲۳۲۰)

ترجمہ: ”اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کی تکلیف نہیں دیکھی۔“

تشریح: یہاں تکلیف سے سکراتِ موت کی تکلیف مراد ہے، مطلب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ چونکہ بہت ہی بلند تھا، اس لئے دیگر تکالیف کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکرات کی تکلیف بھی دُوسروں سے زیادہ تھی، مگر یہ تکلیف جسدِ مبارک کو تھی، جبکہ رُوحِ مبارک لقائے اِلٰہی کے اشتیاق میں بے چین اور مشاہدۂ اِلٰہی میں مستغرق تھی۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نزع کے وقت اگر کسی کو بظاہر زیادہ تکلیف ہو تو یہ اس کے غیرمقبول ہونے کی دلیل نہیں، اگر کسی کی رُوح بظاہر آسانی سے نکل جائے تو یہ اس کے مقبول ہونے کی علامت نہیں۔ الغرض! ظاہری شدّت کے کم و بیش ہونے کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ اصل اعتبار اس وقت رُوحانی شدّت و راحت کا ہے، جس کا اِدراک ہم لوگ ان آنکھوں سے نہیں کرسکتے، اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ وَغَمَرَاتِ الْمَوْتِ۔

[حدیث:۲۹۰] ”عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ: اَلْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ، يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ، فَإِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ صُلْبًا اِشْتَدَّ بَلَاؤُهٗ، وَإِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ رِقَّةٌ اُبْتُلِيَ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ، فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰى يَتْرُكَهٗ يَمْشِيْ عَلَى الْأَرْضِ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، باب فی الصبر علی البلاء، حدیث:۲۳۲۲)

ترجمہ: ”حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ فرمایا: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی، پھر جوان سے قریب تر ہو، پھر جوان سے قریب تر ہو۔ آدمی کو اس کے دِین کے مطابق آزمایا جاتا ہے، پس اگر وہ اپنے دِین میں پختہ ہو تو اس کی آزمائش بھی کڑی ہوتی ہے، اگر اس کے دِین میں کمزوری ہو تو اسے اس کے دِین کی بقدر آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، پس آزمائش بندے کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے یہاں تک کہ اس کو ایسا کر

چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر ایسی حالت میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔“

[حدیث: ۲۹۱] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قال رسول الله صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِيْ نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَمَالِهِ حَتّٰى يَلْقَى اللهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب فی الصبر علی البلاء، حدیث: ۲۳۲۳)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مصیبت ہمیشہ مؤمن بندے اور مؤمن بندی کے ساتھ رہتی ہے، اس کی ذات میں بھی اور اس کی اولاد میں بھی اور اس کے مال میں بھی، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرتا ہے کہ اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔“

تشریح: آزمائش سے مراد وہ آلام و مصائب ہیں جو اس دارالمحن میں آدمی کو پہنچتے ہیں، اس حدیثِ پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: یہ آزمائشیں سب سے زیادہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ڈالی جاتی ہیں، پھر درجہ بدرجہ اولیاء و صلحاء پر، جتنا کسی کا دِین مضبوط اور عنداللہ اس کا مرتبہ بلند ہو، اسی قدر اسے آزمائشوں میں ڈالا جاتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ ان کو صبر و اِستقامت اور شکر و صبر کی توفیق دے دیتے ہیں، اسی سے اس کے درجات بلند ہوتے ہیں اور خطاؤں کا کفارہ ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ وہ تمام خطاؤں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مصائب و آلام حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء و صلحاء پر بھی آتے ہیں اور فساق و فجار پر بھی، ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ مقبولانِ اِلٰہی پر مصائب کا آنا بطورِ تطہیر و آزمائش ہوتا ہے، جس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور بھول چوک کی وجہ سے (جو لازمۂ بشریت ہے) ان سے سرزد ہونے والی خطاؤں کا کفارہ ہوجاتا ہے، اور وہ ہر قسم کے گرد وغبار اور میل کچیل سے پاک صاف ہوجاتے ہیں۔ اس کے برعکس فساق و فجار پر جو مصائب آتے ہیں وہ شومئ اعمال کی بنا پر بطورِ عقوبت ہوتے ہیں، اگرچہ دارالجزاء تو آخرت ہے، مگر حق تعالیٰ کی رحمت اس کو مقتضی ہوئی کہ عذاب و سزا کا کچھ نمونہ دُنیا میں بھی دِکھلا دیا جائے تاکہ لوگوں کو توبہ و اِنابت اور رُجوع اِلی اللہ کی توفیق ہو۔

اور ظاہری فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ صلحاء پر جو مصائب و تکالیف آتی ہیں ان کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ سے اِنقباض نہیں ہوتا، بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ سے تعلق و محبّت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے، ان پر اپنی بندگی و بے چارگی اور حق تعالیٰ کی مشیتِ کاملہ کی کارفرمائی مزید واضح ہوجاتی ہے، اور اس کی وجہ سے ان پر اسرارِ عجیبہ کھلتے ہیں، حضرت پیرانِ پیر شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے:

’’جب بندہ کسی بلا میں مبتلا کیا جاتا ہے تو پہلے وہ خود اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، اگر نجات نہیں پاتا تو مخلوقات میں سے اوروں سے مدد مانگتا ہے، مثلاً: بادشاہوں یا حاکموں یا دُنیاداروں یا امیروں سے، اور دُکھ درد میں طبیبوں سے، جب ان سے بھی کام نہیں نکلتا اس وقت اپنے پروردگار کی طرف دُعا اور گریہ وزاری و حمد و ثنا کے ساتھ رُجوع کرتا ہے، (یعنی) جب تک اپنے نفس سے مدد مل جاتی ہے، خلق سے رُجوع نہیں کرتا، اور جب تک خلق سے مدد مل جاتی ہے خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، پھر جب خدا کی طرف سے (بھی) کوئی مدد نظر نہیں آتی تو (بے بس ہو کر) خدا کے ہاتھوں میں آرہتا ہے، اور ہمیشہ سوال و دُعا اور گریہ وزاری اور ستائش و اظہارِ حاجت مندی اُمید و بیم کے ساتھ کیا کرتا ہے، پھر خدا اس کو دُعا سے (بھی) تھکا دیتا ہے اور قبول نہیں کرتا، یہاں تک کہ کلی اسباب (منقطع ہو جاتے ہیں، اور وہ سب) سے علیحدہ ہو جاتا ہے، اس وقت اس میں (اَحکام) قضا و قدر کا نفاذ ہوتا ہے، اور اس کے اندر (خدا اپنا) کام کرتا ہے، تب بندہ کل اسباب و حرکات سے بے پروا ہو جاتا ہے، اور رُوح صرف رہ جاتی ہے، اسے فعلِ حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اور وہ ضرور بالضرور صاحبِ یقین موحد ہوتا ہے، قطعی طور پر جانتا ہے کہ درحقیقت خدا کے سوا نہ کوئی (کچھ) کرنے والا ہے اور نہ حرکت و سکون دینے والا، نہ اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں اچھائی و بُرائی، نفع و نقصان، بخشش و حرمان، کشائش و بندش، موت و زندگی، عزّت و ذِلت، غنا و فقر، اس وقت (اَحکامِ قضا و قدر) میں بندے کی یہ حالت ہوتی ہے جیسے شیر خوار بچہ، دایہ کی گود میں، یا مُردہ، غسّال کے ہاتھ میں، یا (پولو کا) گیند، سوار کے قبضے میں، کہ اُلٹا پلٹا جاتا ہے اور بگاڑا بنایا جاتا ہے، اس میں اپنی طرف سے کوئی حرکت نہیں، نہ اپنے لئے، نہ کسی اور کے لئے، یعنی بندہ اپنے مالک کے فعل میں اپنے نفس میں غائب ہو جاتا ہے، اور اپنے مالک اور اس کے فعل کے سوا نہ کچھ دیکھتا سنتا ہے، نہ کچھ سوچتا سمجھتا، اگر دیکھتا ہے تو اس کی صنعت، اور اگر سنتا ہے تو اسی کا کلام، اس کے علم سے (ہر چیز کو) جانتا ہے، اس کی نعمت سے لطف اُٹھاتا ہے، اس کے قرب سے سعادت پاتا ہے، اس کی تقریب (جذب) سے آراستہ پیراستہ ہوتا ہے، اس کے وعدے سے خوش ہوتا ہے، سکون پاتا ہے، اور اطمینان حاصل کرتا ہے، اس کی باتوں سے مانوس ہوتا ہے، اور اس کے غیر سے وحشت و نفرت کرتا ہے، اس کی یاد میں سرنگوں ہوتا ہے اور جی لگاتا ہے، اس کی

ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے، اس کے نورِ معرفت سے ہدایت پاتا اور اس کا خرقہ و لباس پہنتا ہے، اس کے علومِ عجیب و نادر پر مطلع ہوتا ہے، اس کے قدرت کے اسرار سے مشرف ہوتا ہے، اس کی ذاتِ پاک کی (ہر بات) سنتا اور اسے یاد رکھتا ہے، پھر ان (نعمتوں) پر حمد و ثنا و شکر و سپاس کرتا ہے۔'' (فتوح الغیب، مقالہ، بحوالہ تاریخِ دعوت وعزیمت ج:۱ص:۲۶۲ و ۲۶۳، از مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ)

لیکن جس پر آفات و مصائب کا نزول بطورِ قہر و سزا ہو، اس کے قلب میں گھٹن پیدا ہوجاتی ہے، اپنی بدعملیوں پر نظر کرنے اور اپنی حالت کی اصلاح کرنے کے بجائے ...نعوذ باللہ...حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے سوءِ ظن میں مبتلا ہوجاتا ہے، یہ حق تعالیٰ شانہٗ کا قہر پر قہر ہے کہ آدمی گرفتارِ بلا ہونے کے بعد بھی توبہ و انابت کا راستہ اختیار نہ کرے، بلکہ اپنے منعمِ حقیقی سے برگشتہ ہوجائے اور حرفِ شکایت زبان پر لائے۔

اس حدیثِ پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کا مصائب و تکالیف اور تنگی و بیماری میں مبتلا ہونا اس کے مردُود ہونے کی علامت نہیں، اس میں بہت سے لوگ غلطی کرتے ہیں اور کسی کو تکلیف اور مصیبت میں دیکھ کر اس پر طعن کرتے ہیں، یہ بہت ناشائستہ حرکت ہے۔

آنکھوں کی بینائی جاتی رہنے کا بیان

[حدیث:۲۹۲] ''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللهَ يَقُوْلُ: اِذَا أَخَذْتُ كَرِيْمَتَيْ عَبْدِيْ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ جَزَآءٌ عِنْدِيْ اِلَّا الْجَنَّةَ۔''

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی ذھاب البصر، حدیث:۲۳۲۴)

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں جب دُنیا میں اپنے بندے سے دونوں آنکھیں لے لوں (یعنی ان کی بینائی جاتی رہے) تو اس کے لئے میرے پاس جنّت کے سوا کوئی بدلہ نہیں۔''

[حدیث:۲۹۳] ''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَفَعَهٗ اِلَى النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: مَنْ أَذْهَبْتُ حَبِيْبَتَيْهِ فَصَبَرَ وَاحْتَسَبَ لَمْ أَرْضَ لَهٗ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ''

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی ذھاب البصر، حدیث:۲۳۲۵)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں جس شخص کی آنکھیں لے لوں (یعنی بینائی جاتی رہے) پھر وہ صبر کرے اور ثواب کی نیت رکھے تو میں اس کے لئے جنّت کے سوا کسی بدلے پر راضی نہیں ہوں گا۔‘‘

تشریح: ان احادیثِ مبارکہ سے بینائی جاتی رہنے کی فضیلت معلوم ہوئی، کہ حق تعالیٰ اس مصیبت کے بدلے اس کو اپنی رحمت سے جنّت عطا فرمائیں گے، بشرطیکہ وہ اس مصیبت اور تکلیف پر اللہ تعالیٰ کے اِنعام اور وعدے کا یقین رکھتے ہوئے اس پر صبر کرے، اور صبر کا مطلب یہ ہے کہ اس مصیبت پر جزع فزع نہ کرے، اور حق تعالیٰ شانہٗ کی شکایت اس کے دِل میں پیدا نہ ہو، اگر آنکھوں کا علاج ہوسکتا ہو تو علاج کرانا صبر کے منافی نہیں، کیونکہ علاج کا شریعت نے خود حکم دیا ہے، تاہم اگر بینائی مل گئی تو جس فضیلت اور ثواب کا ان احادیثِ مبارکہ میں وعدہ کیا گیا ہے وہ فضیلت میسّر نہیں آئے گی، چنانچہ جب ایک نابینا صحابی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ: دُعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بینائی عطا فرمادیں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اگر کہو تو تمہارے لئے بینائی کی دُعا کردیتا ہوں، حق تعالیٰ شانہٗ اپنی رحمت سے تم کو بینائی عطا فرمادیں گے، اور اگر چاہو تو اس کے بدلے میں تمہارے لئے جنّت کی دُعا کردُوں۔

[حدیث:۲۹۴] ’’عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَوَدُّ أَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يُعْطٰى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ۔‘‘

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی ذھاب البصر، حدیث:۲۳۲۶)

ترجمہ: ’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے دن جب اہلِ مصائب کو بدلہ عطا کیا جائے گا، تو اہلِ عافیت (جو مصیبتوں سے محفوظ رہے) یہ آرزو کریں گے کہ کاش دُنیا میں ان کے چمڑے قینچیوں سے کاٹ دیئے گئے ہوتے (اور اس کے بدلے میں یہ ثواب ہمیں عطا کیا جاتا ہے)۔‘‘

تشریح: اس حدیثِ پاک میں اہلِ مصائب کے لئے بڑی تسلی ہے کہ ان معمولی مصیبتوں اور تکلیفوں پر، جو انہیں دُنیا میں پہنچ رہی ہیں، انہیں آخرت میں ایسا اجر عطا کیا جائے گا کہ اہلِ عافیت کو ان پر رشک آئے گا۔ یہاں تو وہ شخص قابلِ رشک سمجھا جاتا ہے جو ہر طرح عافیت سے ہو، لیکن قیامت کے دن اس کے برعکس وہ شخص لائقِ رشک ہوگا جو دُنیا میں مبتلائے مصائب رہا۔

یہاں یہ ذِکر کردینا ضروری ہے کہ گو مصائب بھی اپنے اجر و ثواب کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی بہت

بڑی نعمتیں ہیں، مگر ہمیں یہ حکم نہیں کہ اَز خود اللہ تعالیٰ سے مصائب کی دُعا کیا کریں، اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ عافیت ہی کی دُعا کرنی چاہئے، عافیت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور مصیبت و تکلیف بھی اگرچہ مالک کا اِنعام ہی اِنعام ہے، مگر ہم کمزور ہیں، اور ہمارے ضعف کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کی نعمت مانگا کریں، کیونکہ مصیبت پر جس صبر و رضا کی ضرورت ہے، شاید ہم سے اپنے ضعف کی بنا پر اس کی بجا آوری نہ ہو سکے اور مصائب کا تحمل ہم نہ کر سکیں۔ اس لئے مصیبت کے نزول کی دُعا کرنا تو خلافِ ادب اور خلافِ عبدیت ہے، ہاں! اگر کسی کو من جانب اللہ کسی مصیبت میں مبتلا کر دیا جائے تو تسلیم و رضا کا شیوہ اختیار کرے، صبر کا دامن مضبوط تھامے اور آخرت کے اجر و ثواب پر نظر رکھے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی نازل شدہ تکلیف اور مصیبت کے دفع کرنے کی تدبیر کرنا، اور حق تعالیٰ شانہٗ سے اس کی دُعا کرنا صبر و رضا کے منافی نہیں، بلکہ یہ دونوں چیزیں جمع ہو سکتی ہیں۔

[حدیث: ۲۹۵] ”عن عُبَیْدِاللہ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِیْ یَقُوْلُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَیْرَةَ یَقُوْلُ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ أَحَدٍ یَّمُوْتُ اِلَّا نَدِمَ۔ قَالُوْا: وَمَا نَدَامَتُهٗ یَا رَسُوْلَ اللہ! قَالَ: اِنْ کَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ أَنْ لَّا یَکُوْنَ ازْدَادَ، وَاِنْ کَانَ مُسِیْئًا نَدِمَ أَنْ لَا یَکُوْنَ نَزَعَ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، باب ماجاء فی ذهاب البصر، حدیث: ۲۳۲۶)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص بھی مرتا ہے (خواہ نیک ہو یا بد) اسے ندامت ضرور ہوتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اسے ندامت کس بات کی ہوتی ہے؟ فرمایا: اگر نیک ہو تو اسے یہ ندامت ہوتی ہے کہ اس نے اپنی نیکیوں میں اضافہ کیوں نہ کر لیا، اور اگر بُرا ہو تو اسے یہ ندامت ہوتی ہے کہ وہ بُرائی سے کیوں باز نہ آ گیا۔“

تشریح: مرنے کے بعد نیک آدمی کو افسوس ہو گا کہ کاش! اس نے دُنیا میں، جو دار العمل تھا، زیادہ سے زیادہ نیکیاں سمیٹ لی ہوتیں، اور بُرے آدمی کو افسوس ہو گا کہ کاش! وہ ان بُرائیوں سے باز آ جاتا، افسوس کہ ان بُرائیوں کی تلافی کا موقع جاتا رہا۔ حدیثِ پاک کی دعوت یہ ہے کہ آدمی کو اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ غنیمت سمجھنا چاہئے، اگر اللہ تعالیٰ نے طاعات کی توفیق عطا فرما رکھی ہے تو زیادہ سے زیادہ سرمایۂ آخرت جمع کرنا چاہئے، اور خدانخواستہ بُرائیوں میں مبتلا ہے تو اسے ہوش کے ناخن لینے چاہئیں، اور اپنے نامۂ اَعمال کو سیاہ کرنے سے باز آنا چاہئے، جو کچھ اب تک کر چکا ہے اس کے تدارک و تلافی کی فکر کرنی چاہئے، کیونکہ آنکھیں بند ہوتے ہی موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا، پھر نہ کسی نیکی میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کسی بُرائی کے

تدارک کی گنجائش ہے، اِلَّا مَنْ تَغَمَّدَہُ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ!

[حدیث:۲۹۶] ”سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّأْنِ مِنَ اللِّيْنِ، أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ، وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّيَابِ، يَقُوْلُ اللهُ: أَبِيْ تَغْتَرُّوْنَ؟ أَمْ عَلَيَّ تَجْتَرِءُوْنَ؟ فَبِيْ حَلَفْتُ لَأَبْعَثَنَّ عَلٰى أُولٰٓئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ مِنْهُمْ حَيْرَانًا۔ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی ذھاب البصر، حدیث:۲۳۲۷)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانے میں کچھ لوگ ظاہر ہوں گے جو دِین کے حیلے سے دُنیا بٹوریں گے، وہ لوگوں کے سامنے (اپنے زُہد کا اظہار کرنے کی غرض سے) بھیڑ کی کھال کا لباس پہنیں گے، نرمی کی وجہ سے ان کی زبانیں شکر سے زیادہ شیریں ہوں گی، اور ان کے دِل بھیڑیوں کے دِل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا تم میری وجہ سے دھوکہ وغرور میں ہو؟ بلکہ کیا مجھ پر جرأت کرتے ہو؟ پس مجھے اپنی ذات کی قسم! میں ان لوگوں پر انہی کے ہاتھوں ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو ان کے دانش مندوں کو بھی حیران کردے گا۔“

[حدیث:۲۹۷] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ: لَقَدْ خَلَقْتُ خَلْقًا أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ، وَقُلُوْبُهُمْ أَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ، فَبِيْ حَلَفْتُ لَأُتِيحَنَّهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ مِنْهُمْ حَيْرَانًا، فَبِيْ يَغْتَرُّوْنَ أَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِئُوْنَ۔“

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی ذھاب البصر، حدیث:۲۳۲۸)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جن کی زبانیں شہد سے زیادہ شیریں ہیں، اور جن کے دِل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہیں، پس میں اپنی ذات کی قسم کھاتا ہوں کہ ان کو ایسے فتنے میں ڈالوں گا جو ان کے دانش مندوں کو بھی حیران کردے گا، کیونکہ یہ لوگ میری وجہ سے دھوکہ وغرور میں ہیں، بلکہ مجھ پر جرأت کرتے ہیں۔“

تشریح: ان احادیث میں ایسے لوگوں کی شدید مذمت ہے جو طاعت و بندگی اس لئے کرتے ہیں

کہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں، اور جنھوں نے دِین کو دُنیا طلبی کا حیلہ بنا رکھا ہے، بظاہر بڑی شیریں کلامی اور چرب زبانی سے باتیں کرتے ہیں، لیکن ان کے دِل حق تعالیٰ شانہٗ کے ذکر اور اس کی محبّت و عظمت سے معمور نہیں، بلکہ حسد و کینہ اور دُنیا کی خواہش و طلب سے سیاہ ہیں، یہ لوگ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے حلم سے دھوکے میں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جری ہیں کہ اپنے عمل پر نادم و پشیمان نہیں، بلکہ اسے ہنر و کمال سمجھتے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: انہیں ایسے فتنے میں ڈالوں گا جس سے نکلنے کی کوئی تدبیر ان سے نہ بن پڑے گی، اور ان کے ذہین اور ہوشیار لوگ بھی حیران و ششدر ہوکر رہ جائیں گے، نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

زبان کی حفاظت کا بیان

[حدیث:۲۹۸] ”عَنْ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ قَالَ: قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ: أَمْلِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ، وَلْیَسَعْکَ بَیْتُکَ، وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث:۲۳۲۹)

ترجمہ: ”حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) عرض کیا: یا رسول اللہ! نجات کی کیا صورت ہے؟ فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھا کرو، اور چاہئے کہ تم کو سمائے رکھے تمہارا گھر، اور اپنی غلطیوں پر رویا کرو۔“

تشریح: مطلب یہ کہ اگر بغیر مؤاخذے کے نجات چاہتے ہو تو تین باتوں کا اِلتزام کرو، ایک یہ کہ زبان قابو میں رکھو، اور کوئی لفظ بے ضرورت اس سے صادر نہ ہو، دوم یہ کہ اپنے گھر میں بیٹھے رہو، بے ضرورت کسی سے نہ ملو، سوم یہ کہ اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر اَشکِ ندامت بہاتے رہو۔

[حدیث:۲۹۹] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَفَعَهٗ قَالَ: اِذَا أَصْبَحَ ابْنُ اٰدَمَ فَاِنَّ الْأَعْضَاءَ کُلَّهَا تُکَفِّرُ اللِّسَانَ، فَتَقُوْلُ: اِتَّقِ اللهَ فِیْنَا، فَاِنَّمَا نَحْنُ بِکَ، فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا، وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ نَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَیْدٍ نَحْوَهٗ وَلَمْ یَرْفَعْهُ۔“

(رواه الترمذی، ابواب الزهد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث:۲۳۳۰)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی نقل کرتے ہیں کہ: جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان کی منّت و سماجت کرتے ہیں،

اس سے کہتے ہیں کہ: ہمارے بارے میں خدا سے ڈرتے رہنا، کیونکہ ہم سب تیری بدولت (اچھے یا بُرے) ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے، اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے (چلنے پر مجبور) ہوجائیں گے۔"

تشریح: انسان کے تمام اعضاء اس کے دِل کے تابع ہیں، اور اسی کے اَحکام کی تعمیل کرتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

"أَلَا! اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً، اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ، وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ، أَلَا! وَھِیَ الْقَلْبُ۔" (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۲۴۱)

ترجمہ: "سن رکھو! کہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے، جب وہ صحیح ہو تو تمام جسم صحیح رہتا ہے، اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، سن رکھو! کہ وہ دِل ہے۔"

لیکن زبان، دِل کی ترجمان ہے، اور زبان کی اچھائی اور بُرائی کے نتائج سے پورا بدن متأثر ہوتا ہے، اس لئے ہر صبح کو تمام اعضاء اس سے تقویٰ وخشیت کی درخواست کرتے ہیں۔

[حدیث:۳۰۰] "عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قال رسول الله صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ یَّتَوَکَّلُ لِیْ مَا بَیْنَ لِحْیَیْهِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْهِ أَتَوَکَّلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث: ۲۳۳۱)

ترجمہ: "حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کون ہے جو مجھے (دو چیزوں کی) ضمانت دیدے، (ایک) اس چیز کی جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان کی)، اور (دُوسرے) اس چیز کی جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ کی، اور ضمانت دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں کو خلافِ حکمِ خداوندی استعمال نہیں کرے گا) میں اس کو جنّت کی ضمانت دیتا ہوں۔"

تشریح: ان دونوں چیزوں کی ضمانت وہی شخص دے سکتا ہے جو اعلیٰ درجے کا متقی و پرہیزگار ہو، اور جو اپنی زبان سے صادر ہونے والے ایک ایک لفظ کی نگہداشت کرے کہ غفلت میں بھی کوئی لفظ خلافِ رضائے اِلٰہی اس کی زبان سے صادر نہ ہو، ظاہر ہے کہ جو شخص زبان کے بارے میں اَحکامِ اِلٰہیہ کی نگہداشت اس حد تک کرے گا، وہ اپنی دیگر حرکات وسکنات میں اَحکامِ خداوندی کی نگہداشت اس سے بڑھ کر کرے گا، اس لئے اس کو جنّت کی ضمانت دی گئی ہے۔

[حدیث: ۳۰۱] "عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ: قال رسول الله صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ:

مَنْ وَقَاهُ اللّٰهُ شَرَّ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَشَرَّ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث: ۲۳۳۲)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے (دو چیزوں کے شر سے) بچالیا، (ایک) اس چیز کے شر سے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے، اور (ایک) اس چیز کے شر سے جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے، وہ جنّت میں داخل ہوگیا۔"

[حدیث: ۳۰۲] "عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! حَدِّثْنِيْ بِأَمْرٍ أَعْتَصِمُ بِهِ۔ قَالَ: قُلْ: رَبِّيَ اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا أَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ؟ فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث: ۲۳۳۳)

ترجمہ: "حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتادیجئے جسے میں مضبوط پکڑلوں۔ فرمایا: یہ کہہ کہ: میرا رَبّ اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہ۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سب سے زیادہ خوفناک چیز کون سی ہے جس کا آپ میرے حق میں اندیشہ رکھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: یہ!"

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کہ "تو کہہ میرا رَبّ اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہ" ایک ایسا جامع ارشاد ہے جو تمام اَوامر ونواہی کو شامل ہے، مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کو رَبّ مان کر اپنی عبدیت وبندگی کا اِقرار کرلیا، تو اَب ساری عمر اس کی دُھن رہنی چاہئے کہ مجھ سے کوئی حرکت ایسی صادر نہ ہو جو کریم آقا کے حکم وارشاد اور اس کی رضا وخوشنودی کے خلاف ہو، اگر ایک اَمر ونہی میں بھی اس کے خلاف ہوگیا تو اِستقامت میں فرق آگیا، اس لئے دوبارہ عزم اور تجدیدِ نو کی ضرورت ہوگی۔

[حدیث: ۳۰۳] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُكْثِرِ الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِّلْقَلْبِ، وَإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِيْ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث: ۲۳۳۴)

ترجمہ: "حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذِکرِ اِلٰہی کے سوا زیادہ باتیں نہ کیا کرو، کیونکہ ذِکرِ اِلٰہی کے سوا زیادہ باتیں کرنا دِل کی سختی (کا

موجب) ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ سے سب لوگوں سے زیادہ دُور، سخت دِل ہے۔"

تشریح: مطلب یہ کہ ذِکرِ الٰہی کو چھوڑ کر زیادہ باتیں کرنے سے دِل کی سختی پیدا ہوتی ہے، جس سے قلب کی اِستعداد بگڑ جاتی ہے، خوف و خشیت اور حب و رجا وغیرہ سے قلب رفتہ رفتہ خالی ہوجاتا ہے، اور قلب میں ذِکرِ الٰہی کی طرف متوجہ ہونے کی صلاحیت نہیں رہتی، اور یہ کیفیت حق تعالیٰ شانہٗ سے بُعد کی علامت ہے، اَعَاذَنَا اللہُ مِنْھَا!

[حدیث:۳۰۴] "عَنْ أُمِّ حَبِيْبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُلُّ كَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَيْهِ، لَا لَهٗ اِلَّا أَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ ذِكْرُ اللہِ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث:۲۳۳۵)

ترجمہ: "اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابنِ آدم کی ہر بات اس کے حق میں مضر ہے، مفید نہیں، مگر بھلائی کا حکم کرنا یا بُرائی سے روکنا یا اللہ تعالیٰ کا ذکر۔"

زُہد و عبادت میں اِعتدال

[حدیث:۳۰۵] "عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِيْ جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: اٰخى رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ سَلْمَانَ وَبَيْنَ أَبِي الدَّرْدَاءِ، فَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَرَاٰى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً فَقَالَ: مَا شَأْنُكِ مُتَبَذِّلَةً؟ قَالَتْ: اِنَّ أَخَاكَ أَبَا الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهٗ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا۔ قَالَتْ: فَلَمَّا جَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ قَرَّبَ اِلَيْهِ طَعَامًا، فَقَالَ: كُلْ! فَاِنِّيْ صَائِمٌ، قَالَ: مَا أَنَا بِاٰكِلٍ حَتّٰى تَأْكُلَ، قَالَ: فَأَكَلَ، فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لِيَقُوْمَ، فَقَالَ لَهٗ سَلْمَانُ: نَمْ! فَنَامَ، ثُمَّ ذَهَبَ لِيَقُوْمَ قَالَ لَهٗ: نَمْ! فَنَامَ، فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ الصُّبْحِ فَقَالَ لَهٗ سَلْمَانُ: قُمِ الْاٰنَ! فَقَامَا فَصَلَّيَا فَقَالَ: اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَاِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَأَعْطِ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ! فَأَتَيَا النَّبِيَّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَا ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ لَهٗ: صَدَقَ سَلْمَانُ!۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث:۲۳۳۷)

ترجمہ: "حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان

فارسی اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کو ایک دُوسرے کا بھائی بنادیا تھا، ایک دفعہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ملنے ان کے گھر گئے تو دیکھا کہ ان کی اہلیہ حضرت اُمّ الدرداء رضی اللہ عنہا نے میلے کچیلے کپڑے پہن رکھے ہیں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ: تمہارے بھائی ابوالدرداء کو دُنیا کی کسی چیز سے رغبت نہیں (مطلب یہ کہ عورت کی زیب و زینت شوہر کی خاطر ہوتی ہے، ان کو اس کی بھی رغبت نہیں تو اچھے کپڑے کس کے لئے پہنے جائیں؟)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ گھر آئے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کھانا پیش کرکے کہا کہ: آپ تناول فرمائیں، میرا روزہ ہے۔ انہوں نے فرمایا: جب تک آپ نہ کھائیں تب تک میں نہیں کھانے کا۔ چنانچہ انہوں نے (نفلی روزہ مہمان کی خاطر اِفطار کردیا اور) کھانا کھالیا۔ رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نماز کو اُٹھنے لگے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابھی سوجاؤ! چنانچہ ان کے کہنے پر وہ سو رہے، پھر نماز کے لئے اُٹھنے لگے تو پھر کہا: ابھی سو رہو! چنانچہ وہ پھر سوگئے، یہاں تک کہ جب صبحِ صادق کا وقت قریب ہوا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! اب اُٹھ کر نماز پڑھو۔ چنانچہ دونوں اُٹھے اور نمازِ تہجد پڑھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: آپ کے ذمے آپ کے نفس کا بھی حق ہے، آپ کے رَبّ کا بھی حق ہے، آپ کے مہمان کا بھی حق ہے، اور آپ کے ذمے آپ کے اہلِ خانہ کا بھی حق ہے، ہر صاحبِ حق کو اس کا حق ادا کرنا چاہئے۔ پھر یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا قصہ بیان کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلمان نے ٹھیک کہا!''

تشریح: اس حدیثِ پاک کا مدّعا یہ ہے کہ زُہد و عبادت بہت اچھی چیز ہے، مگر اس کو بھی اپنی حد کے اندر رہنا چاہئے۔ زُہد و عبادت میں اتنا اِفراط جائز نہیں کہ اہلِ حقوق کے حقوق بھی تلف ہونے لگیں، یہ مضمون احادیثِ طیبہ میں بڑی کثرت سے آیا ہے۔

اللہ کو ناراض کرکے اِنسانوں کو خوش کرنا

[حدیث:۳۰۶] ''عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قَالَ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ اِلٰى عَائِشَةَ: أَنِ اكْتُبِيْ اِلَيَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِيْ فِيْهِ، وَلَا تُكْثِرِيْ عَلَيَّ۔ فَكَتَبَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اِلٰى مُعَاوِيَةَ: سَلَامٌ عَلَيْكَ! أَمَّا بَعْدُ: فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رسول الله

صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنِ الْتَمَسَ رِضَی اللہِ بِسَخَطِ النَّاسِ کَفَاہُ اللہُ مُؤْنَۃَ النَّاسِ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَی النَّاسِ بِسَخَطِ اللہِ وَکَّلَہُ اللہُ اِلَی النَّاسِ، وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ۔"

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث: ۲۳۳۸)

ترجمہ: "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں خط لکھا کہ مجھے کوئی نصیحت لکھ بھیجئے، مگر زیادہ لمبی نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں تحریر فرمایا: سلام علیک! اما بعد: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ: جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کی رضامندی تلاش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کی مشقت سے خود کفایت فرماتے ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے انسانوں کو خوش کرنا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد فرما دیتے ہیں، والسلام علیک!"

بغیر حساب کتاب کے جنّت میں داخل ہونے والے

[حدیث: ۳۰۷] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا أُسْرِیَ بِالنَّبِیِّ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَعَلَ یَمُرُّ بِالنَّبِیِّ وَالنَّبِیِّیْنِ وَمَعَھُمُ الْقَوْمُ وَالنَّبِیِّ وَالنَّبِیِّیْنِ وَمَعَھُمُ الرَّھْطُ وَالنَّبِیِّ وَالنَّبِیِّیْنِ وَلَیْسَ مَعَھُمْ أَحَدٌ حَتّٰی مَرَّ بِسَوَادٍ عَظِیْمٍ، فَقُلْتُ: مَنْ ھٰذَا؟ قِیْلَ: مُوْسٰی وَقَوْمُہٗ، وَلٰکِنِ ارْفَعْ رَأْسَکَ فَانْظُرْ! قَالَ: فَاِذَا ھُوَ سَوَادٌ عَظِیْمٌ قَدْ سَدَّ الْأُفُقَ مِنْ ذَا الْجَانِبِ وَمِنْ ذَا الْجَانِبِ، فَقِیْلَ: ھٰؤُلَاءِ أُمَّتُکَ وَسِوٰی ھٰؤُلَاءِ مِنْ أُمَّتِکَ سَبْعُوْنَ أَلْفًا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٍ، فَدَخَلَ وَلَمْ یَسْئَلُوْہُ وَلَمْ یُفَسِّرْ لَھُمْ، فَقَالُوْا: نَحْنُ ھُمْ، قَالَ قَائِلُوْنَ: ھُمْ أَبْنَاءُ الَّذِیْنَ وُلِدُوْا عَلَی الْفِطْرَۃِ وَالْاِسْلَامِ، فَخَرَجَ النَّبِیُّ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ھُمُ الَّذِیْنَ لَا یَکْتَوُوْنَ وَلَا یَسْتَرْقُوْنَ وَلَا یَتَطَیَّرُوْنَ وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ فَقَامَ عُکَّاشَۃُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ: أَنَا مِنْھُمْ یَا رَسُوْلَ اللہِ؟ قَالَ: نَعَمْ! ثُمَّ جَاءَہٗ اٰخَرُ فَقَالَ: أَنَا مِنْھُمْ؟ فَقَالَ: سَبَقَکَ بِھَا عُکَّاشَۃُ!" (رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۷۰)

ترجمہ: "حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج

ہوئی تو آپ ﷺ بعض ایسے نبیوں کے پاس سے گزرتے تھے جن کے ساتھ ایک قوم تھی، اور بعض ایسے نبیوں کے پاس سے گزرتے تھے جن کے پاس ایک گروہ تھا، اور بعض ایسے نبیوں کے پاس سے گزرتے تھے کہ ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا، یہاں تک کہ آپ ایک بڑے مجمع کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ کون ہیں؟ آپ کو بتایا گیا کہ: یہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم ہے، لیکن اپنا سر اُٹھا کر دیکھئے! آپ ﷺ نے دیکھا تو ایک بہت ہی بڑا مجمع تھا جس نے اِدھر اُدھر اُفق کو بھر رکھا تھا، آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ آپ کی اُمّت ہے، اور ان کے سوا آپ کی اُمّت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب و کتاب کے جنّت میں داخل ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ یہ حدیث بیان فرما کر اندر تشریف لے گئے، اور نہ تو صحابہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہوں گے اور نہ آپ ﷺ نے خود ہی اس کی وضاحت فرمائی۔ (اب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان اس موضوع پر گفتگو ہونے لگی کہ یہ کون حضرات ہوں گے جو بغیر حساب و کتاب کے جنّت میں داخل ہوں گے) پس بعض نے کہا کہ: یہ لوگ ہم ہی ہیں (جو آنحضرت ﷺ پر بلاواسطہ ایمان لائے اور آپ ﷺ کی خدمت و صحبت سے مشرف ہوئے)۔ اور بعض نے کہا کہ: یہ ان لوگوں کی اولاد ہے جو فطرتِ اسلام پر پیدا ہوئے (اور کبھی کفر و شرک سے ملوّث نہیں ہوئے)۔ اتنے میں آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے، جھاڑ پھونک نہیں کراتے، شگون نہیں لیتے اور اپنے رَبّ پر (کامل) توکل کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں بھی ان میں شامل ہوں؟ فرمایا: ہاں! تم انہی میں سے ہو۔ پھر ایک اور شخص آیا اور عرض کیا کہ: میں بھی ان میں سے ہوں؟ فرمایا: عکاشہ اس بات میں تجھ سے سبقت لے گیا!‘‘

تشریح: بغیر حساب و کتاب کے جنّت میں داخل ہونے والے حضرات کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، البتہ اس حدیث کے متعلق چند سوال ہیں۔

اوّل یہ کہ شبِ اِسراء میں تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات ہوئی تھی، تو پھر آپ نے اس موقع پر ان کو کیوں نہیں پہچانا؟

جواب یہ ہے کہ آدمی کی شناخت اور پہچان نزدیک سے دیکھنے پر ہوتی ہے، یہاں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب سے نہیں دیکھا تھا، بلکہ دُور سے ایک مجمع دیکھا، اور دُور سے دیکھنے میں کسی خاص شخص کی پہچان نہیں ہوسکتی۔

دُوسرا سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ: آپ اپنی اُمّت کو قیامت کے دن کیسے پہچانیں گے؟ فرمایا کہ: میری اُمّت کے اعضائے وضو روشن ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ دُوسری اُمتوں سے زیادہ ممتاز ہوں گے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کی ایک مخصوص علامت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنی اُمّت کو کیوں نہ پہچانا؟

اس کا جواب بھی وہی ہے جو اُوپر آچکا ہے، یعنی یہ منظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُور سے دِکھایا گیا تھا، جس میں صرف مجمع نظر آتا ہے، امتیازی علامات نظر نہیں آتیں، اور یہ بھی اِحتمال ہے کہ اعضاء کے روشن ہونے کی علامت وخصوصیت قیامت کے دن مخصوص ہو۔

سوم یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے لئے تو ان ستر ہزار میں داخل ہونے کی دُعا فرمادی اوران کو اس کی بشارت بھی عطا فرمادی، دُوسرے صاحب نے جب یہی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''عکاشہ تم سے سبقت لے گئے!'' ان کے لئے کیوں دُعا نہیں فرمائی؟

حضراتِ شارحین نے اس سوال کے متعدّد جواب دیئے ہیں، ایک یہ کہ یہ دُوسرا شخص منافق ہوگا، لیکن یہ جواب کمزور ہے، کیونکہ ایسی درخواست کسی منافق بے ایمان کی طرف سے نہیں ہوسکتی۔ دُوسرا جواب یہ دیا گیا کہ اگر دُوسرے کے لئے بھی دُعا فرمادی جاتی تو تیسرا کھڑا ہوجاتا، پھر چوتھا، پھر پانچواں، اسی طرح ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہوجاتا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سلسلہ شروع ہونے سے پہلے ہی اس کو بند کردیا۔ ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے جب درخواست کی تھی وہ قبولیت کا خاص وقت اور خاص گھڑی ہو، دُوسرے صاحب نے جب درخواست کی تو وہ خاص وقت گزر چکا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو تو عکاشہ لے اُڑے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی درخواست تو بے ساختہ تھی، ان کے بعد درخواست کرنے والے میں وہ بات نہیں پائی جاتی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ تو ان صفات کے ساتھ کامل طور پر متصف تھے جو اس جماعت میں داخلے کے لئے شرط ہیں، ممکن ہے دُوسرے صاحب میں یہ صفات اس درجے کی نہ پائی جاتی ہوں، واللہ اعلم!

فائدہ:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی: ''**سَبَقَکَ بِهَا عُكَّاشَةُ**'' کسی کام میں پہل کرنے والے کے لئے ضرب المثل بن گیا ہے (الاصابہ)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زُہد وتقویٰ کا بیان

[حدیث:۳۰۸] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِّمَّا كُنَّا عَلَيْهِ عَلٰى عَهْدِ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: أَيْنَ الصَّلٰوةُ؟ قَالَ: أَوَلَمْ تَصنَعُوْا فِيْ صَلٰوتِكُمْ مَا قَدْ عَلِمْتُمْ!۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۷۱)

ترجمہ: ”ابوعمران جونی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہم لوگ جن اُمور پر قائم تھے آج میں ان میں سے کسی چیز کو بھی نہیں پہچانتا۔ میں نے عرض کیا کہ: نماز تو ہے؟ فرمایا: کیا تم نے اپنی نماز میں وہ کچھ نہیں کرلیا جو تمہارے علم میں ہے!“

تشریح: مطلب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ سعادت مہد میں دُنیا سے زُہد و بے رغبتی اور آخرت کے شوق و اہتمام کی جو کیفیت ہم میں پائی جاتی تھی، اور اُس زمانے میں اعمال کا جو نقشہ تھا، اب وہ کہیں نظر نہیں آتا، ایک نماز تھی اس میں بھی وہ ذوق وشوق، وہ خشوع وخضوع اور لذّتِ مناجات کی وہ کیفیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پائی جاتی تھی آج مفقود ہے، اعمال کا ظاہری ڈھانچہ اگرچہ موجود ہے (اور قیامت تک رہے گا) لیکن باطنی کیفیت کا رنگ روز بروز پھیکا پڑتا جارہا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دُوسری حدیث مروی ہے:

”لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِيْ دَخَلَ فِيْهِ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، وَمَا نَفَضْنَا عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَيْدِيْ وَاِنَّا لَفِيْ دَفْنِهٖ حَتّٰى أَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲۰۲، ابنِ ماجہ ص:۱۱۷)

ترجمہ: ”جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری ہوئی، اس دن مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی، اور جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، مدینہ کی ہر چیز تاریک ہوگئی، اور ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرکے ابھی ہاتھ نہیں جھاڑے تھے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن ہی میں مشغول تھے کہ ہم نے اپنے دِلوں کو اور ہی طرح کا محسوس کیا۔“

یعنی حالتِ مشاہدہ، حالتِ غیبت سے بدل گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدے کے انوار وتجلیات سے دِلوں کی جو قندیلیں جگمگا رہی تھیں ان کی لَو مدھم پڑگئی، اور زمانۂ نبوّت کے انوار وبرکات رُخصت ہوتے ہوئے

صاف محسوس ہونے لگے، آنحضرت ﷺ کے بابرکت عہد سے جس قدر بُعد ہوتا جارہا ہے ایمانی کیفیات میں اسی قدر تنزل رُونما ہورہا ہے، زیرِ نظر حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی تنزل کو بیان فرمارہے ہیں۔

اسی مضمون کی ایک حدیث صحیح بخاری (ج:۲ ص:۱۰۴۷) ''کتاب الفتن، باب لا یأتی زمان الا الذی بعدہ شرّ منہ'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ زبیر بن عدی فرماتے ہیں کہ: ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجاج بن یوسف کی جانب سے جو کچھ پیش آیا تھا ان کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا:

''اِصْبِرُوْا! فَاِنَّهٗ لَا يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ اِلَّا الَّذِيْ بَعْدَهٗ شَرٌّ مِّنْهُ، سَمِعْتُهٗ مِنْ نَّبِيِّكُمْ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔'' (صحیح بخاری ج:۲ ص:۱۰۴۷)

ترجمہ: ''صبر کرو! کیونکہ تم پر جو زمانہ بھی آئے گا اس کے بعد کا زمانہ اس سے بھی بدتر ہوگا، یہ بات میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنی ہے۔''

[حدیث:۳۰۹] ''عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ الْخَثْعَمِيَّةِ قَالَتْ: سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَخَيَّلَ وَاخْتَالَ وَنَسِيَ الْكَبِيْرَ الْمُتَعَالَ، وَبِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَجَبَّرَ وَاعْتَدٰى وَنَسِيَ الْجَبَّارَ الْأَعْلٰى، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ سَهَا وَلَهٰى وَنَسِيَ الْمَقَابِرَ وَالْبِلٰى، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ عَتَا وَطَغٰى وَنَسِيَ الْمُبْتَدَا وَالْمُنْتَهٰى، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ يَخْتِلُ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ يَخْتِلُ الدِّيْنَ بِالشُّبُهَاتِ، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ طَمَعٌ يَّقُوْدُهٗ، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ هَوًى يُّضِلُّهٗ، بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ رُغْبٌ يُّذِلُّهٗ۔''

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۳۷۲)

ترجمہ: ''حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بہت ہی بُرا ہے وہ بندہ جس نے (اپنی بڑائی کا جھوٹا) خیال باندھا اور اِترانے لگا، اور بڑائی والے عالی شان خدا کو بھول گیا، اور بہت ہی بُرا ہے وہ بندہ جس نے تکبر و سرکشی کی، اور اس جبار کو جو سب سے برتر ہے بھول گیا، بہت ہی بُرا ہے وہ بندہ جو غفلت میں مدہوش اور لہو ولعب میں مشغول ہوگیا، اور قبروں کو اور بوسیدہ ہوجانے کو بھول بیٹھا، بہت ہی بُرا ہے وہ بندہ جس نے فساد مچایا اور حد سے نکل گیا، اور اپنی ابتدا و انتہا کو بھول گیا، بہت ہی بُرا ہے وہ بندہ جو دِین کے ذریعے دُنیا کا شکار کرتا ہے، بہت بُرا ہے وہ بندہ جو شبہات کے ذریعے دِین کا شکار کرتا ہے، بہت ہی بُرا ہے وہ

بندہ کہ طمع اور لالچ اس کا قائد ہو، بہت ہی بُرا ہے وہ بندہ کہ خواہشات اس کو راستے سے بہکا رہی ہوں، بہت ہی بُرا ہے وہ بندہ کہ دُنیا کی رغبت اسے ذلیل کررہی ہو۔''

[حدیث:۳۱۰] ''عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا مُؤْمِنٍ أَطْعَمَ مُؤْمِنًا عَلٰى جُوْعٍ أَطْعَمَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُؤْمِنٌ سَقٰى مُؤْمِنًا عَلٰى ظَمَإٍ سَقَاهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ، وَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ كَسَا مُؤْمِنًا عَلٰى عُرًى كَسَاهُ اللهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ۔''

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۳۷۴)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس مؤمن نے کسی بھوکے مؤمن کو کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنّت کے پھلوں سے کھلائیں گے، اور جس مؤمن نے کسی پیاسے مؤمن کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو سربمہر شرابِ طہور سے پلائیں گے، اور جس مؤمن نے کسی برہنہ مؤمن کو لباس پہنایا اللہ تعالیٰ اس کو جنّت کے سبز حلوں کا لباس پہنائیں گے۔''

[حدیث:۳۱۱] ''قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ خَافَ أَدْلَجَ، وَمَنْ أَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ، أَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللهِ غَالِيَةٌ! أَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللهِ الْجَنَّةِ۔''

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۳۷۵)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ڈرے وہ اوّلِ سحر میں سفر شروع کردیتا ہے، اور جو شخص اوّلِ سحر میں صبح سویرے چل پڑے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے، سنو! بے شک اللہ کا سامان نہایت قیمتی ہے، سنو! بے شک اللہ کا سامان جنّت ہے۔''

تشریح: یعنی جس شخص کو دُشمن کا خطرہ ہو، وہ صبحِ صادق ہونے سے پہلے سفر شروع کردیتا ہے، اور جو شخص صبح سویرے سفر شروع کردیتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے، اسی طرح جس شخص کو اپنی آخرت کی فکر اور شیطان کے گمراہ کرنے کا اندیشہ ہو، وہ تہجد سے اپنی تیاری شروع کردیتا ہے، اور جو شخص اوّلِ سحر یعنی تہجد کے وقت سے سفر شروع کردے وہ ان شاء اللہ منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ: خوب یاد رکھو! کہ تم نے جس سامان کا اللہ سے سودا کیا ہے وہ بہت زیادہ قیمتی ہے، اتنا زیادہ قیمتی ہے کہ وہاں ایک چھڑی رکھنے کی جگہ دُنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا یہ قیمتی سامان جنّت ہے، جس کی کیفیت اور

کمیّت ہماری عقل وقیاس سے باہر ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں دُنیا کے مکر اور دھوکے سے محفوظ فرماکر دُنیا میں پاک وصاف زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمائیں، کلمۂ طیبہ ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ'' پر ہمارا خاتمہ فرمائیں، اور اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم سے بغیر حساب وکتاب کے ہمیں جنّت میں داخل فرمادیں۔

کمالِ تقویٰ کیا ہے؟

[حدیث:۳۱۲] ''عَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهٖ بَأْسٌ۔''

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث:۲۳۷۶)

ترجمہ: ''حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: بندہ اس مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا کہ اس کا شمار متقیوں میں ہو، یہاں تک کہ وہ ایسی چیزوں کو بھی چھوڑ دے جن میں کوئی حرج اور گناہ نہیں ان چیزوں سے احتراز کرنے کے لئے جن میں حرج اور گناہ ہے۔''

تشریح: مطلب یہ کہ کمالِ تقویٰ یہ نہیں کہ آدمی صرف ناجائز اور ممنوع چیزوں سے پرہیز کرے، بلکہ کمالِ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی ایسی مباح اور جائز چیزوں سے بھی احتراز کرے جن سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ ناجائز اور ممنوعات کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔

انسان کے دِل کی کیفیت ہر وقت یکساں نہیں رہتی

[حدیث:۳۱۳] ''عَنْ حَنْظَلَةَ الْأُسَيْدِيِّ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّكُمْ تَكُوْنُوْنَ كَمَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ لَأَظَلَّتْكُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا۔''

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث:۲۳۷۶)

ترجمہ: ''حضرت حنظلہ اُسیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ہمیشہ اسی حالت پر رہا کرو جس حالت میں میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تم پر اپنے پروں سے سایہ کریں گے۔''

تشریح: یہ حدیث یہاں مختصر نقل کی گئی ہے، صحیح مسلم (ج:۲ ص:۳۵۵) میں یہ تفصیل سے مروی ہے، حضرت حنظلہ اُسیدی رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ: میں ایک بار

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا، انہوں نے حال اَحوال پوچھا، میں نے کہا: حنظلہ تو منافق ہوگیا! انہوں نے فرمایا: سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے جنّت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ گویا ہم جنّت و دوزخ کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، لیکن جب وہاں سے اُٹھ کر گھر آتے ہیں تو بیوی بچوں اور زمین کے دھندوں میں مشغول ہوجاتے ہیں تو وہ خاص کیفیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتی ہے وہ نہیں رہتی اور ہم بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! یہ صورت تو مجھے بھی پیش آتی ہے۔ چنانچہ میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے کہا: یا رسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ فرمایا: کیا بات ہوئی؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں، آپ ہمیں جنّت و دوزخ کی یاد دِلاتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم سر کی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہے ہیں، پھر جب ہم آپ کے پاس سے اُٹھ کر گھروں میں جاتے ہیں اور بیوی بچّوں میں مشغول ہوتے ہیں تو نسیان اور غفلت کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا:

”وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ! لَوْ اَنَّ تَدُوْمُوْنَ عَلٰی مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِیْ وَفِی الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰی فُرُشِكُمْ وَفِیْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ یَا حَنْظَلَةُ! سَاعَةً وَّسَاعَةً ثَلَاثَ مِرَارٍ۔“

ترجمہ: ”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر تم ہمیشہ اسی حالت پر رہو جو میرے پاس ہوتی ہے اور ہمیشہ اسی یادداشت میں رہو تو فرشتے تم سے بستروں میں اور راستوں میں مصافحہ کیا کریں، لیکن اے حنظلہ! وقت وقت کی بات ہے۔“

اور دُوسری روایت میں ہے:

”یَا حَنْظَلَةُ! سَاعَةً وَّسَاعَةً لَّوْ كَانَتْ تَكُوْنُ قُلُوْبُكُمْ كَمَا تَكُوْنُ عِنْدَ الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ حَتّٰی تُسَلِّمَ عَلَیْكُمْ فِی الطُّرُقِ۔“

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۵۵)

ترجمہ: ”حنظلہ! وقت وقت کی بات ہے، اگر تمہارے دِل اسی کیفیت پر رہا کریں جو وعظ و نصیحت کے وقت ہوتی ہے تو فرشتے تم سے مصافحہ کیا کریں حتیٰ کہ تمہیں راہ چلتے سلام کیا کریں۔“

مطلب یہ کہ قلبی کیفیت ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی، یہ حق تعالیٰ شانہ کی حکمتِ بالغہ ہے کہ ایک وقت ذکر کی تجلی ہوتی ہے اور آدمی دُنیا و مافیہا سے منہ موڑ کر آخرت کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، اور کبھی آدمی پر دُوسری

طرح کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے جس میں آدمی اہل وعیال اور دیگر لوگوں کے حقوق ادا کرتا ہے، پہلی کیفیت کی مثال ایسی ہے کہ محبوب کا مشاہدہ بلا واسطہ ہو، اور دُوسری کیفیت کی مثال ایسی ہے کہ آئینے میں محبوب کے جمال جہاں آرا کا مشاہدہ کیا جائے، اگر ہمیشہ پہلی کیفیت ہی رہا کرتی تو دُنیا کا کارخانہ بند ہوجاتا، اس لئے جس طرح تجلّیٔ ذکر کی کیفیت طاری ہونا عنایتِ بے پایاں ہے، اسی طرح دُوسری کیفیت کا طاری ہونا بھی مقتضائے رحمت وحکمت ہے۔

فائدہ:... جیسا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے اس مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، ان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”لَوْ أَنَّکُمْ تَکُوْنُوْنَ عَلٰی کُلِّ حَالٍ عَلَی الْحَالِ الَّتِیْ أَنْتُمْ عَلَیْھَا عِنْدِیْ لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلٰئِکَةُ بِأَکُفِّھِمْ وَلَزَارَتْکُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ۔“

(مسند احمد ج:۲ ص:۳۰۵)

ترجمہ: ”اگر تم ہمیشہ اسی حالت پر رہا کرو جس حالت پر تم میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تم سے اپنے ہاتھوں سے مصافحہ کیا کریں اور تمہارے گھر تمہاری زیارت کو آیا کریں۔“

نیز اسی مضمون کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”اِنَّ تِلْکَ السَّاعَةِ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلَیْھَا لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلٰئِکَةُ۔“

(مسند احمد ج:۲ ص:۱۷۵)

ترجمہ: ”اس وقت جو تمہاری کیفیت ہوتی ہے اگر تم اس پر ہمیشہ رہو تو فرشتے تم سے مصافحہ کیا کریں۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے:

”لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰی مَا تَکُوْنُوْنَ عِنْدِیْ فِی الْخَلَاءِ لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلٰئِکَةُ بِأَجْنِحَتِھَا۔“ (وقال الھیثمی: رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح غیر زھیر بن محمد الرازی وھو ثقة)

ترجمہ: ”اگر تم تنہائی میں بھی اسی حالت پر رہا کرو جو میرے پاس ہوتی ہے تو فرشتے اپنے پروں کے ساتھ تم سے مصافحہ کیا کریں، (لیکن وقت وقت کی بات ہے کبھی وہ کیفیت ہوتی ہے اور کبھی وہ)۔“

ایک اور روایت میں ہے:

”لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ حَتّٰى تُظِلَّكُمْ بِأَجْنِحَتِهَا عِيَانًا۔“

(رواہ ابو یعلیٰ، مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۳۰۸)

ترجمہ: ”فرشتے تم سے مصافحہ کیا کریں، یہاں تک کہ کھلم کھلا تمہارے سروں پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہوں۔“

اعمال میں اِفراط وتفریط سے اِجتناب کرنا چاہئے

[حدیث:۳۱۴] ”عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ لِكُلِّ شَيْئٍ شِرَّةً وَّلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةً، فَاِنْ صَاحِبُهَا سَدَّدَ وَقَارَبَ فَارْجُوْهُ، وَاِنْ أُشِيْرَ اِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ فَلَا تَعُدُّوْهُ۔“

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث:۲۳۷۷)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: ہر چیز کے لئے ایک تیزی اور جوش ہوتا ہے، اور ہر تیزی اور جوش کے لئے ایک ٹھہراؤ ہوتا ہے، پس اگر صاحبِ عمل راہِ مستقیم پر رہا اور اِعتدال کے قریب رہا تو اس کے بارے میں اچھی اُمید رکھو، اور اگر اس کی طرف اُنگلیوں سے اشارہ کیا جانے لگا تو اس کو کسی شمار میں نہ سمجھو۔“

تشریح: ”شرة“ کے معنی ہیں: تیزی، زیادتی، جوش، مبالغہ۔ اور ”فترة“ کے معنی ہیں: سستی، کمزوری، کمی اور جوش کا ٹھنڈا اور فرو ہوجانا۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی عمل کرتا ہے تو شروع شروع میں بڑے جوش اور نشاط و رغبت سے کرتا ہے، اور عمل میں زیادتی اور مبالغہ و انہماک سے کام لیتا ہے اور بسا اوقات حدِ اعتدال سے تجاوز کرکے اِفراط اور غلوّ کا شکار ہوجاتا ہے، لیکن کچھ مدّت بعد اس جوش میں کمی آنا شروع ہوتی ہے اور عمل میں سستی اور کمزوری ہونے لگتی ہے، اس حالت میں بسا اوقات آدمی تفریط و تقصیر کا مرتکب ہوجاتا ہے، شروع میں نشاط و رغبت اور آخر میں جوش کے فرو ہونے کی کیفیت تو کم و بیش سبھی کو پیش آتی ہے، لیکن ان دونوں حالتوں میں اِفراط وتفریط سے بچ کر آدمی اِعتدال پر قائم رہے تو اس کے بارے میں اچھی اُمید رکھنی چاہئے کہ اِن شاء اللہ یہ فائز المرام ہوگا۔ اس کے برعکس جو شخص جوش کی حالت میں غلوّ کا شکار ہوجائے اور ایک عابد و زاہد اور خدا رسیدہ بزرگ کی حیثیت سے اس کی شہرت ہوجائے ایسا شخص ”نیکی برباد گناہ لازم“ کا مصداق ہے۔

اس حدیثِ پاک میں سالکین و عابدین کے لئے سبق ہے کہ اِفراط وتفریط اور حبِ جاہ اور خودنمائی

سے پرہیز کریں، اس حدیث میں یہ بھی ارشاد ہے کہ ہمیں کسی شخص کے بارے میں اس کے ظاہری حالات کے مطابق اچھی اُمید رکھنے کا حکم ہے، لیکن جزم ویقین کے ساتھ کسی کے بارے میں لب کشائی نہیں کرسکتے کیونکہ انجام کی خبر اور قلوب کی حالت اللہ جل شانہ کے علم میں ہے، واللہ اعلم!

شہرت ایک فتنہ ہے

[حدیث: ۳۱۵] ''وَقَدْ رُوِیَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يُّشَارَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ فِيْ دِيْنٍ أَوْ دُنْيَا إِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ۔''

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۷۸)

ترجمہ: ''اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی کی بُرائی کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کی طرف اُنگلیوں سے اشارے کئے جائیں دِین میں یا دُنیا میں، مگر جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ محفوظ رکھے۔''

تشریح: دُنیا میں شہرت کا ہونا تو ظاہر ہے کہ بیسیوں آفتوں اور فتنوں کا پیش خیمہ ہے، لیکن دِین کے معاملے میں بھی شہرت اچھی چیز نہیں، اوّل تو ایسی شہرت کا حصول ہی عموماً اس وقت ہوتا ہے جب آدمی کوئی نئی بدعت اِختراع کرے، یا عبادت میں اس قدر غلوّ ومبالغہ سے کام لے کہ عام طور سے اس کا چرچا ہوجائے اور یہ دونوں چیزیں آدمی کو راہِ مستقیم سے برگشتہ کرنے والی ہیں۔ علاوہ ازیں حصولِ شہرت کے بعد نمائش وتصنع اور اپنی بزرگی کے احساس سے بچنا ہر ایک کا کام نہیں، البتہ اگر کسی کی شہرت غیر اِختیاری طور پر محض من جانب اللہ ہو اور حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل وعنایت سے اس کو نفس وشیطان کے غوائل سے محفوظ رکھے تو ایسے مخلصین کے حق میں شہرت مضر نہیں، واللہ اعلم!

فائدہ: اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت تعلیقاً (بغیر سند کے) ذکر کی ہے، مشکوٰۃ شریف اور جامع صغیر میں اِمام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی شعب الایمان کے حوالے سے نقل کی گئی ہے، چونکہ اس کی سند کمزور ہے اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ''قَدْ رُوِیَ'' کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔

اِبنِ آدم کی مثال

[حدیث: ۳۱۶] ''عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا مُرَبَّعًا وَّخَطَّ فِيْ وَسَطِ الْخَطِّ خَطًّا وَّخَطَّ خَارِجًا مِّنَ الْخَطِّ خَطًّا وَحَوْلَ الَّذِيْ فِي الْوَسَطِ خُطُوْطًا فَقَالَ: هٰذَا ابْنُ اٰدَمَ وَهٰذَا أَجَلُهٗ مُحِيْطٌ بِهٖ،

وَهٰذَا الَّذِیْ فِی الْوَسَطِ الْاِنْسَانُ، وَهٰذِهِ الْخُطُوْطُ عُرُوْضُهٗ اِنْ نَّجَا مِنْ هٰذَا يَنْهَشُهٗ هٰذَا، وَالْخَطُّ الْخَارِجُ الْاَمَلُ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۷۹)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک مربع خط کھینچا، اور اس کے درمیان میں ایک خط کھینچا اور ایک خط اس کے باہر کھینچا، اور درمیان میں جو خط کھینچا اس کے اِردگرد بہت سے خطوط کھینچے، پھر فرمایا: یہ ابنِ آدم کی مثال ہے، یہ مربع خط جو چاروں طرف سے محیط ہے یہ انسان کی اجل ہے، اور یہ درمیان کا خط انسان ہے، اور یہ جو اس کے اِردگرد خطوط ہیں یہ اس کے عوارض ہیں، آدمی اگر ان میں سے ایک سے بچ نکلے تو دُوسرا اس کو ڈستا ہے، اور یہ خط جو باہر ہے یہ اس کی آرزو اور اُمید ہے۔“

تشریح: آدمی اپنی زندگی میں سینکڑوں آرزوئیں پالتا ہے، اور ان کے حصول کے خیالی منصوبے بناتا ہے، لیکن: ”اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں انسان کی ناکامیوں کو ایک محسوس مثال سے سمجھایا ہے، جس میں دِکھایا گیا ہے کہ انسان اَجل کے احاطے کے اندر محصور ہے اور اس کی اَمل اور آرزو اس احاطے سے باہر ہے، اجل کا یہ احاطہ چونکہ اس کی نظر سے اوجھل ہے اس لئے وہ اپنی آرزو تک پہنچنے کی تگ و دو کرتا ہے، لیکن انسانی عوارض قدم قدم پر اس کے پاؤں کی زنجیر بنتے ہیں، ایک چیز سے بچ نکلے تو دُوسری چیز اُسے ڈس لیتی ہے، ان تمام عوارض کے باوجود وہ حصولِ تمنا کے لئے اپنا سفر جاری رکھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اب اس کی منزلِ مقصود بہت قریب آگئی ہے حالانکہ اس کا مقصود موت کے احاطے سے باہر ہے اور یہ خود اَجل کے احاطے میں محصور ہے، نتیجہ یہ کہ جونہی یہ اپنے مطلوب کے قریب پہنچتا ہے اجل اسے آکر دبوچ لیتی ہے اور یہ بصد حسرت وارمان دُنیا سے رُخصت ہوجاتا ہے:

”وَكَمْ حَسَرَاتٍ فِیْ بُطُوْنِ الْمَقَابِرِ!“

”اور کتنی ہی حسرتیں ہیں جو قبور کی شکم میں ہیں پوشیدہ“

پس یہ انسان کی ناکامیوں کی خوبصورت تمثیل ہے، دانا وہ ہے جو اس دُنیا میں لمبی لمبی آرزوئیں نہ پالے، اور خیالی منصوبوں میں وقت ضائع نہ کرے، بلکہ موت اور موت کے بعد کی زندگی کی تیاری کرے، اس لئے بزرگانِ دِین فرماتے ہیں:

کارِ دُنیا کسے تمام نہ کرد
ہر چہ گیرید مختصر گیرید

انسان کے گرد وپیش بے شمار آفتیں ہیں

[حدیث:۳۱۷] ”قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ: مُثِّلُ ابۡنِ اٰدَمَ وَاِلٰی جَنۡبِہٖ تِسۡعَةٌ وَّتِسۡعُوۡنَ مَنِیَّةً اِنۡ أَخۡطَأَتۡہُ الۡمَنَایَا وَقَعَ فِی الۡھَرَمِ۔“

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث:۲۳۸۰)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی ایسی حالت میں پیدا کیا گیا ہے کہ اس کے پہلو میں ننانوے آفات ہیں، اگر وہ ان آفات سے بچ نکلے تو بڑھاپے میں جا گرتا ہے۔“

تشریح: یعنی آدمی کے گرد وپیش بے شمار آفتیں لگی ہوئی ہیں، جو اکثر وبیشتر اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوتی ہیں، اور اگر کبھی ان سے بچ نکلے تو بڑھاپا اس کے استقبال کے لئے کھڑا ہے، جس کا کوئی علاج نہیں، اور جو موت کا دروازہ ہے۔

[حدیث:۳۱۸] ”عَنِ الطُّفَیۡلِ بۡنِ أُبَیِّ بۡنِ کَعۡبٍ عَنۡ أَبِیۡہِ قَالَ: کَانَ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَھَبَ ثُلُثَا اللَّیۡلِ قَامَ فَقَالَ: یَا أَیُّھَا النَّاسُ! أُذۡکُرُوا اللہَ، أُذۡکُرُوا اللہَ، جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتۡبَعُھَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الۡمَوۡتُ بِمَا فِیۡہِ، جَاءَ الۡمَوۡتُ بِمَا فِیۡہِ۔ قَالَ أُبَیٌّ: فَقُلۡتُ: یَا رَسُوۡلَ اللہِ! اِنِّیۡ أُکۡثِرُ الصَّلٰوةَ عَلَیۡکَ فَکَمۡ أَجۡعَلُ لَکَ مِنۡ صَلٰوتِیۡ؟ قَالَ: مَا شِئۡتَ! قُلۡتُ: الرُّبۡعَ؟ قَالَ: مَا شِئۡتَ! فَاِنۡ زِدۡتَ فَھُوَ خَیۡرٌ بِہٖ، قُلۡتُ: فَالنِّصۡفُ؟ قَالَ: مَا شِئۡتَ! وَاِنۡ زِدۡتَ فَھُوَ خَیۡرٌ، قَالَ: قُلۡتُ: فَالثُّلُثَیۡنِ؟ قَالَ: مَا شِئۡتَ! فَاِنۡ زِدۡتَ فَھُوَ خَیۡرٌ۔ قُلۡتُ: أَجۡعَلُ لَکَ صَلٰوتِیۡ کُلَّھَا! قَالَ: اِذًا تُکۡفٰی ھَمَّکَ وَیُغۡفَرُ ذَنۡبُکَ۔ ھٰذَا حَدِیۡثٌ حَسَنٌ۔“

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث:۲۳۸۱)

ترجمہ: ”حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو اُٹھتے اور فرماتے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، وہ کپکپا دینے والی آ رہی ہے (مراد قیامت کا نفخۂ اُولیٰ ہے) اور اس کے پیچھے آنے والی (مراد نفخۂ ثانیہ ہے) موت مع اپنے تمام اَحوال کے آ رہی ہے، موت مع اپنے تمام

اَحوال کے آرہی ہے۔

حضرت اُبیّ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ پر بکثرت دُرود بھیجتا ہوں، میں اپنے اوراد و وظائف میں سے آپ کے لئے دُرود شریف کا کتنا حصہ رکھوں؟ فرمایا: جتنا تمہارا جی چاہے۔ میں نے عرض کیا: چوتھائی حصہ؟ فرمایا: جتنا تمہارا جی چاہے! اگر زیادہ کرلو تو اور بھی اچھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ: پھر نصف رکھوں؟ فرمایا: جتنا تمہارا جی چاہے! اور اگر زیادہ کرلو تو اور بھی اچھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ: دو تہائی؟ فرمایا: جتنا تمہارا جی چاہے! اور اگر زیادہ کرلو تو اور بھی اچھا ہے۔ میں نے عرض کیا: تو پھر میں وظیفے کا تمام وقت آپ پر دُرود بھیجنے پر صَرف کروں گا! فرمایا: اس صورت میں تمہارے تمام افکار کی کفایت ہوگی اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔‘‘

[حدیث: ۳۱۹] ”عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللہِ حَقَّ الْحَیَاءِ! قُلْنَا: یَا نَبِیَّ اللہ! اِنَّا لَنَسْتَحْیِیْ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ قَالَ: لَیْسَ ذَاکَ، وَلٰکِنَّ الْاِسْتِحْیَاءَ مِنَ اللہِ حَقَّ الْحَیَاءِ أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰی، وَتَحْفَظَ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰی وَتَتَذَکَّرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰی، وَمَنْ أَرَادَ الْاٰخِرَۃَ تَرَکَ زِیْنَۃَ الدُّنْیَا، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ فَقَدِ اسْتَحْیَا یَعْنِیْ مِنَ اللہِ حَقَّ الْحَیَاءِ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۸۲)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے حیا کرو جیسا کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔ ہم نے عرض کیا: یا نبی اللہ! ہم حیا کرتے ہیں والحمدللہ۔ فرمایا: یوں نہیں، بلکہ ’’اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا جیسا کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے‘‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سر کی، اور سر جن چیزوں پر مشتمل ہے (جیسے: کان، آنکھ، ناک، زبان وغیرہ) ان سب کی حفاظت کرو، (اور حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ ان اعضاء کو نامرضیات میں استعمال کرنے سے آدمی شرم کرے) اور پیٹ کی اور پیٹ جن چیزں پر حاوی ہے (جیسے: دِل، معدہ، شرم گاہ اور ہاتھ پاؤں بھی اسی سے متعلق ہیں) ان سب کی حفاظت کرو، اور موت کو اور مر کر گل سڑ جانے کو یاد رکھو، اور جو شخص آخرت کا ارادہ رکھتا ہو وہ دُنیا کی زینت چھوڑ دے، بس جس نے ایسا کیا پس اس نے اللہ تعالیٰ سے حیا کی، جیسا کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔‘‘

عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے

[حدیث: ۳۲۰] ”عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللهِ۔ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔ قَالَ: وَمَعْنٰى قَوْلِ: ”مَنْ دَانَ نَفْسَهُ“ يَقُولُ يُحَاسَبُ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا قَبْلَ أَنْ يُحَاسَبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ وَيُرْوٰى عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا وَتَزَيَّنُوا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ وَإِنَّمَا يَخِفُّ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا۔ وَيُرْوٰى عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ قَالَ: لَا يَكُونُ الْعَبْدُ تَقِيًّا حَتّٰى يُحَاسِبَ نَفْسَهُ كَمَا يُحَاسِبُ شَرِيكَهُ مِنْ أَيْنَ مَطْعَمُهُ وَمَلْبَسُهُ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۸۳)

ترجمہ: ”حضرت شداد بن اَوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سمجھ دار اور عقل مند آدمی وہ ہے جس نے اپنے نفس کو رام کرلیا، اور موت سے بعد کی زندگی کے لئے عمل کیا، اور احمق ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کے پیچھے لگا دیا اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اُمیدیں لگائیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اپنے نفس کو رام کرلیا“ کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن حساب و کتاب سے پہلے دُنیا ہی میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اپنے نفسوں کا محاسبہ کرتے رہو اس سے قبل کہ تم سے حساب لیا جائے۔ اور قیامت کے دن کی بڑی پیشی کے لئے تیار رہو، جو شخص دُنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہو، قیامت کے دن اس پر حساب آسان ہوگا۔

اور حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: بندہ اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک کہ اپنے نفس سے اس طرح محاسبہ نہ کرے جس طرح کہ اپنے شریک کا محاسبہ کرتا ہے کہ اس کی خوراک و پوشاک کہاں سے آئی؟“

تشریح: اس حدیث پاک میں ایسے شخص کو زیرک و دانا فرمایا گیا ہے جو اپنے نفس کی طرف سے غافل نہ ہو، بلکہ اس کو اَحکامِ اِلٰہیہ کی بجاآوری میں لگائے رکھے، برابر اس کا محاسبہ کرتا رہے اور موت کے بعد کی زندگی کی تیاری میں مصروف رہے، کیونکہ آدمی اس مسافر خانہ دُنیا میں ایک غریب الوطن تاجر کی حیثیت

سے آیا ہے، زندگی کے قیمتی اور انمول لمحات اس کی پونجی ہے جس کے ذریعے یہ آخرت کی خریداری کرنا چاہتا ہے، اعمالِ صالحہ آخرت کا زرِمبادلہ ہے، پس جو شخص زندگی کے ایک ایک لمحے کی قدر پہچانے، اپنے نفس کو عقل وشرع کا تابع رکھے، احکامِ خداوندی کی تعمیل میں لگا رہے، اور نفس کو اس کی حماقت ولذّت طلبی سے باز رکھنے کے لئے ہمیشہ اس کا محاسبہ کرتا رہے، بلاشبہ ایسا شخص سمجھدار اور دانا وزیرک کہلانے کا مستحق ہے۔

اس کے برعکس جو شخص زندگی کے قیمتی لمحات کو (جن کا کوئی بدل نہیں) نفس کی خواہش براری میں ضائع کردے، اپنے نفس کو اس کی حماقتوں، لذتوں اور خواہشوں کے پیچھے بے لگام چھوڑ دے اور جب کبھی آخرت کا خیال آئے تو یہ کہہ کر دِل کو جھوٹی تسلی دیدے کہ: ''اللہ تعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں، اس نے جنّت آخر ہمارے لئے ہی بنائی ہے، ہم مرنے کے بعد سیدھے جنّت میں جائیں گے'' وغیرہ وغیرہ، ایسے شخص کی حماقت و بے وقوفی کا کیا ٹھکانا ہے! یہ شخص اپنی بدعقلی سے زندگی کا سارا قیمتی سرمایہ جھوٹی اور فانی لذتوں میں اُڑا کر دُنیا سے خالی ہاتھ جائے گا۔

اس حدیث پاک میں ''مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ'' کی تفسیر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''محاسبہ'' سے فرمائی ہے، اور محاسبہ کی ضرورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے، اور محاسبہ کی حقیقت حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے واضح کی ہے۔ اس کی پوری تفصیل امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم کی ''کتاب المراقبہ والمحاسبہ'' میں ذکر فرمائی ہے، اہلِ علم کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

زیادہ ہنسنے کی ممانعت

[حدیث: ۳۲۱] ''عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ: دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُصَلَّاهُ فَرَاٰی نَاسًا کَأَنَّهُمْ یَکْتَشِرُوْنَ قَالَ: أَمَا إِنَّکُمْ لَوْ أَکْثَرْتُمْ ذِکْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَکُمْ عَمَّا أَرٰی، فَأَکْثِرُوْا مِنْ ذِکْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَإِنَّهٗ لَمْ یَأْتِ عَلَی الْقَبْرِ یَوْمٌ إِلَّا تَکَلَّمَ فِیْهِ فَیَقُوْلُ: أَنَا بَیْتُ الْغُرْبَةِ، أَنَا بَیْتُ الْوَحْدَةِ، وَأَنَا بَیْتُ التُّرَابِ، وَأَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ، فَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ: مَرْحَبًا وَأَهْلًا! أَمَا إِنْ کُنْتَ لَأَحَبَّ مَنْ یَمْشِیْ عَلٰی ظَهْرِیْ إِلَیَّ فَإِذْ وُلِّیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ إِلَیَّ فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ۔ فَیَتَّسِعُ لَهٗ مَدَّ بَصَرِهٖ یُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ إِلَی الْجَنَّةِ۔ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ أَوِ الْکَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ: لَا مَرْحَبًا وَلَا أَهْلًا! أَمَا إِنْ کُنْتَ لَأَبْغَضَ مَنْ یَمْشِیْ عَلٰی ظَهْرِیْ إِلَیَّ فَإِذْ وُلِّیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ إِلَیَّ فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ۔ قَالَ: فَیَلْتَامُ عَلَیْهِ حَتّٰی یَلْتَقِیَ عَلَیْهِ وَتَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهٗ۔

قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِأَصَابِعِہٖ فَأَدْخَلَ بَعْضَھَا فِیْ جَوْفِ بَعْضٍ۔ قَالَ: وَیُقَیَّضُ لَہٗ سَبْعِیْنَ تِنِّیْنًا لَوْ أَنَّ وَاحِدًا مِنْھَا نَفَخَ فِی الْأَرْضِ مَا أَنْبَتَتْ شَیْئًا مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا فَیَنْھَشْنَہٗ وَیَخْدِشْنَہٗ حَتّٰی یُفْضٰی بِہٖ إِلَی الْحِسَابِ۔ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ أَوْ حُفْرَۃٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَا نَعْرِفُہٗ إِلَّا مِنْ ھٰذَا الْوَجْہِ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۸۴)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلّٰی پر تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ہنس رہے ہیں، یہ دیکھ کر فرمایا: سنو! اگر تم لذتوں کو چور چور کرنے والی چیز کو کثرت سے یاد کیا کرتے تو وہ تم کو اس حالت میں مشغول نہ ہونے دیتی جو میں دیکھ رہا ہوں۔ پس لذتوں کو چور چور کرنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، کیونکہ قبر پر جو دِن بھی گزرتا ہے وہ یہ بات ضرور کہتی ہے کہ میں بے وطنی کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، پھر جب مؤمن بندہ اس میں دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس کو خوش آمدید کہنے کے بعد کہتی ہے کہ میری پشت پر جتنے لوگ چلتے تھے، تو ان میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، آج جبکہ تو میرے سپرد کیا گیا ہے اور مجھ تک پہنچا ہے تو تو دیکھ لے گا کہ میں تجھ سے کیسا اچھا برتاؤ کرتی ہوں! چنانچہ وہ اس کے لئے حدِ نظر تک کشادہ ہوجاتی ہے اور اس کے لئے جنّت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

اور جب بدکار (یا فرمایا کہ: کافر) دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے کہ تیرا آنا نامبارک ہے، میری پشت پر جتنے لوگ چلتے تھے تو ان میں مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور مبغوض تھا، آج جبکہ تو میرے حوالے کیا گیا ہے اور میرے پاس پہنچا ہے تو تو دیکھ لے گا کہ میں تجھ سے کیسا بُرا سلوک کرتی ہوں! پس قبر اس پر مل جاتی ہے یہاں تک کہ اس کو اس قدر بھینچ دیتی ہے کہ اِدھر کی ہڈیاں اُدھر نکل جاتی ہیں، (اس کو سمجھانے کے لئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کی اُنگلیاں ایک دُوسری میں ڈالیں۔ اور اس پر ستر زہریلے سانپ مسلط کردیئے جاتے ہیں (یہ سانپ اس قدر زہریلے ہیں کہ) اگر ان میں سے ایک زمین میں پھونک مارے تو رہتی دُنیا تک زمین پر کوئی سبزہ نہ اُگے، پس وہ سانپ اسے ہمیشہ نوچتے اور کاٹتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اسے قیامت کے دن حساب کے

لئے پیش کیا جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر یا تو جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔‘‘

تشریح: اس حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنسنے پر نکیر فرمائی، کیونکہ ہنسنا اکثر و بیشتر غفلت سے ہوتا ہے، اس لئے لذتوں کو توڑنے والی ہولناک چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم فرمایا کہ یہ مرض غفلت کا تریاق ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر اور برزخ کے اَحوال بیان فرمائے ہیں، قبر کا عذاب وثواب برحق ہے اور اس سلسلے کی احادیث معنیً متواتر ہیں، اس لئے قبر کے ثواب وعذاب کا عقیدہ اہلِ حق کے عقائد میں شامل ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کیسی دقیق تربیت فرماتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانے کی کیفیت

[حدیث: ۳۲۲] ”عَنْ عُبَيْدِاللهِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى رَمْلِ حَصِيرٍ فَرَأَيْتُ أَثَرَهُ فِي جَنْبِهِ. وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ، هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.“

(رواه الترمذی فی صفة القيامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حديث: ۲۳۸۵)

ترجمہ: ’’حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (بالا خانے میں) داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی سے بنی ہوئی چارپائی پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں، پس میں نے چٹائی کے نشانات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں دیکھے۔ اور حدیث میں طویل قصہ ہے۔‘‘

تشریح: یہ طویل قصہ ہے، جس کی طرف حضرتِ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا ہے، ایلاء کا مشہور واقعہ ہے جو صحاحِ ستہ میں مذکور ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سے ایک مہینے تک الگ رہنے کی قسم کھالی تھی، لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی (غالباً منافقوں نے بے پَر کی اُڑائی ہوگی) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ ان دِنوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ایک بالا خانے میں تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی تحقیق کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور طلاق کا دریافت کیا، آپ ﷺ نے نفی میں جواب دیا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"فَدَخَلْتُ عَلٰی رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا ھُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰی رِمَالٍ حَصِیْرٍ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ فِرَاشٌ، قَدْ أَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِہٖ، مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَۃٍ مِّنْ اَدَمٍ حَشْوُھَا لِیْفٌ، فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ ثُمَّ قُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ: یَا رَسُوْلَ اللہ! أَطَلَّقْتَ نِسَائَکَ؟ فَرَفَعَ اِلَیَّ بَصَرَہٗ فَقَالَ: لَا! فَقُلْتُ: اللہُ اَکْبَرُ۔"

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۷۸۱)

ترجمہ: "پس میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ کھجور کے تنکوں سے بنی ہوئی چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں، چارپائی پر بچھونا بھی نہیں جس سے آپ ﷺ کے پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں، سرہانے چمڑے کا ایک تکیہ ہے، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے، میں نے سلام کیا اور کھڑے کھڑے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات کو طلاق دے دی ہے؟ آپ ﷺ نے نظرِ مبارک میری طرف اُٹھاتے ہوئے فرمایا: نہیں! میں نے (اس پر خوشی کے مارے) نعرۂ تکبیر بلند کیا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے آنحضرت ﷺ کے دولت خانے کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ایک طرف دباغت کے لئے چند کھالیں لٹکی ہوئی ہیں، ایک کونے میں ایک صاع کے قریب جو رکھے ہیں، اور ایک طرف کھالوں کی دباغت کا کچھ سامان (قرظ) پڑا ہے، یہ اس گھر کی کل کائنات تھی، یہ دیکھ کر مجھ پر بے اختیار رِقت طاری ہوگئی، آنحضرت ﷺ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ: آپ اللہ کے رسول اور اس کے برگزیدہ ہیں، آپ کا یہ حال ہے کہ پہلوئے مبارک پر چٹائی کے نشانات ہیں، اور آپ کے خزانے کی کل کائنات یہ ہے جو میں دیکھ رہا ہوں، اِدھر قیصر و کسریٰ خدا کے دُشمن ہونے کے باوجود عیش و راحت میں ہیں، دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کو رِزق کی وسعت و فراخی عطا فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ تکیہ لگائے اِستراحت فرما رہے تھے، میرا یہ معروضہ سن کر اُٹھ بیٹھے اور خشم ناک لہجے میں فرمایا:

"أَوَ فِیْ ھٰذَا أَنْتَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ اِنَّ أُولٰئِکَ قَوْمٌ عُجِّلُوْا طَیِّبَاتِھِمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا، أَمَا تَرْضٰی أَنْ تَکُوْنَ لَھُمُ الدُّنْیَا وَلَنَا الْاٰخِرَۃَ؟ فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللہ! اِسْتَغْفِرْ لِیْ۔"

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۷۳۰، ۷۸۲)

ترجمہ: ”خطاب کے بیٹے! کیا تم بھی اسی خیال میں گرفتار ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ان کی اچھی چیزیں دُنیا ہی میں دے دی گئی ہیں، کیا تم اس پر راضی نہیں کہ ان کو دُنیا مل جائے اور ہمیں آخرت ملے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لئے اِستغفار فرمایئے!“

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ زُہد (دُنیا سے بے رغبتی) میں آنحضرت ﷺ کا مقام کس قدر بلند تھا اور آپ ﷺ کی نظر میں دُنیا کی حقیقت کیا تھی؟

[حدیث:۳۲۳] ”أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ وَهُوَ حَلِيفُ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ فَقَدِمَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَسَمِعَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ فَوَافَوْا صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ فَتَعَرَّضُوا لَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَآهُمْ ثُمَّ قَالَ: أَظُنُّكُمْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدِمَ بِشَيْءٍ. قَالُوْا: أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: فَأَبْشِرُوْا وَأَمِّلُوْا مَا يَسُرُّكُمْ فَوَاللهِ! مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ. هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.“

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث:۲۳۸۶)

ترجمہ: ”حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ نے جو بنو عامر بن لوی کے حلیف تھے، اور جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، ان کو بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو (بحرین سے جزیہ وصول کرنے کے لئے) بھیجا، (اہلِ بحرین نے آنحضرت ﷺ سے جزیہ پر صلح کرلی تھی) چنانچہ وہ بحرین سے کچھ مال لے کر آئے، انصار نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی آمد کا سنا تو فجر کی نماز میں آنحضرت ﷺ سے آکر ملے، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ حضرات آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ ان کو دیکھ کر مسکرائے، پھر فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم نے یہ سن لیا ہوگا کہ ابوعبیدہ کچھ مال لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا:

جی ہاں! یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: پس تم خوشخبری قبول کرو اور ایسی چیز کی اُمید رکھو جو تمہیں خوش کردے، اللہ کی قسم! مجھے تمہارے حق میں فقر کا اندیشہ نہیں بلکہ مجھے جس اَمر کا اندیشہ ہے وہ یہ ہے کہ تم پر بھی دُنیا پھیلائی جائے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر پھیلائی گئی، پس تم بھی اس میں رغبت کرنے لگو جیسا کہ پہلوں نے اس پر رغبت کی، پھر وہ تم کو بھی ہلاک کردے جیسا کہ ان کو ہلاک کرچکی ہے۔“

آنحضرت ﷺ کی صحبت کا اثر

[حدیث: ۳۲۴] ”حَدَّثَنَا سُوَيْدٌ نَا عَبْدُاللهِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَابْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِيْ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِيْ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِيْ، ثُمَّ قَالَ: يَا حَكِيمُ! إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ، كَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى۔ فَقَالَ حَكِيمٌ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا۔ فَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ يَدْعُوْ حَكِيمًا إِلَى الْعَطَاءِ فَيَأْبٰى أَنْ يَّقْبَلَهُ، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ فَأَبٰى أَنْ يَّقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّيْ أُشْهِدُكُمْ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ عَلٰى حَكِيمٍ أَنِّيْ أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ فَيَأْبٰى أَنْ يَّأْخُذَهُ۔ فَلَمْ يَرْزَأْ حَكِيمٌ أَحَدًا مِّنَ النَّاسِ شَيْئًا بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تُوُفِّيَ۔ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۸۸)

ترجمہ: ”حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے ایک بار آنحضرت ﷺ سے سوال کیا، آپ ﷺ نے مجھ کو عطا کردیا، دوبارہ پھر بھی سوال کیا، آپ ﷺ نے پھر عطا کیا، سہ بار پھر بھی سوال کیا، آپ ﷺ نے پھر عطا کردیا، پھر ارشاد فرمایا: حکیم! یہ مال بڑا سرسبز اور میٹھا (نظر آتا) ہے، پس جس شخص نے اس کو سخاوتِ نفس کے ساتھ لیا، اس کے لئے اس میں برکت عطا کی جاتی ہے، اور جس شخص نے اس کو نفس کی حرص کے ساتھ لیا، اس کے لئے اس میں برکت نہیں ہوتی، اور اس کا حال اس شخص جیسا ہوجاتا ہے جو کھاتا جائے مگر اس کا پیٹ نہ بھرے، اور اُوپر کا ہاتھ (یعنی دینے والا) نیچے کے

ہاتھ (یعنی لینے والے) سے بہتر ہے۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (بس آپ سے جو مانگ لیا سو مانگ لیا) اور قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں آپ کے بعد کسی سے کچھ نہیں لوں گا یہاں تک کہ دُنیا سے رُخصت ہوجاؤں۔ (اس کے بعد ان کا یہ حال تھا کہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو اپنا وظیفہ وصول کرنے کے لئے بلاتے تو وہ معذرت کردیتے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو وظیفہ وصول کرنے کے لئے بلایا تو انہوں نے قبول کرنے سے معذرت کردی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت! میں تم لوگوں کو حکیم بن حزام پر گواہ بناتا ہوں کہ میں ان کو ان کا حق دینا چاہتا ہوں لیکن وہ اس کے لینے سے انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے کبھی کوئی چیز نہیں لی، یہاں تک کہ ان کا وصال ہوگیا، رضی اللہ عنہ۔"

تشریح: اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت اور تاثیرِ تربیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے ایک موقع پر ایک جملہ ارشاد فرمایا، وہ اس کے دِل میں ایسا پیوست ہوا کہ ساری عمر کے لئے اس کا حال بن گیا۔ حق تعالیٰ شانہٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات کی تاثیر کا ایک شمہ اس ناکارہ کو اور اس کے باتوفیق قارئین کو بھی نصیب فرماویں۔

اس حدیث سے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی منقبت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات پر کس طرح مرمٹ گئے تھے، اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو وعدہ کیا اس کو کیسے نبھا کر دِکھایا؟

یہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ حضرت اُمّ المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے، اَشرافِ قریش میں ان کا شمار ہوتا تھا، فتحِ مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ۵۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ان کی وفات ہوئی، ایک سو بیس برس کی عمر پائی، ساٹھ سال اسلام میں اور ساٹھ سال جاہلیت میں۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کے مال و دولت کو موسمِ بہار کے سبزے سے تشبیہ دی ہے کہ وہ سبزہ جانوروں کو بہت بھاتا ہے، اس لئے بسا اوقات اس کے زیادہ چرنے سے مویشی نفخ اور سوءِ ہضم کا شکار ہوکر مر بھی جاتے ہیں۔ اسی طرح مال و دولت کی رغبت طبعی ہے، اور اِنسان کی حرص زیادہ سے زیادہ مال سمیٹنے کی طرف راغب ہے، جس کا نتیجہ یہاں بھی دولت کی بدہضمی کی وجہ سے ایمانی و رُوحانی اور اَخلاقی موت

ہوتا ہے کہ آدمی بسا اوقات حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتا، مال و دولت کے حقوق ادا نہیں کرتا اور نشۂ دولت میں مست ہوکر حقوق اللہ وحقوق العباد سب کو بھول جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِیمان واِحسان کا مرتبہ

[حدیث: ۳۲۵] ”عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ: ابْتُلِینَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالضَّرَّاءِ فَصَبَرْنَا ثُمَّ ابْتُلِینَا بَعْدَهُ بِالسَّرَّاءِ فَلَمْ نَصْبِرْ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۸۹)

ترجمہ: ”حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تکلیف اور تنگی سے آزمائے گئے تو ہم نے صبر کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد راحت وکشائش کے ساتھ آزمائے گئے تو ہم نے صبر نہیں کیا۔“

تشریح: یعنی آزمائش کی ایک صورت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آئی کہ ہم تکالیف اور تنگیوں سے آزمائے گئے، اس کو تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باسعادت کی برکت سے برداشت کرگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تکالیف اور تنگ دستیوں کا دور ختم ہوا اور راحت وآسائش اور رزق کی فراوانی وکشائش کا دور آیا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی، مگر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زُہد وقناعت کا معیار قائم نہ رکھ سکے، بلکہ مال ودولت کی فراوانی کی وجہ سے ہمارے کھانے پینے، رہنے سہنے اور لباس وپوشاک کا معیار دورِ نبوی کی بہ نسبت اُونچا ہوگیا۔

اس حدیث سے حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان واحسان کے مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سابقینِ اوّلین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، متعدّد احادیث میں ان کے فضائل ومناقب وارِد ہوئے ہیں، اور انہیں اللہ تعالیٰ نے جو مال ودولت عطا فرمائی، اس کو خیر کے کاموں میں کثرت سے صَرف فرماتے تھے، ان تمام اُمور کے باوجود انہیں مال ودولت کی بہتات پر فخر نہیں، بلکہ اس پر افسوس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زُہد وتقشّف اور تنگی وتنگ دستی کا جو حال تھا کاش وہی رہتا۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی یہ صحیح ایمانی ذوق نصیب فرمائے۔

فکرِ آخرت سکونِ دل کا سبب ہے

[حدیث: ۳۲۶] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ کَانَتِ الْاٰخِرَةُ هَمَّهٗ جَعَلَ اللهُ غِنَاهُ فِیْ قَلْبِهٖ وَجَمَعَ لَهٗ شَمْلَهٗ وَأَتَتْهُ الدُّنْیَا وَهِیَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ کَانَتِ الدُّنْیَا هَمَّهٗ جَعَلَ اللهُ فَقْرَهٗ بَیْنَ عَیْنَیْهِ وَفَرَّقَ عَلَیْهِ

شَمْلَهٗ وَلَمْ يَأْتِهٖ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَ لَهٗ۔“

(رواه الترمذی فی صفة القیامة، باب ماجاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۹۰)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے آخرت کو اپنا فکر بنالیا، اللہ تعالیٰ اس کے دِل کو غنا سے بھر دیتے ہیں، اس کا شیرازہ مجتمع کر دیتے ہیں اور دُنیا اس کے پاس ذلیل ہوکر آتی ہے، اور جس شخص نے دُنیا کو اپنا فکر بنالیا، اللہ تعالیٰ اس کا فقر اس کی آنکھوں کے درمیان رکھ دیتے ہیں، اور اس کا شیرازہ بکھیر دیتے ہیں، اور دُنیا بھی اس کے پاس بس اتنی ہی آتی ہے جتنی اس کے مقدّر میں ہو۔“

تشریح: یہ حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے کمزور ہے، مگر اس کا مضمون قرآنِ کریم، احادیثِ صحیحہ اور مشاہدے و تجربے سے بھی ثابت ہے۔ جو شخص آخرت ہی کو اپنی سوچ اور فکر کا محور بنالیتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اپنی رحمت وعنایت سے اس کو دُنیا سے اِستغناء کی دولت عطا فرماتے ہیں، اسے اپنی ناداری وتنگ دستی کا شکوہ نہیں ہوتا، اور نہ دُنیا کے کوڑے کرکٹ کی طرف وہ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کی کفایت فرماتے ہیں، اور وہ دِل کی پراگندگی و پریشانی سے مامون ہوجاتا ہے، اور دُنیا ناک رگڑتی ہوئی اس کے پاس آتی ہے۔ مختصر یہ کہ جس شخص پر فکرِ آخرت سوار ہو، دُنیا کی وقعت اس کے دِل سے نکل جاتی ہے۔

اس کے برعکس جو شخص فکرِ آخرت کے بجائے فکرِ دُنیا کو اپنے اُوپر مسلط کرلیتا ہے، اسے کبھی سیری و سیر چشمی نصیب نہیں ہوتی، بلکہ اس کی حرص و ہوس کے دوزخ سے ہمیشہ ”هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ؟“ کی صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں، اور یہ غریب، نفس کی خواہشوں اور فرمائشوں کو پورا کرنے کے لئے دیوانہ وار بھاگ دوڑ کرتا ہے، کوئی خواہش پوری ہوگئی تو بیس اور خواہشوں کو جنم دے گی جن کا پورا کرنا اس کے حیطۂ اختیار سے باہر ہوگا، اور یہ ان کے غم میں گھلتا اور اپنی حرص کی آگ میں جلتا رہے گا، کبھی اس کو اطمینان کا سانس نصیب نہیں ہوگا، اور ملے گا وہی جو مقدّر ہوگا، خواہ کتنی ہی تگ ودو کرلے، مقدّر سے زیادہ ایک دانہ بھی اس کو میسر نہیں آسکتا۔

[حدیث: ۳۲۷] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: يَا ابْنَ اٰدَمَ! تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِيْ أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى وَّأَسُدَّ فَقْرَكَ، وَإِلَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَيْكَ شُغْلًا وَّلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ۔“

(رواه الترمذی فی صفة القیامة، باب ماجاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۹۱)

ترجمہ: ’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حق تعالیٰ شانہ‘ فرماتے ہیں: اے آدم کے بیٹے! میری عبادت کے لئے فارغ ہوجا، میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دُوں گا اور تیرے فقر کو روک دُوں گا، اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرے ہاتھوں کو مشغولیت سے بھر دُوں گا اور تیرے فقر کو نہیں روکوں گا۔‘‘

تشریح: اس حدیث کا مضمون بھی گزشتہ حدیث کے مضمون کے قریب ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندے کو رزق تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتا ہے، مگر اس کے لینے کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ان کے اَحکام کی بجا آوری کے لئے فارغ ہوجائے (اس میں رزق کمانے کے اَحکام بھی آگئے) اور رزق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کردے، وہ جس قدر عطا فرمائیں، جس شکل میں عطا فرمائیں اس پر راضی رہے۔ حق تعالیٰ شانہ‘ کو یہی طریقہ پسند ہے اور اس حدیث میں اسی کی ترغیب دی گئی ہے۔ دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت و اَحکام کی بجا آوری کی پروا کئے بغیر اسباب کے ذریعے رزق تلاش کرنے میں منہمک رہے، یہ طریقہ نہایت مذموم ہے، اس سے انسان کا فقر دُور نہیں ہوتا بلکہ اس میں اضافہ ہوتا ہے۔

کاشانۂ نبوّت کی معیشت کا نقشہ

[حدیث:۳۲۸] ’’عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ لَنَا قِرَامُ سِتْرٍ فِيهِ تَمَاثِيلُ عَلٰى بَابِىْ، فَرَاٰهُ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اَنْزِعِيْهِ! فَإِنَّهُ يُذَكِّرُنِى الدُّنْيَا۔ قَالَتْ: وَكَانَ لَنَا سَمَلُ قَطِيفَةٍ عَلَيْهَا حَرِيرٌ كُنَّا نَلْبَسُهَا۔‘‘

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث:۲۳۹۲)

ترجمہ: ’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ہمارے یہاں ایک پردے کا کپڑا تھا جس پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے، وہ میرے گھر کے دروازے پر آویزاں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ: اس کو اُتار دیں کیونکہ یہ مجھے دُنیا کی یاد دِلاتا ہے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ہمارے پاس ایک پُرانی کملی تھی جس پر ریشم کا کام کیا ہوا تھا، ہم اسے پہنا کرتے تھے۔‘‘

تشریح: دروازے پر منقش پردے لٹکانا محض زینت و تجمل ہے۔

[حدیث:۳۲۹] ’’عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَتْ وِسَادَةُ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي يَضْطَجِعُ عَلَيْهَا مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۳۹۳)

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔"

[حدیث:۳۳۰] "عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهُمْ ذَبَحُوا شَاةً، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا بَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ: مَا بَقِيَ مِنْهَا إِلَّا كَتِفُهَا، قَالَ: بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۳۹۴)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک بکری ذبح ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اسے تقسیم کرنے کا حکم فرما کر باہر تشریف لے گئے، جب واپس گھر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے دریافت فرمایا: اس میں سے کتنا گوشت بچ رہا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: اس میں سے ایک دستی کے سوا کچھ نہیں بچا۔ ارشاد فرمایا کہ: ایک دستی کے سوا ساری بچ رہی۔"

تشریح: یعنی جتنا گوشت تقسیم ہوگیا وہ تو سارے کا سارا ذخیرۂ آخرت بن گیا، اور جو تقسیم ہونے سے بچ گیا وہ ذخیرۂ آخرت بننے سے رہ گیا۔

[حدیث:۳۳۱] "عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنْ كُنَّا آلُ مُحَمَّدٍ نَمْكُثُ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ نَارًا، إِنْ هُوَ إِلَّا الْمَاءُ وَالتَّمْرُ۔ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۳۹۵)

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے ایک ایک مہینے تک چولہے میں آگ روشن نہیں کرتے تھے، صرف پانی اور کھجوروں پر گزر بسر ہوتی تھی۔"

[حدیث:۳۳۲] "عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَنَا شَطْرٌ مِنْ شَعِيرٍ فَأَكَلْنَا مِنْهُ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ قُلْتُ لِلْجَارِيَةِ: كِيلِيهِ! فَكَالَتْهُ فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ فَنِيَ قَالَتْ: فَلَوْ كُنَّا تَرَكْنَاهُ لَأَكَلْنَا مِنْهُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۳۹۶)

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو ہمارے پاس تھوڑے سے جو تھے، کچھ مدّت تک، جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھی، ہم ان میں

سے کھاتے رہے، پھر میں نے خادمہ سے کہا کہ: ان کو ناپ کر دیکھو! اس نے ناپ لئے، تو تھوڑے دنوں کے بعد وہ ختم ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: اگر ہم ان کو اسی طرح رہنے دیتے تو جتنی مدّت تک ہم نے ان میں سے کھایا اس سے زیادہ مدّت تک کھاتے۔“

تشریح: اس حدیث میں تین مضمون ہیں:

اوّل:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کا زُہد، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت گھر کا اثاثہ معمولی مقدار کے جو کے سوا کچھ نہیں تھا۔

دوم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں برکت کا ہونا کہ معمولی مقدار کے جو ایک عرصے تک کھائے جاتے رہے، اس قسم کی برکت کے واقعات حدیث کی کتابوں میں کثرت سے آئے ہیں۔

سوم:... جو کو ناپ لینے کے بعد برکت کا اُٹھ جانا، اس قسم کے واقعات بھی احادیث میں کافی ہیں۔ رہا یہ کہ ناپ لینے سے برکت کیوں اُٹھ جاتی ہے؟ اس کی حقیقی وجہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، البتہ ایک ظاہری سبب یہ نظر آتا ہے کہ جب تک پیمائش نہیں کی گئی تھی تب تک تمام اعتماد اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی پر تھا، اور وہ اپنے خزانۂ غیب سے کھلاتا تھا، لیکن جب ان کو ناپ لیا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ پر اس درجے کا اعتماد نہ رہا، بلکہ خود جو کی طرف التفات ہو گیا، اور وہ برکت جو محض اعتماد علی اللہ کی وجہ سے ہو رہی تھی، جاتی رہی۔

[حدیث:۳۳۳] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُوْذِيْتُ فِي اللهِ وَلَمْ يُؤْذَ أَحَدٌ وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَيْنِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَمَا لِيْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُوْ كَبِدٍ إِلَّا شَيْئٌ يُوَارِيْهِ إِبْطُ بِلَالٍ“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۳۹۷)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مجھے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ڈرایا گیا جب کسی شخص کو ڈرایا نہیں جاتا تھا، اور مجھے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایذائیں دی گئیں جب کسی شخص کو ایذا نہیں دی جاتی تھی، اور مجھ پر تیس دن رات ایسی گزری ہیں جن میں میرے اور بلال کے لئے کھانے کی کوئی ایسی چیز میسر نہ تھی جس کو کوئی جگر والا (جاندار) کھا سکے سوائے اس معمولی چیز کے جو بلال کی بغل کے نیچے چھپ جائے۔“

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی زندگی میں بہت سے آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

پر اور آپ ﷺ کے رفقاء پر مظالم اور سختیوں کے پہاڑ توڑے گئے، اسی دور کا یہ واقعہ ہے جو اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زُہد کا بیان

[حدیث: ۳۳۴] ”عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِيِّ قَالَ: ثَنِيْ مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ يَقُولُ: خَرَجْتُ فِي يَوْمٍ شَاتٍ مِنْ بَيْتِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَخَذْتُ إِهَابًا مَعْطُونًا فَجَوَّبْتُ وَسَطَهُ فَأَدْخَلْتُهُ عُنُقِيْ وَشَدَدْتُ وَسَطِيْ فَحَزَمْتُهُ بِخُوصِ النَّخْلِ، وَإِنِّيْ لَشَدِيدُ الْجُوعِ، وَلَوْ كَانَ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامٌ لَطَعِمْتُ مِنْهُ فَخَرَجْتُ أَلْتَمِسُ شَيْئًا فَمَرَرْتُ بِيَهُودِيٍّ فِيْ مَالٍ لَهُ وَهُوَ يَسْقِيْ بِبَكَرَةٍ لَهُ فَاطَّلَعْتُ عَلَيْهِ مِنْ ثُلْمَةٍ فِي الْحَائِطِ فَقَالَ: مَا لَكَ يَا أَعْرَابِيُّ؟ هَلْ لَكَ فِيْ دَلْوٍ بِتَمْرَةٍ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ! فَافْتَحِ الْبَابَ حَتّٰى أَدْخُلَ، فَفَتَحَ فَدَخَلْتُ فَأَعْطَانِيْ دَلْوَهُ فَكُلَّمَا نَزَعْتُ دَلْوًا أَعْطَانِيْ تَمْرَةً حَتّٰى إِذَا امْتَلَأَتْ كَفِّيْ أَرْسَلْتُ دَلْوَهُ وَقُلْتُ: حَسْبِيْ فَأَكَلْتُهَا ثُمَّ جَرَعْتُ مِنَ الْمَاءِ فَشَرِبْتُ ثُمَّ جِئْتُ الْمَسْجِدَ فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۹۸)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ: میں شدید سردی کے دن میں رسول اللہ ﷺ کے گھر سے نکلا، (سردی سے بچنے کے لئے) میں نے ایک صاف کی ہوئی کھال لے کر اسے درمیان سے چیر لیا اور شگاف میں اپنا سر داخل کر لیا اور کمر کو کھجور کی رسّی سے باندھ لیا، مجھے شدید بھوک لگ رہی تھی، اور اگر رسول اللہ ﷺ کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز ہوتی تو میں اس میں سے کھا لیتا، چنانچہ میں کھانے کی چیز کی تلاش میں باہر نکلا اور ایک یہودی کے باغ کے پاس سے گزرا، یہودی اپنی چرخی سے پانی کھینچ کر باغ سیراب کر رہا تھا، میں نے دیوار کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا تو یہودی نے کہا: اے دیہاتی! کیا بات ہے؟ کیا فی ڈول ایک کھجور پر پانی کھینچنے کے لئے تیار ہو؟ میں نے کہا: ہاں تیار ہوں! جب میں ایک ڈول نکال لیتا تو وہ مجھے ایک کھجور دے دیتا، اس طرح جب میری مٹھی بھر گئی تو میں نے ڈول چھوڑ دیا، میں نے کہا: مجھے بس

اتنا کافی ہے۔ میں نے وہ کھجوریں کھائیں اُوپر سے پانی پی لیا۔ (اس کے بعد) میں مسجد میں آیا تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔''

[حدیث: ۳۳۵] ''عَنْ عَبَّاسٍ الْجُرَيْرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ النَّهْدِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُمْ أَصَابَهُمْ جُوعٌ فَأَعْطَاهُمْ رَسُولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَمْرَةً تَمْرَةً''

(رواه الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۹۹)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھوک پہنچی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک ایک کھجور عطا فرمائی۔''

[حدیث: ۳۳۶] ''عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ ثَلَاثُ مِائَةٍ نَحْمِلُ زَادَنَا عَلَى رِقَابِنَا فَفَنِيَ زَادُنَا حَتَّى كَانَتْ تَكُونُ لِلرَّجُلِ مِنَّا كُلَّ يَوْمٍ تَمْرَةٌ، فَقِيلَ لَهُ: يَا أَبَا عَبْدِاللهِ! وَأَيْنَ كَانَتْ تَقَعُ التَّمْرَةُ مِنَ الرَّجُلِ؟ قَالَ: لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِينَ فَقَدْنَاهَا فَأَتَيْنَا الْبَحْرَ فَإِذَا نَحْنُ بِحُوتٍ قَدْ قَذَفَهُ الْبَحْرُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ يَوْمًا مَا أَحْبَبْنَا''

(رواه الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۰۰)

ترجمہ: ''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک مہم پر بھیجا، ہم تین سو آدمی تھے، ہم اپنا توشہ اپنی گردنوں پر اُٹھائے ہوئے تھے (یعنی اتنا کم تھا کہ سواری پر لادنے کی ضرورت نہ تھی) پس ہمارا توشہ ختم ہوگیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ فی کس ایک کھجور یومیہ ملنے لگی۔ کسی نے کہا کہ: حضرت! وہ ایک کھجور کیا کرتی ہوگی؟ فرمایا: جب وہ بھی ختم ہوگئی تب ہمیں اس کی اہمیت محسوس ہوئی۔ پھر ہم سمندر پر گئے تو دیکھا کہ ایک بڑی مچھلی سمندر نے باہر پھینک رکھی ہے، پس ہم اٹھارہ دن تک اس میں سے پیٹ بھر کر اپنی چاہت کے مطابق کھاتے رہے۔''

[حدیث: ۳۳۷] ''عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ ثَنِي مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ يَقُولُ: إِنَّا لَجُلُوسٌ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ مَا عَلَيْهِ إِلَّا بُرْدَةٌ لَهُ مَرْقُوعَةٌ بِفَرْوٍ، فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَى لِلَّذِي كَانَ فِيهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِي هُوَ فِيهِ الْيَوْمَ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ بِكُمْ إِذَا غَدَا أَحَدُكُمْ فِي حُلَّةٍ وَّرَاحَ

فِی حُلَّةٍ وَّوُضِعَتْ بَیْنَ یَدَیْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ أُخْرٰی وَسَتَرْتُمْ بُیُوتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ۔ قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللهِ! نَحْنُ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مِنَّا الْیَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَی الْمُؤْنَةَ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَأَنْتُمُ الْیَوْمَ خَیْرٌ مِنْكُمْ یَوْمَئِذٍ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ، وَیَزِیْدُ بْنُ زِیَادٍ هٰذَا هُوَ مَدِیْنِیٌّ۔"

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۰۱)

ترجمہ: ''حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے، ان کے بدن پر صرف ایک چادر تھی جس پر چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو اس ناز و نعمت کو یاد کر کے جو پہلے انہیں حاصل تھی، اور آج کی حالت دیکھ کر آنحضرت ﷺ پر رقّت طاری ہوگئی، پھر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جبکہ تم میں سے ایک صبح کو ایک حلے میں نکلے گا اور شام کو دُوسرے میں اور اس کے آگے ایک رکابی رکھی جائے گی اور ایک اُٹھائی جائے گی، اور تم اپنے گھروں پر ایسے پردے لٹکاؤ گے جیسے کعبہ پر پردے لٹکائے جاتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس دن تو ہماری حالت آج کی نسبت بہت اچھی ہوگی، ہمیں کام کاج کی حاجت نہ ہوگی، اور ہم عبادت کے لئے فارغ ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں! بلکہ آج تم اس دن کی بہ نسبت اچھے ہو۔''

[حدیث:۳۳۸] "عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: كَانَ أَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْیَافُ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا یَأْوُوْنَ عَلٰی أَهْلٍ وَلَا مَالٍ وَاللهِ الَّذِیْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ! إِنْ كُنْتُ لَأَعْتَمِدُ بِكَبِدِیْ عَلَی الْأَرْضِ مِنَ الْجُوْعِ وَأَشُدُّ الْحَجَرَ عَلٰی بَطْنِیْ مِنَ الْجُوْعِ وَلَقَدْ قَعَدْتُ یَوْمًا عَلٰی طَرِیْقِهِمُ الَّذِیْ یَخْرُجُوْنَ فِیْهِ، فَمَرَّ بِیْ أَبُوْ بَكْرٍ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ اٰیَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللهِ مَا سَأَلْتُهٗ إِلَّا لِیَسْتَتْبِعَنِیْ فَمَرَّ وَلَمْ یَفْعَلْ، ثُمَّ مَرَّ بِیْ عُمَرُ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ اٰیَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللهِ مَا سَأَلْتُهٗ إِلَّا لِیَسْتَتْبِعَنِیْ فَمَرَّ وَلَمْ یَفْعَلْ، ثُمَّ مَرَّ أَبُو الْقَاسِمِ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَسَّمَ حِیْنَ رَاٰنِیْ وَقَالَ: أَبَا هُرَیْرَةَ! قُلْتُ: لَبَّیْكَ یَا رسول اللهِ! قَالَ: اِلْحَقْ! وَمَضٰی فَاتَّبَعْتُهٗ وَدَخَلَ مَنْزِلَهٗ فَاسْتَأْذَنْتُ فَأَذِنَ لِیْ فَوَجَدَ قَدَحًا مِّنَ اللَّبَنِ قَالَ: مِنْ أَیْنَ هٰذَا اللَّبَنُ لَكُمْ؟ قِیْلَ: أَهْدَاهُ لَنَا فُلَانٌ، فَقَالَ رسول اللهِ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: أَبَا هُرَیْرَةَ! قُلْتُ: لَبَّیْكَ! فَقَالَ: اِلْحَقْ إِلٰی أَهْلِ

الصُّفَّةِ فادْعُهُمْ۔ وهُمْ أضيافُ أهْلِ الْإسْلَامِ لا يَأْوُوْنَ على أهْلٍ ولا مَالٍ إذا أَتَتْهُ الصَّدقَةُ بَعَثَ بِهَا إلَيْهِمْ ولَمْ يَتناوَلْ منها شيئًا، وإذا أتَتْهُ هَدِيَّةٌ أرْسَلَ إلَيْهِمْ فأصابَ منها وأشْرَكَهُمْ فِيها، فَسَائَنِيْ ذٰلِكَ وقُلْتُ: ما هٰذا القَدَحُ بَيْنَ أهْلِ الصُّفَّةِ وأنا رَسولُهُ إلَيْهِمْ فَسَيَأْمُرُنِيْ أَنْ أُدِيرَهُ عَلَيْهِمْ فَمَا عَسىٰ أنْ يُصِيبَنِيْ مِنْهُ وقَدْ كُنْتُ أرْجُوْ أنْ أُصِيبَ مِنْهُ مَا يُغْنِيْنِيْ ولَمْ يَكُ بُدٌّ مِنْ طَاعَةِ اللهِ وطَاعَةِ رَسُولِهِ، فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَأَخَذُوْا مَجَالِسَهُمْ، قَالَ: أبَا هُرَيْرَةَ! خُذِ الْقَدَحَ وأَعْطِهِمْ! فَأَخَذْتُ الْقَدَحَ فَجَعَلْتُ أُنَاوِلُهُ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتّٰى يَرْوٰى ثُمَّ يَرُدُّهُ فَأُنَاوِلُهُ الْآخَرَ حَتّٰى انْتَهَيْتُ بِهِ إلٰى رسولِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وقَدْ رَوِيَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، فَأَخَذَ رسولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَدَحَ فَوَضَعَهُ عَلٰى يَدَيْهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَتَبَسَّمَ وقَالَ: أبَا هُرَيْرَةَ اِشْرَبْ! فَشَرِبْتُ ثُمَّ قَالَ: اِشْرَبْ! فَلَمْ أَزَلْ أَشْرَبُ وَيَقُولُ: "اِشْرَبْ!" ثُمَّ قُلْتُ: وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا، فَأَخَذَ الْقَدَحَ فَحَمِدَاللهَ وَسَمّٰى وَشَرِبَ۔"

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ماجاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۰۲)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اصحابِ صفہ، اہلِ اسلام کے مہمان تھے، نہ ان کا کوئی ٹھکانا تھا، نہ گھر بار، نہ مال، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! میں بھوک کے مارے زمین پر اپنا جگر چپکایا کرتا تھا، اور بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا۔ ایک دن میں لوگوں کے راستے میں جو عام لوگوں کی گزرگاہ تھی، جا بیٹھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے تو میں نے ان سے کتابُ اللہ کی آیت کے بارے میں پوچھا، میرا مقصود صرف یہ تھا کہ وہ میرے حالات دیکھ کر مجھے ساتھ لے جائیں گے، لیکن وہ آیت بتا کر چلے گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے، میں نے ان سے بھی کتابُ اللہ کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا، مقصود صرف یہ تھا کہ وہ مجھے ساتھ لے جائیں، لیکن انہوں نے بھی ایسا نہیں کیا، بلکہ آیت بتا کر چلے گئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: جی یا رسول اللہ! فرمایا: میرے ساتھ آؤ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل پڑے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہولیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے، اجازت ملنے پر میں بھی اندر چلا گیا، گھر

میں دُودھ کا ایک پیالہ رکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: یہ دُودھ کہاں سے آیا؟ عرض کیا گیا: فلاں صاحب نے ہدیہ بھیجا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوہریرہ! میں نے کہا: جی! فرمایا: اہلِ صفہ کو بلا لاوٴ! اہلِ صفہ، اہلِ اسلام کے مہمان تھے، ان کا گھر بار نہیں تھا، کہیں سے صدقہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس بھیج دیتے اور خود تناول نہ فرماتے، اور اگر ہدیہ آتا تو اس میں سے خود بھی تناول فرماتے اور اہلِ صفہ کو بھی اس میں شریک کرتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ صفہ کو بلانے کا فرمایا تو مجھے طبعاً رنج ہوا، میں نے کہا کہ یہ چھوٹا سا پیالہ اہلِ صفہ کو کیا پورا آئے گا؟ اور میں چونکہ قاصد ہوں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ ہی کو حکم فرمائیں گے کہ ان کو پیش کروں، اس صورت میں کیا توقع ہے کہ اس میں سے مجھے بھی کچھ مل سکے گا، جبکہ مجھے اُمید تھی کہ مجھے اس میں سے اتنا حصہ مل جائے گا جو مجھے کافی ہو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر چارہ نہیں تھا، چنانچہ میں اصحابِ صفہ کو بلا لایا، جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو مجھے ارشاد فرمایا کہ: ابوہریرہ! یہ پیالہ لو اور ان کو دو۔ میں پیالہ لے کر ایک ایک کو دینے لگا، ایک پیٹ بھر کر پی لیتا اور پیالہ واپس کردیتا تو دُوسرے کو پکڑاتا، یہاں تک کہ سب نے شکم سیر ہوکر پی لیا اور میں نے پیالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ لے کر دستِ مبارک پر رکھا اور میری طرف سر اُٹھاکر مسکرائے اور فرمایا: ابوہریرہ! اب تم پیوٴ! میں نے پیا، فرمایا: اور پیوٴ! میں نے اور پیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے کہ پیوٴ پیوٴ، اور میں پیتا رہا، یہاں تک کہ میں نے عرض کیا کہ: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! اب تو اس کے گزرنے کی جگہ بھی باقی نہیں رہی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ لیا، اللہ تعالیٰ کی حمد کی، بسم اللہ پڑھی اور نوش فرمالیا۔“

دُنیا کے پیٹ بھرے آخرت میں بھوکے ہوں گے

[حدیث: ۳۳۹] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: تَجَشَّأَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِیِّ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: کُفَّ عَنَّا جُشَائَکَ! فَإِنَّ أَکْثَرَهُمْ شِبَعًا فِی الدُّنْیَا أَطْوَلُهُمْ جُوْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۰۳)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ڈکار لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میاں! ڈکارنے سے باز رہو، کیونکہ جو لوگ دُنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے ہیں، قیامت کے دن ان کی بھوک کا زمانہ سب سے زیادہ طویل ہوگا۔‘‘

تشریح: ڈکار عموماً پُرخوری کی وجہ سے آتے ہیں، اس لئے ڈکار لینے کی ممانعت کا مطلب یہ تھا کہ اتنا نہ کھایا کرو کہ ڈکار آئیں۔ یہ صاحب جن کو یہ واقعہ پیش آیا حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ تھے، جو نوعمر تھے، کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے وقت یہ بالغ نہیں ہوئے تھے۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فہمائش کے بعد انہوں نے عمر بھر کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیٹ بھر کر کھانے کا معمول نہیں تھا، جس سے ڈکاریں آیا کریں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دُنیا میں پیٹ بھر کر کھانا قیامت کے دن کی بھوک کا سبب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس اُمّت میں سب سے پہلی ’’بدعت‘‘ جو جاری ہوئی وہ پیٹ بھر کر کھانے کی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام لباس

[حدیث: ۳۴۰] ’’عَنْ أَبِیْ بُرْدَةَ بْـنِ أَبِیْ مُوسٰی عَنْ أَبِیْهِ قَالَ: یَا بُنَیَّ! لَوْ رَأَیْتَنَا وَنَحْنُ مَعَ النَبِیِّ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَصَابَتْنَا السَّمَاءُ لَحَسِبْتَ أَنَّ رِیْحَنَا رِیْحُ الضَّأْنِ۔‘‘

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۰۴)

ترجمہ: ’’حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بیٹا! کبھی تم ہماری اس حالت کو دیکھتے جبکہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اور ہمیں بارش پہنچتی تھی تو تم گمان کرتے کہ ہم سے بھیڑوں کی بو آرہی ہے۔‘‘

تشریح: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا لباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عموماً صوف کا ہوتا تھا، کبھی بارش ہوتی یا پسینے سے کپڑے بھیگ جاتے تو کپڑوں سے بھیڑوں کی سی بو آنے لگتی۔ اُوپر کی حدیث پاک سے کھانے کے معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زُہد معلوم ہوا تھا، اور اس حدیث سے لباس میں ان کا زُہد معلوم ہوا، جس سے واضح ہوا کہ ان حضرات کو دُنیا کی عیش و عشرت سے سروکار نہ تھا، اور نہ ان کو اچھا کھانے اور اچھا پہننے کا اہتمام تھا۔

رضائے الٰہی کی خاطر اچھا لباس ترک کرنے کی فضیلت

[حدیث: ۳۴۱] ”عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رسول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لله وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ دَعَاهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ أَيِّ حُلَلِ الْإِيْمَانِ شَاءَ يَلْبَسُهَا۔“

(رواه الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۰۵)

ترجمہ: ”حضرت معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے قدرت کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع اختیار کرتے ہوئے عمدہ لباس ترک کر دیا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ساری خلقت کے رُوبرو اس کو بلاکر اِختیار دیں گے کہ ایمان کے حلوں میں سے جس حلے کو چاہے پہن لے۔“

تشریح: لباس آدمی کی زینت ہے، اس لئے طبعی طور پر آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ اچھے سے اچھا لباس پہنے، شریعتِ مطہرہ نے بھی اس کے اس طبعی جذبے کی خاطر فی الجملہ رعایت کی ہے، اور حدود کے اندر رہتے ہوئے اس کو خوش لباسی کی اجازت بلکہ بعض حالات میں ترغیب دی ہے، لیکن خوش لباسی کے مقابلے، مسابقت اور اس میں دوڑ لگانے کی حوصلہ شکنی کی ہے، اس لئے کہ یہ دوڑ اپنے اندر بہت قباحتیں رکھتی ہے، اس سے نمود و نمائش کے جذبات بھڑکتے ہیں، بڑھیا لباس پہننے والے کے دِل میں کبر و غرور اور فخر و مباہات کا پیدا ہونا اَغلب ہے، پھر جب ہر شخص دُوسروں سے بڑھیا لباس پہننے کی کوشش کرے گا تو جو لوگ مالی اِستطاعت نہیں رکھتے یا کم رکھتے ہیں وہ اپنی اِستطاعت سے بڑھ کر خرچ کریں گے، اس سے اِسراف و تبذیر اور فضول خرچی کا دروازہ کھلے گا، پھر حد سے بڑھے ہوئے اِخراجات کو پورا کرنے کے لئے نہ صرف دُنیوی دَھندوں کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کرنی پڑے گی، بلکہ آمدنی کے جائز و ناجائز ذرائع اِختیار کئے جائیں گے، اور جس قدر دُنیوی مشاغل میں انہماک بڑھے گا، اسی قدر آخرت کی توجہ گھٹے گی اور آخرت کے کاموں کی فرصت جاتی رہے گی، اور جب تمام تر محنت و کوشش، آخرت فراموشی اور حلال و حرام کی حدبندیوں کو اُٹھا دینے کے باوجود بھی ”معیارِ زندگی“ اتنا اُونچا نہیں ہوسکے گا جتنا وہ دیکھنے کا خواہش مند ہے تو دِل میں ان لوگوں کے خلاف، جو ضرورت سے زیادہ وسائلِ رزق پر قابض ہیں، غم و غصّے کے جذبات شدّت کے ساتھ پیدا ہوں گے اور اِحتجاج کی راہیں ڈھونڈیں گے، جس سے پورا معاشرہ شر و فساد کی لپیٹ میں آجائے گا، اور ہر شخص ذہنی اِنتشار، افراتفری اور انارکی میں مبتلا ہوجائے گا۔ یہ سارا فساد خوش لباسی کی لنگوٹی سے پیدا ہوا، اس لئے حکیمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایسا ایمانی ورُوحانی نسخہ تجویز فرمایا جس سے خوش لباسی کی دوڑ کا جذبہ ہی سرد پڑ جائے، وہ نسخہ یہ ہے کہ جو شخص ہمت وقدرت کے باوجود محض اَز راہِ تواضع اچھا لباس ترک کردے، اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق کے سامنے بلاکر اِختیار دیں گے کہ ایمانی حلوں میں سے جونسا اچھے سے اچھا حلہ اس کے دِل کو لگتا ہے وہ پہن لے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سن کر ایک تو اہلِ ایمان کے دِل میں خوش لباسی کے بجائے ترکِ لباس کی دوڑ پیدا ہوگی، دُوسرے دُنیا میں اِنہماک کے بجائے آخرت کی طرف توجہ بڑھے گی، اور وہ تمام قباحتیں جن کی طرف اُوپر اشارہ کیا گیا ہے، اسلامی معاشرے سے اَز خود ختم ہوجائیں گی، سبحان اللہ! کیسی حکیمانہ تعلیم ہے، اور اس ایک فقرے میں کتنا بڑا علم سمو دیا ہے۔

اس حدیثِ پاک میں دو نکتے مزید توجہ طلب ہیں:

اوّل یہ کہ اس حدیث میں ایسے شخص کی فضیلت بیان فرمائی ہے جو قدرت واِستطاعت کے باوجود محض تواضع اور رضائے اِلٰہی کی خاطر اچھا لباس ترک کردے۔ اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اچھا لباس نہ پہننے والوں کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ شخص جو قدرت واِستطاعت ہی نہیں رکھتا، اس لئے اچھا لباس پہن ہی نہیں سکتا، ورنہ قدرت واِستطاعت ہوتی تو یہ بھی عمدہ سے عمدہ سوٹ پہنتا، یہ شخص لائقِ مدح نہیں، کیونکہ اس کے بدن پر گو اَچھا لباس نہیں، مگر اس کے دِل میں اچھے لباس کی رغبت وخواہش ومحبت گھسی ہوئی ہے، یہ جب لوگوں کو اچھا لباس پہنے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کے دِل سے ایک ہوک سی اُٹھتی ہے کہ: ”ہائے! میرے پاس اچھا لباس نہ ہوا“۔

البتہ جو شخص اپنی ناداری پر صابر وشاکر ہو، اور راضی برضا ہو، اور وہ مال داروں کو دیکھ کر للچائے نہیں، اس کا فقر وفاقہ لائقِ صد ستائش ہے، اور ایسے لوگوں کے بڑے فضائل حدیث میں آئے ہیں، حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا یہی حال تھا۔

دُوسرا وہ شخص جو قدرت واِستطاعت کے باوجود اچھا لباس نہیں پہنتا، مگر اس کا منشا تواضع نہیں، نہ اس کا مقصد رضائے اِلٰہی کا حصول ہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس کو زاہد وعابد سمجھیں، ایسا شخص مکار ورِیاکار ہے، یہ بیچارا دُنیا میں بھی محروم ہے اور آخرت میں بھی۔

تیسرا شخص وہ ہے جس کا اس حدیثِ پاک میں ذکر ہے، جس کے ترکِ لباس کا منشا نہ تو ناداری ہے اور نہ رِیاکاری، بلکہ دُنیا سے بے رغبتی، یہاں کی زیب وزینت کی بے وقعتی اور حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے تواضع اور اِنکساری کے سبب وہ اچھے لباس سے احتراز کرتا ہے، ایسے شخص کی فضیلت اس حدیث میں بیان فرمائی گئی ہے۔

دُوسرا نکتہ یہ ہے کہ جو لوگ اچھا لباس پہنتے ہیں، اکثر وبیشتر ان کا مقصد لوگوں کی نظر میں معزّز بننا

ہوتا ہے، جو شخص محض رضائے اِلٰہی کے لئے اچھا لباس ترک کردے اس کو ساری مخلوق کے رُوبرو بہترین حلہ پہنایا جائے گا، جس سے اس کی عزّت ووجاہت سب لوگوں کے سامنے کھل جائے گی، گویا جو مقصد کہ لوگ دُنیا میں اچھے لباس کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو وہ نعمت ترکِ لباس پر عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ یہ نعمت اس ناکارہ کو بھی نصیب فرمائے۔

ضرورت سے زیادہ عمارت بنانا

[حدیث: ۳۴۲] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلنَّفَقَةُ كُلُّهَا فِيْ سَبِيْلِ اللہ إِلَّا الْبِنَاءَ فَلَا خَيْرَ فِيهِ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۰۶)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام اِخراجات اللہ تعالیٰ کے راستے میں شمار ہوتے ہیں، سوائے تعمیر کے کہ اس میں کوئی خیر نہیں۔“

تشریح: یعنی ایک مسلمان اپنے اہل وعیال یا اپنی ذات پر جو جائز اور ضروری اِخراجات کرتا ہے، وہ خرچ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شمار کیا جاتا ہے، اور آدمی اس پر اَجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے، سوائے تعمیر کے کہ اس کے خرچ میں کوئی اجر نہیں۔

[حدیث: ۳۴۳] ”عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ قَالَ: أَتَيْنَا خَبَّابًا نَعُودُهٗ وَقَدِ اكْتَوٰى سَبْعَ كَيَّاتٍ فَقَالَ: لَقَدْ تَطَاوَلَ مَرَضِيْ وَلَوْ لَا أَنِّيْ سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تَمَنَّوُا الْمَوْتَ! لَتَمَنَّيْتُهٗ، وَقَالَ: يُؤْجَرُ الرَّجُلُ فِيْ نَفَقَتِهٖ إِلَّا التُّرَابَ أَوْ قَالَ: فِي التُّرَابِ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۰۸)

ترجمہ: ”حارثہ بن مضرب تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عیادت کو گئے، انہوں نے علاج کے لئے سات داغ لگوائے ہوئے تھے، پس فرمایا کہ: میری بیماری لمبی ہوگئی، اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ موت کی آرزو نہ کیا کرو، تو میں موت کی آرزو کرتا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر خرچ پر آدمی کو اَجر ملتا ہے سوائے مٹی کے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک مضمون تو وہی ہے جو اُوپر کی حدیث میں آچکا ہے، یعنی بغیر ضرورت

کے تعمیری اِخراجات کا پسندیدہ نہ ہونا، اور دُوسرا مضمون موت کی تمنّا سے ممانعت کا ہے، یہ مضمون بھی بہت سی احادیث میں آیا ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنّا نہ کرے، کیونکہ اگر وہ نیکوکار ہے تو شاید وہ اپنی بھلائی میں مزید اضافہ کرسکے، اور اگر وہ بدکار ہے تو ہوسکتا ہے کہ توبہ کرلے۔'' ایک اور حدیث میں ہے کہ: ''تم میں سے کوئی شخص نہ تو موت کی تمنّا کرے اور نہ اس کی دُعا کرے، کیونکہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کی اُمید ختم ہوجاتی ہے، اور مؤمن کے لئے عمر کی مہلت خیر میں اضافے ہی کا سبب ہے۔'' ایک اور حدیث میں ہے کہ: تم میں سے کوئی شخص تکلیف سے گھبراکر موت کی تمنّا نہ کرے، اگر اس کو یہ کرنا ہی ہو تو یہ دُعا کرے:

''اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیٰوۃُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِّیْ۔''

ترجمہ: ''اے اللہ! جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہو مجھے زندہ رکھئے اور جب وفات میرے لئے بہتر ہو تو مجھے قبض کرلیجئے۔''

ایک اور حدیث میں ہے کہ: ''موت کی تمنّا نہ کیا کرو، کیونکہ جان کنی کا ہول بڑا سخت ہے، اور آدمی کی نیک بختی کی بات یہ ہے کہ بندے کی عمر لمبی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو توبہ و اِنابت کی توفیق عطا فرمادیں۔'' (یہ تمام احادیث مشکوٰۃ شریف میں ہیں)۔

آدمی اپنی کمزوری کی وجہ سے تکلیف سے گھبراجاتا ہے اور تکلیف کی شدّت سے نجات پانے کے لئے موت کی تمنّا اور دُعا کرنے لگتا ہے، حالانکہ موت کے وقت جان کنی کی تکلیف ایسی ہولناک ہے کہ اس کے مقابلے میں زندگی کی تکالیف بہت معمولی ہیں، تو ہلکی تکلیف سے گھبراکر بڑی تکلیف کی تمنّا کرنا تقاضائے دانش مندی کے خلاف ہے:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے!
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟

علاوہ ازیں زندگی کے لمحات، حق تعالیٰ شانہٗ کا احسانِ عظیم اور نعمتِ کبریٰ ہیں، یہ وہ مال و دولت ہے کہ کسی قیمت پر بھی دستیاب نہیں ہوسکتی۔ زندگی کی تکالیف اور پریشانیوں سے گھبراکر موت کی تمنّا کرنا گویا اس نعمت کی بے قدری ہے، اس لئے مصائب و تکالیف سے نجات پانے کے لئے موت کی تمنّا تو بہرحال مذموم ہے، لیکن اگر کسی دِینی فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے بچنے کی خاطر موت کی تمنّا کو بعض اکابر نے جائز رکھا ہے، شیخ مُلّا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

''وقد أفتى النووي أنه لا يكره تمني الموت لخوف فتنة دينيّة، بل قال انه مندوب، ونقل عن الشافعي وعمر بن عبدالعزيز وغيرهما۔''

ترجمہ: ''اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا ہے کہ دِینی فتنے کے اندیشے کی وجہ سے موت کی تمنّا مکروہ نہیں، بلکہ انہوں نے فرمایا کہ یہ مستحب ہے، اور اس کو اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر سے نقل کیا ہے۔''

اسی طرح شہادت فی سبیل اللہ کی تمنّا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک شہر مدینہ طیبہ میں مرنے کی تمنّا بھی ممنوع نہیں، بلکہ مندوب ہے، نیز محبّتِ اِلٰہی کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ سے ملنے کا اشتیاق بھی ممانعت کے تحت داخل نہیں، رَزَقَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی بِمَنِّہٖ وَلُطْفِہٖ!

فائدہ:... ترمذی شریف میں تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ اسی قدر نقل کیا گیا ہے، لیکن مشکوٰۃ شریف میں مسندِ احمد کے حوالے سے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا کہ میں ایک درہم کا بھی مالک نہیں تھا اور اَب میرے گھر کے ایک کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں۔ پھر آپ نے اپنا کفن منگوایا، وہ لایا گیا تو اسے دیکھ کر رو پڑے اور فرمایا: لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے تو کفن بھی نہ مل سکا، سوائے ایک دھاری دار چادر کے جو اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر پر کرتے تو پاؤں ننگے ہوجاتے، اور پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا، بالآخر چادر سر کی طرف کردی گئی اور پاؤں پر اذخر (گھاس) ڈال دی گئی۔'' (مشکوٰۃ ص:۱۴۰)

اس حدیث سے حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتوحات کی کثرت کی وجہ سے ان کو مالی کشائش حاصل ہوگئی تھی، لیکن وہ اپنے فقر و فاقہ کی اس حالت کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی، یاد کرکے روتے تھے، اسی کو پسند فرماتے تھے، اور مال کی فراوانی ان کے نزدیک پسندیدہ حالت نہیں تھی، افسوس ہے کہ اُمّت میں یہ ذوقِ صحیح ناپید ہوگیا ہے، فإلی اللہ المشتکیٰ!

[حدیث:۳۴۴] ''عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كُلُّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلَيْكَ! قُلْتُ: أَرَأَيْتَ مَا لَا بُدَّ مِنْهُ؟ قَالَ: لَا أَجْرَ وَلَا وِزْرَ!''

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۴۰۹)

ترجمہ: ''ابوحمزہ، حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: ہر تعمیر تجھ پر وبال ہے۔ میں نے عرض کیا: اگر اس کے بغیر چارہ نہ ہو تو کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: نہ اجر، نہ بوجھ!''

تشریح: یعنی جو تعمیر ایسی ناگزیر ہو کہ اس کے بغیر چارہ نہیں، اس کے بارے میں بھی بس یہی کہا

جاسکتا ہے کہ اس میں جو خرچ کیا گیا وہ قیامت کے دن وبال اور بوجھ نہ ہوگا، اور جو عمارت ضرورت سے زائد محض فخر و مباہات کے لئے بنائی جائے وہ تو سراسر وبال ہی وبال ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں! آج کل ہم لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں، وہ اکثر و بیشتر اسی زُمرے میں آتی ہیں۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایثار و مروّت کا نقشہ

[حدیث:۳۴۵] ”عن حُصَینٍ قَالَ: جَاءَ سَائِلٌ فَسَأَلَ ابنَ عَبّاسٍ فَقَالَ ابنُ عَبّاسٍ لِلسَّائِلِ: أَتَشهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: أَتَشهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رسول اللّٰہ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: وَتَصُومُ رَمَضَانَ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: سَأَلْتَ وَلِلسَّائِلِ حَقٌّ إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْنَا أَنْ نَصِلَكَ۔ فَأَعْطَاهُ ثَوْبًا ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مِنْ مُّسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا إِلَّا كَانَ فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ مَا دَامَ مِنْهُ عَلَيْهِ خِرْقَةٌ۔“

(رواه الترمذی فی صفة القيامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حديث:۲۴۱۱)

ترجمہ: ”حصین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک سائل نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، آپ نے سائل سے دریافت فرمایا کہ: تم ”لا اِلٰہ اِلّا اللہ“ کی شہادت دیتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! فرمایا: تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دیتے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: اور تم رمضان کے روزے بھی رکھتے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: تو نے سوال کیا ہے اور سائل کا حق ہوتا ہے، بے شک ہمارے ذمے یہ حق ہے کہ ہم تمہاری خدمت کریں۔ چنانچہ اس کو ایک کپڑا مرحمت فرمایا، پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: جو مسلمان کسی مسلمان کو کپڑا پہنائے، جب تک اس کے بدن پر اس کا ایک ٹکڑا بھی رہے گا، یہ شخص اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں رہے گا۔“

[حدیث:۳۴۶] ”عَنْ عَبدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَعْنِی الْمَدِينَةَ انْجَفَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ وَقِيْلَ: قَدِمَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، فَجِئْتُ فِی النَّاسِ لِأَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَلَمَّا اسْتَبَنْتُ وَجْهَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ وَكَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ تَكَلَّمَ بِهِ أَنْ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوْا وَالنَّاسُ نِيَامٌ،

تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۴۱۲)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے، اور یہ چرچا ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔ چنانچہ میں بھی لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظر دیکھنے کے لئے حاضر ہوا، جب میری نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر پڑی تو میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا، اور سب سے پہلی بات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ: لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھو، جنّت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے۔“

[حدیث:۳۴۷] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ أَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا رَأَيْنَا قَوْمًا أَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَّلَا أَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِّنْ قَلِيْلٍ مِّنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ، لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَأَشْرَكُوْنَا فِي الْمَهْنَإِ حَتّٰى لَقَدْ خِفْنَا أَنْ يَذْهَبُوْا بِالْأَجْرِ كُلِّهٖ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا! مَا دَعَوْتُمُ اللهَ لَهُمْ وَأَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۴۱۳)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو (کچھ عرصے بعد) حضراتِ مہاجرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! جس قوم (یعنی حضراتِ انصار) کے درمیان آکر ہم آباد ہوئے، اس سے بڑھ کر زیادہ مال کو (راہِ خدا میں) خرچ کرنے والی اور قلیل مال میں ناداروں کی غم خواری کرنے والی ہم نے کوئی قوم نہیں دیکھی، ان حضرات نے محنت و مشقت کی ہماری طرف سے کفایت کر رکھی ہے، اور پیداوار میں ہمیں شریک کر رکھا ہے، یہاں تک کہ ہمیں اندیشہ ہوگیا ہے کہ سارے کا سارا اَجر وثواب ہی نہ لے جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! جب تک کہ تم ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے رہو اور ان (کے اس ایثار و قربانی) کی تعریف کرتے رہو (تب تک تم بھی اَجر و ثواب سے محروم نہیں ہوگے)۔“

تشریح: یہ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایثار و مروّت اور باہمی ہمدردی و غم

خواری کا ایک نمونہ ہے، حضراتِ مہاجرین جب اپنا سب کچھ چھوڑ کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضراتِ انصار نے، جو مدینہ طیبہ کے قدیم باشندے تھے، ان کی پذیرائی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، خود بھوکے رہے، لیکن مہاجرین کی بھوک پیاس کو گوارا نہیں کیا، آنحضرت ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم کردی تھی، حضراتِ انصار نے پیشکش کردی کہ ہماری آدھی زمینیں مہاجرین کو تقسیم کردی جائیں، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: نہیں! زمینیں تم اپنے پاس ہی رکھو، پیداوار میں مہاجرین کا حصہ لگالیا کرو۔ چنانچہ ان حضرات نے اس تجویز کو بخوشی منظور کرلیا، کام کاج اور محنت و مشقت یہ حضرات خود کرتے، اور جب پیداوار آتی تو اس میں مہاجرین کو برابر کا شریک کرلیتے، اس سے حضراتِ مہاجرین کو اندیشہ ہوا کہ اس ایثار و قربانی کی وجہ سے یہ حضرات کہیں سارا اَجر و ثواب نہ لے جائیں اور ہم ثواب سے محروم ہی نہ ہوجائیں، آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب تک تم ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے رہوگے، اور ان کے لئے تمہارے دِل میں تشکر و اِمتنان کے جذبات رہیں گے تو اَجر و ثواب سے محروم نہیں ہوگے۔

یہ ہے کہ باہمی اعتماد و محبّت اور ایثار و قربانی کا وہ نقشہ جو اسلام، مسلمانوں کے معاشرے میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

فضیلتِ صبر

[حدیث:۳۴۹] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلطَّاعِمُ الشَّاکِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ۔“

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث:۲۴۱۴)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھا کر شکر کرنے والا بمنزلہ روزہ رکھ کر صبر کرنے والے کے ہے۔“

تشریح: شکر اور صبر، ایمان کے دو بازو ہیں، جو معاملہ نفس کو ناگوار ہو، محض رضائے اِلٰہی کے لئے اس کو برداشت کرنا اور جزع فزع کا اظہار نہ کرنا ”صبر“ کہلاتا ہے، (اور روزہ اپنی مرغوبات کو محض رضائے اِلٰہی کے لئے ترک کرنے کا نام ہے، اس لئے روزہ صبر کی اعلیٰ ترین قسم ہے)، اور جو حالت طبیعت کے موافق ہو اس کو من جانب اللہ سمجھنا، اس پر خوش ہونا، اس کو اپنی لیاقت سے زیادہ سمجھنا، اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا، اس نعمت کو گناہ میں استعمال نہ کرنا، بلکہ رضائے اِلٰہی کے حصول میں استعمال کرنا ”شکر“ کہلاتا ہے، پس صبر اور شکر میں یہ فرق ہے کہ صبر میں تکلیف اور مصیبت کو معرفتِ جلالِ اِلٰہی کے لئے مرآة بنایا جاتا ہے، اور اس میں آدمی میں شکستگی اور عبدیت پیدا ہوتی ہے، اور شکر میں اِنعاماتِ اِلٰہیہ کو معرفتِ جمالِ اِلٰہی کے لئے

آئینہ بنایا جاتا ہے، جس سے حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ اُنس و محبّت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور بندے کو دِل میں حق تعالیٰ شانہٗ کے اَحکامات کی تعمیل اور ان پر مر مٹنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے حدیثِ پاک میں فرمایا گیا ہے کہ کھا کر شکر کرنے والا بمنزلہ روزہ رکھ کر صبر کرنے والے کے ہے۔

وہ کون ہے جس پر دوزخ حرام ہے؟

[حدیث: ۳۵۰] ”عَنْ عَبْدِاللہِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُخْبِرُکُمْ بِمَنْ یَحْرُمُ عَلَی النَّارِ وَتَحْرُمُ عَلَیْہِ النَّارُ؟ عَلٰی کُلِّ قَرِیبٍ ھَیِّنٍ سَھْلٍ! ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۱۵)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ کون شخص ہے جو آگ پر حرام ہے اور آگ اس پر حرام ہے؟ آگ حرام ہے ہر اس شخص پر جو قریب، نرم خو اور آسان ہو۔“

تشریح: اس حدیث میں آدمی کی نرم خوئی اور نرم مزاجی کی تعریف کی گئی ہے، جو حق تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ ہے، چنانچہ بعض لوگوں کے مزاج میں نرمی اور آسانی ہوتی ہے، ایسے لوگ فطرۃً دُوسروں سے نرمی و آسانی کا معاملہ کرتے ہیں، اس لحاظ سے لوگ ان کے قریب ہوتے ہیں اور وہ لوگوں کے دِلوں کے قریب ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض لوگوں کے مزاج میں تندی و دُرشتی پائی جاتی ہے، وہ دُوسروں سے سخت گیری کا معاملہ کرتے ہیں، اس وجہ سے لوگ ان کے قریب نہیں بھٹکتے، اور وہ لوگوں کے دِلوں سے دُور ہوتے ہیں۔ آدمی کی پہلی حالت محمود، اور دُوسری مذموم، یہ اوصاف اگرچہ خلقی ہیں، مگر ان کا استعمال اِختیاری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی معاملات

[حدیث: ۳۵۱] ”عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ: قُلْتُ: یَا عَائِشَۃَ! أَیُّ شَیْءٍ کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصْنَعُ إِذَا دَخَلَ بَیْتَہٗ؟ قَالَتْ: کَانَ یَکُونَ فِی مَھْنَۃِ أَھْلِہٖ، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاۃُ قَامَ فَصَلّٰی۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۳۷۷)

ترجمہ: ”حضرت اَسوَد بن یزید رحمۃ اللہ علیہ (جو بہت بڑے مرتبے کے تابعی ہیں) فرماتے ہیں کہ: میں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تھے تو کیا کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ: گھر

کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے، لیکن جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔''

تشریح: یہ آنحضرت ﷺ کا کمالِ اخلاق اور کمالِ تواضع تھی کہ دولت خانے میں تشریف رکھتے ہوئے گھر کے معمولی کاموں سے بھی عار نہیں فرماتے تھے، بلکہ ایک عام آدمی کی طرح گھر کی ضروری خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ شمائل ترمذی (ص:۲۴) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ان خدمات کی تفصیل اس طرح آئی ہے:

''قَالَتْ: كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ، يَفْلِيْ ثَوْبَهٗ، وَيَحْلِبُ شَاتَهٗ، وَيَخْدِمُ نَفْسَهٗ۔''

ترجمہ: ''انہوں نے فرمایا کہ: آپ ﷺ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے، اپنے کپڑے کی جوئیں دیکھ لیتے تھے (کہ کسی دُوسرے کے کپڑے سے نہ چڑھ گئی ہوں) اور بکری کا دُودھ دوہ لیتے تھے، اور اپنے ذاتی کام خود کر لیتے تھے۔''

مسندِ احمد اور ابنِ حبان کی روایت میں ہے کہ:

''يَخِيْطُ ثَوْبَهٗ، وَيَخْصِفُ نَعْلَهٗ۔''

ترجمہ: ''اپنا کپڑا سی لیتے تھے اور اپنا جوتا گانٹھ لیتے تھے۔''

اور ابنِ حبان کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ:

''وَيَرْقَعُ دَلْوَهٗ۔''

ترجمہ: ''اور اپنے ڈول کی مرمت کر لیتے تھے۔''

آنحضرت ﷺ کے کریمانہ اخلاق

[حدیث:۳۵۲] ''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَقْبَلَهُ الرَّجُلُ فَصَافَحَهٗ لَا يَنْزِعُ يَدَهٗ مِنْ يَدِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ يَنْزِعُ، وَلَا يَصْرِفُ وَجْهَهٗ عَنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ هُوَ يَصْرِفُهٗ، وَلَمْ يُرَ مُقَدِّمًا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَيْ جَلِيْسٍ لَهٗ۔ قَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔''

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۴۱۶)

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے سامنے آ کر آپ ﷺ سے مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے تھے، یہاں تک کہ وہ شخص خود ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیتا۔ اور آپ ﷺ

اس کے چہرے سے اپنا چہرہ نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنا چہرہ پھیر لیتا، اور کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ نے اپنے گھٹنے کسی ہم نشین کے آگے کئے ہوں۔ (ٹانگیں پھیلائے بیٹھے ہوئے ہوں)۔"

غرور و تکبّر اور خود بینی کا انجام

[حدیث: ۳۵۳] "عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فِی حُلَّۃٍ لَہٗ یَخْتَالُ فِیھَا، فَأَمَرَ اللّٰہُ الْأَرْضَ فَأَخَذَتْہُ فَھُوَ یَتَجَلْجَلُ -أَوْ قَالَ: یَتَلَجْلَجُ فِیھَا- إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۱۷)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم سے پہلی اُمتوں کا ایک شخص اپنے حلے میں اِتراتا ہوا نکلا، پس اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا اور زمین نے اسے پکڑ لیا، چنانچہ وہ زمین میں قیامت تک دھنستا رہے گا۔"

تشریح: "حلہ" کہتے ہیں ان دو نئی چادروں کو جو پہلی بار پہنی جائیں۔ لباس پہن کر اِترانا متکبرین کا شیوہ ہے، اور تکبر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، اس لئے اس شخص کو اس کی خود پسندی، غرور اور تکبر کی وجہ سے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ بندۂ مؤمن کو حق تعالیٰ کوئی نعمت (مثلاً: اچھا لباس) عطا فرمائیں تو اس کی نظر عطا کرنے والے مالک پر ہوتی ہے، خود اپنی ذات پر نہیں۔ اس لئے اس میں اس نعمت کی وجہ سے عجز و انکساری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور وہ اس بے اِستحقاق اِحسان و اِنعام پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے، اس لئے وہ حق تعالیٰ کے مزید لطف و اِنعام کا مورد بنتا ہے۔ اور کافر و فاسق کی نظر اپنی ذات پر ہوتی ہے، اس لئے اچھا لباس پہن کر اس میں کبر و نخوت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ حق تعالیٰ شانہٗ کے قہر و غضب کا مورِد بنتا ہے، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ!

متکبروں کا انجام

[حدیث: ۳۵۴] "عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ أَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: یُحْشَرُ الْمُتَکَبِّرُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِیْ صُوَرِ الرِّجَالِ، یَغْشَاھُمُ الذُّلُّ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ یُسَاقُوْنَ إِلٰی سِجْنٍ فِی جَھَنَّمَ یُسَمّٰی بُوْلُسَ تَعْلُوْھُمْ نَارُ الْأَنْیَارِ یُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَۃِ أَھْلِ النَّارِ طِیْنَۃَ الْخَبَالِ۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۱۸)

ترجمہ: ''عمرو بن شعیب (بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص) اپنے والد (شعیب) سے، اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے) روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: متکبر لوگ قیامت کے دن چیونٹیوں کی مثل آدمیوں کی صورتوں میں اُٹھائے جائیں گے، ان کو ہر جگہ سے ذِلّت ڈھانک رہی ہوگی، ان کو جہنّم کے ایک قید خانے کی طرف، جس کا نام ''بولس'' ہوگا، ہانک کر لے جایا جائے گا، ان پر ایسی آگ چھائی ہوگی جو ''نارالانیار'' کہلاتی ہے، انہیں پینے کو دوزخیوں کے زخموں کا دھون اور کچ لہو ملے گا۔''

تشریح: اس حدیث میں متکبرین کی سزا کا ذکر ہے کہ وہ قیامت کے دن چیونٹیوں جیسی ننھی منی جسامت میں اُٹھائے جائیں گے، مگر شکل انسانوں کی ہوگی، یہ ان کے تکبّر کی سزا ہوگی کہ انہوں نے اپنے ذہن میں اپنے آپ کو جتنا بڑا سمجھا تھا، اللہ تعالیٰ انہیں اس قدر چھوٹا اور ذلیل کر دِکھائیں گے۔

''بولس'' جہنّم میں ایک قید خانے کا نام ہے، جس میں ان متکبروں کو محبوس کیا جائے گا اور جس کی طرف انہیں مویشیوں کی طرح ہانک کر لے جایا جائے گا۔ ''بولس'' کا مادّہ ''بلس'' ہے جس کے معنی غم واندوہ، عجز وتحیر اور پشیمانی وناامیدی کے ہیں، اِمام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''الا بلاس الحزن المعترض من شدّة البأس...... ولما كان المبلس كثيرًا ما يلزم السكوت ينسى ما يعنيه قيل ابلس فلان اذا سكت واذا انقطعت حجته۔''
(مفردات القرآن، مادّة بلس)

ترجمہ: ''ابلاس کے معنی ہیں: وہ غم جو شدید گرفت کی وجہ سے لاحق ہو...... جس شخص کو یہ حالت پیش آئے چونکہ وہ بسا اوقات سکوت کو لازم پکڑ لیتا ہے اور سٹّی بھول جاتا ہے، اس لئے ''ابلس فلان'' اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ خاموش اور لاجواب ہوجائے۔''

اس جہنمی قید خانے کا نام ''بولس'' شاید اسی مناسبت سے رکھا گیا کہ ان پر شدّتِ عذاب کی وجہ سے غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے، وہ ہر طرح عاجز ولاچار ہوں گے، اور ان پر حیرت وپشیمانی کی وجہ سے رحمتِ اِلٰہی سے ناامیدی کی کیفیت طاری ہوگی۔ نعوذ باللہ! (ابلیس کو بھی ابلیس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے مکمل ناامید ہوتا ہے۔

''نَارُ الْأَنْيَارِ'' کا لفظی ترجمہ ہے: ''آگوں کی آگ'' یعنی وہ آگ جو دُنیا جہان کی آگوں کو اس طرح کھا جائے جس طرح آگ لکڑی وغیرہ کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ ''بولس'' کے قید خانے میں ان متکبرین

پر یہ آگ سر سے پاؤں تک مشتعل ہوگی، اور جب وہ پینے کو کچھ مانگیں گے تو دوزخیوں کے زخموں سے رِسنے والے کچ لہو، پیپ اور غلیظ مادّے سے ان کی تواضع کی جائے گی، جس کا نام ”طِینَۃَ الْخَبالِ“ ہوگا، ”خبال“ اس فساد کو کہتے ہیں جو جنون اور عقل وفکر کے اختلال کا موجب ہو (مفردات راغب)۔ اس غلیظ مادّے کا نام... واللہ اعلم... شاید اس لئے رکھا گیا کہ اس کے پیتے ہی ان لوگوں پر اِضطراب و بے چینی کی کیفیت طاری ہوجائے گی، ان کی عقل وفکر اور ہوش وحواس میں اِختلال وفساد پیدا ہوجائے گا، اور ان سے مجنونانہ حرکتیں صادر ہونے لگیں گی۔

فائدہ:... صحیح مسلم (ج:۲ ص:۱۶۷، باب بیان ان کل مسکر حرام) میں یہی سزا نشہ آور چیز پینے والے کے لئے آئی ہے:

”ان علی اللہ عھدًا لمن یشرب المسکر ان یسقیہ من طینۃ الخبال، قالوا: یارسول اللہ! ما طینۃ الخبال؟ قال: عرق أھل النار أو عصارۃ أھل النار۔“

ترجمہ: ”بے شک اللہ کے ذمے عہد ہے اس شخص کے لئے جو نشہ آور مشروب پیتا ہے کہ اس کو ’طینۃ الخبال‘ میں سے پلائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟ فرمایا: دوزخیوں کا عرق یا دوزخیوں (کے زخموں) کا نچوڑ۔“

اور سنن ابنِ ماجہ (ص:۲۴۲) کی ایک روایت میں ”ردغۃ الخبال“ کے الفاظ اسی مفہوم کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

متکبرین اپنے تکبّر کی وجہ سے ایک طرح کے جنون اور فکری اِختلال میں مبتلا تھے، اسی طرح شراب نوشی کرنے والے بھی مدہوشی و بدحواسی کی بلا میں گرفتار تھے، شاید اسی لئے جہنّم میں بھی ان کو جنون آور مشروب پیش کیا جائے گا جسے ”طینۃ الخبال“ یا ”ردغۃ الخبال“ کا نام دیا گیا ہے، أعاذنا اللہ عنھما!

غصّے کو پی جانے کی فضیلت

[حدیث:۳۵۵] ”عَنْ سَھْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَبِیْہِ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی أَنْ یُنَفِّذَہٗ دَعَاہُ اللہُ عَلٰی رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰی یُخَیِّرَہٗ فِیْ أَیِّ الْحُوْرِ شَاءَ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۴۱۹)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے غصّہ پی لیا، حالانکہ وہ اپنے غصّے کو نافذ کرنے کی قدرت رکھتا ہے، قیامت

کے دن اللہ تعالیٰ اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے، یہاں تک کہ اسے اختیار دیں گے کہ جس حور کا وہ چاہے انتخاب کرلے۔“

تشریح: قدرت کے باوجود غصّے کو پی جانا اور اس کے مقتضا پر عمل نہ کرنا بڑے حلم و بُردباری اور بہادری کی بات ہے، چنانچہ صحیحین کی حدیث میں ہے:

”لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَۃِ، اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔“

(مشکوٰۃ ص:۴۳۳)

ترجمہ: ”بہادر وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دیتا ہو، بہادر تو وہ ہے جو غصّے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔“

غصّے کا منشا کبر ہے، اور حلم اور ضبطِ نفس کا منشا تواضع ہے، اس لئے جو شخص قدرت کے باوجود اپنا غصّہ جاری نہ کرے، آمادۂ انتقام نہ ہو، بلکہ عفو و درگزر سے کام لے، حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن سب کے سامنے اس کا یہ اِکرام فرمائیں گے۔

تین خوبیاں

[حدیث:۳۵۶] ”عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ نَشَرَ اللہُ عَلَیْہِ کَنَفَہٗ وَاَدْخَلَہٗ جَنَّتَہٗ: رِفْقٌ بِالضَّعِیْفِ، وَالشَّفْقَۃُ عَلَی الْوَالِدَیْنِ، وَالْاِحْسَانُ اِلَی الْمَمْلُوْکِ۔“

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۴۲۰)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین خوبیاں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں، اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس پر اپنا پردہ پھیلادیں گے (یعنی اپنی رحمت و مغفرت کے پردے سے اس کے عیوب ڈھانک دیں گے) اور اسے جنّت میں داخل کردیں گے (بشرطیکہ وہ مسلمان ہو، اور وہ تین خوبیاں یہ ہیں:) کمزوروں سے نرمی کرنا، والدین سے شفقت کرنا، اور اپنے غلام سے حسنِ سلوک کرنا۔“

تشریح: یہ تین اُمور اعلیٰ درجے کے مکارمِ اخلاق میں سے ہیں، جس مسلمان میں یہ جمع ہوجائیں، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرمائیں گے اور اسے جنّت میں داخل فرمائیں گے۔ میں نے ترجمے میں ”بشرطیکہ وہ مسلمان ہو“ کی قید اس لئے لگائی کہ اسلام و ایمان کے بغیر کوئی خوبی، خوبی نہیں۔

عظمت وجلالِ الٰہی

[حدیث:۳۵۷] ”عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: یَا عِبَادِیْ! کُلُّکُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَیْتُ، فَسَلُوْنِی الْهُدٰی أَهْدِکُمْ، وَکُلُّکُمْ فَقِیْرٌ إِلَّا مَنْ أَغْنَیْتُ، فَسَلُوْنِیْ أَرْزُقْکُمْ، وَکُلُّکُمْ مُذْنِبٌ إِلَّا مَنْ عَافَیْتُ، فَمَنْ عَلِمَ مِنْکُمْ أَنِّیْ ذُوْ قُدْرَةٍ عَلَی الْمَغْفِرَةِ، فَاسْتَغْفَرَنِیْ غَفَرْتُ لَهٗ وَلَا أُبَالِیْ! وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَحَیَّکُمْ وَمَیِّتَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ اِجْتَمَعُوْا عَلٰی أَتْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِّنْ عِبَادِیْ، مَا زَادَ ذٰلِکَ فِیْ مُلْکِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ! وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَحَیَّکُمْ وَمَیِّتَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ اِجْتَمَعُوْا عَلٰی أَشْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِّنْ عِبَادِیْ، مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِنْ مُلْکِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ! وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَحَیَّکُمْ وَمَیِّتَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ اِجْتَمَعُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلَ کُلُّ إِنْسَانٍ مِّنْکُمْ مَّا بَلَغَتْ أُمْنِیَّتُهٗ، فَأَعْطَیْتُ کُلَّ سَائِلٍ مِنْکُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِنْ مُلْکِیْ إِلَّا کَمَا لَوْ أَنَّ أَحَدَکُمْ مَرَّ بِالْبَحْرِ فَغَمَسَ فِیْهِ إِبْرَةً ثُمَّ رَفَعَهَا إِلَیْهِ ذٰلِکَ بِأَنِّیْ جَوَادٌ وَّاجِدٌ مَّاجِدٌ أَفْعَلُ مَا أُرِیْدُ، عَطَائِیْ کَلَامٌ وَعَذَابِیْ کَلَامٌ، إِنَّمَا أَمْرِیْ لِشَیْئٍ إِذَا أَرَدْتُ أَنْ أَقُوْلَ لَهٗ ”کُنْ!“ فَیَکُوْنُ۔“

(رواه الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۲۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو، سوائے اس کے جس کو میں ہدایت دے دُوں، پس تم مجھ سے ہدایت مانگو، میں تم کو ہدایت دُوں گا۔ اور تم سب فقیر ہو، سوائے اس کے جس کو میں غنی کردُوں، پس تم مجھ سے اپنے رزق مانگو۔ اور تم سب گنہگار ہو، سوائے اس شخص کے جس کو میں عافیت میں رکھوں، پس تم میں سے جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ میں بخشش دینے پر قدرت رکھتا ہوں، پس وہ مجھ سے بخشش مانگے تو میں اس کو بخش دُوں گا اور میں کوئی پروا نہیں کروں گا! اور اگر تمہارے پہلے اور پچھلے، زندے اور مردے، تر اور خشک سب مل کر میرے بندوں میں سب سے زیادہ متقی دِل والے بندے پر جمع ہوجائیں (یعنی سب اس جیسے بن جائیں) تو یہ چیز

میرے ملک میں ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی اضافہ نہیں کرے گی! اور اگر تمہارے پہلے اور پچھلے، زندے اور مردے، تر اور خشک سب مل کر میرے بندوں میں سے سب سے بدبخت دِل والے بندے پر جمع ہو جائیں (یعنی اس جیسے بن جائیں) تو یہ چیز میری سلطنت میں ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی کمی نہیں کرے گی! اور اگر تمہارے پہلے اور پچھلے، زندے اور مردے، تر اور خشک سب کے سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں، پھر تم میں سے ہر شخص وہ سب کچھ مانگ لے جہاں تک اس کی تمنا پرواز کر سکتی ہے، اور میں ہر شخص کو وہ سب کچھ دے دُوں جو اس نے مانگا ہو، تو اس سے میری سلطنت (کے خزانوں) میں ذرا بھی کمی نہیں ہوگی، جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر پر جائے اور اس میں سوئی ڈُبو کر نکالے (کہ اس سوئی کو لگنے والے پانی سے بحرِ محیط میں کیا کمی واقع ہوتی ہے؟) اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جواد (سخی) ہوں، غنیٔ مطلق ہوں، بہت ہی وسعت سے عطا کرنے والا ہوں، جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، میری عطا صرف حکم دینا ہے، اور میرا عذاب صرف حکم دینا ہے، (یعنی اسباب و وسائل کا محتاج نہیں ہوں) میرا کام تو بس یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں اور اس سے کہہ دیتا ہوں کہ: ''ہو جا!'' بس وہ ہو جاتی ہے۔''

تشریح: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح مسلم (کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم) میں مزید اضافوں کے ساتھ مروی ہے، تتمیمِ فائدہ کے لئے اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَا رُوِیَ عَنِ اللہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی أَنَّهٗ قَالَ: یَا عِبَادِیْ! اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَجَعَلْتُهٗ بَیْنَکُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا، یَا عِبَادِیْ! کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُهٗ، فَاسْتَهْدُوْنِیْ أَهْدِکُمْ، یَا عِبَادِیْ! کُلُّکُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهٗ، فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ أُطْعِمْکُمْ، یَا عِبَادِیْ! کُلُّکُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ کَسَوْتُهٗ، فَاسْتَکْسُوْنِیْ أَکْسُکُمْ، یَا عِبَادِیْ! اِنَّکُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ أَغْفِرْ لَکُمْ، یَا عِبَادِیْ! اِنَّکُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضُرِّیْ فَتَضُرُّوْنِیْ، وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِیْ فَتَنْفَعُوْنِیْ، یَا عِبَادِیْ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی أَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ، مَا زَادَ ذٰلِکَ فِیْ مُلْکِیْ شَیْئًا، یَا عِبَادِیْ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ، مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِنْ مُّلْکِیْ شَیْئًا، یَا

عِبَادِیْ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِیْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ فَسَأَلُوْنِیْ فَأَعْطَيْتُ كُلَّ اِنْسَانٍ مَّسْأَلَتَهٗ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِیْ اِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ اِذَا دَخَلَ الْبَحْرَ، يَا عِبَادِیْ! اِنَّمَا هِیَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيْهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيْكُمْ اِيَّاهَا فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ۔ قَالَ سَعِيْدٌ: كَانَ أَبُوْ اِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِیْ اِذَا حَدَّثَنِیْ هٰذَا الْحَدِيْثَ جَثَا عَلٰی رُكْبَتِهٖ۔“ (صحیح مسلم ج:۲ص:۳۱۹،مشکوٰۃ ص:۲۰۳)

ترجمہ: ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من جملہ ان احادیث کے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا کہ: (حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ) اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اُوپر بھی حرام قرار دیا ہے (یعنی میں ظلم سے پاک ہوں) پس تم ایک دُوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو، سوائے اس شخص کے جس کو میں نے ہدایت دے دی، پس تم مجھ سے ہدایت مانگو، میں تم کو ہدایت دُوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو، سوائے اس شخص کے جس کو میں کھلاؤں، پس تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو، سوائے اس شخص کے جس کو میں پہنا دُوں، پس تم مجھ سے پہننے کے لئے مانگو، میں تم کو پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! بے شک تم رات دن گناہ کرتے ہو اور میں سب گناہ بخش سکتا ہوں، پس تم مجھ سے بخشش مانگو میں تم کو بخش دُوں گا۔ اے میرے بندو! تم ہرگز میرے نقصان کو نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے نقصان پہنچاؤ، اور ہرگز میرے نفع کو نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے نفع پہنچاؤ۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے انسان اور جن سب کے سب کسی ایسے شخص کے دِل پر جمع ہوجائیں جو سب سے زیادہ متقی ہو تو (تمہاری یہ پارسائی) میری سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں کرے گی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے انسان اور جنات سب سے بدبخت (یعنی اِبلیسِ لعین) کے دِل پر ہوجائیں (یعنی فرض کرو کہ ساری دُنیا اوّل سے آخر تک اِبلیسِ لعین جیسی بھی بن جائے) تب بھی یہ چیز میری سلطنت میں ذرا بھی کمی نہیں کرے گی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے انسان اور جنات سب ایک میدان میں کھڑے ہوجائیں، پھر مجھ سے مانگنے لگیں اور میں ہر شخص کو اس کی مانگ کے مطابق دیتا جاؤں تو یہ چیز میرے پاس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں کرے

گی، مگر جیسا کہ سوئی سمندر میں ڈال کر نکال لی جائے، وہ سمندر میں کیا کمی کر سکتی ہے؟ اے میرے بندو! (آخرت میں تم کو جو جزا وسزا ملے گی) یہ تو بس تمہارے ہی اعمال ہیں جن کو تم پر محفوظ رکھتا ہوں، پھر وہ تم کو پورے پورے دے دُوں گا، پس جو خیر اور اچھائی پائے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے (کہ اس پاک ذات نے محض اپنے لطف و عنایت سے اعمالِ صالحہ کی توفیق ارزانی فرمائی)، اور جو شخص اس کے سوا پائے وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے (کہ اس نے اپنے سوءِ اختیار سے اعمالِ بد کا راستہ اختیار کیا)۔ راویٔ حدیث امام سعید (بن عبدالعزیز التنوخی المتوفیٰ ۱۶۷ھ) فرماتے ہیں کہ: حضرت ابو اِدریس خولانی (المتوفیٰ ۸۰ھ) جب اس حدیث کو بیان فرماتے تھے تو (عظمت وجلالِ الٰہی کے غلبے کی وجہ سے) گھٹنے ٹیک دیتے تھے۔"

[حدیث: ۳۵۸] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ حَدِيْثًا لَوْ لَمْ أَسْمَعْهُ إِلَّا مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى عَدَّ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَلٰكِنِّي سَمِعْتُهُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: كَانَ الْكِفْلُ مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيلَ لَا يَتَوَرَّعُ مِنْ ذَنْبٍ عَمِلَهُ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَأَعْطَاهَا سِتِّيْنَ دِيْنَارًا عَلٰى أَنْ يَطَأَهَا فَلَمَّا قَعَدَ مِنْهَا مَقْعَدَ الرَّجُلِ مِنِ امْرَأَتِهِ أُرْعِدَتْ وَبَكَتْ، فَقَالَ: مَا يُبْكِيْكِ؟ أَكْرَهْتُكِ؟ قَالَتْ: لَا! وَلٰكِنَّهُ عَمَلٌ مَّا عَمِلْتُهُ قَطُّ، وَمَا حَمَلَنِيْ عَلَيْهِ إِلَّا الْحَاجَةُ۔ فَقَالَ: تَفْعَلِيْنَ أَنْتِ هٰذَا وَمَا فَعَلْتِهِ؟ اِذْهَبِيْ فَهِيَ لَكِ! وَقَالَ: لَا وَاللہِ! لَا أَعْصِي اللہَ بَعْدَهَا أَبَدًا! فَمَاتَ مِنْ لَّيْلَتِهٖ فَأَصْبَحَ مَكْتُوْبٌ عَلٰى بَابِهٖ: "إِنَّ اللہَ قَدْ غَفَرَ الْكِفْلَ"۔

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۲۲)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حدیث بیان فرماتے ہوئے خود سنا ہے، اگر میں نے صرف ایک یا دو مرتبہ سنی ہوتی یہاں تک کہ سات مرتبہ کو بھی ذکر کیا (تو شاید میں اس کو بیان نہ کرتا) لیکن میں نے اس سے بھی زیادہ مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: کفل (نامی) ایک شخص بنی اسرائیل میں سے تھا، وہ کسی گناہ کے کام سے پرہیز نہیں کرتا تھا، ایک مرتبہ اس کے پاس ایک عورت آئی (اور اس کے سامنے اپنی کوئی ضرورت پیش کی) اس نے اس عورت کو ساٹھ دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ اس

سے بدکاری کرے گا، پس جب اس کی اس جگہ بیٹھا جہاں آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرنے کے لئے بیٹھتا ہے تو وہ عورت کانپنے اور رونے لگی، اس نے کہا: روتی کیوں ہو؟ کیا میں نے تجھے مجبور کیا ہے؟ وہ کہنے لگی: نہیں! مجبور تو نہیں کیا، مگر یہ (بدکاری کا کام) ایسا ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا، حاجت مندی کی مجبوری نے مجھے اس (بدن فروشی) پر آمادہ کردیا۔ کفل نے کہا: تو یہ کام محض مجبوری کی وجہ سے کر رہی ہے، حالانکہ تو نے یہ کام کبھی نہیں کیا؟ جا (میں تجھ سے یہ فعلِ بد نہیں کرتا) اور یہ دینار بھی تیرے ہیں۔ اور کہنے لگا: نہیں! اللہ کی قسم! میں آئندہ اللہ تعالیٰ کی کبھی نافرمانی نہیں کروں گا۔ پھر (خدا کی شان کہ اس سچی توبہ کے بعد) اسی رات اس کا انتقال ہوگیا، تو صبح کو اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے کفل کو بخش دیا۔''

مستدرک حاکم (ج:۴ ص:۲۵۴، ۲۵۵) کی روایت میں مزید اضافہ ہے کہ:

''لوگوں کو اس کی حالت پر تعجب ہوا (کہ ایسے گناہگار و بدکار کی بخشش کیسے ہوگئی؟) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی پر وحی بھیجی کہ اس کا یہ قصہ ہوا تھا (کہ وہ سچّی توبہ کرکے مرا ہے)۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کیسا ہی گنہگار ہو، اگر اسے سچّی توبہ کی توفیق ہوجائے تو حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت و مغفرت کا دروازہ اس کے لئے کھلا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی آدمی کو اس خیال سے توبہ سے باز نہیں رہنا چاہئے کہ مجھ سے پھر گناہ ہوجائے گا اور توبہ ٹوٹ جائے گی، نہیں! بلکہ آدمی جب بھی توبہ کرے، سچّی توبہ کرے، اور یہ عزم رکھے کہ دوبارہ کبھی گناہ نہیں کروں گا، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس توبہ پر اس کا خاتمہ کردے جیسا کہ کفل کے ساتھ ہوا۔

مؤمن اور فاجر کی مثال

[حدیث:۳۵۹] ''عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم، قَالَ عَبدُاللہ: إِنَّ الْمُؤْمِنَ یَرٰی ذُنُوبَہٗ کَأَنَّہٗ فِیْ أَصلِ جَبَلٍ یَّخَافُ أَنْ یَقَعَ عَلَیہِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ یَرٰی ذُنُوبَہٗ کَذُبَابٍ وَقَعَ عَلٰی أَنْفِہٖ۔ قَالَ بِہٖ ھٰکَذَا۔ اَفطَارُ، قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّمَ: اللہُ أَفْرَحُ بِتَوْبَۃِ أَحَدِکُمْ مِنْ رَجُلٍ بِأَرْضٍ فَلَاۃٍ دَوِیَّۃٍ مَہْلَکَۃٍ مَعَہٗ رَاحِلَتُہٗ عَلَیْھَا زَادُہٗ وَطَعَامُہٗ وَشَرَابُہٗ وَمَا یُصْلِحُہٗ، فَأَضَلَّھَا فَخَرَجَ فِی طَلَبِھَا، حَتّٰی إِذَا أَدْرَکَہُ الْمَوْتُ قَالَ: أَرْجِعُ إِلٰی مَکَانِی الَّذِی أَضْلَلْتُھَا فِیہِ فَأَمُوْتُ فِیہِ، فَرَجَعَ

اِلٰی مَکَانِہٖ فَغَلَبَتْہُ عَیْنُہٗ فَاسْتَیْقَظَ فَاِذَا رَاحِلَتُہٗ عِنْدَ رَأْسِہٖ عَلَیْھَا طَعَامُہٗ وَشَرَابُہٗ وَمَا یُصْلِحُہٗ۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۲۳)

ترجمہ: "حارث بن سوید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو حدیثیں بیان فرمائیں، ایک اپنی طرف سے، اور دُوسری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: مؤمن اپنے گناہوں کو ایسا دیکھتا ہے گویا وہ پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہے اور اسے اندیشہ ہے کہ وہ اس پر گر پڑے گا۔ اور فاجر اور بدکار آدمی اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے کہ گویا اس کی ناک پر مکھی بیٹھ گئی تھی، اور اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو اُڑ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو کسی ہولناک، لق و دق صحرا میں سفر کر رہا تھا، اس کے پاس سواری تھی جس پر اس کا توشہ، کھانا، پانی اور دیگر ضروریات لدی ہوئی تھیں، وہ سواری جنگل میں گم ہوگئی، وہ اس کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا، یہاں تک کہ موت اس کی آنکھوں کے سامنے آگئی، اس نے سوچا کہ جہاں میں نے سواری گم کی تھی اسی جگہ لوٹ جاؤں اور وہیں جا کر مروں، چنانچہ وہ اسی جگہ لوٹ آیا، وہاں آکر (لیٹ گیا اور) ذرا اس کی آنکھ لگ گئی، آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سواری اس کے سر کے پاس موجود ہے، اور اس کا کھانا، پانی اور ساری ضروریات بھی موجود ہیں۔"

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں گناہ صادر ہونے کے بعد مؤمن اور فاجر کی قلبی کیفیت کو ذکر کیا گیا ہے کہ مؤمن تو اپنے گناہ سے ایسا ڈرتا ہے گویا اس پر پہاڑ گر پڑے گا، اس لئے فوراً توبہ و اِستغفار کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور اشکِ ندامت سے اس گناہ کی سیاہی دھونے کا اہتمام کرتا ہے۔ برعکس اس کے فاجر اور بدکار آدمی اپنے گناہ کو معمولی چیز سمجھتا ہے، گویا ناک پر مکھی بیٹھی تھی جسے ہاتھ کے معمولی اشارے سے اُڑا دیا۔ بسا اوقات جب آدمی مشغول ہوتا ہے تو اسے مکھی کے بیٹھنے اور ہاتھ سے اُڑانے کا دھیان بھی نہیں ہوتا، اسی طرح فاجر آدمی کو اپنے گناہوں کی طرف اِلتفات نہیں ہوتا، اور نہ ان کے تدارک کی فکر لاحق ہوتی ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابنِ ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ: مؤمن کے اپنے گناہوں سے خوف کا سبب یہ ہے کہ مؤمن کا قلب نورانی ہوتا ہے، جب اپنے نفس سے کسی ایسی چیز کو دیکھتا ہے جو اس کی

نورانیتِ قلب کے خلاف ہوتو اسے وہ بہت سنگین بات معلوم ہوتی ہے۔ اور ہلاکت کے اسباب تو بہت ہوسکتے ہیں مگر ان میں سے پہاڑ گرنے کی تمثیل اس لئے بیان فرمائی کہ دُوسرے مہلکات سے بچنے کی تو کوئی صورت نکل سکتی ہے، مگر کوئی پہاڑ گر پڑے تو اس سے نجات عادۃً ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ ایمان ویقین کی قوّت کی وجہ سے مؤمن پر خوف غالب ہوتا ہے، اس لئے وہ گناہوں کی سزا سے بے خوف نہیں ہوتا، اور یہی مسلمان کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ ڈرتا رہے، اپنے نفس کا مراقبہ کرتا رہے، اپنے نیک عمل کو چھوٹا اور معمولی سمجھے اور چھوٹے سے چھوٹے بُرے عمل سے بھی ڈرتا رہے۔

اور فاجر کی بے خوفی کا سبب یہ ہے کہ فاجر کا قلب تاریک ہوتا ہے، اس لئے گناہوں کا سرزد ہونا اس کے نزدیک معمولی بات ہے، یہی وجہ ہے کہ جو شخص معاصی کا ارتکاب کرتا ہے جب اس کو وعظ ونصیحت کی جائے تو کہتا ہے کہ: ''یہ تو معمولی بات ہے!'' اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مؤمن کا اپنے گناہوں سے کم ڈرنا اور گناہوں کو ہلکی پھلکی چیز سمجھنا اس کے فجور کی دلیل ہے۔

محب طبری فرماتے ہیں کہ: مؤمن کی یہ کیفیت اس لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اور اس کی سزا سے شدید خوف رکھتا ہے، کیونکہ اسے اپنے گناہ کا تو یقین ہے، اور یہ یقین نہیں کہ گناہ معاف کیا جاچکا ہے یا نہیں؟ اور مغفرت ہوگی یا نہیں؟ اور فاجر آدمی اللہ تعالیٰ کی معرفت کم رکھتا ہے، اس لئے اسے خوف بھی کم ہوتا ہے، اور معصیت کو بھی معمولی چیز سمجھتا ہے (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب التوبہ)۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث بیان فرمائی ہے، اس میں بندے کی توبہ پر اللہ تعالیٰ کی خوشی کو ایک تمثیل کے انداز میں بیان فرمایا ہے، ایک ایسا شخص جو موت کے منہ میں جاچکا تھا، اور زندگی سے یکسر مایوس ہوچکا تھا، یکایک اس کی سواری اور کھانے پینے کا سامان مل جانے سے اسے گویا نئی زندگی نصیب ہوگئی، ایسی حالت میں اس کی فرحت ومسرّت کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ بندہ گناہ کا اِرتکاب کرکے شیطان درندے کے چنگل میں پھنس جاتا ہے، جو اس کو اَبدی موت کے گھاٹ اُتارنا چاہتا ہے، توبہ کرنے کے بعد اسے شیطان کے چنگل سے رہائی مل جاتی ہے اور وہ رحمتِ اِلٰہی کے سائے میں آجاتا ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ شانہٗ کو بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی بڑھ کر خوشی ہوتی ہے جو زندگی سے یکسر مایوس ہوجانے کے بعد دوبارہ زندگی سے ہم کنار ہوا۔

صحیح مسلم (ج:۲ ص:۳۵۵) میں بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہی تمثیل بیان فرمائی گئی ہے، اور اس کے آخر میں ہے کہ: جب اس شخص نے اُٹھ کر اپنی سواری دیکھی تو شدّتِ مسرّت سے کہنے لگا:

''اَللّٰھُمَّ أَنْتَ عَبْدِیْ وَأَنَا رَبُّکَ!''

ترجمہ: ''اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رَبّ ہوں''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"أَخطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرحِ۔"

ترجمہ: "مسرّت کی وجہ سے بے چارہ چوک گیا۔"

غلطی کے بعد توبہ

[حدیث: ۳۶۰] "عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُلُّ ابْنِ اٰدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۲۴)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر ابنِ آدم خطا کار ہے، اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں۔"

تشریح: مطلب یہ کہ بھول چوک اور خطا تو ہر آدمی سے ہو ہی جاتی ہے، انسان خطا کا پتلا ہے، لیکن خطا پر اِصرار نہیں کرنا چاہئے، اس لئے فرمایا کہ سب سے بہتر خطا کار وہ ہیں جو بکثرت توبہ کرنے والے ہوں۔ راز اس کا یہ ہے کہ توبہ و انابت الی اللہ، عبدیت کا اعلیٰ مقام ہے، پس جب بندہ خطا و گناہ کے بعد توبہ و استغفار کرتا ہے اور اسے رُجوع الی اللہ کی توفیق ہوجاتی ہے تو اس کی برکت سے حق تعالیٰ شانہٗ نہ صرف اس کا گناہ معاف فرمادیتے ہیں، بلکہ اس پر مزید لطف و اِنعام بھی فرماتے ہیں، اور اس کے درجاتِ قرب میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے، اس طرح توبہ کی برکت سے وہ گناہ بھی قرب الی اللہ کا ذریعہ بن جاتا ہے، مگر اس خیال سے گناہ کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے کہ پھر اس کے بعد توبہ کرلیں گے، یہ نفس و شیطان کا مکر ہے، اسے کیا معلوم کہ پھر توبہ کی توفیق بھی ہوگی یا نہیں...؟

شماتت کی سزا

[حدیث: ۳۶۱] "عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِأَخِيْكَ فَيَرْحَمُهُ اللهُ وَيَبْتَلِيْكَ۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۳۰)

ترجمہ: "حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی نہ کرو، ورنہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمادیں اور تجھ کو مبتلا کردیں۔"

تشریح: کسی کی مصیبت پر خوش ہونے کو "شماتت" کہتے ہیں۔ عام طور سے آدمی میں یہ کمزوری

پائی جاتی ہے کہ جس شخص سے بغض و عداوت یا کدورت ہو، اس پر اگر کوئی افتاد پڑے یا وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوجائے تو آدمی ایک گونہ خوشی محسوس کرتا ہے، اور بعض لوگ تو اس خوشی کا برملا اظہار بھی شروع کردیتے ہیں، بلکہ بعض ایسے لوگ جو دِین داری کے پندار اور عُجب میں مبتلا ہوں، دُشمن کی مصیبت کو اپنی کرامت کے طور پر پیش کرتے ہیں، اس حدیث پاک میں اس مرض کی اصلاح فرمائی گئی ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی مصیبت پر خوش ہوتا ہے اسے اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ اللہ اس مبتلائے مصیبت کو تو عافیت عطا فرمادیں، اور اس شخص کو اس مصیبت میں مبتلا کردیں۔

ایک مسلمان کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کا غم خوار ہو، ہمدرد ہو، اس کو خدانخواستہ کسی تکلیف یا مصیبت میں دیکھے تو پریشان ہوجائے اور اس کے اِزالے کی ہر ممکن کوشش کرے، اور کچھ نہیں کرسکتا تو اِخلاص و دِل سوزی کے ساتھ دُعا سے تو دریغ نہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

”اَلْمُؤْمِنُوْنَ کَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَکٰی عَیْنُہٗ اشْتَکٰی کُلُّہٗ، وَاِنِ اشْتَکٰی رَأْسُہٗ اشْتَکٰی کُلُّہٗ۔“ (رواہ مسلم عن نعمان بن بشیر، مشکوٰۃ ص:۴۲۲)

ترجمہ: ”اہلِ ایمان کی مثال ایک آدمی کے وجود کی ہے کہ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو پورے وجود میں تکلیف ہوتی ہے، اور اگر سر میں تکلیف ہو تو پورے وجود میں تکلیف ہوتی ہے۔“

دُوسری حدیث میں ہے:

”تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَرَاحُمِھِمْ وَتَوَادِّھِمْ وَتَعَاطُفِھِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَکٰی عُضْو تَدَاعٰی لَہٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّھَرِ وَالْحُمّٰی۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔“

(مشکوٰۃ ص:۴۲۲)

ترجمہ: ”تم اہلِ ایمان کو دیکھتے ہو کہ وہ باہمی رحمت اور محبّت و شفقت میں جسدِ واحد کی طرح ہیں کہ جسم کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی اعضاء بھی بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔“

اس کے برعکس کسی مسلمان کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر خوش ہونا، یہ کسی مسلمان کی شان نہیں، بلکہ یہ منافقین کا شیوہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی خوشی سے رنجیدہ ہوتے اور حسد کی وجہ سے جل بھن جاتے، اور مسلمانوں کی تکلیف سے خوش ہوتے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِھَا ؕ﴾

(آل عمران:۱۲۰)

ترجمہ: ’’اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان (منافقوں) کے لئے موجبِ رنج ہوتی ہے، اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔‘‘

کسی کی نقل اُتارنا

[حدیث: ۳۶۲] ’’عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أُحِبُّ أَنِّيْ حَكَيْتُ أَحَدًا وَاِنَّ لِيْ كَذَا وَ كَذَا۔‘‘

(رواه الترمذی فی صفة القيامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حديث: ۲۴۳۱)

ترجمہ: ’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں پسند نہیں کرتا کہ میں کسی کی نقل اُتاروں، خواہ مجھے اتنا اتنا خزانہ بھی مل جائے۔‘‘

تشریح: کسی کی نقل اُتارنا عموماً اس کی تحقیر یا اس کے کسی عیب کے اظہار کے لئے ہوتا ہے، اور کسی مسلمان کی تحقیر اور اس کی عیب جوئی کا بُرا ہونا واضح ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی نقل اُتارنے سے نفرت تھی۔

[حدیث: ۳۶۳] ’’عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: حَكَيْتُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَقَالَ: مَا يَسُرُّنِيْ أَنِّيْ حَكَيْتُ رَجُلًا وَأَنَّ لِيْ كَذَا وَ كَذَا۔ قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ الله! إِنَّ صَفِيَّةَ امْرَأَةٌ، وَقَالَتْ بِيَدِهَا هٰكَذَا كَأَنَّهَا تَعْنِيْ قَصِيْرَةً، فَقَالَ: لَقَدْ مَزَجْتِ بِكَلِمَةٍ لَوْ مُزِجَ بِهَا مَاءُ الْبَحْرِ لَمَزَجَ۔‘‘

(رواه الترمذی فی صفة القيامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حديث: ۲۴۳۲)

ترجمہ: ’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی آدمی کی نقل اُتاری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ میں کسی کی نقل اُتاروں خواہ مجھے اتنا اتنا خزانہ مل جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے ایک بار عرض کیا: یا رسول اللہ! صفیہ تو اتنی سی عورت ہے، ہاتھ کے اشارے سے ان کا پستہ قد ہونا ظاہر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تو نے ایسی بات ملادی کہ اگر وہ سمندر کے پانی میں ملادی جائے تو وہ بھی متغیر ہوجائے۔‘‘

تشریح: بسا اوقات آدمی بے خیالی میں کسی کی نقل اُتارتا ہے اور اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کوئی ناجائز یا نامناسب کام کر رہا ہے، اس حدیث میں اس کی اصلاح فرمائی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

ہاتھ کے اشارے سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا پستہ قد ہونا ظاہر کیا، ان کے خیال میں یہ کوئی نا مناسب فعل نہیں تھا، کیونکہ بظاہر ایک واقعے کا اظہار تھا، لیکن چونکہ اس سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی تحقیر لازم آتی تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قباحت وشناعت بیان فرمائی۔

[حدیث: ۳۶۴] ”عَنْ شَيْخٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا كَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الْمُسْلِمِ الَّذِىْ لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَ لَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ. قَالَ ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ: كَانَ شُعْبَةُ يَرٰى أَنَّهُ ابْنُ عُمَرَ۔“

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۳۳)

ترجمہ: ”یحییٰ بن وثاب رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک بزرگ سے روایت کرتے ہیں (راوی کہتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو مسلمان لوگوں سے ملتا ہو اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہو وہ بہتر ہے اس مسلمان سے جو لوگوں سے نہ ملتا ہو اور نہ ان کی ایذا پر صبر کرتا ہو۔ ابنِ عدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی کہ یحییٰ بن وثاب رحمۃ اللہ علیہ نے جس بزرگ صحابی سے روایت کی ہے اس سے مراد حضرت عبداللہ بن عمر ہیں، رضی اللہ عنہما۔“

تشریح: سنن ابنِ ماجہ میں روایت مندرجہ ذیل الفاظ میں مروی ہے:

”يَحْيَى بْنُ وَثَّابٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قال رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمُؤْمِنُ الَّذِىْ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِىْ لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَ لَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ۔“ (ابنِ ماجہ ص: ۲۹۲)

ترجمہ: ”یحییٰ بن وثاب رحمۃ اللہ علیہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو مؤمن لوگوں سے ملتا ہو اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہو وہ اجر وثواب میں بڑھ کر ہے اس مؤمن سے جو لوگوں سے نہ ملتا ہو اور نہ ان کی ایذا پر صبر کرتا ہو۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرسکتا ہو، اور اس ضمن میں پیش آنے والی تکالیف کو صبر اور حوصلے سے برداشت کرسکتا ہو، اس کے لئے گوشہ نشینی کے بجائے لوگوں سے مل جل کر رہنا بہتر ہے۔

[حدیث: ۳۶۵] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِيَّاكُمْ

وَسُوْءَ ذَاتِ الْبَیْنِ! فَإِنَّهَا الْحَالِقَةُ۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۳۴)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپس میں جھگڑے اور فساد سے احتراز کرو، کیونکہ یہ چیز مونڈنے والی ہے۔"

تشریح: آپس کے جھگڑے اور فساد سے مراد جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، آپس کا بغض اور عناد اور باہمی کدورت وعداوت ہے، جب دو مسلمانوں کے درمیان بغض وعداوت کا زہر پھیل جاتا ہے تو اس سے بیسیوں گناہ جنم لیتے ہیں، ایک دُوسرے کی غیبت کی جاتی ہے، آپس کے عیب تلاش کئے جاتے ہیں، ایک دُوسرے پر تہمت تراشی اور بہتان بازی تک سے پرہیز نہیں کیا جاتا، ان میں سے ہر ایک، دُوسرے کو نیچا دِکھانے کی کوشش کرتا ہے، اس سے حسد اور شماتت پیدا ہوتی ہے، الغرض آپس کا معاملہ بگڑنے کی دیر ہے کہ ایک دُوسرے کی عزّت وآبرو سے کھیلنے کو حلال سمجھ لیا جاتا ہے، اور بعض اوقات نوبت مار پٹائی اور قتل وخونریزی تک پہنچ جاتی ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آپس کا فساد دِین کو مونڈنے اور صاف کرنے والا ہے، کیونکہ باہمی بغض وعداوت کی حالت میں دِین کے حدود کو محفوظ نہیں رکھا جاسکتا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے دِین داری غارت ہوکر رہ جاتی ہے۔

آپس کے اِختلافات کی نحوست

[حدیث: ۳۶۶] "عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ: قال رسول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوْا: بَلٰى! قَالَ: صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَيُرْوٰى عَنِ النَّبِيِّ صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۳۵)

ترجمہ: "حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو درجے میں روزہ، نماز اور صدقے سے بھی افضل ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمائیے! فرمایا: وہ آپس کے معاملات کی دُرستگی ہے، کیونکہ آپس کا بگاڑ مونڈنے والی چیز ہے۔ اور ایک روایت میں یہ مزید اضافہ ہے کہ: میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈنے والی ہے، بلکہ وہ دِین کو مونڈنے والی اور اس

کا صفایا کرنے والی ہے۔‘‘

تشریح: ’’آپس کے معاملات کی دُرستگی‘‘ سے مراد یہ ہے کہ آپس کے ان تمام اُمور و معاملات کو دُرست رکھا جائے جن سے آپس کی ناچاقی راہ پاتی ہے، تاکہ کسی کو کسی سے شکایت نہ ہو، اور اسلامی معاشرے میں اُلفت و محبّت اور اتفاق واتحاد کی فضاء قائم رہے۔

’’آپس کی دُرستگی‘‘ کو روزہ، نماز اور صدقے سے افضل قرار دینے کی... واللہ اعلم... دو وجہیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ نماز، روزہ اور صدقہ انفرادی اعمال ہیں، جن کا اجر وثواب کرنے والے کی ذات تک محدود ہے، بخلاف اس کے ’’صلاح ذات البین‘‘ (آپس کے معاملات کی دُرستگی) کا عمل پورے معاشرے سے تعلق رکھتا ہے، اگر تمام مسلمان اس عمل کا اہتمام کریں تو ان کے درمیان اتفاق واتحاد کی فضاء پیدا ہوگی اور ان کا شیرازہ مجتمع رہے گا، اور اگر وہ آپس کے معاملات کی دُرستگی کا اہتمام نہیں کریں گے تو ان کے درمیان باہمی بغض وعناد کی فضاء پیدا ہوگی، ایک دُوسرے کو نیچا دِکھانے کی کوشش ہوگی، ایک دُوسرے کے خلاف انتقامی جذبات پروان چڑھیں گے، اور ایک دُوسرے کی تحقیر وتذلیل محبوب مشغلہ بن جائے گا، جس کے نتیجے میں اُمّت کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ پس ’’آپس کی دُرستگی‘‘ کا عمل صرف ایک فرد کی ذات تک محدود نہیں، بلکہ پورا معاشرہ اور معاشرے کا ایک ایک فرد اس سے متأثر ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ نیکی، نماز روزے سے بدرجہا بڑھ کر ہوگی جس کی برکت سے اُمّت کا شیرازہ مجتمع رہے اور اُمّت ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا﴾ (آل عمران:۱۰۳) کا منظر پیش کرنے لگے۔

دُوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ نماز روزہ اور صدقہ وخیرات بھی نفس کو شاق گزرتے ہیں، اور ان کے کرنے میں بھی نفس کے ساتھ مجاہدے کی نوبت آتی ہے، لیکن مجاہدے کا اصل میدان تعلقات ہے، جہاں قدم قدم پر ناگواریوں کا سامنا ہوتا ہے، اور قدم قدم پر نفس کی ’’انا‘‘ مجروح ہوتی ہے، یہی وہ میدان ہے جہاں انسانی اخلاق کے جوہر کھلتے ہیں، یہی وہ امتحان گاہ ہے جس میں آدمی کے صبر وشکر، حلم ووقار، صبر وتحمل، خشیت وتواضع، یقین وتوکل وغیرہ کی جانچ ہوتی ہے، یہی وہ جنگل ہے جہاں کبر ونخوت، عُجب وخود بینی، حسد وکینہ وغیرہ کے درندے منہ کھولے کھڑے ہیں، ہر موقع پر تمام اہلِ حقوق کے حقوق ادا کرنا اور ان میں حدودِ شرعیہ کی نزاکتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھنا ایک ایسا مجاہدہ ہے جو اِنفرادی اعمال (نماز، روزہ وغیرہ) میں نہیں۔ خدا شاہد ہے کہ ساری رات نفلیں پڑھنا اور ہمیشہ روزے رکھنا آسان، لیکن مجاہدے کی اس بھٹی سے جسے باہمی تعلقات کا میدان کہتے ہیں، کندن بن کر نکلنا مشکل اور نہایت مشکل! اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر اسے نماز اور روزے سے افضل درجے کی چیز فرمایا تو بالکل بجا ارشاد فرمایا۔

[حدیث:۳۶۷] ’’أَنَّ الزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ: دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ، هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ! لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، أَفَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِمَا يُثَبِّتُ ذٰلِكَ لَكُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ!"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:۲۴۳۶)

ترجمہ: "حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلی اُمتوں کی بیماری آہستہ آہستہ تم میں سرایت کرگئی، یعنی حسد اور کینہ، اور یہ چیز مونڈنے والی (اور صفایا کرنے والی) ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتی ہے، نہیں! دِین کو مونڈ دیتی (اور اس کا صفایا کردیتی) ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! تم جنّت میں داخل نہ ہوگے یہاں تک کہ ایمان لاؤ، اور (کامل طور پر) مؤمن نہیں ہوگے یہاں تک کہ ایک دُوسرے سے محبّت کرو، کیا تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس (باہمی اُلفت و محبت) کو تمہارے لئے ثابت کرے؟ آپس میں (کثرت سے) سلام پھیلایا کرو۔"

تشریح: اس حدیث پاک میں متعدّد مضامین ارشاد ہوئے ہیں، ان میں سے ایک تو وہی مضمون ہے جو اس سے قبل کی دو اَحادیث میں آچکا ہے، یعنی آپس کے بغض وکینہ کا دِین کے لئے تباہ کن ہونا۔

دُوسرا مضمون یہ ہے کہ حسد اور بغض اُمّتِ سابقہ کی بیماری ہے، جس کے جراثیم آہستہ آہستہ اس اُمّت میں بھی سرایت کرتے چلے گئے، جن خوش قسمت حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہی، ان کے درمیان اُلفت ومحبّت کی وہ فضاء پیدا ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا﴾ (آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: "پس ہوگئے تم اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام سے بھائی بھائی۔"

ان میں حسد ورقابت، بغض وعناد اور کینہ وعداوت کا کوئی جرثومہ نہیں تھا، بلکہ وہ سب کے سب اہلِ جنّت کی طرح "یک قلب" تھے، لیکن دُنیا کی زہریلی فضاء کے سبب آہستہ آہستہ اُمّت میں حسد وکینہ کے جراثیم پیدا ہونے شروع ہوئے، اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حسد وکینہ کی دیمک نے جسدِ ملت کو چاٹ لیا، اور اُمّت تسبیحِ شکستہ کے موتیوں کی طرح منتشر ہوکر رہ گئی، یہی وہ حقیقت ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشادِ گرامی میں متنبہ فرمایا ہے، اس چھوٹے سے فقرے میں نہ صرف اُمّت کے عروج وزوال کی پوری داستان سمودی ہے، بلکہ مرض کی تشخیص کے ساتھ اس کے علاج کی طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے۔

تیسرا مضمون وہ ہے جسے آنحضرت ﷺ نے قسم کے ساتھ بیان فرمایا ہے، یعنی جنّت میں داخل ہونا موقوف ہے ایمان پر، اور ایمانِ کامل موقوف ہے باہمی اُلفت ومحبّت پر، اور باہمی اُلفت ومحبّت کا ذریعہ آپس میں کثرت سے سلام کا پھیلانا ہے۔

ظلم اور قطع رحمی کی سزا دُنیا میں بھی ملتی ہے

[حدیث:۳۶۸] ”عَنْ أَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ: قَال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ یُعَجِّلَ اللہُ لِصَاحِبِہِ الْعُقُوْبَةَ فِی الدُّنْیَا مَعَ مَا یَدَّخِرُ لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِیْعَةِ الرَّحِمِ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔“

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث:۲۴۳۷)

ترجمہ: ”حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ظلم اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جو اس بات کا زیادہ مستحق ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا فوری طور پر دُنیا میں بھی دے دیں، علاوہ اس سزا کے جو اس پر آخرت میں ہوگی۔“

تشریح: یعنی گناہوں کی اصل سزا تو آخرت میں ملے گی، لیکن کبھی دُنیا میں بھی مل جاتی ہے، اور تمام گناہوں میں یہ دو گناہ سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ دُنیا میں بھی ان کی سزا ملے، ایک کسی پر ظلم وزیادتی کرنا، دُوسرے قطع رحمی کرنا، کیونکہ ان دونوں گناہوں سے خلقِ خدا کو ایذا پہنچتی ہے اور ان کے حقوق پامال ہوتے ہیں، اور موذی کو دُنیا میں بھی راحت وسکون نصیب نہیں ہوتا، پھر ظلم وتعدّی اور قطع رحمی کے بھی مختلف درجات ہیں، اور ہر درجے کے شخص کو اس کے مناسب سزا ملتی ہے، چنانچہ قطع رحمی کی سب سے بدترین صورت والدین کے ساتھ بدسلوکی ہے، اور ایسا شخص دُنیا میں مال واولاد کی برکت سے محروم ہوجاتا ہے۔

صابر وشاکر کون ہے؟ اور کون نہیں؟

[حدیث:۳۶۹] ”عن عَبْدِاللہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: خَصْلَتَانِ مَنْ کَانَتَا فِیْہِ کَتَبَهُ اللہُ شَاکِرًا صَابِرًا، وَمَنْ لَّمْ تَکُوْنَا فِیْہِ لَمْ یَکْتُبْهُ اللہُ شَاکِرًا وَلَا صَابِرًا، مَنْ نَظَرَ فِیْ دِیْنِہٖ إِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقَهٗ، فَاقْتَدٰی بِہٖ، وَمَنْ نَظَرَ فِیْ دُنْیَاہُ إِلٰی مَنْ ھُوَ دُوْنَهٗ فَحَمِدَ اللہَ عَلٰی مَا فَضَّلَهٗ بِہٖ عَلَیْہِ، کَتَبَهُ اللہُ شَاکِرًا صَابِرًا، وَمَنْ نَظَرَ فِیْ دِیْنِہٖ إِلٰی مَنْ ھُوَ دُوْنَهٗ وَنَظَرَ فِیْ دُنْیَاہُ إِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقَهٗ فَأَسِفَ عَلٰی مَا فَاتَهٗ مِنْهُ، لَمْ یَکْتُبْهُ اللہُ شَاکِرًا وَلَا صَابِرًا۔“

(رواہ الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث:۲۴۳۸)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جائیں، اللہ تعالیٰ اس کو صابر وشاکر لکھ دیں گے، اور جس شخص میں وہ دونوں باتیں نہ پائی جائیں، اللہ تعالیٰ اسے نہ شاکر لکھیں گے، نہ صابر۔ جو شخص کہ اپنے دِین کے معاملے میں اپنے سے اُوپر والے کو دیکھے، پس اس کی اقتدا کرے، اور اپنی دُنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھے، پس اللہ تعالیٰ نے اسے جو فضیلت نیچے والے پر دی، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے، اللہ تعالیٰ اسے صابر وشاکر لکھ دیتے ہیں، اور جو شخص اپنے دِین کے معاملے میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھے اور اپنے دُنیا کے معاملے میں اپنے سے اُوپر والے کو دیکھے اور جو نعمت اس سے فوت ہوگئی ہے اس پر افسوس کرے، اللہ تعالیٰ نہ اس کو شاکر لکھتے ہیں اور نہ صابر۔‘‘

[حدیث:۳۷۰] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قال رسول الله صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّم: أُنْظُرُوْا إِلٰی مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوْا إِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَإِنَّهٗ أَجْدَرُ أَنْ لَّا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَیْكُمْ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔‘‘

(رواه الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۳۹)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (دُنیا کے معاملے میں) اپنے سے نیچے والے کو دیکھو، اپنے اُوپر والے کو نہ دیکھو، کیونکہ یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تم پر جو اِنعامات ہیں تم ان کی تحقیر نہ کرو۔‘‘

تشریح: ان دونوں احادیث میں علم ومعرفت کے ایک ’’بابِ عظیم‘‘ کی طرف راہ نمائی فرمائی گئی ہے، وہ یہ کہ دِین کے معاملے میں تو اپنے سے فائق لوگوں کو دیکھو تاکہ تمہارے دِل میں ان کی ریس کا داعیہ پیدا ہو، اور تمہارا رُخ دِین میں سبقت اور نیکیوں میں ترقی کی طرف ہو۔ اس کے برعکس دُنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے کے لوگوں کی طرف دیکھو، تمہیں دُنیا میں خواہ کیسی ہی تنگی، مصیبت اور مشکلات کا سامنا ہو، مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو تم سے بڑھ کر تنگی میں مبتلا اور مصائب وآفات کا شکار ہوں گے، جب تم ان کی طرف دیکھو گے تو بے ساختہ اپنی حالت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ گے کہ مالک نے بغیر کسی استحقاق کے محض اپنے فضل واِحسان سے مجھے ایسی نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں جن سے اس کی بہت سی مخلوق محروم ہے، اس صورت میں تمہیں صبر وشکر کا مقام حاصل ہوگا، اور تمہارا نام صابر وشاکر حضرات کی فہرست میں درج کردیا جائے گا۔

اس کے برعکس اگر دِین کے معاملے میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھو گے تو اس سے دو قباحتیں جنم لیں گی، ایک تو یہ کہ تم اپنی دِینی حالت پر قناعت کر کے بیٹھ جاؤ گے، تمہارے دِل میں ترقی اور بلندی کا ولولہ ہی پیدا نہ ہوگا، جس سے تمہاری دِینی ترقی رُک جائے گی، اور کسی کی ترقی کا رُک جانا بجائے خود تنزل ہے۔ ایک دُکان دار کا سرمایہ اگر دس ہزار ہو، اور دس سال گزرنے پر بھی دس کا دس ہی رہے تو گویا اس نے اپنی زندگی کے دس سال ضائع کر دیئے، باوجودیکہ دس سال میں اسے خسارا نہیں ہوا، لیکن دس سال کے عرصے میں اس کے سرمائے میں ترقی نہ ہونا بھی تو خسارا ہے۔ اور اس سے دُوسری قباحت یہ جنم لے گی کہ جب اپنے نیچے والوں کو دیکھو گے تو اپنے اعمال پر تم کو غرّہ ہوگا اور آدمی کا اپنے نیک اعمال پر نظر کرنا اور ان سے مغرور ہونا بجائے خود مہلک چیز ہے۔

اور اگر دُنیا کے معاملے میں اپنے سے اُوپر والوں کو دیکھو گے تو اس سے بھی دو قباحتیں جنم لیں گی، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تمہیں عطا فرما رکھی ہیں وہ تمہاری نظر میں نہیں جچیں گی، بلکہ اُوپر والوں کو دیکھ کر تم ان نعمتوں کی تحقیر اور ناشکری کرو گے، تمہیں ان اِنعاماتِ اِلٰہیہ پر کبھی شکر کی توفیق نہیں ہوگی، اور تمہارا نام اللہ تعالیٰ کے یہاں ناشکروں کی فہرست میں لکھ دیا جائے گا۔ دُوسری قباحت یہ کہ تمہیں کبھی راحت و اطمینان کی کیفیت نصیب نہیں ہوگی، بلکہ دُوسروں کی اچھی حالت دیکھ کر ہمیشہ تمہاری رال ٹپکتی رہے گی، اگر تم زبان سے اللہ تعالیٰ کی شکایت نہ بھی کرو تب بھی دِل میں تو شکایت کا مضمون ضرور پیدا ہوگا کہ: ”ہائے! فلاں چیز اللہ تعالیٰ نے فلاں کو تو دی ہے، مگر مجھے نہیں دی“ یہ بے صبری اور قلبی پریشانی کی وہ کیفیت ہے جس کی وجہ سے تمہارا نام کبھی صابرین کی فہرست میں نہیں لکھا جا سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی اُمّت پر ماں سے زیادہ شفیق ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو ایسی تدبیر بتادی جس کے ذریعے انہیں دُنیا میں راحت و سکون بھی حاصل ہو، آخرت کے درجاتِ عالیہ بھی میسر آئیں، اور ان کا نام صابرین و شاکرین میں بھی لکھا جائے، اس شفقت و عنایت کا کیا ٹھکانا ہے...!

فَجَزَى اللهُ عَنَّا سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا هوَ أهلُه

غیبت و حضور

[حدیث: ۳۷۱] ”عَنْ حَنْظَلَةَ الْأُسَيِّدِيِّ وَكَانَ مِنْ كُتَّابِ رسول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ مَرَّ بِأَبِيْ بَكْرٍ وَهُوَ يَبْكِيْ فَقَالَ: مَالَكَ يَا حَنْظَلَةُ! قَالَ: نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا أَبَا بَكْرٍ! نَكُوْنُ عِنْدَ رسول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ، فَإِذَا رَجَعْنَا عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالضَّيْعَةَ وَنَسِيْنَا كَثِيْرًا۔

قَالَ: فَوَاللهِ! إِنَّا كَذٰلِكَ، انْطَلِقْ بِنَا إِلٰى رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَانْطَلَقْنَا فَلَمَّا رَاٰهُ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا لَكَ يَا حَنْظَلَةُ! قَالَ: نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ الله! نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ حَتّٰى كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ، فَإِذَا رَجَعْنَا عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالضَّيْعَةَ وَنَسِيْنَا كَثِيْرًا۔ قَالَ: فَقَالَ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلَى الْحَالِ الَّذِيْ تَقُوْمُوْنَ بِهَا مِنْ عِنْدِيْ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ فِيْ مَجَالِسِكُمْ وَعَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ، وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ! سَاعَةً وَّسَاعَةً۔ قَالَ أَبُوْ عِيْسٰى: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔"

(رواه الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۴۰)

ترجمہ: ''حضرت ابوعثمان حضرت حنظلہ اُسیدی رضی اللہ عنہ سے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے، روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی حضرت حنظلہ بن ربیع اُسیدی رضی اللہ عنہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے روتے ہوئے گزرے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ: حنظلہ! کیا بات ہے؟ (کیوں روتے ہو؟) انہوں نے کہا: حنظلہ تو منافق ہوگیا! (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا خیر کرے! تم منافق کیسے ہوگئے؟ کہنے لگے:) ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں، آپ ہمارے سامنے دوزخ و جنّت کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم ان چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر جب وہاں سے واپس آکر بیوی بچوں میں اور اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں تو (وہ کیفیت باقی نہیں رہتی، بلکہ) ہم بہت سی باتوں کو بھول جاتے ہیں (اور ایک گونہ غفلت کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: بخدا! یہ صورت تو ہمیں بھی پیش آتی ہے، چلئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلتے ہیں (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اپنی حالت پیش کرتے ہیں)۔ چنانچہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (روتے ہوئے) دیکھا تو فرمایا: حنظلہ! کیا بات ہوئی؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہوگیا، ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں، آپ ہمارے سامنے دوزخ و جنّت کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم ان چیزوں کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر جب اپنے گھروں میں لوٹتے ہیں، بیوی بچوں میں اور اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں تو (وہ کیفیت نہیں رہتی جو آپ کی مجلس میں ہوتی ہے،

بلکہ) ہم بہت سی باتوں کو بھول جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اسی حالت پر رہا کرو، جس حالت میں تم میرے پاس سے اُٹھتے ہو تو فرشتے تمہاری مجلسوں میں، تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کیا کریں، لیکن اے حنظلہ! (اس حالت و کیفیت کا ہمیشہ رہنا ممکن نہیں، بلکہ) کسی وقت وہ حالت ہوتی ہے، اور کسی وقت دُوسری حالت۔“

تشریح: آدمی کی قلبی کیفیات ہمیشہ یکساں نہیں رہتیں، کبھی ”حضور“ ہوتا ہے اور کبھی ”غیبت“، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ کیمیا اثر میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حاضر ہوتے تھے تو صحبتِ نبوی کی برکت و فیضان کی وجہ سے ”حضور مع اللہ“ کی ایسی کیفیت ہوتی تھی گویا جنّت و دوزخ آنکھوں کے سامنے ہیں، دُنیا سے بے رغبتی، آخرت کا اِستحضار، جنّت کا شوق اور دوزخ سے خوف علیٰ وجہ الکمال ہوتا تھا۔ وہاں سے اُٹھ کر جب اپنے گھر بار اور کاروبار میں مشغول ہوتے تو یہ کیفیت مستور ہوجاتی اور ایک گونہ غفلت اور غیبت کی کیفیت رُونما ہوجاتی، جو ایک فطری اور طبعی اَمر ہے، لیکن غایتِ ورع و تقویٰ کی بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اندیشہ ہوا کہ ”غیبت“ کی یہ حالت کہیں مذموم نہ ہو، اس لئے اس کو نفاق سے تعبیر کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوابِ باصواب میں ان کو دو اُمور کی طرف متوجہ فرمایا، ایک یہ کہ ”حضور مع اللہ“ کی وہ کیفیت جو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں میسر آتی ہے، اگر ہمیشہ رہا کرے تو ان کا بشریت سے ملکیت کی طرف ایسا انجذاب ہوجائے کہ فرشتے ان سے عیاناً و دواماً مصافحہ کیا کریں۔

دوم یہ کہ ”دوامِ حضور“ کی یہ کیفیت اگرچہ بہت ہی اُونچی کیفیت ہے، لیکن انسان کے ساتھ بشری عوارض بھی لگے ہوئے ہیں، اور اس کے لئے بشری حقوق کا ادا کرنا بھی ناگزیر ہے، ”دوامِ حضور“ کی کیفیت کے ساتھ ان حقوق کا ادا کرنا مشکل ہے، اس لئے ایک گونہ غفلت و غیبت کا ہونا بھی حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت ہے۔ پس کبھی ”حضور“ کی کیفیت ہونی چاہئے تاکہ اپنے خالق و مالک کے حقوق ادا کئے جائیں، اور کبھی ”غیبت“ کی کیفیت ہونی چاہئے کہ اپنے اور دُوسرے بندوں کے بشری حقوق ادا کئے جاسکیں۔ اس لئے ”غیبت“ کی یہ کیفیت، کمال کے منافی نہیں، بلکہ عین کمال اور عین رحمت ہے۔

مشتبہ چیزوں کا ترک کرنا تقویٰ ہے

[حدیث:۳۷۲] ”عَنْ أَبِی الْحَوْرَاءِ السَّعْدِیِّ قَالَ: قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ: مَا حَفِظْتَ مِنْ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: دَعْ مَا یَرِیْبُکَ إِلٰی مَا لَا یَرِیْبُکَ، فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِیْنَةٌ،

وَإِنَّ الْكَذِبَ رِيْبَةٌ۔ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۴۳)

ترجمہ: "ابوالحوراء السعدی کہتے ہیں: میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ: آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی بات یاد ہے (جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو؟) فرمایا: مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد ہے: جو چیز تم کو تردّد میں ڈالے اس کو چھوڑ کر وہ صورت اختیار کرو جس میں کوئی کھٹکا اور دغدغہ نہیں، کیونکہ سچائی سکون واطمینان کی چیز ہے، اور جھوٹ کھٹکے اور تردّد کی چیز ہے۔"

تشریح: اس حدیث پاک میں اُمّت کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ ہر وہ کام جس میں شبہ ہو کہ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کی وجہ سے دِل میں خلجان اور کھٹک ہو اس کو چھوڑ کر وہ پہلو اِختیار کیا جائے جس میں کوئی خلجان اور کھٹک نہ ہو۔ ایسی چیزیں جن کے صحیح یا غلط اور جائز یا ناجائز ہونے میں کھٹک اور خلجان ہو وہ "مشتبہ" کہلاتی ہیں، اور ایسی مشتبہ چیزوں سے آدمی جس قدر پرہیز کرے اسی قدر اس کو ورع وتقویٰ کا مقام نصیب ہوگا!

اور یہ جو فرمایا کہ: "سچائی سکون واطمینان کی چیز ہے اور جھوٹ کھٹکے اور تردّد کی چیز ہے" اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر کہنے والے کے کہنے اور ہر فتویٰ دینے والے کے فتویٰ پر عمل نہ کیا جائے۔ جس بات کے سننے کے بعد مؤمن کے قلب میں اطمینان وسکون کی کیفیت پیدا ہوجائے یہ علامت ہے اس کے صدق کی، اور جس بات اور فتویٰ کے بعد بھی دِل کا خلجان اور تردّد دُور نہ ہو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ قول اور فتویٰ غلط ہے، لائقِ عمل نہیں، اس پر عمل درآمد سے پرہیز کرنا ورع وتقویٰ ہے۔

[حدیث: ۳۷۳] "عَنْ جَابِرٍ قَالَ: ذُكِرَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعِبَادَةٍ وَّاجْتِهَادٍ، وَذُكِرَ اٰخَرُ بِرِعَةٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَعْدِلُ بِالرِّعَةِ۔"

(رواہ الترمذی فی صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۴۴)

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کی عبادت اور محنت کا ذکر کیا گیا (کہ وہ بہت ہی عبادت گزار ہے، اور عبادت میں بہت محنت کرتا ہے)، اور دُوسرے شخص کا پرہیزگاری کے ساتھ ذکر کیا گیا (کہ وہ عبادت میں تو پہلے شخص جیسی محنت نہیں کرتا، لیکن پرہیزگاری میں اس سے فائق ہے)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: پرہیزگاری کی برابری نہیں ہوسکتی۔"

تشریح: "وَرَع" کا مفہوم اُوپر کی حدیث میں عرض کرچکا ہوں، یعنی نہ صرف ناجائز چیزوں سے

پرہیز کرنا بلکہ مشتبہ اور کھٹک والی چیزوں سے بھی احتراز کرنا۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وَرَع اور پرہیز گاری کا مقام سب اُمورِ خیر سے بلند ہے، پرہیز گاری کے برابر کوئی چیز نہیں۔

[حدیث: ۳۷۴] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قال رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّم: مَنْ أَکَلَ طَیِّبًا، وَعَمِلَ فِی سُنَّةٍ، وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ، دَخَلَ الْجَنَّةَ! فَقَالَ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللہِ! إِنَّ هٰذَا الْیَوْمَ فِی النَّاسِ لَکَثِیْرٌ، قَالَ: وَسَیَکُوْنُ فِیْ قُرُوْنٍ بَعْدِیْ۔“

(رواه الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۴۵)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پاک کھانا کھایا، اور سنّت کے مطابق عمل کیا، اور لوگ اس کے شر اور اِیذاؤں سے محفوظ رہے، وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بات تو آج لوگوں میں بہت ہے۔ فرمایا: میرے بعد بھی کئی زمانوں تک رہے گی۔“

تشریح: حلال کھانا، سنّت پر عمل کرنا اور لوگوں کو اپنی اِیذاؤں سے بچانا، یہ تین عمل ایسے ہیں کہ گویا پورا دِین ان میں سمٹ آتا ہے، کسی کو اللہ تعالیٰ ان اُمور کی توفیق عطا فرمادیں تو اس کے جنتی ہونے میں کیا شبہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جنّت کی بشارت دے رہے ہیں۔

[حدیث: ۳۷۵] ”عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ الْجُهَنِیِّ عَنْ أَبِیْهِ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ وَأَحَبَّ لِلّٰہِ وَأَبْغَضَ لِلّٰہِ وَأَنْکَحَ لِلّٰہِ، فَقَدِ اسْتَکْمَلَ إِیْمَانَهُ! هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔“

(رواه الترمذی فی صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث: ۲۴۴۶)

ترجمہ: ”حضرت معاذ الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر دیا، اور اللہ تعالیٰ کی خاطر روکا، اللہ تعالیٰ کی خاطر محبّت کی، اور اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض رکھا، اور اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر رشتہ دیا، اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا۔“

تشریح: مطلب یہ کہ اس کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تھے، کسی کو کچھ دیا تو محض اللہ تعالیٰ کے لئے، نہ دیا تو بھی اللہ تعالیٰ کے لئے، کسی سے محبّت رکھی تو محض اللہ تعالیٰ کے لئے، اور کسی سے بغض رکھا تو بھی اللہ تعالیٰ کے لئے، حتیٰ کہ کسی کو رِشتہ دیا تو وہ بھی محض رضائے اِلٰہی کے لئے، ایسے شخص کا ایمان کامل ہے کہ اس میں للّٰہیت ہی للّٰہیت ہے، اس کا کوئی کام بھی ہوائے نفس اور کسی ذاتی و دُنیوی مفاد کے لئے نہیں۔

کتابُ الأخلاق

اَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ

(بھلائی اور صلہ رحمی)

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

[حدیث:۳۷۶] ”عن بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ ثَنِيْ أَبِيْ عَنْ جَدِّيْ قَالَ: قُلْتُ: يا رسول اللهِ! مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: أُمَّکَ! قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمَّکَ! قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمَّکَ! قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبَاکَ، ثُمَّ الأَقْرَبَ فَالأَقْرَبَ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَا جَاءَ فِي بِرِّ الْوَالِدَيْنِ، حدیث: ۱۸۱۹)

ترجمہ: ”بہز بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے میرے دادا (حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ) سے یہ حدیث بیان کی، انہوں نے (یعنی میرے دادا حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے) فرمایا کہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں سب سے پہلے کس کے ساتھ حسنِ سلوک کروں؟ فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ! میں نے عرض کیا: پھر اس کے بعد؟ فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ! میں نے عرض کیا: پھر اس کے بعد؟ فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ! میں نے عرض کیا: پھر اس کے بعد؟ فرمایا: پھر اپنے باپ کے ساتھ، پھر جو زیادہ قریب ہو، پھر جو زیادہ قریب ہو۔“

تشریح: مطلب یہ کہ آدمی کے حسنِ سلوک اور خدمت کے لئے مستحق سب سے پہلے اس کے

والدین ہیں، اور والدین کے بعد جو شخص رشتے میں جتنا زیادہ قریب ہو وہ علی الترتیب اسی قدر حسنِ سلوک کا زیادہ مستحق ہے۔

عالمِ اَسباب میں آدمی کے وجود کا سبب اس کے والدین ہیں، اور یہاں کی تمام نعمتوں اور قرابتوں کا ذریعہ بھی والدین ہیں، یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی عبادت کے بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳)

ترجمہ: ''اور تیرے رَبّ نے حکم کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

اور اپنے شکر کے ساتھ والدین کا شکریہ ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے:

﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾ (لقمان: ۱۴)

ترجمہ: ''یہ کہ شکر کرو میرا اور اپنے والدین کا۔''

اور اَحادیث میں بھی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید آئی ہے، جن میں سے چند اَحادیث حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ذکر فرمائی ہیں۔

اور والدین میں سے خدمت و حسنِ سلوک کے لحاظ سے والدہ کا اِستحقاق زیادہ ہے، کیونکہ آدمی کے وجود اور اس کی پرورِش میں والدہ کے احسانات بہت زیادہ ہیں، کم و بیش نو مہینے تک والدہ اسے اپنے پیٹ میں اُٹھائے پھری، اور حمل کی مشقتیں برداشت کیں، پھر وضعِ حمل کی تکالیف برداشت کیں، پھر دو سال تک اس نے اپنی چھاتیوں سے اپنا خونِ جگر پلایا، اور پھر بچے کی راحت رسانی کے لئے خود ہر قسم کی تکلیفیں اُٹھائیں، نومولود بچہ اگر کبھی بیمار ہوا تو ساری ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ اگر آدمی غور کرے تو والدہ کے ان عظیم احسانات میں سے کسی ایک کا بدلہ ادا کرنے سے بھی قاصر ہے۔ اور والد کے احسانات بھی اپنی جگہ بہت زیادہ ہیں، مگر والدہ کے احسانات کا عشرِ عشیر بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کرتے ہوئے حق تعالیٰ شانہٗ نے ماں کی ان تکلیفوں اور مشقتوں کو بطورِ خاص ذکر فرمایا جو اس نے والدین کے لئے اُٹھائی ہیں، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ⑭﴾ (لقمان)

ترجمہ: ''اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اُٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دُودھ چھوٹتا ہے،

(چنانچہ ہم نے حکم دیا) کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکرگزاری کیا کر! میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

دُوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۚ﴾ (الاحقاف:۱۵)

ترجمہ: ''اور ہم نے حکم کر دیا انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کا، پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تکلیف سے، اور جنا اس کو تکلیف سے، اور اس کا حمل میں رہنا اور دُودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے۔''

دُوسری وجہ یہ کہ والدہ اپنے مزاج کے اعتبار سے کمزور اور نرم ہوتی ہے، اس پر رُعب اور دبدبے کے بجائے شفقت و محبّت اور جمال کا پہلو غالب رہتا ہے، اس لئے اولاد کے دِل میں ماں کا ڈر نہیں ہوتا، اور عام طور سے بچے والدہ کی زیادہ پروا نہیں کرتے، جبکہ باپ میں رُعب داب اور جلال کا پہلو شفقت و محبّت پر غالب رہتا ہے، بچے عموماً باپ سے ڈرتے ہیں، باپ کے رُعب اور دبدبے کی وجہ سے بچے اس کی فرمانبرداری پر ایک طرح مجبور ہوتے ہیں، اور اس کے سامنے چوں نہیں کرسکتے۔ عاقل، بالغ اور صاحبِ اولاد ہونے کے باوجود باپ کا رُعب آدمی کے دِل پر قائم رہتا ہے، اس لئے باپ کی اطاعت و فرمانبرداری تو اس کے رُعب اور خوف کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے، لیکن ماں کی خدمت و اِطاعت کا منشا صرف شفقت و رأفت اور شرافت و سعادت مندی ہے۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیرِ نظر حدیث میں والدہ کا حق نہ صرف مقدّم رکھا، بلکہ اس کو مکرّر تین بار ارشاد فرمایا تاکہ ماں کی خدمت و اِطاعت کو اعلیٰ ترین نیکی اور خوش بختی تصوّر کیا جائے، اور اسی جذبے سے اس کی خدمت کی جائے، مشہور حدیث ہے:

''اَلْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ'' (جامع صغیر)

ترجمہ: ''جنّت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔''

اسی مضمون کی حدیث نسائی (ج:۲ ص:۵۳)، مستدرک حاکم (ج:۴ ص:۱۵۱) اور مسندِ احمد (ج:۳ ص:۴۲۹) میں ہے:

''عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ اِلَى النَّبِيِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: يَا رسول اللهِ! أَرَدْتُ أَنْ أَغْزُوَ، وَقَدْ جِئْتُكَ أَسْتَشِيْرُكَ، فَقَالَ: هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: فَأَلْزَمْهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا!''

ترجمہ: ''حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان کے والد جاہمہ رضی اللہ عنہ

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہا: یا رسول اللہ! میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں اور میں آپ سے مشورے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا: تیری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: تو بس اس کی خدمت میں مشغول رہ، کیونکہ جنّت اس کے قدموں کے نیچے ہے!‘‘

تشریح: والدین کے بعد الاقرب فالاقرب کے اُصول سے تمام اہلِ قرابت سے حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کا حکم ہے، اور جن لوگوں سے قرابت کا تعلق جتنا قوی ہوگا وہ اسی قدر زیادہ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کا مستحق ہوگا، اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو تمام اہلِ قرابت سے تعلق بھی والدین ہی کے ذریعے ہے، گویا اہلِ قرابت سے حسنِ سلوک بھی والدین سے حسنِ سلوک ہی کی فرع ہے۔

کون سا عمل سب سے افضل ہے؟

[حدیث:۳۷۷] ’’عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: سَأَلْتُ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رسول اللهِ! أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلصَّلَاةُ لِمِيقَاتِهَا! قُلْتُ: ثُمَّ مَاذَا يَا رسول اللهِ؟ قَالَ: بِرُّ الْوَالِدَيْنِ! قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَاذَا يَا رسول اللهِ؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ! ثُمَّ سَكَتَ عَنِّي رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهٗ لَزَادَنِيْ۔‘‘

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَا جَاءَ فِي بِرِّ الْوَالِدَيْنِ، حدیث:۱۸۲۰)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: یا رسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا: نماز اپنے وقت پر اَدا کرنا! میں نے عرض کیا: پھر اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا! پھر (چونکہ میں نے سوال آگے نہیں کیا اس لئے) آنحضرت ﷺ نے (بھی) خاموشی اختیار فرمائی، اور اگر میں آپ ﷺ سے مزید سوال کرتا تو آپ ﷺ مزید ارشاد فرماتے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں تین اعمال کو علی الترتیب سب سے افضل فرمایا۔ اس قسم کے سوال آنحضرت ﷺ سے متعدّد موقعوں پر کئے گئے، اور آپ ﷺ نے مختلف جواب ارشاد فرمائے، اب یا تو یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ نے ہر سائل کے حسبِ حال جواب دیا، یعنی جس کے حق میں جو چیز افضل تھی اس کو ذکر

فرما دیا، یا یہ کہا جائے کہ افضل اعمال کا ایک مجموعہ ہے، اس میں سے بعض مواقع پر بعض چیزیں ارشاد فرمائیں، اور دُوسرے موقع پر دُوسری چیزیں۔

والدین کی رضامندی جنّت کی ضمانت

[حدیث:۳۷۸] ”عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ أَنَّ رَجُلًا أَتَاهُ فَقَالَ: إِنَّ لِی امْرَأَةً وَإِنَّ أُمِّیْ تَأْمُرُنِی بِطَلَاقِهَا، فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: سَمِعْتُ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ أَوِ احْفَظْهُ! قَالَ: رُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ إِنَّ أُمِّیْ، وَرُبَّمَا قَالَ أَبِیْ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَا جَاءَ من الفضلِ، حدیث: ۱۸۲۱)

ترجمہ: ”ایک شخص حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: میری ایک بیوی ہے اور میری ماں اسے طلاق دینے کا حکم کرتی ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: باپ جنّت کا بہترین دروازہ ہے، اب تمہاری مرضی ہے کہ اس دروازے کو ضائع کردو یا اس کو محفوظ رکھو!“

تشریح: اگر بیوی کا قصور نہ ہو تو والدین کے کہنے پر اس کو طلاق دینا ضروری نہیں، اسی طرح اگر بچوں کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہو، یا خود گناہ میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ ہو تو طلاق نہ دے، البتہ والدین کو کسی تدبیر سے راضی کرنے کی کوشش کرے۔ اس مسئلے کی تحقیق ”بہشتی گوہر“ کے ضمیمے میں ”تعدیل حقوقِ والدین“ کے عنوان سے حضرت حکیم الاُمّت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے، اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔

[حدیث: ۳۷۹] ”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَا جَاءَ من الفضلِ، حدیث: ۱۸۲۲)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔“

تشریح: یہ اس صورت میں ہے کہ والد کی ناراضی کسی صحیح اور معقول وجہ کی بنا پر ہو، اور اگر باپ

بغیر کسی معقول وجہ کے اولاد سے ناراض رہتا ہے تو وہ خود گناہگار ہوگا، اور اگر والدین اولاد کی دِین داری سے ناراض ہوں، مثلاً: داڑھی منڈانے کا حکم دیں تو گناہگار سے بڑھ کر کفر کا اندیشہ ہے، لیکن اولاد کو چاہیے کہ والدین خواہ کیسے ہی گناہگار ہوں، ان کی بے ادبی و گستاخی نہ کرے، لیکن خلافِ شرع کاموں میں ان کا حکم نہ مانے۔

والدین کی نافرمانی کا وبال

[حدیث: ۳۸۰] ”عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِیْ بَکْرَةَ عَنْ أَبِیْهِ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُحَدِّثُکُمْ بِأَکْبَرِ الْکَبَائِرِ؟ قَالُوْا: بَلٰی یَا رسول اللهِ! قَالَ: الْإِشْرَاکُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَیْنِ! قَالَ: وَجَلَسَ وَکَانَ مُتَّکِئًا قَالَ: وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ أَوْ قَوْلُ الزُّوْرِ۔ فَمَا زَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُهَا حَتّٰی قُلْنَا لَیْتَهٗ سَکَتَ!“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَا جَاءَ فی عقوق الوالدین، حدیث: ۱۸۲۳)

ترجمہ: ”حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تمہیں نہ بتاؤں کہ سب سے بڑے گناہ کون سے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور یا رسول اللہ! فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا: جھوٹی گواہی دینا، یا فرمایا: جھوٹی بات کہنا۔ پس اس کو بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے تمنا کی کہ کاش! آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوجاتے۔“

تشریح: اس کو بار بار فرمانا اس کی قباحت کو ذہن نشین کرنے کے لئے تھا، عدل و انصاف کا مدار سچی گواہی پر ہے، اور جب جھوٹی گواہی کا رواج چل نکلے تو عدل و انصاف کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ پھر جھوٹی گواہی میں اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی بے حرمتی بھی ہے اور بندے کی حق تلفی بھی، گویا جھوٹی گواہی سے اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی حرمت بھی پامال ہوتی ہے اور بندے کا حق بھی غصب کیا جاتا ہے، اس لئے اس کو سب سے بڑے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا۔

[حدیث: ۳۸۱] ”عَنْ عبد اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مِنَ الْکَبَائِرِ أَنْ یَّشْتِمَ الرَّجُلُ وَالِدَیْهِ! قَالُوْا: یَا رسول اللهِ! وَهَلْ یَشْتِمُ

الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ! يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَشْتِمُ أُمَّهُ فَيَشْتِمُ أُمَّهُ۔"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَا جَافی عقوق الوالدین، حدیث: ۱۸۲۴)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: من جملہ کبیرہ گناہوں کے یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا کوئی آدمی اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں! (اس کی صورت یہ ہے کہ) یہ کسی کے باپ کو گالی دے اور وہ جواب میں اس کے باپ کو گالی دے، یہ کسی کی ماں کو گالی دے اور وہ لوٹ کر اس کی ماں کو گالی دے۔''

تشریح: اپنے والدین کو خود گالی دینا تو کسی ایسے شخص کے لئے جس میں انسانیت کی رمق ہو، گویا ممکن ہی نہیں، لیکن کسی کے والدین کو گالی دے کر اس سے اپنے ماں باپ کو گالی دِلوانا بھی ایک طرح اپنے ماں باپ کو خود گالی دینا ہے، یہ دُوسروں کے ماں باپ کو گالی دے گا تو دُوسرے اس کے ماں باپ کو معاف نہیں کریں گے، بلکہ انہیں مغلظات سنائیں گے، چونکہ اپنے ماں باپ کو گالی دِلانے کا ذریعہ یہ خود تھا اس لئے اس کا یہ عمل کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کسی کے والدین کو گالی دینا ناجائز اور حرام ہے، وہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو چیز کسی حرام کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام ہے۔

والد کے دوست کا احترام کرنا

[حدیث: ۳۸۲] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ۔ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِيْ أَسِيْدٍ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی اکرام صدیق الوالد، حدیث: ۱۸۲۵)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی اور حسنِ سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے اہلِ محبّت سے حسنِ سلوک کرے۔''

تشریح: والدین کے اہلِ محبّت سے حسنِ سلوک کرنا دراصل اس تعلق کی پاسداری ہے جو ان لوگوں کو اس کے والدین کے ساتھ تھا، اور اس تعلق کا لحاظ رکھنا والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا ایک شعبہ ہے۔ نیز والدین کے اہلِ محبّت اولاد کے بزرگ شمار ہوتے ہیں، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور ان کے ساتھ ادب

وتعظیم سے پیش آنا بزرگ داشت بھی ہے، جو آدمی کی سعادت مندی کی دلیل ہے۔

خالہ کے ساتھ حسنِ سلوک

[حدیث: ۳۸۳] ''عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ! وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ، هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاءَ فی بر الخالة، حدیث: ۱۸۲۶)

ترجمہ: ''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: خالہ بمنزلہ ماں کے ہے!''

تشریح: یہ طویل حدیث کا ایک جملہ ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرة القضا سے واپس ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کمسن بچّی جو اپنی والدہ کے ساتھ مکہ مکرّمہ میں تھیں، ''یا عمّ! یا عمّ!'' کہتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہولیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کردیا۔ اس بچی کی پرورِش کے بارے میں حضرت علی، حضرت زید اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم کا جھگڑا ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اس بچّی کو میں نے اُٹھایا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، اس لئے پرورِش کا حق مجھے حاصل ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: یہ میرے بھائی کی بچّی ہے (کیونکہ مدینہ طیبہ میں آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات قائم کردی تھی)۔ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے عقد میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''خالہ بمنزلہ ماں کے ہے!'' لہٰذا اس بچی کی پرورِش کا حق اس کی خالہ کو حاصل ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بچّے کی پرورِش میں (نانی کے بعد) خالہ کا حق سب سے مقدّم ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حسنِ سلوک میں والدہ کے اعزّہ واقارب والد کے اعزّہ واقارب سے مقدّم ہیں۔

[حدیث: ۳۸۴] ''عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رسول اللهِ! إِنِّي أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيمًا، فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ: هَلْ لَکَ مِنْ أُمٍّ؟ قَالَ: لَا! قَالَ: هَلْ لَکَ مِنْ خَالَةٍ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: فَبِرَّهَا۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاءَ فی بر الخالة، حدیث: ۱۸۲۷)

ترجمہ: ''حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ایک بڑے گناہ کا اِرتکاب کیا ہے، کیا میری توبہ کی کوئی صورت ہے؟ فرمایا: کیا تیری ماں (زندہ) ہے؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: کیا تیری کوئی خالہ ہے؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: اس سے حسنِ سلوک کر!''

تشریح: ان صاحب کا یہ کہنا کہ میں نے ایک بڑے گناہ کا اِرتکاب کیا ہے، ممکن ہے کہ واقعی کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہوگیا ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ کسی صغیرہ گناہ کو اپنے صفائے باطن کی بنا پر ''بڑا گناہ'' سمجھ رہے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو خالہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم فرمایا، اس میں دو اِحتمال ہیں، ایک یہ کہ یہ بات بطورِ خاص انہی صاحب سے متعلق ہو، دوم یہ کہ سب کو عام ہو۔ اس دُوسری صورت میں اس حدیث سے یہ استدلال کرنا صحیح ہوگا کہ والدہ اور خالہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا گناہوں کا کفارہ ہے۔

والدین کی بددُعا

[حدیث:۳۸۵] ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللہِ صلی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُّسْتَجَابَاتٌ لَّا شَکَّ فِیْهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰی وَلَدِهٖ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی دعاء الوالدین، حدیث: ۱۸۲۹)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین دُعائیں مقبول ہیں، ان (کی قبولیت) میں شک نہیں: مظلوم کی بددُعا، مسافر کی دُعا اور باپ کی بددُعا بیٹے پر!''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ان تین دُعاؤں کی قبولیت یقینی ہے، مظلوم کی لاچاری و بے بسی کی بنا پر اس کی بددُعا ظالم کے حق میں فوراً سنی جاتی ہے (گو اس کی قبولیت کا ظہور حکمتِ اِلٰہی کے ماتحت کچھ عرصے کے بعد ہو)، اسی طرح مسافر کی غربت و بے کسی کی بنا پر اس کی دُعا قبول کی جاتی ہے، اور باپ کا اپنی اولاد کے حق میں بددُعا کرنا انتہائی مجبوری و بے قراری کی حالت میں ہوسکتا ہے، ورنہ باپ اپنی اولاد کو کبھی بددُعا نہیں دیتا۔ اس حدیث پاک میں اس اَمر پر بھی تنبیہ ہے کہ کسی پر ظلم کرنے، کسی مسافر کو نظرِ حقارت سے دیکھنے اور اس کو اِیذا پہنچانے اور والدین کو ستانے سے ڈرنا چاہئے، ورنہ خدانخواستہ ان لوگوں کے منہ سے بددُعا نکل گئی تو آخرت سے پہلے دُنیا بھی برباد ہوجائے گی۔ نیز اس پر بھی تنبیہ ہے کہ کسی کو بددُعا دینے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے، خصوصاً والدین کو اولاد کے حق میں بددُعا کرنے سے بچنا چاہئے، ورنہ اولاد کا مستقبل تباہ ہوگا تو اس سے خود والدین کو بھی تکلیف ہوگی۔

اولاد کے ذمے والدین کے حقوق

[حدیث: ۳۸۶] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰهِ صلی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا یَجْزِیْ وَلَدٌ وَّالِدًا إِلَّا أَنْ یَّجِدَهٗ مَمْلُوْكًا فَیَشْتَرِیَهٗ فَیُعْتِقَهٗ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی حق الوالدین، حدیث: ۱۸۳۰)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بیٹا اپنے باپ کا بدلہ نہیں دے سکتا، اِلَّا یہ کہ اس کو غلام پائے تو خرید کر آزاد کر دے۔“

تشریح: حق تعالیٰ شانہٗ نے آدمی کے عدم سے وجود میں آنے، اور یہاں آکر پھلنے پھولنے اور پرورِش پانے کا ذریعہ والدین کو بنایا، ظاہر ہے کہ آدمی کا وجود نہ ہوتا، یا اس کی پرورِش نہ ہوتی تو باقی کمالات اور نعمتیں اس کو کہاں سے میسر آتیں؟ اس لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے والدین کا بڑا درجہ رکھا ہے، اور اپنی عبادت کے بعد والدین کی خدمت و اِطاعت، ان سے شفقت و محبّت اور ان کے سامنے فروتنی اور تواضع اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے، اور اولاد کو ایسی دُعا سکھائی ہے جو ان کو ان کی اصلی حالت کی یاد دِلاتی رہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ ۭ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴)

ترجمہ: ”اور حکم کر چکا تیرا ربّ کہ نہ پوجو اس کے سوائے اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں، تو نہ کہہ ان کو ”ہوں“ اور نہ جھڑک ان کو، اور کہہ ان سے بات ادب کی، اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر نیازمندی سے، اور کہہ: اے ربّ! ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔“ (ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

اس حدیث پاک میں اولاد کو تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ خواہ وہ والدین کی کیسی ہی خدمت و اِطاعت کریں، مگر والدین کا حق اتنا زیادہ ہے کہ وہ اس کے ادا کرنے سے قاصر ہے۔ البتہ اگر کسی کا باپ غلام ہو اور بیٹا اسے خرید کر آزاد کر دے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے والد کا حق ادا کر دیا ہے۔

مسئلہ:... اگر باپ کسی کا غلام تھا اور بیٹے نے اسے خرید لیا تو خریدتے ہی خودبخود آزاد ہو جائے گا،

اسی طرح اگر بیٹا غلام تھا اور باپ نے اسے خرید لیا تو وہ بھی خریدنے کے ساتھ ہی خود بخود آزاد ہو جائے گا، یہی حکم تمام محرَم رشتہ داروں کا ہے۔

قطع رحمی کا وبال

[حدیث: ۳۸۸] ”عَنْ أَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ: اشْتَکٰی أَبُو الدَّرْدَاءِ اللَّیْثِیُّ فَعَادَهٗ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فَقَالَ: خَیْرُهُمْ وَأَوْصَلُهُمْ مَا عَلِمْتُ أَبَا مُحَمَّدٍ، فَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ: سَمِعْتُ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی: أَنَا اللّٰهُ! وَأَنَا الرَّحْمٰنُ! خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنِ اسْمِیْ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ! وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهٗ!“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی قطیعة الرحم، حدیث: ۱۸۳۱)

ترجمہ: ”حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں: میں اللہ ہوں! میں رحمٰن ہوں! میں نے رحم کو پیدا کیا ہے، اور میں نے اپنے نام سے اس کا نام نکالا ہے، پس جس نے اس کو ملایا میں اس کو ملاؤں گا! اور جس نے اس کو کاٹا میں اس کو کاٹ دُوں گا!“

تشریح: ”رحم“ رشتے ناطے کو کہتے ہیں، اور عربی اِشتقاق کے لحاظ سے ”رحمٰن“ اور ”رحم“ کا مادّہ (یعنی حروفِ اصلیہ: ر، ح، م) ایک ہے۔ اس لئے فرمایا کہ: ”میں نے رحم کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔“ رشتے کو ملانے سے مراد ہے رشتہ داری کے حقوق ادا کرنا، اور رشتہ کاٹنے سے مراد ہے رشتہ داروں سے قطعِ تعلق کرلینا، پس اس حدیث پاک کے مطابق جو شخص رشتہ داروں سے رشتہ جوڑتا ہے اور ان کے حقوق ادا کرتا ہے، وہ رحمتِ خداوندی کا مستحق ہے، اور جو شخص قطع رحمی کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اسے اپنی رحمت سے کاٹ دیتے ہیں۔

صلہ رحمی کا بیان

[حدیث: ۳۸۹] ”عَنْ عبد اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیْءِ وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ إِذَا انْقَطَعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا!“

(رواہ الترمذی: فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی صلة الرحم، حدیث: ۱۸۳۲)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلہ

رحمی کرنے والا وہ نہیں جو (اِحسان کا) بدلہ اُتارے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ رشتہ جوڑے۔‘‘

تشریح: مطلب یہ کہ جو شخص رشتہ داروں کے حسنِ سلوک کا بدلہ اُتارے وہ صلہ رحمی میں کامل نہیں، بلکہ صلہ رحمی میں کامل وہ شخص ہے کہ اگر رشتہ دار اس سے قطع تعلق کریں اور اس کے حقوقِ رشتہ داری کا پاس نہ کریں، یہ اس وقت بھی ان کے حقوق بجالائے اور ان کی قطع رحمی کا جواب قطع رحمی کے ساتھ نہ دے۔

قطع رحمی کرنے والا جنّت میں داخل نہیں ہوگا

[حدیث: ۳۹۰] ’’عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِیْهِ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ! قَالَ ابْنُ أَبِیْ عُمَرَ: قَالَ سُفْیَانُ: یَعْنِی قَاطِعَ رَحِمٍ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔‘‘

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی صلة الرحم، حدیث: ۱۸۳۳)

ترجمہ: ’’حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قطع رحمی کرنے والا جنّت میں داخل نہ ہوگا۔‘‘

تشریح: قطع رحمی گناہِ کبیرہ ہے، اگر کوئی شخص قطع رحمی کو حلال سمجھ کر قطع رحمی کرتا ہے وہ تو مسلمان ہی نہیں، اور جو شخص اس کو گناہ سمجھتا ہے اس کے باوجود اس کا مرتکب ہے وہ گناہگار ہے، پہلی صورت میں (جبکہ قطع رحمی کو حلال جانتا ہو) جنّت سے یکسر محروم رہے گا، اور دُوسری صورت میں (جبکہ اس کو گناہ سمجھتا ہو) اوّلِ وہلہ میں جنّت میں داخل نہیں ہوگا، بلکہ اپنے گناہ کی سزا بھگتنے کے بعد جنّت میں جائے گا۔ تمام کبیرہ گناہوں کا یہی حکم ہے، اِلَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے کسی کے تمام گناہوں کو معاف فرمادیں۔

اولاد کی محبت

[حدیث: ۳۹۱] ’’سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِیْزِ یَقُوْلُ: زَعَمَتِ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ خَوْلَةُ بِنْتُ حَکِیْمٍ قَالَتْ: خَرَجَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ وَهُوَ مُحْتَضِنٌ أَحَدَ ابْنَیْ ابْنَتِهٖ وَهُوَ یَقُوْلُ: إِنَّکُمْ لَتُبَخِّلُوْنَ وَتُجَبِّنُوْنَ وَتُجَهِّلُوْنَ، وَإِنَّکُمْ لَمِنْ رَیْحَانِ اللهِ!‘‘

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی حب الولد، حدیث: ۱۸۳۴)

ترجمہ: ’’حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے باہر) تشریف لائے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی (حضرت فاطمہ

الزہراء رضی اللہ عنہا) کے دو صاحبزادوں میں سے ایک کو گود میں اُٹھائے ہوئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ: بے شک تم بخل پر، بزدلی پر اور جہل پر آمادہ کرتے ہو، اور بے شک تم اللہ تعالیٰ کے پھولوں میں سے ہو۔‘‘

تشریح: مطلب یہ کہ آدمی اپنی اولاد کے خیال سے کبھی بخل کرتا ہے، کبھی جہاد پر جانے سے ہچکچاتا ہے، اور کبھی علم کی مجالس میں حاضر ہونے میں کوتاہی کرتا ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ: ’’تم اللہ کے پھول ہو‘‘ یہ بطور تشبیہ کے فرمایا، یعنی جس طرح پھول خوشنما معلوم ہوتے ہیں، ان کو سونگھا جاتا ہے اور طبیعت کو ان کی طرف کشش ہوتی ہے، اسی طرح بچے بھی بھلے معلوم ہوتے ہیں اور ان کو سونگھا اور چُوما جاتا ہے۔

اولاد پر شفقت کرنا

[حدیث: ۳۹۲] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: أَبْصَرَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ النَّبِیَّ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یُقَبِّلُ الْحَسَنَ، وَقَالَ ابْنُ أَبِیْ عُمَرَ: اَلْحَسَنَ أَوِ الْحُسَیْنَ، فَقَالَ: إِنَّ لِیْ مِنَ الْوَلَدِ عَشَرَةً مَا قَبَّلْتُ أَحَدًا مِنْهُمْ! فَقَالَ رسول اللهِ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَمَ: إِنَّهٗ مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ!‘‘

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب مَاجاء فی رحمة الولد، حدیث: ۱۸۳۵)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اَقرع بن حابس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو (ایک اور روایت میں ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما میں سے ایک کو) چُوم رہے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ: میرے تو دس بیٹے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو کبھی نہیں چُوما! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا کہ: جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا!‘‘

تشریح: یعنی اولاد کو چُومنا، ان سے پیار کرنا اور ان پر شفقت کرنا یہ رحمت کا شعبہ ہے، جس کے دِل میں رحمت وشفقت ہوگی اسی پر حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت ہوگی۔

بچیوں پر خرچ کرنے کی فضیلت

[حدیث: ۳۹۳] ’’عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ کَانَ لَهٗ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ أَوْ اِبْنَتَانِ أَوْ أُخْتَانِ فَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَاتَّقَی اللهَ فِیْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ!‘‘

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب مَاجاء فی النفقة علی البنات، حدیث: ۱۸۳۶)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں، یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں، پس وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کرے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، اس کے لئے جنّت ہے!“

[حدیث:۳۹۴] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ أَنَّ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَکُوْنُ لِأَحَدِکُمْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ فَیُحْسِنُ إِلَیْهِنَّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی النفقۃ علی البنات، حدیث:۱۸۳۷)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کسی کے ہاں تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں کہ وہ ان سے حسنِ سلوک کا برتاؤ کرے، تو ضرور جنّت میں داخل ہوگا۔“

[حدیث:۳۹۵] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ ابْتُلِیَ بِشَیْءٍ مِنَ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَیْهِنَّ کُنَّ لَهٗ حِجَابًا مِّنَ النَّارِ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی النفقۃ علی البنات، حدیث:۱۸۳۸)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص بیٹیوں میں سے کسی کے ساتھ آزمایا گیا ہو، پس وہ ان پر صبر کرے تو وہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔“

تشریح: نرینہ اولاد کو لوگ دِل سے چاہتے ہیں، اس کی تمنائیں کرتے ہیں، اور اگر کسی کے نرینہ اولاد نہ ہو تو علاج معالجہ کیا جاتا ہے، دُعائیں کرائی جاتی ہیں، تعویذ گنڈے کرائے جاتے ہیں، اور بعض اوقات اس کے لئے دُوسری شادی کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس بچیوں کی پیدائش کو عار اور بار سمجھا جاتا ہے، اور بعض بے وقوف ایسی عورت کو منحوس سمجھتے ہیں جس کے نرینہ اولاد نہ ہو۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں بچیوں کی پروَرِش کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اس سے بڑھ کر کیا برکت ہوگی کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے پیشِ نظر خوش دِلی اور محبّت کے ساتھ بچیوں کی پروَرِش اور ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے، تو وہ اس کے لئے جنّت میں جانے اور دوزخ سے بچنے کا ذریعہ ہوں گی۔

بچیوں کی پرورش کے فضائل

[حدیث:۳۹۶] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَتِ امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا، فَسَأَلَتْ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِی شَیْئًا غَیْرَ تَمْرَةٍ فَأَعْطَیْتُهَا إِیَّاهَا، فَقَسَمَتْهَا بَیْنَ ابْنَتَیْهَا وَلَمْ تَأْکُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ، وَدَخَلَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ ابْتُلِیَ بِشَیْءٍ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ کُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی النفقة علی البنات، حدیث: ۱۸۳۹)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک خاتون میرے پاس آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں تھیں، اس نے مجھ سے سوال کیا، میرے پاس بس ایک ہی کھجور تھی جو میں نے اسے دے دی، اس نے آدھی آدھی کر کے دونوں بچیوں کو دے دی، اس میں سے خود کچھ نہیں کھایا، پھر چلی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے اس خاتون کا قصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان بچیوں میں سے کسی کے ساتھ مبتلا ہو گیا ہو (یعنی اس کے گھر میں ایک یا چند بچیاں ہوں اور وہ رضائے الٰہی کے لئے ان کی پرورش کرے) تو یہ بچیاں اس کے لئے دوزخ سے آڑ ہوں گی۔“

[حدیث:۳۹۷] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ دَخَلْتُ أَنَا وَهُوَ الْجَنَّةَ کَهَاتَیْنِ، وَأَشَارَ بِأُصْبُعَیْهِ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی النفقة علی البنات، حدیث: ۱۸۴۰)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے دو بچیوں کی پرورش کی، میں اور وہ جنّت میں ان دو اُنگلیوں کی طرح داخل ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے دو اُنگلیوں کے ساتھ اشارہ فرمایا۔“

تشریح: عام طور سے لوگوں کو نرینہ اولاد کی خواہش ہوتی ہے، اور بچیوں کے وجود کو ایک بوجھ تصوّر کیا جاتا ہے، اور ان کی پرورش پر پوری توجہ نہیں دی جاتی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچیوں کی پرورش کے فضائل بیان فرمائے ہیں تاکہ محض دُنیا کی زینت اور منفعت کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے، بلکہ رضائے اِلٰہی کے حصول اور ثوابِ آخرت کی خاطر خوش دِلی کے ساتھ ان کی پرورش کی جائے۔

یتیم پر شفقت اور اس کی کفالت کی فضیلت

[حدیث:۳۹۸] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَبَضَ یَتِیْمًا مِنْ بَیْنِ الْمُسْلِمِیْنَ إِلٰی طَعَامِہٖ وَشَرَابِہٖ أَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ الْبَتَّۃَ، إِلَّا أَنْ یَعْمَلَ ذَنْبًا لَا یُغْفَرُ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی رحمۃ الیتیم، حدیث: ۱۸۴۱)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس نے مسلمانوں کے درمیان میں سے کوئی یتیم لے کر اسے اپنے کھانے پینے میں شریک کرلیا، اللہ تعالیٰ اسے یقیناً جنّت میں داخل کریں گے اِلّا یہ کہ کوئی ایسا گناہ کرتا ہو جس کی بخشش نہیں۔“

[حدیث:۳۹۹] ”عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّۃِ کَھَاتَیْنِ، وَأَشَارَ بِأُصْبُعَیْہِ یَعْنِی السَّبَّابَۃَ وَالْوُسْطٰی۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی رحمۃ الیتیم، حدیث: ۱۸۴۲)

ترجمہ: ”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنّت میں ان دو اُنگلیوں کی طرح ہوں گے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو اُنگلیوں یعنی شہادت کی اُنگلی اور درمیانی اُنگلی کی طرف اشارہ فرمایا۔“

تشریح: یتیم پر شفقت و رحمت اور اس کی پرورش کے بے شمار فضائل ہیں اور اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ ایسے شخص کو جنّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت کی بشارت دی گئی ہے۔

یتیم بچہ اپنے والدین کی شفقت و محبّت سے محروم ہوتا ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا، اس لئے تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ان پر اپنے بچوں سے بڑھ کر شفقت کریں تاکہ یتیم بچے کی محرومیوں کا کچھ تدارک ہوجائے۔

بچّوں پر شفقت کا بیان

[حدیث:۴۰۰] ”عَنْ زَرْبِیٍّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یَقُوْلُ: جَاءَ شَیْخٌ یُرِیْدُ النَّبِیَّ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَبْطَأَ الْقَوْمُ عَنْہُ أَنْ یُوَسِّعُوْا لَہٗ، فَقَالَ النَّبِیُّ

صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی رحمۃ الصبیان، حدیث:۱۸۴۳)

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک بوڑھے میاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے آئے تو لوگ ان کو جگہ دینے کے لئے پیچھے ہٹ گئے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم میں سے نہیں وہ شخص جو ہمارے بچّوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے۔"

[حدیث:۴۰۱] "عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ أَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیَعْرِفْ شَرَفَ کَبِیْرِنَا۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی رحمۃ الصبیان، حدیث:۱۸۴۴)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم میں سے نہیں وہ شخص جو ہمارے بچّوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی بزرگی کو نہ پہچانے۔"

[حدیث:۴۰۲] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا، وَیَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی رحمۃ الصبیان، حدیث:۱۸۴۵)

ترجمہ: "حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم میں سے نہیں وہ شخص جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم و توقیر نہ کرے، اور بھلائی کا حکم نہ کرے اور بُرائی سے منع نہ کرے۔"

لوگوں پر رحمت و شفقت کا بیان

[حدیث:۴۰۳] "عن جَرِیرِ بْنِ عبد اللّٰہِ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَّمْ یَرْحَمُ النَّاسَ لَا یَرْحَمُهُ اللّٰہُ"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی رحمۃ الناس، حدیث:۱۸۴۶)

ترجمہ: "حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: جو شخص انسانوں پر رحمت نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر رحمت نہیں فرماتے۔"

تشریح: رحمت، اللہ تعالیٰ شانہٗ کی وہ صفت ہے جس کا فیض پوری کائنات کو پہنچ رہا ہے اور جس طرح حق تعالیٰ شانہٗ تمام مخلوق پر رحمت و عنایت فرما رہے ہیں اسی طرح بندوں کو بھی حکم فرمایا ہے کہ اپنے زیر دستوں پر رحمت و شفقت کریں اور جو شخص اس حکم کی تعمیل نہیں کرتا، وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمتِ خاصہ سے محروم رہتا ہے۔

[حدیث: ۴۰۴] "عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صلی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِیٍّ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَا جاء فی رحمة الناس، حدیث: ۱۸۴۷)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ رحمت کسی بدبخت ہی کے دِل سے نکالی جاتی ہے۔"

تشریح: دِل میں رحمت و شفقت کا ہونا دِل کی نرمی کی علامت ہے، اور دِل کی نرمی ایمان کی علامت ہے، دِل میں رحمت و شفقت کا نہ ہونا دِل میں ایمان نہ ہونے کی علامت ہے، اس لئے جو شخص سنگ دِل واقع ہوا ہو، وہ بدبخت ہے کہ ایمان کی علامت سے محروم ہے۔

[حدیث: ۴۰۵] "عَنْ عبد اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوا مَنْ فِی الْأَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ، الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللّٰہُ، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللّٰہُ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَا جاء فی رحمة الناس، حدیث: ۱۸۴۸)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا، اور رحم کا لفظ "رحمٰن" کے لفظ سے نکلا ہوا ہے، جو شخص اس کو ملائے، اللہ تعالیٰ اس کو ملائیں گے، اور جو شخص اس کو قطع کرے، اللہ تعالیٰ اس کو کاٹ ڈالیں گے۔"

تشریح: "آسمان والے" سے حق تعالیٰ شانہٗ مراد ہیں، اگرچہ حق تعالیٰ شانہٗ جگہ اور مکان سے پاک اور منزّہ ہیں، لیکن تعظیم و اجلال کے لئے آسمان کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے، چنانچہ سورۃ الملک میں ارشاد ہے:

﴿ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ﴾ (الملک:۱۶)

ترجمہ: ”کیا تم نڈر ہو گئے اس ذات سے جو آسمان میں ہے؟“

نصیحت وخیر خواہی کا بیان

[حدیث: ۴۰۶] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ! ثَلَاثَ مِرَارٍ، قَالُوْا: يَا رسول اللّٰهِ! مَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی النصیحۃ، حدیث: ۱۸۵۰)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دُہرا کر فرمایا کہ: دِین اِخلاص وخیر خواہی کا نام ہے! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کس کی خیر خواہی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی، اس کی کتاب کی، مسلمانوں کے حکام کی اور عام مسلمانوں کی۔“

تشریح: ”نصیحت“ عربی زبان میں بڑا جامع لفظ ہے، جس کا ترجمہ اُردو میں کسی مفرد لفظ سے کرنا مشکل ہے، اس کا مفہوم خلوص اور خیر خواہی کے الفاظ سے ادا کیا جاتا ہے، یعنی جس کے ساتھ جو معاملہ ہو، خلوص اور خیر خواہی پر مبنی ہو، اس میں کھوٹ اور ملاوٹ کا شائبہ نہ ہو۔

اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ اِخلاص کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اِیمان لانا، اس سے شرک کی نفی کرنا، اس کی صفات میں کج روی اختیار نہ کرنا، اس کو تمام صفاتِ کمال و جلال کے ساتھ ماننا، اس کو تمام نقائص سے پاک اور منزّہ سمجھنا، اس کی طاعت و بندگی بجالانا، اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنا، کسی سے صرف اس کی خاطر محبّت اور بغض رکھنا، اس کے فرمانبرداروں سے دوستی اور اس کے نافرمانوں سے دُشمنی رکھنا، اس کے ساتھ کفر کرنے والوں کے مقابلے میں جہاد کرنا، اس کی نعمتوں کا اِقرار کرنا اور ان پر شکر بجالانا، تمام اُمور میں اس سے اِخلاص کا معاملہ کرنا، تمام اوصافِ مذکورہ کی دعوت اور ترغیب دینا، اور تمام لوگوں سے ملاطفت کرنا۔

اِمام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص و خیر خواہی کا معاملہ کرنا، درحقیقت خود بندے کا اپنی ذات سے خیر خواہی کرنا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کسی خیر خواہ کی خیر خواہی سے غنی ہیں۔

کتاب اللہ کے ساتھ خلوص و خیر خواہی کا مطلب ہے اس بات پر اِیمان رکھنا کہ یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا نازل فرمودہ کلام ہے، مخلوق کا کوئی کلام اس کے مشابہ نہیں، مخلوق میں کوئی اس کی مثل لانے پر قادر نہیں، قرآنِ کریم کی تعظیم کرنا، خوب اچھی طرح اس کی تلاوت کرنا، تلاوت کے وقت خشوع وخضوع اِختیار کرنا، تلاوت

میں حروف و اَلفاظ کو صحیح صحیح ادا کرنا، تحریف کرنے والوں کی غلط تأویلات اور طعنہ کرنے والوں کے طعن کا جواب دے کر قرآنِ کریم کی مدافعت کرنا، قرآن کے تمام مضامین پر اِیمان رکھنا، اس کے اَحکام کو قبول کرنا، اس کے علوم و امثال کو سمجھنا، اس کے مواعظ سے نصیحت حاصل کرنا، اس کے عجیب مضامین اور پہلوؤں پر غور کرنا، اس کے محکم پر عمل کرنا، اس کے متشابہ کو تسلیم کرنا، اس کے عموم و خصوص اور ناسخ و منسوخ کی تفتیش کرنا، اس کے علوم کا پھیلانا اور اس کی دعوت دینا، عربی زبان و ادب کے توسط سے قرآن کریم کے مزاج تک جا کر سمجھ بوجھ حاصل کرنا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اِخلاص و خیر خواہی کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی رِسالت و نبوّت کی تصدیق کی جائے، اور جو کچھ آپ ﷺ حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے لائے ہیں، آپ ﷺ کی حیات میں بھی اور بعد از وفات بھی آپ ﷺ کی نصرت و مدد کی جائے، آپ ﷺ کے دوستوں سے دوستی اور آپ ﷺ کے دُشمنوں سے دُشمنی رکھی جائے، آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کی جائے، آپ ﷺ کے طریقے و سنّت کو زندہ کیا جائے، آپ ﷺ کی دعوت کو پھیلایا جائے، اور آپ ﷺ کی شریعت کی نشر و اشاعت کی جائے، اس پر کئے گئے اِعتراضات کی نفی کی جائے، علومِ شرعیہ کی تحصیل کو شعار بنایا جائے، ان میں تفقّہ حاصل کیا جائے، ان کی دعوت و ترغیب دی جائے، ان کی تعلیم و تعلّم میں شفقت و لطف سے کام لیا جائے، ان کی عظمت و جلالت کو ملحوظ رکھا جائے، ان کی قراءت کے وقت ان کا ادب بجالایا جائے، اور بغیر علم کے ان میں گفتگو کرنے سے رُکا جائے، علومِ شرعیہ کے حاملین کا علم کی نسبت سے اِحترام کیا جائے، آنحضرت ﷺ کے اخلاق و آداب کو اَپنایا جائے، آپ ﷺ کے اہلِ بیت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبّت رکھی جائے، جو شخص آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں کوئی بدعت اِیجاد کرے یا آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نکتہ چینی کرے، اس سے کنارہ کشی کی جائے، اور اس نوعیت کے دیگر اُمور۔

ائمۃ المسلمین (مسلمانوں کے حکام) کی خیر خواہی یہ ہے کہ حق میں ان کی معاونت و اطاعت کی جائے، ان کو حق کا حکم کیا جائے، لطف و نرمی کے ساتھ ان کو تنبیہ اور یاد دہانی کرائی جائے، مسلمانوں کے جن حقوق سے وہ غافل ہوں یا ان کے علم میں نہ آئے ہوں ان اُمور کی ان کو اِطلاع دی جائے، ان کے خلاف بغاوت نہ کی جائے، اور لوگوں کے قلوب کو ان کی اطاعت کی طرف مائل کیا جائے۔ اِمام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ان کی خیر خواہی میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے، ان کی قیادت میں جہاد کیا جائے، ان کے پاس صدقات جمع کرائے جائیں، اور اگر ان کی جانب سے ظلم و بے انصافی کا مظاہرہ ہو تب بھی ان کے مقابلے میں تلوار سونت کر نہ نکلا جائے، ان کی جھوٹی تعریفیں اور خوشامدیں کر کے ان کا دِماغ خراب نہ کیا جائے اور ان کے لئے صلاح و فلاح کی دُعا کی جائے۔

خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے جبکہ ائمۃ المسلمین سے خلفاء و حکام مراد لئے جائیں، یہی معنی زیادہ مشہور ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے اَئمہ دِین اور علمائے دِین مراد لئے جائیں، اس صورت میں ان کی خیر خواہی کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کی روایت کو قبول کیا جائے، اَحکامِ شرعیہ میں ان کی پیروی اور تقلید کی جائے اور ان کے ساتھ حسنِ ظن رکھا جائے۔

عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی دُنیا و آخرت کے مصالح میں ان کی رہنمائی کی جائے، ان کی اِیذا رسانی سے بچا جائے، پس دِین و دُنیا کی جس چیز سے وہ ناواقف ہوں، اس کی ان کو تعلیم دی جائے، اور اس میں قول و فعل کے ذریعے ان کی اعانت کی جائے، ان کے عیوب کی پردہ پوشی کی جائے، ان کی حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کیا جائے، ان سے نقصان دہ چیزوں کو دفع کیا جائے، ان کے منافع کی تحصیل میں کوشش کی جائے، نرمی، اِخلاص اور شفقت کے ساتھ ان کو اَمر بالمعروف اور نہی عن المُنکر کیا جائے، بڑوں کی عزّت کی جائے، چھوٹوں پر شفقت کی جائے، عمدہ نصیحت کے ذریعے ان کی نگہداشت کی جائے، ان سے کینہ اور حسد نہ کیا جائے، ان کے لئے خیر کی انہی باتوں کو پسند کیا جائے جن کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں، اور ان کے لئے ان تمام چیزوں کو ناپسند کرے جن کو اپنے حق میں ناپسند کرتا ہے، ان کے مال و آبرو کی حفاظت کی جائے، خیر خواہی کی جو اَنواع اُوپر بیان ہوئی ہیں، ان کو ان کے اِختیار کرنے کی ترغیب دی جائے اور طاعات و عبادات میں ان کی ہمت افزائی کی جائے۔

[حدیث:۴۰۷] ”عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عبد اللهِ قَالَ: بَایَعْتُ رسول اللهِ صلى الله عَلَیهِ وَسَلَّمَ عَلٰی إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِیْتَاءِ الزَّکَاةِ وَالنُّصحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ماجاء فی النصیحة، حدیث: ۱۸۵۱)

ترجمہ: ”حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی۔“

تشریح: صحیح مسلم (ج:۱ ص:۵۵) کی ایک روایت میں اس حدیث میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

”بایَعْتُ النَّبِیَّ صلى الله عَلَیهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فَلَقَّنَنِیْ فِیْمَا اسْتَطَعْتُ وَالنُّصحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ۔“

ترجمہ: ”میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر یہ بیعت کی تھی کہ سمع و طاعت بجالاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کے ساتھ یہ الفاظ تلقین فرمائے کہ: ”جس قدر میری استطاعت میں ہوگا“ اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔“

اس روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمالِ شفقت کا اظہار ہوتا ہے کہ بعض اوقات سمع و طاعت بجا

لانا آدمی کی حدِ استطاعت سے خارج ہوتا ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے طبرانی کی اس روایت سے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا عجیب واقعہ نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: انہوں نے اپنے غلام کو گھوڑا خرید کرلانے کا حکم فرمایا، وہ تین سو میں ایک گھوڑا خرید کر لایا اور گھوڑا فروخت کرنے والا بھی قیمت وصول کرنے کے لئے ساتھ آیا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کو دیکھا تو مالک سے فرمایا کہ: میاں! تمہارا گھوڑا تین سو کا نہیں، اس کے چار سو لیتے ہو؟ اس نے کہا: آپ کی خوشی! پھر فرمایا: نہیں! بلکہ گھوڑے کی قیمت چار سو سے زیادہ ہے، کیا تم اس کے پانچ سو لینا پسند کروگے؟ مالک نے کہا: آپ کی خوشی! اسی طرح ایک ایک سو کا اضافہ کرتے رہے، بالآخر آٹھ سو میں گھوڑا خرید لیا۔ کسی نے عرض کیا کہ: حضور! خریدار تو چیز کی قیمت کم کرایا کرتا ہے، یہ آپ نے اُلٹی بات کی کہ گھوڑے کی قیمت تین سے آٹھ سو تک پہنچادی۔ فرمایا: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی کہ ہر مسلمان کی خیرخواہی کیا کروں گا، اگر یہ گھوڑا میرے پاس ہوتا تو آٹھ سو سے کم میں فروخت نہ کرتا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عہد کیا تھا اس کا تقاضا ہے کہ میں اس مسلمان کی خیرخواہی کرتے ہوئے اس سے کم قیمت میں نہ خریدوں۔

اس سے حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جلالت وعظمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی کیسی تعمیل کرتے تھے اور اس سلسلے میں اپنے دُنیوی مفادات کی قطعاً پروا نہیں کرتے تھے۔

مسلمانوں کی ایک دُوسرے پر شفقت کا بیان

[حدیث:۴۰۸] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَخُونُهُ، وَلَا يَكْذِبُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهُ، وَمَالُهُ، وَدَمُهُ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا! بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْتَقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی شفقة المسلم، حدیث:۱۸۵۲)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس سے خیانت کرتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے، نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے، مسلمان کی ہر چیز دُوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کی عزّت وآبرو بھی، اس کا مال بھی، اور اس کا خون بھی۔ (سینہ مبارک کی طرف اشارہ

کر کے فرمایا کہ) تقویٰ یہاں ہوتا ہے! ایک آدمی کے بُرا ہونے کو یہی کافی ہے کہ وہ مسلمان کی تحقیر کرے۔‘‘

تشریح: اس حدیث شریف میں اہلِ اسلام کی اُخوّتِ اسلامی اور اس کے تقاضوں کو بیان فرمایا گیا ہے، ’’مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے‘‘ یہ اسلامی اُخوّت کا ذکر ہے، جو نسبی اُخوّت سے بھی زیادہ قوی اور پائیدار ہے۔ قرآنِ کریم نے بھی اس اُخوّتِ ایمانی کو اپنے بلیغ انداز میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰)

ترجمہ: ’’اہلِ ایمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔‘‘

اِمام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت شریفہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

’’اَیْ فِی الدِّیْنِ وَالْحُرْمَةِ لَا فِی النَّسَبِ، وَلِهٰذَا قِیْلَ: اُخُوَّةُ الدِّیْنِ أَثْبَتُ مِنْ اُخُوَّةِ النَّسَبِ، فَاِنَّ اُخُوَّةَ النَّسَبِ تَنْقَطِعُ بِمُخَالَفَةِ الدِّیْنِ، وَاُخُوَّةُ الدِّیْنِ لَا تَنْقَطِعُ بِمُخَالَفَةِ النَّسَبِ۔‘‘ (قرطبی ج:۱۶ ص:۳۲۲)

ترجمہ: ’’مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، یعنی نسب میں نہیں، بلکہ دِین اور حرمت میں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ: ’’دِینی اُخوّت، نسبی اُخوّت سے زیادہ مضبوط ہے‘‘ کیونکہ نسبی اُخوّت دِین کی مخالفت کے ساتھ منقطع ہوجاتی ہے، مگر دِینی اُخوّت نسب کے اِختلاف سے منقطع نہیں ہوتی۔‘‘

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی باہمی اُخوّت کو ذکر فرمانے کے بعد اس اُخوّت کے حقوق اور تقاضوں کو بیان فرمایا ہے:

۞:... ایک مسلمان دُوسرے مسلمان کی خیانت نہ کرے، نہ جان و مال میں، نہ عزّت و آبرو میں۔

۞:... اس کے سامنے جھوٹ نہ بولے، اور کسی معاملے میں فریب، دھوکا دہی اور غلط بیانی سے کام نہ لے۔

۞:... اس کا مسلمان بھائی اگر مدد کا محتاج ہو تو اس کی مدد سے ہاتھ نہ کھینچے، اس میں دُشمنوں کے مقابلے میں مدد کرنا بھی شامل ہے، اور فقر و فاقہ اور عسرت و تنگ دستی کے مقابلے میں مدد کرنا بھی داخل ہے۔

۞:... ایک مسلمان کی جان، مال اور عزّت و آبرو کی حفاظت بھی مسلمان کے ذمے ہے، نہ ان چیزوں میں خود دست درازی کرے، اور نہ کسی دُوسرے کو کرنے دے۔

۞:... ایک مسلمان کسی مسلمان کی تحقیر نہ کرے، نہ اس سے حقارت آمیز سلوک کرے، نہ زبان سے کوئی ہتک آمیز بات کہے، اور نہ دِل میں اس کو حقیر جانے، کیونکہ مسلمان بھائی کی تحقیر کرنا ایک ایسی بُرائی

ہے کہ اس کے بعد آدمی کے بُرا ہونے کے لئے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

اس ضمن میں قلب مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ''تقویٰ یہاں ہوتا ہے!'' اس میں دو باتوں پر تنبیہ ہے، ایک یہ کہ تقویٰ کا محل قلب ہے، اور کسی مسلمان کی قلبی کیفیت کا احاطہ کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں، اس لئے کسی مسلمان کو حقیر جاننے کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ دوم یہ کہ جس شخص کے دِل میں تقویٰ ہوگا، جو خوفِ خداوندی سے عبارت ہے، وہ کسی مسلمان کو حقیر نہیں سمجھے گا، اس لئے کہ مسلمان کی تحقیر کرنا قلب کے خوفِ اِلٰہی سے عاری ہونے کی علامت ہے۔

اس مختصر سی تشریح کے بعد واضح ہوجاتا ہے کہ یہ حدیث اسلامی معاشرت کے اہم ترین اُصول و ہدایات پر مشتمل ہے، اور اگر مسلمان بھائی صرف اسی ایک حدیث پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرلیں تو ان کی معاشرت جنّت کا نمونہ بن سکتی ہے، وَاللهُ الْمُوَفِّقُ!

[حدیث: ۴۰۹] ''عَنْ أَبِیْ مُوْسَی الْأَشْعَرِیِّ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی شفقۃ المسلم، حدیث: ۱۸۵۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مؤمن دُوسرے مؤمن کے لئے ایسا ہے جیسے ایک عمارت کی (اینٹیں) کہ اس کا ایک حصہ دُوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔''

تشریح: اس حدیث پاک میں اسلامی برادری کو ایک عمارت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، جس طرح عمارت کا ہر حصہ دُوسرے حصے کی تقویت اور مضبوطی کا باعث ہے، اور اس کے ایک حصے کو نقصان پہنچنے سے عمارت کی مضبوطی اور اس کی زیب و زینت کو نقصان پہنچتا ہے، اسی طرح ہر مسلمان اسلامی برادری کی تقویت اور مضبوطی کا باعث ہے، اور ایک مسلمان کا نقصان صرف اس کا نقصان نہیں، بلکہ پوری اسلامی برادری کا نقصان ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ فرمادیا گیا ہے کہ جس طرح اینٹوں کے ڈھیر اور ملبے کا نام عمارت نہیں جب تک ان سے عمارت کی چنائی نہ کردی جائے، اسی طرح مسلمانوں کے اَفراد کا نام اسلامی معاشرہ نہیں جب تک کہ اسلام کی برکت سے ان کے درمیان ربط و اِتحاد اور جوڑ پیدا نہ ہوجائے۔

[حدیث: ۴۱۰] ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَحَدَكُمْ مِرْاٰةُ أَخِیْهِ، فَإِنْ رَاٰی بِهٖ أَذًی فَلْیُمِطْهُ عَنْهُ''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی شفقۃ المسلم، حدیث: ۱۸۵۴)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم

میں ہر ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کا آئینہ ہے، پس اگر اس میں کوئی داغ دھبّہ دیکھے تو اس کو ہٹا دے۔“

تشریح: اس حدیث پاک میں ایک مسلمان کو دُوسرے مسلمان کے لئے آئینہ قرار دیا گیا ہے، اور آئینے میں دو خوبیاں پائی جاتی ہیں، ایک یہ کہ وہ آئینہ دیکھنے والے سے خیانت نہیں کرتا، بلکہ اس کے چہرے میں کوئی عیب اور داغ، دھبّہ ہو تو اس کو نمایاں کر دیتا ہے۔ دُوسری خوبی یہ ہے کہ آئینہ صرف اپنے دیکھنے والے کے سامنے چپکے سے اس کے عیب کا اظہار کر دیتا ہے، دُوسروں کے سامنے اظہار نہیں کرتا، اور اس کے اس عیب کی کسی کو خبر نہیں ہونے دیتا۔ گویا یہ فرمایا گیا ہے کہ جس طرح آئینہ اپنے دیکھنے والے کے حق میں مخلص ہوتا ہے، اسی طرح ایک مؤمن کو چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کے حق میں نہایت مخلص ہو کہ اگر اس میں کوئی عیب پایا جاتا ہے تو چپکے سے اس کی اصلاح کی طرف اسے متوجہ کر دے، مگر لوگوں کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے۔

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح آئینہ دیکھنے والا آئینے پر اعتماد کرتا ہے اور آئینہ جس داغ دھبے کی، عیب کی نشاندہی کرتا ہے، اس کی اصلاح کر لیتا ہے، آئینے میں اپنے عیب کو دیکھ کر حبشی کی طرح شیشہ توڑنے کی کوشش نہیں کرتا، اسی طرح مسلمان کو چاہئے کہ اس کا جو بھائی اس کے عیب کی نشاندہی کرے اس کے اِخلاص پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے اس عیب کی فوراً اصلاح کر لے، اپنے بھائی کی نشاندہی کا بُرا نہ منائے۔

بعض عارفین نے اس حدیث پاک کی یہ شرح فرمائی ہے کہ: مسلمان کو چاہئے کہ دُوسرے اہلِ ایمان کو آئینہ سمجھے، اور اس کے اندر جو عیوب نظر آئیں ان کے بارے میں یوں سمجھے کہ یہ میرے چہرے کا عکس ہے، اس لئے اپنے اندر ان عیوب کا جائزہ لے، اور جو عیوب اپنے اندر نظر آئیں ان کی اصلاح کرے، کیونکہ آدمی کو خود اپنا چہرہ نظر نہیں آیا کرتا، اس لئے دُوسرے کے عیوب سے اپنے عیوب پر تنبہ ہوتا ہے، اور عقل مند آدمی متنبہ ہو کر اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

مسلمان کی پردہ پوشی

[حدیث: ۴۱۱] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ، وَمَنْ یَسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ فِی الدُّنْیَا یَسَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ عَلٰی مُسْلِمٍ فِی الدُّنْیَا سَتَرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ

مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ أَخِیْهِ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی الستر علی المسلم، حدیث:۱۸۵۵)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص کسی مسلمان کے غم کو دُور کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے رنج وغم کو دُور فرمادیں گے، اور جو شخص کسی مسلمان کی دُنیا کی مشکل کو حل کرے، اللہ تعالیٰ اس کی دُنیا و آخرت کی مشکل کو حل فرمادیں گے، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے، اللہ تعالیٰ دُنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرماویں گے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔''

مسلمان کی عزّت وآبرو کا دِفاع

[حدیث:۴۱۲] "عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِیْهِ رَدَّ اللهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی الذب علی المسلم، حدیث:۱۸۵۶)

ترجمہ: ''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے بھائی کی عزّت وآبرو کا دِفاع کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے دوزخ کی آگ ہٹادیں گے۔''

تشریح: یعنی کسی جگہ کسی مسلمان بھائی کی بُرائی کی جارہی تھی، ایک مسلمان نے اس کی جانب سے دِفاع کیا، اور اس کی جواب دہی کی تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے دوزخ کی آگ اس سے ہٹادیں گے، اور دوزخ کی آگ سے اس کا دِفاع کریں گے۔

ایک مسلمان کی دُوسرے مسلمان سے قطع تعلقی کا وبال

[حدیث:۴۱۳] "عَنْ أَبِیْ أَیُّوْبَ الْأَنْصَارِیِّ أَنَّ رسول اللهِ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ، یَلْتَقِیَانِ فَیَصُدُّ هٰذَا وَیَصُدُّ هٰذَا، وَخَیْرُهُمَا الَّذِیْ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی کراهیة هجر المسلم، حدیث:۱۸۵۷)

ترجمہ: ''حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی (سے سلام وکلام) کو تین دن سے زیادہ

چھوڑے رکھے، کہ دونوں کی ملاقات ہو تو وہ اُدھر منہ پھیر لے اور یہ اِدھر منہ پھیر لے، اور ان دونوں میں سے اچھا وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں ابتدا کرے۔“

تشریح: اس حدیث میں چند اُمور لائقِ توجہ ہیں:

اوّل:... دو مسلمانوں کا آپس میں قطع تعلق اور سلام و کلام بند کر دینا اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہایت ناپسندیدہ ہے، اس کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے اور احادیث شریفہ میں اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن جنّت کے دروازے کھولے جاتے ہیں، پس ہر ایسے بندے کی، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراتا ہو، بخشش کر دی جاتی ہے، سوائے اس شخص کے کہ اس کے درمیان اور اس کے مسلمان بھائی کے درمیان کینہ و عداوت ہو، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو چھوڑ دو، یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے، پس جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کیا وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی سے ایک سال تک قطع تعلق رکھا اس کو ایسا گناہ ہوگا گویا اس کو قتل کر دیا (یہ تینوں احادیث مشکوٰۃ میں ہیں)۔

دوم:... آدمی چونکہ کمزور ہے اس کو دُنیوی رنجشوں کی وجہ سے غصہ آجاتا ہے، اور جس شخص سے کوئی رنجش پہنچی ہو اس سے ملنے کو جی نہیں چاہتا، حق تعالیٰ شانہٗ چونکہ خالق و مالک اور حکیم ہیں، آدمی کی اس طبعی کمزوری سے واقف ہیں، اس لئے یہ عجیب رحمت ہے کہ تین دن تک غصہ رکھنے اور مسلمان بھائی سے سلام و کلام بند رکھنے کی اجازت و رُخصت عطا فرمادی، کیونکہ تین دن میں اکثر غصہ اُتر جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے، اور آدمی یہ سوچ لیتا ہے کہ سارا قصور دُوسرے کا نہیں، کچھ غلطی مجھ سے بھی ہوئی۔ الغرض تین دن کے اندر اس کو غور و فکر کرنے اور عقل و شرح کے تقاضے کو طبیعت کے تقاضے پر غالب رکھنے کا موقع بھی مل جاتا ہے، اس لئے تین دن سے زیادہ قطع تعلق پر پابندی لگادی اور اس کو ممنوع و حرام قرار دے دیا، یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ اس ارحم الراحمین نے اَحکامِ شرعیہ میں اپنے بندوں کے مصالح کی کیسی حکیمانہ رعایت فرمائی ہے۔

سوم:... جب دو شخصوں کی لڑائی یا رنجش ہو جائے تو ان میں سے ہر ایک کو شیطان بہکاتا ہے کہ دُوسرے نے تجھ پر زیادتی کی ہے، اس لئے ان دونوں میں سے ہر شخص یہ چاہا کرتا ہے کہ دُوسرا آدمی آکر اس سے معافی مانگے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس نے تو مجھ پر زیادتی کی ہے اب میں خود جاکر اس سے معافی مانگوں؟

صلح صفائی کروں؟ اگر یہ دونوں شخص، نفس وشیطان کے بہکاوے میں آجائیں تو دونوں کی کبھی صلح نہیں ہوسکتی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے دونوں کو اِبتدا بالسلام کرنے اور صلح صفائی میں پہل کرنے کی ترغیب دی، اور فرمایا کہ: ان دونوں میں سے اچھا اور بہتر آدمی وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان سے یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے، اس کو چاہئے کہ جب اس سے ملے تو اس کو تین مرتبہ سلام کرے، اگر دُوسرے نے تینوں مرتبہ سلام کا جواب نہیں دیا تو وہ اس کے گناہ کا وبال اپنے سر لے گا (مشکوٰۃ ص:۴۲۸)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھے، جب تین دن گزر جائیں تو اس کو چاہئے کہ جاکر اس سے ملاقات کرے اور اس کو سلام کرے، پھر اگر اس نے سلام کا جواب دے دیا تو دونوں اَجر میں شریک ہوں گے، اور اگر اس نے جواب نہ دیا تو گناہ کا وبال اس کے سر رہے گا، اور سلام کہنے والا قطع تعلق کے گناہ سے بَری ہوجائے گا (ایضاً)۔

چہارم:... کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق دُنیوی رنجش کی وجہ سے حرام ہے، لیکن اگر کسی دِینی مصلحت سے قطع تعلق کرے تو جائز ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعدّد واقعات سے ثابت ہے، مثلاً کوئی شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو یا کسی بدعت کا مرتکب ہو تو قطع تعلق جائز ہے، لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کی خاطر ہونا چاہئے، نفسانی خواہش درمیان میں نہ ہو۔

بھائی کی غم خواری کا بیان

[حدیث:۴۱۴] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ الْمَدِینَةَ اٰخی رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِیْعِ، فَقَالَ لَهٗ: هَلُمَّ أُقَاسِمْکَ مَالِی نِصْفَیْنِ، وَلِیَ امْرَأَتَانِ فَأُطَلِّقُ إِحْدَاهُمَا، فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجْهَا۔ فَقَالَ: بَارَکَ اللهُ لَکَ فِیْ أَهْلِکَ وَمَالِکَ، دُلُّوْنِیْ عَلَی السُّوْقِ! فَدَلُّوْهُ عَلَی السُّوْقِ، فَمَا رَجَعَ یَوْمَئِذٍ إِلَّا وَمَعَهٗ شَیْئٌ مِنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ قَدِ اسْتَفْضَلَهٗ فَرَاٰهُ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِکَ وَعَلَیْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ، فَقَالَ: مَهْیَمْ؟ فَقَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِّنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: فَمَا أَصْدَقْتَهَا؟ قَالَ: نَوَاةً۔ قَالَ حُمَیْدٌ أَوْ قَالَ: وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ!“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی مواساة المسلم، حدیث:۱۸۵۸)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہجرت

کر کے مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے درمیان اور سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم کر دیا۔ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا: آیئے! میں آپ کو اپنا آدھا مال تقسیم کر دیتا ہوں، اور میری دو بیویاں ہیں، میں ایک کو طلاق دیئے دیتا ہوں، جب اس کی عدّت گزر جائے تو آپ اس سے نکاح کر لیں۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و مال میں برکت فرمائیں، مجھے تو بازار کا راستہ بتاؤ! ان کو بازار کا راستہ بتا دیا گیا، وہ اس دن بازار سے واپس لوٹے تو ان کے ساتھ کچھ پنیر اور گھی تھا، جو ان کی بچت تھی، (الغرض انہوں نے تجارت شروع کر دی، اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت میں برکت فرمائی، کچھ رقم جمع ہوئی تو انہوں نے عقد کر لیا)۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو کچھ دنوں کے بعد دیکھا کہ ان کے کپڑوں پر عورتوں کی خوشبو کا زرد رنگ لگا ہوا ہے، دریافت فرمایا: یہ رنگ کیسا ہے؟ عرض کیا: میں نے انصار کی ایک خاتون سے عقد کر لیا ہے۔ فرمایا: اس کو مہر کتنا دیا؟ عرض کیا: کھجور کی گھٹی کے برابر سونا۔ فرمایا: ولیمہ کرو، خواہ ایک بکری ہی ذبح کر لو!''

تشریح: یہ حدیث حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور آنحضرت ﷺ کے اعجاز اور آپ ﷺ کی قوّتِ قدسیہ کے فیضان کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے، آنحضرت ﷺ نے مدینہ منوّرہ تشریف لا کر مہاجرینِ مکہ اور انصارِ مدینہ کے درمیان رشتۂ اُخوّت قائم کر دیا تھا، اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا تھا، حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم کے اِیثار کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے سامنے نہ صرف آدھے آدھے مال پیش کر دیئے، بلکہ کسی کے گھر میں دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دینے اور اپنے مہاجر بھائی سے اس کا عقد کر دینے کی پیشکش کی، اس کے مقابلے میں حضراتِ مہاجرین رضی اللہ عنہم نے جس بلند ہمتی کا مظاہرہ کیا، وہ بھی اس واقعے سے ظاہر ہے، انہوں نے انصار کی اس پیشکش پر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ: ''اللہ تعالیٰ آپ کے اہل و عیال میں برکت فرمائیں، مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں، مجھے بازار کا راستہ بتاؤ، خود محنت کر کے سامانِ معیشت فراہم کروں گا۔'' ایک طرف سے اِیثار و قربانی کا اور دُوسری طرف عالی ہمتی کا یہ مظاہرہ آنحضرت ﷺ کے فیضانِ محبّت کا نتیجہ تھا، جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معاشرہ رشکِ ملائک بن گیا تھا۔

غیبت کا بیان

[حدیث:۵۱۶] ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قِیْلَ: یَا رسول اللهِ! مَا الْغِیبَةُ؟ قَالَ:

ذِکْرُکَ أَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ۔ قَالَ: أَرَأَیْتَ إِنْ کَانَ فِیْهِ مَا أَقُوْلُ؟ قَالَ: إِنْ کَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهُ''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی الغیبة، حدیث: ۱۸۵۹)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! غیبت کیا ہے؟ فرمایا: غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا (پسِ پشت) ایسا تذکرہ کرو کہ (اس کے سامنے کیا جائے تو) اس کو ناگوار ہو۔ عرض کیا گیا: یہ فرمایئے کہ میں اپنے بھائی کے بارے میں جو کچھ کہتا ہوں اگر اس میں وہ چیز واقعی موجود ہو تو کیا یہ بھی غیبت کہلائے گی؟ فرمایا: اگر اس میں وہ چیز موجود ہو جو تم کہتے ہو تو تم نے اس کی غیبت کی، اور اگر اس میں وہ چیز موجود نہ ہو جو تم بیان کرتے ہو، تو تم نے اس پر بہتان باندھا (جو غیبت سے بھی بدتر ہے)۔''

تشریح: کسی شخص کو پسِ پشت بُرائی کے ساتھ یاد کرنا غیبت کہلاتا ہے، خواہ وہ بُرائی اس شخص کے اندر واقعتاً موجود ہو، غیبت کبیرہ گناہ ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کو مُردہ بھائی کا گوشت کھانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: غیبت زنا سے بھی سخت ہے'' (مشکوٰۃ ص:۴۱۵)۔ ایک اور حدیث میں اس کو سب سے بدترین زنا فرمایا گیا ہے (مجمع الزوائد ج:۸ ص:۹۲)۔

غیبت کا اصل منشا تکبّر ہے، جس کی وجہ سے آدمی دُوسرے کو نظرِ حقارت سے دیکھتا ہے اور اسے لوگوں کی نظر میں گرانے کے لئے ان کے سامنے اس کی عیب جوئی کرتا ہے، چونکہ غیبت میں ابتلائے عام ہے، اس لئے یہاں غیبت کے بارے میں ''انفاسِ عیسیٰ'' سے حکیم الاُمّت حضرتِ اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشاد نقل کرتا ہوں جو بہت مفید اور لائقِ عمل ہیں۔ فرماتے ہیں:

''بدگمانی، تجسّس، غیبت، ان سب کا منشا کبر ہے، بلکہ متکبر کی غرض پوری طرح غیبت ہی سے حاصل ہوتی ہے، بدگمانی اور تجسّس سب اسی کے مقدمات ہیں، اگر کوئی شخص تجسّس و بدگمانی کرے مگر غیبت نہ کرے تو اس کا مقصود حاصل نہ ہوگا، اس لئے وہ بدگمانی اور تجسّس کو بھی ترک کردے گا، پس غیبت سب سے اشدّ ہے۔''

نیز فرماتے ہیں:

''بدگمانی، تجسّس وغیبت کا علاج یہ ہے کہ تواضع اختیار کرو، تکبر کو دِل سے نکالو، اور جب تک اصلی مرض زائل ہو اس وقت تک غیبت کا فوری علاج یہ کرو کہ فکر و تأمل سے کام لو، اور کوتاہی پر جرمانہ مقرّر کرو، اور وسوسہ بدگمانی کی توجہ کو ذکر اللہ وغیرہ کی طرف منعطف

کرو۔'' (انفاس عیسیٰ ص:۴۱۹)

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''غیبت میں نامعلوم لوگوں کو کیا مزہ آتا ہے، تھوڑی دیر کے لئے اپنا جی خوش کر لیتے ہیں، پھر اگر اس کو خبر ہوگئی اور اس سے دُشمنی پڑ گئی تو عمر بھر اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے، اور اگر ذرا دِل میں حس ہو تو غیبت کرنے کے ساتھ ہی قلب میں ایسی ظلمت پیدا ہوتی ہے، جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے، جیسے کسی نے گلا گھونٹ دیا ہو۔''

آگے فرماتے ہیں:

''غیبت کا ضرر اور مفسدہ یہ ہے کہ اس سے افتراق پیدا ہوتا ہے اور اِفتراق سے مقدمہ بازی، لڑائی جھگڑا سب کچھ ہوتے ہیں اور اتفاق کے اندر جو مصالح و منافع ہوتے ہیں، اِفتراق کی صورت میں ان سے بھی محرومی ہوجاتی ہے۔''

نیز فرماتے ہیں:

''غیبت کا علاج بھی تواضع ہی ہے، مگر تواضع ایک دن میں پیدا نہیں ہوتی، اس لئے جب تک تواضع حاصل نہ ہو غیبت سے بچنے کے لئے فوری علاج یہ کرو کہ بدون سوچے کوئی بات نہ کیا کرو، جو بات کرو، سوچ کر کرو، اس سے غیبت کم ہوجائے گی، اور کچھ دنوں کے بعد بالکل نہ ہوگی، اور اگر کسی وقت بے سوچے کوئی بات نکل جائے تو اسی وقت دو رکعت نفل صلوٰۃ التوبہ کی نیت سے پڑھ لیا کرو۔''

غیبت ہی کے بیان میں مزید فرماتے ہیں:

''جہاں کسی شخص کی حالت چھپانے سے دِین کا یا دُوسرے مسلمانوں کا یقیناً یا ظناً (جس سے ظنِ غالب مراد ہو) ضرر ہوتا ہو وہاں اس کی حالت ظاہر کر دینا چاہئے، محدثین کا روایتِ حدیث پر جرح کرنا مبتدع گمراہ کن کی بدعت کا ظاہر کرنا، مستشار کو مستشار فیہ کی حالت کی مستشیر سے بیان کرنا، اور مظلوم کا ظالم کی شکایت کرنا سب اس میں داخل ہے مگر میں عوام کو متنبہ کرتا ہوں کہ اس کلیہ کو وہ خود اِستعمال نہ کریں، بلکہ جس کی وہ غیبت کرنا چاہیں اس میں پہلے مجتہد اور متدین علماء سے فتویٰ لیں، اِجتہاد سے میری مراد یہ ہے کہ وہ فقہاء کے اقوال کو واقعات پر صحیح طور پر منطبق کرسکتا ہو، اور یہ اِجتہاد ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اور تدین سے مراد یہ ہے کہ اغراض کا تابع نہ ہو کہ کھینچ کر ناجائز کو حدِ جواز میں لائے، چنانچہ ہم دن رات دیکھتے

ہیں کہ مولوی جس کی غیبت کرنا چاہتے ہیں اسے حدِ جواز میں لے آتے ہیں کہ ہماری نیت اس غیبت سے دُوسرے کی تحقیر نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کی اصلاح مقصود ہے تاکہ اس کے شر سے محفوظ رہیں، یا اس کے معتقد نہ ہوں وغیر ذٰلک۔ مگر حق تعالیٰ کے سامنے ان تأویلوں کا چلنا دُشوار ہے، کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ تمہارا مقصود شفائے غیظ اور دُوسرے کی تحقیر تھی یا مسلمانوں کی اصلاح کا قصد تھا۔‘‘

نیز فرماتے ہیں:

’’غیبت کا ایک عجیب و غریب عملی علاج یہ ہے کہ جس کی غیبت کرے اس کو اپنی اس حرکت کی اطلاع کردیا کرے، تھوڑے دن اس مداومت سے اِن شاء اللہ یہ مرض بالکل دفع ہوجائے گا۔‘‘ (انفاس عیسیٰ ص:۱۴۸)

غیبت ایک اخلاقی بُرائی، ایک گناہِ کبیرہ

[حدیث:۴۱۶] ’’وَقَدْ اَخْرَجَ اَبُوْ یَعْلٰی عَنِ الْبراءِ رضی اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَبَنَا رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اسْمَعَ الْعَوَاتِقَ فِیْ بُيُوْتِهَا، اَوْ قَالَ: فِیْ خُدُوْرِهَا، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِیْ قَلْبِهٖ! لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ، فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعُ عَوْرَةَ اَخِيْهِ يَتَّبِعُ اللهُ عَوْرَتَهٗ، وَمَنْ يَّتَّبِعُ اللهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ فِیْ جَوْفِ بَيْتِهٖ۔ قَالَ الْهَيْثَمِیُّ: وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ۔‘‘

(مجمع الزوائد ج:۸ ص:۹۳)

وَاَخْرَجَهُ الطِّبْرَانِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللهُ عَنْهُمَا نَحْوَهٗ، اِلَّا اَنَّ فِیْ رِوَايَتِهٖ: لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تتبعوا عَوْرَاتِهِمْ، فَاِنَّهٗ مَنْ يتبع عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ هَتَکَ اللهُ سِتْرَهٗ۔ قَالَ الْهَيْثَمِیُّ: وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ۔‘‘ (مجمع الزوائد ج:۸ ص:۹۸)

ترجمہ: ’’حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنادیا کنواری لڑکیوں کو ان کے گھروں میں، (یا یہ کہا کنواری لڑکیوں کو ان کے پردوں میں) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اے جماعت ان لوگوں کی جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہیں اور ایمان ان کے دِل میں داخل نہیں ہوا! مسلمانوں کی غیبت نہ کرو، اور ان کے عیوب تلاش نہ کرو، اس لئے کہ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو تلاش کریں گے، اور

جس شخص کے عیب اللہ تعالیٰ تلاش کریں گے، اس کو اس کے گھر بیٹھے رُسوا کردیں گے۔

یہی خطبہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے طبرانی نے روایت کیا، اوران کے الفاظ یہ ہیں کہ اہلِ ایمان کو اِیذا نہ پہنچاؤ، اوران کے عیوب کو تلاش نہ کرو، کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرے گا، اللہ اس کا پردہ چاک کردیں گے۔‘‘

تشریح: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ ہے، اوراس میں مسلمانوں کی معاشرت کے بارے میں بطورِ خاص دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو، اور دُوسرے یہ کہ ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، اوراس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں اس عنوان سے ذکر فرمایا ہے کہ: ’’اے وہ گروہ جو اپنی زبان سے تو مسلمان ہوگئے ہیں، لیکن ایمان ان کے دِل میں داخل نہیں ہوا۔‘‘

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے لوگ منافق تھے، جو ظاہر میں کلمہ پڑھتے تھے، اور اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتے تھے، لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ پر اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان نہیں رکھتے تھے، گویا مسلمانوں کی غیبت کرنا، ان کے عیوب کو تلاش کرنا، اوران کو رُسوا کرنے کی کوشش کرنا یہ منافقین کا وطیرہ تھا، مسلمانوں کا نہیں۔

سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں اس کا ذکر فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾﴾ (الحجرات:۱۱،۱۲)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے، کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دُوسرے کو بُرے القاب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بُرا ہے، اور جو باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور سراغ مت لگایا کرو، اور کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا

گوشت کھائے؟ اس کو تو ناگوار سمجھتے ہو! اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔" (بیان القرآن)

ایک دُوسرے سے ہنسی مذاق کرنا، کسی کا ٹھٹھا کرنا، یہ بھی ناجائز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ اس طرح کاٹی ہے کہ جس کا تم مذاق اُڑا رہے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو۔ ایک آدمی باہر سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے، اندر والے کو کچھ معلوم نہیں کہ باہر کون ہے، لیکن دروازہ کھولنے کے بجائے اندر بیٹھا ہوا دروازہ کھٹکھٹانے والے کو بُرے بُرے الفاظ کہتا ہے، اور جب دروازہ کھولتا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ بڑا آدمی تھا (دِین یا دُنیا کے لحاظ سے) یا اس کا کوئی افسر تھا، یا اُستاذ تھا، ذی وجاہت آدمی تھا، اب دروازہ کھولنے کے بعد اپنے الفاظ پر اس کو کتنی شرمندگی ہوگی؟ یہ میں نے ایک مثال پیش کی ہے، جب تک دروازہ بند ہے تم کو معلوم نہیں کون ہے، یا تو وہ باہر سے بتادے کہ میں فلاں آدمی ہوں، یا تم تمیز کے ساتھ بات کرو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا کون ہے، لیکن جانے بوجھے بغیر تم اس کو تحقیر و توہین آمیز جملے کہتے ہو، جب دروازہ کھلے گا اور تمہیں اس شخص کی حقیقت معلوم ہوگی تو تمہیں اس پر شرمندگی ہوگی۔

ایک حدیث میں ہے:

"عَنْ جَابِرٍ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ دَيْنٍ كَانَ عَلٰی أَبِیْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ: مَنْ ذَا؟ فَقُلْتُ: أَنَا! فَقَالَ: أَنَا، أَنَا، كَأَنَّهٗ كَرِهَهَا۔"

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۴۰۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دَرِ دولت پر حاضرِ خدمت ہوا، دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے فرمایا: "کون ہے؟" میں نے کہا کہ: "میں!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں! میں!" گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کو ناپسند فرمایا کہ "میں، میں" کیا ہوتا ہے؟ نام بتاؤ! اپنا تعارف کراؤ کہ فلاں آدمی ہوں۔

ایک "میں" کا لفظ ہر ایک کے لئے بولا جاسکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اندر کا آدمی تمہاری آواز کو نہ پہچان سکے، تو جس طرح اندر بیٹھا ہوا آدمی دروازہ کھٹکھٹانے والے کو کوئی بدتمیزی کا لفظ بولے تو بعد میں اس کو شرمندہ ہونا پڑے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کا تم مذاق اُڑاتے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو، ابھی تو غیب کا پردہ لٹکا ہوا ہے، کچھ معلوم نہیں کہ کون کس مرتبے کا ہے؟ قیامت کے دن جب یہ پردہ ہٹایا جائے گا اور ہر ایک کا مرتبہ ظاہر کردیا جائے گا، اس وقت کتنی شرمندگی ہوگی؟ اگر تم نے کسی اچھے آدمی کا مذاق اُڑایا ہوگا تو کس قدر ندامت کا سامنا ہوگا، لہٰذا کسی کا مذاق نہیں اُڑانا چاہئے۔

میں نے حدیث شریف کے بیان میں کہا تھا کہ ایک چیز ہے مذاق اُڑانا، اور ایک ہے مزاح کرنا،

دونوں کے درمیان فرق ہے، مذاق اُڑانے سے دُوسرے کی تخفیف مراد ہوتی ہے، یعنی دُوسرے کی عزّت کو ہلکا کرنا، اور جس شخص کا مذاق اُڑایا جائے، اس سے ہنسی اور تمسخر کیا جائے وہ بے چارہ سبکی محسوس کرتا ہے۔ اور مزاح سے مراد اس کو مانوس کرنا ہوتا ہے، یعنی کوئی ایسی بات کہی کہ جس سے خوش طبعی پیدا ہوجائے اور دُوسرا آدمی مانوس ہوجائے۔ دِل توڑنے کا نام خوش طبعی نہیں، یہ ہماری بدمذاقی ہے کہ کہتے ہیں کہ: ''میں تو ویسے ہی مذاق کررہا تھا'' اس میں ایک تو مذاق اُڑانے کا گناہ ہوا، دُوسرا جھوٹ بولنے کا۔

حالانکہ خوش طبعی کی بات میں جھوٹ بولنا بھی جائز نہیں، خلافِ واقعہ بات بیان کرنا بھی جائز نہیں، اس معاملے میں ہمارے ہاں بڑی گڑبڑ ہوتی ہے، کسی کو پریشان کرنے کے لئے فرضی کہانی سنادی، بعد میں کہہ دیا کہ: ''میں تو مذاق کررہا تھا!'' یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کسی مردوں کی جماعت کو مردوں کا اور کسی عورتوں کی جماعت کو عورتوں کا مذاق نہیں اُڑانا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے افراد کو ذکر نہیں فرمایا، مراد فرد ہے یعنی مردوں کی جماعت میں سے کوئی فرد کسی فرد کا مذاق نہ اُڑائے، اور عورتوں کی جماعت میں سے کوئی عورت کسی عورت کا مذاق نہ اُڑائے، ان دونوں جنسوں کو اللہ تعالیٰ نے الگ الگ بیان فرمایا ہے، اس لئے کہ اگر مردوں کی جماعت عورتوں کا مذاق اُڑائے تو یہ مروّت کے خلاف ہے، اور اگر کوئی عورت کسی مرد کا مذاق اُڑائے تو یہ خلافِ حیا ہے، تو گویا کہ یہ فرمایا جارہا ہے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی مرد کسی عورت کا مذاق اُڑائے، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی عورت کسی مرد کا مذاق اُڑائے، اس لئے دو صورتوں کو بیان فرمایا ہے، اور دو کو حذف کردیا، واللہ اعلم!

اور یہاں سے ایک اور بات بھی معلوم ہوگئی کہ چھوٹا آدمی کسی بڑے کا مذاق اُڑائے تو یہ اس کے چھوٹے پن اور رذالت کی دلیل ہے، ہاں! کبھی برابر والا برابر والے کا مذاق اُڑائے تو خیال ہوسکتا ہے کہ شاید دُرست ہو، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ تم سے بہتر ہو، مطلب یہ کہ بظاہر تو وہ تمہارے برابر کا ہے، لیکن احتمال ہے کہ مرتبے کے اعتبار سے تم سے بڑا ہو، اگرچہ تمہارا ہم عمر ہے، ہم عصر ہے، ظاہر میں تمہاری طرح کا آدمی ہے، لیکن رُتبے کے اعتبار سے تم سے بہتر ہے، اور اگر مرتبے کے اعتبار سے بہتر ہے تو تم کو مذاق نہیں اُڑانا چاہئے، کیونکہ یہ اسی طرح ناروا ہوگا جس طرح کہ کوئی ماتحت اَن جانے میں اپنے افسرِ اعلیٰ کا مذاق اُڑائے، پہلے چونکہ پہچانا نہیں تھا، اس لئے مذاق اُڑالیا، بعد میں جب پتا چلا تو معذرت کرنے لگا، تو ایک تو یہ ہدایت فرمائی۔

دُوسری ہدایت یہ فرمائی کہ آپس میں ایک دُوسرے پر طعن نہ کیا کرو، سورۃ الہمزۃ میں ایسے شخص کے لئے ''ویل'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے: ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝١﴾ (بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پسِ پشت عیب نکالنے والا ہو، اور رُوبرو طعنہ دینے والا ہو)۔

کسی کی عیب جوئی کرنا اور کسی کو اس کے عیب کا طعنہ دینا بڑا گناہ ہے، بعض لوگوں کا ہاضمہ ایسا خراب ہوتا ہے کہ کسی کا عیب معلوم ہوجائے تو جب تک وہ لوگوں کے سامنے اُچھالے نہیں، گائے نہیں، اس غریب کی روٹی ہضم نہیں ہوتی، تو ایسے لوگوں کو اگر کسی کا عیب معلوم ہوجائے اور وہ اس کو لوگوں کے پاس گائیں نہیں تو ان کا پیٹ پھول جاتا ہے، کسی کا عیب کسی کے سامنے بیان کرنا کم ظرفی کی علامت ہے، اکابر فرماتے ہیں: ”صُدُوْرُ الْأَحْرَارِ قُبُوْرُ الْأَسْرَارِ“ یعنی آزاد اور شریف لوگوں کے سینے لوگوں کے بھیدوں کی قبریں ہیں۔

لوگوں کے راز کی باتیں ان کے سینوں میں اتنی محفوظ ہیں کہ کسی کو خبر نہیں۔ تو شریف لوگ وہ ہیں جن کو لوگوں کی باتیں اور ان کے عیوب معلوم ہیں، مگر کبھی کسی کے سامنے ان کا اظہار نہیں کیا۔ الغرض! کسی کا عیب اس کی غیر موجودگی میں بیان کرنا غیبت کہلاتا ہے اور اس کے منہ پر بیان کرنا طعن کہلاتا ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نہ کسی کی غیبت کرو اور نہ ایک دُوسرے کو طعن کرو۔

ایک ہدایت یہ فرمائی کہ ایک دُوسرے کو بُرے القاب اور بُرے ناموں سے نہ پکارو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو زمانۂ جاہلیت میں ہم میں سے ہر ایک کے دو، دو، چار، چار نام تھے۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو اس کا نام لے کر بلایا، تو عرض کیا گیا کہ: وہ شخص اس نام سے بلائے جانے کو پسند نہیں کرتا، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ عام فرمادیا، اور ممانعت فرمادی کہ کسی شخص کا ایک سے زیادہ نام نہ رکھا جائے، اور یہ جو بُرے بُرے لقب لوگوں نے تجویز کر رکھے ہیں، ان اَلقاب کو اِستعمال نہ کیا جائے، اصل نام کو چھوڑ کر یہ جو اور نام رکھے جاتے ہیں وہ کسی نہ کسی عیب کو ظاہر کرتے ہیں، اس لئے اللہ نے بُرے القاب سے پکارنے کی ممانعت فرمادی، اچھی صفت کا لقب یا کنیت رکھنا اوپر کی ممانعت میں نہیں آتے، بلکہ وہ محمود ہیں۔

دُوسری آیت میں بدگمانی اور تجسّس سے منع فرمایا، بدگمانی یہ ہے کہ کسی شخص نے بڑی خیر خواہی کے طور پر کوئی بات کہی، اس کی بات خیر خواہانہ تھی اور اس کا مقصد اچھا تھا، مگر ہم نے اپنے پاس سے اس کا بُرا مقصد تصنیف کرلیا کہ اس مقصد کے لئے اس نے یہ بات کہی ہے، اچھا مقصد ذہن میں نہیں آتا۔ اور یہ بھی خاص عورتوں کی بیماری ہے، چونکہ ذہن میں کجی ہوتی ہے اس لئے بدگمانی کے طور پر اپنی طرف سے وجہ تصنیف کرلیتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی بدگمانی ناجائز ہے، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ! فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ“ (مشکوٰۃ ص:۴۲۷)

ترجمہ: ”بدگمانی سے بچا کرو، اس لئے کہ بدگمانی سب سے بدتر جھوٹی بات ہے۔“

جس گھر میں بدگمانی داخل ہوجائے وہ گھر اُجڑ جاتا ہے، اور جس معاشرے میں بدگمانی کا دور دورہ ہوجائے وہ معاشرہ تباہ و برباد ہوجاتا ہے، کیونکہ جب ہر آدمی دُوسرے کی بات کا اُلٹا مطلب لے گا، اور ہر شخص دُوسرے سے بدگمان رہے گا تو باہمی اعتماد کیسے پیدا ہوگا؟ اور معاشرہ صحیح نہج پر کیسے قائم رہے گا؟ آج کل تمہارے ہاں بڑے لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تمہیں معلوم ہی ہے! یہ عورتوں کی لگائی بجھائی کی ہوئی ہے، عورتیں بیچاری اس لگائی بجھائی کے معاملے میں ماہر ہوتی ہیں۔

عید کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے، ان سے فرمایا:

''یَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ! تَصَدَّقْنَ، فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ۔'' (مشکوٰۃ ص:۱۳)

ترجمہ: ''اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کیا کرو، اس لئے کہ مجھے دِکھایا گیا ہے کہ جہنّم میں اکثریت تمہاری ہوگی۔''

دُوسری حدیث میں فرمایا کہ:

''اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّۃِ فَرَأَیْتُ أَکْثَرَ أَھْلِھَا الْفُقَرَآءَ، وَاطَّلَعْتُ فِی النَّارِ فَرَأَیْتُ أَکْثَرَ أَھْلِھَا النِّسَآءَ۔'' (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۴۴۶)

یعنی میں نے جنّت کی سیر کی تھی، میں نے دیکھا کہ وہاں اکثریت کمزوروں کی تھی، جن بے چاروں کو یہاں کوئی پوچھتا نہیں، ٹوٹے پھوٹے لوگ، گرے پڑے لوگ، اور میں نے دوزخ کو دیکھا تو وہاں اکثریت عورتوں کی تھی، اس لئے فرمایا کہ: تم دوزخ سے بچنے کے لئے صدقہ زیادہ کیا کرو۔ عورتوں نے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! ہماری اکثریت وہاں کیوں ہوگی؟ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ: ایک عورت جو بڑی دانا تھی، اس نے کہا کہ: اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ: ''تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ'' (مشکوٰۃ ص:۱۳) تم لعن طعن کرتی ہو اور اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو، کبھی خوش نہیں ہوتیں۔

یہ بے چاری عورتوں کی کمزوری ہے، گھر میں اللہ تعالیٰ نے کتنا ہی راحت کا سامان عطا کر رکھا ہو، کھانے کو موجود ہے، پہننے کو موجود ہے، ہر قسم کی راحت ہے، اللہ نے عزّت بھی دے رکھی ہے، رزق بھی دے رکھا ہے، لیکن خاتونِ خانہ کو ذرا چھیڑ کر دیکھئے، ایسا لگے گا کہ دُنیا میں اس سے زیادہ دُکھوں کی ماری کوئی نہیں ہے، ''الحمدللہ! حق تعالیٰ شانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے'' یہ کلمہ ان کی زبان سے کبھی نہیں نکلتا، اِلَّا ماشاء اللہ!

''الحمدللہ'' پر مجھے قصہ یاد آیا، میں اور مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور خادم تھے، ان کی زیارت کو گئے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں صاحبِ فراش تھے، چند دنوں بعد اِنتقال ہوگیا تھا، پیشاب پاخانہ بھی دُوسرے لوگ کرواتے تھے، اور ایک عرصے سے آنکھیں بھی ضائع ہوگئی تھیں، کھا نہیں سکتے تھے، پی نہیں سکتے تھے، نظر کچھ نہیں آتا، پیشاب پاخانے کے

لئے دُوسروں کے محتاج تھے، ہم دونوں گئے تو ان کو اِطلاع کی گئی کہ فلاں فلاں آئے ہیں، فرمایا: بلالو! بلالیا، سلام کیا، جواب دیا، مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ: کیا حال ہے؟ فرمایا: ''الحمدللہ''! اتنے مزے سے ''الحمدللہ'' کہا کہ آج تک اس کی مٹھاس کانوں میں ہے، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ رُواں رُواں ان کا ''الحمدللہ'' کہہ رہا ہے۔

الغرض! ہم لوگوں کو جو نعمتیں، اور جو چیزیں حاصل ہیں، ان پر کبھی ''الحمدللہ'' نہیں کہتے، اور جو چیزیں حاصل نہیں، ہمیشہ ان پر کڑھتے رہتے ہیں، حالانکہ دُنیا کی ساری چیزیں ایک آدمی کو تو حاصل نہیں ہوسکتیں، یہ تو حکمت کے خلاف ہے، آپ یہ چاہیں کہ دُنیا میں آپ کو کوئی رنج و پریشانی نہ ہو، کوئی مراد ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو، کسی قسم کی کوئی اُلجھن نہ ہو، یہ تو اس دُنیا میں ناممکن ہے، پھر یہ دُنیا دُنیا کیوں ہوگی، جنّت ہوگی!

دریں دُنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

دُنیا میں ایسا کون ہے جس کا کوئی پہلو کمزور نہ ہو؟ میرے مولا کی حکمت کارفرما ہے کہ کسی کو کچھ دے رکھا ہے، کسی کو کچھ دے رکھا ہے، ہمیں تو حکم ہے کہ ہر حال میں مالک کا شکر بجالاؤ، لیکن عورتیں بے چاری بہت کمزور ہوتی ہیں اس معاملے میں، ان کے منہ سے کلمۂ شکر بہت کم نکلتا ہے۔

ایک مرتبہ میں سکھر گیا تھا، وہاں میرے ایک عزیز کرنل صاحب تھے، باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا کہ ہم دونوں میاں بیوی چار بجے اُٹھتے ہیں، گرمیوں کے موسم میں چار بجے تہجد پڑھی، اس کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر میں تو لیٹ جاتا ہوں، اور کوئی آٹھ بجے اُٹھتا ہوں، تو میں دیکھتا ہوں کہ گھر والی مصلیٰ پر بیٹھی ہے، چار بجے سے دُعائیں مانگ رہی ہے، یہ ہمیشہ کا معمول ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اس سے کہا کہ: تو کیا مانگتی رہتی ہے، چار گھنٹے ہوگئے؟ کہتی ہے: کچھ بھی نہیں مانگتی رہتی، بس اللہ کا شکر اَدا کرتی رہتی ہوں، یا اللہ! آپ نے ہم پر کتنے اِنعامات فرمائے ہیں، بس یہی شکر کرتی رہتی ہوں۔ سبحان اللہ! کیسی شکرگزار بی بی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (سبا) (اور بہت کم ہیں میرے بندوں میں شکر اَدا کرنے والے)۔ اکثر ناشکرے ہیں کہ کھاپی کر بھی کفرانِ نعمت کرتے ہیں، مالک نے سب کچھ دے بھی رکھا ہے، پھر بھی ان کے منہ سے کلمۂ شکر نہیں نکلتا، اگر منہ سے نکل جائے تو دِل سے نہیں نکلتا، اور اگر رسمی طور پر الحمدللہ کہہ بھی دیں تو ایسا نہیں کہ دِل کی گہرائیوں سے شکر نکلے۔

الغرض! عورتیں شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ۔'' (مشکوٰۃ ص:۲۶۱)

ترجمہ: ''جو اِنسانوں کا شکر اَدا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔''

تو گھروں میں ساری لڑائی اسی وجہ سے ہے کہ مجھے یہ نہیں دیا، وہ نہیں دیا، مطالبات کی ایک طویل فہرست ہے، ہر روز ایک مطالبہ، ایک نیا لفافہ، اب مطالبات کے اس جنگل کو کاٹنا، اس کو سر کرنا غریب مرد کے بس کی بات نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ ساری عمر بھلائی کرتے رہو، اگر ایک دن کوئی بات ان کے مزاج کے خلاف ہوجائے تم سے، تو کہیں گی: ''مَا رَأَیْتُ مِنْکَ خَیْرٌ قَطُّ!'' (فتح الباری ج:۲ ص:۵۴۰) کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔ یہ تھی وہ بات جس پر فرمایا کہ تم اپنے شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہو، اور دُوسری بات یہ کہ تم لعنت ملامت بہت کرتی ہو، اور تم اچھے خاصے سمجھ دار، ہوشیار، عقل مند آدمی کی عقل کو ایسا چکر دیتی ہو کہ وہ بے چارہ پریشان ہوکر رہ جاتا ہے، ایسی اُلجھنیں، اور ایسی گرہیں ڈال دیتی ہیں کہ عقل کے ناخن ان گرہوں کو کھولنے سے عاجز آجاتے ہیں۔

الغرض! کسی کے عیب کی ٹوہ لگانا ایک گناہ ہے، پھر اگر کسی کا عیب معلوم ہوگیا تو اس کو بیان کرنا دُوسرا گناہ، اور یہ بیان کرنا اگر اس کے سامنے ہوگا تو اس کو ''طعن'' کہتے ہیں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۨ ۝۱﴾ (خرابی ہے طعن کرنے والے، نکتہ چین کے لئے)۔

فرمایا کہ: ایک دُوسرے کو طعن مت کیا کرو۔ ہم میں سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے، کیا مرد، کیا عورتیں، جو اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ ہماری زبان گویا چوڑھے کا چھرا ہے، جو نہ حلال کو دیکھتا ہے نہ حرام کو، نہ بڑے کو دیکھتا ہے نہ چھوٹے کو، نہ بُرے کو دیکھتا ہے نہ اچھے کو، کسی شخص کو ہماری زبان سے امان نہیں، ہماری زبان کترنی کی طرح ہر ایک کو کاٹتی چلی جاتی ہے۔

اور اگر کبھی کسی کا عیب معلوم ہوگیا، اور اس کے سامنے بیان کرنے کی جرأت نہیں، اب عیب معلوم ہونے کے بعد ہم موقع تلاش کرتے ہیں کہ دُوسروں کے سامنے بیان کریں گے، اس کے سامنے بیان نہ ہو، اس کو ''غیبت'' کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''ذِکْرُکَ أَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ، قِیْلَ: أَفَرَأَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ أَخِیْ مَا أَقُوْلُ؟ قَالَ: اِنْ کَانَ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَہٗ، وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَھَتَّہٗ۔''

(مشکوٰۃ ص:۴۱۲)

یعنی غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ایسی بات کے ساتھ تذکرہ کرو کہ اگر اس کے سامنے تذکرہ کیا جاتا تو اس کو بُرا لگتا۔ پیٹھ پیچھے اس لئے تذکرہ کرتے ہیں کہ اگر سامنے تذکرہ کریں تو اس کو بُرا لگے گا، اور وہ ناراض ہوگا۔ ایک صحابی نے کہا: یا رسول اللہ! یہ فرمائیے کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں بیان کرتا ہوں، یعنی سچی بات کہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہے تو تم نے اس کی

غیبت کی، اور اگر وہ اس میں نہیں پائی جاتی بلکہ اپنے پاس سے تصنیف کر کے اس سے منسوب کی تو پھر تم نے اس پر بہتان باندھا، پھر یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔

جب تم کسی آدمی کی بُرائی کرو گے اس کی پیٹھ پیچھے، تو دو ہی شکلیں ہیں، یا تو واقعتاً اس میں وہ پائی جاتی ہے، تو یہ غیبت ہوگی اور غیبت زنا سے بدتر ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، اور اگر وہ بات اس میں پائی نہ جاتی ہو بلکہ جناب کے اپنے ذہن کی تصنیف ہو تو پھر یہ بہتان ہے، خالص تہمت۔ غیبت کو اللہ تعالیٰ نے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی، ایک حدیث میں آتا ہے کہ دو صحابی کسی تیسرے آدمی کا تذکرہ کر رہے تھے، ظاہر ہے کہ تذکرہ ایسا ہوگا۔

ہمارے حضرت حکیم الاُمّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: غیبت سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ کسی آدمی کا تذکرہ اس کی پیٹھ پیچھے مت کیا کرو، جب بھی تذکرہ کرو گے تو بات کھینچ تان کر قدرتی طور پر غیبت پر آجائے گی۔ اور ہمارے لئے تو دلچسپ موضوع ہی یہی ہے۔

”فَسَمِعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ يَقُوْلُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ...... فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً فَمَرَّ بِجِيْفَةِ حِمَارٍ شَائِلٍ بِرِجْلِهِ فَقَالَ: أَيْنَ فُلَانٌ وَّفُلَانٌ؟ فَقَالُوْا: نَحْنُ ذَا يَا رَسُوْلَ اللهِ! فَقَالَ لَهُمَا: كُلَا مِنْ جِيْفَةِ هٰذَا الْحِمَارِ! فَقَالَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! غَفَرَ اللهُ لَكَ، مَنْ يَّأْكُلُ مِنْ هٰذَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ هٰذَا الرَّجُلِ اٰنِفًا أَشَدُّ مِنْ أَكْلِ هٰذِهِ الْجِيْفَةِ......“

(الترغیب والترہیب ج:۳ ص:۳۳۰ طبع: دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: ”دو صحابی تذکرہ کر رہے تھے کسی تیسرے شخص کا، آنحضرت ﷺ نے سن لیا، آپ ﷺ جا رہے تھے، آگے دیکھا کہ ایک مرے ہوئے گدھے کی لاش پیر اٹھائے پڑی ہے، دونوں کو بلوالیا اور فرمایا کہ: اس مردار کی لاش میں سے کھاؤ! انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! گدھا اور اس کی لاش، اس کو کون کھا سکتا ہے؟ فرمایا کہ: یہ جو تم دونوں نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا، یعنی اس کی غیبت کی، وہ اس لاش سے زیادہ بدتر ہے۔“

تو اس خطبے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اے ان لوگوں کی جماعت جن کی زبانوں نے تو اِسلام کا اقرار کرلیا ہے لیکن ان کے دِل میں ایمان نہیں اُترا، مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو، اور ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، عیوب تلاش کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ٹوہ لگائی جائے کسی کا عیب معلوم کرنے کے لئے۔

بعض لوگوں کو یہ بھی خاص بیماری ہوتی ہے تحقیقات کی، اور اس تحقیقات کا مقصد ہوتا ہے ان لوگوں کے عیوب کو اُچھالنا اور ان کی کمزوریوں کو بیان کرنا، اور ان کی عزّت کو پامال کرنا، اور لوگوں کے سامنے ان کی بُرائیاں کرنا۔

فرمایا: مسلمانوں کی کمزوریوں اور ان کے عیوب تلاش کر کے بیان نہ کرو، اس لئے کہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہوتی ہے، تم مسلمانوں کے عیوب تلاش کرو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے عیوب تلاش کریں گے، اللہ تعالیٰ معاف کرے، اگر اللہ تعالیٰ کسی کے عیوب تلاش کرنے لگیں تو اس کو گھر بیٹھے رُسوا کر دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہے، اسی لئے فرمایا کہ: جو شخص اپنے مسلمان بھائی پر پردہ ڈالے گا، کہ تمہیں کسی کا عیب معلوم ہو گیا مگر تم نے اس پر پردہ ڈال دیا اور کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تو قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے، جیسا معاملہ تم مسلمانوں کے ساتھ کرو گے، ویسا معاملہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کریں گے۔

غیبت کی حقیقت:

کسی مسلمان کے پیٹھ پیچھے اس کے متعلق کوئی واقعی بات ایسی ذکر کرنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار گزرے، ''غیبت'' کہلاتی ہے۔ مثلاً: کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا، یا کسی کے حسب ونسب میں نقص نکالنا، یا کسی کی کسی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس، غرض جس شے سے بھی اس کو تعلق ہو، اس کا کوئی عیب ایسا بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار گزرے، خواہ زبان سے ظاہر کی جائے یا رمزو کنایہ سے، یا ہاتھ سے اور آنکھ کے اِشارے سے، یا نقل اُتاری جائے، یہ سب غیبت میں داخل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر کسی عورت کا ٹھگنا ہونا ہاتھ کے اِشارے سے ظاہر کیا اور یوں کہا تھا کہ: یا رسول اللہ! وہ عورت جو اتنی سی ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ! تم نے اس کی غیبت کی ہے''۔

سب سے بدتر غیبت وہ ہے جس کا رواج مقتدا اور دِین دار لوگوں میں ہو رہا ہے، کیونکہ وہ غیبتیں کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں۔ ان کی غیبتیں بھی نرالے انداز کی ہوتی ہیں، مثلاً: مجمع میں کہنے لگے کہ: ''اللہ کا شکر ہے اس نے ہم کو اُمیروں کے دروازوں پر جانے سے بچا رکھا ہے، ایسی بے حیائی سے خدا پناہ میں رکھے'' اس کلمے سے جو کچھ ان کا مقصود ہے وہ ظاہر ہے کہ اُمراء کے پاس بیٹھنے والے مولویوں پر طعن کرنا اور ان کو بے حیا کہنا منظور ہے، اور ساتھ ہی اپنی صلاحیتِ تقویٰ جتا رہے ہیں اور رِیاکاری کا گناہ کما رہے ہیں۔ اسی طرح مثلاً: کہنے لگے کہ: ''فلاں شخص کی بڑی اچھی حالت ہے، اگر اس میں حرصِ دُنیا کا شائبہ نہ ہوتا جس میں ہم مولوی لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں'' اس فقرے سے بھی جو کچھ مقصود ہے وہ ذرا سے تأمل سے

سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس کا بے صبرا ہونا ظاہر کرتے ہیں، اور اپنی طرف حرص کی نسبت اس نیت سے کرتے ہیں کہ سننے والا ان کو متواضع سمجھے، اور یہی غیبت ہے، ساتھ ہی رِیا کاری بھی ہے۔ زیادہ تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ یہ حضرات غیبت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو غیبت سے محفوظ اور پارسا سمجھتے ہیں۔ یا مثلاً: بول اُٹھے ''سبحان اللہ! بڑے تعجب کی بات ہے'' اور جب اتنا کہنے پر لوگوں نے اس بات کے سننے کے شوق میں ان کی جانب کان لگائے تو کہنے لگے: ''کچھ نہیں! فلاں شخص کا خیال آگیا تھا، حق تعالیٰ ہمارے اور اس کے حال پر رحم فرمائے اور توبہ کی توفیق دے'' اس فقرے کا جو کچھ منشا ہے وہ عقل مند پر مخفی نہیں ہے، کیونکہ ان کا یہ کلمہ ترحم و شفقت یا دُعا کی نیت سے نہیں ہوتا جیسا کہ ظاہری الفاظ سے فہم پڑتا ہے، اس لئے کہ اگر دُعا کرنی مقصود ہوتی تو دِل ہی دِل میں کیوں نہ کر لیتے، ''سبحان اللہ'' کہہ کر لوگوں کو متوجہ کرنا اور معصیت کا اشارہ کرنا ہی کیا ضروری تھا؟ یا کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا بھی کوئی شفقت یا خیر خواہی کی بات ہے؟ اسی طرح بعض لوگوں کی عادت ہے کہ غیبت سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ''بھائی! غیبت مت کیا کرو'' مگر دِل ان کا غیبت کو مکروہ نہیں سمجھتا بلکہ اس نصیحت کرنے سے محض اپنی دِین داری اور تقویٰ کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی مجمع میں غیبت ہوتی ہے تو ناصح اور پارسا بن کر کہنے لگتے ہیں کہ: ''میاں! غیبت کرنا گناہ ہے، اس سے ہم سننے والے بھی گناہگار ہوتے ہیں۔''

یہ لوگ کہنے کو تو کہہ جاتے ہیں، مگر دِل ان کا مشتاق رہتا ہے کہ ''کاش! یہ شخص ہماری نصیحت پر عمل نہ کرے، جو کچھ کہہ رہا ہے کہے جائے اور ہمیں سنائے جائے'' بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ غیبت سننے کا اِنتظار بھی ہے اور پھر یوں بھی سمجھتے ہو کہ ہم منع کرکے گناہ سے سبکدوش ہوگئے۔ یاد رکھو! کہ جب تک غیبت کرنے اور سننے کو دِل سے بُرا نہ سمجھو گے تو اس وقت تک غیبت کے گناہ سے ہرگز نہ بچو گے، کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں برابر ہیں، اور جس طرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح دِل سے غیبت کرنا بھی حرام ہے، البتہ چند صورتوں میں خاص لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے، جس کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں:

اوّل:... مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسرِ اعلیٰ تک پہنچائے اور اپنے اُوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں ہے، البتہ ظالم کے عیوب کا ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنھیں اس کو سزا دینے یا مظلوم کے اُوپر سے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہ ہو، بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے۔ ایک بزرگ کی مجلس میں حجاج بن یوسف کا ذکر آگیا تھا، تو انہوں نے یوں فرمایا: ''حق تعالیٰ انصاف کے دن مظلوموں کا بدلہ حجاج سے لے گا، اور حجاج کا بدلہ اس کی غیبت کرنے والوں سے لے گا، اس لئے کہ بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جن کو حجاج کے کئے ہوئے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہیں، تو ایسے لوگوں کے سامنے حجاج کی غیبت کس طرح جائز ہوسکتی ہے؟''

دوم:... کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلافِ شرع اَمر کے رفع کرنے میں مدد لینی ہو یا کسی کو اس کے فتنے سے بچانا ہو تو اس سے بھی ان بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگر چہ ان کی غیبت کرنا ہے، مگر جائز ہے۔

سوم:... مفتی سے فتویٰ لینے کے لئے اِستفتاء میں اَمرِ واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے، اگر چہ اس اظہارِ حال میں کسی کی غیبت ہوتی ہو۔ دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: ''یا رسول اللہ! میرا خاوند ابوسفیان اتنا بخیل ہے کہ بقدرِ کفایت بھی مجھ کو خرچ نہیں کرنے دیتا'' اور ظاہر ہے کہ یہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی شکایت اور غیبت تھی، مگر چونکہ مفتیٔ شریعت سے اِستفسار کیا جارہا ہے کہ اس صورت میں میرے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ لہٰذا اس غیبت میں کچھ حرج نہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس صورت میں بھی یہ غیبت اسی وقت جائز ہے کہ جب اس میں اپنا یا کسی مسلمان کا فائدہ مقصود ہو۔

چہارم:... اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے، اور تم کو علم ہو کہ اس معاملے میں ناواقفیت کی وجہ سے اس کا نقصان ہے، تو اس کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کا حال بیان کردینا جائز ہے۔ اسی طرح قاضی کی عدالت میں کسی گواہ کا کوئی عیب اس نیت سے ظاہر کرنا کہ صاحبِ حق کو اس مقدمے میں میرے خاموش رہنے سے نقصان نہ پہنچے، جائز ہے۔ البتہ صرف اسی شخص سے ذکر کرنا جائز ہے جس کے نقصان کا اندیشہ ہو یا جس پر فیصلے اور حکم کا مدار ہو۔

پنجم:... اگر کوئی شخص ایسے ہی نام سے مشہور ہو جس میں عیب ظاہر ہوتا ہے، مثلاً: اعمش (چندھا)، اعرج (لنگڑا) تو اس نام سے اس کا پتا بتلانا غیبت میں داخل نہیں ہے، پھر بھی اگر دُوسرا پتا بتلادو تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔

ششم:... اگر کسی شخص میں کوئی عیب ایسا کھلا ہوا پایا جاتا ہے کہ لوگ اس کا یہ عیب ظاہر کرتے ہیں تو اسے ناگوار نہیں گزرتا، مثلاً مخنث یا ہیجڑا کہ ان کے اس صنف کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ان کو خیال بھی نہیں ہوتا، تو یہ تذکرہ بھی غیبت سے خالی ہے، البتہ اگر اس کو ناگوار گزرے تو حرام ہے، کیونکہ ناقصکے بھی کسی ایسے گناہ کا ذکر کرنا جو اسے ناگوار گزرے بلا عذرِ خاص جائز نہیں ہے۔

غیبت کا علاج:

نفس کو غیبت سے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ غیبت کی سزا اور نقصان میں غور کرو، حدیث میں آیا ہے کہ: ''آگ جو گھاس میں اثر کرتی ہے، غیبت اس سے جلد اور زیادہ اثر مسلمان کی نیکیوں میں کرتی ہے۔'' یعنی غیبت کرنے سے نیک اعمال جل جاتے ہیں۔ اب ذرا سوچو کہ جب کوئی نیکوکار شخص جس نے دُنیا میں مشقتیں اُٹھا اُٹھا کر نیکیاں جمع کی تھیں، جب قیامت کے دن اپنے نامۂ اعمال کورے دیکھے گا اور اس کو معلوم

ہوگا کہ غیبت کی وجہ سے اس کی نیکیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ دی گئی ہیں جس کی وہ غیبت کیا کرتا تھا، تو کس قدر حسرت وافسوس کرے گا۔

مسلمان کو سوچنے کے لئے اپنے ہی نفس کے عیوب بہتیرے ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ جب فرصت ملے اپنی حالت پر نظر ڈالو، اور جو عیب پاؤ اس کے رفع کرنے میں مصروف ہو جاؤ کہ دُوسروں کے عیوب دیکھنے کا موقع ہی نہ آئے، اور یوں سمجھو کہ تمہارا ذرا سا عیب جتنا تم کو نقصان پہنچائے گا دُوسرے کا بڑا عیب بھی تم کو اس قدر نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اگر تمہیں اپنا عیب نظر نہ آئے تو یہ خود ایسا عیب ہے جس کے برابر کوئی عیب نہیں، کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں ہے، پس اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا تو بڑا سخت عیب ہے۔ اس لئے اوّل اس کا علاج کرو، اور اس کے بعد جو عیب نظر آتے جائیں ان کی تدبیر کرتے رہو، اور اگر اِتفاقاً اس پر بھی کسی شخص کی غیبت ہو جائے تو اللہ سے توبہ جدا کرو، اور اس شخص کے پاس جاکر غیبت کی خطا جدا معاف کراؤ، اور اگر اس سے نہ مل سکو تو اس کے لئے دُعائے مغفرت کرو اور خیرات کرکے اس کی رُوح کو اِیصالِ ثواب کرو۔ غرض چونکہ تم نے غیبت کرکے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہے اس لئے جس طرح ممکن ہو اس ظلم کی جلد تلافی کرو۔

حسد کا بیان

[حدیث:۴۱۷] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقَاطَعُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاءَ فی الحسد، حدیث: ۱۸۵۹)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپس میں قطع تعلق نہ کرو، ایک دُوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو، ایک دُوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دُوسرے پر حسد نہ کرو، اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو، اور کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑے رکھے یعنی قطع تعلق رکھے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں چار چیزوں کی ممانعت فرمائی ہے، باہمی قطع تعلق، ایک دُوسرے سے پیٹھ پھیرنا، آپس کا بغض اور ایک دُوسرے پر حسد کرنا، ان چاروں کے درمیان معنوی ربط پایا جاتا ہے۔ چنانچہ قطع تعلق اور پیٹھ پھیرنا آپس میں لازم وملزوم ہیں، جن دو شخصوں کے درمیان تعلقات ناخوشگوار ہوں

گے وہ ایک دُوسرے کی طرف پیٹھ پھیر کر بیٹھیں گے، اس طرح ان کے درمیان بغض وعداوت نشوونما پائے گی۔ اور جس شخص سے نفرت ہوا کرتی ہے آدمی اس کی اچھی حالت دیکھ کر جلا کرتا ہے، اس لئے بغض وعداوت سے آپس کا حسد پیدا ہوگا، اور حسد وہ لعنت ہے جس نے شیطان کو ''اِبلیس'' بنایا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (جو اپنی اُمّت کے حق میں باپ سے زیادہ شفیق ہیں، فداہ ابی واُمی ورُوحی وجسدی) ان چاروں چیزوں کو اپنی اُمّت کے لئے ناجائز قرار دیتے ہوئے ان سے منع فرمایا ہے، اور اس کے بجائے بھائی بھائی بن کر رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چونکہ ایک دُوسرے سے رنجش کا ہوجانا اور اس کی وجہ سے ایک دُوسرے سے بول چال بند کرنے کو جی چاہنا ایک طبعی اَمر اور انسان کی نفسیاتی کمزوری ہے، اس لئے اس کی رعایت رکھتے ہوئے تین دن تک بول چال بند رکھنے کی اجازت دے دی، اور تین دن سے زیادہ قطع تعلق کو ناجائز قرار دیا۔

حسد کے معنی ہیں: ''کسی کے پاس نعمت دیکھ کر اس پر جلنا اور کڑھنا، اور اس نعمت کے زوال کی تمنا کرنا۔'' اور حسد کا منشا کبر ہے۔

جیسا کہ اُوپر اشارہ کیا گیا ہے، اسی حسد وکبر کی بیماری کی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہ ہوا، شیطان کے دِل میں ''أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ'' کا شیطانی زعم تھا، جب حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اِنعام واِکرام کا معاملہ فرمایا تو وہ جل بھن گیا، فیصلۂ خداوندی پر معترض اور نکتہ چیں ہوا، اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کا جو معاملہ ہو رہا تھا اسے خلافِ حکمت سمجھا، ان تمام بیماریوں نے اسے حکمِ اِلٰہی سے سرتابی پر برانگیختہ کیا، بالآخر مردود ہوا۔ پس جو شخص کسی کی نعمت پر جلتا ہے اور اس نعمت کے زوال کی تمنا رکھتا ہے وہ شیطان کی طرح فیصلۂ خداوندی پر معترض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ نعمت کیوں عطا فرمائی؟ نعوذ باللہ!

[حدیث:۴۱۸] ''عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا حَسَدَ إِلَّا فِيْ اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب مَاجاء فی الحسد، حدیث:۱۸۶۰)

ترجمہ: ''حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسد نہیں مگر دو چیزوں میں، ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو، پس وہ اسے رات دن (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) خرچ کرتا ہو، دُوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا ہو (یعنی قرآن کا حافظ ہو) پس وہ رات اور دن کے اوقات میں قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس پر عمل کرتا ہو (نماز میں تلاوت کرتا ہو)۔''

تشریح: اس حدیث میں حسد سے مراد غبطہ یعنی رشک ہے، حسد اور غبطہ میں یہ فرق ہے کہ اگر صاحبِ نعمت سے نعمت کے چھن جانے کی تمنا ہو تو یہ حسد ہے، اور اگر اس سے نعمت کے چھن جانے کی تمنا نہ ہو بلکہ یہ دِل چاہے کہ کاش! اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ عطا فرمادیں تو غبطہ اور رشک ہے اور یہ جائز ہے۔

اس حدیث میں فرمایا گیا کہ دُنیا میں اصل لائقِ رشک یہ دو نعمتیں ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال عطا فرمایا ہو اور وہ دن رات اسے راہِ خدا میں خرچ کرتا ہو، دُوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حفظِ قرآن کی دولت سے نوازا ہو اور وہ دن رات نماز میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہو۔ یا قرآن کے علوم سے بہرہ ور ہو اور وہ رات دن خود بھی ان پر عمل پیرا ہو اور ان کی نشر و اشاعت و تعلیم و تدریس میں لگا ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ دولتیں نصیب فرمائیں۔

حسد کی بیماری اور اس کا علاج:

حسد ایک بیماری ہے دِل کی، جس کے معنی ہیں کسی کی نعمت سے جلنا، ایک شخص کے پاس ہم کوئی نعمت دیکھتے ہیں، مثلاً: اس کو کھانے کو اچھا ملتا ہے، یا پہننے کو اچھا مل گیا، کوئی رشتہ اچھا ہوگیا، مکان اچھا بن گیا، اس کا کاروبار چمک گیا، اس کو کوئی حیثیت مل گئی، کوئی عہدہ مل گیا، اس کی ان نعمتوں کو دیکھ کر بعض لوگوں کے دِل میں جلن پیدا ہوتی ہے کہ اس کو یہ چیز کیوں ملی؟ اور جی یوں چاہتا ہے کہ اس کے پاس سے یہ نعمت چھن جائے، یہ تو "حسد" کہلاتا ہے، اور اگر کسی کی نعمت دیکھ کر یہ تمنّا پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ نعمت عطا فرمادیں تو اس کو "غبطہ" یعنی رشک کرنا کہتے ہیں۔

رشک میں اس شخص سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنّا نہیں ہوتی، یعنی یہ تمنّا نہیں ہوتی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ عطا کرے، لیکن یہ تمنّا بھی ہوتی ہے کہ کاش یہ نعمت مجھے بھی مل جائے، آدمی کا دِل نعمت کے حصول کے لئے للچاتا ہے، یہ "رشک" کہلاتا ہے، اور اس کی اجازت ہے، کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب بھی کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھتا ہے تو تمنّا کرتا ہے کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

"لَا حَسَدَ اِلَّا فِیْ اِثْنَیْنِ: رَجُلٌ اٰتَاہُ اللهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَکَتِهٖ فِی الْحَقِّ، وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللهُ الْحِکْمَةَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَیُعَلِّمُهَا۔" (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۳۲)

یعنی "لائقِ رشک صرف دو آدمی ہیں" یہاں حسد سے "غبطہ" اور "رشک" مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں اگر کوئی لائقِ رشک ہے تو صرف دو آدمی ہیں جن پر آدمی کو رشک کرنا چاہئے۔ "ایک وہ آدمی جس کو

اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے، مال عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلط کر دیا اس کے صرف کرنے پر، یعنی اس کے خرچ کرنے پر، حق کے راستوں میں۔'' کہ وہ نیک کاموں میں مال کو خرچ کرتا ہے، تو یہ شخص قابلِ رشک ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محض مال کا آجانا قابلِ رشک نہیں، ہاں! کسی آدمی کو مال مل جائے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دیں رضائے اِلٰہی کے مطابق اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی تو ایسا شخص واقعی لائقِ رشک ہے، اور اگر مال مل گیا لیکن وہ اس کو غلط راستوں پر خرچ کرتا ہے تو یہ شخص لائقِ رشک نہیں، بلکہ لائقِ رحم ہے، اس کی تمنا نہیں کرنی چاہئے۔ ''اور دُوسرا آدمی لائقِ رشک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا، وہ اپنے علم کے ساتھ خود بھی منتفع ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی نفع پہنچاتا ہے۔'' یہ شخص لائقِ رشک ہے کہ اللہ ہمیں بھی ایسا بنادے، تو یہ دو آدمی لائقِ رشک ہیں، گویا دُنیا کی نعمتوں میں صرف دو نعمتیں ایسی ہیں جن پر رشک کیا جائے، ایک یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائیں اور وہ مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہو، دُوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہو اور وہ اس کو صحیح طور پر اِستعمال کرتا ہو۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

''......اِنَّمَا الدُّنْیَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللهُ مَالًا وَّ عِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِيْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَيَصِلُ رَحِمَهٗ وَيَعْمَلُ لِلّٰهِ فِيْهِ بِحَقِّهٖ، فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللهُ عِلْمًا وَّلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا، فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُوْلُ: لَوْ أَنَّ لِيْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ، فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ۔ وَعَبْدٌ رَزَقَهُ اللهُ مَالًا وَّلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا، فَهُوَ يَتَخَبَّطُ فِيْ مَالِهٖ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِيْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَلَا يَصِلُ رَحِمَهٗ وَلَا يَعْمَلُ فِيْهِ بِحَقٍّ، فَهٰذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللهُ مَالًا وَّلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُوْلُ: لَوْ أَنَّ لِيْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ، فَهُوَ نِيَّتُهٗ وَوِزْرُهُمَا سَوَآءٌ۔'' (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص:۴۵۱)

لوگ چار قسم کے ہیں، ایک وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی عطا فرمایا اور علم بھی عطا فرمایا، اور وہ اس مال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، اور اس کو علم کے مطابق نیکی کے مصارف میں خرچ کرتا ہے، مسجدیں بنواتا ہے، مدارس بنواتا ہے، غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کی خدمت کرتا ہے، رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کرتا ہے، مخلوق کی خدمت کرتا ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ: ''فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ'' یعنی یہ شخص سب سے افضل اور اعلیٰ ترین مرتبے میں ہے۔

اور ایک شخص وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا، لیکن مال نہیں دیا، یہ اس پہلے آدمی کو دیکھ کر بہت رشک کرتا ہے اور دِل میں یہ تمنا کرتا ہے کہ اے کاش! مجھے بھی مال مل جاتا تو میں بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا کرتا جس طرح یہ شخص خرچ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ“ یعنی اس شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی نیت پر اتنا ہی اجر عطا فرمائیں گے جتنا خرچ کرنے والے کو عطا فرماتے ہیں، دونوں کا اجر برابر ہے۔

تیسرا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے، لیکن علم نہیں دیا، وہ اس مال میں غلط راستے پر جاتا ہے یعنی نہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، نہ صلہ رحمی کرتا ہے، نہ خیر کے کاموں میں خرچ کرتا ہے، اور نہ دِین کے راستوں میں خرچ کرتا ہے، وہ مال کو خرچ کرتا ہے مگر اپنی خواہشِ نفس پر، خرچ کرتا ہے لغویات پر، خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں، یہ شخص سب سے بدترین مرتبے کا ہے۔

چوتھا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ علم دیا، نہ مال دیا، یہ شخص اس تیسرے آدمی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ کاش! ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بھی ایسا ہی کرتے کہ اس نے لڑکے کے ختنے کی تقریب کیسی شان دار کی، کنجریاں نچوائیں، ڈھول بجائے، ہمارے پاس پیسہ ہوتا تو ہم بھی یہ سب کچھ کرتے، دیکھو! اس نے کیسی دُھوم دھام سے شادی کی، اور اس پر کتنا خرچ کیا، ہمارے پاس دولت ہوتی تو ہم بھی اسی طرح کرتے، اسی طرح مال دار کے گھر جتنے غلط کام ہوتے ہیں، یہ سب پر رشک کرتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ اس کے گھر میں ٹی وی ہے، فلاں فضول چیز ہے، فلاں غلط چیز ہے، ہمارے پاس پیسے نہیں، اگر ہوتے تو ہم بھی یہ ساری چیزیں گھر میں لا ڈالتے۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فَهُوَ نِيَّتُهُ وَوِزْرُهُمَا سَوَآءٌ“۔

اس کو اس کے اِرادے اور قصد کی وجہ سے اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا کہ اس تیسرے آدمی کو ملے گا، نعوذ باللہ! بڑا بدقسمت ہے یہ شخص کہ اپنے جہل کی وجہ سے بیٹھے بٹھائے گناہ گار ہوگیا، اور گناہ گاری میں حصہ لے لیا، تو میں عرض کر رہا تھا کہ رشک تو یہ ہے کہ ہم کسی شخص کی ریس کرنا چاہیں، دِل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمائیں، تو بھئی اگر رشک کرنا ہے تو کسی کی نیکی پر کرو، کسی کی بُرائی پر کیا رشک کرنا ہے، یہ دو آدمی ہیں قابلِ رشک، ان پر رشک کرو۔

تو ایک ہوتا ہے ”حسد“ یعنی کسی کی نعمت کو دیکھ کر جل جانا کہ اس کو یہ نعمت کیوں ملی؟ اور کسی کی نعمت کو برداشت نہ کرسکنا، یہ تمنا کرنا کہ کاش! یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، مجھے بھلے ملے یا نہ ملے، یہ حسد دِل کی بیماری ہے، اور منشا اس کا تکبر ہے، یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھا، اور دُوسرے شخص کو چھوٹا سمجھا کہ یہ شخص تو اس نعمت کے لائق نہیں تھا، اس کو یہ نعمت کیوں دی گئی؟

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اے مؤمن! تو کسی مسلمان بھائی کی نعمت کو دیکھ کر اس پر کیوں حسد کرتا ہے؟ کیوں جلتا ہے؟ اس لئے کہ اس کو جو نعمت ملی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملی ہے، اور تم کو جو نہیں ملی، یہ بھی من جانب اللہ نہیں ملی، اب جو تم اس پر حسد کرتے ہو، اس کی دو ہی وجہیں ہوسکتی ہیں،

ایک تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ شخص اس نعمت کا اہل نہیں تھا، اس کو نہیں ملنی چاہئے تھی، یہ اللہ تعالیٰ کو تقسیم نہیں کرنا آتا، نعوذ باللہ! تبھی تو تم اِعتراض کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس شخص کو کیوں دے دی؟

شیطان حسد کی وجہ سے کافر بنا:

تمہیں معلوم ہوگا کہ دُنیا کا سب سے پہلا کافر اس حسد کی وجہ سے کافر بنا، شیطان کو اسی حسد نے شیطان بنایا، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا اور فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرو، ملائکہ کو کیا عذر تھا؟ جبریل ہیں، اسرافیل ہیں، میکائیل ہیں، عزرائیل ہیں، ملائکہ مقرّبین ہیں، حاملینِ عرش ہیں، بڑے بڑے درجے کے فرشتے ہیں، لیکن سب حکمِ اِلٰہی کے تابع ہیں، دِل و جان کے ساتھ حکمِ اِلٰہی کے مطیع ہیں:

﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝۶﴾ (التحریم)

ان کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہو جائے، اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور ان کو جو حکم ہو جائے اسے کر ڈالتے ہیں، فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو، مالک کا حکم تھا بغیر توقف کے تمام کے تمام فوراً سجدے میں گر گئے، سب کے سب مل کر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سجدہ بجالائے، ”اِلَّآ اِبْلِيْسَ“ مگر اِبلیس، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے نہیں جھکا، اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ: تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ ﴿قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۝۱۲﴾ (الاعراف) کہنے لگا کہ آدم کو سجدہ نہیں کر سکتا، کیونکہ میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹّی سے پیدا کیا ہے، اب میں بڑا اور یہ چھوٹا، اور بڑے کو یہ کہنا کہ وہ چھوٹے کے سامنے جھکے یہ حکمت کے خلاف ہے، تو شیطان نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حسد کیا، لیکن حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حسد کرنا درحقیقت اِعتراض تھا اللہ تعالیٰ کے فعل پر، نعوذ باللہ! اس کا یہ مطلب تھا کہ آپ کا یہ حکم غلط ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تم جو کسی کی نعمت کو دیکھ کر حسد کرتے ہو، اور جلتے ہو، ذرا یہ تو سوچو کہ نعمت کے عطا کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے، تو تم گویا یہ کہنا چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ غلط ہے، نعوذ باللہ! اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارا مقام کیا ہوگا؟ جو شخص کہ فیصلۂ اِلٰہی پر اِعتراض کرتا ہو اس کا مقام کیا ہے؟

حسد کا دُوسرا منشا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ نعمت مجھے ملنی چاہئے تھی، مجھے کیوں نہیں ملی؟ یہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ پر اِعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیوں محروم رکھا؟ تم جب کہتے ہو کہ یہ چیز مجھے ملنی چاہئے تھی تو گویا تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ یہ تمہارا ذاتی اِستحقاق ہے، اِبلیس نے بھی تو یہی کہا تھا کہ میں اس سے بہتر ہوں، میں اس کا مستحق تھا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے سامنے سجدہ کریں، نہ یہ کہ اُلٹا مجھے کہا جائے کہ میں آدم کو سجدہ کروں، تو نعمت

کو تم نے اپنا ذاتی اِستحقاق سمجھا، ذاتی استحقاق سمجھتے ہوئے ہی تو شیطان نے فیصلۂ خداوندی پر اِعتراض کیا کہ اس نعمت کا حق تو میرا تھا، آپ نے میرے بجائے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ نعمت دے دی، تو حاسد ایسا احمق ہے کہ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر معترض ہے۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے جلنے سے ہوگا کچھ نہیں، جس پر حسد کر رہا ہے اس کی نعمت زائل نہیں ہوگی، بلکہ یہ خود جلتا رہے گا، دُنیا میں بھی جلے گا اور آخرت میں بھی جلے گا، یہاں حسد کی آگ میں جلتا ہے، وہاں جا کر جہنّم کی آگ میں جلے گا۔

اور یہ حسد کی بیماری بہت سی بُرائیوں کا منبع ہے، جب اس کو کسی پر حسد ہوگا تو لوگوں کے سامنے اس کی بُرائی بیان کرے گا، تاکہ لوگوں کے دِل میں اس کی عزّت نہ رہے، کیونکہ یہ سمجھے گا کہ لوگوں کے دِل میں اس کی عزّت ہے، میری نہیں، اس نعمت کی وجہ سے اس کو نیچے گرانا چاہے گا تو اس کی بُرائیاں کرے گا، اس کو کوئی نہ کوئی ایذا پہنچانے کی کوشش کرے گا، اس کو کسی نہ کسی طرح ستائے گا، یہ وہ تمام افعال ہیں جن کی وجہ سے یہ غضبِ اِلٰہی کا مورد بنے گا۔ کسی مسلمان کی غیبت کرنا بھی کبیرہ گناہ، کسی مسلمان کو اِیذا پہنچانا بھی کبیرہ گناہ، یہ کوئی نہ کوئی تہمت تراشے گا، کوئی نہ کوئی بات بنائے گا، لوگوں کے ذہن کو اس کی طرف سے پھیرنے کے لئے کوئی نہ کوئی افسانہ تراشے گا، تو غیبت، بہتان تراشی اور اِیذارسانی جیسے گناہ اس حسد سے پیدا ہوتے ہیں۔

اسی بنا پر حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ! فَاِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔“

(رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ ص:۴۲۸)

ترجمہ: ”حسد سے بچو! کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھالیتی ہے۔“

یہ حاسد بے چارہ حسد میں مشغول ہے کہ اوّل تو اس سے نیکیاں کی ہی نہیں جائیں گی، جس شخص کو فیصلۂ خداوندی پر اِعتراض ہو، وہ نیکی کیا کرے گا؟ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ناخوش ہو، اسے طاعت وعبادت کی توفیق کیسے ہوگی؟ وہ تو آگ میں جلے گا، اور پھر حسد کرنے کی وجہ سے اس سے گناہ سرزد ہوں گے، کسی مسلمان کی غیبت کرنے کے، اس پر بہتان لگانے کے، اس کو ستانے کے، اس کے خلاف کوئی تدبیر کرنے کے، لوگوں کو برگشتہ کرنے کے، اور آخرت کا اُصول یہ ہے کہ جتنی کسی مسلمان کی بُرائی کرے گا، اس کو ستائے گا، قیامت کے دن اس کی اتنی نیکیاں لے کر مظلوم کو دِلوادی جائیں گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَّا دِرْہَمَ لَہٗ وَلَا مَتَاعَ! فَقَالَ: اِنَّ

اَلْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِیْ مَنْ یَّأْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِصَلٰوۃٍ وَّصِیَامٍ وَّزَکٰوۃٍ وَیَأْتِیْ قَدْ شَتَمَ ھٰذَا، وَقَذَفَ ھٰذَا، وَأَکَلَ مَالَ ھٰذَا، وَسَفَکَ دَمَ ھٰذَا، وَضَرَبَ ھٰذَا، فَیُعْطٰی ھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ، وَھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ، فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُہٗ قَبْلَ أَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْہِ أُخِذَ مِنْ خَطَایَاھُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْہِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ۔‘‘

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص:۴۳۵)

ترجمہ: ’’جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسہ نہ ہو، مال و دولت نہ ہو۔ ارشاد فرمایا کہ: میری اُمّت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ (اور دیگر طاعات) لے کر آئے، لیکن اس حالت میں آئے کہ اس کو گالی دی تھی، اس پر تہمت لگائی تھی، اس کا مال کھایا تھا، اس کا خون بہایا تھا، اس کو مارا پیٹا تھا، پس اس کی کچھ نیکیاں یہ لے گیا، کچھ وہ لے گیا، اس کے ذمے جو حقوق ہیں اگر وہ ادا نہیں ہوئے کہ نیکیاں ختم ہوگئیں، تو ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے گئے اور اس کو جہنّم میں پھینک دیا گیا۔‘‘

تو یہ اپنے خیال میں لوگوں سے دُشمنی کر رہا ہے لیکن اتنا احمق ہے، نادان ہے کہ اپنی کمائی بھی انہی دُشمنوں کو دے رہا ہے، کماتا ہے اور کمائی کر کے ان کے بینک میں جمع کروا رہا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

’’عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ: جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللہِ صلی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا رسول اللہ! اِنَّ لِیْ مَمْلُوْکِیْنَ یُکَذِّبُوْنَنِیْ وَیَخُوْنُوْنَنِیْ وَیَعْصُوْنَنِیْ وَأَشْتِمُھُمْ وَأَضْرِبُھُمْ فَکَیْفَ أَنَا مِنْھُمْ؟ فَقَالَ رسول اللہِ صلی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ یُحْسَبُ مَا خَانُوْکَ وَعَصَوْکَ وَکَذَّبُوْکَ وَعِقَابُکَ اِیَّاھُمْ، فَاِنْ کَانَ عِقَابُکَ اِیَّاھُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِھِمْ کَانَ کَفَافًا لَا لَکَ وَلَا عَلَیْکَ، وَاِنْ کَانَ عِقَابُکَ اِیَّاھُمْ دُوْنَ ذَنْبِھِمْ کَانَ فَضْلًا لَکَ، وَاِنْ کَانَ عِقَابُکَ اِیَّاھُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِھِمْ اُقْتُصَّ لَھُمْ مِنْکَ الْفَضْلُ۔ فَتَنَحَّی الرَّجُلُ وَجَعَلَ یَھْتِفُ وَیَبْکِیْ، فَقَالَ لہ رسول اللہِ صلی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللہِ تَعَالٰی: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا ۖ وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِھَا ۖ وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ﴾ (الانبیاء:۴۷) فَقَالَ الرَّجُلُ: یَا رسول اللہِ! مَا أَجِدُ لِیْ وَلِھٰؤُلَاءِ شَیْئًا خَیْرًا مِّنْ مُّفَارَقَتِھِمْ، أُشْھِدُکَ أَنَّھُمْ کُلُّھُمْ أَحْرَارٌ۔‘‘ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص:۴۸۶، ۴۸۷)

ترجمہ: ’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے دو غلام ہیں، مجھے جھٹلاتے ہیں، میری خیانت کرتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں، اور میں ان کو گالیاں بکتا ہوں، مارتا پیٹتا ہوں، یا رسول اللہ! میرا اور ان کا معاملہ قیامت کے دن کیسا رہے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انہوں نے جو تیری خیانت کی ہوگی، جتنی نافرمانیاں کی ہوں گی، اور تجھے جھٹلایا ہوگا، قیامت کے دن اس کا بھی میزانیہ تیار کرلیا جائے گا، اور تو نے جو ان کو گالیاں دی ہوں گی، ان کو مارا پیٹا ہوگا، ان کو تکلیف پہنچائی ہوگی، اس کی بھی میزان لگادی جائے گی، پھر دونوں کا وزن کرلیا جائے گا، اگر دونوں برابر ہوگئے تو نہ تجھے کچھ دینا پڑا نہ لینا پڑا، اور اگر ان کا ستانا زیادہ تھا اور جو تم نے سزا دی وہ کم تھی تو تم بچت میں رہے، اور اگر تم نے سزا زیادہ دی تھی اور ان کا قصور کم تھا، تو زیادتی کے بقدر تم سے ان کا بدلہ لیا جائے گا اور تمہاری نیکیاں لے کر ان کو دے دی جائیں گی۔ وہ شخص یہ سن کر مسجد کے کونے میں بیٹھ کر رونے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوایا اور فرمایا: روتے کیوں ہو؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’اور ہم قائم کریں گے انصاف کے تول قیامت کے دن، سو ظلم نہیں کیا جائے گا کسی نفس پر ذرا بھی، اور اگر رائی کے دانے کے برابر کوئی عمل ہوگا (اچھا یا بُرا) ہم اس کو لے آئیں گے، اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔‘‘

وہ صاحب کہنے لگے: یا رسول اللہ! بچاؤ کی صورت تو یہی نظر آتی ہے کہ ان سے اپنا معاملہ ختم کردوں، اور یا رسول اللہ! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ لوجہِ اللہ آزاد ہیں، میں ان کو آزاد کرتا ہوں۔‘‘

بڑا ہی احمق ہے وہ شخص جو نیکیاں کرے اور نیکیاں کرکے پھر اپنے دُشمنوں کو، جن سے وہ دُشمنی رکھتا ہے، ان کے کھاتے میں جمع کرادے، اپنے خیال میں یہ ان کی بُرائی کر رہا ہے، ان کی غیبت کر رہا ہے، ان کو گرانا چاہتا ہے، ان کو اِیذا دینا چاہتا ہے، کبھی ان کے خلاف خفیہ سازشیں کرتا ہے، بعض لوگ تعویذ گنڈے کرتے ہیں، بعض لوگ ٹونے ٹوٹکے کرتے ہیں، اور بعض جادو کرتے ہیں کہ اس کا کام نہ ہو، یہ سب اسی بیماری کی شاخیں ہیں وہ جو اپنے اندر ہے، یعنی حسد کی جو بیماری ہے، یہ سب اس کی شاخیں ہیں، اور وہ تمہاری نیکیوں کو کھا رہی ہیں۔

ایک دفعہ ہم تبلیغی چلّے میں گئے ہوئے تھے، میرے چھوٹے بھائی عبدالستار صاحب بھی میرے ساتھ تھے، ادھر پشاور کے علاقے میں گئے ہوئے تھے، کبھی جماعت کے ساتھیوں میں باہم رنجش ہوجاتی

ہے، بعض دفعہ بعض ساتھی اناڑی ہوتے ہیں، اُصولوں کی پابندی نہیں ہوتی، فہم پورا نہیں ہوتا، آپس میں رنجش ہوجاتی ہے، چنانچہ ہمارے ساتھیوں میں بھی ایک ساتھی کا دُوسرے کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوگیا، تو میرے بھائی صاحب کہنے لگے کہ: دراصل اس راستے میں نیکیاں بہت ملتی ہیں، اللہ کے راستے میں نکل کر نیکیاں بہت ملتی ہیں، اور شیطان نہیں چاہتا کہ ہم ساری نیکیاں محفوظ کرکے لے جائیں، وہ چاہتا ہے کہ ہماری نیکیوں کی اس ٹینکی میں کوئی سوراخ کردیا جائے، تاکہ پانی ٹپکتا رہے اور ٹینکی خالی ہوتی رہے، اس لئے وہ ایسے شوشے چھوڑتا ہے ہمارے ساتھیوں کے درمیان تاکہ وہ اپنی نیکیوں کی خرجیاں بھر کر نہ لے جائیں، کچھ نہ کچھ بوجھ ہلکا کرتے جائیں۔ اللہ کے بندو! یہ تو سوچو کہ ہم سے نیکیاں ہوتی ہی کتنی ہیں؟ اور جو تھوڑی بہت بن پڑتی ہیں وہ بھی لوگوں کو دے کر چلے جاتے ہو...!

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ: اللہ کے بندے! تو کسی مسلمان پر حسد کیوں کرتا ہے؟ اس کو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، اگر تجھ کو اس پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمت کیوں عطا فرمائی ہے؟ تو تو شیطان کا چھوٹا بھائی ہے، اس لئے کہ اس نے بھی یہی اعتراض کیا تھا، تیری ضد اس شخص کے ساتھ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، تو دُشمنی اس کے ساتھ نہیں کر رہا، بلکہ دُشمنی اللہ تعالیٰ سے کر رہا ہے، اور اگر تجھے یہ شکایت ہے کہ یہ نعمت مجھے کیوں نہیں دی گئی؟ تو اس میں دو قباحتیں ہیں، ایک یہ کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اللہ نے تیرے ساتھ ناانصافی کی ہے کہ یہ نعمت تجھے نہیں دی۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو نعمت دے کر... نعوذ باللہ... حکمت کے خلاف کیا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جانتے نہیں ہو کہ حق تعالیٰ حکیم و علیم ہیں، ان کا جو معاملہ جس کے ساتھ بھی ہے وہ علم و حکمت پر مبنی ہے، تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے...؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی نوّر اللہ مرقدہٗ بہت اچھی بات فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ: تم دُوسروں کی طرف دیکھتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیسا ہے؟ زید کے ساتھ یہ ہے، عمرو کے ساتھ یہ ہے، بکر کے ساتھ یہ ہے، تم لوگوں کے بکھیڑے میں پڑتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ دیکھو میرے ساتھ اللہ کا معاملہ کیا ہے؟ کوئی ضرورت ہے تو مانگو اللہ تعالیٰ سے، ان کا دربار کھلا ہوا ہے، بند تو نہیں ہوا، اللہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا، اور تمہاری زبان بھی چلتی ہے، اللہ کے فضل سے گونگی نہیں ہے، تمہارے ہاتھ پھیلانے کے لئے موجود ہیں، اللہ کے سامنے ہاتھ کیوں نہیں پھیلاتے، کیوں اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتے ہو، وہ بخیل تو نہیں ہے کہ تمہیں نہیں دے گا...!

اگر اس بات پر نظر ہوجائے بھئی کہ لوگوں سے کیا واسطہ؟ مجھے تو یہ دیکھنا ہے کہ میرے ساتھ میرے اللہ کا معاملہ کیا ہے؟ تو ہماری ساری بیماریوں کا علاج ہوجائے، آدمی کیوں حسد کرے، کسی کے پاس نعمت دیکھ

کہ اس کے لئے دُعائے برکت کرو، اللہ تعالیٰ اس میں اور برکت عطا فرمائے۔

ہمارے حضرت حکیم الاُمّت نوّر اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو، اس کے لئے ترقی کی خوب دُعا کرے، اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے، خواہ مال سے یا بدن سے یا دُعا سے، چند دنوں میں حسد دُور ہوجائے گا۔'' (انفاسِ عیسیٰ)

اسی طرح جس سے حسد ہو، لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو، اس کی تعریف کرنے کو جی تو نہیں چاہے گا، جی تو یہ چاہے گا کہ اس کی بُرائی کروں، لیکن بُرائی نہ کرو، بلکہ تعریف کرو، اس میں تمہیں تکلف سے کام لینا پڑے گا، اور نفس کی خواہش اور چاہت کے خلاف کرنا پڑے گا، اسی کا نام مجاہدہ ہے، اس مجاہدے کی برکت سے رفتہ رفتہ حسد کی بیماری اِن شاء اللہ جاتی رہے گی۔

یہ حسد کبھی تو ہوتا ہے دُنیا کے مال و دولت پر، عام لوگ اس میں مبتلا ہیں، کبھی ہوتا ہے جاہ و مرتبہ پر کہ اس کو یہ مرتبہ کیوں ملا؟ مجھے کیوں نہیں ملا؟ کبھی ہوتا ہے کسی کے علم و فضل پر۔

حکام ظلم اور جور کی وجہ سے جہنّم میں جائیں گے، جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دی ہو، اس کو عدل کا حکم ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ﴾ (النساء:۵۸)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ امانتیں، امانت والوں کے سپرد کرو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو حق و انصاف کا فیصلہ کرو۔''

جس کو اللہ تعالیٰ نے قدرت عطا فرمائی ہو، حکومت عطا فرمائی ہو، اِقتدار عطا فرمایا ہو، اس پر عدل کو لازم کردیا ہے، ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

''يَا عِبَادِیْ! اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوْا۔'' (مشکوٰۃ ص:۲۰۳، بروایت مسلم)

ترجمہ: ''اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اُوپر بھی بند رکھا ہے، اور اس کو تمہارے آپس میں بھی حرام قرار دیا ہے، اس لئے ایک دُوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔''

یعنی جب میں نے ظلم اور ناانصافی کو اپنے اُوپر بھی حرام کر رکھا ہے، تو تمہیں کیسے اس کی اجازت دُوں گا؟ جو چیز اللہ کے حق میں حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے لئے بھی ممنوع قرار دے رکھا ہے، تو وہ تمہارے لئے کیسے حلال ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کسی سے بے انصافی نہیں فرماتے، اس لئے کسی کو ظلم کی اجازت بھی

نہیں دیتے، تو حکام ظلم و جور کے مرتکب ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ جہنّم کا ایندھن بنتے ہیں، اور گاؤں کے رئیس تکبر کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کو تکبر کی وجہ سے، اور تاجر لوگوں کو خیانت کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا، تاجر لوگ گھپلا ضرور کرتے ہیں، تجارت میں، اور شیطان نے ان کے کان میں ایک بات پھونک دی ہے، یہ منتر پھونک دیا ہے، شیطان کے بھی مختلف منتر ہیں، ہر ایک کو دم کرنے کے لئے اس نے الگ منتر اِیجاد کئے ہوئے ہیں، اس نے تاجروں کے کان میں یہ منتر پھونک دیا ہے کہ: ''میاں! اگر تم نے یہ نہ کیا تو تمہاری تجارت ٹھپ ہوجائے گی'' اس لئے تجارت میں کچھ نہ کچھ گھپلا ضرور کرنا پڑتا ہے، ایک چیز میں عیب ہے، تمہیں معلوم ہے کہ اس میں عیب ہے، تم گاہک کو نہیں بتلاتے ہو، وہ انجان ہے، ناواقف ہے، وہ چیز کو لے جاتا ہے، اور تمہاری دیانت و امانت سے دھوکا کھا جاتا ہے، تم خوش ہوتے ہو کہ ہم نے مال نکال دیا، مال نکال نہیں دیا بلکہ خیانت اپنے کھاتے میں ڈال لی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

''اَلتُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ۔''

(مشکوٰۃ ص:۲۴۴، بروایت ترمذی وغیرہ)

ترجمہ: ''تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اُٹھائے جائیں گے، سوائے اس شخص کے جس نے تقویٰ سے کام لیا، نیکی سے کام لیا اور سچائی سے کام لیا، دیانت و امانت سے کام لیا۔''

اگر جھوٹ بول کر اور قسمیں کھا کر سودا بیچ دیا تو دو ٹکے تو ضرور مل گئے، لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تم نے اپنا کتنا نقصان کرلیا۔ مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ اس کے معاملے میں صفائی ہو۔ مجھے اپنے طالب علمی کے زمانے میں کتابوں کا بہت شوق ہوتا تھا، اب بوڑھا ہوگیا ہوں، مگر یہ شوق اب بھی کچھ کم نہیں ہے، اس شوق کی وجہ سے میں گرمی کے دنوں میں کتب خانوں میں گھومتا رہتا تھا، ہمارے ملتان میں ایک کتب خانہ تھا، جس کے مالک مولانا عبدالتواب تھے، اہل حدیث تھے، بے چارے اپاہج تھے، رینگ کر چلتے تھے، ایک دن مجھے ایک کتاب بہت پسند آئی، میں نے کتاب نکالی اور ان سے پوچھا کہ اس کی کتنی قیمت ہے؟ وہ مجھے فرماتے ہیں: ''یہ آپ کے لینے کی نہیں، معیوب ہے، اس میں عیب ہے۔'' میں لے جاتا تو مجھے پتا بھی نہ چلتا، سالوں بعد کبھی پڑھتا تو شاید پتا چلتا، میں ان مولانا صاحب کی تاجرانہ دیانت سے بہت متأثر ہوا، میرے ایک اور دوست دُکان دار تھے، میں ان سے کوئی چیز خریدتا تو پوچھتا تھا کہ: ''حاجی صاحب! کیسی ہے یہ چیز؟'' وہ فرماتے کہ: ''آپ کے سامنے ہے!'' کبھی تعریف نہیں کرتے تھے کہ اچھی ہے لے لو، نہیں! بلکہ صرف یہ کہہ دیتے کہ تمہارے سامنے ہے، اب تو تاجر لوگ چیزوں میں کھوٹ ملاتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں، اور نا معلوم

کیا کیا کرتے ہیں؟ دیانت وامانت کا دامن ہم نے چھوڑ رکھا ہے، اور ماشاء اللہ سب کو تو نہیں کہتا، اللہ کے کچھ بندے اب بھی ہیں جو تجارت میں بھی دیانت وامانت سے کام لیتے ہیں، اور جس دن اللہ تعالیٰ کے یہ بندے نہیں رہیں گے اس دن آسمان وزمین کی ضرورت نہیں رہے گی، ان کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔

بلاشبہ ابھی اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے موجود ہیں، ورنہ اکثر لوگوں نے دیانت اور امانت کو چھوڑ رکھا ہے، جائز وناجائز کا، حرام وحلال کا، کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کا، ان کا کوئی تصوّر ہی نہیں کہ یہ بھی کوئی بُرائی ہے، تو تاجر لوگ خیانت کی وجہ سے جہنّم میں جائیں گے، اسی لئے حدیث میں فرمایا: ''تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اور نافرمان لوگوں کے زُمرے میں اُٹھائے جائیں گے، مگر جس نے تقویٰ، سچائی اور نیکی سے کام لیا، وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔''

اور ان کے مقابلے میں جو تاجر کہ صدق اور امانت سے کام لیتا ہو، صدوق: سچ بولنے والا، اور امین: امانت سے کام لینے والا ہو، اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

''اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ۔''

(مشکوٰۃ ص:۱۴۳)

ترجمہ: ''جو تاجر کہ صادق وامین ہو، اس کا حشر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔''

اُن کے ساتھ اُٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے ان کی معیت نصیب فرمائیں گے، کیسی عجیب بات ہے کہ اپنا کام بھی کر رہا ہے، اور اپنی آخرت بھی بنا رہا ہے، بھئی صدق وامانت کے ساتھ تجارت کرنے کا بڑا درجہ ہے، جبکہ آدمی دُوسرے کاموں میں بھی متقی ہو، پرہیزگار ہو۔

قاریوں کے بارے میں جو فرمایا، اس سے مراد علماء بھی ہیں، قراء کے بارے میں فرمایا کہ یہ قاری لوگ حسد کی وجہ سے ایک سال پہلے جہنّم میں ڈالے جائیں گے، حسد ان کی خاص بیماری ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

یہ حسد کی بیماری دراصل احساسِ کمتری کی شاخ ہے، اصل میں آدمی جب سمجھتا ہے کہ اسے چھوٹا بنادیا گیا اور دُوسرا بڑا بن گیا یا بنادیا گیا، تو قدرتی طور پر حسد پیدا ہوتا ہے، یہ کم ظرفی کی علامت ہے، حوصلہ بلند ہو آدمی کا تو پھر دُوسرے پر حسد نہیں آتا۔

حسد ایسی بُری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہ ہوا، اور اس نے حکمِ اِلٰہی سے سرتابی کی، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ سے نقل کرتے تھے کہ شیطان میں تین عینیں تھیں، چوتھی عین نہیں تھی، وہ بڑا عالم تھا، اتنا بڑا عالم کہ معلّم الملکوت کہلاتا

تھا، یعنی فرشتوں کا اُستاد، وہ عابد تھا، اور اتنا بڑا کہ اس نے آسمان کے چپے چپے پر سجدہ کیا تھا، وہ عارف بھی تھا، یعنی اللہ کی معرفت اس کو حاصل تھی، اور اتنا بڑا عارف کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرماتے ہیں:

﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣٥﴾﴾

(الحجر)

ترجمہ: ''نکل جا یہاں سے تو مردود ہے، اور تجھ پر قیامت تک لعنت ہوگی۔''

لیکن وہ عین غضب کی حالت میں کہتا ہے:

﴿رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾﴾ (الحجر)

ترجمہ: ''اے میرے رَبّ! مجھے مہلت دیجئے قیامت تک۔''

آپ مجھے راندۂ درگاہ تو کر رہے ہیں، یہ ایک بات تو منظور کر لیجئے، ظالم عین غضب کی حالت میں مانگ رہا ہے، کیا غصّے کی حالت میں کچھ مانگا جاتا ہے؟

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: شیطان عارف تھا، جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اللہ تعالیٰ کو مغلوب نہیں کرتا، اس حالت میں بھی مانگوں تو وہ دیں گے، یہ تو ہماری شان ہے کہ ہم غصّے سے مغلوب ہوجاتے ہیں، اور جب تک غصّہ اُترے نہیں اس وقت تک کسی کی سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ کا غضب ایسا نہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ تین عین تو شیطان میں تھے: عالم تھا، عابد تھا، عارف تھا، لیکن چوتھی عین اس کے پاس نہیں تھی، وہ عاشق نہیں تھا، اگر اللہ تعالیٰ کا عشق اس کو نصیب ہوتا اور اللہ کی محبّت حاصل ہوتی تو حکمِ اِلٰہی سے سرتابی نہ کرتا بلکہ فوراً حکم بجالاتا، کیونکہ عاشق، محبوب کے حکم پر مر مٹتے ہیں:

زبان تازہ کردن باقرارِ تو
نینگیختن علت از کارِ تو

ترجمہ: ''ہمارا کام تو تیرے اقرار کے ساتھ زبان کو تازہ کرنا ہے، تیرے کاموں میں علّتیں تلاش کرنا ہمارا کام نہیں۔''

ہم کون ہوتے ہیں کہ محبوبِ حقیقی کے حکم پر چُوں چرا کریں؟ محبوب کی طرف سے جو حکم ہوجائے، عاشق اس کو بجالاتا ہے، اور اگر اہلِ عقل یہ کہیں کہ یہ تو بڑی ذِلّت کی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو، دُوسرے لوگ اسے فہمائش کریں گے کہ محبوب کا جو حکم بجالائے یہ تو بڑی ذِلّت کی بات ہے، تو وہ کہے گا عقل اور ننگ و نام تمہیں مبارک ہو:

مانمی خواہیم ننگ و نام را

محبوب کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے نہ ہمیں شرم کی پرواہے، نہ نام کی پرواہے، اگر اس سے عزّت ہوتی ہو تو اس کی پروا نہیں، اگر بے عزّتی ہوتی ہو تو اس کی پروا نہیں، بھئی اگر اللہ تعالیٰ سے محبّت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اِعتراض کرو؟ لوگوں سے حسد کرو؟ یہ نہیں ہوسکتا...!

اہلِ علم میں جو حسد ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کچھ پکا ہوتا ہے، کچھ کچا، بھئی ہم جیسے لوگوں کا علم کچا ہے، اور تم جانتے ہو کہ کچا پھل تو کھٹا ہوتا ہے، تلخ ہوتا ہے، اور گیلی لکڑی کو جلاؤ تو دُھواں ہی دُھواں ہوتا ہے، ہم لوگ بھی اپنے دُھوئیں میں رہتے ہیں، اگر علم میں پختگی پیدا ہوجائے تو ہم میں بھی شیرینی پیدا ہوجائے، علم تو حقیقت سے آگاہ کرتا ہے، لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ علم کچا رہتا ہے، ہم لوگ علم کو پکاتے نہیں ہیں، اور وہ سوکھ جاتا ہے، ہم لوگ بوڑھے ہوجاتے ہیں اور علم کچا ہی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حسد پیدا ہوتا ہے، ایک عالم کو دُوسرے عالم سے حسد ہوگیا کہ لوگ اس کے معتقد ہوجائیں گے، گویا یہ تقریر کرنے والا بھی لوگوں کو معتقد کرنے کے لئے تقریر کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ معاف کرے، اللہ کی رضا اس کا بھی مقصد نہیں، اور وہ جو دُوسرا احمق حسد کر رہا ہے، اس کے نزدیک بھی تقریر سے یا وعظ سے بس لوگوں کو معتقد بنانا مقصود ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

”مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِیْ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِیْ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ يَصْرِفُ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ۔“ (مشکوٰۃ ص:۳۴، بروایت ترمذی)

ترجمہ: ”جو شخص اس غرض سے علم حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعے علماء سے بحث کرے گا، یا احمقوں سے جھگڑا کرے گا، یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔“

تو یہ تمام علامتیں علم کے کچا ہونے کی ہیں کہ اس شخص کی نظر حقیقت پر نہیں گئی، اگر حقیقت پر نظر ہوتی تو حسد نہ ہوتا، اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھتا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اِعتراض نہ کرتا، جس چیز پر اِعتراض ہے اس چیز کو بڑا نہ سمجھتا، حالانکہ سب سے بڑی چیز اور سب سے بڑی دولت تو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں حسد سے اور تمام اَمراضِ رُوحانی سے محفوظ رکھیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا اور محبّت نصیب فرمائیں۔

آپس میں بغض رکھنے کا بیان

[حدیث:۶۱۹] ”عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ

الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ۔ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيْهِ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی التباغض، حدیث: ۱۸۶۱)

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: شیطان اس بات سے تو مایوس ہوگیا ہے کہ نمازی لوگ (یعنی مسلمان) اس کی عبادت کریں، لیکن اس کی ساری کوشش ان کے درمیان منافرت اور فتنہ پردازی میں ہے۔"

تشریح: مطلب یہ کہ شیطان کو یہ توقع تو نہیں رہی کہ وہ مسلمانوں کو صریح کفر و شرک میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہوجائے گا، اس لئے اب اس کی سعی و کوشش کا میدان مسلمانوں کے درمیان منافرت پھیلانا، ان کو ایک دُوسرے کے خلاف بھڑکانا، اور ایک دُوسرے سے لڑانا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب شیطان کی یہ کوشش کامیاب ہوگی تو مسلمانوں کے درمیان بغض و منافرت پیدا ہوجائے گی اور وہ ایک دُوسرے کے دُشمن بن جائیں گے، اس طرح ان کی اجتماعی قوّت پارہ پارہ ہوجائے گی اور ان کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

شیطان، مسلمانوں کے درمیان منافرت پھیلانے کے لئے بہت سے حربے استعمال کرتا ہے، ایک یہ کہ ان کے درمیان ایک دُوسرے کے خلاف غلط فہمیاں ڈال دیتا ہے اور سوءِ ظن کی بیماری کے جراثیم اندر ہی اندر پرورش پاتے رہتے ہیں تا آنکہ معمولی غلط فہمی کی بنا پر بعض اوقات جنگ و جدال کی نوبت آجاتی ہے۔ شیطان کے اس حربے کا توڑ کرنے کی شریعت نے تاکید فرمائی ہے کہ کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی نہ رکھی جائے، اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے رہنا چاہئے۔

شیطان کا ایک حربہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کو بدعات میں مبتلا کردیتا ہے اور بدعات کو ان کی نظر میں ایسا مستحسن کر دِکھاتا ہے کہ وہ ان کو چھوڑنے اور ان سے دستبردار ہونے کے لئے کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ جب مختلف لوگ مختلف اہواء و خواہشات میں مبتلا ہوں گے تو ان کے درمیان یک جہتی قائم نہیں رہے گی، اور رفتہ رفتہ مختلف مکاتبِ فکر وجود میں آئیں گے اور ان کے درمیان ہمیشہ کے لئے نزاع و جدال اور سر پھوڑ کی بنیاد پڑ جائے گی۔

مسلمانوں کو باہم لڑانے کے لئے شیطان کا ایک اہم ترین حربہ خواہشِ اقتدار ہے، وہ مختلف لوگوں کے دِلوں میں خواہشِ اقتدار پیدا کرتا ہے اور وہ ایک دُوسرے کو زیرِ نگیں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی سیاسی تاریخ اسی ایک جملے کی شرح ہے، اس باہمی آویزش سے جدال و قتال کے جو طوفان اُٹھے وہ سب کے سامنے ہیں۔ الغرض اس طرح کے بے شمار حربے ہیں جن کے ذریعے شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، اور مسلمانوں کو ایک دُوسرے کے خون کا پیاسا بنایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّت

کے باہمی اِنتشار و اِفتراق سے جو اَذیت ہوتی ہوگی، اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا...!

مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا

[حدیث:۴۲۰] ”عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ: قَالَ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ إِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ: يُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ لِيُرْضِيَهَا، وَالْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ، وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ۔ وَقَالَ مَحْمُوْدٌ فِيْ حَدِيْثِهٖ: لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ إِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاءفی اصلاح ذات البین، حدیث:۱۸۶۲)

ترجمہ: ”حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جھوٹ حلال نہیں مگر تین چیزوں میں: ایک یہ کہ آدمی اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے کوئی بات کہے، دُوسرے جنگ میں (دُشمن کو چکما دینے کے لئے) خلافِ واقعہ بات کہنا، تیسرے لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے خلافِ واقعہ بات کہنا۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جھوٹ صرف تین موقعوں پر حلال ہے، اس میں اہلِ علم کا اختلاف ہوا ہے کہ ایسے موقعوں پر جھوٹ بولنا جائز ہے یا صرف تعریض اور توریہ ہی جائز ہے؟ جمہور اہلِ علم اس کے قائل ہیں کہ جھوٹ بذاتِ خود قبیح ہے، اس کی اجازت کسی حال میں نہیں دی جاسکتی، اس لئے جن احادیث میں جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے وہاں جھوٹ سے مراد ”توریہ“ ہے، یعنی ایسی ذو معنی بات کہنا کہ سامع اس کا ظاہری مطلب سمجھے (اور وہ جھوٹ ہو)، لیکن متکلم کی مراد دُوسری ہو، اور مراد متکلم کے الفاظ سے وہ بات جھوٹ نہ ہو۔ اور بہت سے اہلِ علم اس کے قائل ہیں کہ ایسے موقعوں پر جھوٹ بولنا جائز ہے، اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ”احیاء العلوم“ میں لکھتے ہیں:

”کلام وسیلہ مقصود ہے، پس جو مقصود محمود صدق و کذب دونوں سے حاصل ہوسکتا ہو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے، اور اگر وہ مقصود صرف جھوٹ ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے، صدق سے نہیں، تو اگر وہ مقصود مباح ہو تو اس میں کذب مباح ہوگا، اور اگر وہ مقصود واجب ہو تو کذب واجب ہوگا، مثلاً: کسی مسلمان کو خونِ ناحق سے بچانا واجب ہے، اب اگر کوئی ظالم کسی مسلمان کے قتل کے درپے ہو اور وہ مسلمان بھاگ کر کسی جگہ چھپ جائے اور وہ ظالم آپ سے پوچھے کہ: فلاں شخص یہاں چھپا ہوا تو نہیں ہے؟ اب اگر آپ راست گفتاری سے کام لیتے ہوئے اس ظالم کو اس کا پتا بتادیتے ہیں تو وہ اسے قتل

کرڈالے گا، اس لئے ایک مسلمان کی جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنا واجب ہوگا۔“

(اتحاف ج:۷ ص:۵۲۳)

اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”بظاہر ان تین اُمور میں حقیقتِ کذب کو مباح قرار دیا گیا ہے، لیکن تعریض اَوْلیٰ (بہتر) ہے۔“ (فتح الباری ج:۵ ص:۱۵۹)

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ مرد اور عورت کے حقِ جواز میں کذب سے مراد صرف وہ صورت ہے جس میں مرد یا عورت کے ذمے کا حق ساقط نہ ہوا ہو، یا جس کے ذریعے کسی کا مال ناحق نہ اُڑالیا جائے۔ اسی طرح لڑائی میں امن دینے میں کذب جائز نہیں۔ نیز اہلِ علم کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ بوقتِ اِضطرار کذب جائز ہے، مثلاً: کوئی ظالم کسی شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے اور وہ شخص کسی کے پاس چھپا ہوا ہے تو یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ شخص میرے پاس نہیں ہے، اور وہ اس پر قسم کھالے تو گنہگار نہیں ہوگا، واللہ اعلم!“

[حدیث:۴۲۱] ”عَنْ أُمِّ كُلْثُوْمٍ بِنْتِ عُقْبَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَيْسَ بِالْكَاذِبِ مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ فَقَالَ خَيْرًا أَوْ نَمٰى خَيْرًا“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی اصلاح ذات البين، حديث:۱۸۶۳)

ترجمہ: ”حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے، پس خیر کی بات کہے اور خیر کی بات نقل کرے۔“

تشریح: جن دو شخصوں کے درمیان اختلاف ہو تو رنجش کی بنا پر ایک دُوسرے کے بارے میں بات کرنے میں کچھ بے احتیاطی ہوجایا کرتی ہے، اور جب یہ باتیں ایک دُوسرے کو پہنچتی ہیں تو یہ دوستانہ رنجش بڑھتے بڑھتے دُشمنی اور عداوت تک پہنچ جاتی ہے، اب ان میں سے ہر ایک نے دُوسرے کے خلاف جو باتیں کی ہوں ان کو کوئی تیسرا آدمی دُوسرے تک پہنچائے تو چغل خوری کہا جاتا ہے، اور یہ سخت ترین کبیرہ گناہ ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میان دو کس جنگ چوں آتش است

سخن چیں بدبخت ہیزم کش است

ترجمہ: ’’دو آدمیوں کے درمیان لڑائی کی مثال آگ کی ہے، اور چغل خور بد بخت اس جلتی آگ میں اِیندھن ڈالنے والا ہے۔‘‘

اس کے برعکس اگر کوئی شخص ان دونوں کے پاس ایک دُوسرے کے بارے میں اچھی باتیں نقل کرے تو ان کی لڑائی ختم کراسکتا ہے، اور اس میں اگر بظاہر کوئی بات خلافِ واقعہ کہنی پڑے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ مثلاً: یہ کہ ’’وہ آپ کو سلام کہتا تھا‘‘ حالانکہ اس نے سلام نہیں کہا، مگر کہتے وقت یہ نیت کرلے کہ وہ نماز میں ’’السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ‘‘ تو کہتا ہی ہے اور ’’عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ‘‘ میں یہ شخص بھی شامل ہے۔ یا مثلاً: یوں کہے کہ: ’’وہ تو تم سے محبّت کرتا ہے اور تمہاری تعریف کرتا ہے‘‘ اور نیت یہ کرے کہ ہر مسلمان دُوسرے مسلمان سے محبّت بھی رکھتا ہے اور اس کی ایمان کی وجہ سے تعریف بھی کرتا ہے۔ یا یہ کہے کہ: ’’وہ تو اپنی غلطیوں پر پشیمان ہے‘‘ اور نیت یہ کرے کہ ہر مسلمان اپنی غلطیوں پر پشیمان ہوا ہی کرتا ہے۔ تو یہ باتیں بظاہر خلافِ واقعہ ہیں مگر جس نیت سے کہی گئی ہیں اس کے مطابق خلافِ واقعہ نہیں۔ مندرجہ بالا دونوں اَحادیث میں صلح کرانے کے لئے اس قسم کے توریے کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔

خیانت اور دھوکا دہی کی مذمّت

[حدیث:۴۲۲] ’’عَنْ أَبِیْ صِرْمَةَ أَنَّ رسول اللّٰهِ صلی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهٖ، وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔‘‘

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی الخيانة والغش، حديث:۱۸۶۴)

ترجمہ: ’’حضرت ابوصرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی کو ضرر پہنچائے، اللہ تعالیٰ اس کو ضرر پہنچائیں گے، اور جو شخص دُوسروں پر مشقّت ڈالے، اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈالیں گے۔‘‘

[حدیث:۴۲۳] ’’عَنْ أَبِیْ بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰهِ صلی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكَرَ بِهٖ۔‘‘

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی الخيانة والغش، حديث:۱۸۶۵)

ترجمہ: ’’حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ملعون ہے وہ شخص جو کسی مؤمن کو نقصان پہنچائے یا اس کے خلاف کوئی سازش کرے۔‘‘

ہمسائے کے حق کا بیان

[حدیث: ۴۲۴] ”عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّ عَبْدَاللهِ بْنَ عَمْرٍو ذُبِحَتْ لَهُ شَاةٌ فِيْ أَهْلِهِ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ: أَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِيِّ؟ أَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِيِّ؟ سَمِعْتُ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی حق الجار، حدیث: ۱۸۲۶)

ترجمہ: ”حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے گھر میں بکری ذبح کی گئی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے تو فرمایا: تم لوگوں نے ہمارے یہودی ہمسائے کو بھی گوشت بھیجا یا نہیں؟ تم لوگوں نے ہمارے یہودی ہمسائے کو بھی گوشت بھیجا کہ نہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے ہمسائے کے بارے میں ہمیشہ وصیت و تاکید فرماتے رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ اسے وارث بنا کے چھوڑیں گے۔“

[حدیث: ۴۲۵] ”عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا زَالَ جِبْرِيْلُ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمَا يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی حق الجار، حدیث: ۱۸۲۷)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ اُمّ المؤمنین صدیقہ بنتِ صدیق رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے ہمسائے کے بارے میں ہمیشہ (حسنِ سلوک کی) وصیت و تاکید فرماتے رہے، یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ اس کو وارث بنا دیں گے۔“

تشریح: یعنی ہمسائے کے حقوق کے بارے میں اتنی تاکید فرماتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ جس طرح کسی شخص کے مرنے پر اس کے عزیز و اقارب وارث ہوتے ہیں، اسی طرح ہمسائے کو بھی وارث نہ بنا دیا جائے۔ اس حدیث سے ہمسائے کے حقوق کی حفاظت میں مبالغہ مقصود ہے۔ ہمسایہ عموماً اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا گھر اس کے گھر سے ملا ہوا ہو، ”ہمسائے“ کا لفظ مسلم اور کافر، عابد اور فاسق، دوست اور دُشمن، اجنبی اور شہری، عزیز و اقارب اور اجنبی سب کو شامل ہے، اور حسبِ مراتب ہر ہمسائے کے حقوق کی نگہداشت لازم ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ: پڑوسی تین قسم کے ہیں، ایک وہ ہے جس کا ایک ہی حق ہے اور وہ کافر

ومشرک ہمسایہ ہے، جس کے ساتھ قرابت کا کوئی تعلق نہ ہو، اس کا صرف ایک ہی حق ہے یعنی ہمسائیگی کا حق۔ اور ایک وہ ہے جس کے دو حق ہیں، یہ مسلمان ہمسایہ ہے، اس کا ایک حق ہمسائیگی کا ہے، دُوسرا اِسلام کا۔ اور ایک وہ ہے جس کے تین حق ہیں، یہ وہ مسلمان ہے جو رشتہ دار بھی ہو، اس کا ایک حق ہمسائیگی کا ہے، دُوسرا اِسلام کا، اور تیسرا قرابت کا (اخرجہ الطبرانی عن جابر رضی اللہ عنہ، فتح الباری ج:۱۰ ص:۴۴۲)۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہمسائے کی نگہداشت کمالِ ایمان سے ہے، اہلِ جاہلیت بھی اس کی نگہداشت کرتے تھے، اور ہمسائے کے بارے میں جو وصیت فرمائی گئی ہے اس کی تعمیل اس طرح ممکن ہے کہ حسبِ طاقت اس کے ساتھ نوع در نوع حسنِ سلوک کیا جائے، مثلاً: ہدیے دینا، سلام کہنا، بوقتِ ملاقات خندہ پیشانی سے پیش آنا، اس کی خبرگیری کرنا، اور جن چیزوں کی اس کو ضرورت ہو ان میں اس کی مدد کرنا، اور اس نوعیت کے دُوسرے اُمور۔ نیز ہمسائے کی اِیذا کے اسباب کی مختلف قسمیں ہوسکتی ہیں، حسّی بھی اور معنوی بھی، ان تمام اسبابِ اِیذا سے باز رہنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے ایمان کی نفی فرمائی ہے جس کی شرارتوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو، اور اس بارے میں ایسا مبالغہ فرمایا ہے جس سے ہمسائے کے حق کی عظمت کا پتا چلتا ہے، اور یہ کہ ہمسائے کو نقصان پہنچانا کبیرہ گناہوں میں شامل ہے، اور ہمسائے کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے میں نیک اور بُرے ہمسائے کی حالت میں فرق ملحوظ رہے گا... الخ۔''

(فتح الباری ج:۱۰ ص:۴۴۳)

ایک حدیث میں ہے کہ:

''عَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ حَیْدَةَ قَالَ: قُلْتُ: یَا رسول اللهِ! مَا حَقُّ جَارِیْ؟ قَالَ: اِنْ مَّرِضَ عُدْتَّهٗ، وَاِنْ مَاتَ شَیَّعْتَهٗ، وَاِنِ اسْتَقْرَضَکَ اَقْرَضْتَهٗ، وَاِنْ اَعْوَزَ سَتَرْتَهٗ، وَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرٌ هَنَّأْتَهٗ، وَاِنْ اَصَابَتْهُ مُصِیْبَةٌ عَزَّیْتَهٗ، وَلَا تَرْفَعْ بِنَائَکَ فَوْقَ بِنَائِهٖ فَتَسُدَّ عَلَیْهِ الرِّیْحَ، وَلَا تُؤْذِهٖ بِرِیْحِ قِدْرِکَ اِلَّا اَنْ تَغْرِفَ لَهٗ مِنْهَا۔''

(مجمع الزوائد ج:۸ ص:۱۶۵، رواہ الطبرانی وفیہ ابوبکر الهذلی وهو ضعیف)

ترجمہ: ''حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: میرے پڑوسی کا مجھ پر کیا حق ہے؟ فرمایا: اگر بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرو، اگر مرجائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ، اگر قرض مانگے تو قرض دو،

اگر تنگ دست ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرو، اس کی خوشی کے موقع پر اسے مبارک باد دو، اور اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کی تعزیت کرو، اور اس کی عمارت سے اپنی عمارت بلند نہ کرو، جس سے اس کی ہوا رُک جائے، اور اپنے گھر میں (عمدہ سالن کی) ہنڈیا کی خوشبو سے اس کا جی بُرا نہ کرو، اِلَّا یہ کہ اس کو بھی اس میں سے کچھ دے دو۔"

[حدیث: ۴۲۶] "عَنْ عبد اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ، وَخَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ۔"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی حق الجار، حدیث: ۱۸۶۸)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رُفقاء میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص سب سے زیادہ پسندیدہ ہے جو اپنے رفیق کے حق میں سب سے اچھا ہو، اور ہمسایوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہمسایہ سب سے اچھا ہے جو اپنے ہمسایہ کے حق میں سب سے اچھا ہو۔"

غلاموں اور ملازموں کے ساتھ حسنِ سلوک

[حدیث: ۴۲۷] "عَنْ أَبِىْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ فِتْيَةً تَحْتَ أَيْدِيْكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِهِ وَلْيُلْبِسْهُ مِنْ لِبَاسِهِ، وَلَا يُكَلِّفْهُ مَايَغْلِبُهُ، فَإِنْ كَلَّفَهُ مَايَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی الاحسان الی الخادم، حدیث: ۱۸۷۰)

ترجمہ: "حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (یہ غلام اور نوکر) تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے زیر دست بنادیا ہے، پس جس کا بھائی اس کے زیر دست ہو اسے چاہئے کہ اس کو اپنے کھانے میں سے کھلائے اور اپنے لباس میں سے پہنائے، اور اس کے ذمے ایسا کام نہ لگائے جو اس کی ہمت سے زیادہ ہو، پس اگر اس کی ہمت سے زیادہ کام اس کے ذمے لگا دیا تو اس کی مدد کرے۔"

تشریح: اس حدیث کے ساتھ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنا قصہ بھی بیان فرمایا ہے، مورد بن سوید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں ربذہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ انہوں نے ایک

حلہ (سوٹ) پہن رکھا ہے اور ٹھیک ویسا ہی حلہ اپنے غلام کو پہنا رکھا ہے۔ میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ: میری ایک غلام کے ساتھ تلخ کلامی ہوگئی تھی، میں نے اس کو ماں کا طعنہ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر! تجھ میں جاہلیت پائی جاتی ہے، تو نے اس کو ماں کا طعنہ دے ڈالا؟ (آگے وہی ارشاد ہے جو اُوپر آچکا) (صحیح بخاری ومسلم)۔ اس حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو، یہ حکم استحباب پر محمول ہے۔

[حدیث:۴۲۸] ''عَنْ أَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَیِّءُ الْمَلَکَةِ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب مَاجاء فی الاحسان الی الخادم، حدیث:۱۸۷۱)

ترجمہ: ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: وہ شخص جنّت میں داخل نہیں ہوگا جو اپنے غلاموں اور ماتحتوں سے بدسلوکی کرنے والا ہو۔''

تشریح: غلاموں اور ماتحتوں سے بدسلوکی کرنا اور ان کو مارنا پیٹنا، نحوست اور ہلاکت کا موجب ہے، جیسا کہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا برکت وسعادت اور جنّت کا موجب ہے۔ ابنِ ماجہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''غلام کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا جنّت میں داخل نہیں ہوگا'' تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ اس اُمّت میں غلام اور یتیم پہلی اُمتوں کی بہ نسبت زیادہ ہوں گے؟ (اور عموماً غلام لونڈیوں سے لوگ اچھا سلوک نہیں کیا کرتے، اب اگر ان سے بدسلوکی جنّت سے محرومی کا ذریعہ ہے تو اس اُمّت کے زیادہ لوگ دوزخ میں جائیں گے) فرمایا: ہاں! (اس اُمّت میں غلام اور یتیم تو ساری اُمتوں سے زیادہ ہوں گے) اس لئے تم ان سے ایسا شریفانہ برتاؤ کرو جیسا کہ اپنی اولاد سے کرتے ہو، اور ان کو وہی کچھ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔

غلاموں اور ملازموں کو مارنے اور گالی دینے کی ممانعت

[حدیث:۴۲۹] ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیُّ التَّوْبَةِ: مَنْ قَذَفَ مَمْلُوْکَهُ بَرِیْئًا مِمَّا قَالَ لَهُ أَقَامَ اللہُ عَلَیْهِ الْحَدَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ إِلَّا أَنْ یَکُوْنَ کَمَا قَالَ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب النهی عن ضرب الخدم، حدیث:۱۸۷۲)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ابوالقاسم نبی التوبہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: جس شخص نے اپنے غلام پر تہمت لگائی، حالانکہ وہ اس تہمت سے پاک تھا، تو اللہ تعالیٰ اس (تہمت لگانے والے) پر قیامت کے دن حد جاری فرمائیں گے، اِلَّا یہ کہ وہ غلام واقعی ایسا ہو جیسا اس نے کہا۔''

تشریح: چونکہ غلام پر تہمت لگانے سے دُنیا میں تہمت لگانے والے پر حدِ قذف جاری نہیں کی جاتی، اس لئے بعض لوگوں کو دھوکا ہوسکتا ہے کہ غلاموں پر تہمت لگانا معمولی بات ہے۔ اس حدیث میں تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے، دُنیا میں تو مالک و مملوک کے فرق کی رعایت رکھی گئی ہے، لیکن قیامت کے دن سب ملکیتیں ختم ہوجائیں گی اور آقا و غلام بارگاہِ اِلٰہی میں برابر ہوں گے۔ ان کے درمیان اگر فرق ہوگا تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہوگا۔ اس لئے جس شخص نے اپنے غلام پر ناجائز تہمت لگائی ہوگی قیامت کے دن تہمت لگانے والے پر حد جاری کی جائے گی، اِلَّا یہ کہ صاحبِ حق اس کو معاف کردے۔

[حدیث:۴۳۰] ''عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ قَالَ: كُنْتُ أَضْرِبُ مَمْلُوْكًا لِيْ، فَسَمِعْتُ قَائِلًا مِنْ خَلْفِيْ يَقُوْلُ: اِعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ! اِعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ! فَالْتَفَتُّ فَإِذَا أَنَا بِرَسُوْلِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اَللهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ. قَالَ أَبُوْ مَسْعُوْدٍ: فَمَا ضَرَبْتُ مَمْلُوْكًا لِّيْ بَعْدَ ذٰلِكَ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب النھی عن ضرب الخدم، حدیث:۱۸۷۳)

ترجمہ: ''حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں اپنے غلام کی پٹائی کر رہا تھا، میں نے اپنے پیچھے سے ایک کہنے والے کی آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا: ''ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہئے، ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہئے'' میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تجھے اس غلام پر جتنی قدرت اور اِختیار ہے، اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت و اِختیار ہے۔'' حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اس واقعے کے بعد میں نے کبھی اپنے غلام کو نہیں مارا۔''

تشریح: اس حدیث پاک میں ماتحتوں پر زیادتی کرنے والوں کو عجیب و غریب مراقبہ بتایا گیا ہے، یعنی وہ یہ سوچ لیا کریں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو ہم پر اس سے زیادہ قدرت ہے جتنی قدرت کہ ہمیں اپنے اس ماتحت پر ہے، اور ہم اللہ تعالیٰ کے اس سے زیادہ قصوروار ہیں جتنا کہ یہ ماتحت ہمارا قصوروار ہے۔ پس جب ہم بڑے مجرم ہوکر قادرِ مطلق سے عفو و درگزر کی اُمید رکھتے ہیں تو ہمیں بھی اپنے ماتحتوں کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لینا چاہئے۔

خادم کی گوشمالی کا بیان

[حدیث: ۴۳۱] ”عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهٗ فَذَكَرَ اللهَ فَارْفَعُوْا أَيْدِيَكُمْ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی ادب الخادم، حدیث: ۱۸۷۳)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے (یعنی اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے) تو اپنے ہاتھ اُٹھا لیا کرو۔“

تشریح: یعنی اللہ تعالیٰ کا نام بڑی عظمت والا ہے، جب کوئی شخص اس پاک نام کا واسطہ دے کر معافی کا خواستگار ہو تو اس پاک نام کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو معاف کردیا جائے۔

خادم کا قصور معاف کردینا

[حدیث: ۴۳۲] ”عَنْ عبد اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رسول اللهِ! كَمْ أَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ؟ فَصَمَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: يَا رسول اللهِ! كَمْ أَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ؟ فَقَالَ: كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً!“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی العفو عن الخادم، حدیث: ۱۸۷۴)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں خادم کو کتنی مرتبہ معاف کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال پر خاموش رہے، اس نے پھر سوال کیا: یا رسول اللہ! میں خادم کو کتنی مرتبہ معاف کروں؟ فرمایا: ہر دن میں ستر ۷۰ مرتبہ!“

تشریح: پہلی بار کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاموشی اختیار کرنا یا تو وحی کے انتظار کی وجہ سے تھا، یا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کو ناپسند فرمایا، اس لئے کہ معاف کردینا تو بہرحال مکارمِ اخلاق میں سے ہے اس میں حد بندی کا کیا سوال؟ کہ اتنی بار تو معاف کیا جائے اور اس کے بعد معاف نہ کیا جائے۔

اور یہ جو فرمایا کہ: ”ہر دن میں ستر ۷۰ مرتبہ“ مراد اس سے تحدید نہیں، بلکہ تکثیر ہے، یعنی روزانہ ستر ۷۰ مرتبہ بھی قصور کرے تو اس کو معاف ہی کرتے رہو، کیونکہ چھوٹوں اور زیردستوں سے انتقام لینا پست ہمتی ہے، بلند ہمتی اور علوِّ اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے زیردست سے کسی حال میں بھی انتقام نہ لیا جائے۔

اولاد کو ادب سکھانے کی فضیلت

[حدیث:۴۳۳] ”عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی ادب الولد، حدیث:۱۸۷۵)

ترجمہ: ”حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: البتہ یہ بات کہ آدمی اپنے بیٹے کو ادب کی بات سکھائے اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع غلہ صدقہ کرے۔“

تشریح: صدقہ کرنا بڑی فضیلت کی چیز ہے، لیکن اولاد کی تعلیم و تربیت اور ان کو اَدب کی باتیں سکھانا اس سے کہیں بڑھ کر ہے، کیونکہ اس کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں اولاد صالح اور نیک ہوگی تو اس کے لئے صدقۂ جاریہ بن جائے گی، اور ان کے نیک اعمال کا ثواب اس کو قبر میں پہنچتا رہے گا۔

[حدیث:۴۳۴] ”أَنَّ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی ادب الولد، حدیث:۱۸۷۶)

ترجمہ: ”حضرت ایوب بن موسیٰ (بن عمر بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ) اپنے والد (موسیٰ) سے اور وہ اپنے دادا (سعید بن عاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کسی باپ نے اپنے کسی بیٹے کو کوئی عطیہ نہیں دیا جو ”اچھے ادب“ سے بڑھ کر ہو۔“

تشریح: یعنی باپ کی طرف سے اولاد کے لئے سب سے بہترین تحفہ یہ ہے کہ ان کو اچھے آداب کی تعلیم دے، کسی غلط کام کے کرنے پر ان کو زجر و توبیخ کرے اور اچھے اخلاق و آداب کا ان کو عادی بنائے، اس کا سب سے بہترین تحفہ ہونا واضح ہے کہ اچھی تعلیم و تربیت غلام کو آقا اور مملوک کو مالک بنا دیتی ہے۔

ہدیہ لینے اور دینے کا بیان

[حدیث:۴۳۵] ”عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی قبول الهدية، حدیث:۱۸۷۷)

ترجمہ: ”اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول

فرماتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیتے تھے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے مگر صدقہ نہیں کھاتے تھے، اور ہدیہ میں دو وجہ سے فرق ہے:

۱:... جس کو صدقہ دیا جاتا ہے اس کو نادار اور مستحق سمجھ کر دیا جاتا ہے، جبکہ ہدیہ دُوسرے کو محتاج سمجھ کر نہیں دیا جاتا بلکہ خود اپنے تئیں ہدیہ دینے کا محتاج سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدقے کے لئے غریب غرباء کو تلاش کیا جاتا ہے لیکن ہدیہ اپنے برابر والوں کو اور اپنے اکابر کو بھی دیا جاتا ہے۔

۲:... صدقے سے رضائے اِلٰہی اور طلبِ ثوابِ آخرت مقصود ہوتا ہے، جبکہ ہدیے سے اس شخص کی تکریم اور دِل جوئی مقصود ہوتی ہے، اگرچہ کسی مسلمان کی تکریم اور دِل جوئی پر ثوابِ آخرت بھی مرتب ہوجائے۔ اور اپنے اکابر کی دِل جوئی بھی حق تعالیٰ شانہٗ کی رضاجوئی کا ذریعہ ہے، مگر ہدیہ دینے سے بالذات ان اکابر کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے۔

مسلمانوں کا آپس میں تحفہ تحائف اور ہدایا کا تبادلہ کرنا مکارمِ اخلاق میں سے ہے، اور اس سے باہمی اُلفت و محبّت میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ ایک دُوسرے کو ہدیہ دینے اور قبول کرنے کی ترغیب فرماتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ خود بھی ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کے بدلے میں ہدیہ دینے والے کو بھی ہدیہ مرحمت فرماتے تھے بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ اس سے بہتر بدلہ عطا فرماتے تھے۔

ہدیہ کا بدلہ دینا سخاوتِ نفس اور جود و کرم کی علامت ہے، بلکہ ہدیہ کا قبول کرنا بھی جوانمردی میں داخل ہے، بخیل آدمی نہ صرف یہ کہ کسی کو کچھ دیتا نہیں بلکہ دُوسرے سے لیتے ہوئے بھی ہچکچاتا ہے اور اسے یہ خیال دامن گیر ہوتا ہے کہ آج ہدیہ قبول کروں گا تو کل دینا بھی پڑے گا۔

جو شخص اِحسان کرے اس کا شکریہ ادا کرنا

[حدیث:۴۳۶] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَّا یَشْکُرِ النَّاسَ لَا یَشْکُرِ اللهَ۔“ (رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی الشکر لمن احسن الیک، حدیث:۱۸۷۸)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔“

[حدیث:۴۳۷] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ:

مَنۡ لَّمۡ یَشۡکُرِ النَّاسَ لَمۡ یَشۡکُرِ اللّٰہَ۔" (رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی الشکر لمن احسن الیک، حدیث : ۱۸۷۹)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے انسانوں کا شکر نہ کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کیا۔"

تشریح: بندے پر ہر آن اور ہر لحہ بے شمار نعمتوں کی بارش رہتی ہے، اور بندہ ہر دم اللہ تعالیٰ کی اَن گنت نعمتوں میں گھرا رہتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ کَفَّارٌ ﴿۳۴﴾﴾ (ابراہیم)

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لاسکتے، سچ یہ ہے کہ آدمی بہت ہی بے انصاف، بڑا ہی ناشکرا ہے۔"

اور بندے پر یہ بے شمار نعمتیں درحقیقت مالک الملک جل شانہٗ کے عطیات ہیں، وہی کریم آقا معطیٔ حقیقی ہے، اور اسی کی پاک ذات تمام نعمتوں کا منبع وسرچشمہ ہے، وہی ولیٔ نعمت ہے اور وہی حمد وشکر کا سزاوار ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا بِکُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ثُمَّ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فَاِلَیۡہِ تَجۡـَٔرُوۡنَ ﴿۵۳﴾﴾ (النحل)

ترجمہ: "اور تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے، وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر جب تم کو تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو۔"

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا تعلیم فرمائی:

"اَللّٰھُمَّ مَا أَصۡبَحَ بِیۡ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ أَوۡ بِأَحَدٍ مِّنۡ خَلۡقِکَ فَمِنۡکَ وَحۡدَکَ لَا شَرِیۡکَ لَکَ، فَلَکَ الۡحَمۡدُ وَلَکَ الشُّکۡرُ۔"

ترجمہ: "اے اللہ! آج مجھ پر یا آپ کی مخلوق میں سے کسی پر جتنی نعمتیں بھی ہوئی ہیں وہ سب آپ ہی کی جانب سے ہیں، آپ (ان نعمتوں کے فیضان میں بھی) وحدہٗ لا شریک ہیں، پس آپ ہی کے لئے تمام تر حمد ہے اور آپ ہی کے لئے تمام تر شکر ہے۔"

اور ارشاد فرمایا کہ: جو شخص صبح کو یہ دُعا پڑھ لے اس نے اس دن کا پورا شکر ادا کردیا، اور جو شام کو پڑھ لے اس نے اس رات کا پورا شکر ادا کردیا (رواہ ابوداود عن عبداللہ بن غنام رضی اللہ عنہ، کما فی المشکوٰۃ ص:۲۱۱)۔

الغرض! تمام نعمتیں اس مالکِ حقیقی مولائے کریم ہی کی جانب سے ہیں، لیکن اس دارالاسباب میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی نعمتوں کو اَسباب ووسائط کے پردوں میں لپیٹ دیا ہے اور ان نعمتوں کے حصول میں

دُوسرے بندوں کو واسطہ بنادیا ہے۔ مثلاً: آدمی کا وجود مالکِ حقیقی کا عطیہ ہے، مگر اس کے لئے والدین کو واسطہ بنادیا۔ رُشد و ہدایت اور وحیٔ آسمانی اس ہادیٔ مطلق کی عنایت و رحمت اور لطف و کرم کا کرشمہ ہے، مگر حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی ذواتِ قدسیہ کو اس کا واسطہ بنایا۔ اور سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دینی و دُنیوی اور مادّی و رُوحانی فیوض و برکات کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ علم و معرفت کی دولت اس مبدأ فیاض جل شانہٗ کی جانب سے عطا ہوتی ہے، مگر انبیاء کرام، اولیاء اور اساتذہ و مشائخ قدس اللہ اسرارہم کو حصولِ فیض کا واسطہ بنایا۔ الغرض! ذرا سا تأمل کیا جائے تو نظر آئے گا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے اِنعامات، اسباب و وسائط کے پردوں میں چھپے ہوئے ہیں اور وسائل و ذرائع کی چھلنی سے چھن چھن کر نکل رہے ہیں۔ اس لئے جہاں اس منعمِ حقیقی کا شکر واجب ہے، وہاں ان وسائط کی قدرشناسی و اِحسان مندی بھی لازم ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے حصولِ نعمت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس حدیثِ پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ جو شخص ان لوگوں کا شکر نہیں کرتا جن کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے واسطۂ نعمت بنایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا، اور اس کی چند وجوہ ہیں:

ایک یہ کہ اسباب و وسائط ظاہر ہیں، جن سے نعمت کا حصول آنکھوں سے نظر آرہا ہے، اور حق تعالیٰ کی مشیتِ اَزلیہ جو حصولِ نعمت کی اصل موجب ہے، وہ عام نظروں سے اوجھل اور مخفی ہے، تو جو شخص ظاہر کا شکر ادا نہیں کرتا اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی مخفی عطا تک کہاں پہنچ سکتی ہے...؟

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

”عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: قَالَ رسول اللہِ صلی اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْ اَشْكَرُ النَّاسِ ِاللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی أَشْكَرُهُمْ لِلنَّاسِ، وَفِیْ رِوَایَةٍ: لَا یَشْكُرِ اللہَ مَنْ لَّا یَشْكُرِ النَّاسَ۔“

(رواہ کلّہ أحمد والطبرانی ورجال أحمد ثقات، مجمع الزوائد ج:۸ ص:۱۸۰)

ترجمہ: ”اللہ تبارک وتعالیٰ کا سب سے زیادہ شکرگزار بندہ وہ ہے جو لوگوں کا سب سے زیادہ شکرگزار ہو۔“

دوم:... یہ کہ نعمت جس قدر عظیم ہوگی اس کا واسطہ بھی اسی قدر لائقِ قدر ہوگا، کیونکہ وہ واسطہ نعمت کا پیمانہ اور ظرف ہے، اور ظرف کی ناقدری گویا اس نعمت کی تحقیر ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہُ عَنْهَا قَالَتْ...... فَیَقُوْلُ: یَا عَائِشَةُ! اِذَا حَشَرَ اللہُ الْخَلَائِقَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ قَالَ لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِهٖ اِصْطَنَعَ اِلَیْهِ عَبْدٌ مِّنْ عِبَادِهٖ مَعْرُوْفًا: هَلْ شَكَرْتَهٗ؟ فَیَقُوْلُ: اَیْ رَبِّ! عَلِمْتُ اَنَّ ذٰلِکَ مِنْکَ فَشَكَرْتُکَ عَلَیْهِ۔

فَیَقُوْلُ: لَمْ تَشْکُرْنِیْ اِنْ لَّمْ تَشْکُرْ مَنْ أَجْرَیْتُ ذٰلِکَ عَلٰی یَدَیْہِ!‘‘ (قال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الصغیر والأوسط عن شیخہ ذاکر بن شیبة العسقلانی، ضعفہ الأزدی، مجمع الزوائد ج:۸ ص:۱۸۱)

ترجمہ: ’’اے عائشہ! جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو قیامت کے دن جمع فرمائیں گے تو ایک بندے سے فرمائیں گے کہ: تجھ پر فلاں بندے نے احسان کیا، تو نے اس کا شکر ادا کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ: اے پروردگار! میں نے یہ جانا کہ یہ نعمت آپ کی جانب سے ہے، اس لئے میں نے اس نعمت پر آپ کا شکر ادا کیا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: جس شخص کے ہاتھ سے میں نے یہ نعمت تجھ تک پہنچائی تھی اگر تو نے اس کا شکر ادا نہیں کیا تو میرا شکر بھی ادا نہیں کیا۔‘‘

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منبر پر خطبہ دیا جس میں فرمایا:

’’مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ الْقَلِیْلَ لَمْ یَشْکُرِ الْکَثِیْرَ، وَمَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَالتَّحْدِیْثُ بِنِعْمَةِ اللهِ شُکْرٌ، وَتَرْکُھَا کُفْرٌ، وَالْجَمَاعَةُ رَحْمَةٌ، وَالْفُرْقَةُ عَذَابٌ۔‘‘ (رواہ عبداللہ بن احمد والبزار والطبرانی، ورجالھم ثقات، مجمع الزوائد ج:۵ ص:۲۱۷)

ترجمہ: ’’جس شخص نے تھوڑی نعمت کا شکر نہ کیا، وہ زیادہ نعمت کا بھی شکر نہیں کرے گا، اور جو شخص لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ عز وجل کا بھی شکر نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بیان کرنا شکر ہے، اور اس کو ترک کردینا ناشکری ہے، مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر اتفاق و اتحاد سے رہنا رحمت ہے، اور تفرقہ عذاب ہے۔‘‘

سوم:... صاحبِ اتحاف، قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ جو فرمایا کہ:

’’فَقَالَ لِاَنَّ مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ مَعَ مَا یَرٰی مِنْ حِرْصِھِمْ عَلٰی حُبِّ الثَّنَاءِ عَلَی الْاِحْسَانِ فَاَوْلٰی اَنْ یَّتَھَاوَنَ فِیْ شُکْرِ مَنْ یَسْتَوِیْ عِنْدَہُ الشُّکْرَانُ وَالْکُفْرَانُ۔‘‘

(اتحاف السادة المتقین ج:۴ ص:۱۵۴)

ترجمہ: ’’جو شخص لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کرتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کا شکر نہیں کرتا، باوجود اس کے کہ وہ دیکھتا ہے کہ لوگ احسان کرنے کے بعد تعریف سننے کے حریص ہوتے ہیں، وہ بدرجۂ اَولیٰ اس ذاتِ عالی کے شکر میں سستی اور کوتاہی کرے گا جس کے نزدیک شکر اور ناشکری کرنے والے برابر ہیں۔‘‘

چہارم:... قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اَلشُّکْرُ فِی الْعَرَبِیَّةِ عِبَارَة عَمَّا یَکُوْنُ مِنَ الْقَوْلِ اَخْبَارًا عَنِ النِّعْمَةِ الْمُسْدَاةِ اِلَی الْمُخْبِرِ وَفَائِدَةُ ذٰلِکَ اَنْ یَّصْرِفَ النِّعَمِ فِیْ الطَّاعَاتِ فَاِذَا صُرِفَتْ فِیْ الْمَعَاصِیْ فَذٰلِکَ کُفْرَان لَهَا وَأَصْلُ النِّعَمِ مِنَ اللهِ وَالْخَلْقُ کُلُّه عَلیٰ اِخْتِلَافِ أَنْوَاعِهِ وَسَائِطُ وَأَسْبَاب مُسَخَّرَة مِنْ حَیَوَانٍ وَجَمَادٍ وَعَاقِلٍ وَغَیْرِ عَاقِلٍ، فَالْمُنْعِمُ بِالْحَقِیْقَةِ هُوَ اللهُ وَحْدَهٗ فَلَهُ الْحَمْدُ فِیْ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الشُّکْرُ فِیْهِمَا، فَالْحَمْدُ خَبَر عَنْ جَلَالِهِ وَالشُّکْرُ خَبَر عَنْ اِنْعَامِهِ وَافْضَالِهِ وَقَدْ اُذِنَ سُبْحَانَهٗ فِیْ شُکْرِ النَّاسِ خَاصَّة لِمَا فِیْ ذٰلِکَ مِنْ تَأْثِیْرِ الْمُحَبَّةِ وَالْاُلْفَةِ وَالتَّحْرِیْضِ عَلیٰ اِسْدَاءِ النِّعْمَةِ بِاسْتِرَاحَةِ قَلْبِ الْمُنْعِمِ عَلَیْهِ۔"

(عارضۃ الأحوذی ج:۸ ص:۱۳۲)

ترجمہ: "عربی میں شکر کے معنی ہیں اس نعمت کی خبر دینا جو خبر دینے والے پر کی گئی ہے، اور اس شکر کا فائدہ یہ ہے کہ نعمت کو طاعت میں صَرف کیا جائے، جب نعمت کو گناہوں پر خرچ کروگے تو یہ ناشکری ہوگی اور نعمتیں دراصل اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں، اور تمام مخلوق نعمتوں کے اسباب و وسائل ہیں جو حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے مسخر ہیں، پس منعمِ حقیقی حق تعالیٰ شانہٗ ہیں اور اس پاک ذات کے لئے حمد و شکر ہے۔ پس حمد اس کی عظمت و جلال کا پتا دیتی ہے، اور شکر اس کے اِنعام و اِفضال کی خبر دیتا ہے، اور اس پاک ذات نے خاص طور سے انسانوں کے شکر کا حکم فرمایا جو واسطۂ نعمت ہوں، کیونکہ یہ چیز اُلفت و محبّت میں مؤثر ہے، نیز اس سے احسان کرنے والوں کو اِحسان و اِنعام کرنے کی ترغیب ہوگی اور جس شخص پر یہ اِنعام و اِحسان کیا گیا اس کو بھی راحتِ قلب نصیب ہوگی۔"

فائدہ:... صحیح بخاری شریف تفسیر سورۂ نور میں حدیثِ "اِفک" کا طویل قصہ مروی ہے کہ جب سورۂ نور کی آیات نازل ہوئیں، جن میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان فرمایا گیا:

"فَلَمَّا سُرِّیَ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُرِّیَ عَنْهُ وَهُوَ یَضْحَکُ، فَکَانَ أَوَّلُ کَلِمَةٍ تَکَلَّمَ بِهَا: یَا عَائِشَةُ! اَمَّا اللهُ فَقَدْ بَرَّأَکِ۔ فَقَالَتْ أُمِّیْ: قُوْمِیْ اِلَیْهِ! قَالَتْ: فَقُلْتُ: وَاللهِ! لَا أَقُوْمُ اِلَیْهِ، وَلَا أَحْمَدُ اِلَّا اللهَ، فَأَنْزَلَ اللهُ بَرَائَتِیْ۔"

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۶۹۸)

ترجمہ: ''جب آنحضرت ﷺ سے نزولِ وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ ﷺ ہنس رہے تھے، پس سب سے پہلی بات جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بری قرار دے دیا ہے۔ تب میری والدہ نے کہا کہ: اُٹھ کر رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو! میں نے کہا: میں نہیں اُٹھتی اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا شکریہ ادا کرتی ہوں، کیونکہ میرے اللہ ہی نے میری براءت نازل فرمائی۔''

حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا یہ قول ناز و ادلال کی بنا پر تھا، چنانچہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''قال ابن الجوزی: انما قالت ذٰلک ادلالا کما یدل الحبیب علٰی حبیبہ۔''

(فتح الباری ج:۸ ص:۴۷۷)

ترجمہ: ''ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ان کا یہ کہنا محض ناز و ادلال کی بنا پر تھا، جیسا کہ محبوب اپنے دوست پر ناز کیا کرتا ہے۔''

اور ان کا یہ ناز و ادلال اس موقع پر نہایت حسین تھا، اس لئے جب تک حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کی براءت کا اعلان نہیں فرمایا، نہ صرف ان کے والدین شریفین دم بخود اور مہر بہ لب تھے، بلکہ آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی قطعی براءت کا اعلان و اظہار نہیں فرمایا تھا، گویا ایک اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ پاک تھی جس نے ان کی براءت و عصمت اور پاک دامنی کا دوٹوک فیصلہ فرمایا۔

صدقے کی مختلف صورتیں

[حدیث:۴۳۸] ''عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: تَبَسُّمُکَ فِیْ وَجْہِ أَخِیْکَ لَکَ صَدَقَةٌ، وَأَمْرُکَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھْیُکَ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَةٌ، وَإِرْشَادُکَ الرَّجُلَ فِیْ أَرْضِ الضَّلَالِ لَکَ صَدَقَةٌ، وَبَصَرُکَ لِلرَّجُلِ الرَّدِیْئِ الْبَصَرِ لَکَ صَدَقَةٌ، وَإِمَاطَتُکَ الْحَجَرَ وَالشَّوْکَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِیْقِ لَکَ صَدَقَةٌ، وَإِفْرَاغُکَ مِنْ دَلْوِکَ فِیْ دَلْوِ أَخِیْکَ لَکَ صَدَقَةٌ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی صنائع المعروف، حدیث:۱۸۸۰)

ترجمہ: ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیرا اپنے (مسلمان) بھائی کے سامنے مسکرانا بھی تیرے لئے صدقہ ہے، تم کسی کو بھلائی کا حکم کرو اور بُرائی سے روک دو، یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے، کوئی شخص کسی اجنبی جگہ میں راہ

بھول گیا ہو اور تم اس کو راستہ بتادو، تو یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے، کسی کمزور نظر کے آدمی کے لئے تم کسی چیز کو دیکھ دو، یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے، تم راستے سے پتھر، کانٹا اور ہڈی وغیرہ کوئی سی تکلیف دہ چیز ہٹادو، تو یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے، تم اپنے ڈول سے اپنے (مسلمان) بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دو، تو یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے۔''

تشریح: آنحضرت ﷺ نے صدقے کی یہ چند صورتیں بطورِ مثال ذکر فرمائی ہیں، مدعا یہ ہے کہ کسی کے ساتھ، کسی نوع کا حسنِ سلوک کرنا صدقے میں داخل ہے، کیونکہ صدقے کے ذریعے محض رضائے اِلٰہی کی خاطر خلقِ خدا کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جاتا ہے، ہر وہ کام جس کو رضائے اِلٰہی کے لئے کیا جائے اور اس میں خلقِ خدا کی نفع رسانی ہو، وہ صدقے کے حکم میں ہے، اور اس میں ''**الأهم فالأهم**'' اور ''**الأعظم فالأعظم**'' کی ترتیب ہونی چاہئے، یعنی جس کام میں جس قدر نفع رسانی زیادہ ہو، وہ زیادہ اہم ہوگا اور زیادہ بڑا صدقہ شمار ہوگا۔

دُودھ والا جانور کسی کو دُودھ پینے کے لئے عاریۃً دینا

[حدیث: ٤٣٩] ''عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْسَجَةَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ مَنَحَ مَنِيحَةَ لَبَنٍ أَوْ وَرِقٍ أَوْ هَدٰى زُقَاقًا كَانَ لَهُ مِثْلَ عِتْقِ رَقَبَةٍ''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی المنحۃ، حدیث: ۱۸۸۱)

ترجمہ: ''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: جس شخص نے دُودھ دینے والا جانور (مثلاً: اُونٹنی، گائے، بھینس یا بکری) کسی کو (بطورِ عاریت) عطا کیا، یا نقدی (بطورِ قرض) کسی کو دی یا کسی (ناواقف نابینا) کو راستہ بتادیا تو اس کے لئے غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا۔''

تشریح: ''منحہ'' اس جانور کو کہتے ہیں جو کسی کو دُودھ پینے کے لئے عاریت کے طور پر دیا جاتا ہے۔ دیہات میں آج بھی یہ رواج پایا جاتا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک سے زیادہ دُودھ دینے والے مویشی ہیں اور اس کے ہمسائے یا عزیز کے پاس نہیں، تو ایک مویشی اس کے یہاں پہنچادیا جاتا ہے کہ وہ اس کا دُودھ

پیتے رہیں، اور جب وہ دُودھ دینا بند کردے تو جانور واپس کردیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

اسی طرح نقدی (روپیہ پیسہ یا سونا چاندی) کسی کو دینا کبھی بطورِ عطیہ (ہبہ یا صدقہ) کے ہوتا ہے، اس کی فضیلت تو بالکل واضح ہے، اور کبھی کسی ضرورت مند کو بطورِ قرض دی جاتی ہے۔ اس حدیث میں قرض دینے کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اس کے قرض دینے پر غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، یہ تین کام نفع رسانی میں بہت اہمیت رکھتے ہیں اور مکارمِ اخلاق میں شامل ہیں، اس لئے ان کا اجر وثواب بھی بہت بڑا ہے۔

راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینے کی فضیلت

[حدیث: ۴۴۰] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَیْنَمَا رَجُلٌ یَّمْشِیْ فِی الطَّرِیْقِ إِذْ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ فَأَخَّرَهٗ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَ لَهٗ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی اماطة الاذی، حدیث: ۱۸۸۲)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: دریں اثنا کہ ایک شخص راستے میں جارہا تھا، اس نے راستے میں کانٹوں بھری شاخ پائی، اس نے اس کو راستے سے ہٹا دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول فرما کر اس کی مغفرت فرمادی۔“

تشریح: کریم مالک کی ذرّہ نوازیوں کا کیا پوچھنا، کسی کا کوئی چھوٹا سا عمل بھی مالک کو پسند آجائے، وہ کریم آقا کے لطف وعنایت اور رحمت ومغفرت کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے نیک عمل کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے، نہ جانے کون سا عمل ربِّ رحیم کی رضا کا موجب بن جائے۔ سیّد الطائفہ حضرت الحاج مولانا شاہ امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

بس ہے گر پہنچے ہمارا ایک ہی نالہ وہاں
گرچہ کرتے ہیں ہزاروں نالہ وفریاد ہم

اس حدیث پاک میں اسی حقیقت کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ”اشعۃ اللمعات“ میں لکھتے ہیں کہ حضراتِ صوفیا نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ تمہارا وجود مخلوق کے راستے کا کانٹا اور پتھر نہیں بننا چاہئے۔

''مجلسیں امانت ہیں'' کا بیان

[حدیث: ۴۴۱] ''عَنْ جَابِرِ بْنِ عبد اللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ: إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِیْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَھِیَ أَمَانَۃٌ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء ان المجالسۃ بالامانۃ، حدیث: ۱۸۸۳)

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص بات کر کے اِدھر اُدھر دیکھے (کہ یہاں کوئی اور تو نہیں سنتا) تو یہ بات امانت ہے۔''

تشریح: یعنی راز کی بات امانت ہے، اور کسی کا راز فاش کر دینا خیانت ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص تم سے رازداری کے انداز میں بات کرے (جس کی علامت یہ ہے کہ وہ بات کرتے ہوئے دائیں بائیں دیکھتا ہے کہ کوئی دُوسرا آدمی تو اس بات کو نہیں سن رہا؟) تو اس بات کو اَمانت سمجھو اور کسی کے سامنے اس کا اظہار مت کرو، ورنہ تم خیانت کے مرتکب ٹھہروگے۔ البتہ بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہوسکتی ہیں، مثلاً: کوئی شخص کسی بے گناہ کو قتل کرنا چاہتا ہے اور تمہارے سامنے اپنے منصوبے کا اظہار کرتا ہے، تو نہ صرف یہ کہ اس کو اس گناہِ عظیم سے باز رکھنے کی کوشش کرنا فرض ہے، بلکہ جس شخص کے قتل کا منصوبہ ہے اس کو بھی محتاط رہنے کی تلقین کرنا ضروری ہے۔

الغرض مجلس میں جو بات کہی جائے اس کو اَمانت سمجھنا چاہئے، اس کا افشا جائز نہیں، اِلَّا یہ کسی کو ضرر سے بچانے کے لئے اس کا اظہار ضروری ہو۔

سخاوت کا بیان

[حدیث: ۴۴۲] ''عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ: قُلْتُ: یَا رسول اللّٰہِ! إِنَّہٗ لَیْسَ لِیْ مِنْ بَیْتِیْ إِلَّا مَا أَدْخَلَ عَلَیَّ الزُّبَیْرُ، أَفَأُعْطِیْ؟ قَالَ: نَعَمْ! لَا تُوْکِیْ فَیُوْکٰی عَلَیْکِ، یَقُوْلُ: لَا تُحْصِیْ فَیُحْصَی عَلَیْکِ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی السخاء، حدیث: ۱۸۸۴)

ترجمہ: ''حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی سوائے اس کے جو (میرے شوہر) زبیر مجھے لاکر دیتے ہیں، تو کیا میں (اس میں سے کسی سائل کو) دے دیا کروں؟ فرمایا: ہاں! بندھن لگا کر نہ رکھیو، ورنہ تم پر بھی بندھن لگا دیا جائے گا، اور گن گن کر نہ رکھیو، ورنہ تم کو بھی گن گن کر دیا جائے گا۔''

تشریح: بیوی کو شوہر کے مال میں سے اتنا صدقہ و خیرات کرنا جائز ہے جس کی شوہر کی طرف سے عموماً اجازت ہوتی ہے۔

[حدیث:۴۴۳] ”عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلسَّخِیُّ قَرِيْبٌ مِّنَ اللهِ، قَرِيبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، قَرِيبٌ مِّنَ النَّاسِ، بَعِيْدٌ مِّنَ النَّارِ، وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِّنَ اللهِ، بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، بَعِيْدٌ مِّنَ النَّاسِ، قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ، وَالْجَاهِلُ السَّخِیُّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی السخاء ، حدیث:۱۸۸۵)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: سخی اللہ تعالیٰ کے بھی قریب ہے، جنّت کے بھی قریب ہے، لوگوں کے بھی قریب ہے، دوزخ سے دُور ہے، اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دُور ہے، جنّت سے دُور ہے، دوزخ سے قریب ہے، اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گزار بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔“

بخل کا بیان

[حدیث:۴۴۴] ”عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ: الْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی البخل ، حدیث:۱۸۸۶)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دو خصلتیں کسی مؤمنِ (کامل) میں جمع نہیں ہوسکتیں، ایک بخل، دُوسری بدخلقی۔“

تشریح: حافظ فضل اللہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو خصلتیں کسی آدمی میں بیک وقت جمع ہوں، اور پھر وہ اپنی آخری حد کو بھی پہنچی ہوئی ہوں کہ آدمی کبھی ان سے جدا نہ ہوسکے، اور وہ ان دونوں پر راضی بھی ہو، ظاہر ہے کہ یہ دو شرطیں کسی مؤمن کے شایانِ شان نہیں ہوسکتیں...!

[حدیث:۴۴۵] ”عَنْ أَبِیْ بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَّلَا بَخِيْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی البخل ، حدیث:۱۸۸۷)

ترجمہ: ”حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دغاباز، مکار آدمی جنّت میں داخل نہیں ہوگا، اور نہ بخیل اور نہ (صدقہ دے کر) احسان

دھرنے والا (جنّت میں داخل ہوگا)۔''

تشریح: یعنی جب تک آدمی ان خصلتوں سے پاک نہ ہوجائے، جنّت میں داخلہ نصیب نہیں ہوگا، اور پاک ہونے کی تین صورتیں ہیں:

۱:... دُنیا میں ان چیزوں سے توبہ کرلے۔

۲:... قبر اور آخرت میں ان کے بقدر سزا مل جائے۔

۳:... کریم آقا کی جانب سے عفو و کرم کا معاملہ ہوجائے اور نظرِ عنایت ان خصلتوں سے پاک کردے۔

[حدیث:۴۴۶] ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ، وَالْفَاجِرُ خِبٌّ لَئِیْمٌ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی البخل، حدیث:۱۸۸۸)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن بھولا بھالا، شریف الطبع ہوتا ہے، اور بدکار آدمی، مکار، چالباز اور بداخلاق ہوتا ہے۔''

اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت

[حدیث:۴۴۷] ''عَنْ أَبِیْ مَسْعُوْدِ الْأَنْصَارِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلٰی أَهْلِهٖ صَدَقَةٌ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی النفقة علی الاھل، حدیث:۱۸۸۹)

ترجمہ: ''حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی کا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔''

[حدیث:۴۴۸] ''عَنْ ثَوْبَانَ أَنَّ النَّبِیَّ صلی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَفْضَلُ الدِّیْنَارِ دِیْنَارٌ یُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلٰی عِیَالِهٖ، وَدِیْنَارٌ یُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلٰی دَابَّتِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ، وَدِیْنَارٌ یُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلٰی أَصْحَابِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ۔ قَالَ أَبُوْ قِلَابَةَ: بَدَأَ بِالْعِیَالِ ثُمَّ قَالَ: وَأَیُّ رَجُلٍ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنْ رَّجُلٍ یُّنْفِقُ عَلٰی عِیَالٍ لَهٗ صِغَارٌ یُّعِفُّهُمُ اللهُ بِهٖ وَیُغْنِیْهِمُ اللهُ بِهٖ''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی النفقة علی الاھل، حدیث:۱۸۹۰)

ترجمہ: ''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: سب سے

افضل دِینار وہ دِینار ہے جو آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے، اور وہ دِینار ہے جسے آدمی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی سواری کے جانور پر خرچ کرے، اور وہ دِینار ہے جسے آدمی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔ حضرت ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ (حدیث کے ایک راوی) کہتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اس دِینار کو ذکر کیا جو اہل وعیال پر خرچ کیا جائے، پس اس شخص سے اجر وثواب میں کون بڑھ سکتا ہے جو اپنے چھوٹے چھوٹے بال بچوں پر خرچ کرے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان کو مانگنے کی ذِلت سے بچائے، اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان کو غنی کردے۔“

تشریح: ان احادیث میں اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، اپنی استطاعت اور گنجائش کے مطابق اہل وعیال پر فراخ دِلی کے ساتھ خرچ کرنا چاہئے کہ اس میں بھی صدقے کا اجر وثواب ہے، کیونکہ حق تعالیٰ شانہ‘ نے اہل وعیال کی پرورِش اور ان کے نان ونفقہ کی ذمہ داری آدمی پر ڈالی ہے، پس جو شخص اس حکمِ اِلٰہی کی تعمیل کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب وپسندیدہ ہے، اور جو شخص اہل وعیال کے نان ونفقہ میں تنگی کرتا ہے، وہ حکمِ اِلٰہی کی تعمیل میں کوتاہی کرتا ہے، اس لئے اس کا یہ طرزِ عمل شرعاً مذموم اور عرفاً واخلاقاً رذالت کے زُمرے میں آتا ہے۔

مہمان نوازی کی فضیلت اور یہ کہ مہمان نوازی کتنے دن کی ہوتی ہے؟

[حدیث: ۴۴۹] ”عَنْ أَبِیْ شُرَیْحِ الْعَدَوِیِّ أَنَّہٗ قَالَ: أَبْصَرَتْ عَیْنَایَ رسول اللّٰہِ صلی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَسَمِعَتْہُ أُذُنَایَ حِیْنَ تَکَلَّمَ بِہٖ، قَالَ: مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ جَائِزَتَہٗ! قَالُوْا: وَمَا جَائِزَتُہٗ؟ قَالَ: یَوْمٌ وَّلَیْلَةٌ! قَالَ: وَالضِّیَافَةُ ثَلَاثَةُ أَیَّامٍ، وَمَا کَانَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَھُوَ صَدَقَةٌ، وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا أَوْ لِیَسْکُتْ! ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی الضیافة، حدیث: ۱۸۹۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میری آنکھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، اور میرے کانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر اِیمان رکھتا ہو، اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا پُرتکلف مہمانی کے ساتھ اِکرام کرے! عرض کیا گیا کہ: مہمان کا

پُرتکلف اِکرام کتنا ہونا چاہئے؟ فرمایا: ایک دن اور ایک رات! اور عام ضیافت (مہمان نوازی) تین دن کی ہے، اور جو اس کے بعد ہو وہ صدقہ ہے۔ (نیز ارشاد فرمایا کہ) اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر اِیمان رکھتا ہو اسے لازم ہے کہ خیر کی بات کہے یا خاموش رہے!''

تشریح: مہمان نوازی تمام انسانی معاشروں میں اور تمام مذاہب وملل میں مکارمِ اخلاق میں شمار کی جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مہمان نوازی کی تین حدیں مقرّر فرمائی ہیں۔ ایک دن رات تو (اپنے عام کھانے سے بڑھ کر) اس کے لئے پُرتکلف کھانا تیار کرے۔ تین دن عام مہمانی کے ہیں، اس کے بعد مہمان پر جو کچھ خرچ کیا جائے وہ صدقہ ہے۔ اس میں اشارہ فرمادیا گیا کہ مہمان کو میزبان کے پاس اتنا نہیں ٹھہرنا چاہئے کہ وہ اس کے لئے بوجھ بن جائے، جیسا کہ اگلی حدیث میں اس کی تصریح آئی ہے۔

یہاں یہ بھی ذکر کردینا ضروری ہے کہ مہمان کے لئے تکلف بھی اپنی حیثیت کے اندر رہ کر کرنا چاہئے، ایسا تکلف نہ کرے کہ خود زیر بار ہوجائے، اگر زیادہ کی گنجائش نہ ہو تو مہمان کی خاطر دسترخوان پر کسی ایک چیز کا اضافہ کردیا جائے جس سے مہمان کا اِکرام ہوجائے۔

[حدیث: ۴۵۰] ''عَنْ أَبِی شُرَیْحِ الْکَعْبِیِّ أَنَّ رسول اللّٰهِ صلی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلضِّیَافَةُ ثَلَاثَةُ أَیَّامٍ، وَجَائِزَتُهُ یَوْمٌ وَلَیْلَةٌ، وَمَا أُنْفِقَ عَلَیْهِ بَعْدَ ذٰلِکَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَلَا یَحِلُّ لَهُ أَنْ یَثْوِیَ عِنْدَهُ حَتّٰی یُحْرِجَهُ۔''

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی الضیافة، حدیث: ۱۸۹۲)

ترجمہ: ''حضرت ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ضیافت تین دن ہوتی ہے، اور مہمان کے لئے پُرتکلف کھانا تیار کرنا ایک دن رات کا ہے، اس کے بعد جو کچھ مہمان پر خرچ کرے وہ صدقہ ہے، اور مہمان کے لئے حلال نہیں کہ اس کے پاس اس قدر ٹھہرے کہ جس سے میزبان کو تنگی لاحق ہو۔''

تشریح: ''میزبان کو تنگی لاحق ہو'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی مہمان کے ساتھ ایسی بے تکلفی ہو کہ گویا وہ بھی افرادِ خانہ میں شامل ہے تو اس کے ہاں تین دن سے زیادہ ٹھہرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

بیواؤں اور یتیموں کو کما کردینا

[حدیث: ۴۵۱] ''عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَیْمٍ یَرْفَعُهُ إِلَی النَّبِیِّ صلی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ: اَلسَّاعِی عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ، أَوْ كَالَّذِی يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ۔"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی السعی علی الازملة ، حدیث: ۱۸۹۲)

ترجمہ: "صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: جو شخص بیواؤں اور مسکینوں کو کما کر کھلاتا ہے، وہ ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والا، یا اس شخص کی مثل ہے جو دن کو روزہ رکھے اور رات کو قیام کرے۔"

تشریح: معاشرے کے وہ گرے پڑے افراد جو کس مپرسی کی زندگی گزار رہے ہوں، ان کی دست گیری کرنا اور ان کی ضروریات کی نگہداشت کرنا اُولوالعزم لوگوں کا کام ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کا درجہ مجاہد فی سبیل اللہ اور صائم الدہر اور قائم اللیل حضرات کے برابر بتایا ہے۔

خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے

[حدیث: ۴۵۲] "عَنْ جَابِرِ بْنِ عبد اللهِ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ أَنْ تَلْقٰی أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ، وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِیْ إِنَاءِ أَخِيْكَ۔"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی طلاقة الوجه ، حدیث: ۱۸۹۳)

ترجمہ: "حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: نیکی کا ہر کام صدقہ ہے، اور بے شک بھلائی کے کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو، اور یہ کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔"

تشریح: کسی سے خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے، اس سے محبت بڑھتی ہے، ایک دُوسرے کا احترام دِل میں پیدا ہوتا ہے اور دُوسرے شخص کے دِل میں بطورِ خاص ایسا کرنے والے کی محبت و تواضع کا نقش قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ کنویں پر پانی بھر رہے ہیں اور دُوسرا شخص اپنا برتن لئے منتظر کھڑا ہے، اگر آپ اس کے برتن میں پانی ڈال دیں تو یہ اگرچہ ایک معمولی سا عمل ہے لیکن دُوسرے شخص کا دِل جذباتِ تشکر سے معمور ہو جائے گا اور آپ کے دِل میں اس (یعنی اپنی ضرورت پر دُوسروں کو ترجیح دینے) کا ملکہ راسخ ہوگا۔

سچائی کی فضیلت اور جھوٹ کی مذمّت

[حدیث:۴۵۳] ”عَنْ عبد اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ! فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيْقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ! فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِىْ إِلَى الْفُجُوْرِ، وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی الصدق و الكذب ، حدیث:۱۸۹۴)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سچائی کو لازم پکڑو! کیونکہ سچائی نیکی کا راستہ دِکھاتی ہے، اور نیکی جنّت کی راہ پر چلاتی ہے، اور ایک آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچ بولنے کا اہتمام کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق (سچا) لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچتے رہو! کیونکہ جھوٹ آدمی کو گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور گناہ جہنّم کی راہ پر چلاتا ہے، اور ایک بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں کذّاب (بڑا جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔“

تشریح: ”سچائی نیکی کا راستہ دِکھاتی ہے“ یعنی سچائی کی خاصیت یہ ہے کہ آدمی نیکی کا راستہ اختیار کرلیتا ہے اور اسے نیک اعمال کی توفیق ہوجاتی ہے۔ اور ”جھوٹ آدمی کو گناہ اور نافرمانی کے راستے پر ڈال دیتا ہے“ یعنی اس سے نیکی کی توفیق سلب ہوجاتی ہے، اور جھوٹ کی نحوست کا خاصہ یہ ہے کہ آدمی گناہ کے راستے پر چل نکلتا ہے اور گناہ کا راستہ جو جھوٹ کی بدولت اپنایا گیا وہ سیدھا جہنّم پر جا کر رُکتا ہے، اس لئے ایک مسلمان کو اس جہنمی راستے سے مکمل پرہیز لازم ہے۔

[حدیث:۴۵۴] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ“؟ قَالَ يَحْيٰى: فَأَقَرَّ بِهٖ عَبْدُالرَّحِيْمِ بْنُ هَارُوْنَ، وَقَالَ: نَعَمْ!“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی الصدق و الكذب ، حدیث:۱۸۹۵)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کی بدبو کی وجہ سے اس سے ایک میل دُور چلا جاتا ہے۔“

تشریح: جس طرح مادّی چیزوں میں خوشبو یا بدبو ہوتی ہے، جس کو آدمی سونگھنے کی قوّت سے محسوس کرتا ہے، اسی طرح نیک اعمال میں معنوی خوشبو اور بُرے اعمال میں معنوی تعفن اور بدبو ہوتی ہے، جن کو ملائکہ کی پاکیزہ جماعت محسوس کرتی ہے، اور کبھی کبھی یہ خوشبو اور بدبو جب بہت بڑھ جاتی ہے تو ہماری مادّی حس کے ذریعے سے بھی محسوس کی جاتی ہے۔ چنانچہ بہت سے اکابر جو کثرت سے دُرود شریف پڑھتے تھے ان کے بدن سے خوشبو محسوس کی جاتی تھی۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک سے ایک عرصے تک خوشبو کا محسوس کیا جانا ایک مشہور واقعہ ہے۔ اس حدیث شریف میں جھوٹ کی گندگی اور معنوی تعفن کو ذکر کیا گیا ہے کہ جھوٹ بولنے والے کے منہ سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ محافظ فرشتے کے لئے یہ بدبو نا قابلِ برداشت ہو جاتی ہے اور وہ اس شخص سے ایک میل دُور ہٹ جاتا ہے۔ جو شخص بار بار جھوٹ بولتا ہو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی رُوح میں کتنی غلاظت جمع ہو جائے گی؟ یہ صرف ایک گناہ کی بدبو ہے...! باقی گناہوں کو بھی اس پر قیاس کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ان معنوی نجاستوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

فحش کلامی

[حدیث: ۴۵۵] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رسول اللہِ صلی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا كَانَ الْفُحْشُ فِيْ شَيْئٍ إِلَّا شَانَهٗ، وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِيْ شَيْئٍ إِلَّا زَانَهٗ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ماجاء فی الفحش، حدیث: ۱۸۹۶)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں ہوتا فحش یعنی سخت کلامی کسی چیز میں، مگر اسے عیب ناک کر دیتا ہے، اور نہیں ہوتی حیا اور نرمی کسی چیز میں، مگر اس کو زینت دیتی ہے۔“

تشریح: فحش ہر اس قول و فعل کو کہا جاتا ہے جس کی قباحت بالکل نمایاں ہو، سخت کلامی کو بھی اسی بنا پر فحش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس حدیث پاک میں فحش اور حیا کو بجائے انسانوں کے اشیاء کی طرف منسوب فرمانا بطورِ مبالغہ ہے، یعنی فرض کیجئے کہ اگر فحش کلامی جمادات میں پائی جاتی تو ان کو بھی عیب دار کر دیتی، اور اگر حیا اور نرمی جمادات میں بھی پائی جاتی تو ان کو بھی آراستہ و مزین کر دیتی۔ جب فحش کلامی کے عیب اور حیا کی عمدگی کا یہ عالم ہے تو اندازہ کیا جائے کہ جس شخص میں فحش کلامی کی خصلت ہو وہ کتنا بُرا ہے؟ اور جس میں حیا اور نرمی کی عادت ہو وہ کتنا اچھا ہے؟

صاحبِ ''مظاہرِ حق'' لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''کہا طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں مبالغہ ہے کہ اگر بالفرض فحش یا حیا جمادات میں ہو تو ان کو بھی عیب ناک کردے، یا زینت دے دے۔''

[حدیث:۴۵۶] ''عَنْ عبد اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا۔ وَلَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا۔''

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی الفحش، حديث :۱۸۹۷)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے اچھے وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہوں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ طبعاً فحش گو تھے، نہ تکلف کے ساتھ فحش گوئی کرتے تھے۔''

تشریح: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فحش گوئی اور سخت کلامی کا ظہور قطعاً نہیں ہوتا تھا۔ یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج سے کوئی میل نہیں کھاتی تھی، اور اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلف سے کسی موقع پر کرنا چاہیں تب بھی نہیں کرسکتے تھے۔

کسی پر لعنت کرنا

[حدیث:۴۵۷] ''عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللهِ، وَلَا بِغَضَبِهِ، وَلَا بِالنَّارِ۔''

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی اللعنة ، حديث:۱۸۹۸)

ترجمہ: ''حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کو اللہ تعالیٰ کی لعنت کی بددُعا نہ دو، نہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی اور نہ دوزخ کی۔''

[حدیث:۴۵۸] ''عَنْ عبدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ۔''

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی اللعنة ، حديث :۱۸۹۹)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مؤمن طعن کرنے والا نہیں ہوتا، نہ لعنت کرنے والا ہوتا ہے، نہ بدگوئی کرنے والا اور نہ

بیہودہ گوئی کرنے والا۔"

تشریح: یعنی یہ چیزیں مؤمن کی شان کے منافی ہیں، کسی کو لعن طعن کرنا، نہایت ناپسندیدہ مشغلہ ہے، اس سے قلوب میں منافرت پیدا ہوتی ہے، جس پر لعن طعن کیا جائے وہ اس کو اپنی تذلیل سمجھتا ہے، جس کی بنا پر اس کے دِل پر بغض وعداوت اور انتقام کے جذبات اُبھرتے ہیں اور بسا اوقات اس کے شرارے پھیل کر دُور دُور تک پہنچ جاتے ہیں۔

اسی طرح فحش گوئی اور یاوہ گوئی بھی مؤمن کے وقار کے خلاف ہے، اور اس سے معاشرے میں بھی شر وفساد پھیلتا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اُمّت کے حق میں باپ سے زیادہ شفیق ہیں، اہلِ ایمان کو ان خصائلِ بد سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

[حدیث: ۴۵۹] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيحَ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَا تَلْعَنِ الرِّيحَ فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ، وَإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ۔"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی اللعنة، حدیث: ۱۹۰۰)

ترجمہ: "حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہوا پر لعنت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہوا پر لعنت نہ کرو، یہ تو حکمِ (الٰہی) کی پابند ہے، اور بات یہ ہے کہ جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو لعنت کی مستحق نہ ہو تو یہ لعنت لوٹ کر خود لعنت کرنے والے پر پڑتی ہے۔"

اپنے نسب کو جاننے کا حکم

[حدیث: ۴۶۰] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ، فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ، مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ۔"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی تعلم النسب، حدیث: ۱۹۰۱)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اپنے نسبوں میں سے اتنی مقدار ضرور سیکھ لیا کرو جس کے ذریعے تم (اپنے عزیز واقارب کے ساتھ) صلہ رحمی کرسکو، کیونکہ صلہ رحمی خاندان میں محبّت کو بڑھاتی ہے اور مال میں اضافے کا اور عمر کے بڑھانے کا ذریعہ ہے۔"

تشریح: نکاح، وراثت اور صلہ رحمی کے بہت سے مسائل رشتوں کے جاننے پر موقوف ہیں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ: ہر شخص بقدرِ ضرورت اپنا نسب ضرور محفوظ رکھے، تاکہ اسے یہ معلوم ہو کہ خاندان میں کون کون اس کے محرَم رشتہ دار ہیں جن سے نکاح نہیں ہوسکتا، کون کون رشتہ دار ایسے ہیں جو فلاں شخص کے فوت ہونے کے بعد اس کے وارث ہوں گے، اور کون کون اہلِ قرابت ایسے ہیں کہ ان کے حقوق ونفقات اس کے ذمے واجب ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اور اس قسم کے دُوسرے اَحکام نسب کے پہچاننے پر موقوف ہیں۔

صلہ رحمی کے معنی ہیں اپنے عزیز واقارب کے ساتھ تعلقات استوار رکھنا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث شریف میں صلہ رحمی کے تین فوائد ارشاد فرمائے ہیں، ایک یہ کہ اس سے خاندان میں محبّت بڑھتی ہے اور خاندان کی باہمی اُلفت ومحبّت دُنیا کی عظیم ترین نعمت ہے۔ اس کے برعکس خاندان میں شقاق ونفاق بڑی بدبختی ہے، اور جو شخص اہلِ خاندان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے وہ پورے خاندان کی نظر میں محبوب ومعزّز بن جاتا ہے۔

دوم یہ کہ اس سے مال میں اضافہ ہوتا ہے، یہ اَمر تجربے ومشاہدے سے ثابت ہے کہ جو شخص عام لوگوں کے ساتھ خصوصاً اپنے خاندان کے لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا عادی ہو، اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت فرماتے ہیں، اور وہ دُوسروں کی نسبت زیادہ خوش حال رہتا ہے۔ اس کا راز... واللہ اعلم... یہ ہے کہ یہ شخص جن جن لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور مالی معاونت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے لطف سے ان کی روزی کا حصہ بھی اس کے مال میں ڈال دیتے ہیں۔

تیسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ صلہ رحمی سے عمر بڑھتی ہے، اور عمر میں برکت واضافہ ہوتا ہے، جس طرح مال کے بڑھنے کے اسباب وذرائع پیدا فرمائے ہیں، اسی طرح صلہ رحمی کو عمر کے بڑھنے کا سبب ٹھہرایا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عمر کے بڑھنے سے یہ مراد ہو کہ اس شخص کی نیک نامی تادیر قائم رہتی ہے اور مرنے کے بعد اس کا نام روشن رہتا ہے۔

نیز اپنے نسب کو محفوظ کرنا بھی ضروری ہے اور اپنے خاندان کے علاوہ کسی اور خاندان کی طرف یا بزرگ کی طرف نسبت کرنا ناجائز ہے، بعض لوگ قریشی یا سیّد نہیں ہوتے لیکن اس کا دعویٰ کرتے ہیں، بعض حضرات اپنی اولادوں کی نسبت بزرگوں کی طرف کرتے ہیں، جبکہ سورۂ احزاب میں حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے قصے میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ باپ کی طرف نسبت کی جائے، منہ بولے بیٹے اور باپوں کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

کسی بھائی کے لئے پسِ پشت دُعا کرنا

[حدیث: ۴۶۱] "عَنْ عبد اللہِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ: مَا دَعْوَۃٌ أَسْرَعَ إِجَابَۃً مِّنْ دَعْوَۃِ غَائِبٍ لِّغَائِبٍ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی دعوۃ الاخ، حدیث: ۱۹۰۲)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی دُعا اتنی جلدی قبول نہیں ہوتی جتنی جلدی کہ ایک شخص کی دُعا دُوسرے کے لئے پسِ پشت قبول ہوتی ہے۔"

تشریح: کسی مسلمان کی غیر موجودگی میں اس کے لئے پسِ پشت دُعا کرنا چونکہ اِخلاص و محبّت پر مبنی ہے اس لئے ایسی دُعا حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں بہت جلد مقبول ہوتی ہے۔ اس حدیث کی سند میں محدثین کو کچھ کلام ہے، لیکن یہ مضمون صحیح ہے اور متعدّد احادیث میں وارِد ہے۔

گالی گلوچ کا بیان

[حدیث: ۴۶۲] "عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَۃَ أَنَّ رسول اللہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَی الْبَادِیْ مِنْهُمَا مَا لَمْ یَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی الشتم، حدیث: ۱۹۰۳)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دو شخص آپس میں گالی گلوچ کر رہے ہوں، وہ جو کچھ بھی کہیں گے اس کا وبال ابتدا کرنے والے پر ہے، جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔"

تشریح: کسی مسلمان کو بُرا بھلا کہنا اور گالی گلوچ کرنا بہت نازیبا حرکت ہے، جس شخص کو بُرا بھلا کہا گیا، اگر وہ جواب میں اتنا کہہ دے کہ: "تم ہی ایسے ہوگے" جو لفظ پہلے نے کہا تھا اسی لفظ کو اس پر لوٹا دے تو اس کا وبال بھی ابتدا کرنے والے پر ہوگا کہ اسی نے اس ناخوشگوار گفتگو کی ابتدا کی، لیکن شرط یہ ہے کہ دُوسرا شخص اِشتعال میں آکر حد سے تجاوز نہ کرے اور کوئی ایسی بات نہ کہے جو تہمت تراشی کے زُمرے میں آتی ہو، اگر ایسا ہوا تو یہ شخص مظلوم کے بجائے ظالم بن جائے گا۔

جب دو شخصوں کے درمیان تلخ گفتگو ہوتی ہے تو عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر شخص دُوسرے کو چبھتی ہوئی بات کہنے کی کوشش کرتا ہے، اور بسا اوقات دونوں ایک دُوسرے کے خلاف صریح اِلزام تراشی پر اُتر آتے ہیں، جس کی وجہ سے دونوں سزا کے مستحق ہوجاتے ہیں، اس لئے لڑائی جھگڑے کا نتیجہ ہمیشہ

بُرا نکلتا ہے۔ اس حدیث شریف میں ادب سکھایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے خلاف بدزبانی کرے تو بہتر تو یہ ہے کہ یہ خاموش رہے، وہ خود ہی جھک مار کر خاموش ہو جائے گا، لیکن اگر جواب ہی دینا ہو تو بس اس کی بات کو اس کی طرف لوٹا دے، اپنی طرف سے کوئی ناروا تہمت نہ لگائے۔

[حدیث: ۶۶۳] ”عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُولُ: قَالَ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَتُؤْذُوا الْأَحْيَاءَ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی الشتم، حدیث: ۱۹۰۴)

ترجمہ: ”حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مُردوں کو بُرا بھلا کہہ کر زندوں کو اِیذا نہ پہنچاؤ۔“

تشریح: جو حضرات اس دُنیا سے رُخصت ہو گئے، وہ اپنے رَبّ کے حضور پہنچ چکے ہیں، ان کا معاملہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ ہے۔ اگر چاہیں تو اپنے لطف و کرم سے معاف فرمادیں، اور اگر چاہیں تو عذاب دیں۔ اب یہاں دُنیا میں بیٹھ کر ان کو بُرا بھلا کہنا ایک فضول مشغلے کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

”لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۷)

ترجمہ: ”مُردوں کو بُرا نہ کہو، کیونکہ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا تھا، اس تک پہنچ چکے ہیں۔“

الغرض! مُردوں کو بُرا کہنے کا نتیجہ خود ان کے حق میں تو کچھ نہیں، البتہ اس پر چند مفاسد ہیں، ایک بڑی خرابی یہ ہے جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ فرمایا کہ مُردوں کو بُرا کہنے سے ان کے زندہ عزیز و اقارب کو اِیذا ہوگی اور اس سے قلوب میں منافرت پیدا ہوگی۔

دُوسری بڑی خرابی یہ ہے کہ جس طرح زندوں کی غیبت کرنا حرام اور حدیث شریف کے مطابق ”أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا“ ہے، اسی طرح مُردوں کی غیبت کرنا بھی حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ پھر زندوں سے تو آدمی معافی تلافی بھی کر سکتا ہے اور مُردوں سے معافی تلافی بھی نہیں کرا سکتا۔

تیسری بڑی خرابی یہ ہے کہ مسلمان مُردوں کے لئے دُعا و اِستغفار کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ مرنے والوں کا زندوں کے ذمے حق ہے، ان حضرات کو بُرا کہنے والا اس حکم کی مخالفت کرتا ہے اور مُردوں کی حق تلفی بھی کرتا ہے۔

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شرعی مصلحت کسی مُردے کو بُرا کہنے کی متقاضی ہو تو بُرا کہنا جائز ہے۔ مثلاً: اگر کوئی شخص بدعتی تھا اور لوگ اس سے حسنِ اعتقاد کی بنا پر اس بدعت و گمراہی میں مبتلا ہیں، تو

لوگوں کو اس گمراہی سے بچانے کے لئے اس بدعتی کو بُرا کہنا ایک شرعی مصلحت ہے۔ اسی طرح حضراتِ محدثین رحمۃ اللہ علیہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کی غرض سے راویوں پر جرح کرتے ہیں، یہ بھی ایک دینی ضرورت ہے، اس لئے ایسی صورتوں میں مُردوں کو بُرائی کے ساتھ یاد کرنا جائز، بلکہ بعض دفعہ واجب ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ان ضرورت کے موقعوں پر بھی احتیاط کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے اور کوئی غلط بات ان کی طرف منسوب نہ کی جائے۔

[حدیث: ۴۶۴] ”عَنْ عبد اللّٰہِ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ، وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ۔ قَالَ زُبَیْدٌ: قُلْتُ لِأَبِیْ وَائِلٍ: أَنْتَ سَمِعْتَہٗ مِنْ عبد اللّٰہِ؟ قَالَ: نَعَمْ! ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ماجاء فی الشتم، حدیث: ۱۹۰۵)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مسلمان کو گالی گلوچ کرنا فسق ہے، اور اس سے جنگ وقتال کرنا کفر (کی بات) ہے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں، ایک یہ کہ کسی مسلمان کا دُوسرے سے گالی گلوچ کرنا فسق اور نافرمانی ہے کیونکہ بغیر شرعی وجہ کے مسلمان کو سب وشتم کرنا حرام ہے، اسی طرح جو الفاظ عادۃً مذموم ہیں ان کا استعمال بھی ناجائز ہے، مثلاً: کسی کو گدھا یا کتا کہنا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنے رسالے ”فضائلِ تبلیغ“ کی فصلِ ثانی میں دُرِّ منثور کے حوالے سے اور انہوں نے حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ”نوادر الاصول“ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

”عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِذَا عَظَّمَتْ أُمَّتِیَ الدُّنْیَا نُزِعَتْ مِنْھَا ھَیْبَۃُ الْاِسْلَامِ، وَاِذَا تَرَکَتِ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیَ عَنِ الْمُنْکَرِ، حُرِمَتْ بَرَکَۃُ الْوَحْیِ، وَاِذَا تَسَابَّتْ أُمَّتِیْ سَقَطَتْ مِنْ عَیْنِ اللّٰہِ۔“ (کذا فی الدر عن الحکیم الترمذی)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب میری اُمت دُنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اِسلام کی ہیبت ووقعت اس کے قلوب سے نکل جائے گی، اور جب اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہوجائے گی، اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ جل شانہٗ کی نظر میں گر جائے گی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کا گالی گلوچ سے زبان کو آلودہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گر جانے کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

دُوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ مسلمان سے قتال کرنا کفر ہے۔ چونکہ اہلِ حق کے نزدیک آدمی کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا، اس لئے اس قسم کی احادیث جن میں بعض گناہوں پر اس کا اِطلاق ہوا ہے، ان کی تأویل کی جاتی ہے۔ سب سے زیادہ سہل اور بے تکلف توجیہ یہ ہے کہ ان احادیث میں کفرِ اِعتقادی مراد نہیں بلکہ عملی کفر مراد ہے۔ مطلب یہ کہ کسی مسلمان سے قتال کرنا کافروں کا کام ہے، اس لئے اس کام کے کرنے والا اگرچہ مسلمان ہے لیکن وہ کافروں جیسا کام کر رہا ہے، جیسے کسی کو اس کی غلطی پر ''چمار'' کہہ دیا جاتا ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ چمار ہے، بلکہ یہ مراد ہوتی ہے کہ اس نے چماروں جیسا کام کیا، واللہ اعلم!

اچھی بات کہنے کی فضیلت

[حدیث:۴۶۵] ''عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا تُرٰى ظُهُوْرُهَا مِنْ بُطُوْنِهَا وَبُطُوْنُهَا مِنْ ظُهُوْرِهَا۔ فَقَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: لِمَنْ هِيَ يَا رسول اللہِ؟ قَالَ: لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ، وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ، وَأَدَامَ الصِّيَامَ، وَصَلّٰى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی قول المعروف، حدیث:۱۹۰۶)

ترجمہ: ''حضرت علی کرّم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنّت میں کچھ بالاخانے ایسے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ پس ایک اَعرابی کھڑا ہوا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بالاخانے کن لوگوں کے لئے ہیں؟ فرمایا: اس شخص کے لئے جو نرم بات کرے، کھانا کھلائے، ہمیشہ روزے رکھے، اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں اس وقت نماز پڑھے۔''

تشریح: جنّت کے درجات اہلِ جنّت کے مراتب کے لحاظ سے مختلف ہیں، جنّت کے یہ خاص بالاخانے ان حضرات کے لئے مخصوص ہیں جو مذکورہ بالا چار صفات کے ساتھ موصوف ہوں، اوّل یہ کہ نرم کلامی کو اَپنا شعار بنائیں، اور درشت کلامی سے پرہیز کریں، دوم یہ کہ کھانا کھلانے کے عادی ہوں، تیسرے یہ کہ بکثرت روزے رکھیں، چوتھے یہ کہ نمازِ تہجد کی پابندی کریں۔ پہلی دو صفات مکارمِ اخلاق میں بلند مرتبہ رکھتی ہیں، اور دُوسری دو صفات عبادات میں عالی درجہ رکھتی ہیں، پس جو شخص ان چار صفات کا جامع ہو وہ

اخلاق و اعمال میں بلند مرتبے پر فائز ہونے کی وجہ سے جنّت کے ان عالی شان بالا خانوں کا مستحق ہوگا۔حق تعالیٰ شانہ ہمیں بھی ان صفات کا ذوق نصیب فرمائیں۔

نیک غلام کی فضیلت

[حدیث:۴۶۶] ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نِعْمَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ یُطِیْعَ رَبَّهُ وَیُؤَدِّیَ حَقَّ سَیِّدِهِ یَعْنِی الْمَمْلُوْکَ۔ وَقَالَ کَعْبٌ: صَدَقَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ۔'' (رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی فضل المملوک الصالح، حدیث:۱۹۰۷)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی غلام کے لئے بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے رَبّ کی بھی اطاعت بجالاتا ہو اور اپنے آقا کا حق (خدمت) بھی (ٹھیک ٹھیک) ادا کرتا ہو۔ کعب نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد برحق ہے۔''

تشریح: غلام اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے طاعت و عبادت کے لئے فرصت کم پاتا ہے، اور اگر طاعت و عبادت کی طرف متوجہ ہو تو اپنے آقا کی خدمت میں کوتاہی کرتا ہے، اس لئے ان دونوں باتوں کا بیک وقت جمع کرنا ذرا مشکل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی کو بھی پوری طرح بجالائے اور آقا کی خدمت میں بھی کوتاہی نہ کرے، پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی کا بھی حق ادا کرے اور آقا کی خدمت و فرمانبرداری کا پورا اہتمام کرے، ایسا غلام واقعی لائقِ ستائش ہے۔ اور جیسا کہ دُوسری حدیث میں ارشاد ہے ایسے غلام کو دُہری خدمت بجالانے کی وجہ سے دُہرا اَجر عطا کیا جائے گا۔

[حدیث:۴۶۷] ''عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثَةٌ عَلٰی کُثْبَانِ الْمِسْکِ أَرَاهُ قَالَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ: عَبْدٌ أَدّٰی حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِیْهِ، وَرَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ، وَرَجُلٌ یُنَادِیْ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ'' (رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی فضل المملوک الصالح، حدیث:۱۹۰۸)

ترجمہ: ''حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: تین (قسم کے) آدمی قیامت کے دن کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے، ایک وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقاؤں کا حقِ خدمت بھی ادا کیا، دُوسرا وہ شخص جس نے

کسی قوم کی اِمامت کی درآنحالیکہ وہ لوگ اس سے راضی تھے، تیسرا وہ شخص جو رات دن کی پانچ نمازوں کی اَذان کہے۔‘‘

حسنِ معاشرت کا بیان

[حدیث: ۴۶۸] ’’عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ لِیْ رسول اللہِ صلی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِتَّقِ اللہِ حَیْثُمَا کُنْتَ! وَأَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔‘‘

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ماجاء فی حسن المعاشرۃ ، حدیث: ۱۹۰۸)

ترجمہ: ’’حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ: تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ! اور بُرائی کے بعد بھلائی کر، یہ اس کو مٹادے گی، اور لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق کا معاملہ کیا کر۔‘‘

تشریح: اس حدیث پاک میں تین نصیحتیں بیان فرمائی ہیں، ایک یہ کہ خلوَت وجلوَت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور کسی حالت میں بھی ایسا کام نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا موجب ہو۔ دوم یہ کہ اگر خدانخواستہ کوئی غلطی، کوتاہی اور بُرائی سرزد ہوجائے تو اس کے تدارک کے لئے فوراً نیک کام کرو، اس نیکی کی برکت سے بُرائی کا اثر مٹ جائے گا۔ سب سے عمدہ نیکی توبہ ہے، گناہ کے بعد فوراً توبہ کرلو، اور اس گناہ کے کفارے کے طور پر کوئی نیک کام کرو، مثلاً: کچھ صدقہ کردو، کچھ نفل پڑھ لو، روزہ رکھ لو، اس توبہ اور کفارے کی برکت سے بُرائی کا تدارک ہوجائے گا اور اس کے اثرات محو ہوجائیں گے۔

بدگمانی کی مذمت

[حدیث: ۴۶۹] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ رسول اللہِ صلی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ! فَإِنَّ الظَّنَّ أَکْذَبُ الْحَدِیْثِ۔‘‘

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ماجاء فی ظن السوء ، حدیث: ۱۹۰۹)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بدگمانی سے بچتے رہو! کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ اِمام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بدگمانی دو قسم کی ہے، ایک گناہ ہے اور دُوسری گناہ نہیں، جو بدگمانی گناہ ہے، وہ تو یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے بارے بدگمانی کرے اور اس کو لوگوں کے سامنے بیان بھی کرے، اور جو بدگمانی گناہ نہیں، وہ یہ ہے کہ کسی کے دِل میں

غیر اختیاری طور پر بدگمانی پیدا ہو، لیکن وہ اس کو بیان نہ کرے۔"

تشریح: جب کسی شخص کی جانب سے دِل صاف نہیں ہوتا تو اس کے بارے میں بلاوجہ بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر یہ محض وسوسے کے درجے میں ہوں اور آدمی ان کے مقتضا پر عمل نہ کرے تو یہ غیر اختیاری چیز ہے، اور اس پر مؤاخذہ نہیں، لیکن اگر اس بدگمانی کو لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے یا قصداً اس شخص کے بارے میں انتقامی تدابیر سوچی جائیں تو یہ مذموم ہے، اور حدیث شریف میں اس کو "سب سے بڑا جھوٹ" فرمایا گیا ہے، کیونکہ یہ بدگمانی خلافِ واقعہ ہے اور اس کی بنیاد پر کارروائی کرنا بہت سے مفاسد کا پیش خیمہ ہے۔

مزاح اور دِل لگی کا بیان

[حدیث: ۶۷۰] "عَنْ أَنَسٍ قَالَ: إِنَّ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم لَيُخَالِطُنَا حَتّٰى إِنْ كَانَ لَيَقُوْلُ لِأَخٍ لِيْ صَغِيْرٍ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ"

(رواه الترمذى فى ابواب البر، باب ماجاء فى فضل المزاح، حديث: ۱۹۱۰)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے میل جول رکھتے تھے، یہاں تک کہ میرے ایک بھائی سے جو چھوٹی عمر کا تھا فرماتے تھے کہ: ابوعمیر! تمہاری وہ بلبل کیا ہوئی؟"

تشریح: مزاح کے معنی دِل لگی اور خوش طبعی کے ہیں، یعنی کسی سے ایسا فقرہ یا ایسی بات کہی جائے جس سے اس کی طبیعت میں اِنشراح واِنبساط ہو۔ مزاح اور مذاق میں یہی فرق ہے کہ مزاح سے تو سننے والے کو اُنسیت ومحبّت پیدا ہوتی ہے اور اس کا دِل بڑھتا ہے، اور مذاق سے اس کی دِل شکنی ہوتی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مزاحی فقرے سے بھی دِل شکستگی محسوس کرتا ہو تو اس کے حق میں مزاحی فقرہ بھی مذاق کے حکم میں ہوگا، اور ممنوع ہوگا۔ جن احادیث میں مزاح کی مذمت آئی ہے ان سے... واللہ اعلم... ایسا ہی مزاح مراد ہے جو کسی مسلمان کی ایذا کا سبب بن جائے، نیز مزاح کی ایسی کثرت بھی ممنوع ہے جو غفلت کا سبب ہو کہ یہ قساوتِ قلبی سے ناشی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت تبسم اور مزاح فرماتے تھے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی کسی کے لئے گرانی کا باعث نہیں تھی، بلکہ اِزدیادِ محبّت کا ذریعہ تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدرتی رُعب ایسا غالب تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم ومزاح نہ فرماتے تو کسی شخص کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونا اور استفادہ کرنا مشکل ہوتا۔

اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث نقل کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک کم سن

بھائی نے بلبل پال رکھی تھی، وہ مرگئی، جس کی وجہ سے بچہ غمگین اور افسردہ ہوگیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اَز راہِ شفقت و ملاطفت ان سے پوچھا کہ: ابوعمیر! وہ تمہاری بلبل کدھر گئی؟ اس میں اختلاف ہے کہ بچے کا نام پہلے سے ابوعمیر تھا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس چھوٹے سے مزاحی فقرے سے جس کے حروف کی تعداد بھی اَٹھارہ بیس سے زیادہ نہیں، علمائے اہلِ سنّت نے سو سے زیادہ مسائل اِستنباط کئے ہیں، مثلاً یہ کہ:

۱:... مزاح اور دِل لگی کرنا، جس کا منشا ملاطفت ہو، سنّت ہے۔

۲:... بچوں کے ساتھ مزاح بھی جائز ہے۔

۳:... چھوٹے بچے کی کنیت رکھنا جائز ہے۔

۴:... بچوں کا پرندوں سے کھیلنا جائز ہے۔

۵:... پرندے پالنا اور ان کو پنجرے میں بند رکھنا جائز ہے، بشرطیکہ ان کی خوراک اور سردی گرمی سے بچاؤ کا اہتمام کیا جائے۔

۶:... حنفیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حرمِ مدینہ میں شکار کرنا، اس کو پکڑنا، اس کو بند رکھنا، اس کو ذبح کرنا جائز ہے، جبکہ حرمِ مکہ کے شکار کے اَحکام اس سے مختلف ہیں۔

۷:... حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس چھوٹے بھائی کا انتقال کم سنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ شریفہ میں ہوگیا، بعید نہیں کہ "ابوعمیر" کی کنیت میں اشارہ اس بچے کی عمر کے تھوڑا ہونے کی طرف بھی ہو، کیونکہ "عمیر" عمر کی تصغیر ہے، یعنی چھوٹی عمر، اور "ابوعمیر" کے معنی ہیں چھوٹی عمر والا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے اس قسم کے صادر شدہ الفاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے اشارات پاتے تھے، چنانچہ غزوۂ موتہ میں لشکر کا اَمیر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مقرّر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: اگر وہ شہید ہوجائیں تو جعفر اَمیر ہوں گے، اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہ اَمیر ہوں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو مسلمان جس کو چاہیں اَمیر بنالیں۔ اس ارشاد سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا کہ یہ تینوں حضرات شہید ہوجائیں گے۔ اسی طرح "ابوعمیر" کی کنیت سے اس بچے کی کم عمری کا اشارہ ملتا ہے، اور یہ معجزاتِ نبوّت میں سے ہے۔

ہمارے شیخ قطب العالم حضرت مولانا الحاج الحافظ محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ کے "خصائلِ نبوی" میں لکھا ہے اور بہت صحیح لکھا ہے:

"بعض علماء نے اس حدیث سے سو سے زیادہ مسائل اور فوائد بتائے ہیں، اس ذات کے قربان! جس کے ایک مذاقی (مزاحی) فقرے میں سو، سو مسائل حل ہوتے ہیں، اور ان علماء کی قبروں کو حق تعالیٰ شانہٗ سراپا نور بنائے، جنھوں نے اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے مبارک کلام کی اس قدر خدمت کی کہ ایک ایک حدیث سے کتنے کتنے مسائل اِستنباط کئے، ان کو محفوظ رکھا اور پھیلایا۔''

[حدیث: ۴۷۱] ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالُوْا: یَا رسول اللهِ! إِنَّکَ تُدَاعِبُنَا، قَالَ: إِنِّی لَا أَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا!۔''

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ماجاء فی فضل المزاح ، حدیث: ۱۹۱۱)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ بھی ہمارے ساتھ دِل لگی اور مزاح فرماتے ہیں، فرمایا: بے شک میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا!''

تشریح: عام طور سے مزاح کو وقار کے خلاف سمجھا جاتا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی مزاح، مزاح میں ایسی بات کہہ جاتا ہے جو سنجیدگی کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی، کیونکہ عام حالات میں وہ بات یا تو خلافِ واقعہ ہوتی ہے یا اگر خلافِ واقعہ نہ بھی ہو تو اس کا زبان پر لانا عموماً شائستگی کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ ان اُمور کے پیشِ نظر کسی کو وہم ہوسکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مزاح کا ثبوت وقارِ نبوّت کے منافی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے یہ سوال کرکے اس وہم اور اِشکال کو رفع کرادیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح کرنا وقارِ نبوّت کے منافی نہیں، بلکہ اعجازِ نبوّت ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر مزاح کی حالت میں بھی عصمتِ خداوندی کا پہرا رہتا تھا۔ چنانچہ مدّۃ العمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زبان سے ایک حرف بھی ایسا صادر نہیں ہوا جو شائستگی کے بلند ترین معیار سے نیچے گرا ہوا ہو، بلکہ مزاح کی حالت میں بھی جو کچھ ارشاد فرماتے وہ حق وصداقت کا آئینہ دار ہوتا تھا، پوری زندگی میں اس بلند ترین معیار کو قائم رکھنا اور کبھی بھول کر بھی خلافِ واقعہ لفظ کا زبان مبارک سے صادر نہ ہونا، معجزۂ نبوّت نہیں تو اور کیا ہے...؟

جس طرح مزاح اور دِل لگی کی حالت میں زبان مبارک معصوم تھی کہ اس سے کوئی خلافِ حق بات صادر نہیں ہوتی تھی، اسی طرح غصّے کی حالت میں بھی عصمت کا یہ پہرا قائم رہتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں جو کچھ ارشاد فرماتے تھے میں اس کو قلم بند کرلیا کرتا تھا۔ ایک دن قریش کے بڑے بوڑھے نے مجھے فہمائش کی کہ میاں! تم ہر بات لکھ لیتے ہو، ایسا نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غصّے میں کوئی بات ارشاد فرماتے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بزرگوں کی یہ فہمائش ذکر کی تو ارشاد فرمایا: ''لکھا کرو! (اور زبان مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) اللہ کی قسم! اس سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔'' قربان جایئے اس ذاتِ اقدس پر (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کی خوش طبعی بھی معصوم

تھی اور جس کا غصہ بھی معصوم تھا...!

[حدیث:۴۷۲] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ! قَالَ مَحْمُودٌ: قَالَ أَبُوْ أُسَامَةَ: إِنَّمَا يَعْنِيْ بِهِ أَنَّهُ يُمَازِحُهُ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی فضل المزاح ، حدیث:۱۹۱۲)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے دو کانوں والے!“

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال کی تھی کہ ان کی والدہ ماجدہ نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے وقف کردیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس کم سن خادم سے اکثر ملاطفت فرماتے تھے، دو کان تو ہر ایک کے ہوتے ہیں، مگر اس موقع پر ان کو ”دو کان والے“ کہنا بطورِ ملاطفت و مزاح تھا، جس سے اس فقرے میں خاص ندرت پیدا ہوگئی۔ علاوہ ازیں اس فقرے میں ان کو خوب غور سے سننے کی ترغیب ہے، گویا یوں فرمایا گیا ہے کہ: ”تمہارے دو کان ہیں، اس لئے بات کو خوب چوکنا ہوکر سنا کرو“ اسی ارشاد کی برکت تھی کہ ان کا شمار مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے، یعنی جن سے ہزار سے اُوپر اَحادیث مروی ہیں، چنانچہ ان سے ۱۲۸۶ اَحادیث مروی ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی عالمِ دین کے پاس بچوں کو سیکھنے کے لئے رکھا جاسکتا ہے اور وہ ان سے تعلیم و تربیت کے دوران اپنے چھوٹے چھوٹے کام بھی کراسکتا ہے، البتہ بے جا خدمت اور اتنی خدمت کہ اصل مقصد فوت ہوجائے صحیح نہیں۔

[حدیث:۴۷۳] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنِّيْ حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ۔ فَقَالَ: يَا رسول الله! مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلُ إِلَّا النُّوْقُ؟۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی فضل المزاح ، حدیث:۱۹۱۳)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری طلب کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں تم کو اُونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اُونٹنی کے بچے کو لے کر کیا کروں گا؟ (مجھے تو سواری چاہئے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (بڑی عمر کے) اُونٹوں کو بھی تو اُونٹنیاں ہی جنتی ہیں۔“

تشریح: اس موقع پر یہ فرمانا کہ: ''ہم تمہیں سواری کے لئے اُونٹنی کا بچّہ دیں گے'' بطورِ لطف ومزاح تھا، سننے والا یہ سمجھا کہ کم عمر کا بچّہ عنایت فرمائیں گے، اس لئے یہ عرض کیا کہ: ''مجھے تو سواری کے لئے جانور چاہیئے، میں بچّے کو لے کر کیا کروں گا؟'' مگر آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ ان کو سواری کے لائق ہی جانور دیں گے، اور بڑی عمر کا اُونٹ بھی تو اُونٹنی کا بچّہ ہوگا، اس لئے اس کو اُونٹنی کا بچّہ کہنا بالکل صحیح ہے۔

لڑائی جھگڑے کی مذمت

[حدیث: ۴۷۴] ''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا، وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا۔''

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی المراء، حدیث: ۱۹۱۴)

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے ناحق پر ہوتے ہوئے جھوٹ کو چھوڑ دیا اس کے لئے جنّت کے اَطراف میں محل بنایا جائے گا، اور جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے گا اس کے لئے جنّت کے وسط میں محل بنایا جائے گا، اور جو شخص اپنے اخلاق کو اچھا کرے اس کے لئے جنّت کے اعلیٰ درجات میں محل بنایا جائے گا۔''

تشریح: اس حدیث پاک میں تین شخصوں کے تین درجوں کا ذکر ہے۔ اوّل وہ شخص جس کا کسی کے ساتھ جھگڑا اور تنازعہ تھا اور اس کے مقابل کا موقف حق وصداقت پر مبنی تھا اور اس کا موقف ناحق اور باطل تھا، بالآخر اس کو عقل آئی اور یہ شخص اللہ کے خوف سے ڈر کر اپنے ناحق موقف سے دست بردار ہوگیا اور جھگڑا چھوڑ دیا (اگر مقدمہ عدالت میں تھا تو اس کو واپس لے لیا)، اس شخص کو حق وصداقت کی طرف رُجوع کرنے کے صلے میں جنّت کے اَطراف میں محل عطا کیا جائے گا۔

دُوسرا وہ شخص جس کا موقف حق وصداقت پر مبنی تھا، اس کے باوجود اس نے جھگڑے اور خصومت سے گریز کیا اور اپنے حق سے دست بردار ہوگیا، یہ شخص اوّل سے عالی درجہ ہے، اس لئے اس کو جنّت کے درمیان میں بہترین جگہ محل عطا کیا جائے گا۔

تیسرا وہ شخص جس نے اپنے اخلاق کو ٹھیک کرلیا اور لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق کا معاملہ کیا، یہ شخص ان دونوں سے بلند مرتبہ ہے، اس لئے جنّت کے اعلیٰ درجات میں اس کو محل دیا جائے گا۔ حسنِ اخلاق کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ لوگوں کی بُرائی کا بدلہ بُرائی کے ساتھ نہ دیا جائے، بلکہ جو لوگ اس کے ساتھ بُرائی کے

ساتھ پیش آتے ہیں ان کے ساتھ بھی حسنِ اخلاق اور بھلائی سے پیش آئے، جو لوگ اس سے قطع تعلق کریں ان سے بھی صلہ رحمی کرے اور جو لوگ اس کے حقوق غصب کریں ان کے حقوق بھی پورے اہتمام کے ساتھ ادا کرے۔

[حدیث:۴۷۵] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفٰى بِكَ إِثْمًا أَنْ لَا تَزَالَ مُخَاصِمًا۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ماجاء فی المراء، حدیث:۱۹۱۵)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تیرے لئے یہی گناہ کافی ہے کہ تو ہمیشہ جھگڑتا رہے۔“

تشریح: حدیث کا مضمون واضح ہے کہ اگر آدمی میں کوئی اور عیب اور گناہ نہ ہو تو یہی عیب کافی ہے کہ لوگوں سے ہمیشہ جھگڑتا رہے، کہ اوّل تو جھگڑنے کا منشا کبر ہے کہ کسی کے ساتھ اس کی موافقت ہوتی ہی نہیں، پھر جھگڑے میں آدمی سے کم و بیش اُلٹی سیدھی باتیں سرزد ہوجاتی ہیں، گویا جھگڑنا بہت سے گناہوں کا پیش خیمہ ہے جن کا تعلق زبان سے ہے، اس لئے جھگڑنے کی عادت لائقِ ترک ہے۔

[حدیث:۴۷۶] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُمَارِ أَخَاكَ، وَلَا تُمَازِحْهُ، وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدَةً فَتُخْلِفَهُ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ماجاء فی المراء، حدیث:۱۹۱۶)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کر، اور اس سے (ایسا) مزاح نہ کر (جو اس کی ہتکِ عزّت اور اِیذا کا سبب ہو)، اور تو اس سے کسی چیز کا وعدہ نہ کر کہ پھر تو اس کی خلاف ورزی کرے۔“

تشریح: اس حدیث میں تین چیزوں کی ممانعت فرمائی ہے، ایک یہ کہ اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو، کیونکہ جھگڑے میں دُوسرے کی شان کے خلاف کچھ نہ کچھ زبان سے نکل جاتا ہے۔ دوم یہ کہ اپنے بھائی سے مزاح نہ کرو، اس سے مراد ایسا مزاح ہے جس سے اس کی دِل شکنی اور ہتکِ عزّت ہوتی ہو۔ سوم یہ کہ اپنے بھائی سے ایسا وعدہ نہ کرو جس کو پورا نہ کرسکو، کیونکہ وعدہ کرکے اس کو پورا کرنا لازم ہے، البتہ اگر کوئی مجبوری ایسی پیش آجائے کہ آدمی کے لئے وعدے کا پورا کرنا عادۃً ممکن نہ رہے تو معذور ہے۔

مدارات کا بیان

[حدیث:۴۷۷] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اِسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عِنْدَهُ فَقَالَ: بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ أَوْ أَخُو الْعَشِيرَةِ، ثُمَّ أَذِنَ لَهُ فَأَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ، فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ لَهُ: يَا رسول اللهِ! قُلْتَ لَهُ مَا قُلْتَ، ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ۔ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ! إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ۔" (رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی المداراة، حديث: ۱۹۱۷)

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبیلے کا بُرا آدمی ہے! پھر اس کو اجازت دے دی، وہ حاضرِ خدمت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نرم و شیریں گفتگو فرمائی، وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! آپ نے اس کے بارے میں یہ فرمایا تھا (کہ قبیلے کا بُرا آدمی ہے) پھر آپ نے اس سے نرم و شیریں گفتگو فرمائی۔ فرمایا: عائشہ! وہ شخص بُرے لوگوں میں سے ہے کہ لوگ اس کی بدکلامی سے بچنے کے لئے اس کو (اس کے حال پر) چھوڑ دیں۔''

تشریح: مطلب یہ کہ اس سے نرم اور شیریں گفتگو کا مقصد اس کے شر سے بچنا تھا۔

حاشیہ ترمذی میں نقل کیا ہے کہ یہ شخص عیینہ بن حصن فزاری تھا، بظاہر مسلمان ہوگیا تھا لیکن درحقیقت مسلمان نہیں ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے بارے میں ''بُرا آدمی'' فرمانا، صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کے نفاق کی اطلاع دینے کے لئے تھا، اور اس سے نرمی کے ساتھ پیش آنا اس کی تألیف و مدارات کے طور پر تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ شخص مرتد ہوگیا تھا۔

محبّت اور بغض میں اِعتدال اور میانہ روی اِختیار کرنا

[حدیث: ۴۷۸] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أُرَاهُ رَفَعَهُ قَالَ: أَحْبِبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَا عَسَى أَنْ يَكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَا، وَأَبْغِضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَا عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَا۔''

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی الاقتصاد فی الحب، حديث: ۱۹۱۸)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے دوست کے ساتھ اعتدال کے ساتھ دوستی کرو، ہوسکتا ہے کہ وہ کسی دن تمہارا دُشمن ہوجائے، اور اپنے دُشمن کے ساتھ دُشمنی کرنے میں بھی اعتدال ملحوظ رکھو، ہوسکتا ہے کہ وہ کسی دن تمہارا دوست بن جائے۔''

تشریح: عموماً دوستی اور دُشمنی میں حدِ اعتدال کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا، جس سے دوستی ہو اس کی تعریف میں مبالغے سے کام لیا جاتا ہے، اور اس کے پاس اپنے تمام خفیہ راز اُگل دیئے جاتے ہیں، اور جس سے دُشمنی ہو اس کی بُرائی اور مذمت میں مبالغے سے کام لیا جاتا ہے اور کرید کرید کر اس کے عیوب تلاش کئے جاتے ہیں، اور لوگوں کے سامنے ان عیوب کو بیان کیا جاتا ہے۔ اس حدیث شریف میں تعلیم دی گئی ہے کہ آدمی کو دوستی اور دُشمنی میں اعتدال سے کام لینا چاہئے، تاکہ خدانخواستہ آج کا دوست کل دُشمن بن جائے تو مشکلات پیدا نہ ہوں، اور آج کا دُشمن کل کو دوست بن جائے تو اپنے سابقہ طرزِ عمل سے شرمندگی نہ ہو۔

فائدہ:... یہ حدیث، جیسا کہ اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، سنداً ضعیف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا قول ہے، بہرحال مضمون صحیح ہے، واللہ اعلم!

کبر کا بیان

[حدیث:۴۷۹] ”عَنْ عبد اللهِ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ، وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ إِيمَانٍ۔“

(رواه الترمذى فى ابواب البر، باب ما جاء فى الكبر، حديث: ١٩١٩)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص کے دِل میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا، وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا، اور جس شخص کے دِل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا، وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔“

تشریح: جس شخص کے دِل میں رائی برابر بھی ایمان ہو، وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، اس لئے حدیث ”دوزخ میں داخل نہ ہونے“ سے مراد ہمیشہ کے لئے داخل ہونا ہے۔ اور جس شخص کے دِل میں رائی برابر بھی کبر ہو، وہ بغیر سزا کے جنّت میں داخل نہیں ہوگا، اِلَّا یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے لطف سے اس کا قصور معاف فرمادیں۔ اس حدیث شریف میں کبر کی قباحت بیان کی گئی ہے کہ گویا وہ ایمان کی ضد ہے۔

[حدیث:۴۸۰] ”عَنْ عبد اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ، وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ إِيمَانٍ۔ قَالَ: فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ: إِنَّهٗ يُعْجِبُنِيْ أَنْ يَكُونَ ثَوْبِيْ حَسَنًا وَنَعْلِيْ حَسَنًا۔ قَالَ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْجَمَالَ، وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ بَطَرَ الْحَقَّ وَغَمَصَ

النَّاسَ۔" (رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی الکبر، حدیث: ۱۹۲۰)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص کے دِل میں ذرّہ برابر بھی کبر ہوگا وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا، اور جس شخص کے دِل میں ذرّہ برابر اِیمان ہوگا وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ: مجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ میرا کپڑا اچھا ہو، میرا جوتا اچھا ہو (کیا یہ بھی کبر ہے؟) فرمایا: (یہ کبر نہیں، بلکہ جمال ہے) اللہ تعالیٰ (خود بھی صاحبِ جمال ہیں اور) جمال کو پسند فرماتے ہیں، لیکن تکبّر یہ ہے کہ کوئی شخص حق کے مقابلے میں اکڑفوں کرے (اور حق کو قبول کرنے میں اپنی توہین سمجھے) اور لوگوں کو حقیر اور اپنے سے نیچا سمجھے۔''

تشریح: یعنی اچھا لباس، اچھی سواری وغیرہ تکبّر نہیں، تکبّر یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے مقابلے میں حقیر وذلیل سمجھے اور اگر اس کو حق کی بات کہی جائے تو اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھے اور اس کے قبول کرنے سے انکار کرے۔

[حدیث: ۴۸۱] "عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ فَيُصِيْبُهٗ مَا أَصَابَهُمْ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی الکبر، حدیث: ۱۹۲۱)

ترجمہ: ''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی (اپنے خیال میں) اپنے آپ کو اُونچا سمجھتا رہتا ہے، یہاں تک اس کو جبار اور سرکش لوگوں میں لکھ دیا جاتا ہے، پس اس پر وہی عذاب (دُنیا میں یا آخرت میں) نازل ہوجاتا ہے جو جبار اور سرکش لوگوں پر نازل ہوتا ہے۔''

تشریح: اپنے آپ کو بڑا سمجھنا عجب اور خود پسندی ہے، جس کے نتیجے میں آدمی سرکش ہوجاتا ہے، نہ اَحکامِ خداوندی کا لحاظ رکھتا ہے، نہ خلقِ خدا کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آتا ہے، اور سرکش لوگوں کے بارے میں عادۃ اللہ یہ ہے کہ ان کو سرنگوں کردیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دُعا میں فرماتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا۔"

ترجمہ: ''اے اللہ! مجھے اپنی نظر میں چھوٹا اور لوگوں کی نظر میں بڑا کردیجئے۔''

[حدیث: ۴۸۲] "عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: يَقُوْلُوْنَ لِيْ فِيَ

التِّيهُ وَقَدْ رَكِبْتُ الْحِمَارَ وَلَبِسْتُ الشَّمْلَةَ وَقَدْ حَلَبْتُ الشَّاةَ۔ وَقَدْ قَالَ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ فَعَلَ هٰذَا فَلَيْسَ فِيْهِ مِنَ الْكِبْرِ شَيْئٌ۔"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی الکبر، حدیث: ١٩٢٢)

ترجمہ: ''حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: لوگ یوں کہتے ہیں کہ مجھ میں تکبّر ہے، حالانکہ میں دراز گوش پر سوار ہوتا ہوں، اور چادر اوڑھتا ہوں، اور اپنی بکری کا دُودھ دوہ لیتا ہوں، اور مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: جو شخص یہ کام کرے، اس کا تکبّر سے کوئی واسطہ نہیں۔''

تشریح: لوگوں کو ان کی خوش لباسی دیکھ کر تکبّر کا شبہ ہوا ہوگا، اس لئے فرمایا کہ: لوگوں کو مجھ پر کبر کا شبہ ہوتا ہے، حالانکہ میں وہ کام کرتا ہوں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کبر کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

خوش خلقی

[حدیث:٣٨٣] "عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا شَيْئٌ أَثْقَلُ فِيْ مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ، فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ۔"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی حسن الخلق، حدیث: ١٩٢٣)

ترجمہ: ''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے دن مؤمن کے ترازو میں اچھے اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز بھاری نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فحش بکنے والے بدگو کو مبغوض رکھتے ہیں۔''

تشریح: انسان میں دو طرح کے اخلاق رکھے گئے ہیں، اچھے اخلاق، جیسے: صبر، شکر، تواضع، رضا وتوکل وغیرہ، اور بُرے اخلاق جیسے: حسد، کبر، رِیا وغیرہ۔ اخلاقِ حسنہ کو حاصل کرنا، اور اخلاقِ رذیلہ سے قلب کو پاک کرنا شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم ترین مقصد ہے، جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ۔" (مشکوٰة ص:٤٣٢)

ترجمہ: ''مجھے حُسنِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔''

"بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ۔" (مستدرک حاکم ج:٢ ص:٦١٣)

ترجمہ: ”مجھے صالح اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا۔“

چونکہ ظاہری اعمال، باطنی اخلاق سے ناشی ہیں، اس لئے حسنِ اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز میزان میں بھاری نہیں ہوگی۔ اور حسنِ اخلاق کے مقابلے میں بداخلاقی فحش گوئی اور بے حیائی ہے، جس کے بارے میں فرمایا کہ ایسا شخص جس میں یہ خصلتیں پائی جاتی ہوں، اللہ تعالیٰ کی نظر میں مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔

[حدیث: ۴۸۴] ”عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ: سَمِعْتُ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا مِنْ شَيْئٍ يُوْضَعُ فِی الْمِيْزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ماجاء فی حسن الخلق، حدیث: ۱۹۲۴)

ترجمہ: ”حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: قیامت کے دن میزانِ عدالت میں کوئی ایسی چیز نہیں رکھی جائے گی جو حسنِ اخلاق سے بھاری ہو، اور خوش اخلاق اپنی خوش اخلاقی کی بدولت روزے اور نماز والے شخص کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔“

تشریح: یعنی ایک شخص نفلی نماز روزے کی کثرت کرتا ہے اور دُوسرا شخص نفلی نماز روزہ نہیں کرتا لیکن لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آتا ہے، تو چونکہ حسنِ اخلاق کے ساتھ معاملہ کرنا بھی ایک نیک عمل ہے، اور سب سے بھاری عمل ہے، اس لئے صاحبِ خلق حسن، روزہ نماز والے کے درجے کو پالیتا ہے۔

[حدیث: ۴۸۵] ”عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ: سُئِلَ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ! وَسُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ؟ قَالَ: الْفَمُ وَالْفَرْجُ!۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ماجاء فی حسن الخلق، حدیث: ۱۹۲۵)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ: وہ کون سی چیز ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ جنّت میں داخل کرے گی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور خوش اخلاقی! اور سوال کیا گیا کہ: وہ کون سی چیز ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ دوزخ میں ڈالے گی؟ فرمایا: منہ اور شرمگاہ!“

تشریح: چونکہ تقویٰ تمام اعمالِ صالحہ کی رأس رئیس ہے اور حسنِ اخلاق تمام اعمالِ صالحہ سے بھاری عمل ہے، اس لئے یہ دونوں لوگوں کو جنّت میں لے جانے کے زیادہ باعث ہوں گے۔ اور پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات کو غلط طریقے سے پورا کرنا بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے، اس لئے یہ دونوں چیزیں سب

سے زیادہ دوزخ میں لے جانے کا سبب ہوں گی۔

[حدیث: ۴۸۶] ”عَنْ عبد اللہِ بْنِ الْمُبَارَکِ أَنَّهُ وَصَفَ حُسْنَ الْخُلُقِ فَقَالَ: هُوَ بَسْطُ الْوَجْهِ وَبَذْلُ الْمَعْرُوفِ وَكَفُّ الْأَذَى۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی حسن الخلق، حدیث: ۱۹۲۵)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ انہوں نے خوش خلقی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ: خوش خلقی، کشادہ پیشانی، دُوسروں کی بھلائی سے دریغ نہ کرنے اور اپنی اِیذا سے لوگوں کو بچانے کا نام ہے۔“

تشریح: اُوپر عرض کیا گیا کہ ”خوش اخلاقی“ کا مفہوم بڑا وسیع ہے، اور یہ تمام اخلاقِ حسنہ کو شامل ہے، لیکن عرفِ عام میں لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنے کو ”خوش اخلاقی“ کہا جاتا ہے، اسی مفہوم کو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بیان فرما رہے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، دُوسروں کی نفع رسانی میں دریغ نہ کرے، اور لوگوں کو اپنی اِیذاؤں سے بچائے۔

حسنِ سلوک اور درگزر کا بیان

[حدیث: ۴۸۷] ”عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قُلْتُ: يَا رسول اللہِ! اَلرَّجُلُ أَمُرُّ بِهِ فَلَا يَقْرِينِي وَلَا يُضَيِّفُنِي فَيَمُرُّ بِي أَفَأَجْزِيهِ؟ قَالَ: لَا أَقْرِهِ! قَالَ: وَرَآنِي رَثَّ الثِّيَابِ، فَقَالَ: هَلْ لَكَ مِنْ مَالٍ؟ قَالَ: قُلْتُ: مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِيَ اللہُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ۔ قَالَ: فَلْيُرَ عَلَيْكَ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی الاحسان والعفو، حدیث: ۱۹۲۶)

ترجمہ: ”ابو الاحوص (عوف بن مالک) اپنے والد حضرت مالک نضلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ایک شخص کے پاس سے گزرتا ہوں، وہ میری مہمانی اور ضیافت نہیں کرتا، پھر وہ میرے پاس سے گزرے تو کیا میں بھی اس سے یہی سلوک کروں؟ فرمایا: نہیں! تم اس کی مہمانی کرو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں نے پُرانے بوسیدہ کپڑے پہن رکھے ہیں تو دریافت فرمایا کہ: کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کا مال دے رکھا ہے، اُونٹ بھی، بکریاں بھی۔ فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ کے اِنعام کا اثر تم پر نظر آنا چاہئے۔“

تشریح: کوئی مسافر، اجنبی اگر کسی کے پاس آئے تو حسبِ توفیق اس کی مہمانی کرنا مکارمِ اخلاق میں شامل ہے، اور اگر کوئی شخص ایسا نہ کرے تو یہ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔ اس حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ اخلاقی گراوٹ کا مظاہرہ کرے تو تم اس کے مقابلے میں بلندئ اخلاق کا مظاہرہ کرو۔

دُوسرا مضمون حدیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہو، تو اس کے بدن پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر ظاہر ہونا چاہئے، یہ بھی تحدیث بالنعمۃ کی ایک صورت ہے، ایسے شخص کو پھٹے پُرانے کپڑوں میں رہنا مناسب نہیں، جس سے لوگوں کو محسوس ہو کہ یہ بے چارا نادار آدمی ہے۔

[حدیث:۴۸۸] ”عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَكُوْنُوْا إِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا، وَإِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا، وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوْا وَإِنْ أَسَاءُوْا فَلَا تَظْلِمُوْا“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی حسن الخلق، حدیث:۱۹۲۷)

ترجمہ: ”حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: تم لوگ دُوسروں کے پیچھے چلنے والے نہ بنو کہ تم یوں کہنے لگو کہ اگر لوگ ہم سے اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں گے، اور اگر وہ ہم سے بے انصافی کریں گے، تو ہم بھی بے انصافی کریں گے۔ بلکہ تم اپنے نفسوں کو اس کا عادی بناؤ کہ اگر لوگ احسان کریں تو تم بھی احسان کروگے اور اگر وہ تم سے بُرا سلوک کریں تو تم ان کے ساتھ بے انصافی نہیں کروگے۔“

تشریح: عربی میں ”امعہ“ کہتے ہیں لوگوں کی ریس کرنے اور ان کی تقلید کرنے والے کو، مطلب یہ کہ اگر تم یہ اُصول اپناؤ کہ اگر لوگ ہم سے بھلائی کریں گے تو ہم بھی ان سے بھلائی کے ساتھ پیش آئیں گے، اور اگر لوگ ہم سے بُرائی کے ساتھ پیش آئیں گے تو ہم ان سے بڑھ کر بُرائی کے ساتھ پیش آنے والے ہوں گے، تو تم لوگوں کی ریس کرنے والے اور ان کے پیچھے چلنے والے ٹھہروگے، عام طور پر لوگ اسی اُصول پر کاربند ہیں، چنانچہ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:

أَلَا! لَا يَجْهَلَنْ أَحَدٌ عَلَيْنَا
فَنَجْهَلَ فَوقَ جَهْلِ الجَاهِلِيْنَ

ترجمہ: ”خبردار! کوئی ہم سے جہالت کا برتاؤ نہ کرے، ورنہ ہم تمام جاہلوں سے بڑھ کر جہالت کرنا جانتے ہیں۔“

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس تقلیدی اُصول کو بدلو، تم اپنا اُصول یہ بناؤ کہ اگر لوگ ہم سے بھلائی کریں گے تو بلاشبہ ہم بھی بھلائی کریں گے، اور اگر لوگ ہماری حق تلفی کریں اور ہمارے ساتھ ظلم و بے انصافی کے ساتھ پیش آئیں، تو ہم ان کی حق تلفی نہیں کریں گے، اور ان کے ساتھ ظلم و ناانصافی نہیں کریں گے۔

دِینی بھائی کی زیارت وملاقات

[حدیث: ۴۸۹] ”عَنۡ أَبِیۡ هُرَیۡرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ: مَنۡ عَادَ مَرِیضًا أَوۡ زَارَ أَخًا لَهُ فِیۡ اللّٰهِ نَادَاهُ مُنَادٍ: أَنۡ طِبۡتَ وَطَابَ مَمۡشَاكَ وَتَبَوَّأۡتَ مِنَ الۡجَنَّةِ مَنۡزِلًا!“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی زیارة الاخوان، حدیث: ۱۹۲۸)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: جس شخص نے کسی بیمار کی عیادت کی یا اپنے دِینی بھائی کی ملاقات کو گیا، تو ایک منادی اس کو پکار کر کہتا ہے کہ: تجھ کو خوشی نصیب ہو، اور تیرا چلنا مبارک ہو، اور تو جنّت میں ٹھکانا بنائے!“

تشریح: سبحان اللہ! کسی بیمار کی عیادت اور دِینی بھائی کی زیارت وملاقات کے لئے جانا (بشرطیکہ محض رضائے اِلٰہی کے لئے ہو) اتنا بڑا عمل ہے کہ فرشتے اس پر مبارک باد پیش کرتے ہیں اور اس شخص کے حق میں جنّت کی دُعا کرتے ہیں۔

حیا کی فضیلت

[حدیث: ۴۹۰] ”عَنۡ أَبِیۡ هُرَیۡرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ: اَلۡحَیَاءُ مِنَ الۡإِیمَانِ، وَالۡإِیمَانُ فِی الۡجَنَّةِ، وَالۡبَذَاءُ مِنَ الۡجَفَاءِ وَالۡجَفَاءُ فِی النَّارِ۔“ (رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی الحیاء، حدیث: ۱۹۲۹)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: حیا ایمان کا حصہ ہے، اور ایمان جنّت میں ہے، اور بدکلامی، اُجڈپن اور بداخلاقی کا ایک حصہ ہے، اور بداخلاقی دوزخ میں ہے۔“

تشریح: متعدّد اَحادیث شریفہ میں یہ مضمون وارِد ہوا ہے کہ حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے، اور ایمان کا جنّت میں ہونا واضح ہے۔ اس حدیث میں ”بذا“ یعنی بدگوئی اور فحش کلامی کو حیا کے مقابلے میں ذکر فرمایا

ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فحش گوئی اور بداخلاقی ایمان کے منافی ہے اور یہ جہنّم میں لے جانے والی ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک!

متانت اور جلد بازی

[حدیث: ۴۹۱] ”عَنْ عبد اللہِ بْنِ سَرْجِس الْمُزَنِیِّ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالِاقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِینَ جُزْءًمِنَ النُّبُوَّةِ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی التانی والعجلۃ، حدیث: ۱۹۳۰)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھا طور وطریق، متانت اور میانہ روی نبوّت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔“

تشریح: ”اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ“ جس کا ترجمہ اچھا طور وطریق کیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی خوش اطوار ہو، جو کام کرے سلیقے اور ڈھنگ سے کرے۔ اور متانت سے مراد یہ ہے کہ جو کام کرے سکون و وقار اور ٹھہراؤ کے ساتھ کرے، جلد بازی سے کام نہ لے، اور میانہ روی سے مراد یہ ہے کہ خرچ اخراجات میں نہ تو فضول خرچی سے کام لے اور نہ ضرورت کے موقع پر خرچ کرنے میں بخل کرے۔

دو محبوب خصلتیں

[حدیث: ۴۹۲] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَشَجِّ عَبْدِالْقَیْسِ: إِنَّ فِیکَ خَصْلَتَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللہُ: الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی زیارۃ الاخوان، حدیث: ۱۹۳۱)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا کہ: آپ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں: ایک حلم، اور دُوسری متانت۔“

تشریح: قبیلہ عبدالقیس بحرین میں آباد تھا، ان کا وفد دو مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ایک مرتبہ سنہ ۶ ہجری میں اور دُوسری مرتبہ فتحِ مکہ کے سال۔ اس وفد میں تیرہ چودہ حضرات تھے، اور بعض روایات میں چالیس افراد کا ذکر آتا ہے۔ حضرت منذر بن عائذ رضی اللہ عنہ (جن کو اس بنا پر کہ ان کے سر میں زخم کا نشان تھا، اشج عبدالقیس کہا جاتا تھا) اس وفد کے رئیس تھے۔ یہ وفد جب مدینہ پہنچا تو وفد کے تمام ارکان

اپنے اُونٹوں کو اسی حال میں چھوڑ کر آنحضرت ﷺ کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہونے کے اشتیاق میں بے تابانہ دوڑے، لیکن رئیسِ وفد نے ایسا نہیں کیا، بلکہ سب کی سواریوں کو بٹھایا، ان کا سامان اُتارا، اُونٹوں کے عقال باندھے، پھر غسل کیا، اور عمدہ جوڑا زیبِ تن کیا، پھر مسجد میں حاضر ہو کر دوگانہ ادا کیا، اس کے بعد بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کے حلم و وقار کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں، یعنی حلم و وقار اور متانت وسنجیدگی۔

بعض روایات میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ان کی ان دو خصلتوں کی تعریف فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! یہ دونوں خصلتیں مجھ میں فطری ہیں یا میں نے ان کو محنت و ریاضت سے حاصل کیا ہے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ فطری ہیں! اس پر انہوں نے کہا:

"الحمد للہ الذی جبلنی علٰی خلقین یحبھما اللہ و رسولہ۔"

ترجمہ: "اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا فرمایا، جن کو اللہ اور اس کے رسول محبوب رکھتے ہیں۔"

[حدیث: ۴۹۳] "قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْأَنَاۃُ مِنَ اللّٰہِ وَالْعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ماجاء فی زیارۃ الاخوان، حدیث: ۱۹۳۲)

ترجمہ: "حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: سوچ سمجھ کر آہستگی اور اطمینان سے کام کرنا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور جلد بازی شیطان کی طرف سے۔"

تشریح: عقل وشرع کا فتویٰ ہے کہ جو کام کیا جائے سوچ سمجھ کر کیا جائے، اس کے بارے میں ذو فہم اور مخلص اہلِ رائے سے مشورہ لیا جائے، اہم کام ہو تو حق تعالیٰ شانہٗ سے اِستخارہ بھی کیا جائے، پس جس شخص کو غور وفکر کی، اہلِ رائے سے مشورے کی اور حق تعالیٰ شانہٗ سے اِستخارے کی توفیق ہوگئی، تو یہ توفیق من جانب اللہ ہے، اور آدمی کے مزاج میں اس عادت کا پختہ ہوجانا اِنعامِ اِلٰہی ہے۔ اس کے برعکس بے سوچے سمجھے کسی کام کو جلدی میں کرلینا شیطان کی انگیخت ہے، کیونکہ بسااوقات ایسی جلد بازی کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا، اور آدمی کو بعد میں ندامت ہوتی ہے۔

نرمی کا بیان

[حدیث: ۴۹۴] "عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ

أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی زیارۃ الاخوان، حدیث: ۱۹۳۳)

ترجمہ: "حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: جس شخص کو نرمی کا حصہ مل گیا، اس کو خیر کا حصہ مل گیا، اور جو شخص نرمی کے حصے سے محروم رہا، وہ خیر کے حصے سے محروم رہا۔"

تشریح: یعنی اگر یہ اندازہ کرنا ہو کہ فلاں آدمی میں کتنی خیر اور بھلائی ہے تو یہ دیکھو کہ اس کے مزاج میں کتنی نرمی ہے، پس جس قدر کسی کو نرمی سے حصہ ملا ہو اسی قدر اس کو خیر سے حصہ ملا ہے، اور جو شخص جس قدر نرمی سے محروم رہا اسی قدر خیر سے محروم ہے۔

یہ مضمون حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا، وہ ہر خیر سے محروم کر دیا گیا (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۲۲، ابوداؤد ص:۶۶۲)۔

حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ رفیق (یعنی نرمی کرنے والے) ہیں، وہ نرمی کو پسند فرماتے ہیں، اور وہ نرمی پر جو کچھ عطا فرماتے ہیں وہ سختی پر عطا نہیں فرماتے (ابوداؤد ص:۶۶۲)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی یہ مضمون مروی ہے کہ: اللہ تعالیٰ رفیق (نرمی کرنے والے) ہیں، نرمی کو محبوب رکھتے ہیں، اور نرمی پر وہ چیز عطا فرماتے ہیں جو سختی پر عطا نہیں فرماتے، اور نہ کسی اور چیز پر عطا فرماتے ہیں (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۲۲)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: اے عائشہ! نرمی کرو، کیونکہ نرمی جس چیز میں بھی ہو، وہ اس کو زینت دیتی ہے، اور جس چیز سے چھین لی جائے، وہ اس کو عیب دار کر دیتی ہے (ایضاً)۔

ان احادیث شریفہ میں یہ تلقین فرمائی گئی ہے کہ آدمی کو کسی معاملے میں سخت گیری سے کام نہیں لینا چاہئے، بلکہ نرم خوئی اور نرم مزاجی کو اختیار کرنا چاہئے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّق!

مظلوم کی بددُعا سے ڈرو

[حدیث: ۴۹۵] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ

مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ: اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ! فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی دعوۃ المظلوم، حدیث: ۱۹۳۴)

ترجمہ: ''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن (کا گورنر بنا کر) بھیجا تو ان سے فرمایا: مظلوم کی بددُعا سے ڈرنا! کیونکہ اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان آڑ نہیں ہوتی۔''

تشریح: یعنی مظلوم کی بددُعا سیدھی عرشِ اِلٰہی تک پہنچتی ہے اور فوراً قبول ہوتی ہے، اسی مضمون کو اس فارسی شعر میں نظم کیا گیا ہے:

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دُعا کردن
اجابت از درِ حق بہر اِستقبال می آید

ترجمہ: ''مظلوموں کی بددُعا سے ڈرو! کہ جب مظلوم بددُعا کرتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ سے قبولیت اِستقبال کے لئے آتی ہے۔''

مشکوٰۃ شریف میں اِمام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی شعب الایمان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: مظلوم کی بددُعا سے بچتے رہو! کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی صاحبِ حق کا حق روک کر نہیں رکھتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کا بیان

[حدیث: ۴۹۶] "عَنْ أَنَسٍ قَالَ: خَدَمْتُ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ، وَمَا قَالَ لِشَيْئٍ صَنَعْتُهُ: لِمَ صَنَعْتَهُ؟ وَلَا لِشَيْئٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ؟ وَكَانَ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا، وَمَا مَسَسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيْرًا وَلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُوْلِ اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔" (رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی خُلقِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۱۹۳۵)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے دس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اتنے طویل عرصے میں) کبھی مجھ کو اُف تک نہیں کہا، اور

آپ ﷺ نے کسی کام کے بارے میں کبھی یہ نہیں فرمایا کہ: یہ کیوں کیا؟ اور یہ کیوں نہیں کیا؟ اور رسول اللہ ﷺ خوش اخلاقی میں تمام انسانوں سے بڑھ کر تھے، اور میں نے کسی ریشم کو نہیں چھوا جو آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے زیادہ نرم و نازک ہو، نہ کسی دیباج کو اور نہ کسی اور چیز کو، اور میں نے کسی مشک و عنبر کو یا کسی اور خوشبو کو نہیں سونگھا جو آنحضرت ﷺ کے پسینے سے بڑھ کر معطر اور خوشبودار ہو۔''

تشریح: آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ آٹھ دس سال کے بچے تھے، ان کی والدہ ماجدہ حضرت اُمِّ سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بطور خادم کے پیش کیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے وصال تک یہ آپ ﷺ کے خادم رہے۔

دس برس کے طویل عرصے میں اپنے خادم کو یہ نہ فرمانا کہ: یہ کام کیوں کیا؟ اور یہ کیوں نہیں کیا؟ درحقیقت اخلاقِ نبوی کا اعجاز ہے۔ اور اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بھی منقبت ہے کہ انہوں نے مزاجِ نبوی کی ایسی رعایت کی کہ دس برس تک کسی موقع پر بھی ٹوکنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، یہ بھی درحقیقت صحبتِ نبوی کا فیضان تھا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے آنحضرت ﷺ کی صحبت کے لئے ایسے باکمال افراد کا انتخاب فرمایا۔

اس حدیث شریف کا دُوسرا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا بدن مبارک ریشم سے زیادہ نرم و نازک اور ملائم تھا، اور آنحضرت ﷺ کا پسینہ عنبر و کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا، یہ مضمون بہت سی احادیث میں مفصل آیا ہے۔

[حدیث:۷ ۴۹] ''عَنْ أَبِیْ إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عبد اللهِ الْجَدَلِیَّ یَقُوْلُ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: لَمْ یَکُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صَخَّابًا فِی الْأَسْوَاقِ، وَلَا یَجْزِی بِالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةَ، وَلٰکِنْ یَعْفُوْ وَیَصْفَحُ۔'' (رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی خُلُقِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۱۹۳۶)

ترجمہ: ''ابوعبداللہ الجدلی کہتے ہیں کہ: میں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: آپ ﷺ نہ (طبعاً) بدگوئی کرنے والے تھے اور نہ تکلّف کے ساتھ سخت زبانی کرتے تھے، نہ بازاروں میں شور مچانے والے تھے اور نہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دیتے تھے، بلکہ معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے۔''

تشریح: مطلب یہ کہ بدگوئی نہ آنحضرت ﷺ کی طبیعت تھی، اور نہ کبھی خلافِ طبیعت تکلّفاً

درشت کلامی فرماتے تھے۔ بازاروں میں شور مچانا جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہے، آنحضرت ﷺ اس سے بھی منزّہ تھے، اور کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیتے تھے، نہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دیتے تھے، بلکہ دِل سے معاف کرنا اور عملاً درگزر کرنا آنحضرت ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی۔

حسنِ عہد کا بیان

[حدیث:٤٩٨] ”عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا غِرْتُ عَلٰى أَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلٰى خَدِيْجَةَ، وَمَا بِيْ أَنْ أَكُونَ أَدْرَكْتُهَا وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِكَثْرَةِ ذِكْرِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهَا، وَإِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّاةَ فَيَتَتَبَّعُ بِهَا صَدَائِقَ خَدِيجَةَ فَيُهْدِيْهَا لَهُنَّ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی حسن العهد، حدیث:١٩٣٧)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں مجھے کسی پر اتنی غیرت نہیں آتی تھی جتنی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر، حالانکہ میں نے ان کا زمانہ نہیں پایا تھا۔ اور اس غیرت کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ان کا تذکرہ بکثرت فرماتے تھے، اور گھر میں بکری ذبح ہوتی تو حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کے گھروں میں گوشت پہنچاتے تھے۔“

تشریح: اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، آنحضرت ﷺ کی پہلی زوجہ مطہرہ ہیں، جنھوں نے قریباً پچاس سال تک آنحضرت ﷺ کی خدمت کی اور آپ ﷺ پر اپنی جان و مال کو نثار کیا، اور آپ ﷺ کی ہر طرح کی راحت رسانی کا اہتمام کیا۔ ہجرت سے تین سال پہلے ١٠ نبوّت میں ان کا انتقال ہوا، اس وقت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے عقد کیا، اس لئے فرماتی ہیں کہ: میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ نہیں پایا، مگر آنحضور ﷺ جس لطف و محبّت سے بار بار ان کا تذکرہ فرماتے تھے، اس پر مجھے رشک آتا تھا۔ ایک بار آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ: آپ کب تک قریش کی ایک بڑھیا کا تذکرہ کرتے رہیں گے؟ ارشاد فرمایا: ”کانت وکانت!“ بس وہ ایسی تھی اور ایسی تھی!

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بہت ہی فضائل و مناقب احادیث میں مروی ہیں، بلاشبہ جن مشکل گھڑیوں میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا، آپ ﷺ کی ڈھارس بندھائی اور آپ ﷺ پر جاں نثاری و

فدائیت کا اعلیٰ ترین نمونہ قائم کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے اور تمام اہلِ اسلام کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائیں۔

آنحضرت ﷺ ان کی انہی خصوصیات کی بنا پر ہمیشہ ان کا ذکر بالخیر فرماتے تھے اور ان کی سہیلیوں کا لحاظ فرماتے تھے۔

اخلاقِ عالیہ کا بیان

[حدیث: ۴۹۹] ”عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّيْ مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا، وَإِنَّ أَبْغَضِكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدِكُمْ مِنِّيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ۔ قَالُوْا: يَا رسول اللهِ! قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارِيْنَ وَالْمُتَشَدِّقِيْنَ فَمَا الْمُتَفَيْهِقُوْنَ؟ قَالَ: الْمُتَكَبِّرُوْنَ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی معالی الاخلاق، حدیث: ۱۹۳۸)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم لوگوں میں مجھے سب سے محبوب شخص اور ایسا شخص جس کی مجلس قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب ہوگی، وہ لوگ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق ہوں، اور تم میں میرے لئے سب سے ناپسندیدہ لوگ اور جو قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دُور ہوں گے وہ تین قسم کے لوگ ہیں:

اوّل:... ثرثارون: یعنی جو بہت باتونی ہوں۔

دوم:... متشدقون: یعنی جو بات بات میں دُوسروں کو دباتے ہوں اور ان کے حق میں بدزبانی کرتے ہوں۔

سوم:... متفیہقون: صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پہلی دو قسم کے لوگوں کو تو ہم جانتے ہیں، یہ تیسری قسم کے کون لوگ ہیں؟ فرمایا: متکبر لوگ!“

کسی پر لعن طعن کرنا

[حدیث: ۵۰۰] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا۔

وَرَوٰى بَعْضُهُمْ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: لَا يَنْبَغِيْ

لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَكُونَ لَعَّانًا۔"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی اللعن والطعن، حدیث: ۱۹۳۹)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: مؤمن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: مؤمن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ لعنت کرنے والا ہو۔''

تشریح: لعنت، رحمت کی ضد ہے، اور اس لعنت کرنے کے معنی ہیں کسی کے لئے رحمتِ خداوندی سے دُور ہونے کی دُعا کرنا۔ مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ سب کے لئے رحمت کی دُعا کرنے والا ہو، نہ کہ رحمت سے دُوری کی۔ اسی بنا پر اہلِ سنّت اس کے قائل ہیں کہ کسی شخصیت پر اس کا نام لے کر لعنت کرنا جائز نہیں، سوائے ان لوگوں کے جن کا کفر پر خاتمہ ہونا معلوم ہو، البتہ صفات پر لعنت کرنا صحیح ہے، مثلاً: جھوٹوں پر لعنت، کافروں پر لعنت، وغیرہ۔

غُصّہ نہ کرو

[حدیث: ۵۰۱] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: عَلِّمْنِي شَيْئًا وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ لَعَلِّي أَعِيهِ۔ قَالَ: لَا تَغْضَبْ! فَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا كُلُّ ذٰلِكَ يَقُولُ: لَا تَغْضَبْ!"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی کثرۃ الغضب، حدیث: ۱۹۴۰)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک صاحب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! مجھے کچھ تعلیم فرمائیے، لیکن بات مختصر سی ہو، لمبی نہ ہو تاکہ میں محفوظ کرسکوں۔ ارشاد فرمایا: غُصّہ نہ کیا کر! غُصّہ نہ کیا کر! بار بار اسی کو دُہراتے رہے کہ غُصّہ نہ کیا کر! غُصّہ نہ کیا کر!''

تشریح: غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منکشف ہوا ہوگا کہ ان صاحب میں غصّے کا مرض ہے، اس لئے ان کو غُصّہ ترک کرنے کی بطورِ خاص تاکید فرمائی، اور اسی ایک فقرے کو دُہرانا اس کی تاکید کے لئے تھا کہ غصّے کی بُرائی مخاطب کے دِل میں خوب بیٹھ جائے۔

[حدیث: ۵۰۲] ''عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَّهُوَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُنَفِّذَهُ دَعَاهُ اللهُ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ فِيْ أَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی کثرة الغضب، حدیث: ۱۹۴۱)

ترجمہ: ”حضرت معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: جس شخص نے غصّے کو نافذ کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود غصّے کو پی لیا تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ان تمام لوگوں کے سامنے بلاکر اختیار دیں گے کہ ان حوروں میں سے جون سی حور کو چاہے چھانٹ لے۔“

تشریح: جو شخص اپنے غصّے کے مقتضا پر عمل نہ کرسکتا ہو اور اپنے غصّے کو جاری اور نافذ کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، وہ بے چارا غصّے کا کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور ہے، لیکن جو شخص اختیار و اِقتدار کا مالک ہو اور اپنے غصّے کو نافذ کرنے کی قدرت رکھتا ہو اس کا صبر و تحمل سے کام لینا اور غصّے کو پی جانا بڑے حوصلے اور مردانگی کا کام ہے، اس لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا اعزاز فرمائیں گے اور سب کے سامنے اس کو اِنعام و اِکرام سے نوازیں گے۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غصّے کا علاج ضبط کرنا ہے، اور درج ذیل اُمور غصّے کے ضبط کرنے میں معین ہیں:

۱:... اپنے جرائم کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کے حلم کا اِستحضار کیا جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کا کس قدر قصوروار اور مجرم ہوں، مگر اللہ تعالیٰ پوری قدرت کے باوجود میرے جرائم پر حلم فرماتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح مجھ پر گرفت فرمائیں تو میرا کیا ٹھکانا ہوگا؟

۲:... اعوذ باللہ پڑھ لی جائے۔

۳:... ٹھنڈا پانی پی لیا جائے۔

۴:... آدمی وہاں سے ہٹ جائے۔

۵:... کسی دُوسرے کام میں لگ جائے۔

۶:... کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔

۷:... جس شخص پر غُصّہ کیا ہو بعد میں اس سے معافی مانگ لے۔

غصّے کے اسباب اور علاج

[حدیث: ۵۰۳] ”عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ مَنْ خَافَ اللّٰهَ لَمْ يَشْفِ

غَیْظَهٗ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ لَمْ یَصْنَعْ مَا یُرِیْدُ وَلَوْ لَا یَوْمُ الْقِیَامَةِ لَكَانَ غَیْرَ مَا تَرَوْنَ۔"

(کنز العمال ج:۱۶ ص:۲۶۴ حدیث:۴۴۳۷۴)

ترجمہ: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: کہ جو شخص اللہ کا خوف رکھتا ہو وہ اپنے غصّے کو ٹھنڈا نہیں کرتا، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے وہ جو کچھ چاہتا ہے وہ نہیں کیا کرتا، اور اگر قیامت کا دن نہ ہوتا تو اس کے سوا کچھ اور ہوتا جو تم دیکھتے۔"

تشریح: جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو، وہ اپنے غصّے کو ٹھنڈا نہیں کیا کرتا، یہاں تین باتیں ہیں، ایک ہے کسی کو غُصّہ آنا، اور دوسرا ہے غصّے کے مطابق عمل کرنا، اور تیسرا ہے اس عمل کو جب تک غُصّہ ٹھنڈا نہ ہو جائے جاری رکھنا...... یہ تین چیزیں ہیں۔

غُصّہ آنا تو ایک طبعی چیز ہے، ہر آدمی میں غُصّہ رکھا گیا ہے، اور حکماء کہتے ہیں کہ غصّے کی مثال اس کتّے کی ہے جو گھر پر، یا فصل پر، کھیتی پر، یا ریوڑ پر پہرے کے لئے رکھا گیا ہو، ہر وہ چیز جو آدمی کو ناگوار ہوتی ہے، اس کے لئے وہ بھڑکتا ہے، غُصّہ بھڑکتا ہے، تو اس کی حیثیت مدافع اور پہرے دار کی ہے، کتّا گھر میں ہوتا ہے تو وہ سارا دن آرام سے سویا رہتا ہے، کوئی آئے کوئی جائے، اس کو کوئی غرض نہیں، لیکن اگر کوئی چور چکار آئے یا کوئی مشکوک آدمی ہو تو وہ بھونکتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیرا غُصّہ شکاری کتّے جیسا ہونا چاہئے، شکاری کتّے کو اگر مالک شکار پر چھوڑے تو وہ جاتا ہے، اور بعض دفعہ تو اپنی جان بھی لڑا دیتا ہے، اور اگر مالک اس کو نہ چھوڑے تو اس کو کوئی غرض نہیں ہوتی، چاہے سامنے سے شکار گزر رہا ہو، وہ نہیں بھڑکتا، اپنے آپ نہیں جاتا، یہ شکاری کتّا سُدھایا ہوا ہوتا ہے، اور جس شخص کا غُصّہ سدھایا ہوا نہیں ہے، وہ باؤلے کتّے کی طرح ہے، ہر ایک کو کاٹتا ہے، کوئی مہمان آجائے اس کو بھی کاٹتا ہے، اس کا بس چلے تو گھر والوں کو بھی کاٹتا ہے، غرضیکہ جو کوئی بھی سامنے آجائے اس کو کاٹتا ہے، تو آدمی کے اندر غُصّہ اللہ پاک نے رکھا ہے اور اسے خاص حکمت کی بنا پر رکھا ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ غُصّہ سُدھایا ہوا ہو، مہذّب ہو، باؤلے کتّے کی طرح ہر ایک کو کاٹتا نہ پھرے، ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ہر ایک پر غُصّہ آتا رہے، ذرا کسی نے مزاج کے خلاف کر دیا تو مابدولت کا پارہ اوپر چلا گیا، یہ نہیں ہونا چاہئے۔

غصّے کی تہذیب ضروری ہے، اور مشائخ اس کی تدابیر بتاتے ہیں کہ تمہارا غُصّہ مہذّب ہو جائے، ایک ہے غُصّہ، دوسرا ہے غصّے کے تقاضوں پر عمل کرنا، یہ شرعاً مذموم ہے، اگر یہ غُصّہ اپنے محل پر ہو اور تم نے اسے خاص خاص مواقع پر چھوڑا ہے تو بہت اچھا ہے، اللہ کے دشمنوں پر غُصّہ آتا ہے، تو یہ غُصّہ آنا چاہئے، اور اس کا موقع محل بھی دیکھنا چاہئے کہ آیا مجھے اس موقع پر غُصّہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور اس پر عمل کرنا چاہئے یا

نہیں؟ اور کرنا چاہئے تو کتنا؟ بس یہ دو سوال ہیں، اگر بے موقع، بے محل آپ نے غُصّہ کیا تو یہ شرعاً مذموم ہوگا، اور یہ باؤلے کتّے کی مثال ہوگی کہ ہر ایک کو کاٹتا ہے۔

اور اگر آپ نے موقع محل پر غُصّہ کیا، یعنی غصّے کا اظہار کیا تو پھر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ حدِ شرعی کے اندر آپ رہے؟ یا باہر نکل گئے؟ تو میں نے کہا کہ غُصّہ تو ہر ایک میں اللہ نے رکھا ہے، لیکن غصّے کا منشا مختلف ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کو کمزوری کی وجہ سے غُصّہ آتا ہے، اعصاب میں تحمل نہیں ہوتا، اور بعض بڈھوں کو زیادہ غُصّہ آتا ہے، حالانکہ بڑھاپے میں غُصّہ ٹھنڈا ہوجانا چاہئے، بچّوں پر جوانی میں غُصّہ کرلیا اب تو ٹھنڈے ہوجاؤ، لیکن اب اس کا کیا کیجئے کہ قویٰ متحمل نہیں ہیں، غُصّہ آتا ہے تو برداشت نہیں ہوتا، کمزور آدمی کو زیادہ غُصّہ آیا کرتا ہے، اور جتنا آدمی زیادہ صحت مند، قوی دل و دماغ کا ہوگا اتنا ہی متحمل مزاج ہوتا ہے۔

کبھی غُصّہ آتا ہے انانیت کی وجہ سے، جس کو آپ چاہیں تو فرعونیت کہہ لیں، کہ آدمی یہ کہے کہ میرے منشا کے خلاف کیوں کرتا ہے؟ یہ جو ہمارے اندر (شیطان) بیٹھا ہے، یہ سب سے "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کہلوانا چاہتا ہے، اور جب دیکھتا ہے کہ یہ آدمی میرے سامنے رام نہیں ہوتا، اور میری انانیت و فرعونیت کو نہیں مانتا، "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کے نعرے کے سامنے سر نہیں جھکاتا تو اس کو غُصّہ آتا ہے کہ یہ آدمی میری منشا کے خلاف کہتا ہے؟ غصّے کی یہ قسم اللہ معاف فرمائے کم و بیش ہم سب میں ہے۔ یہ بجا ہے، اور درست ہے کہ اگر مابدولت کو کسی نے کچھ بات کہہ دی ہے، جو مزاجِ عالی کے خلاف ہے تو غُصّہ برحق ہے، لیکن میرا بھائی! ایسی بھی کیا بات ہے، چلو کہہ دیا تو کہہ دیا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کیا کچھ نہیں کہا گیا؟ اور ہمارے آقا، سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم، دو جہان کے بادشاہ کو کیا کچھ نہیں کہا گیا؟ اور اب تک کیا کچھ نہیں کہا جارہا؟...... اور ان سے اور سب سے بڑھ کر حق تعالیٰ شانہٗ و جل مجدہ کی شانِ عالی میں لوگ کیا کچھ نہیں بکتے؟ اللہ سے صبر سیکھو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ ایک آن میں ساری دُنیا کو تہس نہس کر ڈالے، آنِ واحد میں، بلکہ آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے، لیکن وہ حکیم ہے، اور حلیم ہے، اگر کوئی شخص تمہاری بُرائی کرتا ہے، غُصّہ بجا ہے، آنا چاہئے، لیکن غصّے کا پینا بھی تو مردانہ کام ہے، غصّے کا جاری کرنا اور غصّے کو اُتارنا، غصّے کے مطابق عمل کرنا، یہ ہمتِ مردانہ نہیں، بلکہ تحمل کرنا، برداشت کرلینا مردانگی ہے۔

ایک بزرگ جارہے تھے، ایک آدمی ان کے پیچھے برا بھلا کہتے ہوئے چلنے لگا، وہ بزرگ چلتے چلتے ٹھہر گئے، فرمانے لگے: میرے بھائی! میرے گھر کا دروازہ آگیا ہے، اب تو میں اندر چلا جاؤں گا، تمہیں کچھ اور کہنا ہے تو کہہ لو، میں ٹھہرتا ہوں، میں کھڑا ہوتا ہوں، کچھ تمہیں اور کہنا ہے تو کہہ لو! یہ تو ان لوگوں کی

باتیں ہیں، جن کا غُصّہ مہذب ہوگیا تھا، اپنی ذات کے لئے غُصّہ نہیں آتا تھا، چنانچہ حدیث میں ہے:

''مَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِہٖ قَطُّ'' (مسلم ص:۲۵۶)

یعنی رسول اللہ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کوئی کچھ بھی کہے آپ ﷺ نے کسی سے انتقام نہیں لیا، کبھی ہم نے اس پر غور بھی نہیں فرمایا، یہ جتنے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) آپ ﷺ کے اردگرد نظر آتے ہیں، معدودے چند حضرات کے سوا، باقی سارے کے سارے یہ وہی تو تھے جو حضور ﷺ کو بُرا بھلا کہتے تھے، یہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وہی ہیں جو تلوار لے کر کے آنحضرت کو قتل کرنے کے لئے نکلے تھے، اخلاق کی تلوار نے سب کو فتح کرلیا، اور وہ آنحضرت ﷺ کے عاشق زار بن گئے، اور اگر تم چاہو تو یوں کہہ لو کہ جب تک اللہ کو منظور تھا، حضور ﷺ کے درمیان اور ان کے درمیان اللہ نے پردہ لٹکا دیا تھا، ان کی آنحضرت ﷺ کی حقیقت پر نظر نہیں تھی، اور جب توفیق الٰہی نے ان کی یاوری فرمائی، اور سعادت نے ان کی رہبری کی، تو اللہ تعالیٰ نے پردہ ہٹادیا، آنحضرت ﷺ ان کے محبوب بن گئے، فتح مکہ سن ۸ھ میں ہوئی، جب سے رسول اللہ ﷺ نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا، اس وقت سے لے کر فتح مکہ تک پورے بیس سال گزر رہے تھے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یَّعْبُدَہُ الْمُصَلُّوْنَ وَلٰکِنْ فِی التَّحْرِیْشِ بَیْنَہُمْ۔''

ترجمہ: ''شیطان مایوس ہوچکا ہے کہ جزیرۂ عرب میں دوبارہ اس کی عبادت کی جائے، یعنی غیر اللہ کی عبادت کی جائے۔ لیکن ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکانے میں اس کو طمع ہے۔''

اور یہ انسان کی دکھتی ہوئی رگ ہے، جس کو شیطان دباتا ہے، اور منشا اس کا ہی انانیت ہے، تبھی تو غُصّہ آتا ہے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف بات سن کر غُصّہ آتا ہے تو یہ غُصّہ برحق ہے۔

آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے ابوسفیان، ایک تو ابوسفیان یہ تھے جن کا تذکرہ میں نے ابھی کیا تھا، یہ ابوسفیان ابن حرب ہیں، اور یہ عبدالشمس کی اولاد ہیں، اور ایک آنحضرت ﷺ کے چچیرے بھائی ابوسفیان ہیں، ابوسفیان ابن حارث ابن عبدالمطلب، یہ رسول اللہ ﷺ کے شدید ترین مخالف تھے، اور نہایت گالیوں کے قصیدے آنحضرت ﷺ کے بارے میں تصنیف اور نظم کرتے تھے، انہی کو حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا وَاَجَبْتُ عَنْهُ
وَعِنْدَ اللّٰهِ فِیْ ذَاکَ الْجَزَاءُ

ترجمہ: ''تم نے محمد ﷺ کی بُرائی کی ہے اور میں نے اس کا جواب دیا ہے، اور اللہ کے نزدیک اس میں میرے لئے جزا ہے۔''

اَتَهْجُوْهُ وَلَسْتَ لَهٗ بِکُفْءٍ
فَشَرُّکُمَا لِخَیْرِکُمَا فِدَاءٌ

ترجمہ: ''تو آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتا ہے، منہ تو دیکھو اپنا، تُو ان کے برابر کا بھی ہے؟''

فَاِنَّ اَبِیْ وَ وَالِدَتِیْ وَعِرْضِیْ
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْکُمْ وِقَاءٌ

ترجمہ: ''میرا باپ، میری ماں اور میری آبرو، محمد ﷺ کی آبرو کے لئے ڈھال ہیں، اب تم کو جتنی گالیاں نکالنی ہوں گی مجھے نکالو گے محمد ﷺ کو نہیں۔''

تیسرا مسئلہ ہے غصّے کو ٹھنڈا کرنا، غصّے کا ٹھنڈا کرنا جانتے ہو؟ نہیں! کبھی ہمارے مدرسے میں آجاؤ، جہاں بچّے پڑھتے ہیں مکتب کے، وہ قاری صاحب جو غُصّہ ٹھنڈا کرتے ہیں اس کو دیکھو، کسی چھوٹے سے بچّے نے قصور کر دیا، چلو معمولی ایک آدھ طمانچہ لگا دیا، ایک معمولی چھڑی لگا دی، ختم ہو گئی بات، تنبیہ کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہو، وہ اپنے غصّے کو ٹھنڈا نہیں کیا کرتا، اس میں ایک علاج بھی تجویز فرما دیا ہے، جب تمہارا غُصّہ بھڑکے تو اتنا سوچ لیا کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر غُصّہ کرنے لگیں تو میرا ٹھکانہ کیا ہوگا!!

یہ سوچو کہ میں نے اپنی پوری طاقت ان کے خلاف کام میں صرف کر دی ہے، اگر اللہ تعالیٰ میری غلطیوں پر، جو اس سے ہزاروں گنا، ہزاروں درجہ بڑی ہیں، اپنی طاقت استعمال کرنے لگیں تو پھر کیا ہوگا؟ ڈرو اللہ سے، اللہ کا خوف کرو، اس لئے کہ جو شخص اپنی فرعونیت کا مظاہرہ کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قہرمانیت کا مظاہرہ کرتے ہیں، تھوڑی سی گوشمالی کرتے ہیں اور پھر تم اس میں چلاتے ہو، یہ جزا وسزا کا ایک مستقل موضوع ہے۔

میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے، اور میرے پاس لوگ اپنی شکایتیں لکھتے رہتے ہیں، کسی بیچارے نے لالچ میں آکر قرآنِ کریم کی جھوٹی قسم تو کھالی، لیکن پھر قرآنِ کریم کی ایسی مار پڑی کہ دُشمن بھی عبرت پکڑ کر کان پر ہاتھ رکھتے ہیں، اور دُشمنوں کو بھی رحم آتا ہے، تم اللہ کے نام کو کھیل سمجھتے ہو؟ اللہ کے حلم پر نہ

جاؤ اللہ کے حلم پر نہ جاؤ، بزرگوں کا ارشاد ہے کہ حلیم کے غصّے سے ڈرو، حلیم برداشت کرتا رہتا ہے، پکڑتا نہیں ہے، غُصّہ نہیں کرتا، لیکن جب پکڑتا ہے تو پھر چھٹکارا مشکل ہو جاتا ہے۔

غصّے کا علاج

[حدیث: ۵۰۴] ”عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ لَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔“

(صحیح بخاری، کتاب الاداب، بَاب الْحَذَرِ مِنَ الْغَضَبِ، حدیث: ۵۶۵۰)

ترجمہ: ”حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک میں جانتا ہوں وہ کلمات، اگر وہ شخص یہ کلمات کہہ دے تو اس کا غُصّہ جاتا رہے، اگر وہ ”اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم“ کہہ لے تو اس کا غُصّہ جاتا رہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ دو آدمی لڑ رہے تھے، اور ایک کو بہت غُصّہ آ رہا تھا، چہرہ سرخ ہو رہا تھا، رگیں پھولی ہوئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر وہ اس کو کہہ لے تو اس کا غُصّہ جاتا رہے، اگر یہ ”اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم“ کہہ لے تو اس کا غُصّہ جاتا رہے، یہاں تو اتنا ہی ذکر کیا ہے، دوسری روایت میں اس پر مزید اضافہ ہے کہ بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کرنے کے ان صاحب نے کہا کہ: تم مجھے پاگل سمجھتے ہو (کذا فی مصنف ابن ابی شیبة)۔

اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آدمی کو غُصّہ آتا ہے شیطان کے چوکا دینے کی وجہ سے، یہ شیطان کا اثر ہوتا ہے اور دوسری حدیث میں اس کی صراحت بھی فرمائی، فرمایا کہ: دل میں آگ لگ جاتی ہے، آدمی کے دل میں آگ بھڑک اُٹھتی ہے، تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی آنکھیں کیسے سرخ ہو جاتی ہیں اور رگیں کیسے پھول جاتی ہیں، جب غصّے میں بھر جاتا ہے اور شیطان اس کو چوکا دیتا ہے اور بھڑکاتا ہے۔

دُوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ”اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم“ کہنے سے غُصّہ چلا جاتا ہے، اس کا معنی ہے: ”میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے“ یعنی شیطان مردود کے حملے سے بچنے کے لئے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں، اس کلمے کی تاثیر یہ ہے کہ غُصّہ چلا جائے گا، اس لئے کہ سب سے پہلی بات اس کے ذہن میں یہ آئے گی کہ یہ غُصّہ شیطان کی طرف سے آیا ہوا ہے اور مجھے اس پر عمل نہیں کرنا چاہئے، اور مجھے شیطان کے اس حملے سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ لینی چاہئے، جب یہ مضمون ذہن میں آئے گا تو اس میں عجز و انکساری بھی پیدا ہوگی، اپنے ضعف اور ناتوانی پر بھی نظر ہوگی، حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے اس کی حفاظت بھی

ہوگی اور ساتھ ساتھ اس کو اس بات کا احساس بھی ہوگا کہ مجھ کو اس شیطانی چکر سے بچنا چاہئے۔ یہ حدیث آچکی ہے کہ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے غلام پر غُصّہ ہو رہے تھے یا مار پیٹ رہے تھے، انہوں نے پیچھے سے آواز سنی:

”اِعۡلَمۡ أَبَا مَسۡعُوۡدٍ! لَلّٰهُ أَقۡدَرُ عَلَيۡهِ مِنۡكَ عَلَيۡهِ“

(مسند احمد بن حنبل، مشکوٰۃ، کنز العمال)

انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: اے ابومسعود! جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے جتنی تجھ کو اس پر قدرت ہے۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: یارسول اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی ہے، مجھے اس کا کفارہ ادا کرنا چاہئے، اور اس کا کفارہ یہی ہے کہ اس کو آزاد کر دیا جائے، ”ھو حر لوجه الله“ جس آدمی پر یہ غُصّہ ہو رہا ہے اور غصّے سے اس کی رگیں پھولی ہوئی ہیں، آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں شعلے برسا رہی ہیں، ”اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم“ کہے گا اللہ کی پناہ میں آئے گا تو اس کے ذہن میں یہ بات بھی آئے گی کہ میں اللہ تعالیٰ کا اس سے بھی زیادہ قصوروار ہوں، جتنا یہ میرا قصوروار ہے، اور جس طرح میں اپنا غُصّہ اس پر نکال رہا ہوں اگر اللہ تعالیٰ اپنا غُصّہ مجھ پر نافذ کریں تو کیا ہوگا؟ بہرحال! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصّے سے بچنے کے لئے بہت سی ہدایات فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ”اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم“ پڑھو۔ ایک یہ کہ اگر بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، ٹھنڈا پانی پی لو، لیکن کوشش کرو اپنے اُوپر ضبط کرنے کی، مگر غُصّہ ایسی بری بلا ہے کہ جب آدمی کو آتا ہے تو دوسروں کی سنتا ہی نہیں، کوئی منع بھی کرے تو اس کے بھی دو لگا دیتا ہے۔

بڑوں کی عزّت کرنے کی فضیلت

[حدیث: ۵۰۵] ”عَنۡ أَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: مَا أَكۡرَمَ شَابٌّ شَيۡخًا لِسِنِّهٖ إِلَّا قَيَّضَ اللهُ لَهٗ مَنۡ يُّكۡرِمُهٗ عِنۡدَ سِنِّهٖ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی اجلال الکبیر، حدیث: ۱۹۴۲)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں اِکرام کیا کسی جوان نے کسی بوڑھے کا اس کے سن و سال کی وجہ سے، مگر مقرّر کر دیں گے اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو جوان کا اِکرام کرے اس کے بڑھاپے میں۔“

تشریح: جو شخص کسی معمر بزرگ کا اس کے سن و سال کی وجہ سے اِکرام کرتا ہے، اس کے لئے اس حدیث پاک میں دو خوشخبریاں ہیں، ایک یہ کہ اس کو طویل عمر نصیب ہوگی، یہاں تک کہ یہ شخص بڑھاپے کو

پہنچے گا، گو یا بوڑھوں کی خدمت کرنا عمر کو بڑھاتا ہے۔ دُوسری خوشخبری یہ ہے کہ جب یہ جوان بوڑھا ہوگا تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کی خدمت کے لئے نوجوانوں کو کھڑا کر دیں گے، گو یا اس پر ”ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد“ کا مضمون صادق آئے گا۔

باہمی قطع تعلق کا وبال

[حدیث:۵۰۶] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ رسول اللهِ صلى الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تُفَتَّحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ، فَیُغْفَرُ فِیْهِمَا لِمَنْ لَّا یُشْرِکُ بِاللهِ إِلَّا الْمُهْتَجِرَیْنِ، یُقَالُ: رُدُّوْا هٰذَیْنِ حَتّٰی یَصْطَلِحَا! وَهٰذَا مِثْلُ مَا رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صلى الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ: لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَیَّامٍ۔“

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی المتهاجرین، حدیث:۱۹۴۳)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر پیر اور جمعرات کے دن جنّت کے دروازے کھلتے ہیں، پس ان دونوں دنوں میں ہر ایسے شخص کی بخشش کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراتا ہو (یعنی مسلمان ہو)، مگر ایسے دو شخص جنھوں نے آپس میں قطع تعلق کیا ہوا ہو، ان کی بخشش نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ان کو واپس کردو (یعنی ان کا معاملہ مؤخر کردو) یہاں تک کہ یہ دونوں آپس میں صلح کرلیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اسی مضمون کی ایک دُوسری حدیث میں ہے کہ: کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھے۔“

تشریح: اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا آپس میں قطع تعلق کتنا بُرا اور کتنا بڑا گناہ ہے کہ ایسے اوقات میں بھی ان کی بخشش نہیں ہوتی جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہوتی ہے۔ اور اس سے یہ بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کے ساتھ کیسی شفقت ہے کہ ان کی آپس کی رنجش اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں، جس طرح والدین کو اپنی اولاد کی باہمی رنجش سے رنج ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بندوں کی باہمی رنجش اور قطع تعلق سے ناراض ہوتے ہیں۔

صبر کا بیان

[حدیث:۵۰۷] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا النَّبِیَّ صلى الله عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ، ثُمَّ سَأَلُوْا فَأَعْطَاهُمْ، ثُمَّ قَالَ: مَا یَکُوْنُ عِنْدِیْ مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ

أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ، وَمَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفُّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ شَيْئًا هُوَ خَيْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی الصبر، حدیث: ۱۹۴۴)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کے کچھ حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرما دیا، انہوں نے پھر مانگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر عطا فرما دیا، (یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کچھ تھا ختم ہوگیا)، پھر فرمایا کہ: میرے پاس کچھ مال ہوتا ہے، میں تم سے بچا کر اس کا ذخیرہ نہیں کرتا (بلکہ تم میں تقسیم کردیتا ہوں)، اور جو شخص (لوگوں کے مال سے) اِستغنا اِختیار کرے (یعنی سوال نہ کرے) اللہ تعالیٰ اس کو (دِل کا) غنی کردیتے ہیں، اور جو شخص عفت اِختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کو عفت عطا فرمادیتے ہیں، اور جو شخص صبر و قناعت سے کام لے، اللہ تعالیٰ اس کو صبر و قناعت عطا فرماتے ہیں، اور کسی شخص کو کوئی عطیہ نہیں دیا گیا جو صبر و قناعت سے زیادہ بہتر اور فراخ تر ہو، یعنی صبر و قناعت سب سے بہتر عطیۂ خداوندی ہے۔''

دورُخے شخص کی مذمّت

[حدیث: ۵۰۸] ''عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسول اللّٰهِ صلی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی ذی الوجهین، حدیث: ۱۹۴۵)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: جو لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر مرتبے کے ہوں گے، من جملہ ان کے دورُخا شخص بھی ہے۔''

تشریح: ''دورُخے شخص'' سے مراد وہ آدمی ہے جس کا کردار منافقانہ ہو، دو آدمیوں کے درمیان لڑائی یا رنجش ہے، یہ ایک کے پاس جاتا ہے تو اس کی چاپلوسی کرتا ہے اور دُوسرے کی بُرائی کرتا ہے، اور دُوسرے کے پاس جاتا ہے تو پہلے کی بُرائی کرتا ہے۔

چغل خور کی مذمّت

[حدیث: ۵۰۹] ''عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ عَلٰى حُذَيْفَةَ بْنِ

الْيَمَانِ فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ هٰذَا يُبَلِّغُ الْأُمَرَاءَ الْحَدِيْثَ عَنِ النَّاسِ۔ فَقَالَ حُذَيْفَةُ: سَمِعْتُ رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ۔ قَالَ سُفْيَانُ: وَالْقَتَّاتُ النَّمَّامُ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی النَّمَّام، حدیث: ۱۹۴۶)

ترجمہ: "ہمام بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے ایک شخص گزرا تو لوگوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ یہ شخص حکام کے پاس لوگوں کی شکایتیں کرتا ہے اور لوگوں کی باتیں حکام کو بتاتا ہے۔ اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: چغل خور جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔"

بات کرتے ہوئے جھجکنا

[حدیث: ۵۱۰] "عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيمَانِ! وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ!"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی النَّمَّام، حدیث: ۱۹۴۷)

ترجمہ: "حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حیا اور بات کرتے ہوئے جھجکنا یہ دونوں ایمان کی شاخیں ہیں، اور بدکلامی اور منہ زوری دونوں نفاق کے شعبے ہیں۔"

تشریح: حیا ایمان کا شعبہ ہے، اور غایتِ حیا کی وجہ سے آدمی کھل کر بات کرتے ہوئے جھجکتا ہے، اس لئے ان دونوں خصلتوں کو ایمان کی شاخیں فرمایا گیا ہے، اور فحش کلامی اور منہ پھٹ ہونا قلّتِ حیا کا نتیجہ ہے، اس لئے ان کو نفاق کا شعبہ قرار دیا گیا۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں تمام اخلاقِ رذیلہ سے محفوظ فرمائے۔

بعض بیان جادو ہوتے ہیں

[حدیث: ۵۱۱] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلَيْنِ قَدِمَا فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِهِمَا، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رسول اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا! أَوْ إِنَّ بَعْضَ الْبَيَانِ سِحْرٌ"

(رواه الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی ان من البیان سحراً، حدیث: ۱۹۴۸)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانے میں (مدینہ طیبہ) آئے، انہوں نے خطبہ دیا، لوگ ان کی گفتگو سے متأثر ہوئے، پس آنحضرت ﷺ نے ہماری طرف التفات کر کے فرمایا کہ: بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔"

تشریح: تقریر و بیان کو جادو کہنا بطور تشبیہ کے ہے، یعنی جس طرح جادو آدمی کے دِل میں ایک چیز سے رغبت اور دُوسری چیز سے نفرت پیدا کر دیتا اور آدمی کے قلبی رُجحانات وخیالات پر اثرانداز ہوتا ہے، اسی طرح زبان و بیان کی سحر انگیزی بھی آدمی کے خیالات ورُجحانات پر اثرانداز ہوتی ہے۔

اس ارشاد سے مقصود سحر بیانی کی مدح کرنا ہے یا مذمت؟ شارحین نے دونوں اِحتمال ذکر کئے ہیں۔ اگر اس ارشاد سے جادو بیانی کی مذمت مقصود ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح سحر (جادو) سے لوگوں کے خیالات و اَفکار پر ڈاکا ڈالا جاتا ہے اور باپ بیٹے کے درمیان، بھائی، بھائی کے درمیان، شوہر بیوی کے درمیان پھوٹ ڈال دی جاتی ہے، اسی طرح بعض لوگ زورِ بیان کے ذریعے حق کو باطل اور باطل کو حق کی شکل میں پیش کر کے لوگوں کے ذہن کو مسحور کر لیتے ہیں، اوران کے دِل ودِماغ کو ماؤف کر دیتے ہیں۔

اور اگر اس ارشاد سے سحر بیانی کی مدح مقصود ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ کسی مضمون کو نہایت مؤثر اور خوبصورت پیرائے میں ادا کرنے کی صلاحیت بجائے خود نعمتِ خداداد ہے، بشرطیکہ اس کا استعمال بھی صحیح ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ کسی بھی خداداد نعمت وصلاحیت کا غلط استعمال اس کو مذموم بنا دیتا ہے۔

تواضع کا بیان

[حدیث: ۵۱۲] "عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ رسول اللهِ صلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ، وَمَا زَادَ اللهُ رَجُلًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ للهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ۔" (رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی التواضع، حدیث: ۱۹۴۹)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا، اور جو شخص کسی کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزّت میں مزید اضافہ ہی فرما دیتے ہیں، اور کسی شخص نے اللہ کی خاطر تواضع اختیار نہیں کی، مگر اللہ تعالیٰ اس کو ضرور اُونچا کر دیتے ہیں۔"

تشریح: اس حدیث شریف میں عام لوگوں کے تین خیالوں کی اصلاح فرمائی گئی ہے:

ایک یہ کہ مال میں سے صدقہ کیا جائے تو بظاہر مال کم ہو جاتا ہے، اور لوگ اس خیال سے صدقہ کرنے میں بخل کرتے ہیں کہ مال گھٹ جائے گا، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ صدقہ کرنے سے مال گھٹتا

نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت فرما دیتے ہیں اور دُنیا و آخرت میں مال بڑھتا ہے۔

دوم یہ کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ معاف کردینا کمزوری کی علامت ہے، اس لئے اگر ہم نے قصوروار کو معاف کردیا، اس سے انتقام نہ لیا تو لوگ اس کو ہماری کمزوری پر محمول کریں گے، اور اس سے ہماری بے عزّتی اور سبکی ہوگی، اس خیال کی اصلاح کے لئے آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: معاف کرنے والے کی عزّت گھٹتی نہیں، بلکہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی عزّت میں مزید اضافہ فرما دیتے ہیں۔

سوم یہ کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑا بننے کا نسخہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنی بڑائی کی نمائش کی جائے، اور اپنی شخصیت کو مٹانے کی کوشش کی تو ہماری شخصیت زاویۂ گمنامی میں دب کر رہ جائے گی۔ اس خیال کی اصلاح کے لئے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ: جب بھی بندہ اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اُونچا کردیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے کمالات و احسانات پر نظر کرتے ہوئے آدمی کو اپنے اندر کوئی خوبی اور کمال نظر ہی نہ آئے، بلکہ اپنے نقائص اور بُرائیوں کا ایسا اِستحضار ہو کہ خود اپنے وجود سے شرم آنے لگے، اس لئے عارفین فرماتے ہیں: ”وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب“ (تیرا وجود اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے مقابلے کا کوئی گناہ ہی نہیں)۔

ظلم کا بیان

[حدیث: ۵۱۳] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ما جاء فی الظلم، حدیث: ۱۹۵۰)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ظلم قیامت کے دن تاریکیاں ہوں گی۔“

تشریح: کسی چیز کو اس کے صحیح موقع و محل سے ہٹا کر دُوسری جگہ رکھنا ”ظلم“ کہلاتا ہے، اور معروف معنوں میں کسی کی حق تلفی کرنا ظلم ہے۔ قرآنِ کریم میں شرک کو ظلمِ عظیم فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾﴾ (لقمان) کیونکہ عبادت صرف خالق و مالک وحدہٗ لاشریک جل شانہٗ کا حق ہے، اور شرک کرنے والا حق تعالیٰ شانہٗ کے اس عظیم ترین حق کو مخلوق کے لئے روا رکھتا ہے، پس اس کے ظلمِ عظیم ہونے میں کیا شبہ ہے...؟

اسی طرح شریعت نے جس چیز کے لئے جو حد مقرّر فرمائی ہے اس کی مقرّرہ حد کو پامال کرنا، اس

میں زیادتی کرنا، نقصان کرنا، یا وقت سے بے وقت کرنا بھی ظلم ہے، اور جور وستم کو بھی اسی بنا پر ظلم کہا جاتا ہے کہ مظلوم جس حق اور رعایت کا مستحق تھا اس میں اس کے حق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، اور جو معاملہ اس کے ساتھ کیا جانا چاہئے تھا وہ نہیں کیا گیا۔

ظلم کو قیامت کے دن تاریکیاں اور اندھیرے فرمانا اس بنا پر ہے کہ میدانِ محشر میں اور پل صراط پر مؤمن کو جو نور عطا کیا جائے گا ظالم شخص اس نور سے محروم ہوگا، اور اندھیروں میں بھٹک رہا ہوگا، نیز ''ظلمات'' سختیوں اور شدائد کو بھی کہا جاتا ہے، ظالم آدمی کو میدانِ محشر میں بھی اور دوزخ میں بھی سختیوں اور شدائد کا سامنا ہوگا، حق تعالیٰ شانہٗ ہر مؤمن کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

کسی نعمت میں عیب نہ نکالا جائے

[حدیث:۵۱۴] ''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: مَا عَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ، كَانَ إِذَا اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِلَّا تَرَكَهُ۔''

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ماجاء فی ترک العیب للنعمة، حدیث: ۱۹۵۱)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کا عیب نہیں نکالا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی رغبت ہوتی تو تناول فرمالیتے، ورنہ چھوڑ دیتے۔''

تشریح: اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں عیب نکالنا بہت بُرا ہے، کہ یہ اس مالک کی نعمتوں کی ناقدری ہے، اور مالکِ حقیقی کے عطیات و اِنعامات کی تحقیر کا بُرا ہونا بالکل واضح ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کھانے کی کسی چیز میں کبھی عیب نہیں نکالتے تھے، اگر اس کی طبعی رغبت ہوتی تو تناول فرماتے، اور شکرِ الٰہی بجالاتے، اور اگر کھانا طبعاً مرغوب نہ ہوتا تو ہاتھ کھینچ لیتے، مگر کھانے کی بُرائی کبھی نہیں فرماتے تھے۔

اہلِ ایمان کی تعظیم کا بیان

[حدیث:۵۱۵] ''عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: صَعِدَ رسول اللّٰهِ صلی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ مَنْ قَدْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيْمَانُ إِلٰى قَلْبِهٖ! لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهٗ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ، وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ۔ قَالَ: وَنَظَرَ ابْنُ عُمَرَ يَوْمًا إِلَى الْبَيْتِ أَوْ إِلَى الْكَعْبَةِ فَقَالَ: مَا

أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ! وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللّٰهِ مِنْكِ"

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ما جاء فی تعظیم المومن، حدیث: ۱۹۵۲)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، پس بلند آواز سے فرمایا کہ: اے ان لوگوں کی جماعت! جو زبان سے تو اسلام لے آئے ہیں مگر اِیمان ان کے دِلوں تک نہیں پہنچا، مسلمانوں کو اِیذا نہ دو، ان کو عار نہ دِلاوٴ، اور ان کے عیوب تلاش نہ کرو، کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کا عیب تلاش کرے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب ظاہر کرے گا، اور اللہ تعالیٰ جس شخص کے عیب سے پردہ اُٹھادے اس کو رُسوا کردے گا، خواہ اپنے گھر میں چھپا ہوا ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دن بیت اللہ کی طرف یا کعبہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ: اے بیت اللہ! سبحان اللہ! تیری کتنی عظمت ہے، اور تیری عزّت وحرمت کتنی عظیم ہے! موٴمن کی عظمت وحرمت تجھ سے بھی بڑھ کر ہے!''

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کی یہ عادت تھی کہ وہ مسلمانوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے، اور اگر کسی کی کوئی کمزوری معلوم ہوجاتی تو اس کو خوب نمک مرچ لگاکر اُچھالتے تھے، اپنی نجی محفلوں میں ان کا مذاق اُڑاتے تھے، اور مسلمانوں کو بدنام کرنے میں پوری کوشش صَرف کرتے تھے۔ ان لوگوں کی تنبیہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں سب سے پہلے تو اس پر تنبیہ فرمائی کہ منافقوں کے طرزِ عمل کا منشا یہ ہے کہ وہ زبان سے تو اِسلام کا اقرار کرتے ہیں، لیکن ایمان کی حقیقت ان کے دِلوں میں نہیں اُترتی، چونکہ ان کے دِلوں میں ایمان نہیں اس لئے ان کو اہلِ ایمان سے تعلق ومحبّت بھی نہیں، ورنہ اہلِ تعلق کے عیوب کو تو چھپانے اور ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے، ان کو اُچھالا نہیں جاتا۔

اس حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کی ممانعت فرمائی ہے، پہلی چیز: مسلمانوں کو زبان سے یا دُوسرے طریقے سے اِیذا پہنچانا، اس میں مسلمانوں کی غیبت کرنا، ان کے خلاف سازشیں کرنا، ان کی ہتکِ عزّت کرنا، یہ ساری چیزیں شامل ہیں۔

دُوسری چیز: مسلمانوں کو عار دِلانا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان سے کوئی غلطی، کوئی قصور، کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو محض اس کو شرمندہ کرنے کے لئے اس کا وہ عیب اس کو جتایا جائے، شرعاً یہ چیز ناجائز اور حرام ہے، کسی مسلمان سے کوئی لغزش ہو تو اس کی اصلاح کے لئے اس کو نصیحت اور فہمائش کرنا دُوسری بات ہے، لیکن اس کو شرمندہ کرنے کی غرض سے اس کا عیب جتانا دُوسری چیز ہے، اصلاح کی غرض سے مسلمانوں کو نصیحت کرنے کا تو حکم ہے، لیکن اس کو عار دِلانے کے لئے عیب جتانا گناہِ کبیرہ ہے۔

تیسری چیز: جس کی اس حدیث پاک میں ممانعت فرمائی ہے وہ ہے مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنا، اوران کی ٹوہ میں رہنا، یہ بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ اوراس حدیث شریف میں اس کی یہ سزا بیان فرمائی گئی ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب تلاش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عیوب جو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ تھے، ان کولوگوں کے سامنے ظاہر کردے گا، اور جس کے عیوب کو وہ عالم الغیب والشہادۃ آشکارا کرنے پر آجائے اس کو رُسوا کرکے چھوڑے گا، خواہ وہ اپنے گھر میں چھپا ہوا ہو۔ حق تعالیٰ شانہ ہماری ستاری فرمائیں اور ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرمائیں۔

تجربوں کے بارے میں

[حدیث: ۵۱۶] ''عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ: قَالَ رسول اللہِ صلی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ: لَا حَلِیْمَ إِلَّا ذُوْ عَثْرَۃٍ، وَلَا حَکِیْمَ إِلَّا ذُوْ تَجْرِبَۃٍ۔''

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، بَاب ماجاء فی التجارب، حدیث: ۱۹۵۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: نہیں ہے حلیم مگر لغزش والا، اور نہیں ہے حکیم مگر تجربے والا۔''

تشریح: اس حدیث پاک میں دو جملے ہیں، پہلا جملہ یہ ہے کہ: ''پورا حلیم وہی شخص ہے جس سے لغزش صادر ہوئی ہو۔'' حلیم، بُردبار اور تحمل والے کو کہتے ہیں، حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی میں حلم و تحمل اور بُردباری کا جوہر لغزش کے بعد پیدا ہوتا ہے، کیونکہ جب اس سے لغزش ہوگی تو اس کی خواہش ہوگی کہ لوگ اس کی لغزش پر گرفت نہ کریں، بلکہ اسے نظرانداز کردیں، جب اپنی لغزش کے بارے میں اس کی یہ چاہت ہوگی تو لوگوں کی لغزشوں کے بارے میں بھی اس کے اندر احساس اُبھرے گا کہ ان پر گرفت نہ کرنی چاہئے، بلکہ ان کو نظرانداز کرنا چاہئے، اس طرح ٹھوکریں کھانے کے بعد اس میں صبر و تحمل اور بُردباری کا ملکہ راسخ ہوجائے گا، اس طرح رفتہ رفتہ یہ شخص کامل حلیم اور بُردبار بن جائے گا۔

دُوسرا جملہ یہ ہے کہ: ''کامل حکیم اور دانا صرف وہ شخص ہے جو صاحبِ تجربہ ہو۔'' تجربات آدمی کی عقل و فہم اور حکمت و دانائی کو جلا بخشتے ہیں، اور جس قدر تجربہ زیادہ ہوگا اسی قدر حکمت و دانائی میں ترقی ہوگی، تجربے کے بغیر حکمت و دانائی میں کمال حاصل نہیں ہوتا، اس لئے فرمایا گیا ہے کہ کامل حکیم اور دانا صرف وہ شخص ہے جو صاحبِ تجربہ ہو، کیونکہ تجربے کے بغیر حکمت و دانائی محض ایک نظری چیز ہے، تجربات کی روشنی میں آدمی جو رائے قائم کرتا ہے وہ رائے لائقِ اعتماد اور مبنی برحکمت شمار ہوتی ہے۔

کسی نعمت کے حصول کی غلط نمائش کرنا

[حدیث:۵۱۷] ’’عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ، وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَإِنَّ مَنْ أَثْنٰى فَقَدْ شَكَرَ، وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ، وَمَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَهُ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَىْ زُوْرٍ۔‘‘

(رواه الترمذی فی ابواب البر، باب ماجاء فی المتشبع، حدیث: ۱۹۵۴)

ترجمہ: ’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص کو (کسی شخص کی طرف سے) کوئی عطیہ (ہدیہ) دیا جائے، اگر اس کے پاس گنجائش ہو تو اس کا بدلہ دے، اور جس شخص کے پاس بدلہ دینے کی گنجائش نہ ہو، وہ ہدیہ دینے والے کی تعریف کر دے (یا اس کے لئے دُعائے خیر کر دے) کیونکہ جس شخص نے دینے والے کی تعریف کی، اس نے شکریہ ادا کر دیا۔ اور جس نے اس عطیے کو چھپایا (یعنی اس کا اظہار نہیں کیا) اس نے ناشکری کی۔ اور جس شخص نے ایسی چیز کے ملنے کی نمائش کی جو اس کو واقعتاً نہیں ملی تھی، وہ اس شخص کی مثل ہے کہ جس نے جھوٹ کا جوڑا پہن رکھا ہو۔‘‘

تشریح: اس حدیث پاک میں دو مضمون ارشاد فرمائے گئے ہیں، ایک یہ کہ اگر کوئی شخص دُوسرے پر کوئی احسان کرے، یا اس کو کوئی ہدیہ (عطیہ) دے، تو اس شخص کو چاہیئے کہ بشرطِ گنجائش اس کا بدلہ ضرور اُتارے کہ یہ شخص بھی اس دینے والے کو اپنی حیثیت کے مطابق کوئی ہدیہ پیش کر دے۔ اور اگر بدلہ دینے کی گنجائش نہ ہو تو کم سے کم اتنا تو کرے کہ اس ہدیہ دینے والے کی تعریف میں دو چار لفظ کہہ دے، اس کا شکریہ ادا کر دے، اور اس کے لئے دُعائے خیر کر دے کہ یہ بھی ایک طرح کا بدلہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص پر کوئی احسان کیا گیا ہے اور اس شخص نے اپنے محسن کو ’’جزاک اللہ خیراً‘‘ کہہ دیا تو اس نے تعریف کا پورا حق ادا کر دیا۔ یہ حدیث شریف ترمذی کے اگلے باب میں آرہی ہے۔ اور اس حدیث شریف میں فرمایا کہ: جس نے دینے والے کی تعریف کر دی، اس نے شکریہ ادا کر دیا۔ اور جس نے احسان فراموشی کی، اس نے کفرانِ نعمت کیا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: جس نے بندوں کا شکر ادا نہیں کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر اَدا نہیں کیا۔

دُوسرا مضمون اس حدیث شریف میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: ایک شخص کو کوئی نعمت حاصل نہیں مگر وہ جھوٹ موٹ لوگوں کے سامنے ایسا ظاہر کرتا ہے کہ اس کو وہ نعمت حاصل ہے، تو یہ شخص اس شخص کی مثل ہے جس

نے جھوٹ کے دو کپڑے (یعنی چادر اور لنگی) پہن رکھے ہوں۔ مطلب یہ کہ اُوپر سے نیچے تک یہ شخص جھوٹ اور مکاری کا لباس پہنے ہوئے ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک خاتون نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ایک سوکن ہے، تو کیا مجھ پر کوئی گناہ تو نہیں ہوگا اگر میں ایسی چیز کے حاصل ہونے کا اظہار کروں جو شوہر نے مجھے نہیں دی؟ (یعنی سوکن کو جلانے کے لئے یہ ظاہر کروں کہ شوہر مجھے سوکن سے زیادہ دیتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَىْ زُوْرٍ۔“

(متفق علیہ من حدیث اسماء، مشکوٰۃ ص: ۲۸۱)

ترجمہ: ”وہ شخص سر سے پاؤں تک جھوٹ کے ساتھ متصف ہے۔“

علماء فرماتے ہیں کہ یہی حکم ہے اس شخص کا جو ظاہراً زُہد و تقشّف کا اظہار کرے، جبکہ باطن کے اعتبار سے کورا ہو، اسی طرح جو شخص نااہل ہونے کے باوجود تدریسِ حدیث، یا فتویٰ کی مسند پر بیٹھ جائے، وہ بھی اس وعید کا مصداق ہے۔

محسن کا شکریہ ادا کرنا

[حدیث: ۵۱۸] ”عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: قَالَ رسول اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ: ”جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا“ فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ“

(رواہ الترمذی فی ابواب البر، باب ماجاء فی الثناء بالمعروف، حدیث: ۱۹۵۵)

ترجمہ: ”حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص پر احسان کیا گیا، پس اس نے اپنے محسن کو ”جزاک اللہ خیراً“ کہا (یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے) تو اس نے تعریف کا حق ادا کردیا۔“

تشریح: اس حدیث شریف کا مضمون اُوپر کی حدیث کے ضمن میں آچکا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم فرمائی ہے کہ جس شخص پر اِحسان کیا گیا ہو، اگر وہ اپنے محسن کا بدلہ نہ دے سکتا ہو تو اس کا شکریہ ہی ادا کردے، اور اس کے حق میں دُعائے خیر کردے کہ یہ بھی ایک طرح کا بدلہ ہے۔

”جزاک اللہ خیراً“ دُعا کو تعریف کا حق ادا کرنا فرمایا، اس کی وجہ... واللہ اعلم... یہ ہے کہ دُعا کرکے گویا یہ شخص اپنے محسن کے سامنے اس اَمر کا اظہار کر رہا ہے کہ آپ نے مجھ پر اتنا بڑا اِحسان کیا ہے کہ میں

اس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہوں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے (جو غنیٔ مطلق ہیں، اور زمین و آسمان کے خزانوں کے مالک ہیں) دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے خزانۂ رحمت سے اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

اللہ کی مخلوق کے ساتھ اِحسان کرنا

[حدیث: ٥١٩] ”عن أبی هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِنَّ رَجُلاً رَاٰى كَلْباً يَأْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ فَأَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهُ فَجَعَلَ يَغْرُفُ لَهُ بِهٖ حَتّٰى أَرْوَاهُ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ۔“ (رواه البخاری، كتاب الوضوء، بَاب الْمَاءِ الَّذِي يُغْسَلُ بِهٖ شَعَرُ الْإِنْسَانِ، حديث: ١٦٨)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک ایک آدمی نے کتّے کو دیکھا کہ وہ تر مٹّی کھا رہا تھا پیاس کی وجہ سے، پس آدمی نے اپنا موزہ لیا اور اس کے ذریعے سے کتّے کے لئے پانی نکالنے لگا، یہاں تک کہ اس کو سیراب کر دیا، سو اللہ تعالیٰ نے اس کی محنت کی قدردانی فرمائی اور اس کو جنّت میں داخل کر دیا۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ: ایک آدمی جا رہا تھا، اس کو پیاس لگی، کنویں پر گیا، پانی پیا تو دیکھا کہ ایک کتّا گیلی مٹّی، کیچڑ چاٹ رہا ہے، اس نے سوچا کہ جس طرح مجھے پیاس لگی ہوئی تھی اس بے چارے کو بھی پیاس لگی ہوگی، اس نے اپنا موزہ اُتارا، اس میں پانی بھرا اور کتّے کو پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس محنت کو قبول فرمالیا اور اس پر اس کو جنّت میں داخل فرمادیا۔

یہاں آدمی کا ذکر ہے اور دُوسری حدیث میں فاحشہ عورت کا ذکر ہے، بالکل یہی قصہ اس کے بارے میں بھی آتا ہے کہ اس نے اپنے موزے کا ڈول بنایا اور اپنے سر کی اوڑھنی کی رسّی بنائی، کتّے کو پانی پلانے کے لئے، اللہ تعالیٰ نے اس عمل پر اس کی بخشش فرمادی۔ صحابہ نے پوچھا کہ: ان حیوانات کی خدمت کرنے پر بھی اجر ہے؟ فرمایا: ہاں! ہر تر جگر والے کی خدمت کرنے میں اجر ہے۔ یہ ہمارا دِین ہے جو کتوں پر بھی شفقت کرنے کا حکم دیتا ہے اور ہمیں انسانوں پر رحم کرنے کا حکم دیتا ہے، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ بس! کوئی ہمارے انتقام کی چٹکی میں آنا چاہئے پھر بچ کے نہیں جاسکتا، گرفت میں نہ آئے تو دوسری بات ہے، یہ ہمارا اخلاق ہے اور یہ ہمارے دِین کی تعلیم، فانا للہ وانا الیہ راجعون!

اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی جو فارسی کا مقولہ ہے: ”رحمتِ حق بہانہ می جوید“ اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے، زیادہ نہیں مانگتی، تمہارا کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوجائے تو تمہارا بیڑا پار ہے،

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے:

بس ہے اگر پہنچے ہمارا ایک ہی نالہ وہاں
گرچہ کرتے ہیں ہزاروں ہی نالہ وفریاد ہم

اِنسانیتش کا اِحترام

[حدیث: ۵۲۰] ”عن أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، لَا یُشِیْرُ أَحَدُکُمْ إِلیٰ أَخِیْهِ بِالسَّلَاحِ، فَإِنَّهُ لَا یَدْرِیْ أَحَدُکُمْ لَعَلَّ الشَّیْطَانَ یَنْزِعُ مِنْ یَدِهٖ فَیَقَعُ فِی حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔“ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، بَاب النَّهْیِ عَنْ الْإِشَارَةِ بِالسِّلَاحِ، حدیث: ۴۷۴۲)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ اشارہ کرے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار کے ساتھ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان کھینچ لے اس کے ہاتھ سے پس وہ گر پڑے آگ کے گڑھے میں۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ: کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ شیطان اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے لگا دے، جس کی وجہ سے یہ دوزخ کے گڑھے میں جا گرے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی ایسے ہی ہنسی مذاق میں کسی کی طرف ہتھیار کا اشارہ کرتا ہے کہ ماروں تیرے؟ ایسے ہی ہنسی میں، اس کی ممانعت فرمائی، کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ ایسا کرتے کرتے اس کے لگ ہی جائے، شیطان درمیان میں آجائے اور اس کو لگوا دے، وہ قتل ہو جائے گا اور یہ دوزخ میں چلا جائے گا، اس لئے ہتھیار کا اشارہ کرنا کھیل اور ہنسی مذاق کے طور پر جائز نہیں، جیسے تلوار ہے، چاقو ہے، چھری ہے، تیز دھار والی چیزیں ہیں، یا جدید آلات ہیں ان کو ہنسی مذاق میں بھی کسی مسلمان کی طرف سیدھا نہیں کرنا چاہئے، یہ ناجائز اور حرام ہے، اس سے ایک تو دوسرے مسلمان کو ویسے ہی خوف ہوگا، اس کو پریشانی ہوگی کہ کہیں میرے لگ ہی نہ جائے، اب پستول اس کی طرف کرتا ہے کہ تیرے گولی ماروں؟ خوانخواستہ اگر شیطان اُنگلی دبا دے پھر کیا ہوگا؟

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ: کوئی شخص مسجد میں کھلا ہتھیار لے کر نہ آئے، تلوار یا دھار والی کوئی اور چیز، اس کو مسجد میں نہ لے کر آئے، اور یہی حال ہے عام مجمعوں کا، جہاں بھی عام مسلمانوں کا مجمع ہو وہاں کھلا ہتھیار نہ لائے، یہ بھی ناجائز ہے تاکہ مسلمانوں کے دل میں خوف وہراس میں پیدا نہ ہو،

اور کسی کے لگ بھی نہ جائے۔

نرمی ورحم دلی اور درشت خوئی

[حدیث: ۵۲۱] ”عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ۔“ (رواہ البخاری، کتاب التوحید، بَاب قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى {قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ}، حدیث: ۶۸۲۸)

ترجمہ: ”حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ رحم نہیں فرمائیں گے ان لوگوں پر جو انسانوں پر رحم نہیں کرتے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا: جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتے، اسی طرح ارشاد ہے ”الراحمون یرحمھم الرحمٰن“ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، ”ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء“ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا، اور جو شخص کہ اس کے برعکس انسانوں پر رحم نہیں کرتا، وہ اللہ کے رحم کا مستحق نہیں، اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے کیونکہ رحم نہ کرنا ظلم ہے، وہ اپنے آپ کو اللہ کی رحمت سے محروم کرتا ہے، حتّی الوسع ہر جاندار پر رحم کرنا چاہئے، خصوصیت کے ساتھ انسانوں پر اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں پر، پھر آگے خصوصیتیں اور چلتی رہتی ہیں، جتنا تعلق زیادہ بڑھے گا اتنی خصوصیت بڑھتی جائے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝۱۲۸﴾ (التوبۃ:۱۲۸)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو لقب ہی رؤف ورحیم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کو بھی اپنی حد کے اندر رؤف ورحیم ہونا چاہئے۔

زبان کے بول کا اثر

[حدیث: ۵۲۲] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَرْفَعُهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ۔“

(رواہ البخاری، کتاب الرقاق، بَاب حِفْظِ اللِّسَانِ، حدیث: ۵۹۹۷)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی کوئی بات بولتا ہے اور دِل میں اس کو کوئی بڑی چیز نہیں سمجھتا، حالانکہ اسی کے سبب خدا تعالیٰ اس کے درجے بلند کردیتا ہے،

اور ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی بات بولتا ہے، اور اس کی طرف وہ التفات بھی نہیں کرتا، حالانکہ اسی کے سبب وہ دوزخ میں گر پڑتا ہے۔‘‘

تشریح: اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی زبان سے کوئی کلمہ، کوئی لفظ ایسا بول دیتا ہے کہ اس کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، لیکن بات اتنی قیمتی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے درجے بلند کردیتے ہیں، اور ایک آدمی بات کرتا ہے اس کی توجہ بھی نہیں ہوتی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، حق تعالیٰ شانہٗ اس کی وجہ سے اس کے درجے گرادیتے ہیں۔

زبان کی حفاظت

[حدیث:۵۲۳] ’’عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ إِنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ یُنَزِّلُ بِهَا فِی النَّارِ أَبْعَدَ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔‘‘

(رواہ البخاری، کتاب الرقاق، باب حِفْظِ اللِّسَانِ، حدیث:۵۹۹۶)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک بندہ کوئی بات ایسی کہتا ہے کہ اس کے سبب دوزخ میں جا گرتا ہے، اتنی دُور مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں اسی مضمون کو دُوسرے انداز میں فرمایا کہ: ایک بندہ بعض اوقات زبان سے بات کہتا ہے تو جہنّم میں اتنی دُور گرادیا جاتا ہے جتنا مشرق و مغرب کا فاصلہ ہے اور اس کو اِلتفات بھی نہیں ہوتا کہ میں نے کوئی بات کہی ہے۔ تو مقصود اس سے یہ ہے کہ اپنی زبان کی نگہداشت کی جائے، اللہ نہ کرے کہ ہماری زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل جائے، کوئی ایسا جملہ نکل جائے کہ اس کے ذریعے سے جہنّم میں گرادیا جائے اور جہنّم میں بھی اتنا دُور جتنا کہ مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہے، اللہ بچائے اپنی پناہ میں رکھے، زبان اللہ تعالیٰ نے بڑی عجیب چیز بنائی، اس سے زیادہ کوئی نیکی کرنے والی چیز نہیں، اور اس سے زیادہ کوئی بُرائی کا عمل کرنے والی چیز نہیں، پورے وجود میں یہ زبان آدمی کے لئے خیر کا منبع ہے اور چشمہ ہے، تسبیح پر اللہ کا ذکر کرتے رہو، قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو، کتنے درجے بلند ہوں گے، اور آدمی کے وجود میں زبان سے زیادہ خطرناک کوئی جوڑ نہیں ہے، جو ان کو دوزخ میں گرادیتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو سارے اعضاء، پاو جود زبان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں کہ خدا کے لئے تو سیدھی رہنا، اگر تو سیدھی چلی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے، اگر تو ٹیڑھی چلی تو ہم بھی ٹیڑھے چلیں گے، زبان تو بات کہہ کر بتیس دانتوں کے اندر چھپ جاتی ہے قلعے میں، اس کو تو کوئی کچھ کہتا نہیں اور پٹائی ہوتی ہے پورے بدن کی،

کسی کو گالی نکال دی پھر چھپ کے بیٹھ گئی، اب زبان کی تھوڑی پٹائی کرے گا کوئی، قتل تک ہو جاتے ہیں زبان کے الفاظ سے، حق تعالیٰ شانہٗ حفاظت فرمائے اور زبان کی کھیتیاں قیامت کے دن لوگ کاٹیں گے، خدا جانے کیا بویا کیا کاٹا۔

اس لئے اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے عزیز! تو یوں سمجھ لے کہ تیری زبان قلم ہے فرشتوں کا، نامہ اعمال تیرا کاغذ ہے اور تو اللہ ربّ العالمین کے نام خط لکھ رہا ہے، کیونکہ جو کچھ الفاظ تمہارے نامۂ اَعمال میں درج ہوں گے کل اللہ ربّ العالمین کی بارگاہ میں پیش ہوں گے، اب تو سوچ کہ اللہ ربّ العالمین کی بارگاہ میں تو کیسا خط لکھ رہا ہے؟

صدق وکذب کا بیان

جھوٹ کا انجام

[حدیث: ۵۲۴] ”عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔“ (رواہ البخاری، کتاب الجنائز، بَاب مَا يُكْرَهُ مِنَ النِّيَاحَةِ عَلَى الْمَيِّتِ، حدیث: ۱۲۰۹)

ترجمہ: ”حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک مجھ پر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں جیسا کسی اور پر جھوٹ باندھنا ہو، جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے جان بوجھ کر اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: یوں تو جھوٹ بولنا بُرا ہے، بہت ہی بُرا ہے، اور کسی پر جھوٹ باندھنا کہ فلاں شخص نے یہ کہا، یہ اس سے بدتر ہے، حالانکہ وہ بات اس نے کہی نہیں، لیکن کوئی شخص آپ کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے کہ فلاں آدمی نے یہ بات کہی، یہ بہت بُری بات ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی اور پر جھوٹ باندھنا اور غلط بات منسوب کرنا یہ بھی برا ہے، لیکن مجھ پر جھوٹ باندھنا اور میری طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنا، یہ عام لوگوں کی طرف جھوٹ بات کی نسبت کرنے جیسا نہیں: ”من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار“ جو شخص جان بوجھ کر میری طرف غلط بات منسوب کرے، یعنی جو بات کہ میں نے نہیں کہی، میری طرف منسوب کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنّم میں بنا لے۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تمام احادیث کے ذخیرے میں اوّل نمبر کی متواتر ہے، سو سے زیادہ صحابہ نے اس کو روایت کیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ حضرات محدثین رحمہم اللہ جس شخص کے بارے میں یہ معلوم

ہوجائے کہ یہ حدیث نقل کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے، آئندہ کے لئے اس کو فہرست سے خارج کردیتے ہیں، وہ کذاب اور وہ آئندہ جتنی روایتیں نقل کرے سب غلط، اور اگر یوں کہے کہ میں نے یہ گناہ کیا تھا اور اب توبہ کرتا ہوں، اس کی توبہ کا اللہ کے ساتھ معاملہ، لیکن روایت اس کی پھر بھی قبول نہیں۔ ایک آدمی زانی، بدکار، بدمعاش تھا اس نے توبہ کرلی، نیک پاک بن گیا، تو ٹھیک ہے، اس کی روایت قبول کی جائے گی، پہلے برا تھا، بعد میں نیک بن گیا، اس کی روایت قبول کریں گے، لیکن جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہوگیا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط بات منسوب کی ہے، وہ ہمیشہ کے لئے مردود الشہادۃ ہے، اس کی روایت قبول نہیں۔ یہیں سے معلوم ہوجائے گا کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ'' وہ اپنا ٹھکانہ جہنّم میں بنالے۔

یہاں بطور لطیفے کے عرض کرتا ہوں: غلام احمد قادیانی جھوٹی روایتیں بیان کرنے میں بدنام تھا، ظفر اللہ خان کے جواب میں، میں نے ایک رسالہ لکھا تھا: ''چوہدری ظفر اللہ خان کو دعوتِ اسلام'' اس میں' میں نے دس حوالے ذکر کئے تھے اور یہ بس نہیں، میں نے چند مثالیں ذکر کیں، اس کے تیس جھوٹ میں نے ذکر کئے، دس جھوٹ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کرکے بولے، دس جھوٹ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرکے اس نے بولے، میں نے اس ظفر اللہ سے پوچھا تھا کہ ان کا (جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کئے ہیں) حوالہ دے سکو تو تمہاری مہربانی ہوگی، اور میرے علم میں اضافہ ہوگا اور اگر حوالہ نہ دے سکو تو: ''فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ'' اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہے۔

ان میں ایک مثال کے طور پر ذکر کردوں: ''تمام انبیائے گزشتہ کے کشوف نے اس بات پر مہر لگادی ہے کہ وہ یعنی مسیح موعود پنجاب میں ہوگا اور چودھویں صدی میں ہوگا'' یہ خالص جھوٹ گھڑ کر بولا ہے اس نے، میں نے کہا کہ دو جھوٹی باتیں کہی ہیں اس نے، ایک یہ کہ پنجاب میں ہوگا اور دوسری یہ کہ چودھویں صدی میں ہوگا، اور نبی ہوئے ہیں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار، اور یہ کہتا ہے کہ تمام انبیاء کے کشوف نے اس پر مہر لگادی ہے، ایک فقرے میں ڈھائی لاکھ جھوٹ گھڑنے کا ریکارڈ ہے مرزا غلام احمد قادیانی کا۔ اگر چوہدری صاحب اس کا حوالہ دے دیں تو میرے علم میں اضافہ ہوگا، اور اگر ایک فقرے میں ڈھائی لاکھ جھوٹ بولنے کا ریکارڈ توڑ سکیں تو بھی بتادیں، وہ رسالہ میرا چھپا ہوا ہے (تحفہ قادیانیت کے اندر یہ رسالہ موجود ہے) اور آج تک کسی بھی قادیانی نے اس کا جواب نہیں دیا اور نہ دے سکیں گے، تو غرضیکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرکے جھوٹ نہیں بولنا چاہئے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بڑے محتاط تھے اس معاملے میں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو فقہِ حنفی کے جدِّ امجد ہیں، تین واسطوں سے اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاذ ہیں، ان کے بارے میں

آتا ہے وہ مسائل اور اَحادیث بیان کرتے تھے لیکن کبھی نہیں کہتے تھے: ’’قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ اپنی طرف سے کہتے رہتے تھے، ایک دن ان کی زبان سے نکل گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، معاً خیال آیا، رگیں پھول گئیں، چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا، او مثل ھذا او کما قال، یا اسی طرح کا لفظ فرمایا یا اسی قسم کی بات فرمائی، یعنی ہوسکتا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کا کوئی لفظ آگے پیچھے کردیا ہو، اور ’’فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ‘‘ کی وعید میں داخل ہوجاؤں۔

اتنے بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، تو صحابہ بہت محتاط تھے، ایک صاحبزادے اپنے والد ماجد سے کہنے لگے: ابّا جان! لوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہیں، آپ نے بھی تو صحبت اُٹھائی ہے آپ بیان نہیں کرتے، فرمانے لگے کہ: بیٹا! میں نے صحبت بہت اُٹھائی ہے اور حدیثیں یاد بھی بہت ہیں، لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث روکتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

’’مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ‘‘

ایسا نہ ہو کہ میں کوئی ایسا لفظ حضور ﷺ کی طرف منسوب کردوں جو آپ نے نہیں فرمایا ہے۔

جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسم کھانا

[حدیث:۵۲۵] ’’عَنْ اَیْمَنَ بْنِ خُرَیْمٍ رضی اللہ عَنْہُ قَالَ: قَامَ رسول اللہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطِیْبًا، فَقَالَ: یَا اَیُّھَا النَّاسُ! عُدِلَتْ شَھَادَۃُ الزُّوْرِ اِشْرَاکًا بِاللہِ۔ (قَالَھَا) ثَلَاثًا، ثُمَّ قَرَأَ: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔‘‘ (مسند احمد ج:۴ ص:۱۷۸)

ترجمہ: ’’حضرت ایمن بن خریم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! جھوٹی شہادت شرک باللہ کے برابر ہے، یہ بات آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی، پھر آپ نے قرآنِ کریم کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ سو تم بچو گندگی سے بتوں کی اور بچو جھوٹی بات سے۔‘‘

تشریح: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے برابر ہے، اور یہ بات مکرر تین مرتبہ ارشاد فرمائی، اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ (الحج)

ترجمہ: ''سوتم لوگ گندگی سے جو کہ بت ہیں بچو، اور تم لوگ جھوٹی بات سے بچو۔''

بت پرستی اور جھوٹ بولنا یعنی جھوٹی گواہی دینا ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ ذکر فرمایا، بت پرستی سے بچنے کی تلقین فرمائی، اور جھوٹ بولنے سے یعنی جھوٹی شہادت دینے سے بچنے کی تلقین فرمائی، تو رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان دونوں سے ایک ہی جگہ اللہ تعالیٰ کا منع فرمانا یہ گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جھوٹی شہادت شرک باللہ کے برابر ہے، بت پرستی کے برابر ہے، جھوٹی گواہی دینا کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کے لئے، اس کی عزّت یا اس کے مال کا نقصان کرنے کے لئے ہے، ایسی گواہی ان سات گناہوں میں سے ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے اکبر الکبائر فرمایا، سب سے بڑے گناہ۔ ایک حدیث شریف میں ہے:

''اِجْتَنِبُوا السَّبعَ الْمُوْبِقَاتِ! قَالُوا: یَا رسول اللهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْکُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ، وَاَکْلُ الرِّبٰوا، وَاَکْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ، وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ۔''

(مشکوٰۃ ص:۱۷)

ترجمہ: ''سات گناہ جو آدمی کو ہلاک تباہ کرکے چھوڑتے ہیں، ان سے بچو!

۱:... اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔

۲:... اور جادو کرنا یا کرانا۔

۳:... ناحق کسی جان کو قتل کرنا۔

۴:... سود کھانا۔

۵:... یتیم کا مال کھانا۔

۶:... میدان جہاد سے بھاگنا۔

۷:... کسی پاک دامن پر تہمت لگانا۔''

اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ:

''اَلْکَبَائِرُ: اَلْاِشْرَاکُ بِاللهِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْسُ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ: شَهَادَةُ الزُّوْرِ۔'' (مشکوٰۃ ص:۱۷)

ترجمہ: ''کبیرہ گناہ: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اور والدین کی نافرمانی کرنا، ناحق قتل کرنا، اور جھوٹی گواہی دینا۔''

اور بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے:

''وَجَلَسَ وَکَانَ مُتَّکِئًا فَقَالَ: اَلا وقول الزور فما زال یُکَرِّرُهَا حَتّٰی قُلْنَا لَیْتَهٗ

سَکَتَ۔“ (صحیح بخاری ج:۱ص:۳۶۲)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ سہارا لگائے ہوئے تشریف فرما تھے جب یہ بات ارشاد فرمائی تو سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور مکرر فرماتے رہے: ”وَقَوْلَ الزُّوْرِ، وَقَوْلَ الزُّوْرِ، وَقَوْلَ الزُّوْرِ“ جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی گواہی دینا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ: ”حتّٰی قُلْنَا لَیْتَہٗ سَکَتَ!“ یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش! آپ خاموش ہوجائیں، اور ہمیں حضور ﷺ پر ترس آنے لگا، اسی کو یمین غموس (جھوٹی قسم) کہتے ہیں۔“

جھوٹی قسم کھانا یہ بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اور غموس کا لفظ غمس سے ہے، غمس کے معنی غوطہ دینا اور ڈبو دینا یعنی جھوٹی قسم آدمی کو ڈبونے والی ہے۔

مجھے لوگ خطوط لکھتے رہتے ہیں، بہت سارے لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھائی تھی، اور اس وقت سے آج تک عذاب میں مبتلا ہوں، کیا کروں؟ لوگ قرآن کی جھوٹی قسم کھاتے ہیں اور جھوٹ موٹ سے قرآن کریم سر پر اٹھا لیتے ہیں، پھر قرآن کی مار پڑتی ہے تو روتے ہیں، اول تو آدمی کو جھوٹ بولنا ہی نہیں چاہئے اس لئے کہ ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: بندہ سچ بولتا ہے اور سچ بولنے کا اہتمام کرتا ہے، ”حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّیْقًا“ (مشکوٰۃ ص:۴۱۲) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں اس کا نام صدیق لکھ دیا جاتا ہے، بہت سچ بولنے والا کہ رگ رگ میں صدق ہی صدق ہے، اور ایک بندہ جھوٹ بولتا ہے اور پرواہ نہیں کرتا جھوٹ بولتا ہی رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں کذاب لکھ دیا جاتا ہے، جھوٹا، نعوذ باللہ! استغفر اللہ!

جھوٹ ایک ایسی برائی ہے جو کسی مذہب وملت میں اور کسی انسانی معاشرے میں اچھی نہیں سمجھی جاتی، بے دین سے بے دین معاشرے میں بھی جھوٹ کو برا سمجھا جاتا ہے۔

بات یہ ہے کہ تمام معاشروں کا سنگِ بنیاد یہ ہے کہ افراد ایک دوسرے پر اعتماد کریں، اگر آپ ایسا معاشرہ فرض کرتے ہیں جس میں کسی آدم کو دوسرے پر اعتماد نہ ہو تو اس کو معاشرہ کہنا صحیح نہیں، اسی طرح اگر ایک گھر میں کسی کو کسی پر اعتماد نہیں، تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس گھر کی کیفیت کیا ہوگی؟ اسی طرح معاشرے کو سمجھ لیجئے، تو تمام معاشروں کا سنگِ بنیاد ہے ”اعتماد باہمی“ ایک دوسرے پر اعتماد کرنا، اس کے بغیر معاشرت قائم ہی نہیں ہوسکتی اور جھوٹ اس بنیاد کو اکھاڑنے والا ہے، جب لوگ عام جھوٹ بولنے لگیں تو سننے والے کے لئے یہ باور کرنا مشکل ہوجائے گا کہ یہ سچ بولتا ہے کہ جھوٹ؟

اعتماد کی بنیاد سچ پر ہے، اور بداعتمادی کی بنیاد جھوٹ پر، اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کَبُرَتْ خِیَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاکَ حَدِیْثًا هُوَ لَکَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهٖ کَاذِبٌ۔" (مشکوٰۃ ص:۴۱۳)

ترجمہ: "سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے بات کرو، وہ تمہیں سچا سمجھتا ہو اور تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

تو تم نے اس اعتماد کو جو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر کرنا چاہئے، اس میں خیانت کی ہے، اس لئے جھوٹ بولنا بری چیز ہے، آدمی کے منہ سے جھوٹی بات نہیں نکلنی چاہئے۔

انسانی معاشرے کو بھی اس سے نفرت ہے، اور ملائکۃ اللہ کو بھی اس سے نفرت ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ:

"اِذَا کَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَکُ مِیْلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ۔" (مشکوٰۃ ص:۴۱۳)

ترجمہ: "جب بندہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹی بات کہتا ہے تو اس کے منہ سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔"

ایک میل دور تک اس جھوٹ کی بدبو پھیل جاتی ہے جو بے ضرر نہ ہو، بلکہ ضرر پر مبنی ہو، یعنی کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینا وغیرہ، جھوٹی گواہی کا معاملہ تو بہت ہی سنگین ہے، اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ شرک باللہ اور بت پرستی کے برابر ہے، اس لئے کہ اس نے جھوٹ کی نجاست کے ساتھ ساتھ دوسرے مسلمان کی ایذا رسانی اس کا مال ہتھیانے اور جہنّم کا ٹکڑا حاصل کرنے کو بھی شامل کرلیا، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے:

"عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَجُلَیْنِ اخْتَصَمَا اِلَیْهِ فِیْ مَوَارِیْثٍ لَمْ تَکُنْ لَّهُمَا بَیِّنَةٌ اِلَّا دَعْوَاهُمَا فَقَالَ مَنْ قَضَیْتُ لَهٗ بِشَیْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِیْهِ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ فَقَالَ الرَّجُلَانِ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا یَا رسول اللہ! حَقِّیْ هٰذَا لِصَاحِبِیْ فَقَالَ لَا! وَلٰکِنْ اِذْهَبَا فَاقْتَسِمَا وَتَوَخَّیَا الْحَقَّ ثُمَّ اسْتَهِمَا لِیُحَلِّلْ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْکُمَا صَاحِبَهٗ۔" (مشکوٰۃ ص:۳۲۷)

ترجمہ: "دو آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، (ایک کندی تھا دوسرا حضرمی، حضرموت کا۔ ناقل) ایک نے دعویٰ کیا دوسرے پر کہ اس نے میری زمین غصب کر رکھی ہے، اور دوسرے کا کہنا یہ تھا کہ میرے باپ دادا کی زمین ہے، (باپ دادا کے وقت سے میرے ہاں چلی آرہی ہے۔ ناقل) گواہ ان میں سے کسی کے پاس بھی نہیں تھا، (اور قسم کھانے کے لئے دونوں تیار تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے۔ناقل) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے لئے میں فیصلہ کردوں اس کے بھائی کے حق سے، تو میں اسے دوزخ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔(جب آنحضرت ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ناقل) تو دونوں صاحب مکر گئے ایک کہنے لگا کہ اس کی ہے، دوسرا کہنے لگا کہ اس کی ہے، (مدّعی کہتا ہے کہ مدّعا علیہ کی ہے، مدّعا علیہ کہتا ہے کہ مدّعی کی ہے، اس پر۔ناقل) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی نتیجے پر متفق نہیں ہوتے ہو تو پھر ایسا کرو، اس زمین کو تقسیم کرلو، اور ایک دوسرے سے معافی مانگ لو، معاف کروالو، اگر کسی کا حق کسی کے ذمے ہے تو معاف کراؤ۔‘‘

تو خیر میں عرض یہ کر رہا تھا کہ جھوٹی شہادت کے ذریعہ یا جھوٹ بول کر کسی مسلمان کا حق اڑا لینا یہ جھوٹ بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس مسلمان کی حق تلفی بھی ہے اور یہ گناہ بڑا سنگین ہے۔

امانت وخیانت کا بیان

دُوسروں کی خفیہ باتیں سننا خیانت ہے

[حدیث:۵۲۶] ’’عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْهُمَا، وَمَنِ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ أَوْ يَفِرُّونَ مِنْهُ صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔‘‘

(رواہ البخاری، کتاب التعبیر، بَاب مَنْ كَذَبَ فِي حُلُمِهِ، حدیث:۶۵۲۰)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے کان لگایا ایسی قوم کی بات سننے کو جو اس کے کان لگانے کو پسند نہیں کرتے تھے، یا اس سے بھاگتے تھے تو اس کے کانوں میں قیامت کے دن پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ جو شخص کچھ لوگوں کی بات کان لگا کر سننے کی کوشش کرے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ حالانکہ وہ لوگ اس کو سنانا نہیں چاہتے، اس سے بھاگتے ہیں، لیکن یہ کوشش کرتا ہے سننے کی، کان لگاتا ہے، تو یہ امانت میں خیانت کرنے والا ہے، چونکہ یہ کانوں کا جرم ہے اس لئے قیامت کے دن پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈالا جائے گا۔

جو لوگ تمہیں بات سنانا نہیں چاہتے تم ان کی بات سننا چاہتے ہو، یہ گناہِ کبیرہ ہے، جس پر وعید سنائی گئی ہے۔ اور اسی کے حکم میں ہے کسی کا خط اس کی اجازت کے بغیر پڑھنا، اور اسی کے حکم میں ہے کہ جو بات کسی خفیہ مجلس میں کہی جائے اس کو سن کر دُوسروں کو بتانا، البتہ اگر یہ مفسد لوگ ہوں اور کسی کے خلاف

کوئی سازش کررہے ہوں تو ان کی سازش سے بچنے کے لئے یا اللہ کی مخلوق کو بچانے کے لئے ان کی بات سننے کی کوشش کرنا اور یا ان کی غلط باتوں کا افشاء کرنا یا ذمہ دار لوگوں کو مطلع کرنا، یہ اس حکم میں نہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ﴾ (النساء: ۱۱۴)

ترجمہ: ''لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں، مگر جو لوگ (خفیہ) مشورہ کریں کسی کو صدقہ دینے کا یا کسی اور بھلائی یا خفیہ مشورہ کر رہا ہو نیکی کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا۔''

صرف تین چیزوں میں خیر ہے، باقی اس کے علاوہ جو ان کے مشورے ہوتے ہیں ان میں اکثر میں خیر نہیں۔ غرضیکہ چھپ کر ایسے مشورے کرنا یہ بھی جائز نہیں، جبکہ اس میں کسی مسلمان کے خلاف کوئی سازش کی جارہی ہو، کسی کو مارنے کا، لوٹنے کا، قتل کرنے کا، ایذا پہنچانے کا منصوبہ بنایا جارہا ہو، ایسی مجلس جائز ہی نہیں، ہاں! اگر کوئی کسی جائز معاملے میں مشورہ کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔

دو آدمی مشورہ کررہے ہیں اپنے کاروبار کے بارے میں، تو ٹھیک ہے، ان کی بات سن سکتے ہیں، ان کی بات سننا جائز ہے، لیکن جن لوگوں کے بارے میں یہ شبہ ہو کہ خدانخواستہ غلط مشورہ کرتے ہوں گے تو ان کی بات سننا چاہئے اور اس کو معلوم کر کے اس کا افشا کرنا چاہئے، اور ذمہ دار لوگوں کو بتانا چاہئے تاکہ اللہ کی مخلوق ایک ضرر سے محفوظ رہے۔

کسی کے گھر میں جھانکنا یہ خیانت ہے

[حدیث: ۵۲۷] ''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَنْ أَطْلَعَ فِيْ بَيْتِ قَوْمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ فَقَدْ حَلَّ لَهُمْ أَنْ يُفْقِئُوْا عَيْنَهُ۔''

(رواہ مسلم، کتاب الاداب، بَاب تَحْرِيمِ النَّظَرِ فِي بَيْتِ غَيْرِهِ، حدیث: ۴۰۱۶)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی قوم کے گھر میں جھانکے بدون ان کی اجازت کے تو البتہ ان کو حلال ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالیں۔''

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: اگر کوئی شخص کسی کی اجازت کے بغیر ان کے گھر میں جھانک کر دیکھے تو گھر والوں کو اس کی آنکھ پھوڑنے کا اختیار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے گھر میں جھانکنا

نہیں چاہئے، اسی لئے حکم ہے کہ اگر کسی کے دروازے پر جا کر دستک دو اور اجازت لو تو دروازے سے ہٹ کر کھڑے ہو، دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہو، حدیث شریف میں ایک قصہ آتا ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں جھانکا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چیز تھی جس سے اپنے آپ کو کھجلا رہے تھے، فرمایا کہ: خیر اَب تو کچھ نہیں کہتا، لیکن اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تو میری طرف جھانکتا ہے تو میں تیری آنکھیں پھوڑ دیتا اس آلے کے ساتھ۔ اور اس موقع پر فرمایا:

"اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ النَّظَرِ۔" (متفق علیہ)

ترجمہ: "اجازت کی رسم اللہ تعالیٰ نے اسی لئے تو مقرر فرمائی ہے کہ تاکہ کوئی دیکھے نہیں"

کسی کے گھر میں کوئی جھانک کر نہ دیکھے۔ اب رہا یہ فقہی مسئلہ کہ اگر کسی نے کسی کے گھر میں جھانک کر دیکھا اور اس نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس پر دیت لازم آئیگی یا نہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ اس کی آنکھ پھوڑ دینا جائز ہے تو دیت کیسے لازم آئے گی؟ اس پر دیت نہیں، یعنی خون بہا یا عضو کے تلف کرنے کا بدلہ۔ لیکن ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا بدلہ دینا ہوگا اور یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "تغلیظا" فرمائی تھی، یعنی یوں کہو کہ مطلب یہ ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑنا جائز ہونا چاہئے، آخرت میں اس کو گناہ نہیں ہوگا، لیکن دُنیا میں اس کا بدلہ دیا جائے گا یا نہیں؟ یہ الگ بحث ہے۔

خیانت کی ایک قسم

[حدیث:۵۲۸] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تُؤْتَى مَشْرُبَتُهُ فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهُ فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ إِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوعُ مَوَاشِيهِمْ أَطْعِمَتَهُمْ فَلَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔" (رواہ مسلم، کتاب اللقطة، بَاب تَحْرِيمِ حَلْبِ الْمَاشِيَةِ بِغَيْرِ إِذْنِ مَالِكِهَا، حدیث:۳۲۵۴)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ دوہے (دودھ نہ نکالے) تم میں سے کوئی آدمی کسی کے مویشی کو مگر اس کی اجازت کے ساتھ، کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ کوئی اس کی کوٹھڑی میں آجائے، اس کا خزانہ توڑ لے اور اس کا غلہ وہاں سے منتقل کرلیا جائے، بات یہ ہے کہ ان کے مویشیوں کے تھن، ان کے لئے ان کے کھانوں کو محفوظ رکھتے ہیں، پس تم میں

سے کوئی شخص کسی کے مویشی کو اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ: کسی شخص کو کسی کے مویشی کا دودھ نہیں نکالنا چاہئے، جنگل میں مویشی چر رہے ہوں، تو لوگ ان کا دودھ نکال لیتے ہیں، بکریاں چر رہی ہیں ان کا دودھ نکال لیا، شام کو جب بکریاں واپس آئیں گی تو ان کے تھن خالی ہوں گے، تو آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی کہ کسی شخص کو کسی کا مویشی چاہے گائے ہو، بھینس ہو، بکری ہو یا اُونٹنی ہو، اس کی اجازت کے بغیر اس کا دُودھ نہیں نکالنا چاہئے اور اس سلسلے میں فرمایا کہ: کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ کوئی آدمی اس کی کوٹھڑی میں گھس آئے اور اس کا غلہ توڑ لے، اور غلے میں سے نقدی یا اس کا ذخیرہ وہاں سے منتقل کرلے اور اس مالک کو پتا ہی نہ ہو، کیا پسند کروگے اس کو؟ ظاہر ہے کہ اس کو کوئی پسند نہیں کرے گا، فرمایا کہ: یہ جو مویشی چر رہے ہوتے ہیں ان کے تھن یہ ان کے مالکوں کے لئے ان کے دودھ اور ان کی غذا کا خزانہ ہیں، لہٰذا تم میں سے کوئی شخص کسی کے مویشی کو اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔

اس حدیث شریف میں ایک تو بہت صاف حکم آگیا کہ کسی کا مویشی نہیں دوہنا چاہیے، یعنی اس کا دودھ نہیں نکالنا چاہئے، اور یہاں اگر کسی کی مرغی چلی جائے تو وہ لوگوں کے لئے حلال ہوجاتی ہے۔ بقول کسی کے یہ تو دودھ کی بات کرتے ہیں لوگ تو ہاتھی نگل جاتے ہیں۔

مسلمان کی امانت اور دیانت کا معیار یہ ہے کہ ایک قطرہ بھی کسی کے مویشی کے تھنوں سے نہ لے، اور اگر اس کو ضرورت پیش آجائے تو اجازت لے، البتہ اس میں سے ایک اضطرار کی حالت مستثنیٰ ہے، یعنی کوئی شخص ایسی کیفیت میں مبتلا ہوجائے کہ اگر یہ دُودھ نکال کر نہ پیئے گا تو مرجائے گا، اس کی موت واقع ہوجائے گی، تو ہمارے فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ دوسرے کی چیز بقدرِ ضرورت استعمال کرلے، لیکن اس نیت کے ساتھ کہ میں اس کو واپس کردوں گا، میں اس کا بدل اس کو دوں گا، اب وہاں مالک نہیں ہے اور اس سے اجازت بھی نہیں لے سکتا، اس سے خرید بھی نہیں سکتا لیکن کیفیت اضطراری ہوگئی، یا یوں کہو کہ کوئی بدبخت اس کو مجبور کرتا ہے کہ تجھے قتل کردیں گے ورنہ یہ حرام کھا، تو اس وقت اپنی جان بچانے کے لئے اس حرام کا ارتکاب اس کے لئے جائز ہے، لیکن نیت یہ کرے کہ میں مالک کو ادا کروں گا، اور یہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے تین دن کا آدمی بھوکا ہو، اور جان خطرے میں ہو تو مردار حلال ہوجاتا ہے، مردار تو حرام ہی رہتا ہے، مردار کسی وقت میں حلال نہیں ہوتا، لیکن اس کے لئے اس وقت میں اس کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے جان بچانے کے لئے، تو جب تک کہ ایسی کیفیت نہ ہو اس وقت تک کسی مسلمان کے مال میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

آنحضرت ﷺ کا مشہور خطبہ ہے حجۃ الوداع، آپ ﷺ نے پوچھا کہ: یہ کون سا مہینہ ہے؟ حج کس مہینے میں ہوتا ذی الحجہ میں ہوتا ہے اور کس مہینے میں ہوتا ہے؟ صحابہ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بہتر

جانتے ہیں! فرمایا کہ: یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ عرض کیا: جی ہاں! یہ ذی الحجہ ہی ہے، فرمایا: یہ کون سا دن ہے؟ کہا کہ: اللہ اور اس کے رسول کو معلوم ہوگا! فرمایا کہ: کیا یہ عرفہ کا دن نہیں ہے؟ فرمایا: ہاں! فرمایا: یہ کونسی جگہ ہے؟ صحابہ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں! حالانکہ عرفات کا میدان ہے ساری دنیا جانتی ہے، لیکن تب بھی فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: کیا یہ عرفات کا میدان نہیں ہے؟ کہا: بالکل! صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ: یہ ہم نے اس لئے کہا تھا ''اللہ ورسولہ اعلم'' کہ اگر اللہ اور اس کا رسول ان کا کچھ اور نام رکھ دیں گے تو آئندہ ہم وہی پکارا کریں گے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: سن رکھو!

''إِنَّ أَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ وَدِمَائَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا۔''

(مسند احمد بن حنبل، السنن الکبریٰ للبیھقی، طبرانی)

ترجمہ: ''تمہارے مال، تمہاری آبروئیں اور تمہارے خون ایک دوسرے کے لئے ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ آج کے دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینے میں جیسی بیت اللہ کی حرمت ہے ایسی ہی کسی کی جان کی اور مال کی حرمت ہے۔''

یہ رسول اللہ ﷺ اعلان فرما رہے ہیں، حرم مکہ کی اور شہر مکہ کی جو حرمت ہے وہ تمہارے مالوں کی، تمہاری آبروؤں کی اور تمہارے خونوں کی حرمت ہے، یعنی دوسروں کے لئے اس کا حلال کرنا جائز نہیں، نہ کسی کا مال لینا، نہ کسی کی آبروریزی، نہ کسی کی خونریزی کرنا۔

یہاں میں صرف یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اپنی اُمّت کے افراد کو کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں، کاش! کہ ہمارے دل میں بھی بیٹھ جائے، ہم دوسرے شخص کی عزت وآبرو، جان ومال کو اس حرمت وعزت واحترام کی نظر سے نہیں دیکھتے، یہی حال مال کا ہے ہم کہتے ہیں کہ معمولی چیز ہے کھالو، میں نے کہا کہ صرف ایک اضطرار کی صورت مستثنیٰ ہے اور دوسری صورت یہ مستثنیٰ ہے کہ اپنا کوئی خاص دوست ہو، تم اس کا مال لوٹ کر کھاؤ، اس کو معلوم ہوجائے تو اس کی طبیعت خوش ہوجائے، ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں بہت کم کہ اس کو پتا چلنے پر وہ خوش ہوجائے تو اس کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز ہے، کیونکہ حقیقت میں اس کی طرف سے اجازت ہے یہ بے اجازت لینا نہیں ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معارفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(چار جلدیں)

(منتخب احادیثِ نبویہ کا آسان اور عام فہم ترجمہ وتشریح)

خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے۔ یومِ ولادت سے لے کر روزِ وصال تک ہر ہر لمحہ خالق ارض وسما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالوں کے ذریعہ محفوظ کرادیا ہے۔ دنیائے انسانیت کسی بھی عظیم المرتبت ہستی کے حالاتِ زندگی، انداز واطوار، مزاج ورجحان، حرکات وسکنات، نشست وبرخاست اور عمل وکردار اتنے تحقیقی اور سند کے ساتھ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کو امت کی رہنمائی کے لیے مرتب فرمادیا ہے۔

ہمارے جدِّ امجد شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ نے اس کتاب ”معارفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم“ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، اسوۂ حسنہ اور ارشادات کی روشنی میں زندگی گزارنے کا طریقہ، عقائد ونظریات، زہد وتقویٰ، اخلاقیات، حسنِ سلوک، طہارت وپاکیزگی، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وعمرہ، آدابِ معاشرت، کھانے پینے کے آداب، لباس اور زیب وزینت، علاج معالجہ، نکاح وطلاق، خرید وفروخت، فضائلِ جہاد وشہادت اور دیگر موضوعات سے متعلق احادیث مبارکہ کی سادہ اور دل نشیں انداز میں ترجمہ وتشریح کی ہے جو علماء طلباء اور عوام الناس میں بے حد پسند کی گئی ہے۔

عرصہ دراز سے ہمارے دوست واحباب، معزز قارئین اور ہمارے بعض کرم فرماؤں کا شدت سے تقاضا تھا کہ حضرت شہیدِ اسلامؒ کی تصانیف آن لائن پڑھنے اور استفادہ کے لئے دستیاب ہوں۔ چنانچہ اکابرین کی توجہات، دعاؤں اور مخلص ماہرین ومعاونین کی مسلسل جدوجہد اور شبانہ روز تگ ودو کا ثمرہ ہے کہ ان کتب کو نہایت خوبصورت اور جدید انداز میں تیار کیا گیا ہے، چنانچہ آپ مطالعہ کے لئے فہرست سے ہی اپنے پسندیدہ اور مطلوبہ موضوع پر ”کلک“ کرنے سے اس تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔ جبکہ کسی بھی صفحہ پر موجود فہرست کے آپشن کو استعمال کرکے فہرست تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

''شہیدِ اسلام پورٹل'' کے پلیٹ فارم سے حضرت شہیدِ اسلام نور اللہ مرقدہ کی تصانیف کو انٹرنیٹ کی دنیا میں متعارف کرانے کی سعادت حاصل کرنے پر ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں سربسجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ہمارے اکابرین کے علوم و معارف کا فیض عام فرمائے۔

جن حضرات کی دعاؤں اور توجہات سے اس اہم کام کی تکمیل ہو پائی، میں ان کا بے حد مشکور ہوں خصوصاً میرے والد ماجد مولانا محمد سعید لدھیانوی دامت برکاتہم، شاہینِ ختمِ نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم اور شیخ ڈاکٹر ولی خان المظفر حفظہ اللہ جن کی بھرپور سرپرستی حاصل رہی۔

اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمر میں برکت عطا فرمائے اور صحت و عافیت کے ساتھ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اسی طرح حافظ محمد طلحہ طاہر (ناظم مکتبہ لدھیانوی)، جناب امجد رحیم چوہدری سمیت تمام معاونین کہ جن کا کسی بھی طرح تعاون حاصل رہا تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا اور رضوان سے نوازے۔ آمین

مفتی محمد الیاس لدھیانوی
بانی و منتظم ''شہیدِ اسلام پورٹل''
www.shaheedeislam.com
Info@shaheedeislam.com
+923219264592
یکم رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ

نوٹ: Mobile اور IPad وغیرہ میں بہتر طور پر دیکھنے کے لیے "Adobe Acrobat" کو "PDF Reader" کے طور پر استعمال کریں۔

معارفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نظر میں

۱

حدیث کی اہمیت وحجیت پر مفید
رسالہ ’’انکارِ حدیث کیوں؟‘‘
ایمانیات، موت، برزخ اور قیامت
کے حالات، جنت کے مناظر
جہنم کے احوال، دنیا سے بے رغبتی
حسن سلوک اور صلہ رحمی

۲

طہارت و پاکیزگی، وضو و غسل
کے احکام، نماز کی فضیلت و اہمیت
مسجد کے آداب، نفل نمازیں
زکوٰۃ اور اس کی ادائیگی، صدقہ وخیرات
روزے کی فضیلت، تراویح، اعتکاف
لیلۃ القدر کی فضیلت، حج وعمرہ سے
متعلق احادیث

۳

ذکرواذکار
فضائل قرآن، دعا اور
اس کے آداب، اسلامی معاشرت
ومعاملات، کھانے کے آداب پینے کے
آداب واحکام، لباس اور زیب وزینت
علاج ومعالجہ نکاح وطلاق، اور
خرید وفروخت سے متعلق احادیث
کی تشریح وتوضیح

۴

علم کی فضیلت
سنت و بدعت کا بیان
جہاد کی فضیلت، شہید کے احکام
غزوات کا بیان، فتنہ وفساد
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
صحابیات ؓ، اور امہات المؤمنین
کے فضائل ومناقب

Designed by Talha Tahir

مکتبہ لدھیانوی
18- سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
021-34130020-0321-2115595-0321-2115502
www.shaheedeislam.com